سرپرست
محی الدین نواب
1

پیش لفظ

میں کچھ لکھنے سے پہلے بار بار سوچتا ہوں کہ اپنے پڑھنے والوں کو اپنی تحریر کے ذریعے کیا دے سکتا ہوں؟ کس طرح انہیں متاثر کرسکتا ہوں؟ کس طرح ان کے دلوں میں اتر سکتا ہوں اور ذہنوں میں نقش ہو سکتا ہوں؟

اور بے شک قارئین نے اندازہ کیا ہو گا کہ میں ڈوب کر سوچتا ہوں تب ہی ڈوب کر لکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے عزت دے رہا ہے۔ میرے پڑھنے والے بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ وہ بھی ڈوب کر پڑھتے ہیں۔ میری تحریر میں اشاروں اور کنایوں کو سمجھتے ہیں۔ میں لفظوں کے موتی چنتا ہوں' وہ موتیوں کی مالا پروتے ہیں۔ میری تحریر کے لفظوں میں چھپے ہوئے معنی و مفہوم کو خوب سمجھتے ہیں اور قلم کے اس مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے داد و تحسین کی صورت میں معاوضہ ادا کر دیتے ہیں۔

اس بار میں سرپرست کے عنوان سے ایک ناول پیش کر رہا ہوں' ناول ایک ہے لیکن یہ کئی حصوں پر مشتمل ہے' عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ کہانی طویل ہوتی جائے تو اپنا تاثر کھونے لگتی ہے۔ اس میں پہلے جیسی دلچسپی نہیں رہتی۔ خدا کا شکر ہے' میرے ساتھ ایسا کبھی نہیں ہوا' میری لکھی ہوئی کہانیاں جس قدر طوالت اختیار کرتی ہیں' اسی قدر دلچسپی اختیار کرتی چلی جاتی ہیں۔

اس سے قبل جرم وفا' ادھورا ادھوری اور اندھیر نگری جیسے طویل ناول قارئین کی توجہ حاصل کر چکے ہیں۔ یہ زیر نظر ناول ''سرپرست'' ان سے بہت زیادہ دلچسپ ہے اور ایسے ایسے سچے واقعات سے بھرپور ہے کہ اسے شروع کیا جائے تو جی چاہتا ہے' یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔

مجھے یقین ہے کہ اس کا پہلا حصہ پڑھنے والے اس کے آئندہ حصوں کو پڑھنے کے

لئے بے چینی سے منتظر رہا کریں گے۔

اس ناول کی مقبولیت کا اندازہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ اس کی ڈرامائی تشکیل ہوچکی ہے اور یہ ایک طویل ڈرامہ سیریل کی صورت میں "جیو" چینل سے نشر کیا جارہا ہے۔

یہ ڈرامہ "سرپرست" گزشتہ 10 جون 2003ء سے نشر ہورہا ہے اور ہر منگل' بدھ' جمعرات اور جمعہ کی رات 8:30 بجے پیش کیا جاتا ہے پھر دوسرے دن شام کو 4:30 بجے اسے اسکرین پر دہرایا جاتا ہے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ یہ ناول "سرپرست" پڑھنے کے دوران میں "جیو" چینل پر ڈرامہ بھی دیکھیں۔ اس ڈرامے کے باعث ناول پڑھنے کا لطف دوبالا ہوجائے گا۔ میری خواہش ہے کہ قارئین ادارہ علی میاں پبلیکیشنز کے توسط سے اپنی آراء پیش کریں۔ میں ان کی قیمتی آراء کا منتظر رہوں گا۔

آپ کا اپنا

محی الدین نواب

وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی اور گرتی پڑتی' کسی نہ کسی طرح زینے طے کرتی ہوئی اوپری برآمدے کی طرف جارہی تھی۔ اس کا لباس پسینے سے بھیگتا جارہا تھا۔ وہ بار بار پلٹ کر دیکھ رہی تھی کہ پیچھے آنے والا اب کتنے فاصلے پر رہ گیا ہے۔ زینے کے ہر پائدان پر قدم رکھتے وقت اُسے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ بالکل قریب پہنچ گیا ہے اور اب تب میں اس پر جھپٹنے ہی والا ہے۔

پیچھا کرنے والے مراد نے بڑی آہستگی سے پکارا۔ "فہمی!"

افسوس وہ اپنا نام نہیں جانتی تھی۔

بظاہر یہ بڑی عجیب سی بات تھی کہ ایک جوان لڑکی اپنا نام نہیں جانتی تھی مگر اس کے ساتھ کچھ ایسی ہی ٹریجڈی تھی۔ کوئی لاکھ چیخ چیخ کر باتیں کرے' اس کا نام لے کر پکارے پھر بھی اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ کیونکہ..........

وہ بہری تھی۔

ایک سہمی ہوئی ہرنی اپنا نام نہیں جانتی لیکن شکاری کی چال کو پہچانتی ہے۔ مراد کی چال بھی ایسی ہی تھی جیسے کوئی شکاری اپنے شکار کو پچکارتا ہوا اس کی سمت بڑھ رہا ہو۔

شکاری کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ نشے میں تھا اور اپنی لال انگارہ جیسی آنکھوں سے اسے گھورتا آرہا تھا۔ اس کے دل میں دہشت طاری کرتا جارہا تھا۔

وہ بدحواسی میں اور زیادہ لڑکھڑانے لگی۔ زینے پر چڑھنا روز کا معمول تھا لیکن اس وقت یوں لگ رہا تھا جیسے پہاڑ پر چڑھ رہی ہو۔

رات کے دو بج رہے تھے۔ کوٹھی کے اندر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ تاریکی میں ڈوبے ہوئے تمام کمرے ظاہر کررہے تھے کہ کوٹھی کے افراد گہری نیند سو رہے ہیں۔

فہمی نے کئی بار چاروں طرف نظریں دوڑائیں' کسی سے مدد کی توقع کی' کسی سہارے کی تلاش کی لیکن وہاں کوئی اس کی بے بسی اور مظلومیت کو دیکھنے والا نہ تھا۔

اس کے ساتھ ایک اور ٹریجڈی تھی' وہ کسی کو پکار نہیں سکتی تھی' فریاد نہیں کرسکتی

تھی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ اس کے پاس فریاد کرنے والی زبان ہی نہیں تھی۔ کیونکہ............

وہ گونگی بھی تھی۔

آہ! بہری بھی تھی اور گونگی بھی۔

بس یہی دو عیب تھے' ورنہ دیکھنے میں وہ ایسی تھی کہ اس کے بعد کوئی صورت نظروں میں نہیں سماتی تھی۔ چہرہ چندن اور عارض کندن تھے۔

پلکوں کی چلمن سے جھانکنے والی آنکھوں میں بچپن کی معصومیت بھی تھی اور جوانی کی مقناطیسیت بھی۔

ناک کی سنہری کیل یوں چمکتی تھی جیسے کوئی اشارہ مسکرا رہا ہو۔

لبوں پر عمرِ رواں کی تازگی اور گلابیت تھی۔ دونوں لب ایک ذرا سے' بالکل ذرا سے یوں کھلے رہتے تھے جیسے کلی کھلتے کھلتے رہ گئی ہو۔

مراد نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اُسے نشیلی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ اس کی پہنچ سے دور نکل گئی تھی۔ اوپری برآمدے پر کھڑی ہانپ رہی تھی۔

مراد نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے سمجھایا۔ ”رک جاؤ۔“

”نہیں .... نہیں۔“ وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بھاگنے لگی۔

اوپری منزل کے برآمدے میں نیم تاریکی تھی۔ نیچے ڈرائنگ روم کے ایک بلب کی روشنی اچٹتی ہوئی فہمی تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے ایک ذرا رک کر زینے کی طرف دیکھا۔

مراد زینے کی آخری بلندی تک پہنچ گیا تھا۔

وہ دوبارہ پلٹ کر بھاگنے لگی۔ ایسے وقت اس کا دوپٹہ شانوں سے پھسل کر پاؤں کی زنجیر بن گیا۔ وہ الجھ کر اوندھے منہ گر پڑی۔

”آں ہا.......... آہ .... آں..........“ اس کے حلق سے بے سُری کراہیں نکلنے لگیں۔

ایک گرنے کی وجہ سے چوٹ آئی تھی۔ دوسرے ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ایک آدھ ریزے کلائیوں میں کھب گئے تھے۔ خون کے چند قطرے چکنی اور ملائم جلد پر سرخ نگینے کی طرح چمک رہے تھے۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر دہشت کے مارے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔

اس نے دھڑکتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ مراد اوپری برآمدے پر پہنچ گیا تھا۔ ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے لمحہ بہ لمحہ قریب آتا جا رہا تھا۔ اُس کا سارا جسم لرزنے لگا۔ فرش پر لیٹے ہی لیٹے گھسٹنے لگی۔

اس کا کمرہ دو ہاتھ کی دوری پر رہ گیا تھا۔ اگر وہ کسی طرح کمرے میں پہنچ جاتی تو دروازے کو اندر سے لاک کر کے مراد سے محفوظ ہو جاتی مگر وہ کمزور لڑکی تھی۔ ذرا سی بات پر خوفزدہ ہو جاتی تھی۔ حوصلہ ہار جاتی تھی۔ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تو رونے لگتی تھی۔

اس وقت بھی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

عورت کے آنسو اس کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں لیکن اس کی حفاظت کبھی نہیں کرتے۔

وہ کچھ بول نہیں سکتی تھی۔ زیادہ کرتی تو بے ڈھنگی آواز میں چیخنا شروع کر دیتی لیکن بزدلی اور کمزوری کے باعث حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

ویسے چیخنے لگتی۔ تب بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ وہ سونے والوں کو نیند سے چونکا دیتی۔ نیند سے اٹھنے والے ہمدردی کم کرتے' جھنجلاہٹ کا مظاہرہ زیادہ کرتے۔ کچھ اسے برا بھلا کہتے اور کچھ مراد کو تنبیہہ کرتے۔ پھر اپنے اپنے بیڈ روم میں چلے جاتے۔ اکثر یہی ہوتا تھا۔ کوٹھی کی چاردیواری میں اپنی عزت آپ ہی سنبھال کر رکھنی پڑتی تھی۔

فہمی کے اپنے احساسات یہی ہوں گے کہ وہاں سب ہی اس کی طرح گونگے بہرے ہیں۔ کسی کی بات سمجھ سکتے ہیں نہ سمجھا سکتے ہیں۔

وہ نشے میں جھومتا ہوا قریب آ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے کمرے کی دہلیز تک پہنچتی۔ وہ دہلیز کے ساتھ دونوں ٹانگیں پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔

وہ ایک ساعت کے لئے سانس لینا بھول گئی۔ یوں لگا جیسے موت سر پر کھڑی ہو گئی ہے۔ اس کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں۔ مراد فرش پر گھٹنے ٹیک کر آگے کو جھکا۔ پھر اس کے منہ پر سختی سے ہاتھ جما کر ظالمانہ سرگوشی میں بولا۔ ”خاموش رہو۔“

اس کے کھردرے پنجے سے فہمی کا آدھا چہرہ چھپ گیا تھا۔

بڑی بڑی سہمی ہوئی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

مراد نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اشارے سے سمجھایا۔ ”خاموش رہو۔“

پھر اس نے زبان سے سمجھایا۔ ”شور مچاؤ گی تو گلا دبا دوں گا۔“

اس نے ایک ہاتھ سے گردن دبوچ لی۔ یہ دھمکی تھی مگر گونگی کے لئے دھماکہ تھا اور وہ زیادہ سہم گئی۔ نفی میں سر ہلانے لگی۔ اپنے ایک ہاتھ کے اشارے سے۔ ”نہیں نہیں.........“ کی گردان کرنے لگی۔

مراد نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ بازو پکڑ کر فرش سے اٹھاتے ہوئے بولا۔ ”چلو میرے کمرے میں.........“

وہ بھول جاتا تھا کہ فہمیدہ عرف فہمی کسی کی زبان نہیں سمجھتی ہے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے اشارے سے زینے کی طرف چلنے کو کہا۔

وہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اُسے کھینچتا ہوا لے جانے لگا۔ بکری قصائی کی گرفت میں مجبور تھی۔ سہم سہم کر کبھی رک رک کر، کبھی جھٹکے کھا کر جا رہی تھی۔

وہ ریلنگ کو پکڑ کر رک گئی۔ اس کے ساتھ جانے سے انکار کرنے لگی۔ اس نے زور سے جھٹکا دیتے ہوئے ہاتھ کو کھینچا تو وہ کھنچتی چلی گئی۔ اس کھینچا تانی میں ریلنگ پر رکھا ہوا بڑا سا پیتل کا گلدان اس سے ٹکرا کر گر پڑا اور زینے پر ایک ایک پائدان پر لڑھکتا ہوا' اچھلتا ہوا نیچے کی طرف جاتے ہوئے شور مچانے لگا۔

”ٹن ٹن .... ڈھن ٹن .... ڈھن ٹن.........“ رات کے سناٹے میں وہ گلدان خطرے کا گھنٹا بجاتا ہوا ڈرائنگ روم کے فرش پر آ کر خاموش ہو گیا۔

خاموشی کے بعد آواز کی گونج رہ جاتی ہے۔

کوئی انسان نہیں' کوئی جاندار نہیں' ایک بے جان گلدان گونگی کی گونجتی ہوئی فریاد بن گیا۔

زنجیرِ عدل بن گیا۔

☆======☆======☆

کوٹھی کی خاموش فضا میں ہلچل پیدا ہو گئی۔

سب سے پہلے دور ایک کمرے سے دادا جان کی بوڑھی آواز سنائی دی۔ ”کون ہے؟ یہ کیا شور ہے؟“

مراد نے دانت پیس کر فہمی کو دیکھا۔ پھر اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر بولا۔ ”کب تک بچتی رہے گی۔ میرا نام مراد ہے۔ جسے چاہتا ہوں اُسے حاصل کر کے رہتا ہوں۔“

ایک قریبی کمرے کی کھڑکی روشن ہو گئی۔ مراد کے باپ نفاست علی کے بڑبڑانے کی

آواز سنائی دی۔ ”کیا مصیبت ہے رات کو سکون سے سونا نصیب نہیں ہوتا۔“

ایک اور کمرے میں روشنی ہوئی۔ وہاں سے آواز آئی۔ ”مراد .... مراد! کیا ہو رہا ہے؟ یہ آواز کیسی تھی؟“

ایک ایک کمرے کے تمام بلب روشن ہونے لگے۔ مراد نے بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس کے سر کو ایک جھٹکا دے کر اپنی مٹھی سے اس کے بال چھوڑ دیئے۔ پھر تیزی سے پلٹ کر ایک کمرے کی طرف جانے لگا۔

فہمی نے نہ تو گلدان گرنے کی آواز سنی تھی اور نہ ہی گھر والوں کے بولنے کی آوازیں اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ وہ بھاگنے والے مراد کو حیرانی سے دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جو ظلم کر رہا تھا وہ مہربان ہو کر کیوں جا رہا ہے!

پھر تاریکی میں ڈوبے ہوئے کمروں میں روشنی دیکھ کر سمجھ گئی کہ گھر والے جاگ رہے ہیں۔ اپنی سلامتی کا یقین ہوتے ہی وہ دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ کر رونے لگی۔ شاید اس لئے رونا آ رہا تھا کہ ان آنسوؤں سے وہ دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کر سکتی تھی۔

حسرت گراؤنڈ فلور کے ایک کمرے سے نکل آیا۔ وہ ایک دبلا پتلا سا جوان تھا۔ اس کے سر کے بال پھونس کی چھت کی طرح کھوپڑی کے چاروں طرف جھول رہے تھے۔ فرنچ کٹ داڑھی پر منگولین مونچھیں' باچھوں کے اطراف لٹک رہی تھیں۔ اس نے اپنی صراحی دار گردن اونچی کی پھر زینے کی بلندی پر فہمی کو دیکھ کر پوچھا۔ ”اوہ .... فہمی! تم کیوں رو رہی ہو؟“

پھر حسرت کو اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ وہ ایک گونگی بہری کو مخاطب کر رہا ہے۔ پھر اس نے دونوں شانوں کو اچکا کر کہا۔ ”What a pity matter تم سے باتیں کرتے وقت ہمیں بھی گونگا بن جانا پڑتا ہے۔“

فہمی کے پیچھے ایک کمرے کا دروازہ کھلا۔ نفاست علی سلیپنگ سوٹ پہنے ہاتھ میں واکنگ اسٹک لئے باہر آئے۔ واکنگ اسٹک پکڑنے کا انداز ایسا تھا کہ اس کا نچلا سرا بندوق کی نالی کی طرح اٹھا ہوا تھا۔ اُنہوں نے للکارنے کے انداز میں پوچھا۔ ”کون ہے .... کہاں ہے؟“

حسرت نے کہا۔ ”ڈیڈ! گولی چل جائے گی اسٹک نیچے کر لیں۔“

باپ نے جھینپ کر فرش پر چھڑی کو ٹیک دیا۔ فہمی اب تک اپنے دونوں ہاتھوں کو

منہ میں چھپائے رو رہی تھی۔ اسے خبر نہیں تھی کہ زینے کے نیچے اور اوپر گھر کے افراد جمع ہوتے جا رہے ہیں۔

نفاست علی کی بیگم اپنے بھاری بھرکم جسم پر ساڑھی کو اِدھر سے اُدھر لپیٹتی ہوئی کمرے سے باہر آئیں۔ فہمی کو دیکھتے ہی سمجھ گئیں کہ اس لڑکی کی وجہ سے پھر کوئی ہنگامہ ہونے والا ہے۔

وہ بُرا سا منہ بنا کر بولیں۔ "کیا بات ہے' یہ لڑکی دو بجے رات کو کیا تماشا دکھا رہی ہے؟"

نفاست علی نے گھوم کر اپنی بلڈوزر جیسی بیگم کو دیکھا پھر کہا۔ "اور کیا تماشا ہو گا؟ آج بھی تمہارے لاڈلے بیٹے نے اسے پریشان کیا ہو گا۔"

وہ چیخ کر بولیں۔ "جی ہاں' تمام عیب تو میرے بیٹے میں ہی ہیں۔ آپ کی بھانجی تو جیسے پارسا ہے۔ کچھ جانتی ہی نہیں بے چاری۔ آدھی آدھی رات کو اُٹھ کر باغیچے میں جاتی ہے۔ کیا یہ شریف زادیوں کے لچھن ہیں؟"

نفاست علی کے والد عبادت علی اپنے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی بہو کی باتیں سن کر کہا۔ "دلہن! شریف زادیوں کے لچھن دیکھنا چاہتی ہو تو پہلے اپنی اولاد کو دیکھو۔ تمہارے بے جا لاڈ پیار نے صرف لڑکوں کو ہی نہیں بلکہ لڑکی کو بھی گمراہ کر دیا ہے۔ وہ باپ دادا کی تہذیب کو بھول کر ہپی بن رہے ہیں۔ بوائے فرینڈز اور گرل فرینڈز کے ساتھ بے حیائی سے ناچتے گاتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔"

کبریٰ بیگم نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا اور اندر ہی اندر غصے کو ضبط کرنے لگیں۔ وہ اپنے سسر سے لڑنا جھگڑنا نہیں چاہتی تھیں۔

اپنے بچوں کی برائی سن کر خاموش بھی نہیں رہ سکتی تھیں۔ انہوں نے اپنے خاوند نفاست علی کو گھور کر دیکھا اور آہستگی سے بولیں۔

"کتنے افسوس کی بات ہے۔ آپ کے ابا جان آپ کے بچوں کو بُرا کہہ رہے ہیں۔ میں تو کچھ نہیں کہوں گی' آپ ہی جواب دیں.........."

ایسے وقت نفاست علی شش و پنج میں رہ جاتے تھے۔ انہیں اپنے بیوی بچے بے حد عزیز تھے لیکن وہ اپنے والد سے اس مسئلے پر بحث نہیں کر سکتے تھے کہ کون گمراہ ہے اور کون راہِ راست پر ہے؟

ایک طرف بوڑھے والد تھے جو نوجوانوں پر مشرقی تہذیب مسلط کرنا چاہتے تھے اور دوسری طرف ان کے نوجوان بچے تھے جو موجودہ دور کی ست رنگی تہذیب سے اس گھر کے ماحول کو رنگنے کی کوشش کر رہے تھے۔

نفاست علی کے ایک طرف ان کا ماضی تھا جو بزرگوں کی عظمت کا احساس دلاتا تھا۔ دوسری طرف مستقبل تھا۔ یہ مستقبل نئی نسل کے ہاتھ میں تھا اور نئے تقاضوں کو منوانا چاہتا تھا۔ وہ دونوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے۔ کسی کی ناراضگی انہیں گوارا نہیں تھی۔ انہوں نے اپنے والد کی جانب دیکھتے ہوئے لجاجت سے کہا۔ "ابا جان! آپ لوگ خواہ مخواہ کی بحث لے بیٹھے ہیں۔ ہمیں تو فی الحال یہ معلوم کرنا چاہئے کہ فہمی اتنی رات کو یہاں کھڑی کیوں رو رہی ہے؟"

عبادت علی نے کہا۔ "نفاست! فہمی سے کہو میری طرف دیکھے.........."

نفاست علی نے آگے بڑھ کر فہمی کے شانے کو نرمی سے تھپتھپایا۔ کسی کے ہاتھ کو اپنے شانے پر محسوس کر کے وہ چونک گئی۔ اُس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے سامنے اُس کے ماموں نفاست علی کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے اس کی ممانی کبریٰ بیگم کھڑی بڑی حقارت سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔ اس وقت حقارت کی وجہ محض اتنی سی تھی کہ فہمی کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ کر کچھ اور خوبصورت اور جاذب نظر ہو گیا تھا اور دیکھنے والوں کو ہمدردی کے لئے راغب کر رہا تھا۔

نفاست علی نے اشارے سے بتایا کہ اس کے نانا جان اسے بلا رہے ہیں اس نے گھوم کر زینے کی پستی کی طرف دیکھا۔ عبادت علی کے بوڑھے ہاتھ زینے کی بلندی کی طرف اٹھے ہوئے اُسے اپنی آغوش میں بلا رہے تھے۔ یکبارگی وہ بجلی کی طرف تڑپی' لہرائی اور کھلی ہوئی آغوش کی جانب بھاگنے لگی۔

"ارے بیٹا! خدارا آہستہ سنبھل کر آؤ.......... ورنہ گر پڑو گی۔"

عبادت علی گھبرا کر آگے بڑھے۔ اگر اسے نانا کی نصیحت سنائی دیتی تو وہ پھر بھی نہ سنتی۔ کیونکہ اس وقت وہ نہیں دوڑ رہی تھی۔ اس کے نانا کی محبت اور شفقت اسے زینے کی بلندی سے پرواز کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

وہ زینے کے ایک ایک' دو دو پائدان کو پھلانگتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی اور عبادت علی سے لپٹ گئی۔ ان کے بازوؤں میں چھپ گئی۔ پہلے وہ آہستہ آہستہ سسکیاں لے رہی تھی۔ اب ایک محفوظ پناہ گاہ میں پہنچتے ہی بلک بلک کر رونے لگی۔ جیسے کوئی ننھی

بے جان بچی کسی کی گود کے لئے' کسی کی محبت اور توجہ کے لئے مچل مچل کر روتی ہے۔

عبادت علی اس کے سر کو سہلا رہے تھے۔ تھپک تھپک کر تسلی دے رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد فہمی نے دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے اوپر اس کمرے کی جانب انگلی اٹھائی جس میں مراد روپوش ہو گیا تھا۔

تمام لوگوں کی نظریں بے اختیار اس کمرے کی جانب اٹھ گئیں۔ وہ کمرہ نفاست علی کی بیٹی زیبی کا تھا۔ کبریٰ بیگم نے چیخ کر کہا۔ "یہ لڑکی میری بیٹی کے کمرے کی طرف کیوں اشارہ کر رہی ہے؟ کیا زیبی نے اسے رلایا ہے؟"

عبادت علی نے اشاروں کی زبان میں فہمی سے پوچھا۔ "اس کمرے میں کیا ہے؟"

گونگے انسان کی زبان اس کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ فہمی دائیں ہاتھ کی مٹھی باندھ کر اس انداز میں اپنے منہ کی طرف لائی جیسے کسی گلاس یا بوتل سے کوئی چیز پی رہی ہو۔ اس نے سمجھ لیا کہ وہ شراب پینے والے مراد کے متعلق کہہ رہی ہے۔

عبادت علی نے ناگواری سے کہا۔ "نفاست! زیبی کے کمرے میں مراد ہے۔ اسے یہاں بلاؤ۔"

نفاست علی نے باپ کا حکم سن کر سر جھکا لیا اور بوجھل قدموں سے زیبی کے کمرے کی طرف جانے لگے۔ کبریٰ بیگم پریشان ہو کر سوچنے لگیں کہ نہ جانے بیٹے پر کون سا الزام عائد ہونے والا ہے۔

نفاست علی نے دروازے پر دستک دی۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ مراد کے بجائے زیبی جمائی لیتی ہوئی کمرے سے باہر آئی اور نیند سے بوجھل آنکھوں کو ملتے ہوئے بیزاری سے منمنانے لگی۔ اس وقت وہ سلیپنگ گاؤن پہنے ہوئے تھی۔ شاداب جسم کی گوری رنگت پر ہلکے آسمانی رنگ کا گاؤن خوب کھل رہا تھا۔ سر کے بال سنہری اور شانوں تک تراشے ہوئے تھے۔ سونے سے پہلے چہرے کا میک اپ اتار دیا گیا تھا۔ پھر بھی اس کے حسن میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ آنکھیں نیلی تھیں۔ سر کے بالوں کی طرح پلکیں بھی سنہری تھیں جو کاجل کی دھار پر سیاہ ہو جایا کرتی تھیں۔ ستواں ناک عورت کے غرور کی طرح اونچی تھی۔ لب خاموش تھے۔ مگر خاموش رہ کر بھی رس بھری سرگوشیوں میں دوسروں کی توجہ کو پکارتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ بغیر میک اپ کے وہ ایسی تھی۔ میک اپ کے بعد کیسی ہو گی۔ یہ آئینہ ہی بتا سکتا تھا۔

ویسے یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت تھی کہ عبادت علی کے خاندان میں عورتوں کا حسن مثالی ہوا کرتا تھا۔ عبادت علی نے ڈرائنگ روم سے گرج کر پوچھا۔ "مراد کہاں ہے؟ اسے یہاں بلاؤ!"

زیبی سر کھجاتی ہوئی بیزاری سے بولی۔ "اوہ دادا جان! میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ آج پھر آپ کی عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا۔ یہ بھائی جان شراب پی کر میرے لئے مصیبت بن جاتے ہیں۔ جب دیکھا مجھے ہی ان کی طرف سے صفائی پیش کرنا پڑتی ہے۔"

نفاست علی نے کہا۔ "تم اس کی طرف سے وکالت نہ کرو۔ اسے باہر آنے کو کہو۔ وہ ہم سے منہ کیوں چھپا رہا ہے؟"

"منہ نہیں چھپا رہے ہیں۔" زیبی نے کہا۔ "بلکہ نشے میں آؤٹ ہو گئے ہیں۔ وہ آپ لوگوں کی باتوں کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ جو کچھ پوچھنا ہے مجھ سے پوچھئے۔ میں یہاں موجود تھی۔"

عبادت علی نے بے یقینی سے کہا۔ "تم ابھی نیند سے بیدار ہو کر آنکھیں ملتی ہوئی آرہی ہو پھر تم کیسے یہاں موجود تھیں۔"

زیبی نے دوسری بار جمائی لے کر کہا۔ "یہ ایک گھنٹے پہلے کی بات ہے۔ بھائی جان مدہوشی کی حالت میں نیچے اپنے کمرے کی طرف نہ جا سکے۔ اس لئے میں انہیں سہارا دے کر اپنے کمرے میں لے آئی۔ تعجب ہے ایک گھنٹے کے بعد فہمی کون سی شکایت لے کر بیٹھ گئی ہے؟"

فہمی اپنے نانا جان کے پاس کھڑی ہوئی اوپری برآمدے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ زیبی کے کمرے سے مراد باہر آئے گا لیکن زیبی تنہا کمرے سے نکل کر باتیں کرنے لگی تو اس نے اپنے نانا سے اشارے میں کہا کہ مراد کمرے کے اندر ہے۔ وہ دونوں ہاتھ اپنے گلے پر رکھ کر ظاہر کرنے لگی کہ مراد کس طرح اس کا گلا دبوچ رہا تھا۔

عبادت علی نے غصے سے کہا۔ "نفاست! دیکھو یہ کیا کہہ رہی ہے؟ کیا مراد کے حوصلے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ وہ میری بچی کا گلا دبا کر اسے مارنا چاہتا ہے۔"

نفاست علی سے پہلے ہی کبریٰ بیگم نے چیخ کر کہا۔ "جھوٹوں پر خدا کی مار۔ میرے بیٹے کو کسی کا گلا دبا کر پھانسی پر چڑھنے کا ارمان نہیں ہے۔"

نفاست علی نے بھی ہچکچاتے ہوئے اپنے والد سے کہا۔ "ابا جان! مراد میں ایک عیب ہے کہ وہ شراب پیتا ہے۔ ولایتی بیئر اور وہسکی امپورٹ کرنے کا کاروبار کچھ ایسا ہے کہ

اسے پینے کی لت پڑ گئی ہے لیکن وہ دل کا بُرا نہیں ہے۔ فہمی کا دشمن نہیں ہے۔ آپ خود ہی سوچئے کہ وہ فہمی کا گلا کیوں دبائے گا۔ آخر اسے کیا دشمنی ہے؟"

عبادت علی ذرا دیر کے لئے سوچ میں پڑ گئے۔ مراد ایک معصوم لڑکی کا گلا کیوں دبائے گا۔ اس کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ زیبی نے مسکرا کر کہا۔

"گونگی کے اشارے اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتے اس لئے سمجھنے والے غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بھائی جان نے محض دھمکی دینے کے لئے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر صرف اتنا کہا تھا کہ آئندہ وہ راتوں کو باغیچے میں نہ جایا کرے کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو خاندان کی بدنامی ہو گی۔ اب آپ ہی انصاف کریں کہ بھائی جان نے کون سی غلط بات کہی ہے؟ افسوس تو اس بات کا ہے کہ دادا جان میں اپنے فرینڈز سے ملتی ہوں۔ ذرا ہنستی بولتی ہوں تو آپ مجھے بے شرم اور آوارہ کہہ کر باتیں سناتے ہیں۔ مگر آپ کی نواسی آدھی رات کے بعد بھی کوٹھی سے باہر جاتی ہے تو اس میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ ہمارا کیا ہے ایک دن خود ہی پتہ چل جائے گا کہ وہ باغیچے میں جا کر کیسے کیسے گل کھلاتی ہے۔ میں نے بھائی جان کو کئی مرتبہ سمجھایا ہے کہ وہ فہمی کو نصیحت نہ کیا کریں۔ مگر وہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ خاندان کی عزت کو مٹی میں ملتے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ بھلائی کے لئے آگے بڑھتے ہیں لیکن برائی سامنے آ جاتی ہے۔"

کبریٰ بیگم نے بیٹے کی حمایت میں یہ رپورٹ سنی تو محاورتاً اُن کی گردن اونچی ہو گئی۔ کیونکہ موٹاپے کی وجہ سے اُن کی گردن نظر نہیں آتی تھی۔ انہوں نے فخر سے کہا۔

"میرا بیٹا غیرت مند ہے۔ مگر اس کی خوبیاں تمہارے دادا جان کو نظر نہیں آئیں گی' وہ تو ان کی نظر میں کانٹے کی طرح چبھتا ہے۔"

حسرت نے دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھ کر کہا۔ "ونڈر فل ممی! کانٹا اس لئے چبھتا ہے کہ وہ پھول کی حفاظت کرتا ہے۔ بھائی جان اس لئے چبھتے ہیں کہ وہ فہمی کی بھلائی چاہتے ہیں۔ واہ' واہ کیا لاجواب بات کہی ہے آپ نے........"

نفاست علی نے زینے کی طرف آتے ہوئے کہا۔ "ابا جان! فہمی میری مرحوم بہن کی بیٹی ہے۔ مجھے بھی اس سے اتنی ہی محبت ہے جتنی آپ کرتے ہیں لیکن محبت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے بچوں پر اندھا اعتماد کریں۔ زیبی پر مجھے اس لئے اعتماد ہے کہ وہ تعلیم یافتہ ہے۔ ذہین ہے اور اخلاقی حد بندی میں رہ کر اپنی سہیلیوں اور دوستوں سے ملتی ہے۔ مگر اس کے برعکس فہمی بالکل نادان ہے۔ گونگی بہری ہے۔ دنیا کی فریب کاریوں کو نہیں

سمجھتی ہے۔ اس عمر میں اس سے کوئی غلطی ہو گئی تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ اس پر ذرا سختی کریں اور اسے بار بار مالی کے کاٹیج میں جانے کی اجازت نہ دیں۔"

عبادت علی کا بوڑھا جسم لرز کر رہ گیا۔ نفاست علی نے کچھ بھی نہیں کہا تھا مگر بہت کچھ کہہ گئے تھے۔ انہوں نے اپنی نواسی کی حمایت میں بولنے کے لئے منہ کھولا لیکن زبان گنگ ہو گئی۔ فہمی کی معصومیت اور پاکیزگی مسلم تھی۔ جس حقیقت کو وہ جانتے تھے اسے اور کوئی نہیں جانتا تھا اور وہ کسی کے سامنے اس حقیقت کو بیان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ فہمی وقت بے وقت مالی کے کاٹیج میں کیوں جاتی ہے۔ ایسے وقت اپنی گونگی نواسی کی طرح وہ خود بھی گونگے ہو جایا کرتے تھے۔ فہمی ایک ایک چہرے کو سوالیہ نظروں سے تک رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے خلاف کیسی من گھڑت کہانیاں بنائی جا رہی ہیں۔ کس طرح اس کی برائیاں بیان کر کے اسے بدنام کیا جا رہا ہے؟ اس بیچاری کو اچھے برے کی اتنی سمجھ نہیں تھی۔ اس کی زبان نے نہ کبھی برا کہا تھا اور نہ کبھی برا سنا تھا۔ انسان گناہ اور ثواب کو اس وقت سمجھتا ہے جب وہ ان کے متعلق سنتا ہے یا ان کے ذاتی تجربات سے گزرتا ہے۔ قدرت نے اسے سننے کی توفیق نہیں دی تھی اور ذاتی تجربات سے اس لئے محفوظ تھی کہ بچپن اور جوانی کی درمیانی دہلیز پر کھڑی تھی۔ نئی عمر کی ہلکی ہلکی آنچ میں جسم کا شہر حسین سے حسین تر ہو رہا تھا مگر ابھی سوچ میں تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ابھی اس کی زندگی میں کوئی ایسا خوشگوار یا ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا تھا جو اسے جوانی کا جلتا ہوا مفہوم سمجھا دیتا۔ یہ بات ضرور ہے کہ مراد اس کے آس پاس منڈلاتا رہتا تھا مگر فہمی اس کی غلیظ نظروں کو نہیں سمجھتی تھی۔ وہ تو محض اس کی بڑی بڑی سرخ آنکھیں دیکھ کر خوفزدہ ہو جایا کرتی تھی اور آج تو اس نے اس کا گلا دبوچنے کی دھمکی دیتے ہوئے اس کے دل میں اور زیادہ دہشت بٹھا دی تھی۔

عبادت علی جانتے تھے کہ مراد آوارہ اور بدمزاج ہے لیکن اس بات کا انہیں یقین نہیں تھا کہ اس کی آوارگی اس کی پھوپھی زاد بہن کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ وہ مراد کو زیبی کو اور ان کی ممی کبریٰ بیگم کو حاسدوں کی حیثیت سے پہچانتے تھے۔ بات دراصل یہ تھی کہ فہمی اپنے نانا کی جائیداد میں سے حصہ حاصل کرنے کے لئے اس کوٹھی میں پرورش پا رہی تھی اور یہ بات ان لوگوں میں سے کسی کو پسند نہیں تھی۔ شاید مراد اسی لئے اسے پسند کرتا رہتا تھا اور شاید اسی لئے اسے بدنام کیا جا رہا تھا کہ وہ اکثر مالی کے کاٹیج میں

اپنے نانا کی خاندانی عظمت کو ٹھیس پہنچا رہی ہے۔

انہیں خاموش دیکھ کر کبریٰ بیگم نے اپنے خاوند سے کہا۔ ”آپ فضول اپنے ابا جان سے التجا کر رہے ہیں فہمی کو وہ کبھی مالی کے کاٹج میں جانے سے منع نہیں کریں گے۔ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ فہمی بڑی نیک اور پارسا ہے لیکن یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ آپ کے ابا جان نے ایک تین ہزار روپے پانے والے مالی کو رہنے کے لئے اتنا خوبصورت کاٹج دے دیا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں سخی داتا بہت دیکھے ہیں لیکن ایسا حاتم کبھی نہیں دیکھا جو رہنے کے لئے کاٹج بھی دے اور اپنی نواسی کو کھلی چھٹی بھی دے دے۔“

عبادت علی نے غصے سے چیخ کر کہا۔ ”دلہن! زبان کو لگام دو۔ وہ مالی نفاست کا ہم عمر ہے۔ فہمی کے باپ کے برابر ہے۔ تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔ تم لوگ گندے ذہن سے سوچتے ہو۔ گندی نظروں سے دیکھتے ہو۔ اس لئے نیکی بھی بدی نظر آتی ہے۔“

حسرت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”معاف کیجئے گا دادا جان! آپ تو محض خاندانی لوگوں سے رشتے جوڑتے ہیں لیکن آج اپنی روایات کے خلاف ایک مالی کو فہمی کے باپ کی برابری میں لا رہے ہیں۔ بھئی یہ تو ہمارا فلسفہ ہے کہ دنیا کے تمام ہپی ایک ہی خاندان کے ہیں۔ اس خاندان میں نہ کوئی آقا ہوتا ہے اور نہ کوئی غلام۔ ہم نے دنیا کے ملکوں کی تمام سرحدیں کھول دی ہیں۔ ہم انسانوں کو انسان کے قریب لا رہے ہیں۔ جو کام واعظ‘ پادری‘ سادھو اور سنیاسیوں نے نہیں کئے‘ وہ ہم کر رہے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ آج آپ بھی ہمارے فلسفے پر ایمان لا رہے ہیں۔“

”میں لعنت بھیجتا ہوں تمہارے فلسفے پر۔“ عبادت علی نے بگڑ کر کہا۔ ”تم لوگ ہمیشہ فہمی کی مظلومیت کو نظرانداز کر کے دوسری بحث چھیڑ دیتے ہو۔ کبھی اسے بدنام کرتے ہو اور کبھی مجھے ہپیوں کا فلسفہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہو۔ میں تم لوگوں سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ نفاست! تم مراد کو سمجھا دو کہ آئندہ وہ فہمی کو کسی بات پر ڈرانے دھمکانے کی کوشش نہ کرے۔ کل سے فہمی کی رہائش کا انتظام میرے کمرے کے قریب ہوگا اور مراد تم لوگوں کے پاس اوپر کسی کمرے میں رہے گا۔ مشرقی اور مغربی تہذیب کے درمیان ایک حدبندی ہونی چاہئے اور وہ آج ہی سے ہوگی۔“

عبادت علی نے یہ کہہ کر فہمی کا ہاتھ پکڑا اور اسے ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگے۔ زیبی نے حقارت سے ”اونہہ“ کہہ کر سر کو جھٹک دیا اور اپنے کمرے

میں چلی گئی۔

حسرت نے نفاست علی کی جانب دیکھ کر کہا۔ ”ڈیڈی! آپ کے ڈیڈی یعنی میرے دادا جان بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔ اس دنیا کے لئے پرانے ہو چکے ہیں اور پرانے لوگوں کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ وہ سچائی کو جھوٹ کے پردے میں چھپا کر خاندان کی عزت اور شرافت کا بھرم رکھتے ہیں۔ انہیں سمجھائیے کہ جھوٹ کی عمر لمبی نہیں ہوتی۔ کسی دن سچائی ظاہر ہوگی تو اس کوٹھی کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ پھر یہاں کچھ بھی نہیں رہے گا۔ پرانی تہذیب فنا ہو جائے گی۔ صرف ہم نوجوانوں کی تہذیب زندہ رہے گی۔ کیونکہ ہم موجودہ دور کے مسیحا اور آنے والے کل کے معمار ہیں۔“

یہ کہہ کر وہ پلٹ گیا اور کسی انگریزی دھن میں سیٹی بجاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ نفاست علی اس کی طرف دیکھتے رہے اور سنجیدگی سے سوچتے رہے۔

ان کے والد گزرے ہوئے کل کے تھکے ہوئے مسافر تھے اور یہ نوجوان بچے آنے والے کل کے بھٹکے ہوئے نمائندے تھے۔ ان دو پاٹوں کے درمیان وہ پس رہے تھے۔ بوڑھے اور نوجوان دونوں ہی ضدی تھے۔ اپنی کمزوریوں کو سمجھنے کے بجائے ایک دوسرے کی تہذیب پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

وہ تماشا دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے اور ہمیشہ سوچتے ہی رہ جاتے تھے۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ ڈرائنگ روم ویران ہو گیا تھا۔ فرش پر پڑا ہوا بڑا سا پیتل کا گلدان جھوٹے سونے کی طرح چمک رہا تھا اور جھوٹی تہذیب کی عکاسی کر رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ریلنگ کے پاس آئے پھر اس سے ٹیک لگا کر بولنے لگے۔ ”بیگم! وہ گونگی ہے۔ کسی سے فریاد نہیں کر سکتی۔ اگر فریاد کرتی تو ہم اسے صحیح طرح سمجھ نہ پاتے لیکن مراد کو ہم جانتے ہیں۔ اس نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر یقیناً کوئی زیادتی کی ہے۔“

”کی ہوگی۔ اب آپ اس سے ہمدردی نہ جتائیں۔ مجھے تو وہ زہر لگتی ہے۔ نہ جانے آپ کے ابا جان کہاں سے اسے نواسی بنا کر اٹھا لائے ہیں۔ میں تو یقین سے کہتی ہوں کہ وہ سعیدہ آپا کی لڑکی نہیں ہے۔ میں تو یہی دعا مانگتی ہوں کہ وہ ذلت اٹھا کر جہاں سے آئی ہے وہاں چلی جائے۔“

”تم لوگوں کے سوچنے کا یہی انداز خاندانی جھگڑوں میں اضافہ کرتا ہے۔ ذرا سوچو بیگم! اتنی بڑی جائیداد میں سے فہمی تھوڑا سا حصہ لے کر اپنے سسرال چلی جائے گی تو کیا فرق پڑ جائے گا۔“

کبریٰ بیگم نے حقارت سے کہا۔ "اونہہ' اس گونگی سے شادی کون کرے گا۔ کیا اس دنیا میں بولنے والی لڑکیوں کی کمی ہے؟"

"کوئی شادی کرے یا نہ کرے۔ یہ اس کی تقدیر ہے لیکن ہمیں اس کے راستے کی دیوار نہیں بننا چاہئے۔ بے زبان کی آہیں بڑی پُراثر ہوتی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس کے حق پر ڈاکہ ڈالیں اور دوسری طرف سے شفاعت بھائی جان اپنا حق وصول کرنے یہاں آ جائیں۔"

بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔ "توبہ ہے۔ آپ گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہے ہیں۔ سترہ اٹھارہ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ آپ کے بھائی جان پہلے نہیں آئے تو اب کیا واپس آئیں گے۔ اللہ کرے کہیں مر کھپ گئے ہوں۔"

"تم کتنوں کے مرنے کی دعائیں مانگو گی؟ وہ اگر مر بھی گئے تو ان کی اولاد زندہ رہے گی۔"

"بچے..........!" بیگم کو اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ بددعا دینے اور کوسنے سے دشمنوں کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ سانپ اگر مر بھی گیا تو سنپولیئے ڈسنے کے لئے آ جائیں گے۔ وہ ان بچوں کی عمر کا اندازہ کرنے لگیں۔

اٹھارہ برس پہلے شفاعت علی یہ گھر چھوڑ کر گئے تھے تو ان کا بیٹا سجاد علی دس برس کا تھا۔ وہ اب اٹھائیس برس کا جوان ہو گا۔ مراد اور وہ چند روز کے چھوٹے بڑے تھے۔

عبادت علی کا یہ دستور تھا کہ جب بھی ان کے خاندان میں کوئی پوتا پیدا ہوتا تو وہ اپنے کاروبار میں اس کے لئے کچھ حصہ لکھ دیتے تھے تاکہ اس کی آمدنی سے وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور اپنی پسند کا کوئی کاروبار کر کے اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے۔

مراد اپنی پسند کے مطابق ولایتی شراب کا کاروبار کر رہا تھا۔ عبادت علی نے اس کی سختی سے مخالفت کی تھی لیکن ان کی مخالفت کو اس گھر کے جوان بچے ہمیشہ نظرانداز کر دیتے تھے۔ عبادت علی بھی مجبور تھے۔ خون کے رشتوں کو کاٹ کر نہیں پھینک سکتے تھے۔ اس لئے ان سے صرف ناراض ہو کر رہ جاتے تھے۔

نفاست علی اور کبریٰ بیگم کے دل میں ایک خدشہ تھا کہ سجاد اپنا حق طلب کرنے کہیں سے اچانک نہ آ جائے اور کوئی اچھا سا کاروبار کر کے اپنا دادا کا دل نہ جیت لے۔

سجاد کے بعد اس کی چھوٹی بہن سدرہ کھٹک رہی تھی۔ کبریٰ بیگم اس کے متعلق سوچنے لگیں۔

اٹھارہ سال پہلے جب سدرہ اپنے والدین کے ساتھ یہاں سے گئی تو چار برس کی تھی۔ اس حساب سے وہ اب بائیس برس کی تھی۔ شاید ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی ہے۔ اگر ہوئی ہوتی تو وہ اپنے نام لکھی ہوئی زمینیں حاصل کرنے یہاں ضرور آتی۔

عبادت علی کی دوراندیشی یہ بھی تھی کہ وہ اپنے خاندان کی لڑکیوں کے نام زمینیں رکھ دیا کرتے تھے تاکہ ان زمینوں کی آمدنی سے ان کے لئے جہیز کی تیاری ہوتی رہے۔ سعید آباد میں جو آم کے باغات تھے۔ وہ سدرہ کے نام تھے اور مالٹے کے باغات زیبی کے نام تھے۔ زیبی اپنے باغات کی آمدنی کلبوں اور نئے ماڈل کی کاریں خریدنے میں ضائع کر رہی تھی۔ اس کے والدین کی تمنا تھی کہ سدرہ کبھی واپس نہ آئے۔ اس کے واپس نہ آنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ آم کے باغات بھی زیبی کے نام ہو جاتے۔ ابھی تک کبریٰ بیگم کی تمنا پوری ہو رہی تھی جو اٹھارہ سال سے نہ آئے۔ وہ بھلا اب کیا آتے۔

سجاد کا حصہ مراد اور حسرت کو ملنے والا تھا اور انیلہ کے باغات سے جمع ہونے والے سات لاکھ روپے اور باغات زیبی کے حصے میں آنے والے تھے لیکن چھ ماہ پہلے وہ گونگی اچانک حصہ دار بن کر آ گئی تھی۔

عبادت علی اپنی گونگی نواسی کو کس قدر چاہتے تھے' یہ سب ہی دیکھ رہے تھے۔ نفاست علی نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔ "بیگم! تم ایک طرف سے بات بناؤ گی تو دوسری طرف سے بگڑ جائے گی۔ یہ دولت خون کے رشتوں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ میرے اور بھائی جان کے درمیان جھگڑا تھا اس وقت میں جیت گیا تھا اور وہ شکست کھا کر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ چلے گئے تھے۔"

"اللہ نے چاہا تو اب بھی جیت ہماری ہی ہو گی۔" بیگم نے پورے یقین سے کہا اور خاموش ہو کر اپنے ذہن میں بچھی ہوئی شطرنج کی بساط میں کھو گئیں۔

اس بساط میں فہمی سب سے اہم اور خطرناک مہرہ تھی جنگ کا اصول بھی یہی ہے کہ جو دشمن سامنے ہو اور نشانے پر ہو پہلے اسی پر حملہ کرو۔

سدرہ کی طرف سے کسی حد تک اطمینان تھا کہ شاید وہ کبھی واپس نہ آئے اور آ بھی گئی تو اسے محبت کی چھریوں سے آہستہ آہستہ ذبح کیا جائے گا اور محبت کا سب سے میٹھا انداز یہی تھا کہ وہ اسے اپنی بہو بنا لیتیں۔ اس طرح جہیز میں آنے والے لاکھوں روپوں اور آم کے باغات پر مراد ایک خاوند کی حیثیت سے قابض ہو جاتا۔

بڑی اچھی پلاننگ تھی۔ مراد اور سدرہ کی نسبت کے لئے عبادت علی بھی آمادہ ہو

جاتے کیونکہ یہ رشتہ جڑنے سے پرانے جھگڑے خود بخود ختم ہو جاتے لیکن ایک قباحت تھی۔ کبریٰ بیگم بھی سجاد کے متعلق زیادہ نہیں جانتی تھیں۔ بچپن میں وہ بڑا تیز طرار تھا اور اکثر مراد سے لڑتا جھگڑتا رہتا تھا۔ نہ معلوم اب اس کا مزاج کیسا ہو گا؟ حالات نے اسے دبو اور کمزور بنا دیا ہو گا یا پھر باغی اور شہ زور۔

سجاد کا خیال آتے ہی کبریٰ بیگم کی پیشانی پر شکنیں پھیل گئیں۔

☆======☆======☆

ڈرائیور بوڑھا تھا اور بڑھاپے کی سُست رفتاری کے مطابق کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ عبادت علی نے تاکید کی تھی کہ وہ تیز رفتاری سے کار نہ چلائے زیبی کو حفاظت سے لے جایا کرے اور حفاظت سے لایا کرے۔ وہ پچھلی سیٹ پر زبیر کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ زبیر کبھی اسے دیکھ رہا تھا اور کبھی بیزار ہو کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگتا تھا۔

زیبی نے کہا۔ ”میں اس بار گرمیاں گزارنے کے لئے سوئٹزرلینڈ جاؤں گی۔ کیا تم چلو گے؟“

زبیر نے بوڑھے ڈرائیور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”آگے خزاں ہے۔ پیچھے بہار ہے۔ میں خزاں کے موسم میں بہار کی باتیں کیسے کروں؟“

”میں نہیں سمجھی۔ تم کچھ فلسفہ بول رہے ہو۔“

وہ بولا۔

”بک رہا ہوں جنوں میں جانے کیا
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی“

”فلسفہ بولتے بولتے شاعری فرما رہے ہو۔“

”جب آدمی مجبور ہو جاتا ہے کھل کر بول نہیں سکتا تو شاعری کے ذریعے مدعا بیان کرتا ہے۔“

زیبی زیرِ لب مسکرانے لگی۔ یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ حالِ دل بیان کرنا چاہتا ہے مگر نہیں کر پا رہا ہے اس نے کہا۔ ”تم اپنے ڈیڈی کا بزنس سنبھال رہے ہو بزنس اور شاعری میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ شاعر کبھی بزنس نہیں کر سکتا اور بزنس مین کبھی شاعر نہیں بن سکتا لیکن حالات تمہیں شاعر بنا رہے ہیں۔“

”میں کیا خاک شاعری کروں گا؟ ایسے ماحول میں تو موڈ آف ہو رہا ہے۔“

”تم تو کہا کرتے ہو خوش رہنا چاہئے' زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے رہنا چاہئے۔ پھر یہاں

تمہارا موڈ کیوں آف ہو رہا ہے؟ کہاں گئی تمہاری زندہ دلی؟“

اس نے شکایت بھری نظروں سے زیبی کو دیکھا۔ شکایت یہ تھی کہ وہ اس کے دل کی بات سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر بات زبان سے کہی جائے۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں اشارے کنائے سے سمجھ لینا چاہئے۔ وہ نادان نہیں تھی اور چونکہ نادان نہیں تھی اس لئے سمجھ کر بھی نہیں سمجھتی تھی۔

اس کی گیدرنگ میں گرل فرینڈز اور بوائے فرینڈز کی یہ مشترکہ رائے تھی کہ زیبی نک چڑھی اور مغرور ہے۔ دولت کی فراوانی نے یہ غرور پیدا کیا تھا کہ وہ اپنی سوسائٹی میں سب سے برتر ہے۔ وہاں سب ہی لڑکیوں کے بوائے فرینڈز تھے۔ صرف وہی ایک ایسی تھی جس نے کسی کے آگے گھاس نہیں ڈالی تھی۔ وہ ان ڈور اور آؤٹ ڈور گیمز کھیلنے اور تفریح کرنے کی حد تک دوستی رکھتی تھی۔ یعنی انگلی پکڑنے دیتی تھی۔ مگر پہونچے تک پہنچنے نہیں دیتی تھی۔

زبیر نے اپنے دوستوں کے سامنے دعویٰ کیا تھا کہ وہ زیبی کو اپنی گرل فرینڈ بنائے گا اور اس سے شادی بھی کرے گا۔ شادی کی بات پر تمام دوست ہنسنے لگے۔ یہ سب جانتے تھے کہ اس کے دادا سید عبادت علی شاہ رشتہ داری کے معاملات میں بہت سخت ہیں۔ وہ کسی کو داماد بنانے یا کسی کو بہو بنا کر لانے سے پہلے اس کا شجرہ معلوم کرتے ہیں۔ ان کے برابر کا خاندان ہو اور برابر کا دولتمند ہو تو رشتہ کرتے ہیں۔ ورنہ بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ یعنی پوتی کی طرح دادا بھی مغرور تھے۔

زبیر ایک معمولی خاندان سے تعلق رکھتا تھا لیکن کافی دولتمند تھا۔ اس نے دوستوں سے شرط لگائی تھی کہ وہ ہر قیمت پر زیبی کو حاصل کرے گا۔ اگر نہ کر سکا تو وہ تمام دوستوں کو اپنے اخراجات پر سنگاپور لے جا کر ڈنر کھلائے گا اور دوستوں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ جیت جائے گا تو وہ اسے اور زیبی کو لندن میں ڈنر کھلائیں گے۔

زبیر نے اس حد تک کامیابی حاصل کی تھی کہ زیبی تنہائی میں اس پر بھروسہ کرنے لگی تھی۔ کبھی کبھی اس کے ساتھ گھومنے پھرنے جاتی تھی لیکن وہ بوڑھا ڈرائیور ایک باڈی گارڈ کی طرح ساتھ رہا کرتا تھا۔

وہ اس وقت بھی اُن کے ساتھ تھا اور زبیر کے لئے کباب میں ہڈی بنا ہوا تھا۔ اس نے ایک ہوٹل کے احاطے میں پہنچ کر کار روک دی۔ وہ دونوں کار سے باہر آئے۔ زیبی نے ڈرائیور سے کہا۔ ”اسے پارکنگ ایریا میں لے جاؤ میں ایک گھنٹہ میں آؤں گی۔“

وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا آگے چلا گیا۔ زبیر نے ناگواری سے کہا۔ "تم کار ڈرائیو کر سکتی ہو۔ میں ڈرائیو کر سکتا ہوں۔ پھر ڈرائیور کو ساتھ کیوں لاتی ہو؟"

اس نے کہا۔ "مجبوری ہے۔ ڈیڈی نے مجھے آزادی دی ہے لیکن دادا جان گھر سے تنہا نکلنے نہیں دیتے۔ ان بڑے میاں کو ساتھ لگا دیتے ہیں۔"

وہ ہوٹل کی طرف چلتے ہوئے بولا۔ "کیا مصیبت ہے۔ جب تک کار میں رہتے ہیں ان بڑے میاں کی موجودگی گونگا بنا دیتی ہے۔ ہم بات بھی نہیں کر سکتے۔"

"ہم باتیں کر تو رہے تھے۔"

"میں اپنے دل کی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ تم سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"پرابلم کیا ہے؟ اندر چلو' باتیں کرو۔"

وہ دونوں ہوٹل کے اندر آئے۔ وہ بولا۔ "سمجھا کرو۔ یہاں آس پاس کی میزوں پر لوگ بیٹھے ہیں۔ لوگوں کی موجودگی میں کیا خاک باتیں ہوں گی؟"

"کیا اپنے دل کی باتیں چیخ چیخ کر کرو گے؟ ایسے لگژری ہوٹل میں رازداری سے گفتگو ہو سکتی ہے۔"

"تم میری بات سمجھتی کیوں نہیں ہو؟"

"تم سمجھاتے کیوں نہیں ہو؟"

وہ زچ ہو کر بولا۔ "او زیبی! ڈونٹ بی سو ان نوسنٹ۔ تم سمجھ رہی ہو کہ میں تنہائی چاہتا ہوں۔"

"ڈرائیور مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا۔"

وہ ایک میز کے اطراف آ کر بیٹھ گئے۔ زبیر نے کہا۔ "ایک ترکیب ہے۔ ہم یہاں پچھلے دروازے سے ایک گھنٹہ کے لئے کہیں جا سکتے ہیں۔ انتظار کرنا ڈرائیور کی ڈیوٹی ہے۔ وہ انتظار کرتا رہے گا۔"

"او نو' تم کیا چاہتے ہو؟ دادا جان مجھے زنجیریں پہنا دیں' میری آزادی ختم کر دیں؟"

"تم دادا جان سے ڈرتی کیوں ہو؟"

"ڈرتی تو نہیں ہوں۔ مگر ہاں' مجبوراً ڈرتی ہوں۔ وہ ہمارے سرپرست ہیں۔ سرپرست کا ہاتھ سر پر ہو تو سایہ دیتا ہے۔ وہی ہاتھ اگر پاؤں کی طرف ہو تو پیروں تلے سے زمین کھینچ لیتا ہے۔ میں اپنے قدموں تلے زمین رکھنا چاہتی ہوں۔ پلیز کوئی دوسری بات کرو۔"

ایک بیرے نے آ کر پوچھا۔ "یس سر!"

زبیر نے بڑی بے بسی سے زیبی کو دیکھا۔ پھر چائے اور اسنیکس کا آرڈر دینے لگا۔

☆======☆======☆

عبادت علی شاہ ایک صوفہ پر بیٹھا حقے کے کش لگا رہا تھا۔ سر جھکائے گہری سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ وہ اپنی گونگی نواسی فہمی کو سمجھا نہیں سکتا تھا کہ وہ رات کے وقت مالی کے کاٹج میں نہ جائے۔ وہ معصوم تھی۔ مالی اسے باپ کا پیار دیتا تھا لیکن دنیا والے پیار کی پاکیزگی کو نہیں سمجھتے۔ اب اس معصوم پر انگلیاں اٹھنے لگی تھیں۔ گھر کی چاردیواری میں اپنے سگے ہی کیچڑ اچھالنے لگے تھے۔

اس مالی کا نام جمال ہمدانی تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آیا۔ پھر ایک طرف دیوار کے پاس کھڑا ہو گیا۔ دھیمی آواز میں بولا۔ "آپ نے مجھے بلایا ہے؟"

عبادت علی نے سر اٹھا کر دیکھا۔ پھر سخت لہجے میں کہا۔ "ہم نے تاکید کی تھی' تمہیں فہمی سے دور رہنا چاہئے۔ وہ نادان ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ ایک مالی اور مالک کے درمیان کتنا فاصلہ رکھنا چاہئے۔"

جمال ہمدانی نے سر جھکا لیا۔ کوئی جواب دینا ضروری نہیں تھا۔ کیونکہ کوئی جواب طلب بات نہیں کی گئی تھی۔ عبادت علی نے کہا۔ "ہمارا بیٹا' ہماری بہو' سب ہی پوچھتے ہیں۔ ایک بے زبان لڑکی تم سے اس قدر مانوس کیوں ہے۔ بولو' ہم کیا جواب دیں؟"

وہ بولا۔ "ایک جانور کو بھی پیار ملے تو وہ مانوس ہو جاتا ہے۔ ہم دونوں اسے پیار دیتے ہیں۔ وہ ہم دونوں سے مانوس ہے۔"

عبادت علی نے غصہ سے پوچھا۔ "یہ .... یہ ہم دونوں کیا ہوتا ہے؟ ہماری برابری کر رہے ہو۔ اپنی اوقات بھول رہے ہو؟"

"آپ کی نواسی ہمیں برابر کر رہی ہے۔ برابر کی محبت دے رہی ہے۔ میری اوقات یہی ہے کہ میری بسر اوقات اسی ایک محبت سے ہو رہی ہے۔"

"تم بے وقوف ہو۔ اس معصوم کے دشمن ہو۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ دوسرے تمہارے پیار کی پاکیزگی کو نہیں سمجھ رہے ہیں۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ ایک ذرا سی غلط فہمی بدنامی کو ہوا دیتی ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولے۔ "سمجھنے کی کوشش کرو۔ ایک مالی اپنے مقام سے گرے گا تو کیا گرے گا؟ ہم شرافت اور نیک نامی کی بلندی سے گریں گے تو پھر کہیں کے

نہیں رہیں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ میں کچھ نہیں ہوں۔ گمنام ہوں۔ بدنامی' نام والوں کی ہوتی ہے۔"

پھر اس نے شکست خوردگی سے پوچھا۔ "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

عبادت علی نے اس کی شکست خوردگی کو دیکھا۔ پھر ذرا نرمی سے کہا۔ "وہ تمہاری بات سمجھتی ہے۔ اسے سمجھاؤ۔ شام کے بعد وہ گھر سے نہ نکلے۔ تمہارے کالج میں نہ جائے۔ تم اس سے ضرور ملو' اس کا دل بہلاؤ لیکن شام سے پہلے۔ صبح کے بھولے' شام سے پہلے آجایا کرتے ہیں۔"

وہ سر جھکا کر جاتے ہوئے بولا۔ "میں بھی کیا بدنصیب ہوں۔ جیتی ہوئی بازی ہارتا جا رہا ہوں۔"

عبادت علی صوفہ پر بیٹھ گیا۔ حقے کی نے ہونٹوں میں داب کر کش لگانے لگا۔ اس نے مالی کی بڑبڑاہٹ سن لی تھی اور دل ہی دل میں تسلیم کر رہا تھا کہ واقعی وہ اپنی جیتی ہوئی بازی ہارتا جا رہا ہے۔

☆======☆======☆

کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ وہ بیڈ لیمپ کی روشنی میں میز پر جھکا ہوا ایک خط پڑھ رہا تھا۔ خط کی تحریر کچھ یوں تھی۔

"بیٹے فراز! میرے لختِ جگر' میرے بیٹے کو معلوم ہو کہ اس کا باپ کرم دین ڈاک خانے کے منشی سے یہ خط لکھوا رہا ہے۔ اللہ کرے یہ خط تمہارے پاس پہنچے اور تم اسے پڑھو۔

بیٹے! اپنی ماں کا حال نہ پوچھو۔ میں دوائیں کرتا جاتا ہوں' اس بدنصیب کی بیماری بڑھتی جاتی ہے۔ وہ دن رات تمہیں یاد کرتی رہتی ہے۔ میں اسے سمجھاتا ہوں' اتنا یاد نہ کرے۔ تمہیں ہچکیاں آتی ہوں گی۔"

فراز اس بات پر مسکرانے لگا۔ زیر لب کہنے لگا۔ "ابا کا جواب نہیں ہے۔ پرانے زمانے کی باتیں کرتے ہیں۔ اگر ہچکی آئے تو سمجھ لو' اپنا کوئی یاد کر رہا ہے۔"

اس نے ایک ٹھنکا لگنے کے انداز میں کھانستے ہوئے کہا۔ "کھاتے پیتے وقت ٹھنکا لگے تب بھی سمجھ لو کوئی اپنا یاد کر رہا ہے۔ کیا کمیونیکیشن ہے۔ اگر اماں نے یاد کیا اور ایسے وقت میں پانی پیتا رہا تو مجھے ٹھنکا لگے گا۔ اگر میں نے اماں کو یاد کیا تو وہ ہچکیاں لینے لگیں گی

.... کمال ہے۔"

وہ پھر خط کو دیکھ کر پڑھنے لگا۔ "بیٹے! سو طرح کی فکریں ہیں۔ پریشانیاں ہیں۔ مگر تمہاری ماں کو ایک ہی فکر ہے اور وہ ہے بہو لانے کی فکر۔ وہ تمہارے لئے چاند سی دلہن لانے کے خواب دیکھتی رہتی ہے۔"

فراز کے کانوں میں شادیانے بجنے لگے۔ ہر جوان کے تصور میں ایک دلہن آتی ہے۔ وہ بھی جاگتی آنکھوں سے ایک دلہن کے خواب دیکھتا تھا۔ اس کے کانوں میں کسی کی مترنم ہنسی سنائی دیتی تھی۔ وہ سرگوشی میں کہتی تھی۔ "اے! میں آنا چاہتی ہوں۔ تم بارات کیوں نہیں لاتے؟"

پتہ نہیں وہ کون تھی۔ واضح طور پر دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ایک جھلک دکھائی دیتی تھی۔ وہ خیالوں میں لہرا کر چلی جاتی تھی۔ وہ تصور میں اسے دلہن بنا کر بٹھاتا تھا۔ اس کے سامنے آ کر بیٹھتا تھا۔ بڑے ارمانوں سے آہستہ آہستہ اس کا گھونگھٹ اٹھاتا تھا لیکن گھونگھٹ کے پیچھے وہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس کا چہرہ اتنا روشن ہوتا تھا کہ اس کی آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ وہ دیکھ نہیں پاتا تھا۔ دیکھنے کی حسرت رہ جاتی تھی۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دلہن کو دیکھنا چاہتا تھا لیکن اسے وہ خط دکھائی دیا جسے پڑھتے پڑھتے وہ حسین خیالوں میں گم ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ایک گال پر ہلکی سی چپت مارتے ہوئے کہا۔ "میں بھی کہاں پہنچ جاتا ہوں' دنیا میں اور بھی کام ہیں محبت کے سوا۔ پہلے بہن کی فکر کرنی ہے۔ وہ دلہن بنے گی۔ اس کی ڈولی اٹھے گی تب میری باری آئے گی۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر خط پڑھنے لگا۔ باپ نے لکھا تھا۔ "تمہاری بہن کی منگنی کو پورے دو برس ہو چکے ہیں۔ لڑکے والے شادی اور رخصتی کی تاریخ مانگ رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا' انہیں کیا جواب دوں؟

تم کچھ زیادہ کمانے لگو گے۔ زیادہ رقمیں بھیجنے لگو گے تو حوصلہ ہو گا۔ پھر ہم لڑکے والوں کو کوئی تاریخ دے سکیں گے۔"

وہ خط سے نظریں ہٹا کر بڑبڑانے لگا۔ "زیادہ رقم.......... چھوٹے شہروں والے سمجھتے ہیں بڑے شہروں میں نوٹوں کے درخت لگے ہوتے ہیں۔ ہم یہاں آتے ہی چھوٹے بڑے نوٹ توڑ کر انہیں منی آرڈر بھیجتے رہیں گے۔"

وہ خط کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "ابا! پیارے پیارے ابا! میں نے بی کام کیا ہے۔ مجھ سے بھی زیادہ تعلیم یافتہ اور قابل نوجوان لاکھوں کی تعداد میں بے روزگار ہیں۔

میں نے آپ کو اور اماں کو نہیں بتایا ہے۔ یہ سن کر آپ دونوں کو تکلیف ہو گی کہ میں ٹیکسی چلاتا ہوں۔"

وہ مایوسی سے کہنے لگا۔ "ہم سب کی آنکھوں میں خواب سجے رہیں گے۔ ہم خواب دیکھتے دیکھتے زندگی گزار دیں گے۔ ہمارے دن نہیں بدلیں گے۔ میں ہر ماہ دو ہزار روپے سے زیادہ نہیں بھیج سکوں گا۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے خط کو تھام کر پھر پڑھنے لگا۔ اس خط کے پیچھے باپ کہہ رہا تھا۔

"بیٹے! میں تم پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ اب تو تم ہر ماہ پانچ ہزار روپے بھیج رہے ہو۔"

وہ پڑھتے پڑھتے چونک گیا۔ "پانچ ہزار روپے .... وہ بھی ہر ماہ۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو ملتے ہوئے حیرانی سے خط کو دیکھا۔ پھر اسے اٹھا کر پڑھا۔ وہاں لکھا ہوا تھا۔ "تم پچھلے دو مہینوں سے پانچ پانچ ہزار روپے بھیج رہے ہو۔ اللہ تمہیں اور ترقی دے اور تم اور زیادہ بھیجتے رہو۔"

وہ حیرانی سے سوچنے لگا۔ "اللہ میاں ترقی دے رہے ہیں اور میں بے خبر ہوں۔ مگر یہ کیسی ترقی ہے۔ میں ہر ماہ دو ہزار روپے بھیجتا ہوں۔ یہ رقم وہاں پہنچ کر پانچ ہزار کیسے بن جاتی ہے؟"

وہ حیرانی اور بے یقینی سے خط کو دیکھ رہا تھا۔ ہر ضرورتمند سوچتا ہے کہ اسے غائب سے دولت مل جائے۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ حلال کی کمائی اس حد تک چاہتا تھا کہ عزت آبرو سے گزارا ہو جائے لیکن اسے بن مانگے ہر ماہ اضافی تین ہزار روپے مل رہے تھے۔

کیسے مل رہے تھے؟ کہاں سے مل رہے تھے؟ ہر ماہ دو ہزار کے پانچ ہزار بن جائیں۔ کیا کبھی ایسا ہوتا ہے؟ نہیں ہوتا .... مگر ہو رہا تھا۔

☆======☆======☆

جب سے وہ گونگی فہمی کوٹھی میں آئی تھی' تب سے وہ کبریٰ بیگم کو کھٹک رہی تھی۔ اپنے سسر عبادت علی سے سوالات نہیں کر سکتی تھی کہ اُسے کیوں لایا گیا ہے؟ کہاں سے لایا گیا ہے؟ صرف اتنا ہی نہیں اس کے ساتھ اس مائی کو بھی کیوں لایا گیا ہے؟

وہ ایسے سوالات اپنے خاوند نفاست علی سے کیا کرتی تھی۔ وہ کبھی بیزار ہو کر جواب تا تھا اور کبھی سمجھاتا تھا۔ اس بار بھی اس نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "ہم فہمی کے ے میں اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ ہماری امی کے پاس یعنی اپنی نانی اماں کے ہاں پرورش پا

رہی تھی پھر اچانک ابا جان وہاں گئے اور اسے یہاں لے آئے۔"

"یہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔ جب بیٹی کو گھر سے نکال دیا تھا تو نواسی کو یہاں کیوں لائے ہیں؟"

"انہوں نے باجی کو گھر سے نکالا تھا۔ دل سے نہیں نکالا تھا۔"

کبریٰ آئینے کے سامنے بیٹھی میک اپ درست کر رہی تھی۔ کہیں باہر جانے کی تیاریاں تھیں۔ نفاست علی نے نکٹائی کی گرہ درست کرتے ہوئے کہا۔ "باجی اب دنیا میں نہیں ہیں۔ ان کی یہ گونگی بیٹی رہ گئی ہے۔ ابا جان جو محبت بیٹی کو نہ دے سکے' وہ نواسی کو دے رہے ہیں۔"

"آپ کی باجی پانچ برس پہلے اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں۔"

"سات برس پہلے۔"

وہ انگلیوں پر گننے کے بعد بولی۔ "پانچ برس ہوں یا سات برس۔ آپ کے ابا جان آخری وقت بھی ان سے ملنے نہیں گئے۔ ایسی نفرت تھی کہ ہمیں بھی پُرسے کے لئے نہیں جانے دیا۔"

"وہ بہت ضدی ہیں۔ ایک بار جو فیصلہ کر لیتے ہیں ساری زندگی اس پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ ان کے دل میں باجی کے لئے محبت تھی۔ پھر بھی آخری وقت تک وہ پتھر بنے رہے۔"

"یہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔ جب پتھر بن گئے تھے' سات برسوں کے بعد موم کیسے ہو گئے؟ نواسی کو یہاں کیوں لے آئے؟"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "تم تو ایک بات کے پیچھے پڑ جاتی ہو۔ وہ ہمارے بزرگ ہیں۔ سرپرست ہیں۔ وہ جب چاہتے ہیں' جو چاہتے ہیں' کر گزرتے ہیں۔ کیا ہم انہیں روک سکتے ہیں؟"

"ہم روک نہیں سکتے۔ کچھ معلوم تو کر سکتے ہیں کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ آپ ان کے ایک ہی بیٹے ہیں۔ ان سے اہم معاملات میں گفتگو کرنے کا حق رکھتے ہیں۔"

"میں ان سے بات کروں گا۔ ابھی چلو۔ دیر ہو رہی ہے۔"

وہ آئینے کے سامنے سے اٹھتی ہوئی بولی۔ "چل رہی ہوں مگر آپ یہ لکھ لیں' کوئی چکر ہے۔ آپ کے ابا جان آدھی بات بتاتے ہیں' آدھی چھپاتے ہیں۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر لابی میں آتے ہوئے بولا۔ "تم تو بس یونہی سوچتی رہتی ہو۔

بھلا ابا جان ہم سے کیا چھپائیں گے اور کیوں چھپائیں گے؟"

وہ قریب ہو کر دھیمی آواز میں بولی۔ "انہوں نے وصیت لکھی ہے۔ آپ کے لئے اور ہماری اولاد کے لئے کیا لکھا ہے، ہمیں کچھ نہیں بتایا۔ آخر ہم سے چھپا رہے ہیں نا!"

وہ دونوں بالکونی میں چلتے چلتے ٹھٹک گئے۔ نیچے ڈرائنگ روم میں فہمی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ صوفوں کے درمیان کھڑی ہوئی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ کچھ سوچ رہی تھی۔ پھر وہ ایک طرف چلتی ہوئی ایک کمرے کے دروازے پر آکر رک گئی۔

کبریٰ بیگم نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ "یہ حسرت کے کمرے میں کیوں جا رہی ہے؟"

نفاست علی نے ناگواری سے کہا۔ "وہ کمبخت نشہ کرتا رہتا ہے۔ یا گٹار بجاتا رہتا ہے۔ فہمی کو اس سے کیا دلچسپی ہے۔ اس کے پاس کیوں جا رہی ہے؟"

وہ دونوں زینے سے اترتے ہوئے نیچے جانے لگے۔ فہمی دروازہ کھول کر کمرے میں آئی۔ وہاں کمرے میں ریکارڈ پلیئر سے پاپ میوزک کا شور ابھر رہا تھا۔ شور کتنا ہی ہو، فہمی کی سماعت تک نہیں پہنچتا تھا۔ حسرت اس موسیقی کی دھن میں ناچ رہا تھا۔ اِدھر سے اُدھر تھرک رہا تھا۔ وہ اُسے دیکھ کر منہ دبا کر ہنسنے لگی۔ اس کی طرف بڑھنے لگی۔

وہ اس کی طرف پشت کئے مستی میں رقص کر رہا تھا۔ فہمی نے اسے مخاطب کرنے کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اسے چھو نہ سکی۔ وہ ناچتے ناچتے دوسری طرف گھوم کر دروازے کے پاس آگیا۔ اسے اندر سے بند کرنے لگا۔ فہمی نے پھر اسے چھونا چاہا۔ وہ پھر دوسری طرف پلٹ کر ایک میز کے پاس آگیا۔ اس کی دراز کھول کر سگریٹ کا پیکٹ اور ماچس نکالنے لگا۔ ان چیزوں کے ساتھ ایک چھوٹا سا پیکٹ بھی تھا۔ وہ توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے آگے آنا چاہتی تو وہ گھوم کر دوسری طرف چلا جاتا تھا۔

پھر وہ بیڈ پر سے ایک چادر اٹھا کر اسے سر سے اوڑھ کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اس چادر کے سائے میں سر سے پیر تک چھپ گیا۔ جو نشہ باز ہوتے ہیں۔ وہ یہی کرتے ہیں۔ فہمی تعجب سے دیکھ رہی تھی کہ وہ ایسی حرکتیں کیوں کر رہا ہے؟

وہ سگریٹ میں چرس بھر رہا تھا۔ پھر اس نے سگریٹ کو ہونٹوں میں دبا کر ماچس کی تیلی سلگائی۔ چادر کے اندر روشنی دیکھ کر فہمی کو اور حیرانی ہوئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چادر اٹھائی تو وہ ایکدم سے چونک گیا۔ گھبرا گیا۔ پھر فہمی کو دیکھ کر تعجب سے بولا۔ "تت .... تم؟"

اس نے دروازے کو دیکھا۔ وہ اندر سے بند تھا۔ وہ حیرانی سے بولا۔ "یہ .... یہ دروازہ اندر سے بند ہے۔ میں نے ابھی اسے بند کیا تھا۔ تم کہاں سے آگئیں؟"

وہ ماچس اور سگریٹ کو، پھر حسرت کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حسرت نے کہا۔ "او گاڈ! میں پھر بھول گیا۔ تم سن سکتی ہو، نہ بول سکتی ہو۔"

اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اشاروں کی زبان میں پوچھا۔ "تم کیا بلا ہو، بند کمرے میں کیسے آگئیں؟"

فہمی نے اس کے ہاتھ سے سگریٹ چھین کر اشاروں سے کہا۔ "تم اسے پیتے ہو؟"

وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کھانسنے لگی۔ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ پھر ایک ہتھیلی پر سر رکھ کر دیدے پھیلا کر زبان باہر نکالی۔ حسرت نے اس کے ہاتھ سے سگریٹ چھین کر کہا۔ "مجھے پتہ ہے۔ اسے پینے سے کینسر ہو جاتا ہے۔ پینے والا مر جاتا ہے۔ مگر جینے والے کتنے دن جی لیتے ہیں؟ کتنے ہی نہ پینے والے، پینے والوں سے پہلے مر جاتے ہیں۔"

فہمی پھر اس کے ہاتھ سے سگریٹ چھین کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنے لگی۔ حسرت اس سے چھیننے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "ارے ارے یہ کیا کر رہی ہو؟ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دو یہ مجھے دو........."

سگریٹ اس کے ہاتھ نہیں آیا۔ وہ ماچس کی ڈبیہ اٹھا کر بولا۔ "کوئی بات نہیں میں دوسرا نشہ تیار کر سکتا ہوں۔"

فہمی اس سے ماچس چھین کر اس کی تیلیاں نکال کر پھینکنے لگی۔ اس ڈبیہ کو توڑنے مروڑنے لگی۔ حسرت اس بار اسے سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔ وہ اشاروں سے اسے تنبیہہ کر رہی تھی۔ اس کی طرف انگلی اٹھا رہی تھی سگریٹ کے ٹکڑوں کی طرف اشارہ کر کے انہیں ہاتھ لگانے سے منع کر رہی تھی۔ کان پکڑنے اور توبہ کرنے کو کہہ رہی تھی۔

وہ کسی قدر متاثر ہو کر بولا۔ "میں تم سے کیسے پوچھوں، ایسا کیوں کر رہی ہو؟ تمہیں مجھ سے ہمدردی کیوں ہے؟ تم میری کیا لگتی ہو؟"

وہ پیکٹ میں سے باقی سگریٹ نکال کر انہیں توڑ توڑ کر پھینک رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "تمہارا یہ انداز کچھ عجیب سا ہے۔ جیسے تم میری کوئی لگتی ہو۔ میری اچھائی برائی پر نظر رکھتی ہو۔ میری فکر کرتی ہو .... فہمی! آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ بند دروازے کے باہر

کبریٰ اور نفاست کھڑے ہوئے تھے۔ نفاست نے ناگواری سے کہا۔ "یہ دروازہ اندر سے بند کیوں ہے؟"

کبریٰ نے کہا۔ "دروازہ اندر سے بند ہو تو باہر والوں کو منہ بند رکھنا چاہئے۔ ورنہ یہ منہ کسی کو دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ذرا سوچ سمجھ کر بولا کرو۔ جو منہ میں آتا ہے بولتی چلی جاتی ہو۔"

"میں کالی زبان رکھتی ہوں۔ جو بولتی ہوں وہی سامنے آتا ہے۔ ذرا عقل سے سوچیں۔ دروازہ کھولنے میں اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے کبریٰ کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے دروازے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "حسرت! کیا ہو رہا ہے؟ دروازہ کھولو۔"

دروازہ آہستگی سے کھل گیا۔ کھلے ہوئے دروازے کے ساتھ حسرت نظر آیا۔ اس کے پیچھے فہمی کھڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے فہمی اور حسرت کو دیکھا۔ پھر معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس کے بعد کبریٰ نے ناگواری سے پوچھا۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

حسرت نے شرارتاً فہمی سے پوچھا۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

پھر وہ اپنا سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "او' یہ تو بول نہیں سکتی۔ میں بول سکتا ہوں لیکن یہ نہیں کہنا چاہتا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"ہم نے دنیا دیکھی ہے۔ تم نہ کہو' تب بھی صاف طور سے بے حیائی سمجھ میں آ رہی ہے۔"

"دور تک دیکھنے والے' قریب رہنے والی اولاد کو دیکھ نہیں پاتے۔ سمجھ نہیں پاتے۔ خواہ مخواہ سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بائی دا وے آپ کو ہمارے بارے میں غلط رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

نفاست نے کہا۔ "کیا تم ہمیں سمجھاؤ گے کہ والدین کے حقوق کیا ہیں؟ بچوں کی خوبیوں اور خرابیوں پر نظر رکھنا' ہم بزرگوں کا فرض ہے۔"

"بے شک' آپ بچوں کو اچھے بُرے کی تمیز سکھائیں۔ مگر ہم بچے نہیں ہیں۔ جوان ہو چکے ہیں۔ اس دنیا کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور کھلے ذہن سے سمجھ رہے ہیں۔ ویسے آپ کیا نصیحت کرنے آئے ہیں؟"

کبریٰ نے کہا۔ "ہم کیا نصیحت کریں گے؟ ساری دنیا پوچھے گی کہ دروازہ اندر سے

بند کیوں تھا؟"

حسرت نے فہمی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بائی گاڈ' یہ بے زبان ہے۔ معصوم ہے۔ اسے ماں کی نظروں سے دیکھیں۔ آپ کا دل کہے گا کہ یہ ان نوسنٹ ہے۔ آپ جانتی ہیں' یہ میرے پاس کیوں آئی تھی؟"

اس نے دروازے کو پوری طرح کھول دیا۔ فرش پر ماچس کی ٹوٹی ہوئی ڈبیہ' تیلیاں اور سگریٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بکھرے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ادھر اشارے کرتے ہوئے بولا۔ "یہ مجھے نشے سے باز رکھنے آئی تھی۔ مجھ سے جھگڑا کر رہی تھی۔ مجھ سے یہ لعنت چھین کر پھینک رہی تھی۔"

وہ دونوں کبھی فہمی کو اور کبھی فرش پر بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بولا۔ "جو کام آج تک ایک ماں نے نہیں کیا' وہ کام یہ کر رہی تھی۔ میں نہیں جانتا' نشے کی یہ لعنت مجھ سے چھوٹ سکے گی یا نہیں؟ لیکن میرے اندر ایک عجیب سا جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔ یہ مجھے مسیحا لگ رہی ہے .... مسیحا سب کے لئے ہوتا ہے اور مسیحا کا رشتہ سب سے مقدس ہوتا ہے۔ کیا آپ اس رشتے کی پاکیزگی کو سمجھ رہی ہیں؟"

کبریٰ نے فہمی کو دیکھ کر منہ بنایا۔ پھر "اونہہ" کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ نفاست نے جبراً سمجھوتے کے انداز میں کہا۔ "اچھا اچھا.......... ٹھیک ہے۔"

پھر وہ بھی تیزی سے پلٹ کر چلا گیا۔ حسرت نے دروازے کو بند کر دیا۔

☆======☆======☆

زیبی سوئمنگ پول کے کنارے حمیرا' مونا اور روبی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اُن کے بوائے فرینڈز کھانے پینے کی کچھ چیزیں لانے گئے تھے۔ وہ تمام لڑکیاں اور لڑکے دولتمند گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی سوسائٹی میں خود کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنے کی کوششیں کرتے تھے۔ حمیرا نے کہا۔ "میری کوٹھی میں ایک بہت ہی خوبصورت پول تیار ہو رہا ہے۔ میں وہاں پریکٹس کروں گی اور سوئمنگ کمپی ٹیشن (Compitition) میں حصہ لوں گی۔"

مونا نے کہا۔ "میں تو روز صبح و شام پریکٹس کرتی رہتی ہوں۔ زیبی سے کتنی بار کہا ہے میری کوٹھی میں آ کر سوئمنگ کیا کرے لیکن یہ جھجکتی ہے' شرماتی ہے۔"

روبی نے پوچھا۔ "اس میں شرمانے کی کیا بات ہے؟"

زیبی نے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں شرماتی نہیں ہوں۔ **اصل بات** یہ ہے

کہ میں سوئمنگ کاسٹیوم نہیں پہن سکتی۔"

حمیرا نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "بیچاری سوئمنگ کاسٹیوم پہننے سے شرماتی ہے۔ کیا پر کے بغیر کوئی پرواز کر سکتا ہے؟ تیراکی کے لباس کے بغیر تیر سکتا ہے؟"

زیبی نے کہا۔ "میں اپنے اس لباس میں تیر کر دکھا سکتی ہوں۔"

مونا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مضحکہ خیز لگو گی۔"

حمیرا نے کہا۔ "پرانے زمانے کی عورتیں چادریں لپیٹ کر چھپ چھپا کر گھاٹ پر نہایا کرتی تھیں۔ تم چادر لپیٹ کر اکیسویں صدی میں داخل ہونے کی بات کر رہی ہو۔"

زیبی اس کے طنزیہ انداز کو سمجھ رہی تھی۔ وہ ناگواری سے بولی۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں اپنے دادا جان کی وجہ سے محتاط رہتی ہوں۔ اگر انہیں معلوم ہو گا کہ میں تمہاری طرح بے لگام ہو گئی ہوں تو.........."

حمیرا ایکدم سے بھڑک گئی۔ "کیا میں بے لگام ہوں۔ ہاؤ ڈیر یو سے دِس؟"

مونا نے کہا۔ "جانوروں کو بے لگا کہا جاتا ہے۔ تم ہمیں جانور کہہ رہی ہو؟"

"پلیز کول ڈاؤن۔" زیبی نے مسکرا کر کہا۔ "حمیرا بڑی دیر سے طعنے دے رہی تھی۔ میں نے اسے لگام دینے کے لئے ایسا کہا ہے۔ اسے نہیں بھولنا چاہئے کہ میں اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی ہوں۔"

اسی وقت زبیر، نعیم اور ظہیر ایک ٹرالی دھکیلتے ہوئے آئے۔ ٹرالی پر سینڈوچز اور ٹھنڈی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ نعیم نے اوپنر سے ایک بوتل کو بجاتے ہوئے کہا۔ "کم آن گرلز! انجوائے دی ڈرنکس۔"

مونا نے کہا۔ "مجھے پیاس لگی ہے۔ پہلے مجھے دو۔"

"نو.......... ہم لے کر آئے ہیں۔ پہلے ہم پئیں گے اور تم منہ دیکھو گی۔"

روبی نے کہا۔ "لیڈیز فرسٹ کے اصول کو نہ بھولو۔ پہلے ہمیں دو۔"

"یہ لو۔" زبیر نے بوتل بڑھائی۔ روبی نے اسے لینا چاہا۔ زبیر نے ہاتھ کھینچ لیا۔ بوتل منہ سے لگا کر پینے لگا۔ اس حرکت پر سب ہنسنے لگے۔ نعیم نے دوسری بوتل کھول کر ظہیر کو دی۔ حمیرا نے ٹرالی کو اپنی طرف کھینچ کر کہا۔ "اب تمہیں بوتل نہیں ملے گی۔ ان بوتلوں پر ہمارا قبضہ ہے۔"

نعیم نے ہنستے ہوئے ایک ہاتھ اٹھایا۔ اس ہاتھ میں اوپنر تھا۔ اس نے کہا۔ "بوتل کیسے پیو گی؟ چابی میرے پاس ہے۔"

مونا نے کہا۔ "نعیم! یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اوپنر ہمیں دو۔"

"اچھا تو بہت پیاس لگی ہے؟"

مونا نے تنبیہہ کے انداز میں انگلی اٹھا کر پوچھا۔ "تم دو گے یا نہیں؟"

"محنت کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔" نعیم نے اوپنر کو پول کی طرف پھینکا۔ وہ پانی میں چلا گیا۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "اوپنر اُدھر ہے اور ڈرنکس ادھر۔ چابی کے بغیر پیاس کیسے بجھے گی؟"

تمام لڑکیاں اسے غصہ سے دیکھنے لگیں۔ ظہیر نے کہا۔ "افسوس، یہ بیچاری پیاسی رہ جائیں گی۔"

لڑکیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر حمیرا نے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھایا۔ پھر اپنے لانبے ناخن دکھاتی ہوئی بولی۔ "یہ ناخن ہتھیار بن جائیں تو منہ نوچ لیتے ہیں۔ اوپنر بن جائیں تو پیاس بجھا کر کلیجہ ٹھنڈا کر دیتے ہیں۔"

وہ اپنی دو انگلیوں کے ناخنوں کو بوتل کے ڈھکن تک لے گئی۔ پھر چند ہی سیکنڈ میں وہ ڈھکن بوتل سے الگ ہو گیا۔ لڑکیوں نے خوشی سے چیخ کر کہا۔ "ہپ ہپ ہرا، ہپ ہپ ہرا.........."

زبیر، نعیم اور ظہیر حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ مونا اور روبی بھی اپنے لانبے ناخنوں سے بوتل کھول کر پینے لگی تھیں۔ زیبی خاموش بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھی۔ مونا نے پوچھا۔ "تم کیسے پیو گی؟ تمہارے تو ناخن نہیں ہیں۔"

حمیرا نے طعنہ دیا۔ "بیچاری کے دادا جان ناخن بڑھانے کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔"

زیبی اپنی انسلٹ محسوس کر رہی تھی۔ اس نے زبیر کو دیکھا۔ زبیر نے کہا۔ "ڈونٹ وری، میں ابھی تمہیں بوتل پلاؤں گا۔"

اس نے نعیم سے کہا۔ "یار! اوپنر کو پانی میں کیوں پھینک دیا؟ جاؤ، وہاں سے نکال کر لاؤ۔"

نعیم نے کہا۔ "زیبی کا بڑا خیال ہے۔ اس سے دوستی کا دعویٰ کرتے ہو۔ جاؤ، غوطہ لگاؤ اور پول کی تہہ سے اوپنر نکال لاؤ۔"

زبیر نے زیبی کو دیکھا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "تم سب جانتے ہو، مجھے تیرنا نہیں آتا۔ میں پانی میں نہیں جا سکوں گا۔"

لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ حمیرا نے زیبی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "عاشق تو آسمان سے ستارے توڑ لاتے ہیں اور یہ ہے کہ دس فٹ کی گہرائی سے اوپنر نہیں لا سکتا۔ مقدر خراب ہو تو ایسے ہی عاشق ملتے ہیں۔"

زیبی نے ناگواری سے زبیر کو دیکھا۔ پھر اٹھ کر جانے لگی۔ وہ اس کے پیچھے آتے ہوئے بولا۔ "پلیز' بُرا نہ مانو۔ میں ابھی اسنیک بار سے دوسرا اوپنر لے کر آتا ہوں۔ پلیز رک جاؤ۔"

اب وہ رکنے والی نہیں تھی۔ جہاں توہین ہو رہی تھی' وہاں رہنا نادانی تھی۔ وہ خوشامدیں کرتا ہوا اس کے پیچھے چلتا رہا۔ پھر ایک جگہ رک گیا۔ بوڑھے ڈرائیور نے کار لا کر ان کے سامنے روک دی۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ زبیر بے بسی سے کھڑا رہ گیا۔ وہ ہاتھوں سے پھسل گئی تھی۔

وہ بڑے باپ کی بیٹی تھی۔ اس کے دادا جان کا شمار امیر کبیر لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ اتنی مغرور تھی کہ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ وہ کوٹھی کے احاطے میں پہنچ کر کار سے اتر کر تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے اندر آئی۔ ڈرائنگ روم سے گزرتی ہوئی جانے لگی۔ ایک ملازمہ کارپٹ کلینر سے قالین کی صفائی کر رہی تھی۔ ایسے وقت کلینر سے تیز آواز ابھر رہی تھی۔ زیبی نے ڈانٹ کر کہا۔ "بند کرو یہ آواز .... صفائی کا کوئی اور وقت نہیں ملتا۔ خواہ مخواہ خدمت گزاری دکھائی جاتی ہے۔"

ملازمہ نے سہم کر مشین بند کر دی۔ وہ زینہ چڑھتی ہوئی اوپر جانے لگی۔ خانساماں بن اوپر سے نیچے آ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "بی بی جی! کھانا لگاؤں؟"

وہ سختی سے بولی۔ "نہیں۔"

"بی بی جی! آپ کی پسند سے پالک گوشت پکایا ہے۔ آلو مٹر کی بھاجی اور شملہ مرچوں کا بھی سالن ہے۔"

وہ غصہ سے بولی۔ "یو شٹ اپ اینڈ گٹ لاسٹ۔"

وہ غصہ سے پاؤں پٹختی ہوئی اوپر جانے لگی۔ بن نے ملازمہ کی طرف دیکھ کر ایک انگلی اپنی کنپٹی پر رکھی اور اشارے کی زبان سے کہا۔ "بی بی جی کا دماغ گرم ہے۔"

کبریٰ کھلی ہوئی الماری کے پاس کھڑی ایک لباس کو ہینگر سے لٹکا رہی تھی۔ دروازے پر دستک سن کر بولی۔ "آ جاؤ۔"

پھر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ زیبی دروازہ کھول کر اندر آتی ہوئی بولی۔ "ممی! ڈیڈی

کہاں ہیں؟"

"واش روم میں ہیں۔ بات کیا ہے؟ مزاج کچھ اکھڑا ہوا سا لگ رہا ہے۔"

وہ ایک پیر پٹخ کر بولی۔ "دادا جان بہت ہی بیک ورڈ ہیں۔ ان کی وجہ سے میری سہیلیاں مجھے بیک ورڈ سمجھتی ہیں۔"

"آخر ہوا کیا ہے؟"

"انہوں نے اس بوڑھے ڈرائیور کو جاسوس کی طرح میرے پیچھے لگا رکھا ہے۔"

نفاست علی تولیے سے منہ ہاتھ پونچھتا ہوا کمرے میں آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "کام ڈاؤن مائی بے بی! اس میں غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟"

"میری انسلٹ ہو رہی ہے۔ سہیلیاں مذاق اڑاتی ہیں۔ میں ان کے ساتھ سوئمنگ نہیں کر سکتی۔"

کبریٰ نے پوچھا۔ "کیوں نہیں کر سکتیں؟"

"وہ ڈرائیور مجھے کھلے عام پول میں نہاتے دیکھے گا تو دادا جان سے ایک کی دس لگائے گا۔"

نفاست نے پوچھا۔ "کیا وہ بوڑھا لڑکیوں کی گیدرنگ میں پہنچ جاتا ہے؟"

"کیا بتاؤں ڈیڈ! وہ سائے کی طرح لگا رہتا ہے۔"

کبریٰ نے نفاست سے کہا۔ "آپ ابا جان سے بات کریں۔"

وہ بولا۔ "انہیں کون سمجھائے؟ کیسے سمجھائے؟ پرانے زمانے کے ہیں۔ پرانی روایات پر چل رہے ہیں۔"

کبریٰ نے کہا۔ "وہ لکیر کے فقیر رہیں گے اور ہمارے بچے حقیر بنتے رہیں گے۔"

نفاست نے زیبی سے کہا۔ "بیٹی! ذرا صبر کرو' جو ہو رہا ہے اسے برداشت کرو۔"

کبریٰ نے کہا۔ "اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے۔ مگر کوئی ہمیشہ سلامت نہیں رہتا۔"

نفاست نے اُسے گھور کر دیکھا۔ وہ بولی۔ "اُن کے بعد تمہارے ڈیڈی پورے خاندان کے سرپرست بن جائیں گے۔ پھر تمہیں کوئی روکے گا' نہ ٹوکے گا۔"

نفاست نے بیٹی سے پوچھا۔ "تم نے لنچ کیا ہے؟"

کبریٰ نے کہا۔ "یہ میری بیٹی ہے۔ غصہ میں کھانا چھوڑ دیتی ہے۔ جاؤ بیٹی! شاور لو' پھر لنچ کرو۔"

زیبی والدین کی بھرپور حمایت سے نرم پڑ گئی تھی۔ وہ وہاں سے چلی گئی۔ نفاست نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ابا جان بوڑھے ہو چکے ہیں۔ پتہ نہیں' سارا کاروبار اور گھر کی ذمہ داریاں مجھے کیوں نہیں سونپ دیتے؟ انہیں ایک گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا چاہئے۔"

کبریٰ نے ناگواری سے کہا۔ "وہ آپ کو سرپرست نہیں بنائیں گے۔ انہیں آج بھی بڑے بیٹے کا انتظار ہے۔"

اس نے قائل ہونے کے انداز میں کبریٰ کو دیکھا' وہ بولی۔ "انہیں یقین ہے کہ آپ کے بھائی جان واپس آئیں گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "بیس برس گزر چکے ہیں۔ وہ آج تک واپس نہیں آئے۔ ہو سکتا ہے' وہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہوں۔"

وہ بولی۔ "ہو سکتا ہے۔ وہ زندہ ہوں۔ وہ اچانک واپس آئیں گے تو کیا ہو گا؟"

وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "ابا جان! انہیں سرپرست بنائیں گے۔ انہیں ہمارے سروں پر مسلط کریں گے۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ ابا جان کو آج بھی ان کا انتظار ہے۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ بیس برس سے جس کا وجود نہیں تھا' وہ کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا تھا۔

☆======☆======☆

فراز ٹیکسی چلا رہا تھا۔ یہ روز کا معمول تھا۔ صبح سے شام تک ٹیکسی چلانے کے دوران میں ملازمت تلاش کرتا رہتا تھا۔ اس نے کئی پرائیویٹ کمپنیوں میں درخواست دے رکھی تھی۔ جس کمپنی کی عمارت کے قریب سے گزرتا تھا۔ ٹیکسی روک کر وہاں جاتا تھا اور اپنی درخواست کی قبولیت کے بارے میں معلوم کرتا رہتا تھا اور مایوس ہوتا رہتا تھا۔

اس روز بھی وہ ایک دفتر کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا ہیڈ کلرک کے پاس آیا۔ بوڑھا ہیڈ کلرک ایک میز کے پیچھے اپنے کام میں مصروف تھا۔ اس نے فائل پر سے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔ "تم نے اتنے چکر لگائے ہیں کہ میں تمہیں قدموں کی آہٹ سے پہچان لیتا ہوں۔ اب تم کہو گے انکل۔"

فراز نے کہا۔ "جی انکل!"

وہ بولا۔ "پھر پوچھو گے' تمہاری ملازمت کا کیا بنا؟"

"جی انکل!"

"میں ہمیشہ کی طرح کہوں گا' ویکنسی (Vacancy) نہیں ہے۔ تم کہو گے جب

ویکنسی نہیں تھی تو تمہارا انٹرویو کیوں لیا گیا تھا؟"

فراز نے کہا۔ "آپ ہمیشہ کی طرح جواب دیں گے اوپر سے سفارشیں آ جاتی ہیں۔ ہمارے حصے کی ملازمت نااہلوں کو مل جاتی ہے۔"

ہیڈ کلرک نے میز پر قلم کو پٹخ کر فائل پر سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر کہا۔ "سب کچھ جانتے ہو' پھر دماغ خراب کرنے کیوں آ جاتے ہو؟"

فراز نے ایک چھوٹا سا کاغذ کا بنڈل دکھاتے ہوئے کہا۔ "آپ غصہ دکھاتے ہی چونک جائیں گے۔"

ہیڈ کلرک اس چھوٹے سے بنڈل کو دیکھ کر واقعی چونک گیا۔ فراز نے کہا۔ "اب آپ مسکرانے لگیں گے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "میرے لئے پان ہے۔ شہزادی پتی والا .... بھئی کیا بات ہے شہزادی پتی کی۔ پان چباؤ تو زعفران کا مزہ آ جاتا ہے۔"

فراز نے اس بنڈل کو اس کے سامنے پھینکا۔ پھر میز پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے بولا۔ "ساری عمر کلرکی کرتے رہے۔ بڑھاپے میں ہیڈ کلرک بن گئے۔ پھر بھی گزارہ نہیں ہوتا۔ ایک پان خرید کر نہیں کھا سکتے۔ آپ کو دیکھ کر عقل کہتی ہے' ٹیکسی چلانا ہی بہتر ہے۔"

وہ سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "خدا نہ کرے' یہ ملازمت مجھے ملے گی تو میں بھی مانگ مانگ کر بکرے کی طرح پتے چباتا رہوں گا۔"

ہیڈ کلرک نے پان چباتے چباتے منہ کھول کر اسے دیکھا۔ اس کے منہ سے پان کی پیک بہتی ہوئی لباس پر آ گئی۔ فراز بڑی تلخی سے مسکراتا ہوا وہاں سے چلا آیا۔ باعزت روزگار اور مستقل آمدنی کے بغیر زندگی تلخ ہوتی جا رہی تھی۔ سب سے زیادہ بہن کی شادی کی فکر تھی۔ لڑکے والے تاریخ مانگ رہے تھے اور وہ بے روزگاری کے تاریخی مسئلہ سے دوچار ہو رہا تھا۔

وہ شام کو معمول کے مطابق کاروں کے ایک بڑے شو روم کے سامنے آیا۔ اس شو روم کے مالک کا نام صمد شاہین تھا۔ وہ ٹیکسیاں بھی کرائے پر دیا کرتا تھا۔ وہ اسکول کے زمانے میں کبھی فراز کا کلاس فیلو رہ چکا تھا۔ پرانی دوستی کے ناطے اس کے کام آ رہا تھا۔ اسے کرائے پر ٹیکسی دے کر کسی حد تک بے روزگاری کا مسئلہ حل کر رہا تھا۔

اس نے فراز کو دیکھ کر پوچھا۔ "ہائے فراز! کیسی چل رہی ہے ٹیکسی؟"

فراز نے کہا۔ "ٹیکسی تو اپنی رفتار سے چل رہی ہے مگر زندگی رینگ رہی ہے۔"
"مایوسی کی بات کر رہے ہو۔"
"کیسے نہ کروں' میں جوان ہوں۔ تعلیم یافتہ ہوں۔ لائف بنانا چاہتا ہوں اور سوچتا ہوں' کیا ٹیکسی ہی چلاتا رہوں گا؟"
صمد شاہین نے کہا۔ "ایماندار رہو گے' حلال کی کھاؤ گے تو ساری زندگی رینگتے ہی رہو گے۔"

اس نے فراز کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم نے لالہ اور پپو کو دیکھا ہے۔ وہ تمہاری طرح ٹیکسی نہیں چلاتے۔ وہ کبھی کبھی میرے پاس آتے ہیں۔ یہاں سے کرائے پر گاڑیاں لے جاتے ہیں اور ایک دن میں پانچ ہزار سے لے کر پچیس ہزار تک کما لیتے ہیں۔"

فراز نے چونک کر کہا۔ "پانچ ہزار؟ ہاں یاد آیا۔ میرا کوئی خط آیا ہے؟"
"کیا تمہارے ابا کے خط کے ساتھ پانچ ہزار روپے آنے والے ہیں؟"
اس نے صمد شاہین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یار! ایک مسٹری ہے' سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ میں یہاں سے ابا کو دو ہزار روپے بھیجتا ہوں وہاں انہیں پانچ ہزار ملتے ہیں۔"
"تم دو ہزار بھیجتے ہو' یہ تو جانتا ہوں لیکن وہاں پانچ ہزار کون پہنچاتا ہے؟"
"یہی تو شدید حیرانی کی بات ہے۔ میں نے ابا کو خط لکھا ہے کہ واپسی ڈاک سے تمام منی آرڈرز کی رسیدیں بھیجیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں' وہ دو کے پانچ کیسے بن جاتے ہیں؟"
"وہ رسیدیں میں بھی دیکھوں گا۔ یہ واقعی مسٹری ہے۔"
وہ صمد شاہین کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس نے نظریں چراتے ہوئے پوچھا۔ "مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟"
"صمد! تم بہت بڑے اداکار ہو۔ سچ بتاؤ' یہ رقم تم بھیج رہے ہو؟"
اس نے جبراً ہنستے ہوئے کہا۔ "میں اور تمہارے گھر والوں کو رقم بھیجوں گا؟ نہیں یار! میں نے پہلے ہی دن کہا تھا' ہمارے درمیان روپے پیسے کی دوستی نہیں ہو گی۔ تم میرے کلاس فیلو رہ چکے ہو اس لئے یہ ٹیکسی چلانے کو دے رہا ہوں۔"
"میں مانتا ہوں۔ یہ تمہاری مہربانی ہے۔"
"مہربانی کیسی' میں ڈیلی انکم کا حساب رکھتا ہوں۔ تمہارا حق تمہیں دیتا ہوں۔ باقی اپنی جیب میں رکھتا ہوں۔ بہرحال یہ ٹیکسی گیراج میں پہنچا دو۔ اس کے بدلے دوسری لے

جاؤ۔"
"دوسری ٹیکسی؟ یار! تم کبھی کبھی ٹیکسی کیوں بدل دیتے ہو؟"
"میں آگے بھی دوسرے ڈرائیوروں کو دیتا ہوں۔ مجھے بڑے حساب سے چلنا پڑتا ہے۔ جاؤ' ٹیکسی گیراج میں پہنچا دو۔"
اس شو روم کے پیچھے ایک بڑا سا گیراج تھا۔ فراز وہ ٹیکسی ڈرائیو کرتا ہوا وہاں پہنچا۔ گیراج کے انچارج نے اسے دوسری ٹیکسی کی چابی دی۔ وہ اس دوسری میں آ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی گیراج کے شٹر کو نیچے گرا دیا گیا۔ باہر سے آنے والوں کے لئے گیراج کو بند کر دیا گیا۔ انچارج اور دو ملازم اوزار لے کر اس ٹیکسی کے پاس آ گئے۔ انہوں نے پچھلی سیٹ کے دونوں دروازوں کو کھول دیا۔
پھر انہوں نے پچھلی سیٹ کو کھول کر الگ کیا۔ اس سیٹ کے نچلے خانے میں سونے کے بسکٹ بھرے ہوئے تھے۔ گیراج کا اندرونی دروازہ کھلنے لگا۔ انچارج اور ملازموں نے ادھر دیکھا۔ کھلے ہوئے دروازے سے صمد شاہین نے آ کر گہری سنجیدگی سے سونے کے بسکٹ دیکھے۔ اپنا موبائل نکال کر اس کے نمبر پنچ کئے۔ پھر اسے کان سے لگا کر کہا۔ "ہوں .... مال پہنچ گیا ہے۔"
وہ ایک طرف چلتے ہوئے بولا۔ "میرا یار پرابلم میں ہے۔ ماں بیمار ہے۔ بہن کی شادی ہے۔ آج ہی ایک لاکھ روپے وہاں پہنچا دو۔"
یہ کہہ کر اس نے موبائل کو آف کر دیا۔

☆======☆======☆

فہمی کالج میں جمال ہمدانی کے ساتھ تھی۔ کمرے کے ایک گوشے میں چپ چاپ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ایک صندوق پر ایک کاپی اور قلم رکھا ہوا تھا۔
کمرے کے دوسرے گوشے میں جمال ہمدانی اس کی طرف پشت کئے ایک کاپی میں کچھ لکھ رہا تھا۔ فہمی تجسّس میں تھی کہ وہ کیا لکھ رہا ہے؟ وہ گردن اونچی کر کے دیکھنا چاہتی تھی مگر دور سے دیکھ نہیں سکتی تھی۔
جمال نے اس کی طرف گھوم کر کھلی ہوئی کاپی دکھائی۔ اس کاپی کے ایک صفحہ پر بڑے حروف میں لکھا "COME"۔
فہمی نے اسے دور سے پڑھا۔ سر ہلاتی ہوئی مسکرائی پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے پاس آ گئی۔ قریب آنے پر جمال نے کاپی کے ایک ورق کو الٹ دیا۔ دوسرے صفحہ پر

لکھا ہوا تھا "GO"۔

فہمی پلٹ کر وہاں سے چلتی ہوئی واپس آ کر اپنی جگہ رک گئی۔ پھر صندوق پر جھک کر اپنی کاپی پر لکھنے لگی "COM"۔

اس نے وہ صفحہ جمال کو دکھایا۔ جمال نے اس کے پاس آ کر اسے COME کے درست ہجے سمجھائے۔ اس نے دوسری بار لکھا "SIT"۔

جمال اسے پڑھ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ خوش ہو گئی۔ جمال نے اشارے سے کہا۔ "اب مجھے اٹھنے کو کہو۔"

وہ سوچ سوچ کر لکھنے لگی۔ اس نے پہلے S لکھا۔ پھر T' پھر A اس کے بعد D لکھ دیا۔ پھر اسے دکھایا۔ جمال نے دوسرے صفحہ پر صحیح ہجے کے ساتھ STAND لکھنا سکھایا۔ وہ اس سے دور جاتی ہوئی ایک صفحہ پر STAND UP لکھنے لگی۔ پھر دور جا کر اسے دکھایا۔ وہ اسے پڑھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پھر خوش ہو گئی۔

جمال نے قریب آ کر شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ پھر کاپی لے کر اس پر نمبر ون لکھا۔ فہمی نے اسے پڑھ کر ایک انگلی دکھائی۔

جمال نے نمبر 3 لکھا۔ اس نے تین انگلیاں دکھائیں۔ پھر نمبر 6 لکھنے پر اس نے چھ انگلیاں دکھائیں۔

وہ زیر لب کہنے لگا۔ "میری بے زبان بچی! میں چاہتا ہوں' تمہیں حساب کرنا آ جائے۔ تم اپنے چاہنے والوں کو انگلیوں پر گن سکو گی لیکن .... کینہ اور کپٹ رکھنے والوں کو گننے کے لئے انگلیاں کم پڑ جائیں گی۔"

☆======☆======☆

حمیرا اور مراد کار سے اتر کر ہوٹل کے اندر آئے۔ وہ ایک منگا ہوٹل تھا۔ امیر کبیر لوگ اپنی فیملی کے ساتھ یا گرل فرینڈز کے ساتھ مختلف میزوں کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ مراد بھی حمیرا کے ساتھ ایک میز کے اطراف آ کر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا۔ "ہماری ملاقات لوگوں کے ہجوم میں ہوتی ہے۔ تنہائی میں کبھی کبھی ملتی ہو۔ ایسا کب تک ہوتا رہے گا؟"

حمیرا نے کہا۔ "یہ تمہیں سوچنا چاہئے۔ میں کئی بار کہہ چکی ہوں۔ پہلے میرے پاپا کا دل جیت لو۔"

"یہ بڑی مشکل ہے۔ حسینہ کا دل جیتنے کے لئے اس کا باپ بڑی اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ کیا ضروری ہے کہ اتنی جلدی بزرگوں کو اپنے درمیان لایا جائے؟"

"پھر تو ہماری ملاقاتیں اسی طرح ادھوری رہا کریں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہاری بہن زیبی کو ہماری ملاقاتوں کا علم ہو۔"

"یہ ہمارے درمیان زیبی کیوں آ جاتی ہے؟"

"تم جانتے ہو' وہ کتنی مغرور ہے۔ مجھے نیچا دکھانے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ وہ میری سہیلیوں سے کہتی پھرے گی کہ تم نے مجھے دل بہلانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔"

"میں نے زیبی کو تمہارے بارے میں نہیں بتایا ہے اور نہ بتاؤں گا۔ دوسری باتیں کرو۔"

اس نے مینو پڑھ کر ویٹر کو کھانے کا آرڈر دیا۔ حمیرا نے کہا۔ "دوسری بات یہی ہے کہ ہم دوستی کی حد سے آگے نکل رہے ہیں۔ ہماری شادی ہو جانی چاہئے۔"

"تمہارے پاپا اور تمہارے بھائی صاحب پکے بزنس مین ہیں۔ وہ جانتے ہیں' میں اپنے دادا جان کے بزنس میں سب سے بڑا شیئر ہولڈر ہوں۔ وہ مجھے داماد بنانے کے لئے فوراً راضی ہو جائیں گے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "بڑی خوش فہمی ہے۔"

"اسے خوش فہمی نہ سمجھو۔ وہ جانتے ہیں کہ تم سے شادی کروں گا تو ہمارا اور تمہارے پاپا کا کاروبار ایک ہو جائے گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ پاپا اور بھائی صاحب یہ چاہیں گے کہ رشتے داری بھی ہو اور کاروباری اتحاد بھی۔"

"ہمارے اتحاد سے تم لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ تمہاری ایک ہی ٹیکسٹائل مل ہے۔ ہماری تو فیصل آباد اور کراچی میں کئی ملیں ہیں۔ اوورسیز میں ہماری پروڈکٹس کی سب سے زیادہ ڈیمانڈ ہے۔"

"ڈونٹ بی پراؤڈ آف یور بزنس۔ تمہاری اور زیبی کی یہ عادت ہے۔ اپنے پھیلے ہوئے کاروبار اور اعلیٰ خاندان پر غرور کرتے رہتے ہو۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "ہم غرور نہیں کرتے۔ اپنے ہائی اسٹینس پر ناز کرتے ہیں۔ ہمارے خاندان میں بہو بن کر آؤ گی تو تم بھی ناز کرو گی۔"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ "اور وہ دن کب آئے گا؟"

"تم اپنے باپ اور بھائی کی سرپرستی میں ہو۔ وہ سرپرست میری شرط مان لیں گے تو میں کل ہی بارات لے آؤں گا۔"

"اچھی شرط پیش کرو' جو قابل قبول ہو۔"

"پہاڑ کاٹنے اور دودھ کی نہر نکالنے والی شرط نہیں ہے۔ سیدھی سی بات ہے۔ تمہارے پاپا آدھا کاروبار اور آدھی جائداد تمہارے نام لکھ دیں۔ میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔"

"بھائی صاحب راضی نہیں ہوں گے۔ بھائی اور بھابی جان سب کچھ اپنے نام کر لینا چاہتے ہیں۔"

"اپنے پاپا کو سمجھاؤ۔ میری بات ماننے سے دو فائدے ہوں گے۔ میں تمہارے ساتھ اس کاروبار میں ففٹی پرسنٹ کا پارٹنر بن کر اپنا سرمایہ لگاؤں گا۔"

"اور دوسرا فائدہ؟"

"دوسرا یہ کہ میں تمہارے پاپا کو اپنے ڈیڈی کے کاروباری راز بتاؤں گا۔"

وہ قائل ہو کر بولی۔ "پھر تو ہماری شادی پاپا کے لئے واقعی فائدہ مند ہو گی۔ میرا خیال ہے' وہ مان جائیں گے۔"

وہ اس کی طرف جھک کر بولا۔ "تو پھر مناؤ۔ گیند تمہارے کورٹ میں ہے۔"

حمیرا نے دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔

☆======☆======☆

وہ دن رات دل لگا کر لکھتی پڑھتی رہتی تھی۔ دنیا والوں سے گفتگو کرنے اور انہیں اپنی بات سمجھانے کا یہی ایک راستہ تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ تحریر کی زبان سے سمجھتی رہے اور سمجھاتی رہے۔

وہ اپنے کمرے میں تھی۔ ایک کاپی پر جھکی ہوئی تھی۔ اس نے لکھا۔ "I" پھر ایک انگلی کو اپنے سینے پر رکھ لیا۔ مسکرانے لگی جیسے دنیا والوں سے اپنی پہچان کرا رہی ہو کہ یہ میں ہوں۔

اس نے دوسری بار لکھا۔ "You" پھر سر اٹھا کر ایک کیلنڈر کو دیکھا۔ وہاں ایک شخص کی تصویر تھی۔ اس نے اس کی طرف انگلی دکھائی۔ تصویر سے کہا۔ "یہ تم ہو۔"

پھر اس نے کاپی پر جھک کر "HE" لکھا۔ دروازے کی طرف انگلی اٹھائی۔ کسی خیالی شخص کو "وہ" کہہ رہی تھی۔

دروازے پر حسرت کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اشارے سے پوچھا۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

وہ مسکراتی ہوئی دوڑتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتی

ہوئی میز کے پاس لے آئی۔ اسے اپنی کاپی دکھانے لگی۔

اس نے کاپی کے صفحات کو دیکھتے ہوئے اشارے سے پوچھا۔ "یہ سب کس نے لکھا ہے؟"

فہمی نے اسے حرف "I" دکھایا۔ پھر اپنے سینے پر انگلی رکھی۔ حسرت حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔ اس نے "YOU" لکھا ہوا صفحہ دکھایا۔ پھر اس کی طرف اشارہ کیا۔ تیسرے صفحہ پر "HE" لکھا ہوا تھا۔ اس نے کیلنڈر کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بولا۔

"او گاڈ! مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ تم الفاظ کو سمجھتی ہو۔ انہیں لکھتی بھی ہو۔"

حسرت نے کیلنڈر کے پاس آ کر اس کے ایک ورق کو الٹا۔ دوسرے صفحہ پر ایک عورت کی تصویر تھی۔ اس نے فہمی سے اشارے میں پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

فہمی نے ایک صفحہ پر "SHE" لکھ کر دکھایا۔ وہ حیرت سے اور مسرت سے بولا۔

"Amazing تم تو جیسے بولنے لگی ہو۔"

اس نے ایک صفحہ پر "YOU SIT" لکھ کر حسرت کو دکھایا۔ پھر ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اس کرسی پر بیٹھتے ہوئے اشارے سے بولا۔ "بائی گاڈ' تم تو معجزہ دکھا رہی ہو۔ یہ تم نے کیسے سیکھا ہے۔"

اس نے ایک ہاتھ سے ایک خیالی پھول توڑا۔ اسے سونگھا پھر ایک صفحہ پر لکھا "GARDENER"۔

وہ حیرانی سے بولا۔ "کیا' مالی؟ مالی نے سکھایا ہے؟ وہ Educated ہے؟"

فہمی نے لفظ Gardener پر انگلی رکھی۔ وہ خوش ہو کر بولا۔ "تم بہت اچھی ہو۔ تمہیں دیکھ کر پاکیزگی کا احساس ہوتا ہے۔"

وہ اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "کاش! تم بول سکتیں۔"

فہمی نے جیسے اس کی بات سمجھ لی۔ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر آئینے کے سامنے آئی۔ اس نے آئینے میں اپنی زبان کو دیکھا۔ ہونٹوں کو دو چار بار کھولا اور بند کیا۔ جیسے بولنا چاہتی ہو۔ دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی جیسے سننا چاہتی ہو۔ آخر مایوس ہو کر گہرے صدمے سے حسرت کو دیکھنے لگی۔

وہ ہمدردی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

☆======☆======☆

عبادت علی اپنے کمرے میں ٹہل رہے تھے اور سوچ رہے تھے۔ سوچ' فکر اور

پریشانیاں بڑھاپے میں بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں' خواہ کتنی ہی دولت قدموں میں چلی آئے۔

بوڑھے ڈرائیور نے آکر کہا۔ "حضور! منشی جی آئے ہیں۔"

"ہوں .... منشی دین محمد۔" انہوں نے سوچتی ہوئی نظروں سے ڈرائیور کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "تم یہاں ہو؟ زیبی کو نہیں لے گئے؟"

"بی بی جی نے کہا ہے' وہ شام کو باہر جائیں گی۔"

عبادت علی کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ "ہوں .... ہماری پوتی گھر میں رہنے لگی ہے۔ پابندیوں کا خاطر خواہ نتیجہ نکل رہا ہے۔"

انہوں نے ڈرائیور سے کہا۔ "جاؤ منشی کو بھیج دو۔"

ڈرائیور سر جھکا کر چلا گیا۔ وہ خوشی سے بڑبڑانے لگے۔ "اولاد میٹھی ہوتی ہے مگر جلیبی کی طرح پیچ دار ہوتی ہے۔ اس کے کس بل نکالنے کے لئے پابندیاں لازمی ہیں۔"

اس وقت نفاست اپنے کمرے میں کبریٰ سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے ابا جان کے کمرے میں جانا تھا۔ کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ مگر ایک کپ چائے نہیں مل رہی ہے۔ یہ ملازم کہاں مر گئے؟ بنن' شبو' ستار........"

کبریٰ نے کہا۔ "جب مر ہی چکے ہیں تو جواب کیسے دیں گے؟ حلق پھاڑ کر چیخ رہے ہیں۔ ایک کال بیل نہیں لگوا سکتے۔"

شبو نے کمرے میں آئی تو نفاست علی نے غصے سے پوچھا۔ "کہاں مر گئی تھی؟"

کبریٰ نے کہا۔ "یہ پوچھیں' زندہ کیسے ہو گئی؟"

"خدا کے لئے چپ رہو۔ میں بھول جاتا ہوں۔ پتہ نہیں میرے حافظے کو کیا ہوا ہے۔"

اس نے شبو سے پوچھا۔ "میں کیا پوچھ رہا تھا؟"

وہ بولی۔ "میں کہاں مر گئی تھی۔"

"اوہ .... یہ نہیں .... میں کیوں بلا رہا تھا؟ .... ہاں یاد آیا۔ جا کر دیکھو' ابا جان کمرے میں ہیں یا جا چکے ہیں۔"

کبریٰ نے کہا۔ "آپ ایک کپ چائے پینے کے لئے بے چین ہو رہے تھے۔"

"ہاں' یاد آیا۔ بنن میاں سے کہو' ہمارے لئے دو چائے لے آئے۔"

شبو وہاں سے جاتی ہوئی کہنے لگی۔ "میں بنن سے چائے کے لئے کہتی ہوں۔ ہمارے بڑے صاحب کمرے میں ہیں۔ وہ باغوں والے منشی جی آئے ہیں۔"

وہ کمرے سے چلی گئی۔ نفاست نے چونک کر کبریٰ کو دیکھا۔ "منشی دین محمد۔"

کبریٰ نے خوش ہو کر کہا۔ "زیبی کے باغات کا حساب لایا ہو گا۔ پچیس یا تیس لاکھ روپے تو ضرور ملیں گے۔ صبح سے میری دائیں ہتھیلی کھجا رہی تھی۔"

"تمہاری ہتھیلی میں کھجلی کیوں ہو رہی تھی؟ باغات زیبی کے ہیں۔ رقم زیبی کو ملے گی۔"

"ماں کو ملے یا بیٹی کو رقم ہماری ہی ہو گی۔ آپ کیوں کھڑے ہیں؟ وہاں جائیں۔ دیکھیں اس سال کتنی رقم ملنے والی ہے؟ میں زیبی کو لے کر آتی ہوں۔"

وہ خوشی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر جانے لگی۔ زیبی اپنے کمرے میں بیڈ پر نیم دراز تھی۔ ریسیور کان سے لگائے کہہ رہی تھی۔ "یہ جھوٹ ہے۔ میں نے حمیرا کی انسلٹ نہیں کی تھی۔ الٹا حمیرا اور مونا میرا مذاق اڑا رہی تھیں۔ دیکھو تم سوچے سمجھے بغیر ان کی حمایت نہ کرو یہ ساری کی ساری بہت براڈ مائینڈڈ Broad Minded بنتی ہیں لیکن مجھے دیکھتے ہی احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔"

اسی وقت کبریٰ دروازہ کھول کر اندر آتی ہوئی بولی۔ "اے بیٹی! تم کہاں ہو' زیبی!"

زیبی نے ناگواری سے کہا۔ "یہ کیا ممی! آپ دستک دیئے بغیر گھسی چلی آ رہی ہیں۔"

وہ خوشی سے اٹھلاتی ہوئی بولی۔ "اے بیٹی! میں خوشی کے مارے ناک KNOCK کرنا بھول گئی۔ تم سنو گی تو خوشی سے اچھل پڑو گی۔"

"مجھے نہیں سننا ہے۔ آپ میری پرائیویسی میں مداخلت کر رہی ہیں۔"

"ہائے بیٹی! بہت بڑی خوشخبری ہے۔ سنو تو سہی۔"

"میں نے کہا نا' نہیں سنوں گی۔ پہلے آپ باہر جائیں۔ ناک کریں' پھر اندر آئیں۔ آپ کو ایٹی کیٹ Etiquette نہیں بھولنا چاہئے۔"

ماں نے بیٹی کو غصہ سے دیکھا۔ پھر بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف جانے لگیں۔ "توبہ ہے۔ یہ اولاد ہے؟ اولاد ایسی ہوتی ہے؟ ماں کو Etiquette سکھا رہی ہے۔"

زیبی کو ریسیور کا خیال آیا۔ اس نے چونک کر ریسیور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم ہماری باتیں سن رہے ہو؟ کال ڈس کنکٹ نہیں کر سکتے تھے۔"

اس نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ دروازے پر دستک سنائی دی۔ زیبی نے بیزاری سے کہا۔ "کم اِن........"

کبریٰ نے اندر آ کر غصہ سے کہا۔ "انگریز کی اولاد! کیا تم دستک دے کر میرے پیٹ میں آئی تھیں۔ ماں کو طور طریقے سکھانے لگی ہو۔"

"پلیز آپ باتیں نہ سنائیں' خوشخبری سنائیں۔"

کبریٰ غصہ میں خوشخبری بھول گئی تھی۔ چونک کر بولی۔ "خوشخبری .... ہاں وہ تمہارے باغوں کا منشی' دین محمد آیا ہے۔ آج تو لاکھوں روپے ملنے والے ہیں۔"

زیبی خوشی سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ ماں کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ "او ممی! ہاؤ سویٹ یو آر It's more than a good news"

کبریٰ اسے قریب آنے سے روکتی ہوئی بولی۔ "خبردار! میرے پاس آنے سے پہلے دستک دو۔"

وہ ہنستی ہوئی ماں سے لپٹ گئی۔ اسے چومنے لگی۔ پھر وہ دونوں وہاں سے چلتی ہوئی عبادت علی کے کمرے کی طرف جانے لگیں۔ وہ اپنے کمرے میں میز پر رجسٹر کھول کر حساب چیک کر رہے تھے۔ منشی دین محمد ایک طرف ادب سے کھڑا ہوا تھا۔ انہوں نے رجسٹر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "زیبی کے باغات سے اٹھائیس لاکھ چالیس ہزار روپے کی آمدنی ہوئی ہے۔"

منشی نے کہا۔ "جی حضور! یہی حساب ہے۔"

"یہ کم ہے۔ یہ ٹھیکیدار چودھری بے ایمان ہے۔ باغات کے پھل چاندی کے بھاؤ لے جاتا ہے اور منڈی میں سونے کے بھاؤ بیچتا ہے۔"

منشی نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا' اسے ٹھیکہ نہ دیں۔ وہ میٹھا بولتا ہے۔ مگر کڑوا تولتا ہے۔"

"ہوں۔ اگلے موسم کے پھل اسے نہ دیئے جائیں۔ کسی دوسرے ٹھیکیدار سے معاملات طے کئے جائیں گے۔"

وہ ایک رسید بڑھاتے ہوئے بولا۔ "حضور! یہ بینک کی رسید ہے۔ تمام رقم جمع ہو چکی ہے۔"

اس نے رسید دے کر دوسرے رجسٹر کو کھولا۔ "یہ سدرہ بی بی کے باغات کا حساب ہے۔"

عبادت علی کے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ سدرہ کے نام کے ساتھ بڑا بیٹا' بہو اور بڑا پوتا سب ہی نگاہوں کے سامنے دکھائی دینے لگے۔ انہوں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "سدرہ!

ہماری پوتی۔ ہم نے بڑے ارمانوں سے یہ باغات اپنی پوتی کے نام لکھے تھے۔"

وہ سر جھکا کر زیر لب کہنے لگے۔ "بیٹا ناراض ہو کر ایسا گیا کہ ہمارے پوتے اور پوتی کو بھی ساتھ لے گیا۔ پتہ نہیں' وہ کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟"

نفاست کمرے میں آ کر ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے قریب آ کر کہا۔ "ابا جان! ہم نے بھائی جان کو کہاں کہاں تلاش نہیں کیا۔ بیس برس گزر چکے ہیں۔ نہ وہ خود آ رہے ہیں اور نہ ہی ان کے نقشِ قدم مل رہے ہیں۔"

عبادت علی نے دل برداشتہ ہو کر منشی سے کہا۔ "تم جاؤ۔"

انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ کبریٰ اور زیبی کمرے میں آئیں۔ منشی نے نفاست کو ایک رسید دیتے ہوئے کہا۔ "یہ سدرہ بی بی کے باغات کی آمدنی ہے۔ بینک میں جمع ہو چکی ہے۔"

منشی وہ رسید دے کر چلا گیا۔ کبریٰ اور زیبی نے قریب آ کر رسید کو دیکھا۔ زیبی نے اسے پڑھ کر حیرانی سے کہا۔ "بتیس لاکھ روپے۔"

نفاست نے بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے اکاؤنٹ میں اٹھائیس لاکھ روپے جمع ہو چکے ہیں۔"

عبادت علی نے آنکھیں کھول کر زیبی کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "اس کے اکاؤنٹ میں رقم جمع ہوتی رہے گی اور یہ خرچ کرتی رہے گی۔ فضول خرچی سے باز نہیں آئے گی۔ جبکہ سدرہ کے اکاؤنٹ میں کروڑوں روپے جمع ہو چکے ہیں۔"

زیبی اپنے دادا جان کے قدموں میں آ کر فرش پر بیٹھ گئی۔ ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "دادا جان! میں کبھی یورپ جاتی ہوں۔ کبھی امریکہ۔ کیا یہ فضول خرچی ہے؟ کیا مجھے دنیا نہیں دیکھنا چاہئے؟"

انہوں نے کہا۔ "دنیا کو دیکھنا ہی نہیں' سمجھنا بھی چاہئے۔ تم نے تو اپنے گھر کی چاردیواری کو نہیں سمجھا ہے اور دنیا دیکھنے کی بات کر رہی ہے۔"

"اچھا کان پکڑتی ہوں۔ آئندہ فضول خرچی نہیں ہو گی۔ میں آپ کی ایک ہی پوتی ہوں۔ اگر وہ دوسری پوتی نہیں آئے گی تو آپ اس کے باغات کی آمدنی مجھے دیں گے۔"

"بکواس مت کرو۔ ہماری وہ پوتی آئے گی۔ کیا تم اس کے نہ آنے کی دعائیں مانگ رہی ہو؟"

نفاست نے فوراً ہی بیٹی کی طرف سے صفائی پیش کی۔ "یہ نادان ہے' بچی ہے' جو

منہ میں آتا ہے بک دیتی ہے۔"

جب سدرہ پیدا ہوئی تھی تو خوب خوشیاں منائی گئی تھیں۔ بیٹیوں اور پوتوں کی صورتیں دیکھ دیکھ کر ان کے دل میں ایک ننھی سی بچی کی آرزو پیدا ہو گئی تھی۔ اس گھر میں خوشی کا ہر سامان تھا لیکن کسی معصوم بچی کی مترنم ہنسی نہیں تھی۔ دانستگی یا نادانستگی میں انسان ہمیشہ موسیقی کا دلدادہ ہوتا ہے اور سُر تال کا جو رچاؤ بیٹی ذات کے ہنسنے بولنے میں ہوتا ہے وہ بیٹوں میں نہیں ہوتا۔ اس لئے سدرہ کی پیدائش پر عبادت علی نے بزم موسیقی کا اہتمام کیا تھا۔ تمام کوٹھی کو رنگ برنگے قمقموں سے جگمگا دیا تھا اور غریبوں اور ناداروں میں دل کھول کر خیرات تقسیم کی تھی۔

شاہ خرچی کا ایسا مظاہرہ کیا تھا جیسے کسی ریاست کی شہزادی نے جنم لیا ہو۔ یہ بات نفاست علی اور کبریٰ بیگم کو ناگوار گزر رہی تھی۔ ایک سدرہ پر دولت اس طرح لٹائی جا رہی تھی پھر ان کے بچوں کا کیا ہو گا؟

عبادت علی کی خوشیوں کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنا سب کچھ شفاعت علی کے بچوں کے نام لکھ جائیں گے۔ ایک سال کے بعد نفاست علی کے ہاں زیبی پیدا ہوئی تو پوتی کی آرزو پرانی ہو چکی تھی۔ بار بار لڑکیاں پیدا ہوں تو خوشی رفتہ رفتہ ماند پڑتی جاتی ہے۔ اس لئے زیبی کی پیدائش پر کوئی خاص رونق نہیں ہوئی۔ رسمی طور پر عزیزوں اور رشتے داروں کو دعوتیں دی گئی تھیں۔

دادا جان کی توجہ میں ذرا سا فرق آیا اور اس کے ساتھ ہی نفرت و تفریق کی فضا ہموار ہونے لگی۔ آئے دن ذرا ذرا سی بات پر جھگڑے ہونے لگے۔ گھریلو جھگڑوں میں اکثر صلح ہو جایا کرتی ہے لیکن اندرونی نفرت باقی رہ جاتی ہے۔ عبادت علی کے سمجھانے بجھانے پر وہ پھر ایک دوسرے سے ہنسنے بولنے لگتے تھے اور اس بات سے بے خبر ہو جاتے تھے کہ ان کے لاشعور میں غیر محسوس طریقے سے نفرت کی بارود جمع ہوتی جا رہی ہے۔

سدرہ کی پہلی سالگرہ پر عبادت علی نے اس کے نام آم کے اور زیبی کے نام مالٹے کے باغات لکھ دیئے۔ انہوں نے اپنے نزدیک یہ انصاف کیا تھا لیکن اس سال مالٹوں کی فصل بہت کم ہوئی اس لئے آمدنی بھی کم ہوئی۔ کبریٰ بیگم کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ان کی بیٹی کو ایسے باغات دیئے گئے ہیں جن کی آمدنی بہت کم ہوتی ہے۔

انہوں نے اپنے سسر سے اس ناانصافی کی شکایت نہیں کی۔ مگر چپکے چپکے اپنے خاوند کے کان بھرتی رہیں۔ شفاعت علی کان کے کچے تھے۔ پہلے بیوی کی باتوں پر عمل کر جاتے

تھے بعد میں پچھتاتے تھے۔ ایک رات وہ بیوی کے مشورے پر کلب جانے کے بہانے باہر رہے۔ بیگم نے اپنے جیٹھ شفاعت علی کو اپنے کمرے میں بلایا اور ان کے سامنے اپنا دکھڑا رونے لگیں۔

"بھائی جان! آپ تو جانتے ہیں کہ زیبی کے ابو آج کل راتوں کو گھر سے باہر رہنے لگے ہیں۔ انہیں میرا خیال ہے نہ بچوں کے مستقبل کی فکر ہے۔ وہ ہر رات کبھی دس ہزار کبھی بیس ہزار مجھ سے لے جاتے ہیں اور صبح ہونے سے پہلے خالی ہاتھ واپس آ جاتے ہیں۔"

شفاعت علی نے حیرانی اور پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "وہ اتنے روپے لے کر کہاں جاتا ہے؟"

بیگم نے دروازے اور کھڑکیوں کی طرف دیکھ کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "یہ بات میں نے کسی کو نہیں بتائی تھی آپ سے بھی تنہائی میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ آپ بھابی سے بھی اس کا ذکر نہ کریں۔"

"تم اطمینان رکھو' میں بیگم سے بھی نہیں کہوں گا۔"

کبریٰ بیگم نے مطمئن ہو کر کہا۔ "مجھے آپ سے یہی امید تھی۔ میں آپ جیسے ہمدرد کے سامنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے کہہ رہی ہوں کہ انہیں جوئے کی لت پڑ گئی ہے۔"

شفاعت علی نے گہرے تاسف اور فکرمندی سے کہا۔ "یہ تو بہت بری لت ہے۔ ایسی لعنت ہے کہ ہنستے بستے گھر اجڑ جاتے ہیں۔ میں ابا جان سے کہوں گا۔"

"نہیں بھائی جان! آپ ابھی کسی سے ذکر نہ کریں۔ ایک بیوی کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کروں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی سنبھل جائیں گے۔ اس وقت تک میں چاہتی ہوں کہ میرے پاس جو رقم ہے وہ کہیں محفوظ ہو جائے۔ ورنہ وہ ہر روز اسی طرح میری پونجی ضائع کرتے رہیں گے۔ اس وقت میرے پاس دس لاکھ روپے ہیں۔ آپ انہیں اپنے پاس رکھ لیجئے۔ اگر میں اپنے اکاؤنٹ میں رکھتی ہوں تو وہ چیک لکھوا کر لے جاتے ہیں۔"

وہ تھوڑی دیر تک سوچتے رہے۔ کبریٰ بیگم کی مجبوریوں پر غور کرتے رہے۔ پھر انہوں نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ وہ رقم مجھے دے دو۔ میں اسے اپنے اکاؤنٹ میں رکھ لوں گا۔ تمہیں جب بھی ضرورت ہو گی مجھ سے مانگ لیا کرو۔"

کبریٰ بیگم اپنی جگہ سے اٹھ کر الماری کے پاس آئیں۔ اس کی ایک دراز سے انہوں نے بڑے بڑے نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور انہیں شفاعت علی کے سامنے لا کر رکھ دیا۔

فریب کا چہرہ ابتدا میں معصوم اور پُراعتماد ہوتا ہے۔ کبریٰ بیگم کا چہرہ بھی ایسا ہی تھا۔ شفاعت دھوکہ کھا گئے۔ دوسری صبح وہ دس لاکھ روپے بریف کیس میں رکھ کر بینک جانے کے لئے تیار ہوئے تو عبادت علی نے انہیں اور ان کی بیوی جمیلہ بیگم کو اپنے کمرے میں طلب کیا۔ کبریٰ بیگم اور نفاست علی پہلے سے وہاں موجود تھے۔ معلوم ہوا کہ عبادت علی کی آئرن سیف سے پانچ لاکھ روپے چوری ہو گئے ہیں۔

اس گھر میں پہلی بار چوری کی واردات ہوئی تھی۔ اس لئے سب ہی حیرت کا اظہار کر رہے تھے۔ حیرانی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عبادت علی کے کمرے میں ملازم نہیں آتے تھے۔ بیٹے اور بہوئیں ان کی خدمت کے لئے آیا کرتے تھے۔ پچھلی رات فرمان اور مراد ان کے کمرے میں شرارتیں کرتے رہے تھے۔ وہ دس برس کے بچے تھے۔ ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اتنی بڑی رقم کا لالچ کریں گے۔ چھوٹی بہو کبریٰ بیگم کے سر میں درد تھا۔ اس لئے شام ہی سے انہوں نے بستر پکڑ لیا تھا۔ البتہ بڑی بہو جمیلہ بیگم عبادت علی کے کمرے میں آئی تھیں۔ انہوں نے بکھری ہوئی کتابوں کو ترتیب سے رکھا تھا۔ بستر کی چادر اور تکئے کے غلاف بدلے تھے۔ پھر انہیں سلام کر کے رخصت ہو گئی تھیں۔ جاتے وقت ان کے ہاتھوں میں میلی چادر اور تکئے کے غلاف کی ایک گٹھری تھی۔

جمیلہ بیگم کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے سب لوگ انہیں مشکوک نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ بے اختیار اپنی صفائی میں بول پڑیں۔ "میں .... میں قسم کھا کر کہتی ہوں، میں سیف کے قریب نہیں گئی۔ میرے ہاتھ میں صرف کپڑوں کی گٹھری تھی۔"

نفاست علی طنزیہ انداز میں مسکرائے۔ پھر انہوں نے شفاعت علی سے پوچھا۔ "بھائی جان! شاید آپ بینک جا رہے ہیں؟"

"ہاں!"

"اس بریف کیس میں کتنی رقم ہے؟"

"دس لاکھ .... لیکن یہ رقم میری نہیں ہے۔ کسی کی امانت ہے۔"

شفاعت علی کا جواب سن کر ان کے والد چونک گئے۔ انہوں نے پوچھا۔ "کس کی

امانت ہے؟"

شفاعت علی نے ہچکچاتے ہوئے کبریٰ بیگم کی طرف دیکھا۔ کبریٰ بیگم لاپرواہی سے دوسری طرف منہ کئے بیٹھی تھیں۔ عبادت علی نے دوسری بار پوچھا۔ "تم خاموش کیوں ہو؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟ وہ کون حاتم ہے جس نے دس لاکھ روپے اپنے اکاؤنٹ میں رکھنے کے بجائے تمہیں دے دیئے ہیں؟"

عبادت علی کے لہجہ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ان پر شبہ کر رہے ہیں۔ اب حقیقت چھپانے میں اپنی بدنامی تھی۔ لہٰذا انہوں نے جواب دیا۔ "یہ روپے مجھے کبریٰ نے دیئے ہیں۔"

کبریٰ بیگم ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں اور چیخ کر کہنے لگیں۔ "یہ جھوٹ ہے۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ کیا مجھ پر چوری کا الزام لگانا چاہتے ہیں؟"

نفاست علی نے کہا۔ "بھائی جان! جھوٹ بولنے کا بھی ایک سلیقہ ہوتا ہے۔ کیا یہ یقین کرنے کی بات ہے کہ بیگم میرے ہوتے ہوئے اتنی بڑی رقم آپ کے پاس رکھیں گی۔"

شفاعت علی کبریٰ بیگم کے بدلے ہوئے تیور پر حیران تھے۔ یہ بات ان پر واضح ہو چکی تھی کہ انہیں باپ کی نظروں سے گرانے کے لئے گہری سازش کی گئی تھی۔ انہوں نے غصے سے کہا۔ "تم لوگوں کی طرح مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے۔ کبریٰ نے یہ روپے مجھے اس لئے دیئے تھے کہ تم اس سے بڑی بڑی رقمیں لے جا کر جوئے میں ہار جاتے ہو۔"

نفاست علی غصے سے اچھل کر کھڑے ہو گئے اور عبادت علی سے کہنے لگے۔ "ابا جان! میں ایسے الزامات برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک تو بیگم کو چور بنایا جا رہا ہے، دوسرے مجھے جواری کہا جا رہا ہے۔ آپ انصاف کیجئے ورنہ میں اس گھر میں نہیں رہوں گا۔"

عبادت علی نے بڑے بیٹے کو ناگواری سے دیکھ کر کہا۔ "شفاعت! ہمیں تم سے ایسی امید نہیں تھی۔ تم نے ہمارے اعتماد کو دھوکا دیا ہے۔"

"ابا جان! میں سدرہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے سیف سے روپے نہیں نکالے ہیں۔"

"آپ کی قسم اپنی جگہ درست ہے۔" نفاست علی نے کہا۔ "روپے آپ نے نہیں نکالے۔ اس کام کے لئے آپ نے بھابی کی خدمات حاصل کی ہیں۔"

شفاعت علی نے ایک طمانچہ جڑ دیا۔ نفاست علی لڑکھڑا کر صوفے پر گر پڑے۔

"تمہیں اپنی بھابی پر الزام لگاتے شرم نہیں آتی۔ آئندہ اپنے بزرگوں سے گستاخی کی تو زبان کھینچ لوں گا۔"

بھائی کا طمانچہ کھا کر نفاست علی کو ایک ذرا دیر کے لئے احساس ہوا کہ وہ غلطی پر ہیں اور اپنی بیوی کی باتوں میں آ کر اپنے بھائی جان کے خلاف سازش کر چکے ہیں لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی غلطی پر پچھتاتے۔ کبریٰ بیگم نے چھاتی پیٹ کر کہا۔ "ہائے ہائے' یہ کیسا ظلم ہے۔ اپنی بزرگی جتا کر چھوٹوں پر ہاتھ اٹھا رہے ہیں۔ انہیں سچ بولنے سے روک رہے ہیں۔ کیا ہم ذلتیں اٹھانے کے لئے یہاں رہتے ہیں؟ میں اب ایک پل کے لئے بھی یہاں نہیں رہوں گی۔" وہ اپنے خاوند کا ہاتھ کھینچ کر بولیں۔ "چلئے یہاں سے آپ کے ساتھ ایسا سلوک کیا جا رہا ہے۔ نہ جانے ہمارے بچوں سے کیسی دشمنی کی جائے گی۔ ہم مال و دولت کے بھوکے نہیں ہیں۔ بچوں سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی دولت نہیں ہے۔ ہم روکھی سوکھی کھا لیں گے لیکن عزت سے رہیں گے۔ چلئے یہاں سے.........."

نفاست علی کے دل میں غلطی کا جو احساس جاگ رہا تھا وہ پھر مردہ ہو گیا۔ کبریٰ بیگم کے بولنے کا ڈرامائی انداز ایسا تھا کہ نفاست علی کو طمانچہ کھا کر بے عزتی کا احساس ہونے لگا۔ پھر یہ بھی انہیں یاد آ گیا کہ ان کے بچوں کے ساتھ ناانصافیاں ہو رہی ہیں۔ وہ بیگم کے ساتھ جانے لگے۔

"ٹھہرو!" عبادت علی نے حکم دیا۔

ان کے قدم رک گئے۔

"شفاعت!" انہوں نے بڑے بیٹے سے کہا۔ "سیف سے نکالے ہوئے دس لاکھ روپے تمہارے پاس ہیں۔ ہمیں اس بات کا دکھ نہیں ہے کہ روپے کیوں نکالے گئے۔ اس لئے کہ ہمارے پاس جو بھی کچھ ہے وہ سب تم ہی لوگوں کا ہے اور تمہاری اولاد کا ہے لیکن آج تم نے اور دلہن نے ہمارے اعتماد کو دھوکہ دیا ہے۔ جھوٹ اور سچ کی پہچان ایسے ہی وقت ہوتی ہے۔ جب انسان غصے میں ہوتا ہے اور اس میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ تم نے سچائی کا منہ بند کرنے کے لئے نفاست کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہمیں تمہاری سچائی کا یقین آ جائے گا؟"

شفاعت علی نے دکھ بھرے لہجے میں پوچھا۔ "کیا آپ کو میری دیانتداری کا یقین نہیں ہے؟ کیا آپ کا کاروبار اس بے اعتمادی سے چل رہا ہے؟"

"بے اعتمادی اب پیدا ہوئی ہے۔ پہلے ہم نے ایک پیسے کا حساب بھی تم سے نہیں لیا لیکن اب پچھلی تمام باتیں دل میں کھٹک رہی ہیں۔ اگر ہم حساب کرنے بیٹھیں تو ان نقصانات میں نفاست سے زیادہ تمہارا ہاتھ نظر آئے گا۔ مگر ہم بات بڑھانا نہیں چاہتے۔ ہمارا نقصان ہو گا تو آگے چل کر تم ہی لوگ نقصان اٹھاؤ گے۔ لہٰذا دس لاکھ یہاں رکھ دو اور اپنے چھوٹے بھائی سے معافی مانگو۔ تم نے اس پر ہاتھ اٹھا کر زیادتی کی ہے۔"

"میں نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ جھوٹے کو جھوٹ کی سزا دی ہے۔"

عبادت علی نے گرج کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ ہم جو حکم دے رہے ہیں۔ اس پر عمل کرو۔ نفاست سے معافی مانگو۔"

شفاعت علی نے عاجزی سے کہا۔ "میں نے آپ کے حکم سے کبھی انکار نہیں کیا لیکن اس وقت معافی مانگنے کا مطلب یہی ہو گا کہ میں مجرم ہوں اور نفاست سچائی پر ہے لیکن اس حقیقت کو میں بھی جانتا ہوں کہ میں نے نفاست کو جھوٹ اور فریب کی سزا دی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ایک جھوٹے سے معافی نہیں مانگ سکتا۔"

عبادت علی نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔ "بے ادب' گستاخ' تم ہمارے حکم سے انکار کر رہے ہو۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ ہم تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔"

شفاعت علی نے اپنے والد کے قدموں کے قریب جھک کر فرش پر بریف کیس رکھ دیا اور چپ چاپ جمیلہ کے ساتھ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ جمیلہ بیگم ایسے چپ تھیں جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ اس گھر میں بڑی بہو ہونے کے ناطے ان کی بڑی عزت تھی۔ چھوٹے سے بڑے تک سب ہی ان کا احترام کرتے تھے لیکن آج ایک ناکردہ جرم کا الزام ان پر لگایا گیا تھا۔

پیشانی پر لگنے والا یہ داغ جھوٹا ہی سہی لیکن داغ تو تھا۔ اب وہ اپنا منہ کسی کو دکھانا نہیں چاہتی تھی۔ اپنے کمرے میں آتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"میں یہاں نہیں رہوں گی۔ مجھ پر جو الزام لگایا گیا ہے اسے غلط ثابت کیجئے یا پھر مجھے یہاں سے لے چلئے۔ میں ایسے گھر میں نہیں رہوں گی جہاں مجھے چور اور بے ایمان سمجھا جاتا ہے۔"

شفاعت علی نے کہا۔ "نفاست نے مجھے ابا جان کی نظروں سے اس طرح گرا دیا ہے کہ وہ میری صورت بھی دیکھنا گوارہ نہیں کر رہے ہیں۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں' ابا جان کو جب تک ہماری سچائی کا یقین نہیں ہو گا اس وقت تک ہم یہاں نہیں رہیں گے۔ ہم

آج ہی یہ گھر چھوڑ کر چلے جائیں گے۔"

انہوں نے پلنگ کے نیچے سے سوٹ کیس نکال کر کھولا پھر الماری سے اپنے کپڑے نکال کر رکھنے لگے۔ جمیلہ بیگم بھی ضروری سامان باندھنے لگیں۔ ملازموں کو پتہ چلا تو وہ سب کے سب دوڑے ان کے کمرے میں چلے آئے۔ یہ جمیلہ بیگم کا حسن سلوک تھا کہ ملازم ان کی جدائی کے خیال سے پریشان ہو جاتے تھے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر منتیں کرنے لگے کہ وہ گھر چھوڑ کر نہ جائیں۔ ایک ملازمہ عبادت علی کے کمرے تک یہ خبر پہنچانے گئی لیکن وہ کہیں باہر چلے گئے تھے۔ نفاست اور کبریٰ بیگم کو بھی ان کے گھر چھوڑنے کی اطلاع ملی۔ مگر وہ دونوں اپنے کمرے سے باہر نہیں آئے۔

پھر شفاعت علی نے سجاد کا ہاتھ پکڑا۔ جمیلہ بیگم نے سدرہ کو گود میں اٹھایا اور ہمیشہ کے لئے اس گھر کی دہلیز سے باہر چلے آئے۔ پرانے رشتے ٹوٹ گئے' گھر چھوٹ گیا' شہر چھوٹ گیا' وہ کہیں جا کر گم ہو گئے۔

☆======☆======☆

صمد شاہین اپنے شو روم میں تھا۔ کئی کاروں کے درمیان سے گزرتا ہوا موبائل فون پر کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ دوسری طرف کی باتیں سن کر کہتا جا رہا تھا۔ "او بابا .... وائی ناٹ .... ہوں ہوں .... یو ڈونٹ وری .... یہ رشوت خوروں کی دنیا ہے۔ چاندی کے جوتے مارو اور اپنا مال نکال کر لے آؤ .... ہوں ہوں .... او یس آئی ول ہینڈل دی میٹرس اف اینی تھنگ گوز رانگ .... او کے .... یو کیری آن۔"

وہ فون بند کر کے سوچنے لگا۔ ایک ماتحت نے آ کر اسے ایک لفافہ دیا۔ لفافے پر ڈاک خانے کی مہر لگی ہوئی تھی۔ صمد نے لفافے پر لکھا ہوا نام پڑھا۔ "فراز انور .... ہوں فراز کے باپ کا خط ہے۔"

ماتحت نے کہا۔ "آپ نے حکم دیا تھا' فراز کا خط پہلے آپ کے پاس پہنچایا جائے۔"

"ہوں' میرے ساتھ آؤ۔" وہ ماتحت کے ساتھ وہاں سے چلتا ہوا اپنے دفتری کمرے میں آیا۔ وہاں ریوالونگ چیئر پر بیٹھ کر اس نے ایک دراز کو کھولا۔ پھر اس میں سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا۔ ماتحت سے بولا۔ "اس لفافے کو بڑی صفائی سے کھولو۔ اندر جو خط ہے' اُسے نکال کر مجھے دو اور یہ خط اس لفافے میں رکھ کر اسی طرح بند کر دو۔"

وہ تہہ کیا ہوا کاغذ لے کر بولا۔ "میں بھی اسے لے کر آتا ہوں۔"

"ہوں' ابھی لاؤ۔ مگر بڑی ہوشیاری سے۔ فراز کو شبہہ نہ ہونے پائے۔"

ماتحت حکم کی تعمیل کے لئے چلا گیا۔ صمد شاہین زیر لب بڑبڑانے لگا۔ "فراز! میرے یار! تم حرام نہیں کھاتے۔ حلال کی روزی حاصل کرتے ہو۔ یہ ایمانداری تمہارے ماں باپ اور بہن پر بوجھ بن گئی ہے۔ میں تمہارے لئے کچھ زیادہ نہیں کر سکتا لیکن تمہارا بوجھ اپنے طریقہ سے کچھ کم کر سکتا ہوں۔"

فراز چاہتا تو صمد کے تعاون سے پانچ کے پچاس ہزار کما سکتا تھا لیکن اس نے پہلے ہی دن صمد سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی ٹیکسی چلایا کرے گا۔ اس کی طرح کبھی کوئی غلط اور غیر قانونی دھندا نہیں کرے گا۔ صمد نے اسے زمانے کی اونچ نیچ سمجھائی لیکن وہ سمجھنے سے انکار

کرتا رہا۔ اس نے دھمکی دی کہ وہ اسے کسی غلط کام کے لئے مجبور کرے گا تو وہ اسے چھوڑ کر چلا جائے گا۔

صمد نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کی نظروں سے دور جائے اور کراچی جیسے بڑے شہر میں روزگار کے لئے ٹھوکریں کھاتا رہے۔ اس نے دوست کو ٹھوکروں سے بچالیا۔ اب وہ صبح سے شام تک اور کبھی رات گئے تک ٹیکسی چلاتا رہتا تھا۔

ٹیکسی چلاتے رہنے کے دوران میں کبھی کبھی غلط قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ وہ اسے زیادہ سے زیادہ رقم کا لالچ دے کر اپنی راہ پر لگانا چاہتے تھے لیکن وہ انکار کر دیتا تھا۔

اس روز وہ ٹیکسی چلاتا ہوا ڈیفنس کے ایک علاقہ سے گزر رہا تھا۔ ایک جگہ زیبی کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ بوڑھا ڈرائیور بونٹ اٹھائے کار کی خرابی دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ زیبی نے کہا۔ "یہ درست نہ ہو تو اسے گیراج میں لے جاؤ۔ میں کسی ٹیکسی میں جا رہی ہوں۔"

اس نے دور سے آنے والی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ فراز نے اس کے قریب آ کر گاڑی روک دی۔ جب وہ پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھی تو اسے یوں لگا' اس کی ٹیکسی کے اندر پہلی بار تازہ ہوا کا جھونکا آیا ہے۔ پتہ نہیں وہ کون سا پرفیوم استعمال کرتی تھی۔ اس کی خوشبو سحرزدہ کر رہی تھی۔

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ پھر اسے آگے بڑھاتے ہوئے عقب نما آئینے کو اس طرح سیٹ کیا کہ وہ جان بہار واضح طور سے دکھائی دینے لگی۔

اس کی ٹیکسی میں کتنی ہی حسین اور جوان لڑکیاں آ کر بیٹھی تھیں۔ اس نے کبھی انہیں توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ لڑکیاں بھی پرفیوم لگاتی تھیں لیکن ان میں سے کسی کی مہک اس کی سانسوں تک نہیں پہنچی تھی اور نہ ہی اس نے کسی کو عقب نما آئینے میں دیکھنے کی آرزو کی تھی۔

اس کا دل کہہ رہا تھا' یہ وہی ہے۔ وہی ہے جو خوابوں میں' خیالوں میں' دلہن بن کر آتی ہے۔ جب وہ گھونگھٹ اٹھاتا ہے تو اس کا چہرہ اس قدر روشن ہو جاتا ہے کہ اس کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور وہ اسے دیکھ نہیں پاتا ہے۔

اب دل مچل رہا تھا کہ یہ وہی ہے۔ خوابوں اور خیالوں کے اسرار سے نکل کر نگاہوں کے سامنے آگئی ہے۔ کیا یہ خوابوں کی تعبیر ہے؟

لیکن یہ تو بہت مہنگی ہے۔ اس کے رکھ رکھاؤ سے اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ بہت اونچی چیز ہے۔ آسمان کا ستارہ ہے۔ سر اٹھا کر اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ اسے توڑ کر کرائے کے مکان میں لایا نہیں جا سکتا۔

اس نے ایک بار بھی فراز کو دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ کھڑکی کے باہر دیکھے جا رہی تھی۔ اسے کیا پڑی تھی کہ ایک ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھتی۔ اس نے ایک محل نما کوٹھی کے سامنے رکنے کو کہا۔ پھر پچھلی سیٹ سے نکل کر دروازے کو زوردار آواز سے بند کیا۔ سو سو کے دو نوٹ فراز کی طرف سیٹ پر پھینکے پھر شانِ بے نیازی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے بڑے گیٹ سے گزر کر اندر چلی گئی۔

فراز ادھر دیکھتا رہا اور سمجھتا رہا' ایسی صورتیں صرف خوابوں میں دیکھنے کے لئے ہوتی ہیں۔ ان کی آرزو کرتے کرتے پوری زندگی گزر جاتی ہے۔

☆======☆======☆

حمیرا اپنے باپ حشمت بیگ کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ سامنے والے صوفہ پر اس کا بھائی نادر اپنی بیوی نجمہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنے باپ اور بھائی کو مراد کے بارے میں بہت کچھ بتا چکی تھی۔ اب ان کا فیصلہ سننا چاہتی تھی۔

اس کے بھائی نادر نے باپ سے کہا۔ "پاپا! یہ مراد علی بہت ہی چالباز ہے۔ حمیرا کو شادی کا جھانسا دے رہا ہے۔"

حمیرا نے کہا۔ "بھائی جان! آپ مراد کو نہیں جانتے۔ اس کے بارے میں ایسی رائے قائم نہ کریں۔"

"میں اسے اچھی جانتا ہوں۔ وہ تمہیں مہرہ بنا کر ہمارے کاروبار پر قبضہ جمانا چاہتا ہے۔"

"وہ میری بہتری چاہتا ہے۔ مجھے پاپا کے بزنس میں ففٹی پرسنٹ کا شیئر ملے گا۔ اسے کیا ملے گا؟ وہ تو جو کہہ رہا ہے' میری بھلائی کے لئے کہہ رہا ہے۔"

اس کی بھابی نجمہ نے کہا۔ "کاروبار میں اور جائداد میں لڑکیوں کو آدھا حصہ نہیں دیا جاتا۔ وہ تو یہاں رشتہ کرنے سے پہلے ہی ہمیں نقصان پہنچا رہا ہے۔"

"بھابی! آپ تو چھوٹی چھوٹی باتوں میں میری حمایت نہیں کرتی ہیں اور یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ آپ تو مخالفت کی انتہا کر دیں گی۔ یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔

نجمہ نے کہا۔ "تم کچھ نہیں جانتی ہو۔ تمہیں بہت کچھ جاننے کی خوش فہمی ہے۔"

اس نے اپنے سسر حشمت بیگ سے کہا۔ "آپ بزرگ ہیں۔ ہمارے سرپرست ہیں۔ اسے سمجھائیں۔ یہ ہمارا اور ہمارے بچوں کا حق چھین کر مراد علی کو دینا چاہتی ہے۔"

حشمت بیگ نند اور بھاوج کے جھگڑوں سے بیزار ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "یہ میری بیٹی ہے۔ تم میری بہو ہو۔ دونوں ہی ماشاء اللہ ہو۔ میں تم دونوں سے کہتا ہوں خاموش رہو۔ یا اٹھ کر چلی جاؤ۔ مجھے بیٹے سے باتیں کرنے دو۔"

نادر نے بیوی سے کہا۔ "نجمہ! اٹھو یہاں سے' بچوں کے پاس جاؤ۔"

حشمت بیگ نے بیٹی سے کہا۔ "حمیرا! تم بھی جاؤ۔"

حمیرا نے باپ کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "جا رہی ہوں لیکن آپ سے کہہ دیتی ہوں آپ کسی کی لگائی بجھائی میں نہ آئیں۔"

نجمہ نے تڑخ کر کہا۔ "میں لگائی بجھائی والی ہوتی تو اس گھر کو آگ لگ چکی ہوتی۔ خود آگ لگا رہی ہو۔ خود ہی ہائے ہائے کر رہی ہو۔"

حمیرا وہاں سے جاتے جاتے دروازے پر رک کر بولی۔ "پاپا! میں جا رہی ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں' میں کسی کے منہ نہیں لگتی۔ منہ لگنے کے قابل ہوں تو لگایا جائے .... ورنہ!"

وہ دروازہ کھول کر چلی گئی۔ نجمہ دوسرے دروازے کی طرف جاتی ہوئی بولی۔ "میرا منہ دلہن بننے کے قابل ہے۔ اس خاندان میں دلہن بن کر آئی ہوں۔ تمہیں کوئی نہیں پوچھے گا۔ کسی سے شادی نہیں ہو گی اور مراد سے تو میں ہونے نہیں دوں گی۔"

وہ بھی چیخ چیخ کر بولتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ حشمت بیگ نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "تھینکس گاڈ! .... بیٹے! یہاں آ کر بیٹھو۔"

نادر نے اس کے قریب ایک صوفہ پر آ کر کہا۔ "میں جانتا ہوں آپ ہمارے بزنس میں مراد کی مداخلت پسند نہیں کریں گے۔"

حشمت بیگ نے سنجیدگی سے کہا۔ "پسند کروں گا۔"

نادر نے چونک کر باپ کو بے یقینی سے دیکھا۔ وہ بیٹے کی طرف جھک کر دھیمی آواز میں بولا۔ "ہم حمیرا کے ذریعہ عبادت ٹیکسٹائل مل کے کاروباری راز معلوم کر سکتے ہیں۔"

"لیکن پاپا!"

"نو لیکن ویکن .... میری باتیں غور سے سنو اور سمجھو۔ ہمارا کاروباری راز صرف ہم جانتے ہیں۔ حمیرا نہیں جانتی۔ مراد علی بھی نہیں جان سکے گا۔"

نادر نے قائل ہو کر سر ہلایا۔ حشمت بیگ نے کہا۔ "ہماری تمام جائیداد کتنی مالیت کی ہے اور کہاں کہاں ہے۔ یہ صرف ہم باپ بیٹے جانتے ہیں۔"

"جی ہاں' یہ راز کسی کو معلوم نہیں ہو گا۔"

"یہ کوئی نہیں جانتا ہے کہ ہم کالا دھن کہاں چھپا کر رکھتے ہیں۔"

"یس پاپا! حمیرا بھی نہیں جانتی ہے۔"

"مراد علی کے فرشتے بھی ہمارے اندر کی بات نہیں جان سکیں گے۔ انکم ٹیکس کا کھانہ بتائے گا کہ ہمارا کاروبار خسارے میں چل رہا ہے۔"

وہ بیٹے کے اور قریب جھک کر بولا۔ "اس خسارے کے بزنس میں حمیرا کو آدھا حصہ دے دو۔ مراد علی سرمایہ لگائے گا۔ ہم اس کے سرمائے سے اپنا کاروبار آگے بڑھائیں گے۔"

نادر نے قائل ہو کر باپ کو دیکھا۔ باپ نے کہا۔ "مراد علی جیسے بکرے کو چھرے تلے آنے دو۔ پھر میں تیل دکھاؤں گا۔ تیل کی دھار دکھاؤں گا۔"

☆======☆======☆

فہمی نے طرح طرح کے رنگ برنگے پھول توڑ کر ایک طرف گھاس پر رکھے تھے۔ جمال وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ایک پھول اٹھا کر گلدستہ بنا رہا تھا۔ اسے سمجھا رہا تھا' گلدستہ بنانے کے لئے کیسے پھولوں کا انتخاب کرنا چاہئے۔ پھر انہیں کس طرح ترتیب سے ایک دوسرے کی میچنگ کے ساتھ سجانا چاہئے۔

فہمی سمجھ رہی تھی اور اس کی طرح دوسرا گلدستہ بنا رہی تھی۔ اس وقت شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ جمال نے اشاروں کی زبان سے کہا۔ "شام ہو رہی ہے۔ اذان ہونے والی ہے اب تمہیں جانا چاہئے۔ یہ گلدستے لے جاؤ۔"

وہ گلدستے لے کر کھڑی ہو گئی۔ گونگے اشاروں سے بولی۔ "آپ بھی کاٹیج میں جائیں۔"

وہ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "میں چلا جاؤں گا۔ ابھی یہاں کچھ کام ہے۔ تم جاؤ۔"

وہ جھاڑیاں کاٹنے والا چھرا اٹھا کر وہاں سے چلا گیا۔ فہمی کوٹھی کی طرف جانے لگی۔ وہ گلدستے کے پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ انہیں چھو رہی تھی۔ خوش ہو رہی تھی۔ پھر چلتے چلتے یکدم سے ٹھٹک گئی۔ سامنے کچھ فاصلے پر مراد کھڑا ہوا تھا۔

وہ اسے دیکھتے ہی سہم جاتی تھی۔ مراد کے دیکھنے کا انداز بھی ایسا ہی تھا جیسے قصائی بکری کو دیکھ رہا ہو اور اسے کھینچ کر چھرے تلے لانا چاہتا ہو۔

وہ سہم کر پیچھے ہٹنے لگی۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنی طرف بلاتے ہوئے بولا۔ "جانِ من جاتی کہاں ہو؟ آؤ' آ جاؤ۔ ابھی جوانی میں نہیں آؤ گی تو کیا بڑھاپے میں آؤ گی۔"

وہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ پلٹ کر بھاگنے لگی۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "ہرنی ہو ہرنی .... شکاری کو دیکھتے ہی بھڑک جاتی ہو۔"

وہ اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے بولا۔ "میری بات تو سنو۔ آخر کب تک بھاگتی رہو گی؟ کہاں تک بھاگتی رہو گی؟"

وہ دوڑتی ہوئی وہاں آئی' جہاں ابھی جمال کے ساتھ بیٹھ کر گلدستے بنا رہی تھی' جمال وہاں نہیں تھا۔ وہ ہانپتی ہوئی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ مراد ایک سمت سے دوڑتا آ رہا تھا۔ وہ جھاڑیوں کی طرف بھاگنے لگی۔ ایک جگہ جمال جھاڑیاں کاٹ رہا تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی آ کر اس سے لپٹ گئی۔

جمال نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ ہانپ رہی تھی۔ بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ مراد وہاں پہنچ کر جمال کو دیکھتے ہی رک گیا۔ فہمی سہم کر جمال کے پیچھے چھپنے لگی۔ مراد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ بیچارہ مالی مٹی اور کھاد میں رہتا ہے۔ یہ تمہیں کیا پناہ دے گا' آؤ میرے پاس آ جاؤ۔"

جمال نے غصے سے گرج کر کہا۔ "مراد! دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

اس نے حملہ کرنے کے انداز میں چھرے کو فضا میں بلند کیا۔ مراد سہم کر پیچھے ہٹ کر بولا۔ "یہ .... یہ کیا حرکت ہے؟ تم یہاں نوکری کرتے ہو یا غنڈہ گردی؟"

اس نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "چلے جاؤ' ورنہ ان جھاڑیوں کی طرح تمہارے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔"

وہ پیچھے ہٹ کر بولا۔ "تم نمک حرام ہو۔ ہمارا کھاتے ہو اور ہم پر غراتے ہو۔"

جمال نے کہا۔ "یہ تمہارے دادا جان کی امانت ہے۔ میں اس کی حفاظت کر رہا ہوں۔ تم اپنے دادا کا نمک کھاتے ہو اور اسے نقصان پہنچانا چاہتے ہو۔ نمک حرام تو تم ہو۔"

وہ تنبیہہ کے انداز میں انگلی دکھاتے ہوئے بولا۔ "تم نے مجھے گالی دی ہے۔ مجھے

نمک حرام کہا ہے۔ میں دیکھ لوں گا تمہیں .... تمہیں دھکے مار کر یہاں سے نکالوں گا۔ میں جا رہا ہوں مگر تمہیں یہاں رہنے نہیں دوں گا۔"

جمال فضا میں چھرا بلند کئے' اس کی طرف دوڑنے لگا۔ وہ پلٹ کر تیزی سے بھاگنے لگا۔ فہمی نے جمال کو پکڑ لیا اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ جمال نے اسے بے بسی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے نانا جان سے فیصلہ کرنا ہی ہو گا۔ کل کو میں نہ رہا تو تمہارا کیا بنے گا؟"

مراد وہاں سے بھاگتا ہوا کوٹھی کے دروازے پر آیا۔ اسے کھول کر اندر جانا چاہتا تھا اسی لمحہ میں حسرت اندر سے باہر آ رہا تھا۔ وہ اس سے ٹکرا گیا۔ حسرت نے کہا۔ "ارے! ذرا سنبھل کے۔ کیا باہر فائرنگ ہو رہی ہے؟"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "ہٹو' مجھے جانے دو۔"

"بات کیا ہے؟ کیا کوئی کتا دوڑا رہا ہے؟"

"ہاں' ایک کتا ہماری باؤنڈری میں ہے۔ ہمارا کھاتا ہے' ہم پر غراتا ہے۔ میں اسے یہاں سے نکال کر رہوں گا۔"

وہ حسرت کو ایک طرف دھکا دیتے ہوئے کوٹھی کے اندر چلا گیا۔ حسرت کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوچنے لگا۔

ایسے ہی وقت عبادت علی اپنے کمرے میں نفاست کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ نفاست ایک فائل کھول کر دکھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ارمانی ٹیکسٹائل ملز والے لان کے نئے ڈیزائن تیار کر رہے ہیں۔"

عبادت علی نے کہا۔ "گرمی کا موسم شروع نہیں ہوتا اور پہلے ہی لان اور کاٹن کی ڈیزائننگ شروع ہو جاتی ہے۔"

نفاست نے کہا۔ "ہمارے ڈیزائن ہمیشہ کی طرح ان سے بہتر ہوں گے۔ یہ عورتوں کا پہناوا ہے۔ ہم بہترین ماڈلز کو لان اور کاٹن ڈریسز میں شوٹ کریں گے۔ ویڈیوز اور فیشن شوز کے ذریعہ اپنی پروڈکٹس کو ڈسپلے کریں گے۔"

"یہ ماڈلز اور فیشن شوز کی باتیں ہم سے نہ کیا کرو۔ ہمارے وقتوں میں ایسے ایڈز اور پبلسٹی فلمیں نہیں بنائی جاتی تھیں۔"

"ابا جان! یہ نئے دور کے تقاضے ہیں۔ بڑی سے بڑی ٹیکسٹائل ملز ہوں یا پان چھالیہ کا معمولی دھندا ہو۔ پبلسٹی ضروری ہوتی ہے۔"

"ہوں .... چھالیہ اور شیونگ بلیڈ کے اشتہارات میں عورتوں کو پیش کرنا بھی ضروری ہے۔ لاحول ولا قوۃ..........."

نفاست نے موضوع بدلنے کے لئے کہا۔ "آپ یہ .... یہ latest designs دیکھیں اس سمر سیزن کا سب سے دلکش ڈیزائن تسلیم کیا جائے گا۔"

کمرے کا دروازہ اچانک ہی ایک زوردار آواز کے ساتھ کھل گیا۔ عبادت علی اور نفاست نے چونک کر دیکھا۔ کھلے ہوئے دروازے پر جمال کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں فہمی کا ہاتھ تھا اور وہ دوسرے ہاتھ میں ایک بڑا سا چھرا اٹھائے ہوئے تھا۔

عبادت علی نے غصہ سے پوچھا۔ "یہ .... یہ کیا طریقہ ہے؟ بغیر اجازت کیوں آئے ہو؟ فہمی کا ہاتھ چھوڑو۔"

جمال نے کہا۔ "ہاتھ چھوڑوں گا تو آپ کا پوتا اسے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔"

نفاست نے غصہ سے کہا۔ "تم میرے بیٹے کے خلاف کیا بکواس کر رہے ہو......... ابا جان! ایک نوکر کا اتنا حوصلہ' ہمارے سامنے ہماری اولاد پر کیچڑ اچھال رہا ہے۔"

جمال نے عبادت سے کہا۔ "آج میں نہ ہوتا تو مراد میاں آپ پر کیچڑ اچھال چکے ہوتے۔"

فہمی نے عبادت کے پاس آ کر اشاروں کی زبان سے کہا۔ "وہ مونچھوں والا میرا ہاتھ پکڑنے والا گلا دبانے آ رہا تھا۔"

عبادت نے گھور کر نفاست کو دیکھا پھر کہا۔ "مراد کی آوارگی یہ رنگ لا رہی ہے۔ اس کی بدمعاشیاں گھر کی چاردیواری سے نکل کر مالی کے دروازے تک پہنچ رہی ہیں۔ کہاں ہے وہ نامراد' اسے یہاں بلاؤ۔"

نفاست نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بیٹے کی پیشی ہو۔ اس نے التجا کی۔ "آ....... آپ طیش میں نہ آئیں۔ میں' میں ابھی جاتا ہوں۔ آپ کو یقین دلاتا ہوں' میں باپ بن کر نہیں' جلاد بن کر اسے سزا دوں گا۔"

جمال نے عبادت سے کہا۔ "میں نہیں جانتا' اسے کیا سزا دی جائے گی۔ اتنا ضرور جان گیا ہوں کہ یہ آپ کی سرپرستی میں محفوظ نہیں ہے۔"

عبادت علی نے کہا۔ "بکواس مت کرو۔ ہماری زندگی میں کبھی اس پر آنچ نہیں آئے گی۔"

"خدانخواستہ آنچ آگئی تو قیامت بھی آ جائے گی۔"

نفاست نے کہا۔ "تم تو ایسا دعویٰ کر رہے ہو جیسے یہ تمہاری کوئی لگتی ہے۔"

"لگتی ہے۔ یہ میرے دل کو لگتی ہے۔ یہ میری سانسوں میں بستی ہے۔ اس سے میرا بہت گہرا رشتہ ہے۔"

عبادت نے پریشان ہو کر جمال کو دیکھا۔ نفاست سوالیہ نظروں سے جمال کو اور اپنے باپ کو دیکھنے لگا۔ جمال نے کہا۔ "ہاں گہرا رشتہ ہے۔ ایک شیطان سے بچانے والا انسانی رشتہ۔ میں اس کا محافظ ہوں۔ ایک سرپرست سے زیادہ قابلِ اعتماد ہوں۔ کسی رشتے کے بغیر حفاظت کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا۔"

جمال خود کو ایک سرپرست سے افضل اور برتر کہہ رہا تھا۔ عبادت علی کمتر ہو رہے تھے اور اس توہین کو برداشت کر رہے تھے۔ انہیں یہ اطمینان ہوا تھا کہ جمال کے منہ سے اصل بات نکلتے نکلتے رہ گئی ہے۔ ابھی پردہ پڑا ہوا ہے۔

انہوں نے جمال سے کہا۔ "تم کچھ زیادہ ہی بول رہے ہو۔ بہتر ہے' ابھی جاؤ۔ ہم بعد میں تم سے باتیں کریں گے۔"

جمال نے نفاست کو گھور کر دیکھا جیسے وارننگ دے رہا ہو کہ اس کے بیٹے کی خیر نہیں ہے۔ وہ مزید کچھ کہے سنے بغیر چلا گیا۔

نفاست نے کہا۔ "ابا جان! آپ برا نہ مانیں۔ آپ نے اس مالی کو سر پر چڑھا رکھا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ اپنے گریبان میں جھانکو۔ بیٹے کو لگام دو ورنہ ہم اسے گھر سے نکال دیں گے' جاؤ یہاں سے۔"

نفاست سر جھکا کر جانے لگا۔ عبادت نے فہمی کو تسلی دینے کے لئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر اس کی پیشانی کو چوم لیا۔

☆======☆======☆

فراز نے شو روم کے سامنے ٹیکسی روکی۔ پھر ٹیکسی سے اتر کر کاروں کے درمیان سے گزرتا ہوا صمد شاہین کے دفتری کمرے میں آیا۔ صمد نے اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہائے فراز! تمہیں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ حلال کی روزی کما رہے ہو اور اپنی جوانی برباد کر رہے ہو۔"

فراز نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم تو آباد ہو رہے ہو۔ میں نے کبھی

حرام کی روزی کا طعنہ نہیں دیا اور نہ ہی کبھی پوچھا ہے کہ دھندا کیا کرتے ہو۔ یہ شو روم تو ہاتھی کے دانت ہیں' دکھانے کے لئے۔ کھانے کے دانت اندر ہوتے ہیں۔"

"میرا دھندا پوچھو' بتا دوں گا لیکن اس وقت جب میرے رنگ میں رنگ جاؤ گے۔"

"مجھ پر دوسروں کا رنگ نہیں چڑھتا۔ میں اپنے ڈھنگ سے جیتا ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "اور میں پرانا رنگ ریز ہوں جس پر چاہتا ہوں' اپنا رنگ چڑھا دیتا ہوں۔"

"میں بحث نہیں کروں گا۔ یہ پوچھنے آیا ہوں' میرا کوئی خط آیا ہے نہیں؟"

صمد نے میز کی ایک دراز کھول کر ڈاک سے آیا ہوا لفافہ نکالا۔ اسے فراز کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ لو' آج ہی صبح کی ڈاک سے آیا ہے۔"

وہ لفافہ چاک کر کے اندر سے خط نکالنے لگا۔ صمد نے کہا۔ "میں تو تجسس میں مبتلا ہوں کہ دو کے پانچ کیسے ہو جاتے ہیں؟"

فراز خط نکالنے کے بعد لفافہ کے اندر جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ صمد نے پوچھا۔ "اور کیا دیکھ رہے ہو؟"

وہ بولا۔ "میں نے لکھا تھا۔ پچھلے تمام منی آرڈرز کی رسیدیں بھیج دیں۔ اُن سے معلوم ہو سکتا تھا کہ دو ہزار بھیجتا ہوں' وہاں پانچ ہزار کیسے بن جاتے ہیں؟"

"خط پڑھو' شاید اس میں کچھ لکھا ہو۔"

وہ خط پڑھنے لگا۔ صمد اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے پڑھتے پڑھتے رک کر کہا۔ "کیا مصیبت ہے۔ گھر کے سب ہی لوگ لاپرواہ ہیں۔ کسی نے رسیدیں سنبھال کر نہیں رکھی تھیں۔ پوسٹ آفس والے ہمارے باپ کے نوکر نہیں ہیں۔ وہ اپنے ریکارڈ سے پچھلی رسیدیں نکال کر نہیں دکھائیں گے۔"

صمد نے تائید کی۔ "بے شک' وہ تو یہی کہیں گے کہ جتنی رقم بھیجی گئی تھی' اتنی ہی پہنچائی گئی ہے۔ پوسٹ آفس میں کوئی حاتم طائی نہیں ہے' جو دو کی جگہ پانچ ہزار روپے بھیج دے گا۔"

فراز خط پڑھنے لگا۔ اس کے چہرے سے حیرانی ظاہر ہونے لگی۔ صمد نے پوچھا۔ "خیریت؟"

"خیریت تو ہے مگر بات بڑی عجیب ہے۔ ایک کھاد فیکٹری کے قریب ہماری زمین

تھی۔ بنجر پڑی رہتی تھی۔ کوئی خریدار نہیں ملتا تھا۔ وہی زمین ایک لاکھ روپے میں فروخت ہو گئی ہے۔"

"واؤ .... تمہارے تو دن پھر گئے۔"

وہ کچھ پریشانی سے کچھ خوشی سے پڑھ رہا تھا' کہہ رہا تھا۔ "لکھا ہے' اگلے ہفتے دس تاریخ کو بارات آئے گی۔ بہن کی رخصتی ہو گی لیکن یہ .... یہ۔"

اس نے لفافہ پر ڈاک کی مہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ خط پچھلے مہینے کی ستائیس تاریخ کو روانہ کیا گیا تھا۔ آج مجھے مل رہا ہے۔"

صمد نے کہا۔ "یہ ڈاک خانے والوں کی کرم نوازیاں ہیں پرسوں دس تاریخ ہے۔ بہن کی رخصتی ہے اور تم یہاں بیٹھے ہو۔"

وہ بے چین ہو کر بولا۔ "مجھے آج ہی کسی ٹرین سے جانا ہو گا۔"

"یار! یہ بہت خوشی کا موقعہ ہے۔ میں آج فرینکفرٹ کے لئے روانہ ہو رہا ہوں۔ ورنہ بہن کی شادی میں ضرور شریک ہوتا۔"

فراز اٹھ کر جانا چاہتا تھا۔ صمد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ذرا رک جاؤ۔ کہاں بھاگے جا رہے ہو۔ ٹرین کا ٹکٹ مل جائے گا۔"

اس نے دراز سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کے آگے رکھی۔ "وہ صرف تمہاری ہی نہیں' میری بھی بہن ہے۔ میری طرف سے کوئی تحفہ خرید کر لے جاؤ۔"

اس نے اس رقم کو سامنے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "سوری' تمہاری کمائی کا ایک پیسہ بھی ہمارے لئے حرام ہے۔ میری بہن ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہی ہے۔ اس نئی زندگی کا آغاز میری حلال کی کمائی سے ہو گا۔"

اس نے اٹھ کر الوداعی مصافحہ کیا۔ پھر وہاں سے جانے لگا۔ صمد شاہین مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا اور ریوالونگ چیئر پر گھوم رہا تھا۔

☆======☆======☆

کبریٰ اور نفاست اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مراد ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔ اس کا محاسبہ کیا جا رہا تھا۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے بھی اس کی آوارگی دادا جان کے سامنے آئی تھی۔ اس وقت اس کی غلطی پر پردہ ڈال دیا گیا تھا۔ اب مالی اس بات کا گواہ تھا کہ اس نے فہمی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔

وہ مالی خون خرابے پر اتر آیا تھا۔ یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ مراد کا جانی دشمن بن

چکا ہے۔ کسی دن کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بات ان کے لئے ناقابل برداشت تھی کہ عبادت علی اُس مالی کو طرح دے رہے تھے۔ اسے سچا اور اپنے پوتے کو جھوٹا سمجھ رہے تھے۔

مراد نے اپنے والدین کے سامنے غصہ دکھاتے ہوئے کہا۔ "میں آوارہ ہوں' بدچلن ہوں' مجھے گولی مار دیں۔ اس گھر سے' اس خاندان سے نکال دیں۔ اس گونگی کی ماں کو' ہماری پھوپھی کو بھی یہاں سے نکالا گیا تھا۔ آپ کے بھائی جان کو' ہمارے بڑے ابو کو بھی نکالا گیا تھا۔ مجھے بھی نکال دیں۔ اس خاندان میں یہی ہوتا رہے گا۔ مالی جیسے لوگوں سے رشتہ جوڑنا اور خون کے رشتوں کو توڑنا یہاں کا رواج ہے۔"

نفاست نے کہا۔ "اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے چیخنا ضروری نہیں ہے۔ آہستہ بولو۔"

مراد نے اپنے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "چوٹ یہاں لگے تو برداشت ہو جاتا ہے۔"

پھر اس نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "یہاں لگے تو چیخیں نکلتی ہیں۔"

کبریٰ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میرا بچہ.........."

"آپ باپ ہو کر الزام کو درست تسلیم کریں گے تو چوٹ یہیں دل پر لگے گی۔ وہ گونگی جو کہتی ہے' اسے آپ اور دادا جان سچ مان لیتے ہیں۔ وہ دو کوڑی کا مالی اس کی وکالت کرتا ہے تو اس کا مقدمہ اور مضبوط ہو جاتا ہے اور میں مجرم بن جاتا ہوں۔"

بیٹے کی باتیں کبریٰ کے دل کو لگ رہی تھیں۔ اس نے نفاست سے کہا۔ "آپ کے ابا جان نے ایک مالی کو سر پر چڑھا رکھا ہے یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔"

نفاست نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "واقعی میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔ وہ اتنا بڑا چھرا لے کر کمرے میں گھس آیا۔ ابا جان نے اتنی بڑی بات کو نظرانداز کر دیا۔ وہاں مراد ہوتا تو وہ دشمن مالی اسے مار ہی ڈالتا۔"

وہ بولی۔ "پہلے یہ مالی کھٹک رہا تھا۔ اب کانٹے کی طرح چبھ رہا ہے۔"

"ڈیڈی! میں گھر میں رہتا ہوں تو وہ گونگی مجھ سے ڈرتی ہے۔ میں لان میں جاتا ہوں تو وہاں بھی مجھے دیکھ کر ڈر جاتی ہے۔ آخر میں کہاں جاؤں؟"

ماں نے کہا۔ "کہاں جاؤ گے؟ گھر سے نکالے جاؤ گے۔ تمہارے دادا جان یہی حکم سنانے والے تھے۔"

"ابا جان طیش میں آ گئے تھے۔ ورنہ وہ مراد کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔"

مراد نے باپ کے پاس آ کر کہا۔ "آپ کسی طرح اس مالی کو یہاں سے نکالیں۔ دادا جان سے کہہ دیں' میں احتجاج کر رہا ہوں۔ اپنے کمرے میں جا کر بند ہو رہا ہوں۔ نہ کچھ کھاؤں گا' نہ پیوں گا اسی کمرے میں بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔"

وہ باپ کا جواب سنے بغیر تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ ماں نے پریشان ہو کر کہا۔ "میرے بچے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ آپ جانتے ہیں' یہ ضدی ہے۔ جو کہتا ہے' کر دکھاتا ہے۔"

نفاست نے جواب نہیں دیا۔ وہ گہری سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ مالی بری طرح کانٹا بن کر چبھ رہا تھا۔

مراد اپنے کمرے میں آ کر دروازے کو اندر سے بند کر کے بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس طرح احتجاج کرنے کی خبر دادا جان تک پہنچے گی۔ پہلے تو وہ سرد مہری دکھائیں گے پھر دو چار یا دس گھنٹوں کے اندر اسے منانے آ جائیں گے۔

وہ وقت گزارنے کے لئے تاش کے پتوں سے کھیلنے لگا۔ اس طرح دوپہر کے دو بج گئے۔ لنچ کا وقت گزرنے لگا۔ دادا جان اسے منانے نہیں آئے۔ ڈھائی بجے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے اس کا بٹن دبا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے حمیرا کی آواز سنائی دیں وہ بولا۔ "ہائے حمیرا!"

حمیراز نے پوچھا۔ "تم نے موبائل بند رکھا تھا؟ میں کئی بار فون کر چکی ہوں۔"

"میں نے مصلحتاً اسے بند کیا تھا۔ یہاں کچھ مسائل ہیں۔"

"کیسے مسائل؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "دادا جان سے اپنا ایک مطالبہ منوانا ہے۔ اس لئے بھوک ہڑتال کر رہا ہوں۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "بھوک ہڑتال؟"

"ہاں' جب تک میرا مطالبہ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ میں اپنے کمرے سے نہیں نکلوں گا۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو' میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ بہت بڑی خوشخبری سناؤں گی۔"

"میرا اندازہ ہے کہ تمہارے پاپا راضی ہو گئے ہیں۔"

"یس .... ہماری شادی کے لئے بھی راضی ہیں اور بزنس میں میری ففٹی پرسنٹ کی پارٹنرشپ بھی لکھیں گے۔"

"اور تمہارے بھائی کو اس پر اعتراض نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں۔ میں حیران ہوں۔ وہ مجھے آدھا حصہ دینے کے لئے راضی کیسے ہو گئے ہیں؟"

مراد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جو بھائی اپنے باپ کی دولت سے ایک تنکا بھی نہیں دینا چاہتا تھا' وہ آدھا حصہ دے رہا ہے۔"

"بھائی پھر بھائی ہوتا ہے۔ ہزار نفرتوں کے باوجود محبت کرتا ہے۔"

"ہزار نفرتوں کے درمیان محبت کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ اگر ہو جائے تو اس محبت کے پیچھے عداوت چھپی ہوتی ہے۔"

"تم میرے ساتھ ہو۔ میں کسی کی عداوت سے نہیں ڈروں گی۔ تم شادی کی بات کرو۔ یہاں میرے پاپا سے آ کر ملو۔"

وہ موبائل فون کان سے لگائے ٹہلنے لگا۔ سوچنے لگا۔ اس نے پوچھا۔ "ہیلو' خاموش کیوں ہو؟"

"میں تمہارے پاپا سے پہلے تم سے ملوں گا۔ شادی ایسے نہیں ہو گی جیسے تم چاہتی ہو۔"

"پھر کیسے ہو گی؟"

"تم سے ملاقات ہو گی تو بتاؤں گا۔ یہ لمبی بات ہے' فون پر نہیں ہو سکے گی۔"

دروازے پر دستک ہوئی۔ مراد نے اُدھر دیکھ کر کہا۔ "کوئی آیا ہے۔ میں بعد میں فون کروں گا۔"

اس نے فون کو بند کیا' ہو سکتا تھا اس کے دادا جان اسے منانے آئے ہوں۔ دستک پھر سنائی دی۔ اس نے دروازے کے قریب آ کر فش آئی لینس سے ایک آنکھ لگا کر دیکھا۔ زیبی دکھائی دی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے اٹھائے ہوئے تھی۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر آتی ہوئی بولی۔ "دادا جان سے اور ملازموں سے چھپا کر لائی ہوں۔"

وہ دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے بولا۔ "تھینکس اے لاٹ' بھوک سے حالت خراب ہو رہی تھی۔ یہ کھانا نہ لاتیں تو چکرا کر گر پڑتا۔"

وہ سینٹر ٹیبل پر کھانا رکھتی ہوئی بولی۔ "آپ ایک وقت کی بھوک برداشت نہیں کر سکتے اور بھوک ہڑتال کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔"

وہ کھانے پر ٹوٹ پڑا' جلدی جلدی کھاتے ہوئے بولا۔ "میں جانتا تھا' میری پیاری بہنا میری بھوک پیاس برداشت نہیں کرے گی۔ کھانا ضرور لائے گی۔"

"دادا جان بھی برداشت نہیں کریں گے۔ وہ ہم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ دیکھ لینا' وہ آج رات کے کھانے تک آپ کو منانے ضرور آئیں گے۔"

"اس لئے تو یہ ڈرامہ پلے کر رہا ہوں۔"

وہ بڑے بڑے لقمے چبا رہا تھا۔ زیبی اسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

☆======☆======☆

فراز ریلوے اسٹیشن میں ٹکٹ کے لئے بھٹک رہا تھا۔ بکنگ کے سامنے لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ انکوائری کاؤنٹر سے معلوم ہوا تھا کہ اگلے دس دنوں تک کسی بھی ٹرین میں نہ کوئی برتھ ملے گی اور نہ ہی سیٹ مل سکے گی۔ ایک دلال نے کہا۔ "دو سو روپے زیادہ دو گے تو چوتھے دن کا ٹکٹ مل جائے گا۔"

بہن کی رخصتی کے لئے تین دن رہ گئے تھے۔ اسے آج ہی جانا تھا اور کل تک وہاں پہنچنا تھا۔ وہ خوشامدیں کرنے لگا' کسی طرح آج کا ایک ٹکٹ مل جائے۔ بلا سے سیٹ نہ ملے' وہ بیس گھنٹوں تک کھڑا رہ کر سفر کرنے کے لئے تیار تھا۔ آخر ایک قلی نے کہا۔ "تین سو روپے زیادہ دو۔ رات آٹھ بجے روانہ ہونے والی ٹرین میں ایک سیٹ مل جائے گی۔"

اس نے فوراً ہی رقم ادا کر دی۔ چھ سو روپے کا ٹکٹ نو سو روپے میں خریدا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا پارکنگ ایریا میں اپنی ٹیکسی کے پاس آیا۔ چار گھنٹے بعد ٹرین روانہ ہونے والی تھی۔ وہ گھر سے سامان لے کر ٹیکسی کو گیراج میں چھوڑ کر ٹرین کی روانگی سے پہلے اسٹیشن آ سکتا تھا۔

وہ ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اسے اسٹارٹ کرنے لگا۔ ایسے ہی وقت ایک انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ آیا۔ اس نے ٹیکسی کی باڈی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "اتنی تیزی نہ دکھاؤ۔ گاڑی بند کرو اور باہر آؤ۔"

وہ باہر آ گیا۔ انسپکٹر نے پوچھا۔ "یہ تمہاری ٹیکسی ہے۔"

فراز نے کہا۔ "لیس سر!"

"انگریزی بولتے ہو؟ ڈکی کھولو۔"

اس نے گاڑی کے پیچھے آ کر ڈکی کھولی۔ وہاں صرف ایک پہیہ رکھا ہوا تھا۔ سپاہی

نے اچھی طرح دیکھنے کے بعد انسپکٹر سے کہا۔ ”جناب! یہاں کچھ نہیں ہے۔“

انسپکٹر نے کہا۔ ”بندہ شریف لگتا ہے۔ سیٹوں کے نیچے دیکھو۔ ہم دیکھتے ہیں‘ یہ کتنا شریف ہے۔“

دونوں سپاہی پچھلے دروازے کھول کر تلاشی لینے لگے۔ فراز پریشان ہو رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔ گاڑی میں کچھ نہیں ہے۔“

ایک سپاہی کی آواز سنائی دی۔ ”جناب! یہاں کچھ ہے۔“

وہ سیٹ کے نیچے سے ایک شاپر نکال کر لایا پھر بولا۔ ”بلکہ بہت کچھ ہے۔“

اس شاپر میں ہیروئن کے چھوٹے چھوٹے پیکٹس رکھے ہوئے تھے۔ فراز نے حیرانی اور پریشانی سے کہا۔ ”یہ .... یہ میرا نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا‘ یہ کہاں سے آگیا؟“

انسپکٹر نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ”آسمان سے ٹپک کر تمہاری گاڑی میں پہنچ گیا .... لے چلو اسے۔“

سپاہیوں نے اسے دونوں طرف سے پکڑ لیا۔ اسے اپنی گاڑی کی طرف لے جانے لگے۔ وہ چیخ چیخ کر کہنے لگا۔ ”میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ میں ایسا دھندا نہیں کرتا۔ مجھے آج رات کی ٹرین سے جانا ہے۔ میری بہن کی شادی ہے۔“

انسپکٹر نے کہا۔ ”فکر نہ کرو۔ ہم تمہیں سسرال پہنچا رہے ہیں۔“

وہ چیختا چلاتا رہا۔ اس کی کسی نے نہیں سنی۔ وہ ہیروئن کے پیکٹس کے ساتھ پکڑا گیا تھا۔ کوئی اس کی حمایت میں بولنے والا نہیں تھا۔ اسے تھانے میں لا کر حوالات میں بند کر دیا گیا۔ وہ آہنی سلاخوں کو پکڑ کر چیخنے لگا۔ ”یہ ظلم ہے۔ میں نے کبھی کوئی غلط دھندا نہیں کیا ہے۔ میں ہمیشہ حلال کی کمائی کھاتا ہوں۔ گھر والوں کو بھی حلال کھلاتا ہوں۔ ٹیکسی کے مالک صمد شاہین کو فون کرو۔ وہ یہاں آ کر میری ضمانت لے گا۔“

انسپکٹر تھانے کے دفتری کمرے میں بیٹھا ہوا مسکرا رہا تھا اور فون پر کہہ رہا تھا۔ ”ہیلو‘ صمد صاحب! پنچھی پنجرے میں بہت پھڑپھڑا رہا ہے۔ آپ کا حوالہ دے رہا ہے۔“

صمد شاہین شو روم میں تھا۔ موبائل فون کان سے لگائے ٹہلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”میں نے اس سے کہا تھا کہ فرینکفرٹ جا رہا ہوں۔ تم بھی یہی کہہ دو۔“

وہ ایک کار سے ٹیک لگا کر بولا۔ ”میں تین دنوں کے بعد آ کر اسے ضمانت پر رہا کراؤں گا۔ اس کا خیال رکھنا۔ اسے پریشان نہ کرنا۔ اسے کھلاتے پلاتے رہنا۔ اس کی ہر ضرورت پوری کرتے رہنا۔ میں اسے بہت چاہتا ہوں۔ ہم ایماندار نہ سہی‘ ہمیں

ایمانداروں کی قدر کرنا چاہئے۔“

اس نے فون بند کر دیا۔ ایک طرف گھوم کر کار کے عقب نما آئینے میں خود کو دیکھنے لگا۔ زیرِ لب کہنے لگا۔ ”معاف کرنا دوست! بہن کی رخصتی تک حوالات میں رہو۔ وہاں جاؤ گے تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ حرام و حلال کا حساب کرو گے۔ پھر وہ بیچاری دلہن نہیں بن سکے گی۔ وہ صرف تمہاری ہی نہیں‘ میری بھی بہن ہے۔“

وہ سر جھکا کر دفتری کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہنے لگا۔

”کون سمجھے زمانہ سازی کو۔

دشمنی بھی ہے‘ دوستی کی طرح

اور دوستی بھی ہے‘ دشمنی کی طرح..........“

☆======☆======☆

وہ سب کھانے کی میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک ملازمہ اور بن کھانے کی ڈشیں ان کے درمیان رکھ رہا تھا۔ عبادت علی وہاں آ کر اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کے ٹھیک سامنے میز کی دوسری طرف نفاست علی بیٹھا ہوا تھا۔ کبریٰ اور زیبی اس کے دائیں بائیں تھیں۔ حسرت بھی تھا اور وہ فہمی کی پلیٹ میں سالن ڈال رہا تھا۔

عبادت علی نے اپنے خون کے رشتوں پر ایک نظر ڈالی۔ پھر پوچھا۔ ”مراد کہاں ہے؟“

زیبی اور کبریٰ نے نفاست کو دیکھا۔ ان کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ اس سوال کا جواب نفاست کو ہی دینا چاہئے۔ وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ”وہ .... ابا جان! بات یہ ہے کہ‘ کہ..........“

عبادت علی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ اس نے کہا۔ ”وہ جھوٹا الزام برداشت نہیں کر رہا ہے۔ کھانے پینے سے انکار کر رہا ہے۔“

کبریٰ نے بڑے دکھ سے کہا۔ ”اس نے دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھایا ہے۔ ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پی رہا ہے۔“

نفاست نے کہا۔ ”میں اسے سمجھا رہا ہوں۔ ابھی میں نے کھانے کے لئے کہا مگر..........“

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ عبادت نے کہا۔ ”آگے بولو۔“

”وہ .... وہ آپ سے ناراض ہے۔ آپ کا پوتا ہے۔ آپ سے لاڈ نہیں کرے گا

تو اور کس سے کرے گا؟"

عبادت علی کچھ بے چین سے ہو گئے۔ اپنی محبت چھپانے کے لئے سر جھکا کر کھانے لگے۔ کبریٰ نے کہا۔ "آپ اسے دس جوتے ماریں۔ وہ اف نہیں کرے گا لیکن آپ نے اسے ایک مالی سے کمتر بنا دیا ہے۔"

انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔ "ہم نے کچھ نہیں کہا۔ اس کے کرتوت اسے کمتر بنا رہے ہیں۔"

"ایک مالی نے الزام لگایا' اسے درست مان لیا گیا۔"

"مالی نے نہیں' فہمی نے .... اس بے زبان نے پہلے بھی اس کے خلاف فریاد کی تھی۔ اس وقت ہم نے اسے نظرانداز کیا تھا۔ آج پھر یہی ہوا ہے۔"

نفاست نے کہا۔ "اس نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔ فہمی نادان ہے۔ اسے غلط سمجھ رہی ہے۔ اسے دیکھتے ہی نہ جانے کیوں ڈر جاتی ہے؟"

عبادت علی نے اپنی نواسی کو دیکھا۔ وہ بے زبان اشارے سے حسرت کو متوجہ کر رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ سے حسرت کو ایک لقمہ کھلایا۔ انہوں نے کہا۔ "دیکھو یہ حسرت کے قریب کتنی مطمئن اور خوش ہے۔ یہ مراد کے قریب نہیں جاتی۔ اس سے ڈرتی ہے تو اسے دور رہنا چاہئے۔"

"وہ ایک ہی چھت کے نیچے اس سے دور کیسے رہ سکتا ہے؟ وہ ہمارا' آپ کا خون ہے۔ اتنا گندہ نہیں ہو سکتا' جتنا سمجھا جا رہا ہے۔"

عبادت علی سوچتی ہوئی نظروں سے فہمی کو دیکھنے لگے۔ نفاست نے کہا۔ "آپ مراد کو بہت چاہتے ہیں۔ اسے اپنے دل میں بٹھا کر فیصلہ کریں۔ کیا وہ اوچھی حرکتیں کر سکتا ہے؟ کیا آپ کو ناراض کر سکتا ہے؟"

کبریٰ نے کہا۔ "تمام فساد کی جڑ وہ مالی ہے۔ آپ ہمارے احساسات کو سمجھیں۔ ہماری نظروں سے دیکھیں۔ وہ حیثیت میں ہم سے اونچا دکھائی دے رہا ہے۔"

نفاست نے کہا۔ "ایک ملازم آپ کی نواسی کا ہاتھ کس رشتے سے پکڑ کر کمرے میں آیا تھا؟ آپ نے اس ملازم کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے۔ وہ بے لگام ہو رہا ہے۔"

انہوں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "تم اس بات کو غلط رنگ نہ دو۔"

"ابا جان! سچ معلوم نہ ہو تو جھوٹ مضبوط ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس آپ کی آنکھیں نہیں ہیں۔ ہم سچ نہیں دیکھ سکتے۔ ہمارے پاس آپ کی ذہانت نہیں ہے۔ ہم یہ

سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ایک ملازم ہتھیار اٹھا کر ہمارے بیٹے کو مار ڈالنے کی دھمکی دیتا ہے اور آپ کے دل سے آہ بھی نہیں نکلتی۔"

ان کی جذباتی باتیں اتنی متاثر کر رہی تھیں۔ انہوں نے کہا۔ "ہم اپنے طور پر اس سے نمٹ رہے ہیں۔ وہ آئندہ ایسی حرکتیں کرے گا تو اسے نکال دیا جائے گا۔"

"کیا اس بات کا انتظار ہے کہ وہ دھمکی دینے کے بعد حملہ کرے اور ہمارا بیٹا جان سے جائے؟"

"ایسا نہیں ہو گا۔"

"آپ سے التجا ہے' ایسا دعویٰ نہ کریں۔ میرے بیٹے کی سلامتی کی ضمانت دیں۔"

"کیا ضمانت چاہتے ہو؟"

"آپ مالی کو یہاں سے نکال دیں۔"

"یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ فہمی نے اس کی گود میں پرورش پائی ہے۔ یہ معصوم اس کے بغیر نہیں رہ سکے گی۔"

نفاست نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔ "کیا آپ ہمارے بغیر رہ سکیں گے؟"

انہوں نے چونک کر پوچھا۔ "کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ بولا۔ "اپنی اولاد کی سلامتی میرا پہلا اور آخری فرض ہے۔ میں اپنے بچوں کو یہاں سے دور لے جاؤں گا۔"

انہوں نے غصہ سے پوچھا۔ "کیا بکتے ہو؟ میری پوتی اور پوتوں کو مجھ سے دور کرو گے؟"

"آپ مجھے مجبور کر رہے ہیں۔ کل صبح تک مالی نہ گیا تو ہم چلے جائیں گے۔"

نفاست کھانے پر سے اٹھ گیا۔ کبریٰ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ عبادت علی نے بے بسی اور پریشانی سے انہیں دیکھا۔ نفاست نے کہا۔ "پہلے باجی گئیں' پھر بھائی جان گئے' اب میں جاؤں گا۔"

وہ وہاں سے جاتا ہوا دروازے تک آ کر بولا۔ "آپ ذرا غور فرمائیں۔ آپ کی سرپرستی میں پوری نسل در بدر ہو رہی ہے۔ کیا سرپرست ایسے ہوتے ہیں؟"

وہ کبریٰ کے ساتھ پلٹ کر دروازہ کھولتا ہوا چلا گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ عبادت علی گہری سنجیدگی سے اس بند دروازے کو دیکھنے لگے۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ بیٹا کبھی گھر چھوڑ کر جانے کی بات کرے گا۔ اب تو

وہی ایک بیٹا رہ گیا تھا۔ اسی سے ان کی نسل چل رہی تھی اور وہ آئندہ نسل کو' ان کی پوتی پوتوں کو ان سے دور کر دینا چاہتا تھا۔

انہوں نے ڈائننگ ٹیبل کو دیکھا۔ وہاں سب ہی نے کھانا ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ فہمی اور حسرت بھی کھانا چھوڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ خود ان سے کھایا نہیں جا رہا تھا۔

اُن کے کانوں میں کبریٰ کی باتیں گونج رہی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "تمام فساد کی جڑ وہ مالی ہے۔ آپ ہمارے احساسات کو سمجھیں۔ ہماری نظروں سے دیکھیں۔ وہ حیثیت میں ہم سے اونچا دکھائی دے رہا ہے۔"

وہ بے چین ہو کر اٹھ گئے۔ اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگے۔ اس بار نفاست کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "پہلے باجی گئیں' پھر بھائی جان گئے .... اب میں جاؤں گا۔ خدا حافظ ابا جان........."

انہیں یہ محسوس ہونے لگا جیسے زیبی بھی کہہ رہی ہو۔ "خدا حافظ دادا جان!"

حسرت بھی کہہ رہا ہو۔ "خدا حافظ دادا جان!"

انہوں نے تڑپ کر دروازے کی طرف دیکھا پھر آواز دی۔ "بن میاں!"

وہ تیزی سے چلتا ہوا آیا۔ "جی حضور!"

انہوں نے فہمی اور حسرت کو دیکھا۔ پھر بن سے کہا۔ "ایک گلاس جوس لاؤ۔"

"ابھی لایا۔" وہ حکم کی تعمیل کے لئے چلا گیا۔

دوسری طرف کبریٰ بے چین تھی۔ بیٹے نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر آئی۔ "میرا بچہ بھوکا ہے۔ کسی کو اس کی فکر نہیں ہے۔ بڑے میاں اپنے کمرے میں ہوں گے' میں چپ چاپ اس کے لئے کھانا لے جاؤں گی۔"

زیبی اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا ہوا ممی! آپ کیا بڑبڑا رہی ہیں۔"

"مراد کے لئے پریشان ہوں۔ پتہ نہیں' بھوک سے اس کی کیا حالت ہو رہی ہو گی؟"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں نے بھائی جان کو پیٹ بھر کر کھلا دیا ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "شاباش بیٹی! میں جانتی تھی تم بھائی کو بھوکا نہیں رہنے دو گی۔"

زیبی نے بالکونی سے نیچے دیکھتے ہوئے دھیمی سرگوشی میں کہا۔ "ممی! وہ دیکھیں۔"

کبریٰ نے اُدھر دیکھا۔ نیچے ڈرائنگ روم میں عبادت علی' مراد کے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے پیچھے بن ایک ٹرے اٹھائے چل رہا تھا۔ ٹرے پر جوس سے بھرا ہوا جگ اور ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ کبریٰ نے خوش ہو کر زیبی کو دیکھا پھر کہا۔ "میں تمہارے ڈیڈی کو بلا کر لاتی ہوں۔"

وہ پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔ مراد اپنے کمرے میں بند تھا۔ بستر پر لیٹا ہوا بور ہو رہا تھا۔ دستک سنتے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تیزی سے چلتا ہوا دروازے کے پاس آیا۔ پھر دروازے کی فش آئی سے آنکھ لگا کر دیکھنے لگا دادا جان نظر آ رہے تھے۔

وہ فوراً ہی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ مسکرانے لگا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے بال بکھیرے' گریبان کے بٹن کھولے' منہ سے تھوک نکال کر آنکھوں سے لگایا۔ دوسری بار دستک سنائی دی۔ اس نے دروازہ کھول کر نڈھال سا ہو کر عبادت علی کو دیکھا۔ پھر روٹھنے کے انداز میں منہ پھیر لیا۔ ایک صوفہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ بن ٹرے اٹھائے کھڑا تھا۔ عبادت علی نے کہا۔ "وہاں رکھو اور جاؤ۔"

بن جوس کی ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ کر چلا گیا۔ عبادت نے مراد سے پوچھا۔ "یہ کیا بچپنا ہے؟"

وہ خاموش رہا۔ ناراضگی ظاہر کرتا رہا۔ عبادت علی نے کہا۔ "تم سمجھتے ہو بھوکے رہو گے تو دادا جان کو نیند آ جائے گی؟"

وہ منہ پھلا کر بولا۔ "میں آپ سے نہیں بولوں گا۔"

انہوں نے شفقت سے مسکرا کر کہا۔ "ہوں' نہیں بولو گے۔ بچپن میں ایسے ہی روٹھ جایا کرتے تھے۔ ہمیں منانا پڑتا تھا۔"

انہوں نے قریب بیٹھ کر کہا۔ "اب تم بچے نہیں رہے ہو۔ چلو' جوس پیو۔"

وہ منہ پھیر کر بولا۔ "میں آوارہ ہوں' بد چلن ہوں' آپ کا پوتا کہلانے کے لائق نہیں ہوں۔"

"یہ کون کہتا ہے؟"

"جب ایک مالی کہے کہ پوتا ذلیل اور کمینہ ہے اور دادا یقین کر لے تو پھر ساری دنیا یقین کر لیتی ہے کہ یہ پوتا نہیں ہے' کھوٹا ہے۔ اس اعلیٰ خاندان میں مالی کا سکہ چلتا ہے' یہ کھوٹا سکہ نہیں چلتا۔"

زیبی' کبریٰ اور نفاست دروازے پر کھڑے سن رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے

ہوئے اندر آ گئے۔ نفاست نے کبریٰ کو اشارے سے سمجھایا کہ وہ دادا اور پوتے کے درمیان کچھ نہ بولے۔

دادا نے پوتے کو سمجھایا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارے دل سے تمہاری محبت اور اہمیت کوئی کم نہیں کر سکتا۔"

"میری اہمیت وہ مالی کم کر رہا ہے۔ جب تک وہ یہاں رہے گا' میں ایک دانہ منہ میں نہیں ڈالوں گا۔ پانی کا ایک گھونٹ نہیں پیوں گا۔"

عبادت علی نے ایک گہری سانس لے کر گہری سنجیدگی سے کہا۔ "تم کھانا چھوڑ رہے ہو۔ بیٹا گھر چھوڑنے کی دھمکی دے چکا ہے۔ پہلے بھی میرے آشیانے کے دو پنچھی اڑ چکے ہیں۔ تم لوگوں کے جانے کے بعد یہاں کیا رہ جائے گا؟"

"آپ اس گھر کو آشیانہ بنائیں گے تو پنچھی رہیں گے۔ اسے پنجرہ بنائیں گے تو سب ایک ایک کر کے اڑ جائیں گے۔"

انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہم کبھی کبھی اپنے اندر جھانک کر دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے' جیسے ہم اپنی اولاد کو سمجھنے میں غلطیاں کرتے رہے اور وہ ہم سے ناراض ہو کر ہمارا ساتھ چھوڑتے رہے۔ ہماری بیٹی سعیدہ اس دنیا میں نہیں رہی۔ ہمارا بیٹا شفاعت بیس برس سے لاپتہ ہے۔ ہم اس کی سلامتی کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔"

انہوں نے سامنے کھڑے ہوئے بیٹے نفاست کو دیکھا۔ پھر شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "اب اس بوڑھے میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ تمہاری جدائی برداشت کرے۔"

نفاست باپ کو ٹوٹتے ہوئے دیکھ کر ندامت محسوس کر رہا تھا۔ وہ قریب آ کر فرش پر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ "ابا جان! میں اور میرے بچے آپ کو کبھی صدمہ نہیں پہنچائیں گے۔ کبھی آپ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔"

کبریٰ نے کہا۔ "یہ گھر ہمارا گلشن ہے۔ ہم چاہتے ہیں' یہاں پھول ہی پھول کھلتے رہیں۔ ہمیں کوئی کانٹا نہ چبھے۔ اگر چبھے تو اسے نکال کر پھینک دیں۔"

انہوں نے مراد کو دیکھا پھر کہا۔ "ہوں' ہم سمجھ رہے ہیں۔ اس مالی کو یہاں نہیں رہنا چاہئے۔"

وہ ایک گلاس میں جوس ڈالتے ہوئے بولے۔ "ہم وعدہ کرتے ہیں۔ وہ یہاں نہیں رہے گا۔ جلد ہی یہاں سے چلا جائے گا۔"

اس نے پوتے کے ہونٹوں سے گلاس کو لگایا۔ وہ پینے لگا۔ زیبی اور کبریٰ خوش ہو کر

ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ نفاست نے باپ کے زانو پر سر رکھ دیا۔

☆======☆======☆

وہ رات گزر گئی۔ عبادت علی صبح کی نماز سے فارغ ہو کر باغیچہ میں آئے۔ وہاں فہمی پائپ کے ذریعہ پودوں پر پانی ڈال رہی تھی۔ جمال ہاتھوں میں بڑی سی قینچی پکڑے سوکھے پتوں اور سوکھی شاخوں کو کاٹ رہا تھا۔

فہمی نے شرارت سے پائپ کا رخ اس کی طرف کیا۔ وہ پانی میں بھیگتا ہوا اِدھر سے اُدھر جانے لگا۔ کہنے لگا۔ "او بیٹی! یہ کیا کر رہی ہو؟ میں بھیگ رہا ہوں۔"

وہ ہنس رہی تھی۔ جمال اس سے پائپ چھیننے کے لئے اس کی طرف آیا۔ وہ بھاگتی ہوئی اس پر پانی پھینکنے لگی۔ وہ کہنے لگا۔ "بیٹی! صبح کے وقت ٹھنڈ زیادہ ہوتی ہے' میں سردی سے مر جاؤں گا۔"

عبادت علی اسے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دل میں کہا۔ "کیا ہی اچھا ہوتا کہ تمہیں موت آ جاتی۔ تم عذابِ جان بن گئے ہو۔ اب تم سے نجات حاصل کرنا ضروری ہو گیا ہے۔"

وہ فہمی کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ عبادت علی کو دیکھ کر رک گیا۔ فہمی نے بھی پائپ کو ایک طرف پھینک دیا۔ عبادت علی کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن فہمی کی وجہ سے چپ ہیں۔ جمال نے اشارے سے اسے جانے کے لئے کہا۔ وہ اپنے نانا کے پاس جانا چاہتی تھی۔ جمال کا اشارہ سمجھ کر وہاں سے چلی گئی۔

انہوں نے گھور کر کہا۔ "یہ ہمارے پاس آ رہی تھی۔ تم نے اشارہ کیا' یہ ہم سے دور ہو گئی۔ تم اپنے اشاروں پر اسے خوب چلا رہے ہو۔"

وہ عاجزی سے بولا۔ "جب یہ ننھی سی تھی' میری ان دو ہتھیلیوں میں سما جاتی تھی۔ تب سے میرا پیار اسے متاثر کر رہا ہے۔ آپ کو ہماری محبت آج کھٹک رہی ہے۔"

"آج کل تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ تمہیں یہاں لانے سے پہلے تاکید کی گئی تھی کہ اپنی حد میں رہا کرو گے۔"

"میں اپنی حد میں ہوں۔ کوئی مجھے حد پار کرنے پر مجبور کر دے تو اس کا الزام مجھ پر نہیں آنا چاہئے۔"

"کیا ہتھیار اٹھا کر ہمارے کمرے میں گھس آنا ضروری تھا؟ تم نے ہمارے منہ پر ہمارے پوتے کو مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ کیا ایسی حرکتوں کے بعد کوئی تمہارا وجود یہاں

برداشت کرے گا؟"

"میں نے محض دھمکی نہیں دی تھی۔ اپنی بیٹی کی حفاظت کے لئے قتل بھی کر سکتا ہوں۔ پھانسی پر بھی چڑھ سکتا ہوں۔"

"زبان کو لگام دو۔ وہ تمہاری بیٹی نہیں ہے۔"

"بیٹی ہے۔ آپ کے انکار کرنے سے خون کا رشتہ ختم نہیں ہو گا۔"

انہوں نے اسے حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اونہہ' سید عبادت علی شاہ کی نواسی اور تمہاری بیٹی' کوئی ثبوت ہے؟ کوئی گواہ ہے؟ دو کوڑی کے ملازم ہو کر ہم سے رشتے داری کا دعویٰ کرو گے تو لوگ تمہیں پتھر ماریں گے۔"

وہ اِدھر سے اُدھر جاتے ہوئے اس کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولے۔ "تمہارا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ ہماری نواسی کو بیٹی کہہ کر پاگل ہونے کا ثبوت نہ دو۔ سیدھے پاگل خانے پہنچا دیئے جاؤ گے۔"

وہ سر جھکائے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر عاجزی سے بولا۔ "آپ کب تک میری کمزوریوں سے فائدہ اٹھائیں گے؟"

"ہم نے کہا تھا' جب تک اپنی حد میں رہو گے' تمہیں فہمی کے قریب رہنے کی اجازت دی جائے گی۔ تم حد پار کر چکے ہو۔ ناقابل برداشت ہو چکے ہو۔ اس لئے بوریا بستر باندھو اور یہاں سے جاؤ۔"

وہ تڑپ کر بولا۔ "میں یہاں سے جاؤں؟ اپنے لہو کو یہاں چھوڑ کر چلا جاؤں؟"

"لہو کا حساب کرو گے تو ایک معصوم گونگی بچی کو نقصان پہنچاؤ گے۔ ایک دو کروڑ کی نہیں' پچاس کروڑ روپے کی جائداد سے محروم ہو جائے گی۔"

جمال پریشانی اور بے بسی سے انہیں دیکھنے لگا۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "اسے اپنی طرح کنگال بنانا چاہتے ہو تو باپ ہونے کا دعویٰ کرو۔ اس کی زندگی سنوارنا چاہتے ہو تو چوبیس گھنٹوں کے اندر یہاں سے چلے جاؤ۔"

وہ یہ حکم سنا کر جانے لگے۔ جمال سکتے کی حالت میں انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ حکم ماننے سے اور جانے سے انکار کر سکتا تھا لیکن انکار بہت منگا پڑ جاتا۔ باپ بیٹی کے رشتے میں عجیب پیچیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ باپ کی قربت سے بیٹی کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔

وہ اپنے کاٹیج کی طرف جاتے ہوئے پھولوں اور پودوں کو دیکھنے لگا۔ وہ ایک مالی بن کر اپنی بیٹی کی طرح ان پودوں کو بھی پروان چڑھاتا رہتا تھا۔ رنگ برنگے خوشبودار پھولوں کی

پرورش کرتا رہتا تھا۔ اتنی محنت کے باوجود نہ وہ باغیچہ اس کا تھا اور نہ ہی پھول اس کے تھے۔ بچپن سے گود میں پرورش پانے والی بیٹی بھی اپنی نہیں تھی۔ آج اس سے چھینی جا رہی تھی۔

وہ کاٹیج کے اندر آ گیا۔ ایک کمرے میں ایک بڑے صندوق کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے اندر یہ سوال گونج رہا تھا۔ "کیا وہ بے زبان اپنے باپ کے بغیر رہ سکے گی؟"

اس نے صندوق کو کھولا۔ اندر بہت سا سامان رکھا ہوا تھا۔ وہ اوپر کا ایک ایک سامان ہٹانے لگا۔ نیچے کپڑوں کی تہہ میں سعیدہ کی ایک تصویر چھپی ہوئی تھی۔ وہ اسے نکال کر بڑی محبت سے دیکھنے لگا۔ وہ نگاہوں کے سامنے مسکرا رہی تھی لیکن اسے دیکھنے والا حالات کے طمانچے کھا کر مسکرا نہیں سکتا تھا۔ وہ بڑے دکھ سے کہنے لگا۔

"سعیدہ!

کیا محبت کسی ثبوت کی' کسی گواہ کی محتاج ہوتی ہے؟

وہ ہماری بیٹی ہے

ہماری نشانی ہے

اور تمہارے ابا جان پوچھتے ہیں' کوئی ثبوت ہے؟ کوئی گواہ ہے؟

سب سے ناقابل انکار گواہی ایک ماں دیتی ہے کہ اس کے بچے کا باپ کون ہے۔

آہ..........! آج تمہاری گواہی کی ضرورت ہے.......... مگر تم نہیں ہو۔

کیا تم ایک پل کے لئے نہیں آ سکتیں؟

میں بہت تنہا رہ گیا ہوں۔

بیٹی مجھ سے چھین لی جائے گی۔

بڑھاپے نے میری کمر نہیں جھکائی لیکن بیٹی کی جدائی میری کمر توڑ دے گی۔

آؤ..........!

ڈوبنے والے کو ایک تنکے کا سہارا چاہئے۔

ایک پل کے لئے آ جاؤ۔"

وہ بول رہا تھا اور تصویر میں سعیدہ مسکرا رہی تھی۔ کہتے ہیں مسکراہٹ کبھی نہیں مرتی۔ اگر یہ سچ ہے تو سعیدہ کی مسکراہٹ زندہ ہو کر تصویر کے فریم سے باہر آنے لگی۔

☆======☆======☆

پھولوں بھرے باغ میں سعیدہ مسکرا رہی تھی۔ ایک پھول سے دوسرے پھول کی

طرف جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک نوٹ بک اور قلم تھا۔ وہ کبھی پھول کو توڑ کر اور کبھی پتیوں کو توڑ کر اُن کا معائنہ کرتی تھی پھر نوٹ بک کھول کر کچھ لکھنے لگتی تھی۔

اسے پھول پتوں اور پیڑ پودوں سے دلچسپی تھی۔ اس لئے وہ ایک بوٹنیکل گارڈن کے ایک کالج میں پیڑ پودوں سے تعلق رکھنے والا علم حاصل کر رہی تھی۔ جمال ہمدانی اس کالج کا پروفیسر اور ایک معروف بوٹانسٹ Botanist تھا۔ سعیدہ اس کے شاگردوں میں سے تھی۔ علم سیکھنے اور سکھانے کے دوران دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے۔

جمال کلاس میں لیکچر دیا کرتا تھا۔ طلباء و طالبات اسے دیکھتے رہتے تھے اور اس کی باتیں توجہ سے سنتے رہتے تھے۔ سعیدہ بھی توجہ دیتی تھی۔ پھر اسے احساس ہوا کہ وہ جمال کو توجہ سے دیکھتی رہتی ہے اور کبھی کبھی جمال بھی اسے دیکھنے لگتا تھا۔ یوں تو لیکچر کے دوران میں دوسری طالبات پر بھی نظر پڑتی رہتی تھی لیکن سعیدہ پر نظر پڑتے ہی وہ بعض اوقات لیکچر بھول جاتا تھا۔ خاص موضوع سے ہٹ کر اسٹوڈنٹس سے دوسری باتیں کرنے لگتا تھا۔

اس نے اسٹوڈنٹس کو سمجھایا کہ بوٹانی کیا ہے؟ تمام پودوں اور درختوں کی ساخت کو سمجھنا بوٹانی ہے۔

"جڑی بوٹیوں کے اور ان کی متعلقہ ادویات کے علم کو بوٹانی کہتے ہیں۔ یہ علم درختوں کا سایہ دیتا ہے۔ فضائی آلودگی کو ختم کرتا ہے۔ اس علم سے بیماروں کو دوائیں ملتی ہیں۔"

جمال نے اسے مخاطب کیا۔ "مس سعیدہ! تمام اسٹوڈنٹس مزید معلومات کے لئے سوالات کرتے رہتے ہیں۔ تمہیں بھی کچھ پوچھنا چاہئے۔"

اس نے ایک پروفیسر کی حیثیت سے مخاطب کیا تھا لیکن اسے یوں لگا جیسے وہ ذاتی معاملہ میں اسے اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ اس سے پوچھ رہا ہے۔ "تم دل کی بات زبان پر کیوں نہیں لاتی ہو؟"

جمال نے کہا۔ "حیات انسانی کو قائم رکھنے' پھول کھلانے اور خوشبو مہکانے کا نام بوٹانی ہے۔" وہ اسے بڑی لگن سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "بوٹانی ایک خوشبو ہے۔ یہ خوشبو رگِ جاں میں اتر جاتی ہے۔" وہ شرما کر نظریں چرانے لگی۔

پیار کو اپنے اندر چھپا کر نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ خوشبو کی طرح پھیلتا ہے۔ ان کی محبت رفتہ رفتہ پروان چڑھتی رہی' مستحکم ہوتی رہی اور دنیا والوں پر ظاہر ہوتی رہی۔ پہلے کالج میں

ان کی محبت کے چرچے ہوئے پھر یہ پیار کی خوشبو اس کے گھر تک پہنچ گئی۔

ایک روز وہ کالج سے گھر آئی تو عبادت علی زینہ پر کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی مخصوص گرجتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کہاں سے آ رہی ہو؟"

پوچھنے کے انداز سے ظاہر تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ وہ جھجکتی ہوئی بولی۔ "کالج سے.........."

"آخری کلاس ایک بجے ختم ہوتی ہے۔ گھڑی دیکھو پانچ بج رہے ہیں۔"

"وہ......... میں......... ایک سہیلی کے گھر گئی تھی۔"

انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "اچھا تو وہ سہیلی تھی' جسے تم کار میں بٹھا کر گھوم رہی تھیں۔"

اسے سچ اگلنا پڑا۔ "وہ......... وہ پروفیسر ہیں۔ بہت مشہور بوٹانسٹ ہیں۔"

"ہوں......... بہت مشہور ہے۔ مگر کار نہیں ہے پیدل چلتا ہے۔ تم کیڑے مکوڑے کی طرح رینگنے والے کو اپنے برابر بٹھاتی ہو۔"

"ابا جان! وہ استاد ہیں۔ محترم ہیں۔"

"استاد کا احترام کرنا تمہارا فرض ہے۔ اسے کالج تک آنے جانے کے لئے ٹیکسی کا کرایہ دے دیا کرو۔ اپنا ہاتھ اوپر رکھو گی تو لینے والے کا سر جھکا رہے گا۔ وہ کبھی تمہارے برابر نہیں بیٹھے گا۔"

وہ اپنی بات کہہ کر جانا چاہتے تھے۔ سعیدہ نے کہا۔ "ابا جان! آپ میرے برابر بیٹھنے والے کو نیچے گرائیں گے تو میں اپنی ہی نظروں میں گر جاؤں گی۔"

"کوئی بات نہیں' اپنی خاندانی شرافت اور عظمت کو قائم رکھنے کے لئے اپنی نظروں سے گر جاؤ۔ کیا باپ کا سر اٹھانے کے لئے بیٹی گر نہیں سکتی؟"

وہ بولی۔ "یہ سبق پہلی بار مل رہا ہے کہ بیٹی کے گرنے سے باپ کا سر بلند ہوتا ہے۔"

انہوں نے گرج کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ یہ مت بھولو کہ تمہارا رشتہ ایک اعلیٰ خاندان میں طے ہو چکا ہے۔ ہم آج ہی ان سے ملیں گے اور شادی کی تاریخ مقرر کریں گے۔ جو بیٹی آنکھوں کا نور نہ رہے' اسے دور کر دینا ہی بہتر ہے۔"

وہ اپنا آخری فیصلہ سنا کر چلے گئے۔ وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ سر جھکائے سوچتی رہی۔

دوسرے دن بوٹنیکل گارڈن میں جمال ہمدانی سے ملاقات ہوئی۔ سعیدہ نے اسے بتایا

کہ اس کے ابا جان کتنے مغرور ہیں۔ ان کی نظروں میں ایک پروفیسر کی علمی صلاحیتیں اور اس کا احترام بے معنی ہے۔ وہ صرف خاندانی برتری اور شجرہ حسب و نسب کو اہمیت دیتے ہیں۔ اپنی دولت اور شان و شوکت کی بلندیوں سے دیکھتے ہیں تو وہ زمین پر رینگنے والا حقیر کیڑا دکھائی دیتا ہے۔

جمال نے کہا۔ ''میں جانتا تھا ایک دن ہمارے درمیان کلاس وار Class War شروع ہو گی۔ میں مڈل کلاس میں ہوں اور تم اپر کلاس میں .... میں زمین ہوں' تم آسمان ہو۔''

''اگر آسمان ہوں تو زمین پر اتر آؤں گی۔''

''تمہارے ابا جان بہت زبردست ہیں۔ وہ مجھے کائی' کیچڑ اور دلدل سمجھتے ہیں۔ تم کیا کرلو گی؟''

''میں Bryology کے شعبے سے تعلق رکھتی ہوں۔ یہاں کائی اور دلدل سے جڑی بوٹیاں حاصل کی جاتی ہیں۔ آپ میرے حاصل ہیں۔ کیا کیچڑ میں کنول نہیں کھلتے؟''

جمال نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ''بغاوت کا حوصلہ ہے؟''

وہ قریب ہو کر بولی۔ ''آپ آزما کر دیکھ لیں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں آج ہی کورٹ میرج کے لئے درخواست دوں گا۔''

بغاوت کا فیصلہ ہو گیا۔ اس نے اپنی محبت کو دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

☆======☆======☆

ایک بہت بڑی میز پر ہیرے موتیوں سے جڑے ہوئے زیورات رکھے ہوئے تھے۔ کبریٰ' نفاست علی اور عبادت علی میز کے اطراف کھڑے ان زیورات کو اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔ عبادت علی نے کہا۔ ''یہ ہیرے موتیوں سے جڑے ہوئے زیورات ہیں۔ سچے موتی ہیں۔ ہیرے بھی قیمتی ہیں۔ پورے ستر لاکھ روپے کے ہیں۔''

وہ ٹہلنے کے انداز میں دور جاتے ہوئے بولے۔ ''سعیدہ دیکھے گی تو تسلیم کرے گی کہ ہم اسے کتنا چاہتے ہیں۔ کتنی عزت اور شان و شوکت سے اس کا گھر آباد کر رہے ہیں۔''

نفاست نے کہا۔ ''کسی ریاست کی شہزادی کو اتنی دولت اور جائداد نہیں ملتی ہو گی۔ میری بہن بہت خوش نصیب ہے۔''

کبریٰ نے زیورات کا ایک سیٹ اٹھا کر کہا۔ ''ایسے خوبصورت ڈیزائن کے

زیورات میں نے کبھی نہیں پہنے۔ اسے میں رکھ لوں؟''

''فضول باتیں نہ کرو۔ ابا جان کا موڈ خراب ہو جائے گا۔''

عبادت علی نے دور سے پلٹ کر پوچھا۔ ''ہماری بہو بیگم کیا کہہ رہی ہیں؟''

''کچھ نہیں ابا جان! یہ کہہ رہی ہیں سارے ڈیزائن ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ آپ بیٹی کو سسرال والوں کی توقع سے زیادہ دے رہے ہیں۔''

''جب وہ اونچی حیثیت سے سسرال جائے گی اور وہاں اسے اونچا مقام حاصل ہو گا۔ تب وہ سمجھے گی کہ ہمارا یہ فیصلہ کتنا درست ہے۔''

کبریٰ زیر لب کہنے لگی۔ ''خدا کرے وہ خالی ہاتھ جائے۔ یہ سب میرا ہو جائے۔''

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ نفاست نے فون کے پاس آ کر ریسیور اٹھایا۔ پھر کان سے لگا کر بولا۔ ''ہیلو .... کون؟ او......... سعیدہ!؟''

عبادت علی نے کہا۔ ''اس سے پوچھو' کہاں ہے؟ یہاں فوراً آ جائے۔''

نفاست دوسری طرف سعیدہ کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے اچانک غصہ سے چیخ کر پوچھا۔ ''کیا بکواس کر رہی ہو؟ بے حیائی سے منہ پھاڑ کر اپنی شادی کی خبر سنا رہی ہو۔ تم یہاں آؤ۔ ہم تمہارے ٹکڑے کر دیں گے۔ ابا جان تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

کبریٰ کے من کی مراد پوری ہو رہی تھی۔ اس نے زیورات کے اس سیٹ کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ عبادت علی فون کی طرف دیکھ رہے تھے۔ غصہ سے تھرتھراتے ہوئے نفاست کے قریب آ رہے تھے۔ نفاست نے ان کی طرف ریسیور بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔''

عبادت علی نے سوچتی ہوئی نظروں سے ریسیور کو دیکھا۔ پھر اسے لے کر کان سے لگایا۔ پھر غراتے ہوئے بولے۔ ''کہہ دو کہ یہ جھوٹ ہے۔ ہم نے ابھی تک جو سنا ہے' وہ نہیں سنا۔ ہمارے کان دھوکا کھا رہے ہیں۔''

دوسری طرف سے بیٹی کے رونے کی آواز سنائی دی۔ ''ابا .... ابا جان! ابھی کورٹ میرج ہو چکی ہے۔ میرج سرٹیفکیٹ میرے ہاتھ میں ہے۔ پلیز مجھے معاف کر دیں۔''

وہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے۔ گرجتے ہوئے بولے۔ ''منہ پر جوتے مار کر معافی مانگ رہی ہو؟ باپ دادا کے نام پر کیچڑ اچھال کر سمجھ رہی ہو' تمہیں گلے لگایا جائے گا؟ تم نے یہ نہیں سوچا کہ تمہاری بے حیائی ہمیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھے

گی۔"

وہ روتی ہوئی بولی۔ "ابا جان! میں نے شادی کی ہے۔ یہ بے حیائی نہیں ہے۔ میں نے دین اور دنیا کے خلاف کوئی کام نہیں کیا ہے۔"

"مت سمجھاؤ ہمیں .... باپ کا دل توڑنا کوئی دین نہیں سکھاتا۔ کوئی تہذیب نہیں سکھاتی کہ خاندان کی عزت اور عظمت کو خاک میں ملا دیا جائے۔"

"خاک میں ملانے والی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ غصہ میں ہیں۔ ابھی یہ نہیں سمجھیں گے کہ آپ کے داماد تعلیم یافتہ اور عزت دار ہیں۔"

"ہمارا کوئی داماد نہیں ہے۔ ہم تمہیں ایک بار اور آخری بار سمجھاتے ہیں اپنے باپ سے ذرا سی بھی محبت ہے تو اس بوٹانسٹ پروفیسر پر تھوک کر چلی آؤ۔ ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔"

"پلیز ابا جان! وہ میرے مجازی خدا بن چکے ہیں۔ آپ اُن کی توہین نہ کریں۔ شادی کے بعد باپ نہیں شوہر سرپرست ہوتا ہے۔"

"لعنت ہے ایسے سرپرست پر......... تم اس پر تھوکنا نہیں چاہتیں۔ ہم تم پر تھوک رہے ہیں......... تھو ہے' تھو۔"

انہوں نے ریسیور کو پھینک دیا۔ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے چلتے ہوئے ایک صوفے کے پاس آئے۔ پھر گرنے کے انداز میں وہاں بیٹھ گئے۔

اس روز وہ بہت بلندی سے پستی میں آئے تھے۔

☆======☆======☆

بیگم وقار النساء اپنی ذاتی لائبریری میں بیٹھی عینک لگائے ایک کتاب پڑھ رہی تھیں۔ ایک ملازمہ نے آ کر کہا۔ "بیگم صاحبہ! آپ کی صاحبزادی سعیدہ بی بی آئی ہیں۔"

وقار النساء اپنی بیٹی کا نام سن کر چونک گئیں۔ حیرانی سے کتاب بند کرتی ہوئی بولیں۔ "ہماری بیٹی.........! آج؟ اتنے برسوں بعد؟"

انہوں نے ملازمہ سے پوچھا۔ "کیا اپنے بھائی اور بھاوج کے ساتھ آئی ہے؟"

"نہیں' ان کے ساتھ کوئی صاحب ہیں۔ انہوں نے یہ چٹھی دی ہے۔"

اس نے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ پیش کیا۔ بیگم نے اسے لے کر دیکھا۔ سوچا' پھر اسے کھول کر پڑھنے لگیں۔ سعیدہ نے لکھا تھا۔ "امی جان! آداب! میں آپ کی بدنصیب بیٹی سعیدہ ہوں۔ اپنے مجازی خدا کے ساتھ آئی ہوں۔"

وقار النساء نے زیر لب کہا۔ "اچھا تو میری بیٹی سہاگن بن گئی ہے۔ میرے داماد کے ساتھ ملنے آئی ہے۔"

وہ پھر پڑھنے لگیں۔ آگے لکھا تھا۔ "میری یہ شادی ایک جرم بن گئی ہے۔ کیونکہ میں نے اپنی مرضی سے خاندان کے باہر شادی کی ہے۔ شاید آپ کو بھی یہ ناگوار گزرے۔ ابا جان نے مجھے بے گھر کر دیا ہے۔ آپ کے دروازے پر آئی ہوں۔ کیا آپ مجھے اندر آنے کی اجازت دیں گی؟"

بیگم نے ملازمہ سے پوچھا۔ "سعیدہ کہاں ہے؟"

"حویلی کے باہر۔"

وہ جمال ہمدانی کے ساتھ حویلی کے باہر کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ باپ کی طرح ماں کے مزاج کو بھی سمجھتی تھی۔ ماں بھی بہت ضدی اور مغرور تھی۔ اپنی خاندانی برتری کے آگے دوسروں کو کمتر سمجھتی تھی۔ سعیدہ کو یہ اندیشہ تھا کہ وہ بھی جمال ہمدانی کو داماد کی حیثیت سے قبول نہیں کرے گی۔

جمال نے حویلی کی بلندی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ بلندیاں بڑی مہنگی پڑتی ہیں۔ میری وجہ سے تم بھی پستی میں بیٹھی ہوئی ہو۔"

"آپ مایوس ہو رہے ہیں۔ امی ابھی ہمیں بلائیں گی۔"

"میں ایک محدود تنخواہ پاتا ہوں۔ ایک چھوٹے سے مکان میں رہتا ہوں۔ وہاں تمہارا گزارا ہو سکتا ہے لیکن تم شاندار کوٹھی سے بلند و بالا حویلی تک بھٹک رہی ہو۔"

"میں آپ کے ساتھ محدود تنخواہ میں گزارا کر سکتی ہوں لیکن میں اپنا حق حاصل کرنے کے لئے بھٹک رہی ہوں۔ ابا جان نے میرے حصے کی زمین جائداد سے مجھے محروم کیا ہے۔ مجھے امید ہے' امی جان مجھ سے انصاف کریں گی۔"

ملازمہ نے آ کر سعیدہ سے کہا۔ "بیگم صاحبہ نے آپ کو بلایا ہے۔"

وہ دونوں اندر آئے۔ ملازمہ نے کہا۔ "بیگم صاحبہ نے صاحب کو بیٹھک میں لے جانے کو کہا ہے۔"

جمال نے شکایت بھری نظروں سے سعیدہ کو دیکھا۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر عاجزی سے بولی۔ "پلیز' ڈونٹ مائنڈ۔ میں جا کر بات کرتی ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ مایوسی سے بولا۔ "ٹھیک تو ہوتا ہے مگر کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ سب ٹھیک ہو جائے۔"

وہ سعیدہ سے ہاتھ چھڑا کر ملازمہ کے پیچھے بیٹھک کی طرف چلا گیا۔

بیگم وقارالنساء لائبریری میں ٹہل رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ سعیدہ نے آ کر انہیں مخاطب کیا۔ ”امی!“

وقارالنساء نے سر گھما کر دیکھا۔ بیٹی کو دیکھتے ہی دل میں ممتا دھڑکنے لگی۔ وہ دونوں بانہیں پھیلا کر اس کی طرف بڑھیں۔ وہ بھی دوڑتی ہوئی آ کر ماں کے گلے لگ گئی۔ ماں نے کہا۔ ”آج کتنے عرصہ بعد تمہیں ماں کی یاد آئی ہے۔“

وہ الگ ہو کر بولی۔ ”آپ ہی نے کہا تھا‘ مجھے ابا جان کی سرپرستی میں رہنا چاہئے۔ باپ کے سائے میں رہنے سے بیٹیوں کے رشتے آتے ہیں۔“

”ہماری نصیحت کا فائدہ کیا ہوا؟ تم نے باپ کے سائے میں رہ کر من مانی کی ہے۔ خاندان سے باہر کسی معمولی شخص سے شادی کی ہے۔“

”امی! وہ معمولی شخص نہیں ہیں۔ بہت مشہور بوٹانسٹ ہیں۔“

”ہمیں نہ سمجھاؤ۔ ہم نے بھی تمہاری طرح ایک بڑی غلطی کی تھی۔ سوچے سمجھے بغیر تمہارے باپ سے شادی کی تھی۔ شادی کے پندرہ برس بعد بھید کھلا کہ تمہارا باپ سید نہیں ہے۔ وہ ایک معمولی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے باپ دادا کپڑا بننے والے جلاہے تھے۔“

سعیدہ نے حیرانی سے کہا۔ ”آپ نے اتنی سی بات پر ابا جان سے طلاق لے لی۔“

”یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔ ہم خاندانی ہیں۔ اپنے شجرے کے خلاف دھوکا برداشت نہیں کرتے۔ اس فریبی نے دھوکے پر دھوکا دیا۔ تمہارے نانا جان کے کاروبار میں کروڑوں روپے کی ہیرا پھیری کی۔ تمہارے نانا جان‘ ہمارے ابا حضور یہ دھوکا برداشت نہ کر سکے۔ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے‘ تم نے بھی وہی غلطی کی ہے۔“

”میں نے غلطی نہیں کی ہے۔ شادی کی ہے۔ آپ کے داماد ایک ذہین بوٹانسٹ ہیں۔“

”بوٹانسٹ؟“ وقارالنساء نے حقارت سے کہا۔ ”پیڑ پودوں پر تحقیق کرنے والا‘ مٹی اور کھاد میں رہ کر زندگی گزارنے والا‘ ہماری حویلی کے باغ میں ایک مالی ہے۔ وہ بھی یہی کرتا ہے۔“

”وہ مالی نہیں ہیں۔ ایک معزز پروفیسر ہیں۔ ان کا نام جمال ہمدانی ہے۔ انہوں نے مجھے دھوکا نہیں دیا ہے۔ صاف صاف بتایا ہے‘ ان کے باپ دادا باغبانی کرتے تھے۔ جمال

نے محنت و مشقت سے تعلیم حاصل کر کے ایک بوٹانسٹ کا مقام حاصل کیا ہے۔“

”واہ کیا اعلیٰ مقام ہے۔ بوٹانسٹ کا کام بھی وہی ہے باغبانی .... پیڑ پودوں کی نگرانی .... ایک مالی کو ہی باغبان کہتے ہیں۔ حجام خود کو حجام نہیں باربر کہتا ہے۔ دھوبی خود کو ڈرائی کلینز لانڈری مین کہتا ہے۔ تم لفظ بوٹانسٹ کے پیچھے اس کی اصلیت نہ چھپاؤ۔“

”نہ میں چھپاتی ہوں۔ نہ جمال چھپاتے ہیں۔ ہماری جو صورت ہے ہماری جو سیرت ہے‘ وہی دکھاتے ہیں۔ ابا جان کو ہماری سچائی کے آئینے میں اپنی تصویر دکھائی دی۔ انہوں نے گھر سے نکال دیا۔ رشتہ توڑ دیا۔ وہ اپنی دولت اور جائداد میں سے ایک تنکا مجھے نہیں دیں گے۔ میں پوچھنے آئی ہوں‘ کیا آپ بھی میرا حق مجھے نہیں دیں گی؟“

بیگم نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا‘ پھر کہا۔ ”ایک ماں ہی جانتی ہے کہ وہ کتنے درد و کرب سے اولاد کو جنم دیتی ہے۔ باپ نے تو کچرا سمجھ کر پھینک دیا۔ مگر ہم سے درد کا رشتہ ہے۔ ہمارے کسی بھی بچے کو تکلیف پہنچے گی تو ہم صدمہ سے جی نہیں پائیں گے۔“

وہ ایک ہاتھ سے سر کو تھام کر کرسی پر بیٹھ گئیں۔ آہستگی سے بولیں۔ ”پانی..........“

سعیدہ نے فوراً میز پر رکھے ہوئے جگ سے گلاس میں پانی ڈال کر انہیں دیا۔ وہ دو چار گھونٹ پی کر گہری گہری سانسیں لینے لگیں۔ پھر بولیں۔ ”بڑے بیٹے کی جدائی کا صدمہ سہا نہیں جا رہا ہے۔ پتہ نہیں وہ کہاں چلا گیا ہے۔ وہ باپ سے ناراض ہوا تھا۔ ماں کے پاس تو آ سکتا تھا۔“

انہوں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ سعیدہ نے ماں کو ہمدردی سے دیکھا۔ ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ وہ آنکھیں کھول کر بیٹی کو دیکھتی ہوئی بولیں۔ ”بیٹے کا صدمہ بہت ہے۔ ہم تمہیں دربدر نہیں ہونے دیں گے۔ ہماری دولت اور جائداد میں سے تمہیں حصہ ملے گا لیکن..........“

سعیدہ نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولیں۔ ”ہم داماد کو قبول نہیں کریں گے۔“

سعیدہ نے بڑے دکھ سے کہا۔ ”آپ کی اس بات کا جواب کیا ہو گا‘ یہ آپ سمجھ سکتی ہیں۔“

”تم ایک نادان اور جذباتی لڑکی کا جواب دو گی۔ تم ایک شہزادی کی طرح زندگی

گزارتی آئی ہو اور وہ پروفیسر تمہاری کار کے پٹرول کا خرچ بھی برداشت نہیں کر سکے گا۔"

"آپ کو معلوم ہونا چاہئے' میں ریلوے اسٹیشن سے یہاں تک پیدل آئی ہوں۔ کار کو بھول چکی ہوں۔"

بیگم اسے دیکھنے لگیں۔ سوچنے لگیں۔ "ہماری بیٹی ہے۔ ہماری طرح ضدی ہے۔ یہ ضد میں خود کو تباہ کرلے گی۔ اسے سنبھالنا ہو گا۔"

وہ بولیں۔ "ہم تمہارے باپ کی طرح حکم نہیں دیں گے کہ اس پروفیسر سے رشتہ ختم کر دو۔ تم شادی کر چکی ہو۔ اس کی شریک حیات بن چکی ہو۔ تم یہ رشتہ نباہتی رہو۔ ہمیں ساس اور داماد کا رشتہ منظور نہیں ہے۔"

وہ گلاس اٹھا کر دو گھونٹ پینے کے بعد بولیں۔ "ہم حسب و نسب دیکھتے ہیں۔ شجرہ غلط ہونے کے باعث ہم نے تمہارے باپ کو چھوڑ دیا۔ پھر تمہارے پروفیسر کی کیا حیثیت ہے کہ ہمارا داماد کہلا سکے۔"

وہ بیٹی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولیں۔ "اسے یہاں سے لے جاؤ لیکن یہ نہ بھولو کہ بیگم وقارالنساء کی بیٹی ہو۔ ہم تمہیں بلینک چیک دے رہے ہیں۔ اپنے لئے کوٹھی خریدو' کار خریدو' ہمارے پاس آتی رہو اور اپنا حق وصول کرتی رہو۔"

وہ شاطرانہ انداز میں بولیں۔ "ہماری ممتا تمہارے باپ کے لئے منہ توڑ جواب ہو گی۔"

وہ ماں سے باتیں کر رہی تھی لیکن اس کا دھیان جمال کی طرف تھا۔ یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ وہ تنہا بیٹھک میں ہو گا۔ بیزاری سے اس کا انتظار کر رہا ہو گا۔

وہ واقعی بور ہو رہا تھا۔ بیٹھک والے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ سینٹر ٹیبل پر ناشتے کا بہت سا سامان رکھا ہوا تھا لیکن اس نے کسی پلیٹ کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ملازمہ نے آکر ان پلیٹوں کو دیکھا پھر پوچھا۔ "صاحب! آپ نے کچھ کھایا نہیں؟"

"نہیں .... تمہاری بی بی جی کیا کر رہی ہیں؟"

"بیگم صاحبہ سے باتیں کر رہی ہیں۔"

"ان سے کہو' میں انتظار کر رہا ہوں۔"

ملازمہ وہاں سے جانے لگی۔ اسی وقت سعیدہ آگئی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا بیگ تھا۔ وہ ندامت سے بولی۔ "سوری' ذرا دیر ہو گئی۔"

"ذرا دیر؟" وہ وال کلاک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "پورے تین گھنٹے گزر

چکے ہیں۔"

"مانتی ہوں' دیر ہو گئی۔ جانتے ہو' اس بیگ میں کیا ہے؟ سونے کے زیورات کے کئی سیٹ ہیں۔ امی نے دو لاکھ روپے نقد کے علاوہ بلینک چیک دیا ہے۔ مجھے ایک شاندار کوٹھی اور کار خریدنے کو کہا ہے۔"

وہ تلخی سے مسکراتے ہوئے بولا۔ "بلینک چیک .... سونے کے زیورات۔ نقد دو لاکھ روپے۔ بیٹی کا گرم جوشی سے استقبال کیا گیا ہے۔ شاید وہ بھول گئیں کہ داماد کا بھی استقبال کیا جاتا ہے۔"

اس نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ وہ اس سے کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "جو بات ہے کہہ دو۔ میں تمہیں شرمندہ نہیں کروں گا۔"

وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔ "وہ .... آپ جانتے ہیں' میرے بزرگ شجرہ نسب کو اہمیت دیتے ہیں۔ یہ .... یہ ان کی کمزوری ہے۔ وہ خود کو اعلیٰ اور برتر سمجھتے ہیں۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "اور مجھے کمتر سمجھتے ہیں۔"

"خدا کے لئے آپ بُرا نہ مانیں۔ میں تو آپ کو اپنے سر کا آنچل بنا چکی ہوں۔ آپ میرے سرتاج ہیں۔ مجھ سے برتر ہیں۔"

"بائی گاڈ' میں بُرا نہیں مان رہا ہوں لیکن جو مجھے قبول نہیں کر رہے ہیں ان سے تمہیں یہ خیرات نہیں لینی چاہئے۔"

"یہ خیرات نہیں ہے۔ یہ میرا حق ہے۔ میں اس گھر سے اپنے پیدائشی حقوق حاصل کر سکتی ہوں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے اپنے جائز حقوق حاصل کرنے سے نہیں روکیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اپنے وعدہ پر قائم رہوں گا لیکن ایسا لگ رہا ہے جیسے تمہارے اپنے مجھے ٹھوکریں مار کر تمہیں انعام دے رہے ہیں۔"

پھر وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "کوئی بات نہیں' یہ میرے اپنے احساسات ہیں۔ آؤ چلیں۔"

جمال یہ جانتا تھا کہ سعیدہ اس کی ماہانہ تنخواہ پر گزارا کر سکتی ہے لیکن اس کی یہ بات بھی درست تھی کہ اسے اپنے حصے کی دولت اور جائداد ضرور حاصل کرنا چاہئے اور یہ سب کچھ اسے ماں کی طرف سے حاصل ہو رہا تھا۔

اس نے حویلی کے قریب ہی ایک چھوٹی سی کوٹھی خرید لی۔ تاکہ ماں کے قریب رہ

سکے۔ جمال ڈیوٹی پر جاتا تو وہ صبح سے شام تک ماں کے ساتھ وقت گزارتی تھی۔ بیگم وقارالنساء کبھی کبھی اس کی کوٹھی میں آتی تھیں۔ جمال سے سامنا ہوتا تو وہ اس کے سلام کا جواب دے کر کترا جاتی تھیں۔

چھ ماہ بعد سعیدہ کو لیڈی ڈاکٹر نے بتایا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ بیگم وقارالنساء نے یہ خوشخبری سننے کے بعد کہا۔ "ہم اس انتظار میں تھے کہ تم ماں بنو گی تو ہم بات آگے بڑھائیں گے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کون سی بات؟"

وہ تھوڑی دیر تک سر جھکائے سوچتی رہیں پھر بولیں۔ "ہم نے اپنی آدھی جائداد اپنے بڑے بیٹے شفاعت علی کے نام لکھی ہے۔ وہ ہمارا محبت کرنے والا فرمانبردار بیٹا تھا۔ جب ہم نے تمہارے باپ کا گھر چھوڑا تو وہ بھی ہمارے ساتھ آنا چاہتا تھا لیکن ہم نے اسے سمجھایا کہ باپ کے ساتھ رہ کر ان کے پورے کاروبار پر اسے مضبوط گرفت رکھنی چاہئے۔ بے مروت باپ نے اسے گھر سے بے گھر کر دیا۔"

انہوں نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ "چھوٹا بیٹا نفاست علی گستاخ ہے۔ اس نے باپ کی حمایت میں ہم سے گستاخی کی تھی۔ وہ اتنا بے مروت ہے کہ آج تک نہ کبھی خود ملنے آیا اور نہ ہی اپنی اولاد کو یہاں آنے دیتا ہے۔ ہم اسے پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیں گے۔"

سعیدہ نے کہا۔ "آپ بھائی جان کو بہت یاد کرتی ہیں۔ آپ کی یادیں دعائیں بن کر انہیں واپس لائیں گی۔"

"ہمارا یہ بیٹا بہت خوددار ہے۔ کوئی بڑی کامیابی حاصل کرنے کے بعد ہی آئے گا۔"

"آپ میرے ماں بننے کے سلسلے میں کچھ کہہ رہی تھیں؟"

"ہاں، ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ آدھی جائداد تمہارے نام کریں گے تو تم اسے اپنے شوہر کے نام کر دو گی۔"

وہ بولی۔ "میری ہر سانس ان کے نام ہے۔ جائداد بھی اُن کے نام لکھ دوں گی تو کیا فرق پڑے گا؟"

"ہمارے لئے بہت فرق پڑے گا۔ جو داماد ہمارے مزاج پر گراں گزر رہا ہے، اُسے ہم ایک تنکا بھی نہیں دیں گے۔ ہم باقی آدھی جائداد تمہاری اولاد کے نام کریں گے۔"

"جو میری اولاد کے نام ہو گا، کیا وہ میرا نہیں ہو گا؟"

"ہم تمہاری بڑی بڑی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ اسی طرح تمہاری اولاد سے بھی تمہیں بہت کچھ ملتا رہے گا لیکن ہم ایک شرط پر تمہاری اولاد کو اپنا وارث بنائیں گے۔"

سعیدہ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ بولیں۔ "اپنے میاں سے بات کرو۔ اسے سمجھاؤ تم اپنی پہلی اولاد ہمارے نام لکھو گی۔"

وہ الجھن میں پڑ گئی۔ "وہ .... وہ نہیں مانیں گے۔ باپ بننے کی خوشخبری سننے کے بعد وہ اپنی اولاد کے بارے میں بڑے بڑے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

پہلی اولاد کی خوشی سب ہی کو ہوتی ہے۔ جمال بھی بہت خوش تھا۔ سوچتا تھا، بیٹی ہو گی یا بیٹا؟ ویسے اولاد جو بھی ہو، اپنے جگر کا ٹکڑا ہو گی۔ آنکھوں کا نور ہو گی۔ اس کی ولدیت میں جمال ہمدانی کا نام لیا جائے گا۔ اس دنیا سے جانے کے بعد بھی اولاد کے ساتھ اسی کا نام زندہ رہے گا۔

سعیدہ ماں سے مل کر آئی تو جمال نے پوچھا۔ "کیا تمہاری امی بیٹی بیٹے کے نام تجویز کر رہی تھیں؟"

وہ بولی۔ "بہت سی باتیں ہو رہی تھیں۔ انہیں اسی دن کا انتظار تھا۔ انہوں نے ہماری پہلی اولاد کے بارے میں بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔"

"مثلاً کیا سوچا تھا؟"

"انہوں نے آدھی جائداد بھائی جان کے نام لکھی ہے اور آدھی ہماری اولاد کے نام لکھنے والی ہیں۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "آخر نانی جان ہیں۔ اپنی نواسیوں اور نواسوں کے لئے جتنا بھی کریں گی انہیں کم لگے گا۔"

"لیکن وہ ہمیں آزمائش میں ڈال رہی ہیں۔"

"کیسی آزمائش؟"

"وہ چاہتی ہیں کہ ہم اپنی پہلی اولاد ان کے نام کر دیں۔"

"ان کے نام کر دیں؟ میں سمجھا نہیں۔"

وہ جھجکتی ہوئی بولی۔ "وہ کہتی ہیں، ہم اپنی اولاد کو اپنا نام نہ دیں۔"

"ہوں .... تو صاف کہو نا کہ وہ اصل میں میرا نام مٹانا چاہتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ خاندانی شجرے میں میرا نام آئے۔"

اس نے قریب آ کر پوچھا۔ "کیا تم اپنی پہلی اولاد .... اپنے پیار کا پہلا تحفہ کسی

کو دینا چاہو گی؟"

"وہ کوئی اور نہیں' میری امی ہیں۔ ہمارے بچے کی نانی جان ہیں۔ خاندانوں میں ایسا ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کی اولاد لی جاتی ہے اور دی جاتی ہے۔ وہ محبت سے مانگ رہی ہیں۔"

"کیا تم دینا چاہو گی؟"

"ہمارے خاندان میں دولت کی بساط پر ہار جیت کی بازی کھیلی جاتی ہے۔ آپ چاہیں گے تو میں ہاری ہوئی بازی جیت لوں گی۔"

"تم اولاد کو ہار کر بازی جیتنا چاہتی ہو۔"

"اولاد ہمارے پاس بھی رہے گی اور ان کے پاس بھی.........."

"وہ کیسے؟"

"ہم حویلی کے سامنے رہتے ہیں۔ دن رات آنا جانا رہے گا۔ امی ننھے سے بچے کو رات کے وقت سنبھال نہیں سکیں گی۔ بچہ رات کو ہمارے پاس رہے گا اور دن کو امی کے پاس۔ اس طرح وہ ہم تینوں کے درمیان پرورش پاتا رہے گا۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔ اس طرح میری اولاد مجھ سے دور نہیں رہے گی۔ مجھے اولاد کی بہتری کے لئے سنجیدگی سے فیصلہ کرنا ہو گا۔ اگر وہ دن کو نانی کے پاس رہے اور رات کو میرے پاس تو پھر یہ اولاد سے جدائی نہیں ہو گی۔

دوسرے دن بیگم وقارالنساء نے اسے حویلی میں بلایا۔ وہ ایک جگہ اونچی مسند پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اسے دیکھ کر بولیں۔ "سعیدہ نے تمہیں بتایا ہو گا کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ کیا تم پس و پیش میں ہو؟"

جمال نے کہا۔ "پہلی اولاد ہے۔ کلیجہ نکال کر دینے والی بات ہو گی۔"

وہ بولیں۔ "اپنے جذبات کو نہیں' اولاد کو اہمیت دو۔ اس کی بہتری کے لئے سوچو۔ ہماری آدھی جائداد جو تمہاری اولاد کے نام ہو گی' وہ تقریباً بیس کروڑ روپے کی ہے۔ اولاد کے جوان ہونے تک اس جائداد کی مالیت پچاس کروڑ سے اوپر ہو جائے گی۔"

وہ اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولیں۔ "کیا تم نہیں چاہو گے کہ تمہاری اولاد سونے چاندی کی اس دنیا میں سر اٹھا کر جیئے اور ہم پر فخر کرے۔"

"اولاد کی بہتری سب ہی چاہتے ہیں۔ میں بھی چاہتا ہوں لیکن.......... آپ یہ کیوں چاہتی ہیں کہ میں اسے آپ کے نام لکھ دوں؟ اور اس کا باپ نہ کہلاؤں؟ یہ.........؟"

میرے لئے ایک سزا ہو گی۔"

"اولاد کے لئے جزا ہو گی۔ والدین' ولاد کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دیتے ہیں۔ فیصلہ کرو کہ تم یہ قربانی دے سکتے ہو یا نہیں؟"

سعیدہ نے پوچھا۔ "امی! اگر یہ باپ نہیں کہلائیں گے تو ہماری اولاد کی ولدیت میں کس کا نام لکھا جائے گا؟"

"تمہارے بچے کے باپ کا نام ہو گا' شفاعت علی .... ہمارا بڑا بیٹا' جو گم ہو چکا ہے۔ کیا تم نہیں چاہو گی کہ تمہارے بچے کو تمہارے بھائی جان کا نام ملے؟"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "آپ نے تو میری پریشانیاں دور کر دیں۔ وہ بچہ ہمارے بھائی جان کا کہلائے گا۔"

جمال بڑے دکھ سے سعیدہ کو دیکھنے لگا۔ اسے یہ اطمینان تھا کہ بچے کو اپنے بھائی کا نام ملے گا۔ یہ احساس نہیں تھا کہ بچے کا باپ اپنے بنیادی حق سے محروم ہو رہا ہے۔ سعیدہ نے اسے کہا۔ "آپ کچھ بولیں۔ امی اسے گود لیں گی لیکن وہ ہماری ہی نگرانی میں رہے گا۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولا۔ "ہاں' وہ ہماری نگرانی میں رہے گا۔ ہم اس کی پرورش کرتے رہیں گے۔ اس طرح ہم اس کے قریب رہیں گے لیکن میں دولت کے اس کھیل میں ایک باپ کا نام ہار جاؤں گا۔"

بیگم وقارالنساء نے کہا۔ "یہ صرف دولت کا کھیل نہیں ہے۔ اس کھیل میں ہمارے خاندانی شجرے کی اہمیت ہے۔ ہمارے باپ دادا اور پردادا کی عزت اور عظمت کو قائم رکھنے کے لئے لازمی ہے کہ وہ تمہاری اولاد نہ کہلائے۔ اس شجرے میں یہ درج نہ ہو کہ ہمارے خاندان میں باہر سے کوئی بوٹانسٹ آیا تھا.........."

وہ اپنی توہین محسوس کر رہا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو اس لمحہ میں ان کے فیصلے کی مخالفت کر کے ان کے خاندان اور ان کے شجرے پر تھوک دیتا اور اپنا فیصلہ سنا دیتا کہ اس کی اولاد اسی کے نام سے پہچانی جائے گی۔

وہ بڑی آسانی سے یہ فیصلہ سنا سکتا تھا لیکن اس کا یہ جذباتی فیصلہ اس کی اولاد کو اس کی آئندہ نسل کو کنگال بنا دیتا۔ کمتر بنا دیتا۔ دانشمندی یہی تھی کہ وہ کمتر بن جائے۔

☆======☆======☆

فہمیدہ عرف فہمی پیدا ہوئی تو ابتدائی دنوں میں کوئی یہ سمجھ نہ سکا کہ وہ گونگی اور بہری

ہے۔ وہ چپ چاپ پالنے میں پڑی رہتی تھی۔ بھوک کے وقت روتی تھی۔ پھر دودھ پی کر سو جاتی تھی یا پھر کسی ایک سمت تکتی رہتی تھی۔ سعیدہ نے کہا۔ ”امی جان! جب سے یہ پیدا ہوئی ہے‘ گم صم پڑی رہتی ہے۔ بھوک لگے تو روتی ہے۔ پھر دودھ پی کر سو جاتی ہے۔ ہنساؤ تو ہنستی ہے‘ یا روتی ہے۔ یا کسی ایک طرف دیکھتی رہتی ہے۔“

ماں نے کہا۔ ”بعض بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔“

”یہ ایک ہی طرف تکتی رہتی ہے۔ جیسے کچھ دکھائی نہ دیتا ہو۔“

”توبہ کرو۔ خدا نہ کرے اس کی آنکھوں میں کوئی خرابی ہو۔ ہم ابھی اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔“

جمال پالنے کے پاس بیٹھا بچی کو بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ اس سے کھیل رہا تھا۔ پھر اس نے دونوں ہتھیلیوں میں اٹھالیا۔ اسے چومنے لگا۔ بیگم نے پالنے کی طرف گھوم کر گہری سنجیدگی سے جمال کو اور بچی کو دیکھا پھر اس کے ہاتھوں سے بچی کو لے کر کہا۔ ”ہم ڈاکٹر سے مشورہ کرنے جارہے ہیں۔“

وہ کمرے سے چلی گئیں۔ سعیدہ نے مسکرا کر جمال کو دیکھا۔ وہ اپنے خالی ہاتھ دکھاتے ہوئے بولا۔ ”تم نے محبت کا خوبصورت تحفہ دیا ہے لیکن وہ میرے ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔“

”پلیز آپ مایوس نہ ہوں۔ وہ ہمارا خون ہے‘ ہمارا ہی رہے گا۔“

جمال کو ایک تو یہ دکھ تھا کہ اُسے خاندان سے الگ رکھا جارہا تھا۔ اُن کی بیٹی سے اور نواسی سے گہرا اور اٹوٹ رشتہ ہونے کے باوجود اسے پرایا بنایا جارہا تھا۔ اُسے دوسرا صدمہ اس وقت پہنچا جب پتہ چلا کہ فہمی بہری ہے۔ دنیا کی کوئی آواز سن نہیں پاتی ہے۔ دن‘ مہینے اور سال گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ کچھ بول نہیں پاتی ہے۔ گونگی ہے۔

اسے اپنی بدنصیبی کا یقین ہوگیا۔ اس نے سعیدہ سے صرف محبت کی بازی جیتی تھی۔ باقی سب کچھ بُری طرح ہار رہا تھا۔ بیگم وقارالنساء اکثر بیمار رہتی تھیں۔ بچی کو سنبھال نہیں پاتی تھیں۔ انہوں نے سعیدہ سے کہا۔ ”تم میرے پاس آکر رہا کرو۔ ہم اپنی نواسی کو نظروں کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔“

”امی! میں یہاں رہوں گی تو جمال میرے ساتھ رہا کریں گے۔ میں انہیں تنہا نہیں چھوڑوں گی۔“

انہوں نے مجبوراً جمال کو بھی حویلی میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اسے اپنے

قریب رہنے کی اجازت دینے کے باوجود اُن کا مزاج نہیں بدلا۔ وہ جمال سے سامنا نہیں کرتی تھیں اور نہ ہی کوئی بات کرتی تھیں۔ جمال بھی اُن سے کتراتا تھا۔ کبھی سامنا ہوتا تو منہ پھیر کر چلا جاتا تھا۔ اس کی اس حرکت سے ان کی انا کو ٹھیس پہنچتی تھی۔ انہوں نے بیٹی سے کہا۔ ”یہ تمہارا پروفیسر خود کو سمجھتا کیا ہے؟ تم نے دیکھا‘ وہ مجھے حقیر سمجھ کر منہ پھیرلیتا ہے۔“

وہ بولیں۔ ”آپ خدا کا شکر ادا کریں۔ وہ تعلیم یافتہ ہیں۔ اچھے بُرے کو سمجھتے ہیں۔ آپ سے کسی بھی معاملہ میں گستاخی نہیں کرتے ہیں۔ امی! آپ نہیں مانیں گی‘ میں مانتی ہوں‘ ان کے اندر قربانیاں دینے کا جذبہ ہے۔ انہوں نے میری خاطر آپ لوگوں کی برتری تسلیم کی ہے۔ ورنہ وہ بچی کو لے جائیں گے تو ہم ان کا کیا بگاڑ لیں گے؟ مجھے بھی بچی کی خاطر ان کے ساتھ یہاں سے جانا ہوگا۔“

بیگم چپ رہیں۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اکثر راتوں کو یوں ہوتا تھا کہ سعیدہ گہری نیند میں ہوتی۔ بچی بھوک سے روتی رہتی تو اس کی آنکھ نہ کھلتی۔ جمال فیڈر سے اسے دودھ پلاتا تھا۔ اسے گود میں لے کر ٹہلتا تھا۔ لوری سناتا تھا۔ پھر اُسے اپنے بستر پر لے کر سو جاتا تھا۔

ایک صبح بیگم نے بچی کو اس کے ساتھ سوتے دیکھا۔ سعیدہ سے پوچھا۔ ”کیا تم بچی کو اپنے ساتھ نہیں سلاتی ہو؟“

سعیدہ اپنی بیٹی کو باپ کے ساتھ بستر پر دیکھ کر مسکرانے لگی۔ ماں سے بولی۔ ”یہ مجھ سے زیادہ باپ سے لگی ہوئی ہے۔ ابھی سے باپ کو پہچاننے لگی ہے۔“

وہ ناگواری سے بولیں۔ ”اسے باپ کو نہیں ماں کو پہچاننا چاہئے۔ تم جانتی ہو‘ یہ باپ کے نام سے کبھی پہچانی نہیں جائے گی۔“

وہ داماد کو زیادہ سے زیادہ کمتر بنانے کے لئے ذرا ذرا سی بات کو اہمیت دے کر بحث کرتی رہتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ بہت کچھ بولنا چاہتی تھیں۔ ملازمہ نے آکر کہا۔ ”بیگم صاحبہ! بڑے صاحب کا فون ہے۔ آپ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔“

بیگم نے سعیدہ کو دیکھتے ہوئے ناگواری سے کہا۔ ”آج ایک مدت کے بعد تمہارا باپ مجھ سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔ وہ ضرور کوئی خودغرضی کی بات کرے گا۔“

سعیدہ نے پریشان ہو کر کہا۔ ”وہ میری اور جمال کی برائیاں کریں گے۔ آپ کو میرے خلاف بھڑکائیں گے۔“

”میں نادان بچی نہیں ہوں .... اونہہ' اس شخص کو فون کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ طلاق کے بعد وہ میرے لئے نامحرم بن چکا ہے۔ مجھے تو اس کی آواز بھی نہیں سننا چاہئے۔“

وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں آئیں۔ پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا

”ہوں..........“

دوسری طرف سے عبادت علی نے کہا۔ ”میں تمہاری ”ہوں“ سے تمہیں پہچان لیتا ہوں' وقار النساء!“

وہ بولیں۔ ”غلام اپنی آقا زادی کو اس کی آہٹ سے پہچان لیا کرتے ہیں۔“

انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”آقا زادی کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم اس کے مجازی خدا رہ چکے ہیں۔“

”اور مجازی خدا کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم نے اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا ہے۔“

”تم آج بھی وہی ہو' انگارے چباتی ہو اور آگ اگلتی ہو۔“

”مطلب کی بات کرو۔ فون کیوں کیا ہے؟“

”تم سے شکایت ہے۔ تم نے سعیدہ کو پناہ دے کر اچھا نہیں کیا۔“

”اتنے عرصہ بعد بیٹی کیسے یاد آ گئی؟“

”اسے پناہ دے کر تم نے ہمارے شبہ کو یقین میں بدل دیا ہے۔ ہم نے بڑے بیٹے کو گھر سے نکالا تھا' تم نے اسے بھی پناہ دی ہے۔ اسے ہم سے دور اس ملک سے باہر کہیں بھیج دیا ہے۔“

”کاش' ایسا ہوتا۔ اگر بیٹا ہمارے پاس آتا تو ہم اسے تم سے دور ہی رکھتے۔ یہ کہو جس طرح آج تم بیٹے کی واپسی چاہتے ہو اسی طرح بیٹی کی بھی واپسی چاہو گے۔ اسے لینے ہمارے دروازے پر آؤ گے۔“

”ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ ہم نے اُسے تھوک دیا ہے اور ہم تھوک کر چاٹنے والوں میں سے نہیں ہیں۔“

”تم خودغرض ہو اور اپنی غرض کے لئے سر کے بل آؤ گے۔“

”بڑے وثوق سے کہہ رہی ہو۔ بات کیا ہے؟“

”ہم جب چاہیں گے ایک زبردست دھماکہ کریں گے۔ اس دھماکے کو سنتے ہی تم بیٹی

اور نواسی کو لینے کے لئے دوڑتے ہوئے چلے آؤ گے۔“

بیگم نے ریسیور رکھ دیا۔ سوچنے لگیں۔ ”پتہ نہیں عبادت نے میرے بڑے بیٹے کے نام کوئی وصیت لکھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں لکھی ہے تو میں اسے بڑے بیٹے سے ناانصافی نہیں کرنے دوں گی..........“

☆======☆======☆

فہمی چار برس کی ہوئی تو سعیدہ پھر ماں بننے والی تھی۔ اس بار اس کی خواہش تھی کہ بیٹا پیدا ہو۔ جمال بھی یہی چاہتا تھا اور بیگم وقار النساء نے تو پیش گوئی سنا دی کہ نواسہ ضرور پیدا ہو گا۔ انہوں نے ایسے اعتماد سے کہا جیسے ان ہی کی مرضی سے لڑکیاں اور لڑکے پیدا ہوتے ہیں۔

انسان سوچتا کچھ ہے' ہوتا کچھ ہے۔ نہ بیٹی ہوئی نہ بیٹا۔ پانچویں مہینے میں کیس بگڑ گیا۔ اسے ہسپتال پہنچایا گیا۔ ڈاکٹر نے کہا' بچہ ضائع ہو چکا ہے۔ اسے آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا جب مقدر بگڑتا ہے تو بگڑتا ہی چلا جاتا ہے۔ انتہائی کوششوں کے باوجود ڈاکٹر اسے نہ بچا سکے۔ اس کی زندگی اتنی ہی تھی۔ وہ جمال کو گونگی بیٹی کے ساتھ چھوڑ کر دنیا سے چلی گئی۔

فہمی پیدا ہونے کے بعد ہی سے باپ کے سینے سے لگی رہی تھی۔ وہ ابھی نہیں جانتی تھی کہ ماں باپ کیا ہوتے ہیں۔ تاہم وہ جمال سے مانوس ہو گئی تھی۔ اس کے بغیر نہیں رہتی تھی۔ سعیدہ کی وفات کے تیسرے دن وہ اپنی نانی اماں کے پاس بیٹھی کھلونوں سے کھیل رہی تھی۔ جمال وہاں آیا تو اسے دیکھتے ہی کھلونے چھوڑ کر دوڑتی ہوئی اس کے پاس آ گئی۔

بیگم نے پوچھا۔ ”تم یہاں وقت بے وقت کیوں چلے آتے ہو؟“

وہ عاجزی سے بولا۔ ”یہ غریب ماں سے محروم ہو گئی ہے۔ میں اس کا..........“

وہ بات کاٹ کر بولیں۔ ”اسے غریب نہ کہو۔ یہ ہماری نواسی ہے۔ ہم اسے کسی غریب کے سائے میں نہیں رہنے دیں گے۔“

انہوں نے پچکارتے ہوئے فہمی کو بلایا۔ ”بیٹی! اِدھر آؤ۔“

وہ بچی جمال سے لپٹ گئی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ جمال کو چھوڑ کر نانی کے پاس نہیں جانا چاہتی ہے۔ بیگم نے غصہ سے کہا۔ ”تم اس بچی کو نافرمانی سکھا رہے ہو۔“

”آپ غلط نہ سمجھیں۔ یہ ماں سے محروم ہونے کے بعد باپ سے لگی رہنا چاہتی

ہے۔"

وہ ڈانٹ کر بولیں۔ "خود کو باپ نہ کہو۔ تم نے پکے کاغذ پر لکھا ہے کہ تمہاری ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی' وہ چند دنوں میں اللہ کو پیاری ہو گئی۔ دوسری زچگی کے وقت سعیدہ اللہ کو پیاری ہو گئی۔ تمہاری تحریر کے مطابق پہلے بیٹی نہیں تھی۔ اب بیوی نہیں رہی ہے۔"

وہ بڑے دکھ سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اپنی بے زبان بیٹی کو کروڑوں کی جائداد کی مالکہ بنانے کے لئے اسے اس کی نانی کے حوالے کر چکا تھا اور اس سلسلے میں پکا کاغذ لکھ چکا تھا۔ اس تحریر کے مطابق وہاں کسی سے اس کا رشتہ نہیں رہا تھا۔

بیگم نے کہا۔ "تمہارا یہاں کوئی نہیں ہے۔ تم یہاں کیوں ہو؟"

انہوں نے ملازمہ کو حکم دیا۔ "فہمی کو اس کے کمرے میں لے جاؤ۔"

ملازمہ نے اشارے سے فہمی کو چلنے کے لئے کہا۔ اس نے انکار کیا۔ بیگم نے اُسے سمجھایا۔ وہ جمال کے پیچھے چھپنے لگی۔ جمال نے اسے پیار کیا۔ پیار بھرے اشاروں سے سمجھایا کہ اسے اپنی نانی کی بات ماننا چاہئے۔ فہمی نے یہ وعدہ کرایا کہ وہ شام کو باغیچہ میں اس کے ساتھ کھیلے گا۔ جمال نے وعدہ کیا۔ تب وہ ملازمہ کے ساتھ چلی گئی۔

جمال نے کہا۔ "آج میں بے اختیار اس کا باپ بن گیا۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"

انہوں نے بے رخی سے کہا۔ "آئندہ یہاں قدم نہیں رکھو گے تو غلطی نہیں ہو گی۔ ہم نے ایک بیٹی کی محبت میں تمہیں برداشت کیا۔ وہ نہیں رہی۔ اب تمہیں بھی نہیں رہنا چاہئے۔ یہاں سے کہیں دور چلے جاؤ۔"

"آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ یہ میری سرپرستی میں پرورش پائے گی۔ مجھے اس سے دور نہیں کیا جائے گا۔"

"ہم نے سرپرستی کا وعدہ اپنی بیٹی سے کیا تھا۔ ہم سے بحث نہ کرو۔ جاؤ یہاں سے........."

"آپ مجھے یہاں آنے سے روک سکتی ہیں لیکن سامنے میرا بنگلہ ہے۔ سعیدہ کے بعد اس کا سب کچھ میرا ہے۔ آپ مجھے وہاں سے بے دخل نہیں کر سکیں گی۔ میں دور سے اپنی بیٹی کو دیکھتا رہوں گا۔ آپ میری آنکھیں نہیں پھوڑ سکیں گی۔ وہ حویلی کے باہر جہاں جائے گی میں سائے کی طرح اس کے آگے پیچھے رہوں گا۔ آپ سائے کو بدن سے

وہ ناگواری سے منہ بنا کر جانے لگا۔ پھر دروازے تک پہنچ کر بولا۔

"کمال ہے بیگم صاحبہ! بیٹی کی آنکھ بند ہوتے ہی دل سیاہ ہو گیا۔ خون سفید ہو گیا۔"

وہ اونہہ کہہ کر دروازے سے باہر چلا گیا۔ بیگم نے ملازم کو بلا کر حکم دیا۔ "آئندہ اسے حویلی کے احاطے میں نہ آنے دینا اور بے بی کو کبھی احاطے سے باہر نہ جانے دینا۔"

انہوں نے ملازمہ سے کہا۔ "چند روز تک فہمی کو کمرے میں بند رکھو۔ دروازہ باہر سے بند رہے گا۔ میں اس کمبخت کی آنکھیں نہیں پھوڑ سکتی۔ اس کے باوجود وہ بیٹی کو نہیں دیکھ سکے گا۔"

انہوں نے اپنی دانست میں سخت پابندیاں لگا دیں۔ وہ ابھی بچی تھی۔ معصوم تھی۔ کسی کی عداوت کو نہیں سمجھتی تھی۔ حویلی کی محدود دنیا میں بیگم وقارالنساء کو جانتی تھی لیکن جمال ہمدانی کو صرف جانتی ہی نہیں تھی' دل کی گہرائیوں سے پہچانتی بھی تھی۔ پیدا ہونے کے بعد جب وہ اپنے وجود کو نہیں سمجھتی تھی' تب سے باپ کی گود میں رہتی آئی تھی۔ اس کے سینے سے لگ کر لوری سنتی آئی تھی۔

وہ سماعت سے محروم تھی۔ سن نہیں سکتی تھی لیکن لوری کی گنگناتی ہوئی آواز کی لہریں دل کی دھڑکنوں تک پہنچتی تھیں اور دماغ کو سمجھاتی تھیں کہ باپ کے اندر کی محبت خاموشی سے لہراتی ہوئی اس کے اندر پہنچ رہی ہے۔ اسے وہ گنگناتی ہوئی لہریں اچھی لگتی تھیں۔ وہ اس لوری کی عادی ہو گئی تھی۔

جمال نے اس لوری کو ایک کیسٹ میں ریکارڈ کیا تھا۔ جب وہ نہیں ہوتا اور رات کو نیند نہ آتی تو وہ اسے ایک چھوٹے سے ٹیپ ریکارڈر میں رکھ کر اسے آن کرتی تھی۔ پھر بستر پر لیٹ کر اس ریکارڈر کو اپنے سینے پر رکھتی تھی۔ آنکھیں بند کرتی تھی۔ لوری کی آواز کانوں تک نہیں پہنچتی تھی لیکن دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ ہوتی تھی۔ وہ آواز کی اُن لہروں سے اتنی مانوس ہو گئی تھی کہ تھوڑی دیر بعد سو جایا کرتی تھی۔ وہ دنیا کی پہلی لوری تھی' جو دل کی دھڑکنوں کے ذریعہ اس کے ذہن کو آسودگی پہنچاتی تھی۔

فہمی نے شام کو باغیچے میں جمال کے پاس جانا چاہا تو کمرے کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ وہ دروازہ پیٹنے لگی۔ بیگم نے آ کر اسے کھولا۔ پھر اسے اشاروں سے سمجھایا کہ اسے باغیچہ میں نہیں جانا چاہئے۔ جمال اچھا آدمی نہیں ہے۔ اس سے نہیں ملنا چاہئے۔

وہ باہر جانے کی ضد کرنے لگی۔ نانی جان سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بیرونی دروازے کی طرف بھاگنے لگی لیکن باہر نہ جا سکی۔ وہ بیرونی دروازہ بند تھا۔ وہ رونے اور مچلنے لگی۔

گونگی آوازیں نکال کر باپ کو پکارنے لگی۔ وہ بیٹی کے لئے تڑپ رہا تھا۔ حویلی کے احاطے
کے باہر بھٹک رہا تھا۔ اسے امید تھی کہ بیٹی ہر روز کی طرح شام کو باغیچہ میں کھیلنے آئے گی
تو وہ اسے دور سے ہی دیکھ کر اپنی تسلی کرے گا لیکن وہ نظر نہیں آئی۔ یہ بات سمجھ میں آ
گئی کہ حویلی کی اونچی دیواروں کے پیچھے اسے قید کیا گیا ہے۔

فہمی نے رات کا کھانا نہیں کھایا۔ اس کے سامنے اس کی پسندیدہ ڈشیں رکھی گئیں۔
وہ پلیٹیں اٹھا کر پھینکنے لگی۔ بیگم وقار النساء پریشان ہو گئیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
کہ کس طرح اس کے اندر سے جمال کو نوچ کر پھینک دیں؟ اسے صرف اپنی ہی محبت
اور ممتا میں گرفتار رکھیں۔ وہ تو کسی طرح بھی قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

وہ رات کے پچھلے پہر تک اسے سمجھانے منانے کی کوششیں کرتی رہیں۔ جمال سے
تعلق رکھنے والی ہر چیز کو اس سے دور رکھا لیکن آخر مجبور ہو کر وہ کیسٹ ریکارڈر اسے دینا
پڑا۔ اس بچی نے اسے آن کر کے اپنے سینے پر رکھا تو لوری کی گنگناتی ہوئی لہروں
(Vibration) سے دل کی دھڑکنوں کو قرار آنے لگا۔ وہ جلد ہی گہری نیند میں ڈوب گئی۔

اس بے زبان کے اندر پیار کی جو شدت تھی' اسے وہ اپنی حرکتوں سے ظاہر کرتی
تھی۔ اس شدت نے بیگم وقار النساء جیسی ضدی اور مغرور خاتون کو سوچنے پر مجبور کر دیا
تھا کہ اس بچی کی ضد پوری نہ کی گئی تو وہ بیمار ہو جائے گی۔ ابنارمل ہونے لگے گی۔

اس نے دوسری صبح بھی ناشتہ کرنے سے انکار کیا۔ ملازمہ دروازہ بند کر کے گئی تو
اس نے کھڑکی سے دیکھا۔ دور حویلی کے احاطے سے باہر جمال ہمدانی کھڑا ہوا اسے دیکھ رہا
تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی اس سے ملنے کے لئے تڑپ گئی۔ کھڑکی پر چڑھ گئی۔ جمال نے چیخ کر
کہا۔ "رک جاؤ' رک جاؤ بیٹی! گر پڑو گی۔ میں آ رہا ہوں۔"

اس کا کمرہ پہلی منزل پر تھا۔ ایک بچی کے لئے پہلی منزل کی بلندی بہت ہوتی ہے
لیکن وہ دیوانی ہو گئی تھی۔ باپ کے پیار کی بلندی تک پہنچنے کے لئے اس نے چھلانگ لگا
دی۔ نیچے گھاس پر آ کر گری۔ اتنی سخت چوٹیں آئیں کہ بے ہوش ہو گئی۔

اس واقعہ نے بیگم وقار النساء کو دہلا کر رکھ دیا۔ فہمی ہوش میں آ گئی۔ چوٹوں کے زخم
بھی بھر گئے لیکن اس بے زبان نے یہ دہشت طاری کر دی کہ اس پر جبر کیا جائے گا اور
باپ کو اس سے دور کیا جائے گا تو وہ اپنی جان پر کھیل جائے گی۔

وہ دل ہی دل میں تسلیم کرتی ہوئی بولیں۔ "ہم نے ہمیشہ زبان والوں کو مات دی
ہے۔ آج یہ بے زبان ہمیں مات دے رہی ہے۔ ہم نے اسے سمجھنے میں غلطی کی تھی

اب نہیں کریں گے۔"

انہوں نے ملازمہ کو بلا کر حکم دیا۔ "جاؤ اور جمال سے کہو' وہ حویلی میں آ سکتا
ہے۔"

اور جب وہ آیا تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اپنی بیٹی کے ساتھ رہ سکتے ہو
لیکن باپ بن کر نہیں۔ کوئی دور کا رشتہ دار بھی نہیں' صرف ایک ملازم بن کر رہ سکو
گے۔ خود فیصلہ کرو کہ اپنے آپ کو دنیا والوں کے سامنے کس طرح پیش کرو گے۔

وہ پیڑ اور پودوں کا علم رکھنے والا بوٹانسٹ تھا۔ اس نے پھول جیسی بیٹی کی پرورش
کے لئے ساری عمر مالی بن کر رہنا منظور کر لیا۔

☆======☆======☆

وقت کو گزرتے کوئی نہیں دیکھ پاتا ہے۔ تب خیال آتا ہے بچپن گزر گیا جوانی آ گئی۔
جوانی گزر گئی بڑھاپا آ گیا۔ پھر بڑھاپا گزر گیا موت آ گئی۔

فہمی کا بچپن گزر گیا۔ وہ جوان ہو گئی۔ بیگم وقار النساء کا بڑھاپا گزر گیا۔ موت دستک
دینے لگی۔ وہ بستر کی ہو کر رہ گئی۔ جب تک چلنے پھرنے کی طاقت تھی وہ سینہ تان کر چلتی
تھی۔ ایسے وقت میں انسان بھول جاتا ہے کہ کبھی کمر جھکے گی۔ پھر جھکتے جھکتے زمین بوس کر
دے گی۔

لیڈی ڈاکٹر ان کا معائنہ کر رہی تھی۔ فہمی ان کے پائنتی بیٹھی ہوئی تھی۔ بیڈ سے
کچھ فاصلے پر ملازمہ سر جھکائے کھڑی ہوئی تھی۔ گھر میں کوئی بیمار ہو تو ماحول بڑا سوگوار ہو
جاتا ہے۔ ڈاکٹر نے انجکشن لگاتے ہوئے کہا۔ "آپ باقاعدہ دوائیں نہیں لے رہی ہیں
جبکہ میں نے تاکید کی تھی۔"

بیگم نے بڑی نقاہت سے کہا۔ "ہم دواؤں کے معاملہ میں بہت محتاط ہیں۔ آپ کی
ہدایت کے مطابق ہمارے لئے پرہیزی ڈشیں تیار کی جاتی ہیں۔"

ڈاکٹر نے پوچھا۔ "پھر صحت کیوں گرتی جا رہی ہے؟"

"یہ گرتے رہنے کی عمر ہے۔ ہم پہاڑ تو نہیں ہیں کہ صدیوں تک کھڑے رہیں۔
ایک دن تو گرنا ہی ہے۔ پھر کبھی نہیں اٹھنا ہے۔"

ڈاکٹر نے نسخہ لکھتے ہوئے کہا۔ "ایسی باتیں نہ کریں۔ میں ایک دوا کا اضافہ کر رہی
ہوں۔ اسے منگوالیں اور فوراً استعمال کریں۔"

اس نے نسخہ لکھ کر ملازمہ کی طرف بڑھایا۔ بیگم وقار النساء نے تکیہ نیچے سے پانچ سو

روپے نکال کر ملازمہ کو دیئے پھر کہا۔ "ڈرائیور سے کہو یہ دوا ابھی لے آئے۔"

ملازمہ نسخہ اور رقم لے کر چلی گئی۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "آپ اتنی بڑی حویلی میں تنہا رہتی ہیں۔ ایسے وقت اپنوں کو آپ کے پاس رہنا چاہئے۔"

"ہم تو برسوں سے تنہا رہنے کے عادی ہو گئے ہیں لیکن اب چند اہم معاملات نمٹانے ہیں۔ کسی اپنے کو بلانا ہی ہو گا۔"

لیڈی ڈاکٹر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے فہمی کو دیکھا پھر کہا۔ "ایک نواسی ہے لیکن بول سکتی ہے نہ سن سکتی ہے۔ بیچاری آپ کا دل نہیں بہلا سکتی۔ کتنی خوبصورت ہے۔ میں نے اسے بچی سے جوان ہوتے دیکھا ہے۔ اب تو اس کی بھی شادی کی فکر کرنی ہو گی۔"

لیڈی ڈاکٹر نے فہمی کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔ وہ مسکرا کر اُسے دیکھنے لگی۔

بیگم نے کہا۔ "پتہ نہیں اس کے نصیب میں کیا لکھا ہے؟ زندگی ہمیں مہلت دے گی تو ہم کسی کو گھر داماد بنائیں گے۔ اسے اپنا احسان مند بنائیں گے۔ ایسا داماد ہماری نواسی کا صرف شوہر ہی نہیں، محافظ اور تابعدار بھی رہے گا۔"

"خریدا ہوا داماد اتنا تابعدار نہیں ہوتا۔ جتنا محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ اسے کوئی محبت کرنے والا جیون ساتھی ملنا چاہئے۔ اچھا چلتی ہوں۔ ضرورت ہو تو فون کر دیں میں چلی آؤں گی۔"

وہ اللہ حافظ کہہ کر چلی گئی۔ فہمی قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اُن کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اُسے چوم کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ اپنی نانی کی بیماری سے بہت پریشان تھی۔ بیگم نے اسے اپنے قریب کیا۔ پھر اس کی پیشانی کو چوم کر کہا۔ "میری بچی! تم مجھ سے پیار کرتی ہو تو یہ صدمہ اور بڑھ جاتا ہے کہ تم ہم سے زیادہ اپنے باپ کو چاہتی ہو۔ بس ایک خون کا رشتہ ہے جو تمہیں ہماری طرف کھینچتا ہے۔"

وہ بول رہی تھی اور فہمی انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے کہا۔ "ہم جانتے ہیں۔ نہ تم سنتی ہو نہ سمجھتی ہو۔ پھر بھی ہمیں دیوار سے باتیں کرتے رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔"

فہمی نے ایک خیالی پھول کو توڑتے ہوئے اُسے سونگھا۔ پھر اشارے سے پوچھا۔ "میں جاؤں۔"

جب وہ خیالی پھول توڑ کر سونگھتی تھی۔ تو سمجھ میں آ جاتا تھا کہ اپنے باپ کا ذکر کر

رہی ہے اور اس کے پاس جانا چاہتی ہے۔ انہوں نے بے بسی سے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "جاؤ' اُس نے تو تم پر جادو کیا ہوا ہے۔ روکنے سے تم کبھی نہیں رکو گی۔" انہوں نے اشارے سے جانے کا کہا۔ وہ خوش ہو کر چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہیں۔ پھر سرہانے رکھے ہوئے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگیں۔ ریسیور کو کان سے لگا کر انتظار کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد عبادت علی کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو کون؟"

بیگم وقارالنساء نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ "ہم ہیں بیگم وقارالنساء۔"

دوسری طرف سے عبادت علی کی مختصر سی ہنسی سنائی دی۔ وہ بولے۔ "زہے نصیب کہ کافر کو خدا یاد آیا۔"

"تم ٹھکرائے ہوئے مجازی خدا ہو۔ تمہیں خوش نہیں ہونا چاہئے۔"

"ٹھوکر مارنے والے پاؤں زخمی ہو جاتے ہیں۔ کیا زخموں کو سہلانے کے لئے یاد کیا ہے؟"

"کیا تمہیں یاد ہے۔ کبھی ہم نے کہا تھا۔ ایک زبردست دھماکہ کریں گے۔ اس دھماکے کو سنتے ہی تم یہاں دوڑے چلے آؤ گے۔"

"تم آواز سے کمزور اور بیمار لگ رہی ہو۔ دھماکہ کیا کرو گی۔"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔ یہ درست ہے کہ ہم بیمار ہیں۔ یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ ہمارے بعد ہماری نواسی کا کیا ہو گا۔ اس کے لئے ایک محبت کرنے والا سرپرست لازمی ہے۔"

"ہم نے اپنی نافرمان بیٹی کو ٹھکرا دیا تھا۔ تم نے اُسے پناہ دی۔ اُسے ہم نے گرایا۔ تم نے اُسے سر پر چڑھایا۔ ایسے وقت تم نے نہیں سوچا کہ تمہارے بعد اُس گونگی بہری کا کیا بنے گا۔"

"ہم نے اچھی طرح سوچ لیا تھا کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"اچھا تو تم کچھ کر رہی ہو۔"

"ہاں' ہم نے وصیت لکھوائی ہے۔ وصیت ابھی ادھوری ہے۔ نفاست علی نافرمان بیٹا ہے۔ اُسے ہم سے کچھ نہیں ملے گا۔ ہماری آدھی جائداد ہمارے بڑے بیٹے شجاعت علی کے نام ہے اور آدھی ہماری نواسی فہمیدہ بانو عرف فہمی کے نام ہے۔"

دوسری طرف ذرا خاموشی رہی۔ پھر عبادت علی نے پوچھا۔ "جائداد کی مالیت کیا

ہے؟"

"جائداد اور نقدی ملا کر ایک سو دس کروڑ روپے بنتے ہیں۔ ہم اس جائداد کا ٹرسٹی (Trusty) تمہیں بنانا چاہتے ہیں۔"

دوسری طرف عبادت علی نے گہری سانس لی۔ جیسے کوئی اژدھا شکار کو نگلنے کے لئے گہری سانس کھینچ رہا ہو۔ بیگم نے پوچھا۔ "بولو' ہے نا زبردست دھماکہ؟ کتنی تیزی سے دوڑتے ہوئے یہاں آؤ گے؟ اور کب آؤ گے؟"

عبادت علی نے کہا۔ "ایک سو دس کروڑ روپے .... ہمارا بیٹا بیس برس سے لاپتہ ہے۔ اُس کی واپسی کی امیدیں دم توڑ رہی ہیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ تم نے بیٹے کے نام آدھی جائداد کیوں لکھی ہے۔ اگر وہ واپس نہ آیا تو؟"

"تو اُس کے بچے آئیں گے۔ ہم مایوس نہیں ہیں۔ وہ ہمارا خون ہے۔ وہ نہ آیا تو خون کی کشش اُس کی اولاد کو کھینچ لائے گی۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولیں۔ "تم یہاں آؤ گے تو جائداد کے بٹوارے کی تفصیلات معلوم ہوں گی۔ ایک بات یاد رکھو۔ ہمارے نافرمان بیٹے نفاست کو ابھی اس سلسلہ میں کچھ نہیں بتاؤ گے۔ کچھ ایسی باتیں ہیں جنہیں صیغۂ راز میں رکھا جائے گا۔"

بیگم نے ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ عبادت علی نے ہیلو' ہیلو کہہ کر اپنے ریسیور کو دیکھا۔ پھر اُسے رکھتے ہوئے زیر لب کہا۔ "تم زبردست ہو وقارالنساء' تم نے واقعی زبردست دھماکہ کیا ہے۔ ہم آ رہے ہیں۔"

☆======☆======☆

بیگم وقارالنساء اور زیادہ نحیف و لاغر ہو گئی تھیں۔ ملازمہ انہیں دوا پلا رہی تھی۔ قریب ہی ایک کرسی پر ان کا وکیل انور پاشا بیٹھا ہوا تھا۔ پلنگ کے قریب ایک پردہ کھینچ دیا گیا تھا۔ اس پردے کے پیچھے عبادت علی بیٹھے ہوئے تھے۔ بیگم نے ان سے طلاق لی تھی لہٰذا وہ ایک دوسرے کے لئے نامحرم تھے۔ ان کے درمیان پردہ لازمی تھا۔

وہاں ایک ماتمی خاموشی چھائی ہوئی تھی جیسے کوئی بیمار اس دنیا سے اٹھنے والا ہو۔ بیگم کی حالت بتا رہی تھی کہ اب انہیں دوا سے زیادہ دعا کی ضرورت ہے۔

جب ملازمہ دوا پلا کر چلی گئی تو وکیل انور پاشا نے کہا۔ "میڈم میں نے تمام وصیت تفصیل سے سنا دی ہے۔ اب اس وصیت میں چند اہم باتوں کا اندراج باقی ہے۔ میں وہ باتیں پڑھ کر سنا رہا ہوں۔"

وہ ایک کاغذ کھول کر پڑھنے لگے۔ "منقولہ و غیر منقولہ جائداد کی مالیت ایک سو دس کروڑ روپے ہے۔ سید شفاعت علی شاہ ولد سید عبادت علی شاہ کو مذکورہ رقم میں سے ساٹھ کروڑ روپے دیئے جائیں۔

سید شفاعت علی کے تمام بچے بھی مذکورہ رقم کو حاصل کرنے کے حقدار ہیں۔

آنسہ فہمیدہ بانو عرف فہمی بنت سید شفاعت علی شاہ کو مذکورہ رقم میں سے پچاس کروڑ روپے دیئے جائیں۔

سید شفاعت علی شاہ اور اس کی اولاد کی واپسی تک اور فہمیدہ بانو عرف فہمی کی شادی ہونے تک سید عبادت علی شاہ ان تمام جائداد اور تمام رقومات کے نگران اعلیٰ رہیں گے اور مذکورہ حقداروں کو مناسب وقت پر ان کا حق ادا کریں گے۔"

انور پاشا نے عبادت علی سے پوچھا۔ "کیا آپ نگران اعلیٰ کی ذمہ داریاں قبول کرنا چاہیں گے؟"

عبادت علی اپنی کرسی پر ذرا سیدھے ہو کر بیٹھ گئے' پھر بولے۔ "میں اپنی اولاد کی بہتری کے لئے یہ ذمہ داریاں قبول کروں گا۔"

بیگم نے وکیل کو مخاطب کیا۔ بڑی نقاہت سے کہا۔ "آپ اس وصیت کو مکمل کریں اور صبح میں آئیں۔ ہم دستخط کر دیں گے۔"

انور پاشا نے اپنی فائلیں سنبھالیں۔ پھر انہیں سلام کر کے رخصت ہو گئے۔ عبادت علی نے کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تم نے اچھا کیا۔ فہمی کے باپ کا نام شفاعت علی لکھوایا ہے۔ ہمارے خاندان میں باہر سے آنے والا جمال ہمدانی ہمیشہ ناقابلِ قبول رہے گا۔"

بیگم وقارالنساء نے بیماری اور کمزوری کے باوجود نفرت سے کہا۔ "تم بھی باہر سے آئے ہو۔ تم نے بڑی حکمت عملی سے ہمارے خاندان میں جگہ بنائی ہے۔ ہم نے اپنی اولاد کی نیک نامی کی خاطر تمہیں بے نقاب نہیں کیا۔ تمہاری عزت رکھی ہے۔"

وہ جھینپ کر بولے۔ "کیوں گڑے مردے اکھاڑ رہی ہو؟ اب تو ہم اس خاندان کے سرپرست بن چکے ہیں۔"

وہ بولیں۔ "اونہہ' باسی مٹھائی پر چاندی کا ورق چڑھانے سے مٹھائی تازہ نہیں ہو جاتی۔ باسی ہی رہتی ہے۔"

وہ مسکرا کر بولے۔ "تم ہماری توہین کر رہی ہو لیکن ہمیں غصہ نہیں آئے گا۔"

"ایک سو دس کروڑ روپے کا ٹرسٹی (Trusty) بننے کے بعد قیامت تک ہماری باتیں برداشت کرتے رہو گے۔"

وہ اتنی کمزور ہو گئی تھیں کہ بولتے بولتے ہانپنے لگتی تھیں۔ ایک ذرا سانس درست کرتے ہوئے بولیں۔ "نہ تمہیں بیٹی سے پیار تھا' نہ نواسی کو کبھی پوچھا تھا۔ اب اُس بے زبان بچی کی قیمت پچاس کروڑ روپے ہے۔ تم اُسے بھرپور محبتیں دیتے رہو گے۔"

عبادت علی نے سر جھکا کر کہا۔ "یہ ہم جانتے ہیں اور ہمارا خدا جانتا ہے۔ ہم سعیدہ کو دل و جان سے چاہتے تھے۔ اب اس کی تمام محبتیں اپنی نواسی کو دیں گے۔"

پھر انہوں نے کچھ سوچ کر کہا۔ "ہم بیٹے' بہو اور پوتی پوتوں کو یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ یہ شفاعت علی بیٹی ہے۔"

بیگم نے تائید کی۔ "ہاں اپنوں سے کہنا ہی ہو گا کہ وہ سعیدہ کی بیٹی ہے لیکن جمال سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ رشتہ صرف اتنا ہی ہے کہ اس بے زبان بچی کو بچپن سے اس کی نگرانی میں رکھا گیا ہے۔"

عبادت علی نے پریشان ہو کر کہا۔ "اس کا مطلب ہے' ہم اپنی نواسی کو لے جائیں گے تو اس کے باپ کو بھی ساتھ لے جانا ہو گا؟"

"مجبوری ہے۔ فہمی اس کے بغیر نہیں رہتی۔ اس سے الگ کیا جائے تو کھانا پینا چھوڑ دیتی ہے۔ بیمار پڑ جاتی ہے۔"

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولیں۔ "ہم نے بہت کوششیں کیں کہ وہ کسی طرح باپ سے دور ہو جائے لیکن وہ اس کی دیوانی ہے۔ اچھا ہے کہ بے زبان ہے کبھی کسی کے سامنے جمال ہمدانی کو باپ نہیں کہہ سکے گی۔"

انہوں نے کال بیل کا بٹن دبایا پھر ملازمہ کے آنے پر کہا۔ "فہمی اور جمال کو یہاں بھیج دو۔"

ملازمہ حکم کی تعمیل کے لئے چلی گئی۔ بیگم نے اس پردے کو دیکھا جس کے پیچھے عبادت علی بیٹھے ہوئے تھے پھر انہوں نے کہا۔ "ہم نے فہمی کو بہت چاہا ہے۔ اسے دل سے لگا کر رکھا ہے پھر بھی وہ باپ سے لگی رہتی ہے۔"

وہ بولے۔ "ہم دودھ سے مکھی نکال کر پھینکنا جانتے ہیں۔"

"ہم نہیں چاہتے کہ آپ کوئی سخت کارروائی کریں۔ سختی کا وقت گزر چکا ہے۔ یہ خیال دل سے نکال دو کہ باپ کو جبراً اُس سے جدا کر سکو گے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولیں۔ "ہو سکے تو اُسے اتنی محبتیں دو کہ وہ باپ سے زیادہ تمہیں چاہنے لگے۔ جو کام جبر سے نہیں ہوتا وہ صبر سے ہو جاتا ہے۔"

جمال ہمدانی نے دروازے پر دستک دی۔ بیگم نے کہا۔ "آ جاؤ۔"

جمال اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کمرے میں آیا۔ اُس نے عبادت علی کو دیکھا۔ عبادت علی نے اُسے ناگواری سے دیکھا۔ بیگم نے جمال سے کہا۔ "فہمی کو بتاؤ کہ یہ اُس کے نانا جان ہیں۔ اس سے کہو ان کے پاس آئے۔ اس بے زبان کو محبت کا رشتہ سمجھاؤ۔"

جمال فہمی کو اشارے سے سمجھانے لگا۔ وہ دونوں باپ بیٹی کو توجہ سے دیکھ رہے تھے۔ فہمی نے عبادت علی کو دیکھا تو انہوں نے اپنے دونوں بازو محبت سے پھیلا دیئے۔

فہمی نے بڑی اجنبیت سے اپنے نانا کو دیکھا پھر بڑی اپنائیت سے اپنے باپ کو دیکھا۔ باپ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اشاروں کی زبان سے سمجھایا۔ جاؤ بیٹی یہ تمہارے نانا جان ہیں۔

اُس نے فہمی کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اسے عبادت علی کی طرف بڑھایا۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر سوچ سوچ کر آگے بڑھی۔ وہ اب سے پہلے کبھی کسی اجنبی کے قریب نہیں گئی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ رشتے کیا ہوتے ہیں اور رشتوں کی محبتیں کیا ہوتی ہیں؟

وہ نانا جان کی طرف بڑھتے بڑھتے ٹھٹک گئی۔ پھر ایک دم سے پلٹ کر بھاگتی ہوئی آ کر باپ سے لپٹ گئی۔ اس کی اس حرکت نے ایک ساعت میں عبادت علی کو جاہ و جلال کی اور غرور کی بلندیوں سے نیچے پھینک دیا۔ اپنے باپ کی معمولی حیثیت کے سامنے نانا کو دو کوڑی کا بنا دیا۔

عبادت علی اور بیگم وقارالنساء نے اپنی توہین محسوس کی۔ وہ دونوں حقارت سے جمال کو دیکھنے لگے۔ پھر عبادت علی نے کہا۔ "تم نے اسی طرح ہماری بیٹی کو بھی ہم سے دور کیا تھا۔ آج ہماری نواسی پر جادو چلایا ہے۔ اسے ہم سے دور کر رہے ہو۔ ڈاکو مال و زر لوٹتے ہیں۔ تم لہو کے رشتے چرا رہے ہو۔"

جمال نے عاجزی سے کہا۔ "آپ مجھے ہمیشہ سے غلط سمجھتے آ رہے ہیں۔ یہ بچپن سے ایسی ہی ہے۔ کسی بھی اجنبی کے قریب نہیں جاتی۔ آپ نے بیٹی کو گھر سے نکالتے وقت یہ نہیں سوچا کہ ایک دن اس کی اولاد کے لئے اجنبی بن جائیں گے۔"

انہوں نے غرانے کی آواز میں کہا۔ "زیادہ نہ بولو۔ ہم کم حیثیت کے لوگوں سے

بحث نہیں کرتے۔ اسے کسی طرح سمجھاؤ کہ ہم اجنبی نہیں ہیں۔ بیٹی کے حوالے سے خون کا رشتہ ہے۔"

جمال نے بیٹی کو سمجھایا کہ وہ اپنی نانی کے پاس جائے۔ بیگم نے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا وہ تیزی سے چلتی ہوئی ان کے پاس آ گئی۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر گونگے اشاروں سے سمجھایا کہ اسے اپنے نانا کے پاس جانا چاہئے۔ ان سے محبت کرنا چاہئے۔

فہمی نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ پھر جمال کی طرف دیکھا۔ جمال نے مسکرا کر اشارے سے کہا کہ اپنے نانا کے پاس جاؤ۔

وہ بیگم کے بیڈ سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ پردے کے دوسری طرف آ گئی۔ عبادت علی نے محبت سے پچکارتے ہوئے اپنی طرف بلایا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کے قریب آ گئی۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ وہ اور قریب آ گئی۔ انہوں نے اس کے ہاتھ کو چوما تو وہ خوش ہو گئی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ ایک اجنبی سے اسے پیار ملے گا۔

عبادت علی نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس کی پیشانی کو چوم لیا۔ اس نے خوش ہو کر جمال کو دیکھا۔ اپنی پیشانی پہ ہاتھ رکھ کر اشاروں کی زبان سے کہا کہ انہوں نے مجھے پیار کیا ہے۔

جمال نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر اشارے سے سمجھایا کہ تم بھی انہیں پیار کرو۔

فہمی نے ان کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنی طرف جھکایا اور ان کے گال کو چوم لیا۔ وہ مسرتوں سے نہال ہو گئے۔ اسے سینے سے لگا کر بولے۔ "میری بچی! میری جان! لہو کا خزانہ کوئی نہیں چرا سکتا۔ ایک دن واپس مل ہی جاتا ہے۔"

بیگم نے کہا۔ "اس کے ساتھ دن رات رہو گے تو اسے اپنی طرف مائل کرتے رہو گے۔ محبت سے جانور بھی دم ہلانے لگتے ہیں۔ یہ تو نواسی ہے تم سے مانوس ہوتی رہے گی۔" پھر بیگم نے جمال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ اپنے نانا جان کے ساتھ رہا کرے گی۔ کیا تم اس کے ساتھ جاؤ گے؟"

جمال نے کہا۔ "اتنی بڑی دنیا میں میرا اپنا کوئی نہیں ہے۔ یہی ایک بیٹی ہے۔ اس کی شادی ہونے اور اس کا گھر آباد ہونے تک میں اس کے ساتھ رہوں گا۔"

بیگم نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ "وہاں یہ ظاہر کیا جائے گا کہ تم نے بچپن سے اس

کی پرورش کی ہے۔ یہ تم سے مانوس ہے اس لئے تمہیں ساتھ لایا گیا ہے۔"

عبادت علی نے بڑے رعب اور دبدبے سے کہا۔ "تم ہمیشہ یہ یاد رکھو گے کہ تم تعلیم یافتہ نہیں ہو۔"

"تم بوٹانسٹ (Botanist) نہیں ہو۔"

"ایک مالی ہو............"

جمال کی کمر جیسے جھک گئی' وقت سے پہلے اسے بوڑھا بنا دیا گیا۔ اس نے عبادت علی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس بے زبان کے پچاس کروڑ روپے آپ کو یہاں لائے ہیں۔ یہی پچاس کروڑ مجھے آپ کے ساتھ لے جائیں گے۔ بیٹی کو شہزادی بنائے رکھنے کے لئے ایک باپ مالی بھی بن جائے گا۔"

☆======☆======☆

عبادت علی ایک مہمان کی حیثیت سے بیگم کی حویلی میں قیام کر رہے تھے۔ وہاں رہ کر وکیل کے ذریعے جائداد کے لین دین کے معاملات طے کرنے تھے۔ پھر اپنی نواسی کا دل بھی جیتنا تھا۔ وہ فہمی کو زیادہ سے زیادہ اپنے قریب رکھنے لگے۔ انہوں نے اسے اشاروں کی زبان سے کہا کہ مجھے اتنی بڑی حویلی کی سیر کراؤ۔ اپنا باغیچہ دکھاؤ۔ وہ ان کے ساتھ حویلی کے اندر اور باہر گھومتی رہی۔ وہ اس کی پسند کو اپنی پسند بناتے رہے۔ اس کے سامنے بچگانہ حرکتیں کر کے اسے ہنساتے رہے۔ وہ ایک ہی دن میں ان سے بے تکلف ہو گئی۔

وہ رات کو سونے سے پہلے انہیں اپنے کمرے میں لے گئی۔ انہیں تصویروں کی ایک کتاب دکھائی۔ ایک باز کی تصویر دکھا کر اشارے سے کہا کہ یہ اوپر اڑتا ہے۔

ایک کار کی تصویر دکھا کر دونوں ہاتھوں سے خیالی اسٹیرنگ گھمانے لگی' ہارن بجانے لگی۔ عبادت علی نے مسکرا کر کہا۔ "ہماری بیٹی بہت سمجھدار ہے' بہت کچھ جانتی ہے۔"

فہمی نے ایک مسجد کی تصویر دکھا کر اشارے سے کہا یہاں نماز پڑھتے ہیں۔

عبادت علی نے اس کے سر پہ آنچل رکھتے ہوئے اشاروں سے سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام آئے یا مسجد دکھائی دے تو سر پر آنچل رکھنا چاہئے۔ پھر انہوں نے کتاب کو بند کیا۔ گھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اب تمہیں سو جانا چاہئے۔"

فہمی وہاں سے اٹھ کر الماری کے پاس گئی۔ وہاں سے ایک چھوٹا ٹیپ ریکارڈر نکال کر لائی' پھر اسے عبادت علی کے سامنے آن کیا۔ ریکارڈر سے جمال کے لوری سنانے کی آواز

ابھرنے لگی۔ انہوں نے اشارتاً حیرانی سے پوچھا۔ ”کیا تم سن سکتی ہو؟“

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ پھر اس ریکارڈر کو اپنے سینے پر رکھ لیا۔ عبادت حیرانی سے دیکھ رہا تھا اور کسی حد تک سمجھ رہا تھا کہ وہ سن نہیں سکتی ہے لیکن آواز کی لہروں کو اپنی دھڑکنوں کے قریب محسوس کر رہی ہے۔ وہ ان لہروں کے ذریعے اپنے باپ کے قریب پہنچ گئی ہے۔

اور واقعی یہی ہوتا تھا۔ بچپن سے یہی ہوتا آ رہا تھا۔ وہ ٹیپ ریکارڈر سے ابھرنے والی لوری کی اس قدر عادی ہو گئی تھی کہ اس ریکارڈر کو اپنے سینے پر رکھتے ہی چند منٹ میں سو جاتی تھی۔

عبادت علی نے حیرانی سے دیکھا وہ گہری نیند میں ڈوب چکی تھی۔ آس پاس کی دنیا سے بے خبر ہو چکی تھی۔ صرف اس کا باپ اس کی دھڑکنوں میں سمایا ہوا تھا۔ انہوں نے شدید نفرت سے کہا۔ ”وہ کم بخت اس کے حواس پر چھا گیا ہے۔“

☆======☆======☆

دوسرے دن وکیل انور پاشا فائل تیار کر کے لے آیا۔ بیگم وقارالنساء بیماری کے اور کمزوری کے باعث بستر پر لیٹی رہتی تھیں۔ لیڈی ڈاکٹر اور فہمی ہمہ وقت ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ فہمی پائنتی بیٹھی ان کے پاؤں داب رہی تھی۔

انور پاشا ایک ملازمہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ بیگم نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے ملازمہ سے کہا۔ ”عبادت علی سے کہو کہ انہیں بیگم نے بلایا ہے۔ مگر جانے سے پہلے پردہ کھینچ دو۔“

ملازمہ نے پردہ کھینچ دیا۔ پھر کمرے سے باہر چلی گئی۔ انور پاشا نے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک سرخ رنگ کی فائل نکالی۔ پھر اسے کھول کر بیگم کی طرف بڑھایا۔ ایک صفحے پر انگلی رکھ کر کہا۔ ”یہاں دستخط کرنے ہیں۔ مگر پہلے تحریر پر ایک نظر ڈال لیں۔“

وہ نقاہت سے مسکرا کر بولیں۔ ”مجھے آپ پر اعتماد ہے۔ بعض اوقات انسان اپنوں سے زیادہ غیروں پر اعتماد کرتا ہے۔“

”یہ آپ کی عنایت ہے۔ جو مجھ پر اتنا اعتماد کرتی ہیں۔“

وکیل نے ایک قلم ان کی طرف بڑھایا۔ بیگم وقارالنساء نے دستخط کیے۔ عبادت علی شاہ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ بڑے رعب اور دبدبے سے چلتے ہوئے ایک صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔ آج وہ ایک سو دس کروڑ کی جائداد کے ٹرسٹی بننے والے

تھے۔ یوں بھی ان کی گردن ہمیشہ اکڑی رہتی تھی۔ مگر اس وقت تو ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے کپڑے میں کلف زیادہ دے دیا گیا ہے۔

بیگم وقارالنساء باریک پردے کے پار ان کے مغرورانہ انداز کو دیکھ رہی تھیں۔ وکیل ان سے دستخط کروا کر پردے کے دوسری طرف آ گیا۔ عبادت علی سے مصافحہ کر کے اس کے برابر والے صوفہ پر بیٹھ گیا۔ پھر سرخ فائل عبادت علی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

”بیگم صاحبہ اور ہم سب کے دستخط ہو چکے ہیں۔ اب یہ اہم کاغذات آپ کے ہیں۔ کبھی کوئی قانونی مسئلہ پیش آئے گا تو آپ میری خدمات حاصل کریں گے۔ بیگم صاحبہ نے اس جائداد کے سلسلے میں مجھے وکالت کے حقوق دیئے ہیں۔“

عبادت علی شاہ نے اس فائل کو کھول کر پڑھا۔ اچانک بیگم وقارالنساء گہری گہری سانسیں لینے لگیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے زنداں کے آخری سوراخ کو بھی بند کر دیا گیا ہے اور اندر حبس بڑھ گیا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے فوراً انہیں مصنوعی آکسیجن دینے کے لئے ایک ماؤتھ پیس ان کے منہ پر لگا دیا۔

فہمی پریشان ہو کر اپنی نانی کو دیکھنے لگی۔ پائنتی سے سرہانے آ کر ان کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ وہ گونگی تھی۔ لفظوں سے تسلیاں نہیں دے سکتی تھی۔ اس لئے انگلیوں کے لمس سے بیمار نانی کی ڈھارس بندھا رہی تھی۔

وکیل بھی اٹھ کر ان کے سرہانے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے شفقت سے فہمی کے سر پر ہاتھ رکھا اور اسے اشاروں میں سمجھانے لگا۔ ”فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ ابھی ٹھیک ہو جائیں گی۔“

فہمی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ کبھی ان کا سر سہلاتی اور کبھی ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر رگڑنے لگتی۔

عبادت علی شاہ پردے کے پار ان چاروں کے دھندلے عکس دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے لیڈی ڈاکٹر کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”ڈاکٹر! خیریت تو ہے نا؟ اگر حالت زیادہ خراب ہے تو انہیں ہسپتال لے چلتے ہیں۔“

”نہیں فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی کچھ دیر میں یہ نارمل ہو جائیں گی۔“

تھوڑی دیر بعد ہی بیگم کی سانسیں بحال ہونے لگیں۔ انہوں نے سرہانے بیٹھی بے زبان نواسی کو بڑی محبت سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ انہوں نے نقاہت بھرے انداز میں اپنے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھے۔ وہ انہیں اپنی طرف متوجہ پا کر خوش

ہو گئی۔ اس نے خوش ہو کر باری باری لیڈی ڈاکٹر اور وکیل کی طرف دیکھا۔

وکیل نے بیگم سے پوچھا۔ "اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

وہ کچھ نہیں بولیں۔ ہاتھ کے اشارے سے سمجھا دیا کہ وہ اب ٹھیک ہیں۔ وکیل ان سے اجازت لے کر عبادت علی شاہ کے پاس آیا پھر ان سے مصافحہ کر کے چلا گیا۔ عبادت علی شاہ نے ایک نظر پردے پر ڈالی اور پھر فائل کو بڑے پیار سے سہلاتے ہوئے کمرے سے باہر کومن روم میں آئے۔

جمال ہمدانی ایک صوفہ پر بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا۔ دروازے کی آواز سن کر چونک گیا۔ عبادت علی بڑے فاتحانہ انداز میں چلتے ہوئے اس کے قریب آئے۔ وہ انہیں دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

انہوں نے وہ فائل جمال کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "اس فائل کی قیمت ایک سو دس کروڑ روپے ہے۔ اس کے اندر جو کاغذات ہیں وہ ثابت کرتے ہیں کہ تم فہمی کے باپ نہیں ہو۔ ہمیں امید ہے، تم اس کی بہتری کے لئے اپنی زبان بند رکھو گے۔"

جمال نے بے بسی سے انہیں اور پھر فائل کو دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن فہمی دوڑتی ہوئی وہاں آ گئی۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے بیگم وقار النساء کے کمرے کی طرف اشارہ کیا پھر اپنی گونگی زبان میں انہیں کچھ سمجھانے لگی۔ جمال فوراً ہی اس کے اشاروں کو سمجھ گیا۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ وقار النساء نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ کھول نہیں رہی ہیں اور سانس بھی نہیں لے رہی ہیں۔

وہ فہمی کے ساتھ تیزی سے ان کے کمرے کی طرف بڑھا۔ عبادت علی بھی کچھ سمجھ کر اور کچھ نہ سمجھ کر ان کے پیچھے پیچھے کمرے میں آ گئے۔

لیڈی ڈاکٹر بیگم پر جھکی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ایک طرف لیٹ گئی۔ جمال ہمدانی نے اور عبادت علی نے اس کے مایوس چہرے کو دیکھا۔ جمال پردے کے دوسری طرف گیا۔ بیگم آنکھیں بند کئے ساکت پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے افسردگی سے انہیں دیکھا پھر سرخ فائل کے بارے میں سوچنے لگا۔ "لوگ آخری وقت میں بھی اختیارات کے غلط استعمال سے باز نہیں آتے۔ بیگم نے بھی جاتے جاتے ایک باپ سے بیٹی کو چھین لیا ہے۔ وہ جانتی تھیں کہ ایک مجبور باپ بیٹی کے قریب رہنے کے لئے ان کے ہر غلط فیصلے کے سامنے سر جھکائے گا۔"

☆======☆======☆

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ایک مظلوم شوہر اور ایک مجبور باپ اپنی تمام مجبوریوں اور محرومیوں کے ساتھ اپنے کمرے میں جاگ رہا تھا۔ بے بسی کو آنسوؤں میں بہا رہا تھا۔

وہ اپنی بیوی سعیدہ کی تصویر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے چارپائی سے ٹیک لگائے فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ تصویر خاموش تھی۔ مسکرا رہی تھی۔ مگر جمال بول رہا تھا۔ "سعیدہ! تم اپنی زندگی گزار کر چلی گئیں۔ مگر میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کی سزا اب تک پا رہا ہوں۔ ہماری محبت گناہ بن گئی ہے۔ یہ زندگی ایک سزا بن گئی ہے۔ بڑی ذلتیں اٹھائی ہیں۔ سعیدہ! اب تمہارے بعد بیٹی کے لئے ذلتیں اٹھا رہا ہوں لیکن کب تک؟ وہ مجھے میری بیٹی سے دور کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ مجھ سے دور رہ کر نہیں جی سکے گی۔ میں اس معصوم پر کوئی ظلم برداشت نہیں کروں گا۔"

وہ پُرجوش انداز میں فرش پر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چشم تصور میں عبادت علی شاہ سرخ فائل ہاتھ میں لئے فاتحانہ انداز میں مسکرا رہے تھے۔

جمال جذباتی انداز میں بڑبڑایا۔ "مجھے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ فہمی میری بیٹی ہے۔ میں اس کا باپ ہوں۔"

وہ آج تک بیٹی کی محبت میں ہر زیادتی برداشت کرتا چلا آ رہا تھا لیکن ظلم حد سے بڑھ جائے تو بغاوت لازمی ہو جاتی ہے۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ آئندہ اسے کیا کرنا ہے۔

☆======☆======☆

گھر کے کچھ افراد سو چکے تھے اور کچھ ابھی جاگ رہے تھے۔ زیبی کے کمرے کی لائٹ آن تھی۔ اس کی اور مراد کی باتوں کی آوازیں کمرے سے باہر سنائی دے رہی تھیں۔ وہ دونوں کمرے میں بیٹھے ہوئے رمی کھیل رہے تھے۔ بے فکری اور غیر ذمہ داریاں اسی طرح دن کو رات اور رات کو دن بنا دیتی ہیں۔

مراد نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ پر رکھے پتوں میں سے ایک پتا اٹھایا تو زیبی اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ "مراد بھائی! ابھی آپ نے ایک پتا اٹھایا تھا اور اب پھر دوسرا پتا اٹھا رہے ہیں۔ یہ بے ایمانی ہے۔"

مراد نے اپنا ہاتھ چھڑا کر کہا۔ "میں نے یہ ایک ہی پتا اٹھایا ہے۔ ہارنے لگی ہو تو جھگڑا شروع کر رہی ہو؟"

زیبی نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر اپنے تمام پتے اس کے سامنے رکھتے ہوئے

کہا۔ "یہ لیں' میں جیت گئی۔ میں ہارنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

مراد اس کے پتوں کو دیکھ کر حیرانی سے بولا۔ "تعجب ہے' اتنی جلدی سکوینس (Scvuence) بنا دیئے؟"

وہ فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگی۔ مراد کے موبائل سے بزر کی آواز سنائی دی۔ اس نے اسے اٹھانا چاہا مگر زیبی نے مراد سے پہلے اسے اٹھا کر آن کر لیا پھر کان سے لگا کر بولی۔ "ہیلو .... کون؟"

دوسری طرف سے حمیرا کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو' مجھے مراد سے بات کرنی ہے۔"

زیبی نے مراد کو دیکھا وہ پتے پھینٹ رہا تھا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ زیبی نے فون پر کہا۔ "ان کا نمبر بدل گیا ہے۔ نوٹ کرو۔" اس نے دوسرا نمبر بتا کر فون بند کر دیا۔

مراد نے اس کے سامنے پتے رکھ کر پوچھا۔ "کس کا فون تھا؟"

وہ پتے اٹھا کر بولی۔ "حمیرا کا........."

اس نے چونک کر پوچھا۔ "تم نے مجھے کیوں نہیں دیا؟ اسے کس کا نمبر بتا دیا ہے۔"

"آپ اسے اتنی لفٹ کیوں دیتے ہیں؟ وہ بہت ہی پراوڈی (Proudy) ہے۔"

مراد اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ "اس سے جھگڑا نہ کیا کرو۔ وہ تمہاری ہونے والی بھابی ہے۔"

زیبی نے چونک کر اسے دیکھا اور حیرانی سے بولی۔ "کیا؟" پھر ذرا ناگواری سے کہا۔ "آپ پھر دادا جان کو ناراض کرنا چاہتے ہیں۔"

"دادا جان تو ناراضگی کے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ مگر ہم ان کے چہیتے پوتا پوتی ہیں۔ وہ ہم سے ناراض تو ہوتے ہیں مگر چند دنوں میں مان بھی جاتے ہیں۔"

مراد اس کے سامنے مزید پتے رکھتے ہوئے بولا۔ "اس سلسلے میں تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو.......... پتے اٹھاؤ۔ اس بار میں تمہیں جیت کر دکھاؤں گا۔"

وہ دونوں پھر سے رمی کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔

☆======☆======☆

ایک بڑے صندوق پر سگریٹ کا ایک خالی پیکٹ اس طرح کٹا ہوا تھا کہ اس پیکٹ کی چاردیواری رہ گئی تھی۔ جمال ہمدانی کے ہاتھوں میں دو بڑی موم بتیاں تھیں۔ وہ اُن

موم بتیوں کو اور پیکٹ کی چاردیواری کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔ پھر اس نے دونوں موم بتیوں کو روشن کیا۔ انہیں چاردیواری کے اوپر لے آیا۔ ان روشن موم بتیوں کو ایک دوسرے سے قریب کر کے چاردیواری کے اندر موم کو پگھلانے لگا۔

بعض اوقات موم کو پگھلانے سے فولاد پگھل جاتے ہیں۔ آج وہ فولاد جیسے عبادت علی کو پگھلانے والا تھا۔ ایک بہت بڑی واردات کرنے والا تھا۔ اس واردات کے لئے موم کا پگھلنا ضروری تھا۔ ان دونوں موم بتیوں کا موم پگھلتا ہوا اُس چھوٹی سی چاردیواری کے اندر پھیلتا جا رہا تھا۔ ایک مستطیل موم کی پلیٹ بنتا جا رہا تھا۔

وہ چاردیواری پگھلے ہوئے موم سے بھر گئی۔ جمال نے اُن موم بتیوں کو بجھا دیا۔ قریب ہی چابیوں کا گچھا پڑا ہوا تھا۔ اس نے گچھے میں سے ایک چابی نکالی۔ پھر اسے مستطیل سطح کی پلیٹ پر رکھ کر دبایا۔ اس مخصوص چابی کا سانچہ تیار ہو رہا تھا۔

اس نے سگریٹ کے پیکٹ کی ایک اور چاردیواری بنائی۔ اس میں بھی موم کو پگھلایا۔ پھر گچھے میں سے دوسری چابی نکال کر اسے پگھلے ہوئے موم کی سطح پر دبایا۔ دوسری چابی کا بھی سانچہ تیار ہو گیا۔

کسی بھی لچکدار چیز کو اس کی ایک حد تک جھکانا چاہئے۔ اسے حد سے زیادہ جھکایا جائے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ یا پھر تڑپ جاتی ہے۔ جھٹکے کھا کر ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔

جمال ہمدانی کئی برسوں سے جھکتا آ رہا تھا۔ بیٹی کو پچاس کروڑ روپے کی مالکہ بنانے کے لئے باپ کے رشتے کو چھپاتا آ رہا تھا لیکن اب وہ بڑے لوگ وعدہ خلافی کر رہے تھے۔ اسے کوٹھی سے چلے جانے کا حکم دیا تھا۔ اسے بیٹی سے دور کیا جا رہا تھا۔ وہ آئندہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو نہ دیکھ سکتا تھا' نہ قریب آ کر چھو سکتا تھا۔

یہ ظلم کی انتہا تھی۔ اس انتہا نے اسے باغی بنا دیا تھا۔ اب وہ ثابت کر دینا چاہتا تھا کہ بے زبان فہمی کا باپ زندہ ہے اور اس کی زندگی میں کوئی اسے بیٹی سے جدا نہیں کر سکے گا۔

اب وہ ایسی چال چل رہا تھا' جس کی توقع عبادت علی نہیں کر سکتے تھے۔ آنے والا کل اُن کے ہوش اڑانے والا تھا۔ ابھی رات تھی۔ کوٹھی کے مکین مطمئن تھے کہ دوسری صبح ایک کانٹا پاؤں سے نکلنے والا تھا۔ وہ آرام سے سو رہے تھے۔

زیبی اور مراد رات دیر تک جاگنے کے عادی تھے۔ رمی کھیل رہے تھے۔ زیبی نے شرارت سے حمیرا کو فون پر کہا تھا کہ مراد کا فون نمبر بدل گیا ہے۔ اس نے ایک دوسرا نمبر

اسے بتا دیا تھا۔

حمیرا نے حیرانی سے سوچا تھا۔ "تعجب ہے' مراد کا فون نمبر بدل گیا اور اس نے مجھے بتایا بھی نہیں۔"

وہ ناراض ہو گئی۔ اس نے زیبی کے بتائے ہوئے نمبر پنچ کئے۔ پھر فون کو کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ دوسری طرف سے زبیر کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو' کون؟"

اس نے ناگواری سے کہا۔ "میں مراد سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ حیرانی سے زیر لب بڑبڑایا۔ "یہ تو حمیرا کی آواز لگتی ہے۔"

پھر اس نے پوچھا۔ "میں زبیر بول رہا ہوں۔ تم حمیرا ہو؟"

"او گاڈ! تم زبیر ہو لیکن یہ تو مراد کا نمبر ہے۔"

"یہ میرا موبائل فون ہے۔ اس کا نمبر میں نے صرف زیبی کو دیا تھا۔"

"ہوں' اب سمجھی۔ اس کمینی نے مجھے دھوکا دیا ہے۔"

"کس کمینی نے دھوکا دیا ہے؟"

"وہ خود کو سمجھتی کیا ہے۔ میں اسے اُلو بناؤں گی تو وہ کبھی انسان نہیں بن پائے گی۔"

"کیا تم زیبی کے خلاف بول رہی ہو؟ پلیز ذرا پیار کے لہجے میں بولو۔ وہ میری کچھ لگتی ہے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ وہ بہت اونچی چیز ہے۔ تمہاری دال نہیں گلے گی۔"

"میں محبت کے کچن کا پرانا باورچی ہوں۔ پتھر گلا دیتا ہوں۔ دال کیا چیز ہے؟"

حمیرا نے فون بند کر دیا۔ پھر مراد کے نمبر پنچ کئے۔ فون کو کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ زیبی اور مراد رمی کی آخری بازی کھیل رہے تھے۔ بزر کی آواز سنائی دی۔ مراد نے فون اٹھا کر ایک بٹن کو دبایا۔ پھر کان سے لگا کر پوچھا۔ "ہیلو۔"

دوسری طرف سے حمیرا نے غصہ سے پوچھا۔ "یہ کیا حرکت ہے؟ زیبی تمہارے پاس ہے۔ میرا مذاق اڑا رہی ہے اور تم انجوائے کر رہے ہو۔"

مراد نے زیبی کی طرف دیکھا۔ پھر فون پر کہا۔ "تم غلط نہ سمجھو۔ میں موجود نہیں تھا۔ زیبی نے میری غیر موجودگی میں شرارت کی تھی۔ تمہیں برا نہیں ماننا چاہئے۔"

زیبی مسکرا کر مراد کو دیکھ رہی تھی۔ حمیرا اس سے کہہ رہی تھی۔ "وہ ابھی تمہارے قریب ہے۔ مانتی ہوں کہ وہ تمہاری لاڈلی بہن ہے لیکن مجھے زہر لگتی ہے۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "فضول باتیں نہ کرو۔ مجھے پتہ ہے' تم مجھ سے ملنے اور خوشخبری سنانے کے لئے بے چین ہو۔ میں کل شام کو گارڈن کے اوپن ریسٹورنٹ میں ملوں گا۔ اوکے .... مذاق برداشت کرنا سیکھو۔"

اس نے شب بخیر کہہ کر فون بند کر دیا۔ زیبی نے پوچھا۔ "وہ کون سی خوشخبری سنانے والی ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولا۔ "میں ایک گیم کھیل رہا ہوں۔"

زیبی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ "اس کے باپ کے بزنس میں سرنگ بنا رہا ہوں۔ میں یہ کبھی نہیں بھولوں گا کہ اس کے باپ نے ایک بار ہمارے ڈیڈی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔"

وہ بولی۔ "اور الٹا اسے نقصان پہنچا تھا۔ ہمارے ڈیڈی سے ٹکرانے کا نتیجہ اسے مل چکا ہے۔ اب اور کیا کرنا چاہتے ہیں آپ؟"

وہ اٹھ کر جاتے ہوئے بولا۔ "میں بہت کچھ کرنے والا ہوں۔ میں جس کے پیچھے پڑ جاتا ہوں اسے دنیا چھوڑنے پر مجبور کر دیتا ہوں۔ مالی بیچارہ غریب ہے۔ اسے صرف گھر چھوڑنے پر مجبور کیا ہے۔"

وہ دروازہ کھول کر چلا گیا۔ زیبی نے جماہی لی۔ اسے نیند آ رہی تھی۔ وہ بستر پر سے تاش کے پتے سمیٹنے لگی۔

کوٹھی کے باہر رات کالی تھی۔ نہ چاند تھا' نہ ستاروں کی مدھم روشنی تھی۔ جمال کاٹیج سے نکل کر دبے قدموں چلتا ہوا کوٹھی کے پاس آیا۔ کاٹیج کے مین گیٹ پر نائٹ چوکیدار جاگ رہا تھا۔ وہ اس سے چھپتا ہوا فہمی کے دروازے پر آیا۔ ایک چابی سے اس دروازے کو کھول کر اندر جھانک کر دیکھا۔ بے زبان بیٹی گہری نیند سو رہی تھی۔ اس نے اندر آ کر بیٹی کو بڑے پیار سے دیکھا۔ پھر وہاں سے چلتا ہوا دوسرے دروازے پر آیا۔ اسے کھول کر ایک کوریڈور میں پہنچ گیا۔ چند قدموں کے بعد عبادت علی کا بیڈ روم تھا۔ کوٹھی کے تمام کمروں میں تاریکی تھی۔ وہ تاریکی بتا رہی تھی کہ ان کمروں کے مکین گہری نیند میں ہیں۔

عبادت علی بھی بے خبر سو رہے تھے۔ جمال آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ وہ اب سے پہلے بھی ان کے سیف سے ایک فائل چرانے آیا تھا لیکن اس وقت عبادت علی نیند کی حالت میں بھی بے چین تھے۔ کروٹ پر کروٹ بدل رہے تھے۔ اسے سیف

کھولنے کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے وہ چابیاں چرا کر لے گیا۔ یہ طے کر لیا کہ اہم چابیوں کے سانچے تیار کر کے ان چابیوں کے گچھے کو پھر ان کے تکیہ کے نیچے رکھ کر چلا آئے گا۔

اس نے عبادت علی کے قریب آ کر دیکھا۔ یہ یقین کیا کہ وہ گہری نیند میں ہیں۔ ایسے وقت سیف کھول کر وہ سرخ فائل نکالی جا سکتی تھی۔

وہ دبے قدموں چلتا ہوا سیف کے پاس آیا۔ اس گچھے میں سے ایک چابی لے کر اسے سیف کے کی ہول میں ڈالا۔ کبھی کبھی تدبیر کام نہیں آتی۔ کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ چابی کو کی ہول میں ڈالتے ہی ایک دم سے رک گیا۔

قریبی مسجد سے فجر کی اذان سنائی دے رہی تھی۔ وہ فوراً ہی عبادت علی کے قریب آ گیا۔ یہ سب ہی جانتے تھے کہ وہ کتنی ہی گہری نیند میں ہوں۔ اذان کی آواز پر ان کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

وہ آہستگی سے چابی کو تکیہ کے پاس رکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔ دروازے کے پاس آ گیا۔ اسے کھول کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ رہے تھے۔ جمال باہر چلا گیا۔ انہوں نے بیٹھ کر کلمہ پڑھنے کے بعد زیر لب کہا۔ "خدا کا شکر ہے۔ اذان کے ساتھ ہی آنکھ کھل جاتی ہے۔"

☆======☆======☆

فہمی بھی صبح منہ اندھیرے بیدار ہونے کی عادی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی بستر سے اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر باغیچے میں جاتی تھی۔ وہاں باپ پودوں کو پانی دیتا رہتا تھا اور وہ اس کے ساتھ ہنستی کھیلتی رہتی تھی۔

اس روز بھی وہ باغیچے میں آئی۔ وہاں اسے جمال دکھائی نہیں دیا۔ اس نے نلکے کو دیکھا' وہ بند تھا۔ پانی کے پائپ گھاس پر پڑے ہوئے تھے۔ وہ باغیچے سے گزرتی ہوئی کاٹیج کے برآمدے میں آئی۔ آج اس باغیچے میں پھولوں کی خوشبو مل رہی تھی لیکن باپ کی خوشبو نہیں مل رہی تھی۔

اس نے کاٹیج کے برآمدے میں رک کر دور تک متلاشی نظروں سے دیکھا۔ پھر دروازہ کھول کر اندر آئی۔ وہاں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ وہ کمرہ اس کے باپ کے وجود سے خالی تھا۔ ایک بڑے سے صندوق پر بجھی ہوئی موم بتیاں' ماچس کی ڈبیا اور پھٹے ہوئے سگریٹ کے پیکٹ اِدھر اُدھر پڑے ہوئے تھے۔

اس نے دوسرے کمرے میں جا کر دیکھا۔ وہاں بھی وہ نظر نہیں آیا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ بچپن سے اب تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ ہر صبح اپنے باپ کا چہرہ دیکھتی تھی۔ آج پہلی بار وہ چہرہ گم ہو گیا تھا۔

وہ کاٹیج سے باہر آ گئی۔ باغیچے میں کھڑی ہو کر سوچنے لگی۔ پانی کا پائپ گھاس پر پڑا ہوا تھا۔ اس پائپ کے ایک سرے کو اٹھا کر اسے نلکے سے لگا کر اسے کھول دیا۔ پانی آنے لگا۔ وہ پائپ اٹھا کر پودوں کو پانی دینے لگی۔

عبادت علی نماز سے فارغ ہو کر کمرے سے باہر آئے' آج وہ بہت مطمئن تھے۔ دماغ میں چبھتے رہنے والا کانٹا نکل چکا تھا۔ انہوں نے کھلی فضا میں اطمینان کی ایک گہری سانس لے کر باغیچے کی طرف دیکھا پھر چونک گئے۔ ایک طرف پودوں پر پانی کی پھواریں پڑ رہی تھیں۔ یہ تو سمجھ میں آ گیا کہ پائپ کے ذریعے پودوں کو پانی دیا جا رہا ہے لیکن پانی دینے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ ایک بڑے سے درخت کی آڑ میں تھا۔ ان کی ساری خوشیاں ماند پڑ گئیں۔ ایک مالی نے ان کے حکم کی تعمیل نہیں کی تھی۔ اسے کوٹھی سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔ وہ نافرمان حکم عدولی کر رہا تھا۔

وہ غصے میں تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے ادھر جانے لگے۔ ایسے ہی وقت فہمی دوسرے پودوں کو پانی دینے کے لئے آگے بڑھی۔ تو وہ اسے دیکھ کر رک گئے۔ خوش ہو گئے کہ دشمن جا چکا ہے۔ اپنے نقشِ قدم چھوڑ گیا ہے۔ بیٹی اس کا نقشِ قدم تھی۔ اب ہمیشہ ان کے ساتھ رہنے والی تھی۔

فہمی نے انہیں دیکھا تو پائپ کو ایک طرف پھینک کر دوڑتی ہوئی ان کے پاس آئی۔ کاٹیج کی طرف اشارہ کر کے اشاروں کی زبان سے بتانے لگی کہ جمال ہمدانی وہاں نہیں ہے۔ کہیں بھی نظر نہیں آ رہا۔

عبادت علی نے اس کے شانے کو تھپک کر کہا۔ ”بیٹی! میں نہیں جانتا' وہ کہاں گیا ہے؟ تم فکر کیوں کرتی ہو' وہ اپنی مرضی سے گیا ہے۔ اسے واپس آنا ہو گا تو آئے گا۔ ہماری تو دعا ہے کہ کبھی واپس نہ آئے۔“

وہ اپنے نانا کی باتیں نہ سن سکتی تھی' نہ سمجھ سکتی تھی۔ نانا جان نے ہاتھ کے اشاروں سے کہا۔ ”ہمارے ساتھ چلو' ناشتہ کرو۔“

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ پیچھے ہٹ کر اپنی گونگی اداؤں سے بولی۔ ”وہ آئیں گے تو ناشتہ کروں گی' ورنہ بھوکی رہوں گی۔“

انہوں نے تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ جمال ہمدانی یہاں سے چلا جائے گا تو وہ اس کی واپسی کے لئے ضد کرتی رہے گی' روتی رہے گی' غصہ دکھاتی رہے گی۔ ایسے وقت اسے سمجھایا منایا جائے گا۔ لوگ مرنے والوں اور بچھڑنے والوں کا کتنے دنوں تک ماتم کرتے ہیں؟ وہ بھی کتنے دنوں تک ماتم کرے گی' تھک ہار کر چپ ہو جائے گی۔

☆======☆======☆

کبریٰ اور نفاست ڈائننگ روم میں بیٹھے ناشتے میں مصروف تھے۔ رات کے وقت جاگنے والے سو رہے تھے اور سونے والے بیدار ہو چکے تھے۔ سب اپنی اپنی زندگی میں مست تھے۔ امیر گھرانوں کا یہی دستور ہے۔ کوئی کسی کو نہیں پوچھتا کہ گھر کے تمام افراد کہاں ہیں۔

کبریٰ بڑا سا نوالہ زبردستی منہ میں ٹھونس کر اسے بمشکل چباتے ہوئے بولی۔ ”آپ کے ابا جان تو بس ایک شوشہ چھوڑ دیتے ہیں۔“

نوالہ منہ میں بھرا ہوا تھا جس کے باعث نفاست کو اس کی آواز بدلی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے چونک کر سر اٹھا کر اس طرح دیکھا جیسے کوئی تیسرا فرد اچانک وہاں آ گیا ہو۔ پھر اسے دیکھ کر ناگواری سے سر جھٹک کر ناشتے میں مصروف ہو گیا۔

وہ اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ”آپ کے ابا جان نے میری نیند حرام کر دی ہے۔ میں تو تمام رات سو بھی نہ سکی۔“

نفاست نے حیرانی سے پوچھا۔ ”انہوں نے ایسا کیا کہہ دیا؟“

وہ چڑ کر بولی۔ ”آپ تو رات کی بات صبح بھول جاتے ہیں۔ بادام کا حلوہ کھایا کریں۔“

خانساماں ایک ٹرے لے کر آیا۔ اسے میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ ”لیجئے گرما گرم پراٹھے کھائیں۔ صبح کے ناشتے کا مزہ تو گرم پراٹھوں میں ہے۔“

کبریٰ کی بات پوری نہیں ہو رہی تھی۔ وہ الجھ کر بولی۔ ”بن میاں! بات میں لات نہ مارا کرو۔ کیا کہہ رہی تھی؟ بھول گئی۔“

وہ چہک کر بولا۔ ”لات کی بات پر یاد آیا۔ آپ لات کھائیں گی' مرغے کی؟“

نفاست نے مسکرا کر بن سے کہا۔ ”یہ بڑے شوق سے کھاتی ہیں' لے آؤ۔“

کبریٰ نے پہلے نفاست کو اور پھر بن کو گھور کر دیکھا۔ پھر اسے ڈانٹ کر کہا۔ ”جاؤ یہاں سے۔“

بن تیزی سے پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔ پھر وہ نفاست کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ”ہاں.......... یاد آیا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ فہمی کی اصلیت کچھ اور ہے۔“

وہ کرسی کھسکا کر سرگوشی میں بولی۔ ”کیا اس کے پیچھے کوئی راز ہے؟“

”راز کیا ہو سکتا ہے' امی جان نے اس کے نام کچھ کیا ہو گا۔“

”کچھ کیا ہوتا ہے؟ آپ کچھ تو اندازہ کریں۔“

”میں نے ہمیشہ ابا جان کی حمایت کی ہے اور امی جان کو ناراض کیا ہے۔ میں ان کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔“

وہ چپ ہو گیا۔ پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ”پھر بھی ایک اندازہ ہے کہ انہوں نے فہمی کو دو چار کروڑ تو ضرور دیئے ہوں گے۔“

کبریٰ سینے پر ہاتھ رکھ کر حیرت اور مسرت سے بولی۔ ''دو چار کروڑ..........!''

نفاست ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کبریٰ نے اسے عاجزانہ انداز میں مخاطب کیا۔

''سنئے جی!''

''سنایئے جی۔''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ''وہ .... میں .... میں کہنا چاہ رہی ہوں کہ فہمی بڑی پیاری ہے۔''

وہ ہچکچا رہی تھی۔ ذرا توقف کے بعد بولی۔ ''وہ ہمارے بیٹے حسرت کے لئے .... کیسی رہے گی؟''

نفاست نے چونک کر اسے دیکھا پھر بولا۔ ''ذرا دم لو .... اتنی تیز نہ بھاگو۔''

وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ ''ارے میں کیا تیزی دکھاؤں گی؟ مجھ سے تیز تو ہمارے بچے بھاگ رہے ہیں۔ یاد ہے اس روز' وہ دونوں کمرے میں بند تھے۔ ہم نے کمرہ کھلوایا تھا۔''

نفاست تائیدی انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ''ہوں .... فہمی اور حسرت میں اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔''

کبریٰ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی۔ ''چلیں' ابا جان کے پاس چلیں۔''

نفاست نے حیرانی سے اسے دیکھا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھاتے ہوئے بولا۔ ''بیٹھو' بیٹھ جاؤ .... تم ریس کے میدان میں جاؤ گی تو گھوڑوں سے آگے نکل جاؤ گی۔ پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ تو لو۔''

وہ ناگواری سے بولی۔ ''سوچنا سمجھنا کیا ہے' سیدھی سی بات سمجھ میں آتی ہے۔ ہمارا حسرت نکما ہے کبھی چار پیسے نہیں کمائے گا۔ اسے مقدر سے یہ سنہری موقع مل رہا ہے۔ وہ گھر بیٹھے دو چار کروڑ کما لے گا۔ پھر ہم سوچنے میں وقت کیوں ضائع کریں؟''

زیبی ڈائننگ روم میں آئی۔ کبریٰ اسے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''ہائے ممی! ہائے ڈیڈ! کیا باتیں ہو رہی ہیں؟''

بڑے گھرانوں کا دن اسی طرح ہائے ہائے سے شروع ہو کر بائے بائے پر اختتام پذیر ہوتا ہے لیکن ایسی ہائے ہائے کرنے والے سے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ تمہیں تکلیف کہاں ہے؟ اس نے ایک توس پر مکھن لگایا۔

نفاست نے پراٹھوں کی ڈش زیبی کی طرف بڑھا کر کہا۔ ''بیٹی! یہ پراٹھے لو .... بن بڑے مزے کے پراٹھے بناتا ہے۔''

وہ ناگواری سے منہ بسور کر بولی۔ ''او نو ڈیڈ .... میں فیٹی اور بلکی نہیں ہونا چاہتی۔ اسی طرح سلم اور اسمارٹ رہنا چاہتی ہوں۔''

کبریٰ نے مسکرا کر نفاست کی طرف دیکھا پھر زیبی سے کہا۔ ''فہمی بھی بہت سلم ہے' ہے نا .... بڑی پیاری لگتی ہے۔ دیکھو تو بس دیکھتے ہی رہ جاؤ۔''

زیبی بڑی حیرانی سے ماں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بولی۔ ''بیٹی! تم صحیح مشورہ دو گی۔ یہ بتاؤ کہ فہمی اور حسرت کی جوڑی کیسی رہے گی؟''

زیبی کو ماں کی بات سن کر زور کا ٹھسکا لگا۔ کبریٰ اور نفاست نے اس کی حالت دیکھ کر پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اٹھ کر اس کے پاس آئے۔ کبریٰ اس کی پیٹھ سہلانے لگی۔

نفاست نے ایک گلاس میں پانی انڈیلا۔ پھر اسے پلاتے ہوئے کبریٰ سے بولا۔ ''خدا کے لئے یوں زلزلے پیدا نہ کیا کرو۔ دیکھو اس کا کیا حال ہو رہا ہے؟''

پانی پی کر اسے کچھ تسلی ہوئی۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ حسرت نے وہاں آ کر پوچھا۔ ''اسے کیا ہوا؟''

کبریٰ حسرت کو دیکھ کر چہکی۔ ''اے بیٹا! خوشخبری سنائی تھی۔ تم سنو گے تو خوشی سے ناچنے لگو گے۔ بات یہ ہے کہ..........''

نفاست جلدی سے اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''نہیں کبریٰ! نہیں .... میرے بچوں کو معاف کر دو۔''

پھر اس نے حسرت کا ہاتھ پکڑ کر ڈائننگ روم سے باہر جاتے ہوئے کہا۔ ''بیٹے! کچن میں یا اپنے کمرے میں ناشتہ کرو۔ فی الحال یہاں کی آب و ہوا موافق نہیں ہے۔''

حسرت حیرت سے یہ ساری صورت حال دیکھ رہا تھا' سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ان تینوں کے درمیان کیا مسئلہ چل رہا ہے۔

کبریٰ نے زیبی سے کہا۔ ''یہ تو باؤلے ہو رہے ہیں' تم تو اپنی ماں کو سمجھتی ہو۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ..........''

زیبی چیخ کر حسرت اور نفاست کی طرف لپکی۔ ''ڈیڈ! ہیلپ .... ہیلپ..........''

وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے وہاں سے چلی گئی۔ کبریٰ بڑبڑانے کے انداز میں بولی۔ ''اونہہ .... میں بھی کہاں پھنس گئی ہوں' یہ لوگ میرے ذہن کے نایاب منصوبوں کو

سمجھ ہی نہیں رہے ہیں۔"

پھر وہ کچھ سوچ کر اور معنی خیز انداز میں مسکرا کر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔

☆======☆======☆

کالج کے فیس کاؤنٹر پر طلباء و طالبات کثیر تعداد میں جمع تھے۔ مہینے کی شروع تاریخوں میں ایسا منظر اکثر نظر آتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں اپنے اپنے فیس کارڈ اور فیس لئے اپنی باری کے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں۔ کچھ خودسر دوسروں کو دھکے دے کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔

عالیہ بھی فیس جمع کروانے وہاں آئی تھی۔ کبھی وہ کاؤنٹر کو اور کبھی اپنے اردگرد متلاشی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے کسی کو ڈھونڈ رہی ہو۔ اس کی باری آنے والی تھی۔ وہ کاؤنٹر کی طرف منہ کر کے کھڑی ہو گئی۔ اسی وقت اسد اس سے کچھ فاصلے پر پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔

عالیہ نے فیس جمع کروا کر رسید لیتے ہوئے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔ "اسد نے فیس جمع کرائی ہے؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی جمع کروائی ہے۔"

"کیا بتا سکتے ہو کہ وہ کس طرف گیا ہے؟"

اسد نے کاؤنٹر کلرک کو ہاتھ کے اشارے سے سمجھایا کہ اسے یہ نہ بتایا جائے کہ میں اس کے پیچھے کھڑا ہوں۔ کلرک اس کا اشارہ سمجھ کر مسکرایا پھر بولا۔ "میں نہیں جانتا۔"

عالیہ نے پوچھا۔ "تم مسکرا کیوں رہے ہو؟"

"کیا تم مسکراہٹ پر پابندی لگاؤ گی؟"

عالیہ اپنے سوال پر شرمندہ سی ہو کر جانے لگی۔ اسد فوراً ہی ایک طرف ہٹ گیا۔ جب وہ آگے بڑھ گئی تو وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ کالج کے برآمدے سے گزرتے ہوئے عالیہ کی ایک سہیلی اس کے قریب آ کر بولی۔ "ہائے عالیہ! کلاس اٹینڈ نہیں کرو گی؟"

"کروں گی .... لیکن پہلے یہ بتاؤ کیا تم نے اسد کو دیکھا ہے؟"

اسد نے اسے بھی ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ عالیہ کی سہیلی ہنسنے لگی۔

عالیہ نے پوچھا۔ "ہنس کیوں رہی ہو؟"

"اپنا سایہ اپنے ہی آگے پیچھے ہوتا ہے۔ دوسروں سے پوچھو گی تو ہنسی ہی آئے گی۔"

وہ ہنستی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ عالیہ بڑبڑائی۔ "پاگل ہے۔"

اچانک اسد کے موبائل سے بزر کی آواز ابھری۔ عین اسی وقت عالیہ کے سامنے کھڑے ہوئے ایک اسٹوڈنٹ کے موبائل سے بھی بزر کی آواز سنائی دی۔ عالیہ نے اس کی طرف دیکھا۔

اسد فوراً اپنا موبائل آن کر کے اس سے دور چلا گیا۔ پھر اسے کان سے لگا کر بولا۔

"او ممی! I love you. میں آپ کو فون کرنے ہی والا تھا۔"

عالیہ اس کی آواز سن کر چونکی۔ پھر پلٹ کر دیکھا تو وہ فون کان سے لگائے باتوں میں مصروف تھا۔

دوسری طرف سے کبریٰ خوش ہو کر بولی۔ "میرا بچہ! تمہیں دیکھنے کے لئے تو آنکھیں ترس جاتی ہیں۔ آخر کتنی لمبی پڑھائی پڑھ رہے ہو؟ ماں سے ملنے بھی نہیں آ سکتے؟"

عالیہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ فون پر اپنی ممی کو بتا رہا تھا۔ "اس مہینے کی پندرہ تاریخ سے Exams ہونے والے ہیں۔ Papers سے فارغ ہوتے ہی میں آپ کے پاس چلا آؤں گا اور پتہ ہے' میں نے آپ کو خواب میں دیکھا تھا۔"

کبریٰ اور نفاست ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اسد کی بات سن کر خوشی سے بولی۔ "میرا بچہ!"

پھر نفاست کو مخاطب کر کے کہا۔ "سنا آپ نے .... اس نے مجھے خواب میں دیکھا تھا۔"

نفاست بولا۔ "تمہیں خوش کر رہا ہو گا۔ جوان بچے خوابوں میں ماں کو نہیں کسی اور کو دیکھتے ہیں۔"

وہ چڑ کر بولی۔ "آپ تو یہی کہیں گے۔ اس نے آپ کو جو خواب میں نہیں دیکھا........"

ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ "لاؤ فون مجھے دو۔"

کبریٰ نے فون پر اسد سے پوچھا۔ "اپنے ڈیڈی سے بات کرو گے' ہاں یہ تو بتاؤ

عالیہ کیسی ہے' کیا اسے بھی فون کرنے کی فرصت نہیں ملتی؟"

وہ ریسیور نفاست کو دینے کے بجائے دوبارہ باتوں میں مصروف ہو گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ اب باتوں کا سلسلہ مزید طول پکڑے گا۔ اس لئے وہ وہاں سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

اسد موبائل کان سے لگائے ہوئے بولا۔ "بے چاری عالیہ کو کیسے فرصت ملے گی' وہ تو دن رات گرین کارڈ کے خواب دیکھتی رہتی ہے۔ کہتی ہے کوئی امریکہ سے اس کے لئے گرین کارڈ لائے گا اور اسے دلہن بنا کر لے جائے گا۔"

وہ اس کی باتیں سن رہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔ اسد کو خبر نہیں تھی کہ وہ اس کے پیچھے کھڑی ہے۔ عالیہ نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارا۔ وہ چونک کر پلٹا۔ اس نے اسد کے ہاتھ سے موبائل فون چھین کر کان سے لگایا۔ پھر بولی۔ "ہیلو' خالہ امی! کیسی ہیں آپ؟"

دوسری طرف سے کبریٰ کی آواز سنائی دی۔ "جیتی رہو بیٹی! میں اچھی ہوں۔ ہم سب خیریت سے ہیں۔ اسد کہہ رہا تھا کہ امتحانات سے فارغ ہوتے ہی آ جائے گا۔ تم بھی آ رہی ہو نا؟"

وہ اسد کی طرف دیکھ کر بولی۔ "آؤں گی اور کہاں جاؤں گی؟ میرا اس دنیا میں آپ کے سوا کون ہے؟ میں نے تو آپ کی گود میں ہی آنکھیں کھولی ہیں۔ آپ ہی کے سائے میں پرورش پائی ہے۔ آپ ہی میری ماں ہیں' آپ ہی میری دنیا ہیں۔"

اسد نے اس کے ہاتھ سے فون لے کر آف کر دیا۔ عالیہ نے حیرت سے پوچھا۔ "یہ کیا؟"

"اتنی جذباتی ہو رہی تھیں کہ میری آنکھوں سے آنسو نکلنے والے تھے۔ بے چاری یتیم اور یسیر لڑکی۔"

وہ افسردگی سے سر جھکا کر بولی۔ "نہ امی رہیں' نہ ابو رہے۔ یتیم یسیر ہی کہلاؤں گی۔"

وہ اس کے سر پر چپت مار کر بولا۔ "اے خبردار! سیریس نہ ہونا۔ ورنہ........"

اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "دیکھو........ گدگدی نہ کرنا۔ مجھے ہنسی آ جاتی ہے۔"

"تو پھر ہنسو۔"

وہ مسکرانے لگی۔

اس عمر میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ کالج کے ماحول میں بے فکری ہوتی ہے' لاپرواہی ہوتی

ہے اور مستیوں میں ڈوبی ہوئی زندگی' انہیں گدگداتی ہے' ہنساتی ہے اور ہنساتے ہنساتے رلا بھی دیتی ہے۔ ابھی ان کے رونے کے دن نہیں تھے۔ اس لئے وہ ہنس رہے تھے۔

☆======☆======☆

فراز حوالات میں ناکردہ گناہ کی سزا پا رہا تھا۔ وہ آہنی سلاخوں کے پیچھے کھڑا بے بسی سے سوچنے لگا۔ "یہ دنیا بھی کیا خوب جگہ ہے؟ جرم کرنے والے سلاخوں کے باہر ہوتے ہیں اور جو جرم کرنا نہیں جانتے' انہیں یہاں لا کر بند کر دیا جاتا ہے۔ ہم فریاد بھی کریں تو کس سے کریں؟ سنا ہے' عدالتوں سے انصاف ملتا ہے لیکن کسی بھی عدالت تک پہنچنے کے لئے لال اور ہرے نوٹوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ قانون اندھا ہے' قانون کے محافظ بھی اندھے ہیں۔ ایک بے گناہ بھائی آج ان کے اندھے پن کے باعث اپنی بہن کی ڈولی کو کاندھا بھی نہ دے سکا۔"

وہ مرد تھا' آنسو نہیں بہا سکتا تھا مگر دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے بہن عروسی جوڑے میں اس کا انتظار کر رہی تھی' اسے پکار رہی تھی لیکن وہ بے بس تھا' مجبور تھا۔ فلمی ہیرو کی طرح سلاخیں توڑ کر بھاگ نہیں سکتا تھا۔

صمد شاہین انسپکٹر کے کمرے میں موجود تھا اور فراز کی ضمانت کے کاغذ پر دستخط کر رہا تھا۔

اس نے کہا۔ "میں نے ضمانت کے طور پر پچاس ہزار روپے دیئے ہیں۔ اگر کیس یہیں ختم کر دو گے تو مزید پچاس ہزار بھیج دوں گا۔ ورنہ اپنے دوست کے لئے ساری عمر مقدمہ لڑتا رہوں گا۔ ہم اور آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں' وہ بندہ غلط نہیں ہے۔ اسے ضرور تا پھنسایا گیا ہے۔"

انسپکٹر نے کمرے میں کھڑے ہوئے سپاہی کو حکم دیا۔ "جاؤ اس ٹیکسی ڈرائیور کو لے آؤ۔"

سپاہی حکم کے مطابق باہر آ گیا۔ پھر حوالات کے باہر کھڑے ہوئے سپاہی سے بولا۔ "ٹیکسی ڈرائیور کی ضمانت ہو گئی ہے۔ تالا کھولو۔"

فراز حیران پریشان سا حوالات سے باہر آیا۔ سپاہی کے ساتھ چلتا ہوا انسپکٹر کے کمرے میں پہنچا۔ صمد نے مسکرا کر اس کے شانے کو تھپک کر کہا۔ "ڈونٹ وری........ میں نے مک مکا کرا دیا ہے۔ اب یہ تمہیں پریشان نہیں کریں گے۔"

فراز نے اس کے ساتھ تھانے سے باہر آتے ہوئے کہا۔ "یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ

میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا ہے؟ میری تو کسی سے دشمنی بھی نہیں ہے۔"

"بعض اوقات دوستی کے پیچھے دشمنی اور دشمنی کے پیچھے دوستی چھپی ہوتی ہے۔ تم بہت بھولے ہو۔ ایسی الجھی ہوئی باتوں کو مشکل سے سمجھو گے۔"

وہ دونوں کار میں آکر بیٹھ گئے۔ صمد نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ فراز اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بڑے دکھ سے بولا۔ "میری بھی کیا قسمت ہے؟ بہن کی شادی ہو چکی ہوگی اور میں اب جا رہا ہوں۔"

صمد کا دھیان فراز کی طرف تھا۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ سگنل بند ہے۔ سرخ لائٹ جل رہی ہے۔ اس نے ایک دم بریک لگائی کار ایک جھٹکے سے رک گئی۔

اس نے فراز سے کہا۔ "ہر شخص کو حالات کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔ پھر سنبھلنا بھی پڑتا ہے۔ مجھے یقین ہے' جب تم واپس آؤ گے تو بڑی حد تک سنبھل چکے ہو گے۔"

فراز اس کی بات سن کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ جیسے اسے صمد کی بات اچھی نہ لگی ہو۔ پھر وہ چونک گیا۔ سگنل کے انتظار میں کھڑی ہوئی دوسری کار کی پچھلی سیٹ پر اسے زیبی کا چہرہ دکھائی دیا۔

فراز اسے بڑے شوق سے اور بڑی لگن سے دیکھنے لگا۔ وہ کھڑکی سے باہر دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ چوراہے کی سبز لائٹ آن ہو گئی۔ دونوں کاریں ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگیں۔

وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ کچھ دور جا کر زیبی کی کار دوسری طرف مڑ گئی۔ اسے ایسا لگا' جیسے منزل قریب آکر پھر سے دور ہو گئی ہے۔

خیالوں میں دلہن بن کر آنے والی کبھی کبھی آتی تھی پھر آتے ہی چلی جاتی تھی۔

☆======☆======☆

فہمی دیوانوں کی طرح جمال ہمدانی کو پوری کوٹھی میں ڈھونڈ رہی تھی۔ صبح گزر چکی تھی' دوپہر ہو رہی تھی لیکن اسے اب تک اپنے باپ کا چہرہ دکھائی نہیں دیا تھا۔

عبادت علی' نفاست' کبریٰ اور حسرت ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے نانا جان کے قدموں میں آکر بیٹھ گئی اور ان کے زانو پر سر رکھ کر رونے لگی۔

نفاست نے اسے دیکھ کر کہا۔ "ابا جان! ہم صبح سے سمجھا رہے ہیں اور اب یہ دن ہو چلا ہے۔ یہ مالی کے سوا کسی کو سمجھنا ہی نہیں چاہتی ہے۔"

وہ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بے بسی سے بولے۔ "ہمیں کیا معلوم تھا کہ وہ نہیں رہے گا تو یہ ہمارا سکون برباد کر دے گی۔"

اس نے سر اٹھا کر اپنے نانا جان کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ کبریٰ نے کہا۔ "اس سے کہہ دیں' مالی مر چکا ہے' یہ روئے گی' چلائے گی۔ پھر اسے صبر آ جائے گا۔"

فہمی اپنے گونگے اشاروں میں عبادت علی سے پوچھنے لگی۔ "وہ کہاں ہے' وہ کیوں نہیں آتا؟ اسے بلاؤ۔"

وہ بے زبان ان سے پوچھ رہی تھی کہ اس کا باپ کہاں گیا' وہ اپنی نواسی سے کیا کہتے کہ وہ گیا نہیں ہے' بھیجا گیا ہے۔ اسے یہاں سے نکالا گیا ہے۔

نفاست نے اشاروں سے اسے سمجھایا۔ "وہ نہیں آئے گا۔ وہ مر چکا ہے۔"

فہمی نے انکار میں سر ہلا کر اپنے نانا جان کی طرف دیکھا۔ وہ بولے۔ "اپنی ضد سے باز آ جاؤ۔ وہ مر چکا ہے۔ وہ کبھی نہیں آئے گا۔"

وہ حلق پھاڑ کر چیختی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ نفاست نے اس کا راستہ روک لیا۔ وہ پلٹ کر زینے کی طرف بڑھی۔

عبادت علی اسے آوازیں دینے لگے۔ "بیٹی! یہاں آؤ۔"

کبریٰ نے حسرت سے کہا۔ "بیٹے! وہ تمہاری بات مانتی ہے' تم ہی اسے روکو۔"

حسرت زینے کے پاس آکر اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلانے لگا۔ "فہمی! میرے پاس آؤ۔"

اس نے حسرت کی طرف دیکھا۔ اس پر ایک جنون طاری تھا۔ کسی کے اشاروں کو سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ روتی' کراہتی تیزی سے اوپر چڑھنے لگی۔

مراد اپنے کمرے سے نکل کر زینے کی طرف آ رہا تھا۔ وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر سہم گئی۔ وہ آگے بڑھا۔ وہ خوفزدہ سی ہو کر پلٹی تو پیروں کے توازن کو برقرار نہ رکھ سکی۔ چیخیں مارتی ہوئی زینے سے لڑھکتی ہوئی ڈرائنگ روم کے فرش پر آکر گر پڑی۔

سب اسے آوازیں دیتے ہوئے اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ وہ ساکت پڑی ہوئی تھی۔ شاید بے ہوش ہو گئی تھی۔ عبادت علی اس کے سر سے بہتے ہوئے لہو کو دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ اسے جھنجھوڑنے لگے' آوازیں دینے لگے۔ "فہمی! میری بچی' آنکھیں کھولو۔"

حسرت اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔ "فہمی! فہمی اٹھو ....

ہماری طرف دیکھو۔"

کبریٰ نے مراد سے کہا۔ "ارے جلدی سے پانی لاؤ۔ یہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ پانی کے چھینٹوں سے ہوش میں آ جائے گی۔"

سب اس پر جھکے ہوئے تھے۔ اچانک فہمی نے آنکھیں کھولیں۔ نقاہت بھرے انداز میں نانا جان کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ اسے ہوش میں دیکھ کر مراد جاتے جاتے وہیں رک گیا۔

وہ ایک ایک کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کی نظر مراد کے چہرے پر پڑی۔ وہ دہشت زدہ سی ہو کر اٹھ بیٹھی۔ پھر کھڑی ہو گئی اور چیخیں مارتی ہوئی وہاں سے بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ سب اس کے یوں اچانک بھاگنے سے پریشان ہو گئے۔

عبادت علی نے چیخ کر نفاست سے کہا۔ "اسے باہر نہ جانے دو۔ پکڑ لو۔"

نفاست کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہوا باہر آ گیا۔ فہمی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ مین گیٹ کی طرف دوڑ رہی تھی۔

نفاست نے چیخ کر چوکیدار سے کہا۔ "خان بابا! گیٹ بند کر دو۔ اسے جانے نہ دو۔"

چوکیدار نے فوراً ہی ایک بڑا سا تالا مین گیٹ پر ڈال دیا اور خود گیٹ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

نفاست کے پیچھے کبریٰ، حسرت، مراد اور عبادت علی بھی باہر چلے آئے۔ فہمی گیٹ بند دیکھ کر رک گئی۔ اس نے چوکیدار کو دیکھا وہ راستہ روک کر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ نفاست اور حسرت اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ سر سے لہو بہہ کر اس کے چہرے کو سرخ کر رہا تھا۔ اس پر جنون کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر باغیچے کی طرف دوڑتی چلی گئی۔

نفاست نے اسے پکارا۔ "فہمی! رک جاؤ۔"

عبادت علی جھنجلا کر بولے۔ "کیا مصیبت ہے' وہ سن نہیں سکتی اور ہم اسے آوازیں دیئے جا رہے ہیں۔ اسے کسی طرح قابو میں کرو۔"

مراد آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "آپ سب ہٹ جائیں' میں اسے پکڑ لوں گا۔"

وہ کاٹیج کے دروازے پر آ کر رک گئی۔ وہ سب بھی وہاں پہنچ گئے۔ مراد اسے پکڑنے کے لئے آگے بڑھا۔

فہمی نے متلاشی نظروں سے فرش پر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسے ایک پتھر نظر آیا۔ اس نے اسے اٹھا کر مراد کی طرف پھینکا۔

کبریٰ نے چیخ کر کہا۔ "مراد! واپس آ جاؤ۔ وہ پاگل ہو گئی ہے۔"

اس نے ایک اور پتھر اٹھایا۔ مراد پہلے حملے سے بچ گیا تھا لیکن دوسرا پتھر اس کی ٹانگ پر آ کر لگا۔ وہ وہیں رک گیا۔ جھک کر اپنی زخمی ٹانگ سہلانے لگا۔

فہمی ایک بار پھر بھاگنے لگی۔ وہ کاٹیج کے سامنے والی راہداری میں بھاگ رہی تھی۔ وہاں باغبانی سے تعلق رکھنے والے مختلف قسم کے اوزار پڑے ہوئے تھے۔ ایک جگہ پانی کا پائپ اِدھر سے اُدھر تک پھیلا ہوا تھا۔

وہ اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔ اچانک اس کے پاؤں فرش پر پھیلے ہوئے پانی کے پائپ میں الجھ گئے۔ وہ اوندھے منہ فرش پر گر پڑی۔ وہاں پودوں کو کاٹنے والی بڑی سی قینچی اور ایک بڑا سا چھرا پڑا ہوا تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر چھرا اٹھا لیا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ سب اس سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔ پھر کاٹیج کی طرف دیکھ کر گونگے اشاروں میں کہنے لگی۔ "اس کاٹیج میں رہنے والے کو یہاں لاؤ۔"

وہ سب حیران پریشان ہو کر اسے دیکھ رہے تھے۔ کسی میں اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں تھی۔ سب اسے قابو میں کرنے کی تدبیر سوچ رہے تھے۔

وہ چھرے کو سر سے اوپر کر کے حملہ کرنے انداز میں آگے بڑھی۔ وہ سب پریشان ہو کر پیچھے ہٹنے لگے لیکن حسرت وہیں کھڑا رہا۔ کبریٰ نے اسے آواز دے کر کہا۔ "حسرت! پیچھے ہٹ جاؤ۔ اس کے سر پر تو خون سوار ہے۔ یہ لڑکی آج کچھ نہ کچھ کر کے ہی دم لے گی۔"

نفاست پریشانی سے بولا۔ "ایک مالی کے لئے اتنی جذباتی ہو رہی ہے۔"

اس کی بات سن کر عبادت علی اپنی بغلیں جھانکنے لگے۔ وہ کسی سے کیا کہتے کہ فہمی ایک مالی کے لئے یہ سب کچھ نہیں کر رہی ہے۔ اسے تو باپ کی شفقت اور خون کی کشش ایسا کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔

حسرت بدستور اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تھا۔ فہمی آگے بڑھتے بڑھتے اس سے کچھ فاصلے پر

رک گئی۔ حسرت نے اشاروں میں اسے سمجھایا۔ "اس کاٹیج میں رہنے والا آئے گا۔ ضرور آئے گا۔ یہ ہتھیار پھینک دو۔"

وہ اس کے اشارے سمجھ کر خوش ہوئی پھر رونے لگی۔ اس کے ہاتھ سے چھرا گر پڑا۔ وہ بانہیں پھیلا کر حسرت کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے منہ سے اور سر سے خون اب بھی رِس رہا تھا۔

وہ مزید دو قدم آگے بڑھی۔ نقاہت کے باعث اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ قدم ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا۔ وہ ڈگمگائی۔ اس سے پہلے کہ وہ گرتی' حسرت نے فوراً آگے بڑھ کر اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

عبادت علی نواسی کو گرتے دیکھ کر جلدی سے آگے بڑھے۔ حسرت نے اس پھول جیسے معصوم وجود کو بازوؤں میں بھر کر گود میں اٹھا لیا۔ پھر ان سے کہا۔ "یہ بے ہوش ہو چکی ہے۔ خون بہت زیادہ بہہ چکا ہے۔ آپ لوگ فوراً ڈاکٹر کو فون کریں۔ میں اسے کمرے میں لے کر جا رہا ہوں۔"

انہوں نے نفاست سے کہا۔ "فوراً ڈاکٹر لے کر آؤ۔"

نفاست تیزی سے اپنی کار کی طرف بڑھا۔ کبریٰ نے کہا۔ "آپ کہاں جا رہے ہیں؟ ڈاکٹر کو فون کر کے بھی تو بلایا جا سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہ آنے میں کچھ وقت لگائے۔ وہاں جاؤں گا تو اپنی کار میں ہی اسے لے آؤں گا۔"

وہ کار ڈرائیو کر کے کوٹھی کے احاطے سے باہر چلا گیا۔ کبریٰ نے پلٹ کر دیکھا۔ باغیچے میں کوئی نہیں تھا۔ وہ تینوں فہمی کو اندر لے جا چکے تھے۔ وہ بھی تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے اندر چلی گئی۔

حسرت نے فہمی کو بیڈ پر لٹا دیا۔ خون کے بہاؤ کو روکنے کے لئے ایک کپڑا اس کے سر پر باندھ دیا۔ نانا جان نواسی کی حالت دیکھ دیکھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ پھر دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھ کر بولے۔ "یہ نفاست کہاں رہ گیا ہے' اتنی دیر......"

ان کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ نفاست ڈاکٹر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ وہ فہمی کے بیڈ کے قریب ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا اور اس کے دائیں ہاتھ کی نبض دیکھنے لگا۔ پھر اس کا بلڈ پریشر چیک کر کے بولا۔ "خون بہت ضائع ہو چکا ہے۔ ایسے میں کمزوری

لازمی ہے۔"

اس نے ایک انجکشن فہمی کے بازو میں لگایا پھر ایک نسخہ لکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے انجکشن لگا دیا ہے۔ یہ چند دوائیں ہیں۔ انہیں منگوا لیں۔ جب یہ بیدار ہو جائیں تو پہلے انہیں کچھ کھانے کے لئے دیا جائے اس کے بعد یہ دوائیں دی جائیں۔"

ڈاکٹر نے نسخہ حسرت کی طرف بڑھا دیا۔ پھر اٹھتے ہوئے عبادت علی سے بولا۔ "فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ جلد ہی ہوش میں آ جائیں گی۔"

پھر وہ ان سے اجازت لے کر کمرے سے چلا گیا۔ مراد بھی انہیں رخصت کرنے کے لئے ان کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر چلا گیا۔

نفاست نے عبادت علی' کبریٰ اور حسرت سے کہا۔ "اسے آرام سے سونے دیں۔ چلیں .... ہم ڈرائنگ روم میں چلتے ہیں۔"

عبادت علی نواسی کو دیکھ کر تائیدی انداز میں سر ہلا کر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ کبریٰ اور نفاست بھی ان کے پیچھے دروازے تک آئے۔ حسرت نے کہا۔ "آپ لوگ چلیں .... میں ابھی آتا ہوں۔"

عبادت علی باہر جا چکے تھے۔ نفاست اور کبریٰ اس کی بات سن کر ٹھٹک گئے۔ پھر وہ خوش ہو کر بولی۔ "ہاں .... ہاں .... بیمار کے پاس کسی تیماردار کو ضرور ہونا چاہئے۔"

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ نفاست ایک صوفہ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "خدا کا شکر ہے کہ وہ قابو میں آ گئی۔ اس کے سر پر تو خون سوار تھا۔ اگر کمزوری سے چکرا کر نہ گرتی تو ہم میں سے کسی کی جان لے چکی ہوتی۔"

عبادت علی نواسی کے بارے میں ایسی بات سن کر فوراً بولے۔ "فضول باتیں نہ کرو۔ وہ ایک کمزور اور بزدل لڑکی ہے۔ وہ کیا کسی کی جان لے گی؟ خدا جانے اسے کب ہوش آئے گا؟"

نفاست نے کہا۔ "ہوش آنے کے بعد ہمیں اس کے سامنے نہیں جانا چاہئے۔ وہ ہمیں دیکھ کر پھر بھڑک جائے گی۔ اس نے سمجھ لیا ہے کہ ہم نے ہی مالی کو نکالا ہے۔"

کبریٰ عبادت علی کی طرف دیکھ کر بولی۔ "وہ میرے حسرت کو دیکھ کر نہیں بھڑکتی ہے۔ آپ نے دیکھا تھا نا کہ وہ کتنی محبت سے اس کے پاس آ کر بے ہوش ہو گئی تھی۔"

عبادت علی تائیدی انداز میں سر ہلا کر بولے۔ "ہاں .... وہ حسرت سے مانوس

ہو گئی ہے۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "اسی لئے تو کہتی ہوں کہ دونوں کی زندگی بہت اچھی گزرے گی۔"

نفاست نے اسے گھور کر دیکھا پھر بولا۔ "کبریٰ خود کو کنٹرول کرو۔ یہ موقع ایسی باتوں کا نہیں ہے۔"

"موقع کی مناسبت سے بول رہی ہوں۔ وہ پھر آپے سے باہر ہو گی تو حسرت ہی اسے کنٹرول کر سکے گا۔"

عبادت علی اس کی بات سن کر بولے۔ "سب سے اہم مسئلہ یہی ہے کہ اسے نارمل کیسے رکھا جائے؟"

حسرت وہاں آ کر ایک صوفہ پر بیٹھ گیا۔ انہوں نے اسے دیکھ کر پوچھا۔ "کیا آئندہ بھی وہ تمہاری بات مانتی رہے گی؟"

وہ بولا۔ "وہ معصوم بچی جیسی ہے۔ محبت سے مناؤ تو مانتی رہے گی۔"

کبریٰ ناگواری سے زیر لب بڑبڑائی۔ "توبہ ہے' اسے بچی کہہ رہا ہے۔ کیا دم لگا کے آیا ہے؟"

نفاست نے پوچھا۔ "کیا وہ ہوش میں آ چکی ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "ابھی نہیں .... لیکن اس سے پہلے بزرگوں کو ہوش میں آ جانا چاہئے۔"

عبادت علی غصے سے بولے۔ "کیا بکتے ہو؟"

"وہ ایب نارمل نہیں ہے۔ اسے آپ سب نے طیش دلایا ہے۔ اگر اس مالی کو واپس نہ بلایا گیا تو وہ ذہنی مریضہ بن سکتی ہے۔ پلیز دادا جان! اس بے زبان پر ترس کھائیں۔ اس کے ہوش میں آنے سے پہلے مالی کو واپس لے آئیں۔"

وہ اس سے نظریں چرا کر بولے۔ "ہم نہیں جانتے' وہ کہاں مرنے گیا ہے اور کیوں گیا ہے؟ اگر جانتے' تب بھی اسے بلانے نہ جاتے۔ ہاں وہ خود آ جائے تو یہ الگ بات ہے۔"

نفاست نے کہا۔ "ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اس کے جانے کے بعد ایسی قیامت برپا کر دے گی؟"

کبریٰ نے حسرت سے کہا۔ "اے بیٹا! مالی پر مٹی ڈالو۔ یہ اچھا موقع ہے۔ فہمی کے

دل میں اتنی جگہ بناؤ کہ وہ اسے بھول جائے۔ تم نے اگر یہ کر دکھایا تو بس تمہارے نام کی لاٹری نکل آئے گی۔"

عبادت علی نے چونک کر اسے دیکھا۔ نفاست نے اسے گھور کر کہا۔ "کبریٰ! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ........."

وہ دانت پیس کر بولا۔ "میں نے کہا نا' تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

وہ منہ بسورتی ہوئی اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ عبادت علی اٹھتے ہوئے بولے۔ "عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ ہم اپنے کمرے میں جا رہے ہیں۔ جیسے ہی فہمی کو ہوش آئے تو ہمیں اطلاع کر دینا۔"

وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ نفاست نے حسرت سے کہا۔ "تم فہمی کے پاس ہی رہو۔ وہ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے سامنے برداشت نہیں کرے گی۔"

وہ بھی اپنے کمرے میں جانے کے لئے وہاں سے اٹھ گیا۔ حسرت فہمی کے بارے میں سوچنے لگا۔ "اگر مالی واپس نہ آیا تو اس کا کیا ہو گا؟ یہ تو اس کی جدائی میں ایب نارمل ہو جائے گی۔ مالی کو کسی نہ کسی طرح تلاش کر کے یہاں لانا ہو گا۔"

فہمی کا خیال آتے ہی حسرت نے اس کے کمرے کی طرف دیکھا۔ اٹھ کر دروازے کے پاس آیا۔ پھر کچھ سوچ کر اندر چلا گیا۔

☆======☆======☆

جیسے جیسے رات گزرتی جا رہی تھی' ویسے ویسے فائیو اسٹار ریسٹورنٹس اور کلبوں کی رونقیں اپنے عروج کو پہنچتی جا رہی تھیں۔ امیر گھرانوں کے بگڑے ہوئے لڑکے لڑکیاں اپنی بوریت دور کرنے اور لائف انجوائے کرنے کے لئے یہاں کا رخ کر رہے تھے۔

حمیرا' مونا اور زبیر بھی مہنگے ریسٹورنٹ میں ایک میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔

زبیر نے حمیرا سے کہا۔ "محبت میں شاعری کرو گی تو بامراد کا ردیف نامراد ہو گا۔ میں نے پہلے ہی دن سمجھایا تھا کہ اسے لفٹ نہ دو۔ وہ نامراد تمہیں دھوکہ دے گا۔"

وہ چڑ کر بولی۔ "میں نے بھی تمہیں سمجھایا ہے کہ زیبی سے تمہیں لفٹ نہیں ملے گی۔ مگر تم اس کے پیچھے دوڑتے رہتے ہو۔"

زبیر قائل ہو کر بولا۔ "ہاں .... دوڑ بہت لمبی ہو چکی ہے۔ اب اس سے دو ٹوک بات ہونی چاہئے۔ تمہیں کل معلوم ہو جائے گا۔ اس پار .... یا اس پار۔"

مراد بھی اس ریسٹورنٹ میں پہنچ گیا۔ ان تینوں پر نظر پڑی تو وہ ان کی میز کے پاس چلا آیا۔ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہائے Every body۔"

حمیرا نے اسے دیکھ کر ناگواری سے منہ پھیر لیا۔ وہ اس کی طرف جھک کر بولا۔ "اپنے چاہنے والے کو دیکھ کر چہرے پر رونق آ جاتی ہے مگر تمہارے منہ پر تو بارہ بن رہے ہیں۔"

وہ خاموش رہی۔ مونا نے مراد سے کہا۔ "بے چاری کو ستا کر بہت خوش ہو رہے ہو۔ جب تمہیں ملنا نہیں تھا تو اسے گارڈن میں آنے کو کیوں کہا تھا؟"

"اب میں اپنی مجبوری کیا بتاؤں؟ بات دراصل یہ ہے کہ............"

حمیرا اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "پلیز! اپنی صفائی پیش نہ کرو۔ میں تمہارا کیا بگاڑ سکتی ہوں؟ کیا تمہیں پھانسی پر چڑھا سکتی ہوں؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "تمہارے دماغ میں اتنی گرمی ہے کہ چائے تیار کی جا سکتی ہے۔"

پھر وہ قدرے سنجیدہ ہو کر بولا۔ "تم مجھے پھانسی پر نہیں چڑھاؤ گی' مجھے سزا نہیں دو گی لیکن میں خود کو سزا دوں گا۔ مجھ جیسے جھوٹے اور فریبی کی سزا یہ ہے کہ دوستوں کی محفل سے چلا جائے اور تنہائی کی سزا کاٹتا رہے۔ آہ' میں اپنی سزا کاٹنے جا رہا ہوں۔"

وہ واقعی چلا گیا۔ دور جا کر ایک خالی میز پر بیٹھ گیا۔ حمیرا نے کچھ پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بیٹھا ہوا تھا۔ مراد نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا تو حمیرا نے منہ پھیر لیا۔

مونا بولی۔ "اب نخرے نہ دکھاؤ .... جاؤ اس کے پاس۔"

زبیر نے کہا۔ "مراد بہت چالاک ہے۔ یہ مجھ سے اور مونا سے دور گیا ہے۔ جانتا ہے کہ تم کچے دھاگے سے بندھی جاؤ گی۔"

مونا اسے کہنی مار کر بولی۔ "اب کیا ڈولی میں بیٹھ کر جاؤ گی؟"

وہ وہاں سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی مراد کے پاس آئی۔ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر بولی۔ "تم بہت ڈرامے باز ہو۔ اپنے پاس آنے پر مجبور کر دیتے ہو۔"

"تمہیں میں نے نہیں محبت نے مجبور کیا ہے۔"

وہ محبت سے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بولی۔ "پپا شادی کے لئے راضی ہو گئے ہیں۔"

وہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔

"ارے بھئی ہنس کیوں رہے ہو' میں نے کوئی لطیفہ سنا دیا ہے؟"

"وہ .... اس عمر میں شادی کریں گے؟"

حمیرا نے گھور کر اسے دیکھا پھر بولی۔ "ہماری شادی۔"

"او............ لیکن حمیرا! ہماری شادی اس وقت ہو گی جب وہ آدھا کاروبار تمہارے نام لکھ دیں گے۔"

"تم سرمایہ لگاؤ گے تو وہ مجھے ففٹی پرسنٹ کی پارٹنرشپ دیں گے۔"

"تم سے دل لگایا ہے تو سرمایہ بھی لگاؤں گا۔ مگر پہلے ففٹی پرسنٹ اپنے نام لکھواؤ۔"

"یہ تمام معاملات طے کرنے کے لئے تمہیں میرے پاپا سے ملنا ہو گا۔"

"میں اُن سے ملوں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری تمام باتیں مان لیں گے لیکن شادی کے سلسلے میں میری ایک شرط تسلیم نہیں کریں گے۔"

"تم کوئی شرط پیش کرو گے؟"

"ہاں .... بہت معمولی سی شرط ہے۔"

حمیرا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا وہ بولا۔ "شرط یہ ہے کہ ہماری شادی خفیہ رہے گی۔"

اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "کیا .... چوری چھپے شادی کرو گے؟"

"ایسا نہیں کروں گا تو میرے سرپرست مجھے گھر سے نکال دیں گے۔"

وہ تشویش بھرے لہجے میں بولی۔ "تمہارا خیال ہے کہ وہ مجھے بہو تسلیم نہیں کریں گے؟"

"تمہیں تو علم ہے کہ میرے ڈیڈی اور تمہارے پاپا میں کاروباری عداوت رہ چکی ہے۔"

"یہ پرانی بات ہے' اب تو صلح صفائی ہو چکی ہے۔"

"صفائی اوپر سے ہوا کرتی ہے۔ اندر سے غبار نہیں دھلتا۔ میں اندر کی بات جانتا ہوں۔ میرے ڈیڈی اور دادا جان کبھی تمہارے پاپا سے رشتہ داری قائم نہیں کریں گے۔"

وہ اس کی بات سن کر ناراضی سے بولی۔ "اگر ایسا ہی ہے تو پھر تم نے مجھ سے محبت کیوں کی تھی؟"

"یہی سوال میں پوچھتا ہوں کہ تم نے مجھ سے محبت کیوں کی؟"

وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ اس سے نظریں چرانے لگی۔ وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "ہم نے محبت کی نہیں ہے .... ہو گئی ہے۔"

وہ شرما کر نظریں جھکا کر بولی۔ "ہاں .... میں دل سے مجبور ہوں۔"

وہ اس کے ہاتھ پر بڑے پیار سے اپنا ہاتھ رکھ کر بولا۔ "یہی حال میرا بھی ہے' دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھنے لگے۔ پھر حمیرا کچھ پریشانی سے بولی۔ "لیکن مراد' پاپا' ایسی شادی کے لئے راضی نہیں ہوں گے۔"

مراد بے نیازی سے بولا۔ "نہ ہوں ...... ہم دوسرا راستہ اختیار کریں گے۔"

حمیرا نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے کہا۔ "میں تمہارے پاپا سے شادی کے سلسلے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔ تم ان سے کہو کہ ہم صرف دوست ہیں۔ میں دوست کی حیثیت سے تمہارے کاروبار میں رقم لگا رہا ہوں۔"

"وہ ہماری دوستی پر شک کریں گے۔"

"نہیں میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ تمہارے پاپا کو کاروبار سنبھالنے کے لئے بہت بڑی رقم کی ضرورت ہے۔ وہ ہماری دوستی کو نہیں' بھاری رقم کو دیکھیں گے۔"

وہ الجھ کر بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے' ہم محبت کر رہے ہیں۔ یا کاروبار؟"

"ہم محبت کر رہے ہیں .... صرف محبت .... مگر تمہارے پاپا کو سمجھانے کے لئے یہ کاروبار ہو گا۔"

وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی۔ "!I love you"۔

وہ مسکرا کر بولا۔ "!I love you too .... لیکن ہمیں محبت کی آزمائشوں میں پورا اترنا ہے۔ ہم اپنی شادی کو راز میں رکھیں گے۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"میں تمہارا مجازی خدا .... تمہارا محافظ ہوں۔ پھر ڈر کیسا؟"

"لڑکیوں کا تو ایک ہی سہارا ہوتا ہے۔ وہ سہارا پہلے پرایا ہوتا ہے پھر اپنوں سے بڑھ کر اپنا ہو جاتا ہے۔"

"تو پھر فیصلہ ہو چکا' ہماری شادی ہو گی۔ مگر میرے اور تمہارے سرپرست اس شادی سے بے خبر رہیں گے۔ ہم کسی مناسب موقع پر اپنی یہ خوشخبری سنائیں گے۔"

مراد اپنی چال بڑی کامیابی سے چل رہا تھا۔ جلد ہی اس کی جیت ہونے والی تھی۔

دوسری طرف حمیرا اسے اپنانے کے خوابوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچتے دیکھ رہی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔

ان دونوں کے چہروں پر فاتحانہ خوشی بکھری ہوئی تھی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر زبیر اور مونا کے پاس آئے۔

مونا نے حمیرا سے پوچھا۔ "کیوں .... ہو گئی دوستی .... اب چلیں؟"

اس نے شرما کر مسکرا کر ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔

مونا نے کہا۔ "اب تو تم مراد کی کار میں جاؤ گی؟"

زبیر نے کہا۔ "ہاں بھئی .... یہ تو اب انجوائے کریں گے۔ بڑا مزہ ہے۔ اس ملاپ میں' جب صلح ہو جائے جنگ ہو کر۔"

وہ چاروں قہقہے لگانے لگے۔

☆======☆======☆

کوٹھی کے احاطے کی دیواریں بہت اونچی تھیں۔ جمال ہمدانی ان دیواروں کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ ان دیواروں کے آر پار اپنی بیٹی کی صورت نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ ایک طویل عرصے تک ناجائز دباؤ کو برداشت کرتا آیا تھا۔ اب وہ مجبور اور بے بس بن کر نہیں رہنا چاہتا تھا۔ ہمیشہ بیٹی کی صورت دیکھنے کے لئے ایک نئی صورت نکالنے آیا تھا۔

رات اندھیری تھی۔ نائٹ چوکیدار گشت لگاتا ہوا کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف گیا تھا۔ وہ اس بڑھاپے میں اچھل کود نہیں کر سکتا تھا لیکن بیٹی کو پا لینے کا جذبہ ایسا تھا کہ وہ ایک بار دیوار پر چڑھ ہی گیا۔ دوسری طرف ایک درخت کی شاخ پکڑ کر باغیچے میں اپنے کاٹج کے پاس آ گیا۔

وہاں اس نے اپنے منہ پر ڈھاٹا باندھ لیا۔ دبے قدموں چلتا ہوا فہمی کے کمرے کے پاس آیا۔ ایک چابی سے دروازے کو کھول کر اندر پہنچا' بیٹی گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

پہلے تو وہ اسے دیکھ کر محبت سے مسکرایا' پھر بڑے دکھ سے سوچنے لگا۔ "اس بے زبان نے میری جدائی میں ضرور ہنگامہ برپا کیا ہو گا۔ یہ میرے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کوئی بات نہیں بیٹی! اب ہمیں کوئی زخم نہیں دے سکے گا۔ میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔"

وہ دبے قدموں چلتا ہوا دوسرے دروازے پر آیا پھر اسے کھول کر ایک کوریڈور میں پہنچ گیا۔ وہاں سے چند قدم کے فاصلے پر عبادت علی کا کمرہ تھا۔ وہ اپنے بیڈ پر گہری نیند میں

تھے۔

جمال نے کمرے میں آ کر انہیں ناگواری سے دیکھا۔ پھر ان سے کترا کر آئرن سیف کے پاس آیا۔ اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے دو چابیاں نکالیں۔ پہلے ایک چابی کی ہول میں ڈال کر گھمائی پھر اسے نکال کر دوسری چابی کو کی ہول میں گھمایا۔ ایک ہلکی سی ''کھٹ'' کی آواز ابھری' سیف کھل گیا۔

اندر بڑے بڑے نوٹوں کی گڈیاں تھیں۔ بہت سی اہم دستاویزات بھی تھیں اور ان کے درمیان ایک سرخ فائل رکھی ہوئی تھی۔ وہ اس فائل کو دیکھ کر بڑی سنجیدگی سے مسکرایا۔ اسے یاد آیا' جب وہ بیگم وقارالنساء کی حویلی میں تھا تو عبادت علی اس کے پاس وہ سرخ فائل لے کر آئے تھے۔ پھر انہوں نے وہ فائل اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ فائل ایک سو دس کروڑ روپے کی ہے۔ اس فائل کے اندر فہمی کا شاندار مستقبل ہے۔ تم اس کی بہتری کے لئے ہمیشہ اپنی زبان بند رکھو گے۔''

جمال نے اسے اٹھا کر پھر کھول کر چند کاغذات پر سرسری سی نظر ڈالی' یہ وہی فائل تھی جو باپ اور بیٹی کے رشتے کو کاٹ رہی تھی۔

اب وہ فائل رشتے کو کاٹنے والی نہیں تھی' جوڑنے والی تھی۔ اس نے اسے سینے سے ایسے لگالیا جیسے بیٹی کو کلیجے سے لگالیا ہو ہے۔

☆------☆------☆

حسرت اپنے کمرے سے نکل کر فہمی کے کمرے کے پاس آیا۔ دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ اس نے جھانک کر دیکھا وہ گہری نیند میں تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے بیڈ کے پاس آیا۔ گونگی جوانی بستر پر بکھری ہوئی تھی۔

وہ بڑی محبت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نظروں میں سمیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس کے بستر کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ وہ نیند میں کسمسائی۔ پھر دھیرے سے آنکھیں کھول کر حسرت کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں وہی منظر گھومنے لگا۔ جب وہ چھرا اٹھا کر حسرت کی طرف بڑھ رہی تھی اور پھر چکرا کر گر پڑی تھی۔

وہ ایک دم سے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی اور باغیچے کی طرف کھلنے والی کھڑکی کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے حسرت کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور اشارے سے مالی کے بارے میں پوچھنے لگی۔

وہ اس کے سوال پر ذرا پریشان ہوا۔ پھر اسے اشاروں میں سمجھانے لگا۔ ''وہ صبح آئے گا ابھی تمہیں کچھ کھانا چاہئے۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔ حسرت نے بڑے پیار سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔ پھر اشاروں میں بولا۔ ''تم نے مجھے نشہ کرنے سے منع کیا تھا۔ نشے کی چیزیں پھینک دی تھیں۔ میں نے تمہاری بات مان لی تھی۔''

وہ اس کے اشاروں کو سمجھ کر خوش ہو کر ہاں کے انداز میں سر ہلانے لگی۔

حسرت نے پھر اشاروں کی زبان میں سمجھایا۔ ''تم بھی میری بات مان جاؤ۔ تھوڑا سا کھانا کھالو' پلیز!''

وہ اس کے سامنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر بیٹھ گیا۔ فہمی نے سنجیدگی سے اسے دیکھا پھر اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو علیحدہ کر کے کھانے کے لئے راضی ہو گئی۔

حسرت نے خوش ہو کر اشاروں میں کہا۔ ''میں کچن سے کھانا گرم کر کے لاتا ہوں۔ تم یہاں بیٹھو.......... میں ابھی آیا۔''

وہ کھانا لانے کے لئے کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ بیڈ سے اتر کر کھڑکی کے پاس آئی۔ باہر وسیع ایریے میں پھیلے ہوئے سرسبز باغیچے کو بڑی محبت سے دیکھنے لگی۔ رات کی رانی کی مہک فضا کو خوابناک بنا رہی تھی۔

اس نے ایک گہری سانس لی۔ باغیچے کے پھولوں کو اس کے باپ نے اپنے ہاتھوں سے سینچا تھا۔ اس لئے اسے ان پھولوں سے باپ کی مہک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کچھ سوچ کر دروازے کے پاس آئی۔ پھر اسے کھول کر کمرے سے باہر چلی آئی۔

وہ باغیچے میں چاروں طرف بڑی افسردگی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں اس شفقت بھرے چہرے کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں اور دور تک جا کر نامراد لوٹ رہی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کاٹیج کے برآمدے میں آئی۔ اس نے بڑے دکھ سے اور بڑی محبت سے کاٹیج کے دروازے پر ہاتھ پھیرا۔ ذرا سا دباؤ پڑتے ہی وہ کھلتا چلا گیا۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ پھر پریشانی سے کچھ سوچتی ہوئی اندر چلی گئی۔

حسرت کچن میں کھانا گرم کر رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ بڑبڑا رہا تھا۔ ''شریف زادیاں ایسے بھی بے زبان ہوتی ہیں۔ اللہ میاں نے فہمی کو ان سے بھی زیادہ بے زبان بنا دیا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ساری زندگی اس کی حفاظت کرتا رہوں .... ساری زندگی۔''

وہ بولتے بولتے کہیں گم ہوگیا۔ پھر چونک کر خود سے پوچھنے لگا۔ ”یار حسرت! کیا اسے محبت کہتے ہیں .... محبت یعنی عشق؟“

وہ ہنستے ہوئے اپنے سر پر چپت مار کر بولا۔ ”گدھے! وہ بہت معصوم ہے۔ ایک ناسمجھ بچی ہے۔ اس سے محبت کی جاسکتی ہے‘ عشق نہیں کیا جاسکتا۔ وہ پھول توڑنے اور مسلنے کے لئے نہیں ہے بلکہ پیار کے گلدان میں سجانے کے لئے ہے۔“

وہ خیالوں میں گم گرم دیگچی کو بغیر صافی کے اٹھانے لگا تو اس کا ہاتھ جل گیا۔ اس کے منہ سے ایک سسکاری نکلی۔ وہ اپنے ہاتھ کو سہلانے لگا پھر بڑبڑایا۔ ”عشق جلاتا ہے‘ وہ معصوم جلانے کے لئے نہیں ہے۔“

اس نے ایک ٹرے میں سالن کی پلیٹ اور روٹیاں رکھیں۔ اسے اٹھا کر گنگناتا ہوا کچن سے نکل کر فہمی کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ دروازہ پوری طرح بند تھا مگر لاک نہیں تھا۔ وہ اسے پاؤں سے دھکیلتا ہوا اندر آیا۔ پھر گنگنانے کے انداز میں اسے پکارنے لگا۔ ”کم آن فہمی! گرما گرم کھانا آگیا۔“

بستر خالی تھا۔ وہ سمجھا فہمی واش روم میں ہے۔ اس نے غسل خانے کے دروازے کو دیکھا وہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے قریب جاکر اندر جھانکا تو وہ خالی تھا۔

وہ پریشانی سے سوچنے لگا۔ ”یہ کہاں چلی گئی؟“

اس نے باغیچے میں کھلنے والی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ پھر ٹرے کو ایک میز پر رکھ کر کمرے سے باہر آگیا۔ پُرتشویش نظروں سے اردگرد دیکھنے لگا۔ وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

وہ تیزی سے باغیچے کو عبور کرتا ہوا کاٹیج کے دروازے پر آیا۔ اسے کھول کر کمرے میں گیا۔ وہ خالی تھا‘ فہمی وہاں بھی نہیں تھی۔

وہ پریشان ہو کر باہر آیا۔ اور اونچی آواز میں اسے پکارنے لگا۔ ”فہمی .... فہمی!“

وہ دوڑتا ہوا کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف گیا۔ نائٹ چوکیدار اس کی آواز سن کر دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا۔ حسرت نے کہا۔ ”تم نے فہمی کو دیکھا؟“

”نہیں صاحب جی! یہاں باہر تو کوئی بھی نہیں آیا۔“

”تم کوٹھی کے باہر چاروں طرف دیکھو‘ میں اندر دیکھتا ہوں۔“

چوکیدار حکم سنتے ہی تیزی سے گیٹ کھول کر باہر چلا گیا۔ حسرت نے پورا باغیچہ چھان مارا تھا مگر وہ کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

وہ اسے آوازیں دیتا ہوا کوٹھی کے اندر آیا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں گہری نیند میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس کی آواز سن کر ایک ایک کر کے سارے کمروں کی لائٹس آن ہوگئیں۔

نفاست دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آیا۔ ”کیوں اتنی زور زور سے چیخ رہے ہو‘ کیا ہوا ہے؟“

زیبی اور مراد بھی اپنے کمروں سے نکل آئے تھے۔ مراد ناگواری سے بولا۔ ”مجنوں کی اولاد‘ صحرا میں جاکر لیلیٰ کو پکارو۔ ہماری نیند کیوں خراب کر رہے ہو؟“

زیبی نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ ”کیا مصیبت ہے؟ یہ گونگی ہمیشہ آدھی رات کے بعد ہنگامے برپا کرتی ہے۔“

عبادت علی سلیپنگ گاؤن درست کرتے ہوئے وہاں آئے پھر حسرت سے پوچھنے لگے۔ ”کیا ہوا حسرت! کیوں چلا رہے ہو؟“

”وہ .... دادا جان! فہمی نہیں ہے۔“

وہ چونک کر بولے۔ ”نہیں ہے؟“

”نہ اپنے بیڈ روم میں ہے اور نہ کاٹیج میں .... میں نے باغیچے میں بھی دیکھا ہے وہ کہیں نہیں ہے۔“

کبریٰ منہ بسورتی ہوئی نفاست کے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی۔ عبادت علی نے الجھ کر کہا۔ ”کیا وہ یوں چیخنے سے مل جائے گی؟ تمہاری آوازیں سن لے گی؟ گھر میں نہیں ہے تو اسے باہر جا کر تلاش کرو۔“

انہوں نے پلٹ کر نفاست اور مراد کو دیکھا پھر گرج کر بولے۔ ”جاؤ اسے تلاش کرو۔ ہمارا منہ کیا تک رہے ہو‘ کیا اسے ڈھونڈنا تمہارا فرض نہیں ہے؟“

وہ دونوں ان کا حکم سن کر تیزی سے ڈرائنگ روم سے باہر چلے گئے۔ حسرت بھی ان کے پیچھے پیچھے وہاں سے چلا گیا۔

عبادت علی پلٹ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ زیبی اور کبریٰ بے زاری سے ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔

کبریٰ ناگواری سے بولی۔ ”اس گونگی نے تو ہماری زندگی عذاب بنا دی ہے۔ روز کوئی نہ کوئی نیا زلزلہ پیدا کر دیتی ہے۔“

زیبی کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو

گئی۔

عبادت علی اپنے کمرے میں آ کر سلیپنگ گاؤن اتار کر قمیض پہننے لگے۔

ایسے وقت ان کی نظر آئرن سیف پر پڑی۔ سیف کھلا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب گئے۔ اندر جھانک کر دیکھنے لگے۔ اندر رکھی ہوئی چیزوں کو ادھر سے ادھر ہٹا کر کچھ تلاش کرنے لگے۔ پھر حیرانی اور پریشانی سے بڑبڑائے۔ "سرخ فائل؟"

☆======☆======☆

وہ دونوں آنگن میں اپنی اپنی چارپائی پر گہری نیند میں ڈوبے ہوئے تھے۔ عمر بھر کی مسافت کی تھکن چہروں پر جھریوں کی صورت میں ابھر آئی تھی۔ سب سے بھاری بوجھ بیٹی کے فرض کا ہوتا ہے اور یہ ان خوش نصیب والدین میں سے تھے جو اس فرض سے سبکدوش ہو چکے تھے۔

گہرے سناٹے میں دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز ان کے کانوں میں گونجی۔

فراز کی ماں چونک کر اٹھ بیٹھی پھر اپنے شوہر کا بازو ہلاتے ہوئے بولی۔ "باہر دروازے پر کوئی ہے۔"

فراز کا باپ بیزاری سے بولا۔ "اتنی رات کو کون آ سکتا ہے؟"

دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی۔ ماں نے کہا۔ "ضرور یہ پڑوسن ہو گی' دن دیکھتی ہے نہ رات .... کبھی ہلدی تو کبھی نمک مانگنے چلی آتی ہے۔"

فراز کا باپ جماہی لیتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دروازے کو پھر پیٹا گیا۔ باہر سے فراز کی آواز سنائی دی۔ "ابا! دروازہ کھولو.......... میں ہوں۔"

ماں نے چونک کر کہا۔ "یہ تو میرے بیٹے کی آواز ہے۔"

فراز کا باپ دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ "تجھے تو نیند میں بھی بیٹے کی آواز سنائی دیتی ہے۔"

باہر سے ایک بار پھر فراز کی آواز سنائی دی۔ "ابا! میں ہوں فراز .... دروازہ تو کھولو۔"

باپ نے خوش ہو کر بیوی کو دیکھ کر کہا۔ "ہاں ہمارا بیٹا ہے' فراز ہے۔"

وہ اٹھ کر دروازے کے پاس آتے ہوئے بولی۔ "خوش بعد میں ہوتے رہنا پہلے دروازہ تو کھولو۔"

اس نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ فراز سفری بیگ اٹھائے گھر کے اندر داخل ہوا۔

وہ دونوں بیٹے کو دیکھ کر خوشی سے اس کی بلائیں لینے لگے۔ فراز نے دونوں کو سلام کیا۔ ماں اس کا ماتھا چومتے ہوئے بولی۔ "سدا جیو میرے لعل! بہن کی شادی میں بھی نہیں آیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ ایسا بھی کیا کام ہے بیٹا! .... دنیا کا کوئی کام بہن کی خوشیوں سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔"

فراز کا باپ اس کی ماں کو ٹوکتے ہوئے بولا۔ "اب تُو شکایت ہی کرتی رہے گی یا بیٹے کی بھی خیریت پوچھے گی۔ شہر کی نوکری میں دس طرح کے جھمیلے ہوتے ہیں۔"

اس نے فراز کے ساتھ ایک چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "ایسی کیا بات ہو گئی تھی کہ شادی کے دن بھی نہ آ سکے۔ شبو تمہیں بہت یاد کر رہی تھی' بہت رو رہی تھی۔"

"یہ سب قسمت کے کھیل ہیں ابا! میں سسرال جا کر شبو کے آنسو پونچھوں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ اپنے گھر کی ہو گئی۔"

"تم بڑی بڑی رقمیں نہ بھیجتے تو یہ شادی اور کئی برسوں کے لئے ٹل جاتی۔"

فراز نے چونک کر باپ کو دیکھا۔ ماں نے کہا۔ "میں تو دعائیں مانگتی رہتی ہوں کہ تمہاری کمائی میں برکت ہوتی رہے۔ میں تمہاری بھی دلہن لے آؤں گی۔"

باپ نے کہا۔ "دلہن بعد میں لانا' پہلے کچھ کھانے کے لئے تو لاؤ۔ بھوکا آ رہا ہو گا؟"

"میں بھوکا نہیں ہوں .... راستے میں کھانا کھا لیا تھا۔"

پھر اس نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔ "ابا! یہ بتائیں کہ آپ کو کتنے مہینوں سے پانچ ہزار مل رہے ہیں؟"

"یہ تیسرا مہینہ ہے۔"

"آپ نے منی آرڈر کی رسیدیں سنبھال کر کیوں نہیں رکھیں؟"

"سنبھال کر رکھی ہیں۔ تم چاہو تو دیکھ لو۔"

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر آپ نے خط میں کیوں لکھا تھا کہ رسیدیں گم ہو گئی ہیں؟"

باپ نے حیرانی سے کہا۔ "ہم نے تو ایسا کچھ نہیں لکھا تھا۔"

وہ اپنے بیگ کی جیبیں ٹٹول کر بولا۔ "وہ خط میرے پاس ہے۔ میں ابھی دکھاتا ہوں۔"

پھر اس نے ایک خط نکال کر باپ کی طرف بڑھایا۔ اس نے پوچھا۔ "اس میں کیا لکھا ہے؟"

"یہی کہ رسیدیں گم ہو گئی ہیں اور وہ کھاد فیکٹری کے قریب جو ہماری بنجر زمین تھی'

وہ ایک لاکھ میں فروخت ہو گئی ہے۔"

اس کے ماں باپ حیرانی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ باپ نے تعجب سے کہا "وہ زمین فروخت ہو گئی ہے اور وہ بھی ایک لاکھ روپے میں؟ بیٹے! اسے تو کوئی پچیس ہزار میں بھی نہیں پوچھ رہا ہے۔"

فراز نے حیرت سے پوچھا۔ "آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ وہ زمین فروخت نہیں کی گئی ہے؟"

"نہیں بیٹے! وہ تو ویسی ہی پڑی ہے۔ اسے کون خریدے گا؟"

"پھر شبو کی شادی کیسے ہوئی؟ رقم کہاں سے آئی؟"

ماں نے کہا۔ "اور کہاں سے آئے گی' تم نے دوست کے ہاتھ بھیجی تھی۔"

وہ شدید حیرانی سے بولا۔ "دوست.........!"

باپ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا بات ہے بیٹے! تم ایسے حیران پریشان کیوں ہو رہے ہو؟"

"اس دوست نے کتنی رقم دی تھی؟"

"پورے ایک لاکھ روپے تھے۔"

وہ رقم کا سنتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر زیر لب بڑبڑایا۔ "دوست! ایک لاکھ روپے؟"

اس کی نگاہوں کے سامنے دو چار دوستوں کے چہرے گھومنے لگے پھر ایک چہرے پر اس کی نظریں ٹھہر گئیں۔

☆======☆======☆

عبادت علی ہمیشہ سے دوسروں کو حقیر سمجھتے آئے تھے۔ فہمی کا مظلوم باپ اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ وہ آج تک مجبور باپ کی بے بسی سے فائدہ اٹھاتے چلے آئے تھے لیکن آج اس کمزور باپ نے انہیں کمزور بنا دیا تھا۔ جس ہتھیار سے وہ اسے کچوکے لگاتے رہتے تھے آج وہ ان سے اس ہتھیار کو چھین کر لے گیا تھا۔

وہ حیران پریشان سے کھلے ہوئے سیف کو دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ یہ واردات کون کر سکتا ہے؟

انہیں وہ وقت یاد آنے لگا۔ جب وکیل انور پاشا نے اس سرخ فائل کو ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا۔ "بیگم صاحبہ کے اور ہم سب کے دستخط ہو چکے ہیں۔ اب یہ

اہم کاغذات آپ کے ہیں۔"

وہ سیف کی طرف بڑھے پھر ٹھٹک گئے۔ انہیں وہ وقت یاد آنے لگا۔ جب انہوں نے وہ سرخ فائل جمال ہمدانی کو دکھاتے ہوئے کہا تھا۔ "اس فائل کی قیمت ایک سو دس کروڑ روپے ہے۔ اس کے اندر جو کاغذات ہیں وہ ثابت کرتے ہیں کہ تم فہمی کے باپ نہیں ہو۔ ہمیں امید ہے کہ تم اس کی بہتری کے لئے ہمیشہ اپنی زبان بند رکھو گے۔"

بات سمجھ میں آ چکی تھی۔ وہ اپنی ہتھیلیوں کو مسلنے لگے۔ ریت اور وقت کبھی ہاتھ میں نہیں رہتا' وقت کی باگ ان کے ہاتھوں سے نکل کر جمال ہمدانی کے ہاتھوں میں جا چکی تھی۔

زیبی صوفہ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے نیم درازی کی حالت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں کو ذرا کھول کر دیکھا۔ کبریٰ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔

زیبی نے کہا۔ "ممی! خدا کے لئے بیٹھ جائیں۔ آپ تو ایسے پریشان ہو رہی ہیں جیسے آپ کی بیٹی گھر سے بھاگ گئی ہے؟"

"تم کیا جانو' وہ بیٹی سے بڑھ کر ہے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا.........وہ گونگی مجھ سے بڑھ کر ہے؟"

کبریٰ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ ذرا سنبھل کر بولی۔ "اے بیٹی! بھلا تم سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے؟ پریشانی میں کہنا کچھ چاہ رہی تھی منہ سے کچھ اور نکل گیا۔"

اس نے بیزاری سے پوچھا۔ "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ آپ تو اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی تھیں۔ اس کے جانے سے آپ کو تو خوش ہونا چاہئے۔"

"خوش کیسے ہو سکتی ہوں؟ وہ کروڑوں روپے لے گئی ہے۔"

وہ حیرت سے چیخ پڑی۔ "کیا.........؟"

کبریٰ اس کے پاس بیٹھ کر رازدارانہ انداز میں بولی۔ "تمہارے ڈیڈی کو اچھی طرح معلوم نہیں ہے مگر وہ ایک اندازے سے کہہ رہے تھے۔"

"کیا کہہ رہے تھے؟"

"تمہاری دادی اماں نے دو چار کروڑ روپے اس گونگی کے نام لکھے ہیں۔"

"دادی اماں نے مجھے کچھ نہیں دیا؟"

"تم تو جانتی ہو کہ تمہارے ڈیڈی نے ایک بار ان سے گستاخی کی تھی۔ انہوں نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ اپنی جائداد سے ہمیں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیں گی۔"

وہ منہ بنا کر بولی۔ ”تو نہ دیں .... ہم بھی کسی کے محتاج نہیں ہیں۔“

”مگر میں یہ کروڑوں روپے ہاتھ سے نہیں جانے دوں گی۔ میں اسے حسرت کے پلے باندھ دوں گی۔“

”لیکن دادا جان نشہ کرنے والے کو اپنی نواسی نہیں دیں گے۔“

”میرے ایک نہیں تین بیٹے ہیں۔“

”وہ بھائی جان کے سائے سے بھی ڈرتی ہے اور اسد ابھی سیکنڈ ایئر میں ہے۔ نہ جانے کتنے برسوں تک پڑھتا رہے گا؟ وہ ابھی شادی نہیں کرے گا۔“

”اس کا تو باپ بھی شادی کرے گا۔“

زیبی ماں کی بات سن کر تعجب سے بولی۔ ”جی .... ممی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“

”وہ کالج سے چار دن کی چھٹیاں لے کر آئے گا۔ یہاں نکاح پڑھائے گا پھر واپس چلا جائے گا۔ اس گونگی کو ڈھول کی طرح گلے میں لٹکائے نہیں پھرے گا۔“

زیبی اسے مطلع کرنے کے انداز میں بولی۔ ”اگر آپ اسے گونگی کہتی رہیں گی تو دادا جان فہمی کو کبھی آپ کی بہو نہیں بننے دیں گے۔“

کبریٰ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔ ”توبہ توبہ .... اب نہیں کہوں گی۔ آج سے وہ گونگی نہیں ہے۔ گونگی تو وہ رقم ہو گی جو کسی سے نہیں بولے گی کہ اس کے نام تھی۔ ہمارے نام کیسے ہو گئی؟“

فہمی کی اب تک کوئی خیر خبر معلوم نہیں ہو سکی تھی لیکن کبریٰ اس سونے کی چڑیا کو پھانسنے کے لئے ابھی سے مستقبل کا جال بُن رہی تھی۔

وہ دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھ کر بیزاری سے بولی۔ ”توبہ ہے، تین بج چکے ہیں۔ یہ رات تو جاگتے جاگتے گزر رہی ہے۔“

زیبی انگڑائی لیتے ہوئے بولی۔ ”پتہ نہیں، ڈیڈی وغیرہ اسے کہاں تلاش کر رہے ہیں؟ اب تک تو انہیں واپس آ جانا چاہئے تھا۔“

”بن میاں بھی اسے تلاش کرنے گئے ہیں۔ یہاں ہوتے تو کم سے کم ہمیں چائے تو پلاتے رہتے۔ شبو تو نواب زادی ہے۔ ذرا سی بیماری میں چھٹی لے کر چلی جاتی ہے۔“

زیبی دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو دباتے ہوئے بولی۔ ”میرا تو درد سے سر پھٹا جا رہا ہے۔“

کبریٰ بڑے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔ ”اے بیٹی! تم ہی چائے بنا کر لے آؤ۔ میرا بھی سر بھاری ہو رہا ہے۔“

وہ ناگواری سے بولی۔ ”دردِ سر کے لئے چائے پینا مفید ہے لیکن چولہا جلانا بھی دردِ سر سے کم نہیں ہے۔ سوری ممی! میں کچن میں نہیں جاؤں گی۔“

باہر سے گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ کبریٰ صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر بے چینی سے کھڑکی کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ ”وہ لوگ آ گئے۔ خدا کرے کہ وہ مل گئی ہو۔ یہ گونگی باعثِ رحمت ہے، مگر مصیبت بھی ہے۔“

زیبی نے فوراً اسے ٹوکا۔ ”ممی! آپ پھر اسے گونگی کہہ رہی ہیں۔“

اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے توبہ توبہ کرتی ہوئی کھڑکی کے پاس گئی۔ پردے کو سرکا کر باہر جھانکنے لگی۔ گاڑی کے پاس کوئی نہیں تھا۔ کار کے پیچھے ایک پولیس موبائل کھڑی ہوئی تھی۔

اس نے پریشانی سے پلٹ کر زیبی کو دیکھا اتنے میں کال بیل کی آواز سنائی دی۔ وہ دروازہ کھولنے کے لئے تیزی سے آگے بڑھی تو صوفے سے ٹکرا گئی۔

”ممی! سنبھل کے .... آرام سے۔“

وہ سسکاری لیتے ہوئے بولی۔ ”ارے باہر دو چار کروڑ روپے کا منی آرڈر آیا ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ میں آرام سے جاؤں۔“

اس نے دروازہ کھولا تو باہر نفاست، مراد، حسرت اور بن میاں ایک پولیس انسپکٹر کے ساتھ کھڑے تھے۔

کبریٰ نے نفاست سے پوچھا۔ ”کیا وہ مل گئی؟“

وہ الجھ کر بولا۔ ”اندر تو آنے دو۔“

وہ جلدی سے ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ سب اندر آئے۔ مراد نے کہا۔ ”وہ کیا خاک ملے گی؟ ہم سارے شہر کی خاک چھان کر آ رہے ہیں۔ پتہ نہیں اسے زمین نگل گئی ہے یا آسمان کھا گیا ہے؟“

نفاست عبادت علی کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ”ابا جان جاگ رہے ہوں گے، میں ان سے مل کر آتا ہوں۔“

عبادت علی گاڑی کا ہارن سن چکے تھے۔ وہ کھڑکی سے جھانک کر دیکھ چکے تھے کہ نفاست پولیس موبائل کے ساتھ آیا ہے۔

وہ اپنے کمرے سے باہر آئے تو نفاست انہیں دیکھ کر وہیں ٹھہر گیا۔

حسرت نے انہیں دیکھ کر کہا۔ ”دادا جان! ہم نے دور دور تک اسے تلاش کیا ہے۔ پتہ نہیں‘ وہ کہاں گم ہو گئی ہے؟“

عبادت علی نے انسپکٹر کو دیکھ کر ذرا ناگواری سے نفاست سے پوچھا۔ ”یہ .... انسپکٹر کو کیوں خواہ مخواہ زحمت دے رہے ہو؟“

نفاست نے کہا۔ ”اسے ڈھونڈ نکالنے کی اور کوئی صورت نہیں رہی ہے۔“

انسپکٹر نے کہا۔ ”اگر اس کی تصویر مل جائے تو ہم فوٹو کاپیز شہر کے تمام تھانوں میں پہنچا دیں گے‘ تو اسے جلد ہی.........“

عبادت اس کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔ ”آپ کا شکریہ .... اب اس کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ ہماری نواسی واپس آ گئی ہے۔“

ان کی بات سن کر سب نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ حسرت خوش ہوتے ہوئے بولا۔ ”تھینکس گاڈ! میں ابھی جا کر اس کے کان پکڑتا ہوں۔“

وہ عبادت علی کے کمرے کی طرف بڑھا۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے کہا۔ ”رک جاؤ......... وہ سو رہی ہے۔“

کبریٰ نے خوش ہو کر نفاست کو دیکھا۔ عبادت علی نے انسپکٹر سے کہا۔ ”ہم یونہی پریشان ہو رہے تھے‘ دراصل وہ ہماری ایک عزیزہ سے ملنے گئی تھی۔ وہ کہتے ہیں نا کہ بغل میں بچہ‘ شہر میں ڈھنڈورا......... یہی ہمارے ساتھ ہو گیا۔ سوری‘ آپ کو زحمت دی گئی۔ ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیں؟“

”ہم تو آپ کے خدمت گار ہیں جناب! مجھے خوشی ہے کہ بچی واپس آ گئی ہے۔ میں چلتا ہوں۔“

وہ ان سے مصافحہ کر کے باہر جانے لگا۔ عبادت علی نے مراد سے کہا۔ ”مراد! انہیں باہر تک چھوڑ آؤ۔“

وہ دونوں باہر چلے گئے۔ عبادت علی نے گھور کر نفاست کی طرف دیکھا۔ پھر گرج کر بولے۔ ”تم تمام کاروبار سنبھالتے ہو مگر یہ گھر نہیں سنبھال سکتے۔ کیا اس قابل ہو کہ ہمارے بعد اس خاندان کے سرپرست بن سکو؟“

کبریٰ اور نفاست نے حیرت سے ان کے بدلے ہوئے رویے کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔

”آپ ناراض ہو رہے ہیں‘ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟“

”تم پولیس اسٹیشن کیوں گئے؟ کیا سوچ کر گئے‘ یہ رپورٹ درج کرانے کہ سید عبادت علی شاہ کی نواسی آدھی رات کو گھر سے بھاگ گئی ہے؟ کیا یہ خبر اخبارات میں شائع نہیں ہو گی؟ ہم پر سوالات کی بوچھاڑ ہو گی۔ ہم کتنوں کو جواب دیں گے کہ وہ بھاگی نہیں تھی‘ اسے اغوا نہیں کیا گیا تھا‘ اس خاندان کی ایک شریف زادی رات کو گھر سے باہر نہیں رہی۔ اس بات پر کون یقین کرے گا؟“

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ”آپ ناراض نہ ہوں۔ ہم نے رپورٹ درج نہیں کرائی ہے۔ یہ بات گھر سے باہر نہیں جائے گی۔“

کبریٰ ہمت کر کے بولے۔ ”ابا جان! غصہ تھوک دیں۔ یہ خوشی کا موقع ہے۔ آپ ناراض خدمت ہوں۔“

زیبی آگے بڑھ کر ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ ”اور کیا دادا جان! یہ خوشی کی بات ہے کہ فہمی واپس آ گئی ہے۔“

وہ مایوسی سے ایک صوفے پر ڈھے گئے پھر بولے۔ ”وہ واپس نہیں آئی ہے۔“

سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ سوالیہ نظریں ان کے چہرے کو تک رہی تھیں۔ مراد اندر آ رہا تھا۔ وہ بھی ان کی بات سن کر وہیں ٹھٹک گیا۔

نفاست نے حیرانی سے پوچھا۔ ”آپ نے ابھی کہا تھا۔“

”انسپکٹر کو ٹالنے کے لئے کہا تھا۔ ایک شریف زادی کی تصویر تمام تھانوں میں پہنچائی جاتی۔ ہمارے خاندان کا نام خوب اچھلتا۔“

نفاست کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ ان کے قریب بیٹھ کر بولا۔ ”معافی چاہتا ہوں۔ فہمی کی گمشدگی نے مجھے اپ سیٹ کر دیا تھا۔ میں آپ کی طرح دور تک نہ سوچ سکا۔ بے شک! آپ دانا ہیں‘ دوراندیش ہیں۔“

مراد ان کے پاس آ کر بولا۔ ”دادا جان! مجھے مالی پر شبہ ہے وہ فہمی کو لے گیا ہے۔“

وہ تائیدی انداز میں سر ہلا کر بولے۔ ”ہوں......... تمہیں شبہ ہے مگر ہمیں یقین ہے۔“

”ہمیں فوراً ہی اس کے خلاف کارروائی کرنی چاہئے۔“

”ہمیں کیا کرنا چاہئے‘ یہ ہم سوچ رہے ہیں۔ بہتر ہے ابھی تم لوگ جا کر سو جاؤ۔“

حسرت بولا۔ ”مجھے نیند نہیں آئے گی۔ میں فہمی اور مالی کو تلاش کرنے جاؤں گا۔“

انہوں نے ڈانٹ کر کہا۔ ”تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ اپنے کمرے میں جا کر چپ چاپ

سو جاؤ۔ یہ بچوں کا نہیں بڑوں کا کھیل ہے۔ بچے صرف تماشہ دیکھیں گے۔"

وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کبریٰ نے تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "جاؤ .... تم سب جا کر آرام کرو۔ اس گونگی نے تو ہمیں پریشان کرنے کی ٹھانی ہوئی ہے۔"

زیبی نے کبریٰ کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ "ممی! آپ نے پھر اسے گونگی کہا۔"

"ارے زبان ہے پھسل کر سچ اگل دیتی ہے۔ تم جاؤ میرے بچو! جا کر اپنی نیند پوری کرو۔"

وہ تینوں اپنے کمروں میں چلے گئے۔ نفاست نے کبریٰ سے کہا۔ "سب سونے کے لئے جا چکے ہیں۔ تم بھی چلو .... آرام کر لو۔"

"مجھے نیند نہیں آئے گی۔ میں فکر اور پریشانی سے جاگتے جاگتے مر جاؤں گی۔"

نفاست جلدی سے بولا۔ "مریں تمہارے دشمن .... آخر پریشانی کیا ہے؟"

"وہ دو چار کروڑ کی حقدار ہے۔ یہاں سے جا چکی ہے۔ ابا جان نے تو حکم صادر فرمایا کہ ہم جا کر سو جائیں اور خود بھی سونے چلے گئے جیسے اس گھر میں کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔"

"انہوں نے ہمیں آرام کرنے کے لئے کہا ہے اور خود بھی اپنے کمرے میں چلے گئے ہیں لیکن میں سمجھ سکتا ہوں کہ انہیں بھی نیند نہیں آئے گی۔"

"انہیں یقین ہے اور ہمیں بھی یقین ہے کہ فہمی کو وہی مالی لے گیا ہے پھر اس کے خلاف فوری کارروائی کیوں نہیں کر رہے ہیں؟"

وہ پریشانی سے بولا۔ "یہ بات تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہی ہے۔ ابا جان کی خاموشی بڑی پُراسرار ہوا کرتی ہے۔"

"آپ معلوم کرنا چاہیں گے تو اسرار کے پردے اٹھیں گے' بھید کھلیں گے۔ آخر وہ مالی کون ہے جو اس گھر کی عزت کو چرا کر لے گیا ہے اور آپ کے ابا جان چپ کا روزہ رکھ رہے ہیں۔ اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا رہے ہیں۔ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں' آپ جاننا کیوں نہیں چاہتے؟"

وہ گہری سنجیدگی سے سوچتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اب مجھے بات کی تہہ تک پہنچنا چاہئے۔"

"میں تو کہتی ہوں صبح ہوتے ہی آپ ابا جان سے بات کریں اور اس بھید سے پردہ اٹھائیں۔"

کبریٰ کے جتلانے پر نفاست کے ذہن میں بھی یہ سوال کلبلانے لگا تھا کہ آخر ابا جان مالی کے خلاف کسی بھی قسم کی کارروائی کرنے میں دیر کیوں کر رہے ہیں؟

اس نے سوچ لیا تھا کہ اس اسرار سے پردہ کس موقع پر اٹھانا ہے؟

☆======☆======☆

فراز کے بوڑھے ماں باپ آنگن میں بچھی چارپائیوں پر گہری اور پُرسکون نیند سو رہے تھے لیکن وہ اپنے کمرے میں بستر پر بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا۔

اس کے کانوں میں باپ کے کہے ہوئے الفاظ گونج رہے تھے۔ "تم بڑی بڑی رقمیں نہ بھیجتے تو شبو کی شادی اور کئی برسوں کے لئے ٹل جاتی۔"

وہ ذہن کو جھٹک کر دوسری طرف منہ پھیر کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ "اس دوست نے کتنی رقم دی تھی؟"

"پورے ایک لاکھ روپے تھے۔"

وہ چونک کر بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بیٹھ گیا۔

اچانک اسے صمد شاہین کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر سر اٹھا کر دیکھا۔ صمد شاہین اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھا ہوا مسکرا رہا تھا۔ فراز اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

صمد نے کہا۔ "میں نے تمہاری نیند حرام کر دی ہے۔ واہ کیا بات ہے؟ نیکی برباد گناہ لازم؟ دنیا سے پوچھو تو یہ کہے گی کہ میں نے نیکی کی ہے۔ تم سے پوچھو تو تم کہو گے' میں نے گناہ کیا ہے۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کمرے میں ٹہلنے لگا' پھر بولا۔ "کیا گناہ' کیا ثواب .... میرا ایمان ہے کہ اچھا کرنے والا اگر بُرا کر رہا ہو تو وہ شیطان ہے اور اگر بُرا کرنے والا اچھا کر رہا ہو تو وہ ایک سچا انسان ہے۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ فراز طنزیہ لہجے میں بولا۔ "تمہارے جیسے مجرم اپنی صفائی میں دلیلیں دینا خوب جانتے ہیں۔ تم کچھ بھی کہہ لو مگر میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ تم میرے گھر میں' میری زندگی میں حرام لے آئے ہو۔ میں اپنی بہن کی زندگی سے تمہارے احسانات کو کیسے نوچ کر پھینک دوں؟ تم مسیحا بن کر اماں کو دوائیں پلا رہے ہو۔ میں موت بن کر ان سے دوائیں کیسے چھین لوں؟ تم نے مجھے بُری طرح الجھا کر رکھ دیا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ ”نیکی اور بدی کے درمیان الجھتے رہنے کا نام ہی زندگی ہے۔ میں تو بدی کی دلدل میں گردن تک دھنسا ہوا ہوں۔“

پھر وہ اپنے چہرے اور پیشانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”اس لئے یہاں سے نیکی کرتا رہتا ہوں تاکہ زندہ رہنے کے لئے سانسیں لیتا رہوں۔ تمہیں بھی زندہ رہنے کے لئے حالات سے سمجھوتہ کرنا ہو گا۔ کب تک الجھتے رہو گے؟ اور کروٹیں بدلتے رہو گے؟ جس طرح موت ضرور آتی ہے اسی طرح نیند بھی ضرور آتی ہے۔ تمہیں بھی نیند آ جائے گی۔ تم بھی سو ہی جاؤ گے .... شب بخیر۔“

صمد اچانک ہی اس کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ فراز نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ صمد شاہین اس کے حواسوں پر چھایا ہوا تھا۔ اس کی نیندیں حرام کر رہا تھا لیکن وہ خیالوں میں آ کر یہ درست کہہ گیا تھا۔ ”جب تک موت نہیں آتی‘ نیند ضرور آتی ہے۔“

صبح سے پہلے اس کی آنکھ لگ گئی۔

☆======☆======☆

اسد رات دیر تک پڑھتا رہا تھا اور اب کتاب بند کر کے سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے فون سے نمبر پنچ کرنے کی آواز سنائی دی۔

اس نے آنکھیں کھول کر فون کی طرف دیکھا پھر زیر لب بڑبڑایا۔ ”ہوں .... عالیہ کسی کو فون کر رہی ہے۔“

اس نے گھڑی میں وقت دیکھا رات کے تین بج رہے تھے۔ اسد اور عالیہ لاہور میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ وہ دونوں وہاں ایک رشتے کی آنٹی کے گھر میں رہ رہے تھے۔ کبریٰ اور نفاست نے یہ مناسب نہیں سمجھا تھا کہ وہ دونوں ہاسٹل میں رہیں۔ اس لئے انہوں نے ان کی رہائش کا انتظام ایک رشتہ دار کے گھر میں کر دیا تھا۔

دوسری طرف عالیہ اپنے کمرے میں ریسیور کان سے لگائے کریڈل کو دبا کر بڑبڑائی۔ ”کیا مصیبت ہے؟ نمبر غلط پنچ ہو گیا۔ بار بار پنچ کروں گی تو اُدھر اسد جاگ جائے گا۔“

اس نے پھر بڑی احتیاط سے ایک ایک نمبر پنچ کیا۔ کچھ دیر بعد ریسیور سے مردانہ آواز ابھری۔ ”ہیلو .... میں بول رہا ہوں .... ایم اے درانی۔“

”ہیلو .... درانی صاحب! میں عالیہ بول رہی ہوں۔ میں نے آپ کو تاکید کی تھی کہ یہاں فون نہ کریں پھر بھی آپ نے شام کو فون کیوں کیا تھا؟“

ایم اے درانی گہری نیند سے بیدار ہوا تھا۔ وہ جماہی لیتے ہوئے بولا۔ ”آپ جیسا رشتہ چاہتی ہیں ویسا ہی رشتہ آیا ہے۔ اسی لئے میں نے آپ کو فون کیا تھا۔“

”پلیز! آئندہ ایسی غلطی نہ کریں۔“

اسد بیڈ پر لیٹا ریسیور کان سے لگا کر ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ ریسیور سے عالیہ کی آواز ابھری۔ ”میرے کزن اسد نے آپ کی کال ریسیو کی تھی۔“

درانی نے کہا۔ ”میں نادان نہیں ہوں۔ آپ کے کزن کی آواز سنتے ہی میں نے رانگ نمبر کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔“

عالیہ ہنستے ہوئے بولی۔ ”میرا کزن ایسا ہی ہے۔ اسے کوئی بھی اُلو بنا سکتا ہے۔“

اسد نے اس کی بات سن کر ریسیور کو گھور کر دیکھا۔ ایک بار پھر اس کی آواز ابھری۔ ”اسے چھوڑیں‘ آپ رشتے کی بات کریں۔“ اسد غور سے ان کی گفتگو سننے لگا۔

درانی نے کہا۔ ”نیویارک سے ایک فیملی آئی ہے۔ وہ کسی اچھی پاکستانی لڑکی کو بہو بنا کر اسے اپنے ساتھ امریکہ لے جانا چاہتے ہیں۔ آپ گرین کارڈ حاصل کرنا چاہتی ہیں تو یہ رشتہ مناسب رہے گا۔“

”میں فیملی کے بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہتی۔ جو تنہا ہو گا‘ جس کا آگے پیچھے کوئی نہ ہو گا‘ میں اس سے شادی کروں گی۔“

”آپ اپنے کسی سرپرست کو میرے میرج بیورو میں لے آئیں‘ میں ان سے معاملات طے کر لوں گا۔“

وہ قدرے سنجیدگی سے بولی۔ ”اتنی بڑی دنیا میں میری ایک ہی سرپرست ہیں۔ میری خالہ امی .... پہلے میں لڑکے کو دیکھوں گی‘ وہ میری پسند اور معیار کے مطابق ہو گا تو میں اپنی خالہ امی کو لے کر آؤں گی۔ ویسے یہ فیملی والا رشتہ مجھے منظور نہیں ہے۔ آپ کوئی دوسرا رشتہ لائیں۔“

عالیہ نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ رابطہ منقطع ہو گیا۔ اسد بھی ریسیور کریڈل پر رکھ کر زیر لب بڑبڑایا۔ ”یہ تو گرین کارڈ حاصل کرنے کے لئے باؤلی ہو رہی ہے۔ کوئی گرین کارڈ لائے گا تو دلہن بنے گی۔ ورنہ شادی نہیں کرے گی۔“

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بیڈ سے اتر کر ٹہلنے لگا۔ پھر بڑبڑایا۔ ”ممی اور ڈیڈی سے کتنی بار کہا ہے‘ اس پر گرین کارڈ کا بھوت سوار ہے۔ اس کے سر سے بھوت نہ اتارا گیا تو یہ بھٹک جائے گی۔ کسی نہ کسی کے فریب میں آ جائے گی۔“

وہ بولتے بولتے ٹھٹک گیا۔ پھر سوچنے لگا۔ "فریب .... کوئی بھی فریب دے سکتا ہے۔ پھر میں .... میں کیوں نہیں دے سکتا؟"

اس کے شرارتی ذہن نے فوراً ہی ایک منصوبہ تیار کرلیا اور بہت جلد وہ اس پر عمل پیرا ہونے والا تھا۔

☆======☆======☆

دوسرے دن کا سورج طلوع ہونے والا تھا لیکن ابھرنے سے پہلے ہی اپنی روشنی پھیلا رہا تھا۔ جمال ہمدانی نے بھی فی الحال کوئی نیا قدم نہیں اٹھایا تھا لیکن عبادت علی آنے والے وقت اور حالات کا تعین کر چکے تھے۔ انہیں اس بات کا اندازہ تھا کہ اب وہ اس سے بڑے صدمات انہیں پہنچانے والا ہے۔

ان کا نام عبادت علی شاہ تھا۔ بڑے عبادت گزار تھے۔ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتے تھے مگر کبھی اپنے اعمال پڑھنے کی فرصت نہ ملی۔ ان کی حکومت کا سورج غروب ہونے والا تھا لیکن اب بھی غرور اور تکبر ان کے دماغ سے نہیں نکل پایا تھا۔

وہ فجر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ نفاست آہستگی سے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا۔ کبریٰ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی اندر آ گئی۔

عبادت علی نے سلام پھیر کر دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے۔ نفاست دھیرے دھیرے چلتا ہوا ان کے برابر آ کر بیٹھ گیا۔ کبریٰ بھی ان سے ذرا فاصلے پر بیٹھ گئی۔

عبادت علی نے دعا مانگنے کے بعد جائے نماز کو سامنے سے الٹ دیا۔ نفاست نے ہاتھ بڑھا کر جائے نماز کو سیدھا کیا پھر بولا۔ "ابا جان! یہ جگہ دنیا کی سب سے بڑی عدالت ہے۔ یہاں صرف سچ بولتے ہیں۔ سچ کے سوا کچھ نہیں بولتے۔ ابا جان! آپ بھی یہاں سچ بولیں گے۔"

عبادت علی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ الجھ کر بولے۔ "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم سچ نہیں بولتے' یہاں سے اٹھ کر جھوٹ بولیں گے۔"

نفاست نے دھیمے لہجے میں بولنا شروع کیا۔ "جب سے آپ اس مالی کو یہاں لائے ہیں تب سے ایک کیل میرے سینے میں گڑی ہوئی ہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اسے یہاں سے نکلوا دوں گا تو یہ کیل بھی نکل جائے گی لیکن اس نے فہمی کو ساتھ لے جا کر اسے اور گہرائی تک چبھو دیا ہے۔"

وہ ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "خدا کے لئے ابا جان! مجھ سے تکلیف

برداشت نہیں ہو رہی ہے۔ اس کیل کو نکال دیں۔ اپنے بیٹے کو اس نامعلوم عذاب سے نجات دلا دیں۔"

عبادت علی بڑی محبت سے اسے دیکھ رہے تھے اور بڑے دکھ سے اس کے دلی کرب کو سن رہے تھے۔ انہوں نے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ہم اپنی اولاد کے اندر جھانک کر اس کے درد و کرب کو سمجھ لیتے ہیں۔ ہمارے نہ بتانے کے باوجود تم وہ سمجھ رہے ہو' جو ہم چھپا رہے ہیں۔ یہ تمہاری سعادت مندی ہے کہ ہم سے آنکھیں ملا کر بات نہیں کرتے۔ ہم سے جواب طلبی کی گستاخی نہیں کرتے۔"

انہوں نے کھنکار کر گلا صاف کیا پھر ذرا توقف کے بعد بولے۔ "آج ہم سوال سے پہلے جواب دے رہے ہیں۔ ہم نے جھوٹ کہا تھا کہ تمہارا بہنوئی .... ہمارا داماد مر چکا ہے۔ وہ .... وہ زندہ ہے۔" کبریٰ اور نفاست نے چونک کر انہیں دیکھا۔ وہ بولے۔

"ہمارا خیال تھا کہ ہم جیتے جی اس پر مٹی ڈالتے رہیں گے لیکن آج وہ ہم پر مٹی ڈال رہا ہے۔ وہ یہاں سے ایک فائل چرا کر لے گیا ہے۔"

نفاست نے حیرت سے پوچھا۔ "فائل .... کیسی فائل؟"

وہ گہری سانس لے کر بولے۔ "اس فائل میں اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر ہے۔"

"اس نے کیا لکھا تھا؟"

"اس تحریر کے مطابق اس کی زوجہ سعیدہ بانو نے ایک بیٹی کو جنم دیا تھا۔ وہ بیٹی چند اہ بعد مر گئی تھی' پھر سعیدہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔"

"اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ فہمی اس مالی کی بیٹی نہیں ہے۔ آپ کی نواسی نہیں ہے۔"

"وہ ہماری نواسی ہے لیکن اس کی بیٹی نہیں ہے۔"

نفاست نے ذرا پریشانی سے پوچھا۔ "اس کی وہ تحریر نہ رہی تو.........؟"

عبادت علی کی گردن جھک گئی۔ نفاست نے جو سوال ان سے پوچھا تھا وہی سوال ات سے ان کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

وہ بولا۔ "فرض کریں کہ وہ تحریر محفوظ رہتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ فہمی اس ل کی بیٹی نہیں ہے تو پھر کس کی بیٹی ہے؟"

"شفاعت علی کی........."

"بھائی جان کی بیٹی.........!"

کبریٰ نے پہلی بار گفتگو میں مداخلت کی۔ "کیا .... وہ .... وہ بھائی جان کی بیٹی ہے؟"

وہ دونوں حیرت سے ان کا منہ تک رہے تھے۔ انہوں نے نفاست سے کہا۔ "تمہاری امی مرحومہ نے ایک کاغذ لکھا تھا کہ شفاعت علی کی ایک گونگی اور بہری بیٹی تھی۔ وہ اس بیٹی کو اس کی دادی وقارالنساء کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ تمہاری امی کی وہ تحریر بھی اسی فائل میں ہے۔"

نفاست ان کی بات سن کر الجھ گیا۔ پھر بولا۔ "یہ بات سمجھ میں نہیں آئی ....امی جان کی تحریر کے مطابق فہمی بھائی جان کی بیٹی ہے، آپ کی پوتی ہے، پھر آپ اسے نواسی کیوں کہتے ہیں؟"

"ہمارے اعلیٰ خاندانی شجرے سے مالی کا رشتہ کاٹنے کے لئے تمہاری ماں نے ایسا لکھا تھا۔ وہ ان تمام کاغذات کی موجودگی میں کبھی ہم سے رشتہ داری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔"

نفاست تشویش سے بولا۔ "اب تو وہ دعویٰ کرے گا۔ ہمارے لئے پرابلم بنے گا۔"

"یہی پریشانی ہے۔ پتہ نہیں وہ کم ذات کیا کرنے والا ہے؟"

وہ دونوں پریشانی سے سوچنے لگے۔ کبریٰ نے پوچھا۔ "امی جان نے کوئی وصیت تو لکھی ہو گی؟"

عبادت علی نے تائیدی انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں .... لکھی تھی لیکن وہ وصیت بھی اسی فائل میں ہے۔"

کبریٰ نے منہ بسور کر نفاست کی طرف دیکھا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے عبادت علی سے پوچھا۔ "وصیت میں ہمارا نام تو ہو گا؟ میرا مطلب ہے .... انہوں نے آپ کی پوتی اور پوتوں کے لئے کچھ تو چھوڑا ہو گا؟"

نفاست انہیں ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "نہیں .... وقارالنساء نے اپنی تمام جائیداد شفاعت علی اور فہمی کے نام لکھی ہے۔"

کبریٰ نے نفاست کو کہنی مار کر کچھ پوچھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ کر بولا۔ "وہ .... اس جائیداد کی مالیت کیا ہے؟"

عبادت علی نے ان دونوں کو دیکھ کر کہا۔ "ایک سو دس کروڑ روپے۔"

کبریٰ نے ایک لمبی سانس لی پھر ساکت ہو گئی۔ اس کے دیدے پھیل گئے۔ ان دونوں نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ نفاست اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔ "کبریٰ .... کیا ہوا؟ سانس لو کبریٰ .... سانس لو۔"

وہ کبھی اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارتا کبھی گردن کو سہلانے لگتا۔ عبادت علی اٹھتے ہوئے بولے۔ "ہم پانی لاتے ہیں۔"

نفاست نے اسے لٹا دیا اور اس کا سر اپنے زانو پر رکھ کر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ کبریٰ نے اندر کی سانس باہر نکالتے ہوئے کہا۔ "ایک .... سو .... دس .... کر......... کروڑ؟" اس کی گردن ڈھلک گئی۔

انسان بھی کیا چیز ہے؟ پیسہ کم ہو تو محرومیت اسے مار ڈالتی ہے اور پیسہ توقع سے زیادہ مل جائے تو وہ مارے خوشی کے مرجاتا ہے۔ وہ ابھی زندہ تھی، صرف بے ہوش ہوئی تھی۔

☆======☆======☆

فہمی بیڈ پر گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے بڑے اور آرام دہ گھر میں نیند اور سکون میسر نہ تھا۔ اس لئے اس کا باپ اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا لیکن اس کے اس اقدام نے اونچے اور اعلیٰ خاندان کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔

وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے میز پر وہی سرخ فائل رکھی ہوئی تھی جو آج تک خون کے رشتے کو کاٹتی چلی آرہی تھی۔

اس نے فائل کو کھول کر ایک تحریر شدہ کاغذ نکالا پھر زیر لب بڑبڑایا۔ "مرنے والوں کو منوں مٹی تلے دفن کیا جاتا ہے۔ مگر ایک باپ کو ان کاغذات میں دفن کیا گیا تھا۔ یہ ہے وہ کاغذ........."

اس نے فائل کے برابر رکھی ہوئی موم بتی کو روشن کیا اور اس کاغذ کو اس کی لو سے لگا دیا۔ کاغذ جلنے لگا۔ اس نے فہمی کی طرف دیکھا وہ سو رہی تھی۔ پھر زیر لب بڑبڑایا۔ "میری بچی! یہ موت کا پروانہ تھا، جل رہا ہے، آج تمہارا باپ زندہ ہو رہا ہے۔"

کاغذ جل کر راکھ بن گیا۔ جمال ہمدانی نے ایک گہری سانس لی۔ اسے واقعی ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے آج وہ زندہ ہو گیا ہے اور آزادی کی سانس لے رہا ہے۔

اس نے فائل میں ایک اور تحریر شدہ کاغذ نکالا۔ پھر اسے دیکھ کر طنزیہ لہجے میں بولا۔ "ساس کو خوش دامن کہتے ہیں۔ مگر آپ کے دامن میں داماد کو کبھی خوشی نہیں ملی۔ آپ

نے جس پردے میں ساس کے رشتے کو چھپایا تھا آج وہ پردہ اٹھ رہا ہے۔"

اس کاغذ کی تحریر کے مطابق فہمی جمال ہمدانی کی نہیں بلکہ شفاعت علی کی بیٹی تھی۔ اس نے اس کاغذ کو بھی جلا ڈالا۔ وقار النساء کی منصوبہ بندی راکھ ہو گئی۔

ایسے تمام ثبوت مٹ چکے تھے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ فہمی جمال ہمدانی کی بیٹی نہیں ہے۔ اب کوئی بھی اسے اس کی بیٹی سے جدا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے حق سے اسے محروم نہیں کر سکتا تھا۔

☆======☆======☆

الارم کی آواز سنتے ہی اسد ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے گھور کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ پھر بٹن دبا کر اسے آف کر دیا۔ صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ نو بجے کالج پہنچنا تھا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا غسل خانے میں گھس گیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر ڈائننگ روم میں چلا آیا۔

انکل اور آنٹی ڈائننگ ٹیبل کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک خانساماں ناشتہ کے برتن میز پر چن رہا تھا۔ اسد ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "آنٹی آپ جا کر عالیہ کو جگا دیں۔ ورنہ وہ نواب زادی سوتی رہے گی۔"

انہوں نے کہا۔ "وہ اٹھ چکی ہے اور شاور لے رہی ہے۔"

اس نے آنٹی کو دیکھا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "میری غیر موجودگی میں عالیہ کسی کو فون کرتی ہے؟"

انہوں نے ایک پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔ "کبھی کبھی کرتی ہے۔"

اسد نے انکل کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ممی اور ڈیڈی نے ہمیں آپ کے سائے میں رکھا ہے۔ یہ اچھی بات ہے۔ ہمارے بزرگ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ ہم جوان ہیں۔ ہم سے غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ وہ ہم سے باخبر رہنا چاہتے ہیں۔"

انکل نے تائید میں سر ہلایا پھر اس کی بات کا جواب دیا۔ "جب تم گھر پر نہیں رہتے' تب وہ فون پر باتیں کرتی ہے۔"

"کس سے باتیں کرتی ہے؟ آپ کو دوسرے فون پر چپ چاپ سننا چاہئے۔"

آنٹی نے کہا۔ "تمہارا کمرہ لاکڈ ہوتا ہے۔"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "ہوں .... یہ بات بھی درست ہے۔ وہ دل کی اچھی ہے' مگر سرپھری ہے۔ الٹی سیدھی حرکتیں کرتی رہتی ہے۔"

عالیہ بھی ڈائننگ روم میں آ گئی اور ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "یہ کس کی

تعریفیں ہو رہی ہیں؟"

اسد شعر پڑھنے کے انداز میں بولا۔ "تعریف اس خدا کی' جس نے تم جیسی سرپھری بنائی۔"

وہ ایک توس پر مکھن لگاتے ہوئے بولی۔ "صبح صبح شروع ہو گئے۔ سکون سے ناشتہ نہیں کرنے دو گے؟"

ان کی نوک جھونک سن کر انکل اور آنٹی اٹھتے ہوئے بولے۔ "ہم دونوں تو ناشتہ سے فارغ ہو چکے ہیں۔"

انکل بولے۔ "میں آفس جا رہا ہوں۔ تم دونوں بھی جھگڑا ختم کرو اور جلدی جلدی ناشتہ کر کے کالج پہنچو۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ اسد گفتگو کا سلسلہ جوڑتے ہوئے بولا۔ "تمہیں ناشتے کی پڑی ہے اور یہاں میری نیندیں اڑ گئی ہیں۔ تم مجھے سکون سے سونے نہیں دو گی' میں تمہیں کھانے نہیں دوں گا۔"

وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔ "اچھا .... تو کیا میں تمہاری نیندیں اڑاتی ہوں؟"

"جی ہاں .... اگر امریکہ سے کوئی فیملی تمہارا رشتہ مانگنے آئے گی' تم سے بات کرے گی تو ایسے میں کیا خاک نیند آئے گی؟"

وہ حیرت سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ پھر غصہ سے پوچھا۔ "کیا تم نے میری فون کال سنی تھی؟"

وہ اسے دیکھ کر ہنسنے لگا پھر جواب دینے کے بجائے ناشتے میں مصروف ہو گیا۔ اس کی اس حرکت نے مزید بھڑکا دیا۔ وہ غصے سے اس کا کان مروڑتے ہوئے بولی۔ "کان لگا کر دوسروں کی باتیں سننا تہذیب کے خلاف ہے۔"

اسد اپنا کان چھڑاتے ہوئے بولا۔ "اور بزرگوں کے ہوتے ہوئے اپنا رشتہ تلاش کرنا بھی تہذیب کے خلاف ہے۔"

"میں تہذیب کو اور خاندانی روایات کو تم سے زیادہ سمجھتی ہوں۔ مجھ پر خالہ امی کے پہلے ہی بہت احسانات ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ میری شادی کی فکر میں مبتلا رہیں۔ میں خود ہی اپنے لئے کوئی ایسا لائف پارٹنر تلاش کروں گی جس پر خالہ امی کو اعتراض نہ ہو تو اس میں برائی کیا ہے؟"

وہ بہت سنجیدگی سے بول رہی تھی۔ اسد دل ہی دل میں اسے پسند کرنے لگا تھا۔ وہ

تھی بھی ایسی پیاری سی کہ کوئی بھی اس کے آگے اپنا دل ہار دیتا۔ پھر وہ دونوں تو بچپن سے ساتھ کھیلتے کودتے جوان ہوئے تھے۔

وہ اسے ڈرانے کے انداز میں بولا۔ "سوچ لو .... اگر ممی کو معلوم ہو گا تو وہ تمہارے کان پکڑ کر یہاں سے لے جائیں گی۔ آگے کی تعلیم ختم .... آزادی ختم .... پھر خوابوں میں کسی لائف پارٹنر کو گرین کارڈ سمیت تلاش کرتی رہنا۔"

وہ ناک چڑھا کر بولی۔ "جی نہیں .... ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ وہ مجھے جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہیں۔"

اسد کو اس کی بولنے کی ادا اچھی لگی۔ وہ اسے پیار سے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں اپنی بہو بنا لیں۔"

وہ ناشتہ کر رہی تھی۔ اس کی بات سن کر اس کے ہاتھ کا نوالہ منہ میں جانے کے بجائے پلیٹ میں گر گیا۔ اس نے اسد کی طرف دیکھا پھر بولی۔ "تمہیں شاید نہیں معلوم کہ خالہ امی مجھے اپنے کسی بیٹے سے منسوب نہیں کریں گی۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "کیوں نہیں کریں گی؟"

"آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ انہوں نے مجھے اپنا دودھ پلایا ہے۔"

وہ چیخ کر بولا۔ "کیا .... نہیں .... میں نہیں مانتا۔"

وہ لاپرواہی سے بولی۔ "تمہارے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے؟"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "تم جھوٹی ہو .... مکار ہو .... میں ممی سے پوچھوں گا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا .... ممی کبھی ایسا نہیں کریں گی۔"

وہ غصہ سے پیر پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ عالیہ سر جھکا کر شرارت سے مسکرانے لگی۔

وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ عبادت علی شاہ کا اونچا اور اعلیٰ خاندان رشتوں کی بنیاد دولت پر رکھتا ہے۔ ہونے والے داماد یا بہو کی صورتوں کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ ان کے ساتھ آنے والی دولت کی چمک کو دیکھا جاتا ہے۔

عالیہ تو یتیم اور یسیر لڑکی تھی۔ اپنے جہیز میں کوئی فیکٹری، گاڑی یا بنگلہ نہیں لا سکتی تھی۔ اسی لئے کبریٰ سگی خالہ ہونے کے ناطے اسے اپنے کسی بیٹے سے منسوب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

عالیہ ایک حساس لڑکی تھی، وہ اس بات کو سمجھتی تھی، اسی لئے اسد سے کتراتی

تھی۔ وہ بھی اسے دل و جان سے چاہتی تھی۔ مگر اس چاہت کا انجام سوائے جدائی کے اور کچھ نہ تھا۔

وہ اپنی محبتوں کے تمام تر جذبوں سمیت اس سے بہت دور چلی جانا چاہتی تھی۔ اسی لئے وہ کسی گرین کارڈ ہولڈر سے شادی کی خواہاں تھی تاکہ وہ اس ملک سے چلی جائے۔ کیونکہ ہمیشہ اسد کے قریب رہنا اور پھر بھی اس سے دوری رکھنا، اس کے لئے ناقابلِ برداشت عمل تھا۔

اگر اسد کبریٰ سے اپنے اور عالیہ کے رشتے کی بات کرتا تو اس کی یہ بات کبھی تسلیم نہ کی جاتی بلکہ ان کے درمیان رنجشیں پیدا ہو جاتیں اور عالیہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لئے اس نے اسد سے جھوٹ بولا تھا کہ اس نے خالہ امی کا دودھ پیا ہے تاکہ اسد کا دل اس کی طرف مائل نہ ہو۔

دودھ کے رشتے بڑے مضبوط ہوتے ہیں۔ مگر وہ کچے دھاگے کی طرح ٹوٹنے والا تھا۔

☆======☆======☆

کبریٰ ہوش میں آ چکی تھی اور اب اپنے فیصلوں سے دوسروں کے ہوش اڑانے کے لئے پورے گھر میں خوشی سے اڑتی پھر رہی تھی۔

اس نے سب سے پہلے حسرت کو اپنا نشانہ بنایا۔ وہ اسے خوشی سے پکارتی ہوئی اس کے کمرے کے اندر آئی۔ "اے بیٹا حسرت! حسرت .... کہاں ہو تم؟"

حسرت واش روم میں تھا۔ تولیئے سے منہ پونچھتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا۔ "تعجب ہے، ممی میرے کمرے میں کبھی جھانکنے نہیں آتیں۔ آج کیسے آ گئیں؟"

کبریٰ نے باتھ روم کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے پوچھا۔ "حسرت! تم اندر ہو؟"

"ہاں ممی!" حسرت نے اندر سے پوچھا۔ "خیریت تو ہے نا؟"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "اے بیٹا! باہر آؤ .... بہت بڑی خوشخبری ہے۔ نہیں سناؤں گی تو میرا پیٹ پھولتا رہے گا۔"

وہ باتھ روم سے باہر آ کر بولا۔ "کیا بات ہے ممی! بڑی خوش نظر آ رہی ہیں؟"

زیبی کوریڈور سے گزر رہی تھی۔ ماں کو حسرت کے کمرے میں دیکھ کر حیران ہوئی پھر دروازے کے پاس آ کر بولی۔ "ممی! میں جا رہی ہوں۔ دادا جان پوچھیں تو کہہ دیں کہ میں اپنی فرینڈ سے نوٹس لینے گئی ہوں۔"

کبریٰ اسے دیکھ کر بولی۔ ”اے بیٹی! کسی سے نوٹ مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے ہاں نوٹوں کی بارش ہونے والی ہے۔“

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ”جی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“

اس نے ہاتھ کے اشارے سے ان دونوں کو اپنے پاس بلاتے ہوئے کہا۔ ”میرے بچو! یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو۔“

وہ دونوں حیران پریشان سے اس کے قریب صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔ وہ خوشی سے کھل کر بولی۔ ”ایک سو دس کروڑ روپے .... چھپر پھاڑ کر آنے والے ہیں۔“

زیبی نے چھت کی طرف دیکھا' پھر پوچھا۔ ”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

کبریٰ حسرت کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ”ہائے بیٹا! تمہارے تو دن پھر گئے۔“

”میں سمجھ گیا .... یہ چھت Crack ہونے والی ہے۔ ایک سو دس کروڑ روپے امپورٹ ہونے والے ہیں۔ مگر کیسے؟“

وہ بولی۔ ”تمہاری دادی جان نے وصیت لکھی تھی۔ اس وصیت کے مطابق فہمی کو پچاس کروڑ ملیں گے اور شفاعت بھائی جان کو ساٹھ کروڑ روپے ملیں گے۔“

زیبی بیزاری سے بولی۔ ”ہمیں تو نہیں ملیں گے' پھر آپ کیوں اتنا خوش ہو رہی ہیں؟“

وہ چٹکی بجاتے ہوئے بولی۔ ”میرے دماغ میں ایک زبردست آئیڈیا ہے۔ یہ ساری رقم ہمیں ملے گی۔ پوچھو یہ سارا مال ہمیں کیسے ملے گا؟“

حسرت نے پوچھا۔ ”بتایئے .... کیسے ملیں گے؟“

وہ بولی۔ ”شفاعت بھائی جان بیس برسوں سے نہیں آئے۔ اب کیا آئیں گے؟“

وہ دعا مانگنے کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے .... آمین کہو بیٹا!“

حسرت بھی اسی کا بیٹا تھا' وہ بولا۔ ”وہ ہمارے بڑے ابو ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں زندگی دے' آمین!“

وہ کبریٰ کو کہنی مار کر بولا۔ ”آپ بھی کہیں آمین!“

وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔ ”اے' میں کیا پاگل ہوں۔ تم نے ضرور نشہ کیا ہے۔ تمہیں تو مردہ بھی زندہ دکھائی دے رہے ہیں۔“

زیبی نے کہا۔ ”حسرت بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ بڑے ابو نہ سہی' ان کے بچے تو

زندہ ہوں گے۔“

کبریٰ بولی۔ ”دو ہی بچے ہوں گے۔ ایک سدرہ اور دوسرا سجاد۔ ان دونوں کے لئے ایک زبردست آئیڈیا ہے۔“

وہ زیبی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”میں تمہاری شادی سجاد سے کر دوں گی۔“

وہ چیخ کر بولی۔ ”کیا .... آپ کو ڈاکٹر کے پاس جانا چاہئے۔ میں ڈیڈی سے کہوں گی۔ وہ آپ کو مینٹل ہسپتال لے جائیں گے۔ آپ تو شادی کو کھیل سمجھ رہی ہیں۔ میں کوئی شطرنج کا مہرہ نہیں ہوں کہ اِدھر سے اٹھا کر اُدھر رکھ دیں۔“

وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ کبریٰ دروازے کی طرف ہاتھ نچا کر بولی۔ ”تیرے انکار کرنے سے میرا زبردست آئیڈیا فیل نہیں ہو گا۔ میں عالیہ کی شادی سجاد سے کر دوں گی۔“

حسرت بولا۔ ”ان ساٹھ کروڑ میں سدرہ کا بھی تو حصہ ہے۔“

”میں سدرہ کی شادی مراد سے کر دوں گی۔ تم دیکھ لینا' میں یہ دولت خاندان سے باہر نہیں جانے دوں گی۔“

”لیکن ممی! فہمی کا کیا ہو گا؟ وہ پچاس کروڑ کی حقدار ہے اور یہاں سے جا چکی ہے۔“

وہ اس کی بات سن کر سوچنے لگی' پھر بولی۔ ”تمہارے دادا جان کو یقین ہے کہ وہ واپس آئے گی۔ وصیت کے مطابق تمہارے دادا جان ایک سو دس کروڑ کی جائداد کے ٹرسٹی ہیں۔ فہمی کو اس کا حصہ اسی گھر سے ملے گا۔“

”اور اسے بھی آپ اپنی بہو بنانا چاہیں گی؟“

”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے' وہ تم سے مانوس ہے میں اسے تمہارے پلے باندھ دوں گی۔“

وہ چونک کر بولا۔ ”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ وہ ایک نادان بچی ہے۔ مجھے اپنا دوست' اور اپنا ہمدرد سمجھتی ہے۔ میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔“

وہ غصے سے پھنکار کر بولی۔ ”کیوں نہیں کرو گے؟ نکمے ہو' کبھی اپنی ذہانت سے اور محنت سے چار پیسے نہیں کما سکو گے۔ گھر بیٹھے اتنی دولت ملے گی کہ یہ کمرہ نوٹوں سے بھر جائے گا۔“

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ”میں کسی لالچ کے بغیر اسے چاہتا ہوں۔ میں

شادی نہیں کروں گا۔ شادی کے بغیر بھی اس کی بہتری چاہتا رہوں گا۔"

"تم گدھے ہو۔ گدھے ہی رہو گے۔ نہ کرو شادی .... میرے اور بھی دو بیٹے ہیں۔ میں فہمی کو مراد سے یا اسد سے منسوب کر دوں گی۔"

وہ صوفے سے اٹھ کر دروازے کی طرف جانے لگی پھر پلٹ کر ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔ "ایک سو دس کروڑ کی جنگ لڑنے کے لئے میرے پاس سپاہیوں کی کمی نہیں ہے۔"

وہ چلی گئی۔ حسرت اپنی ماں کی عقل کا ماتم کرنے کے لئے کمرے میں تنہا رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی ماں دولت کی بساط پر ایک بے زبان اور معصوم لڑکی کو بھی مہرے کی طرح استعمال کرے گی۔

☆======☆======☆

عبادت علی اپنے کمرے میں سوئنگنگ چیئر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جمال ہمدانی نے ان کا سکون برباد کیا ہوا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم پہلو پر پہلو بدل رہے تھے۔

نفاست دروازہ کھول کر اندر آیا اور ایک فائل ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"ابا جان! یہ ضروری چیک سائن کرنے ہیں۔"

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا پھر ناگواری سے بولے۔ "ابھی جاؤ' فی الحال ہم ان معاملات میں الجھنا نہیں چاہتے۔"

وہ بولا۔ "یہ ضروری چیک ہیں۔ کاٹن ڈیلر کی پے منٹ تو بہت ہی ضروری ہے۔"

وہ بیزاری سے بولے۔ "ضروری ہے تو اپنے پرسنل اکاؤنٹ سے چیک دے دو۔ بعد میں ایڈجسٹ منٹ ہو جائے گی۔"

پھر وہ ہاتھ کے اشارے سے فائل کو ہٹاتے ہوئے بولے۔ "اسے ہٹاؤ .... ہمارے پاس بیٹھو۔"

نفاست نے فائل کو میز پر رکھ دیا۔ پھر ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

وہ اپنے ہاتھوں کو بے چینی سے مسل رہے تھے۔ پھر بولے۔ "وہ کم ذات ضروری کاغذات چرا کر لے گیا ہے۔ اب تک تو شاید ان کاغذات کو ضائع کر چکا ہو گا' تمہارا کیا خیال ہے' کیا وہ ہم سے رشتہ داری کا دعویٰ کرے گا؟"

"چھوٹا آدمی ہے' چھوٹی بات کرے گا اور شاید ڈنکے کی چوٹ پر کرے گا۔"

"اسے روکنا ہو گا۔ کچھ ایسا ہو جائے کہ وہ ہم سے تو بولے مگر دنیا والوں کے سامنے

اپنی زبان نہ کھول سکے۔"

نفاست سوچنے لگا' پھر بولا۔ "وہ تعلیم یافتہ ہے۔ اپنے طور پر سوچ سمجھے گا۔ شاید سمجھوتہ کر لے۔"

وہ قائل ہونے کے انداز میں بولے۔ "ہوں .... سمجھوتہ' ہم جسے کم تولتے رہے' اب اسے برابر تولنا ہو گا۔ اپنے مزاج کے خلاف سر جھکا کر بولنا ہو گا۔"

نفاست مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولا۔ "میں آپ کا سر جھکنے نہیں دوں گا۔ ایک بار وہ سامنے آ جائے۔ اس کا پتہ ٹھکانہ معلوم ہو جائے پھر میں اس کے ہوش ٹھکانے لگا دوں گا۔"

"وہ ٹھکانے لگ جائے تو ہم دو رکعت شکرانہ ادا کریں گے۔"

جمال ہمدانی کی طرف سے اب تک کوئی پیشرفت نہیں ہوئی تھی۔ اس کی خاموشی عبادت علی شاہ کو مزید بے چین کر رہی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ آنے والا وقت کہاں طوفان برپا کرنے والا ہے اور اس طوفان میں کس کا کتنا نقصان ہو گا' اس کا اندازہ کرنا فی الحال ممکن نہ تھا۔

☆======☆======☆

زیبی آئس کریم پارلر میں بیٹھی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ زبیر نے اسے یہاں بلایا تھا۔ کہا تھا کہ دو چار اور بھی فرینڈز یہاں جمع ہوں گے لیکن ابھی تک اس کے اور زیبی کے علاوہ کوئی تیسرا فرینڈ نہیں پہنچا تھا۔

وہ بور ہو رہی تھی۔ زبیر آئس کریم کے دو کپ اٹھائے میز کے پاس آیا۔ پھر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "میں نے سوچا کہ تمہارا موڈ خراب ہے' آئس کریم کھاؤ گی تو فریش ہو جاؤ گی۔"

"میرا موڈ ٹھیک ہے۔ تم نے کہا تھا کہ یہاں فرینڈز کی گیدرنگ ہے۔ کہاں ہیں فرینڈز؟؟"

"وہ بھی آ جائیں گے۔ میں تمہیں کچھ پہلے لے آیا ہوں۔ آج اپنے دل کی بات کہنا چاہتا تھا۔"

وہ ذرا تیز لہجے میں بولی۔ "اچھا تو تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔"

وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کراتے ہوئے بولا۔ "پلیز' اب جھگڑا نہ کرنا۔ آج میں تم سے صاف صاف بات کروں گا۔"

وہ بیزاری سے بولی۔ ”کر بھی چکو۔“

”تمہارا شادی کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

وہ ناگواری سے بولی۔ ”گھر میں ممی نے بھی یہی بات چھیڑی تھی۔ پلیز کوئی دوسری بات کرو۔“

”یہی تو دوسری بات ہے۔“

وہ الجھ کر بولی۔ ”تمہیں میری شادی سے کیا دلچسپی ہے؟“

”تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟“

”تم سمجھاتے کیوں نہیں ہو؟“

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ”میں .... میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

زیبی اس کی بات سن کر حیرانی سے بولی۔ ”کیا .... تم اور مجھ سے شادی کرو گے؟“

”کیوں .... میں نے کوئی نئی اور عجیب و غریب بات کہہ دی ہے۔“

”ہم اچھے دوست ہیں۔ میں تم سے ملتی ہوں۔ دوسرے فرینڈز سے بھی ملتی ہوں۔ ہم سب لائف انجوائے کر رہے ہیں۔ دوستی کے یہ لمحات ابھی ہیں‘ ابھی گزر جائیں گے۔ شادی ایک بار ہوتی ہے تمام عمر کے لئے ہوتی ہے۔ اس کا فیصلہ ہمارے بزرگ کرتے ہیں۔“

وہ بیزار ہو کر بولا۔ ”کیا پرانے زمانے کی باتیں کر رہی ہو؟ شادی ہماری ہو گی۔ فیصلہ بھی ہم ہی کریں گے۔“

”ہمارے بزرگ شادی سے پہلے لڑکے کا سوشل اسٹیٹس دیکھیں گے‘ خاندانی شجرہ معلوم کریں گے۔“

اس نے حیرت سے پوچھا۔ ”یہ کیا ہوتا ہے؟“

”تم خاندانی شجرہ نہیں جانتے‘ اعلیٰ خاندان میں باپ دادا پڑدادا پھران سے بھی پہلے ان کے باپ دادا کی برتھ ہسٹری معلوم کی جاتی ہے۔“

”یعنی باوا آدم کے زمانے سے چھان بین کرنے کا نام خاندانی شجرہ ہے؟ آج کے دور میں جو سنے گا‘ وہ ہنسے گا۔ ہماری تمہاری پہچان باپ دادا سے نہیں ہوتی بلکہ ہماری تعلیم سے‘ ہماری صلاحیتوں سے اور ہمارے بہترین عمل سے ہماری پہچان ہوتی ہے۔“

”خاندانی شجرے کا حساب کرنے والے بھی تعلیم یافتہ‘ باصلاحیت اور باعمل ہوتے

ہیں۔ تم تعلیم یافتہ ہو۔ کیا تمہیں اپنے دادا اور پڑدادا کی ہسٹری معلوم ہے؟“

وہ سوچتے ہوئے بولا۔ ”اتنا جانتا ہوں کہ میرے دادا کہیں سے آکر اس شہر میں رہ گئے تھے۔ پہلے ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ پھر ترقی کرتے کرتے ٹاپ کے بزنس مین بن گئے۔ آج ہمارے پاس اتنی دولت ہے کہ کوئی ہمارے ماضی کو نہیں دیکھتا۔ وہی دیکھتا ہے‘ جو آج ہم ہیں۔“

وہ بولی۔ ”میں تمہیں پہلے سے بتا دوں کہ ایسی باتیں میرے دادا جان کے سامنے کرو گے تو وہ تمہیں گھر میں گھسنے نہیں دیں گے۔ کوٹھی کے گیٹ سے رخصت کر دیں گے۔“

وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔ ”تم میری انسلٹ کر رہی ہو۔“

”تم دوست ہو۔ میں تمہاری انسلٹ نہیں کروں گی لیکن رشتہ داری کی بات نہ کرو۔ کسی بھی اعلیٰ خاندان میں جاؤ گے تو اعلیٰ حسب و نسب کے بغیر تمہارا سر جھکے گا۔“

وہ غصے سے بولا۔ ”تم اپنی باتوں سے مجھے کمتر بنا رہی ہو۔“

وہ لاپرواہی سے بولی۔ ”تم انسلٹ محسوس کر رہے ہو تو یہ باتیں چھوڑو‘ دوسری باتیں کرو۔“

”ٹھیک ہے۔ ہماری شادی نہیں ہو سکتی لیکن دوستی اور پکی ہو سکتی ہے۔“

”اور پکی کیسے ہو سکتی ہے؟“

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ ”تم تو کبھی ہاتھ بھی پکڑنے نہیں دیتی ہو۔“

وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بولی۔ ”یہ کیا حرکت ہے؟ دوستی کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس حد کو پار نہ کرو۔ ورنہ اس دوستی پر تھوک کر چلی جاؤں گی۔“

وہ غصے سے دانت پیستے ہوئے بولا۔ ”تم مجھے کمتر بنا رہی ہو‘ میری بے عزتی کر رہی ہو اور اب مجھ پر تھوکنے کی بات کر رہی ہو۔ میں تمہارا یہ تھوکنے والا منہ کسی کو دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔“

وہ غصے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ جانے کے لئے پلٹی تو زبیر نے اس کا بازو تھام لیا۔ وہ اپنے بازو کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ”چھوڑو میرا ہاتھ۔“

وہ اس کی بے بسی پر مسکرا رہا تھا۔ چڑیا پنجرے میں قید ہو چکی تھی اور آزادی کے لئے پھڑپھڑا رہی تھی۔ زبیر کو اس کی پھڑپھڑاہٹ بھلی لگ رہی تھی۔

زیبی کو اس کی مسکراہٹ زہر لگ رہی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا

اور اس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مار کر آئس کریم پارلر سے باہر آگئی۔ ڈرائیور ستار نے یہ سب کچھ دیکھ لیا تھا۔

زبیر اپنے گال کو سہلاتے ہوئے بولا۔ "زیبی .... تمہیں یہ تھپڑ بہت مہنگا پڑے گا۔ اس کی قیمت تو تمہارا اونچا اور اعلیٰ خاندان بھی نہیں چکا سکے گا۔"

☆======☆======☆

عبادت علی اپنے بیٹے' بہو اور پوتوں کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل کے اطراف بیٹھے کھانے میں مصروف تھے۔

کبریٰ نے ایک ڈش اٹھا کر مراد کو دیتے ہوئے کہا۔ "بیٹے! یہ اپنے دادا جان کو دو اسے میں نے پکایا ہے۔"

ملازم ببن جو گرم گرم روٹیاں کچن سے لے کر آیا تھا وہ حیرت سے بولا۔ "مگر بیگم صاحبہ! یہ تو..........."

مراد اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "دادا جان! ممی کے پکوان کا جواب نہیں ہے۔ ہم تو انگلیاں چاٹتے رہ جاتے ہیں۔"

کبریٰ مسلسل ببن کو گھور رہی تھی۔ وہ بولی۔ "ببن! جاؤ ابان جان کے لئے گرم روٹیاں لے آؤ۔"

وہ کندھے اچکا کر چلا گیا۔ حسرت نے عبادت علی سے پوچھا۔ "دادا جان! آپ نے ہم سے یہ کیوں چھپایا کہ وہ ہمارے پھوپھا جان ہیں' فہمی کے ابو ہیں؟"

وہ بولے۔ "ہر بات بتانے کی نہیں ہوتی' کوئی سگا رشتہ شرمناک ہو جائے تو اسے چھپایا جاتا ہے۔ اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے۔"

ملازمہ شبو ڈائننگ ہال میں آ کر عبادت علی سے بولی۔ "حضور! فہمی بی بی آئی ہیں۔"

وہاں بیٹھے ہوئے تمام افراد نے چونک کر اسے دیکھا۔ عبادت علی نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں ہے؟"

خوشی کے مارے ان کی آواز لرز گئی تھی۔ وہ ڈرائنگ روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "اُدھر ڈرائنگ روم میں ہیں۔"

عبادت علی تیزی سے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئے۔ ان کے پیچھے پیچھے نفاست' کبریٰ' مراد اور حسرت بھی وہاں آ گئے۔ فہمی دروازے کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔

عبادت علی نے بڑے پیار سے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے۔ نانا جان کی خاموش آغوش اسے پکار رہی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی آ کر ان سے لپٹ گئی۔

وہ اسے سینے سے لگا کر بولے۔ "میری بچی! تم کہاں چلی گئی تھیں' کتنی نادان ہو' کوئی تمہیں لے جاتا ہے اور تم چلی جاتی ہو؟"

نفاست ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ اکیلی کہاں سے آئی ہے؟"

ڈرائنگ روم کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلتا چلا گیا۔ کھلے ہوئے دروازے سے جمال ہمدانی کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اندر داخل ہوا۔

عبادت علی اور نفاست اسے دیکھ کر غصے سے مٹھیاں بھینچنے لگے۔ اس کے ہاتھ میں سرخ فائل تھی۔

وہ انہیں فائل دکھاتے ہوئے بولا۔ "آپ نے اس فائل میں باپ اور بیٹی کی تقدیر بدل دی تھی۔ کاتب تقدیر بن گئے تھے۔ ایک غیر کو ٹھکرا رہے تھے اور اپنے کو گلے لگا رہے تھے۔"

وہ باتوں کے نشتر چلا رہا تھا۔ عبادت علی اور نفاست بڑے ضبط سے اس کے طعنوں سے لگنے والے زخموں کو برداشت کر رہے تھے۔

وہ طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔ "واہ' ایک سرپرست کی کیا خدائی ہے؟"

وہ اس سرخ فائل کو عبادت علی کی طرف پھینکتے ہوئے بولا۔ "خدا ہم کو ایسی خدائی نہ دے کہ اپنے سوا کچھ دکھائی نہ دے۔"

سرخ فائل ماربل کے چکنے فرش پر پھسلتی ہوئی عبادت علی کے قدموں میں آ کر رک گئی۔

عبادت علی' نفاست اور مراد نے ناگواری سے جمال کو دیکھا۔ وہ فائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اسے اٹھانے کے لئے جھکنا ہو گا۔"

عبادت علی اور نفاست نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ مراد غصے سے پانچوں انگلیوں کا مکا بنا کر آگے بڑھنے لگا تو نفاست نے اسے روک کر جمال سے کہا۔ "میری زندگی میں ابا جان کو کوئی نہیں جھکا سکتا۔"

اس نے جھک کر فائل اٹھائی اور اسے کھول کر اس کے ورق الٹنے لگا۔ پھر بولا۔ "اس میں وصیت کے کاغذات مکمل ہیں لیکن وہ .... دوسرے کاغذات نہیں ہیں۔"

نفاست نے پریشان ہو کر عبادت علی کی طرف دیکھا۔ وہ پلٹ کر کبریٰ' حسرت اور مراد سے بولے۔ "تم سب یہاں سے جاؤ۔"

سرپرست نے حکم صادر فرمایا تھا۔ وہ حکم عدولی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے سر جھکا کر چلے گئے۔

فہمی بدستور اپنے نانا جان کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ عبادت علی نے جمال سے کہا۔ "تم نے زنجیریں توڑ دیں۔ اب کیا کہنا چاہو گے؟"

"ایسا کوئی کاغذ نہ رہا کہ جس پر لکھا ہو کہ فہمی' شفاعت علی کی بیٹی ہے اور بیگم وقارالنساء نے اسے گود لیا تھا۔ جھوٹ اپنی موت مر چکا ہے۔"

وہ خاموش ہو گیا پھر ذرا توقف کے بعد بولا۔ "اب ایسا بھی کوئی کاغذ نہیں ہے جس پر میں نے لکھا ہو کہ میری بیٹی پیدائش کے چند ماہ بعد اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ ایسا بھی کوئی ڈیتھ سرٹیفکیٹ نہیں ہے' جس سے یہ ثابت ہو کہ سعیدہ بانو کا شوہر اور فہمی کا باپ مر چکا ہے۔"

عبادت علی اور نفاست خاموشی سے اس کی باتیں سن رہے تھے اور خون کے گھونٹ پی رہے تھے۔

وہ اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "میں زندہ ہوں مردہ اگر زندہ ہو جائے تو وہ آسیب کی طرح حواس پر چھا جاتا ہے۔ فہمی میری بیٹی ہے۔ بہانگ دہل میری بیٹی ہے۔ اس اعلیٰ خاندان سے لے کر عدالت عالیہ تک میری بیٹی ہے۔ اب کوئی سازش باپ کو بیٹی سے جدا نہیں کر سکے گی۔"

نفاست سے اس کی لمبی گفتگو برداشت نہیں ہوئی۔ وہ دانت پیس کر بولا۔ "کم بولو .... ابا جان نے پوچھا ہے' کیا چاہتے ہو؟"

وہ بولا۔ "میں تمہارے ابا جان سے پوچھتا ہوں کہ فہمی کس کے پاس رہے گی .... نانا جان کے پاس' یا اپنے باپ کے پاس؟"

عبادت علی فہمی کو اپنے دونوں بازوؤں سے بھینچتے ہوئے بولے۔ "یہ ہمارے پاس رہے گی۔"

جمال نے پوچھا۔ "اور اس کا باپ کہاں جائے گا؟ مالی تو مر چکا ہے۔"

عبادت علی اور نفاست نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ جمال نے کہا۔ "ایک بات میں صاف طور سے کہہ دوں کہ آپ میری بیٹی کے ایک ناکام سرپرست

رہ چکے ہیں۔ آئندہ یہ میری سرپرستی میں رہے گی۔ کیسے رہے گی؟ یہ فیصلہ آپ کریں گے۔"

عبادت علی سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ پھر بولے۔ "ابھی ہم سوچیں گے' سمجھیں گے پھر فیصلہ کریں گے لیکن یہ اس وقت تک ہمارے پاس رہے گی۔"

جمال بڑے اعتماد سے بولا۔ "یہ اپنے باپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

نفاست بولا۔ "اس سے پوچھ لیتے ہیں کہ یہ کس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے؟"

عبادت علی فہمی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اشاروں کی زبان میں اس سے پوچھنے لگے۔ "باپ کو جانے دو.......... تم ہمارے پاس رہو۔"

اس نے پلٹ کر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ وہ نانا جان سے الگ ہو گئی۔ عبادت علی اسے پچکارتے ہوئے بولے۔ "بیٹی! ہمارے پاس آؤ.........."

وہ نانا جان اور اپنے باپ کے درمیان کھڑی تھی۔ کبھی باپ کو دیکھتی' کبھی نانا کو دیکھتی۔

ایک طرف نانا جان کا شفیق چہرہ تھا تو دوسری طرف باپ کی ہمدرد آغوش تھی۔ اس نے باپ کی آغوش میں چھپنا مناسب سمجھا۔ وہ دوڑتی ہوئی آ کر جمال ہمدانی سے لپٹ گئی۔

عبادت علی اور نفاست اسے پکارتے رہ گئے۔ وہ کسی کی پکار نہیں سن سکتی تھی۔ وہ تو صرف پیار کے گونگے جذبوں کو سمجھتی تھی اور اسے پیار کے سچے جذبے صرف اپنے باپ کی آغوش میں ہی مل سکتے تھے۔

جمال مسکرا کر بولا۔ "خون پھر خون ہے۔ اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ اپنا سکہ جماتا ہے۔"

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ پھر دروازے پر رک کر بولا۔ "یہ ہے سکہ رائج الوقت .... پچاس کروڑ عندالطلب۔"

وہ فہمی کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ عبادت علی اور نفاست حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ جبکہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جاتے جاتے مٹی اڑا گیا ہے جو اب ان کے اوپر گر رہی تھی۔ انہیں گرد آلود کر رہی تھی۔

☆======☆======☆

زیبی شعلے کو بھڑکا چکی تھی۔ اب نہ جانے یہ شعلہ اس کو کس طرح جلانے والا تھا۔

زیبی کی کار کوٹھی کے احاطے میں آ کر رکی۔ اسے علم تھا کہ ڈرائیور ستار وہ سب

کچھ دیکھ چکا ہے جو کچھ آئس کریم پارلر میں ہوا تھا۔ زیبی کو یہ فکر تھی کہ کہیں ستار دادا جان کے سامنے یہ ساری بات اگل نہ دے۔

کار رکی تو اس نے ڈرائیور سے کہا۔ "ستار! وعدہ کرو آج جو کچھ ہوا ہے وہ تم دادا جان کو نہیں بتاؤ گے۔"

"نہیں بتاؤں گا۔"

وہ ذرا ناگواری سے بولی۔ "تم تو میرے جاسوس ہو۔ میری ہر رپورٹ دادا جان تک پہنچاتے رہتے ہو۔"

"زیبی بی بی! آپ نے اسے طمانچہ مار کر مجھے مطمئن کر دیا ہے۔ آپ دادا جان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا رہی ہیں۔ اس لئے میں ان سے کچھ نہیں کہوں گا۔"

زیبی اپنے پرس سے ایک ہزار کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"یہ رکھ لو۔+"

وہ ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے ہوئے بولا۔ "معاف کیجئے گا بی بی جی! میں رشوت نہیں لیتا۔"

"یہ .... یہ رشوت نہیں تمہارا انعام ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "رشوت کے بہت سے خوبصورت نام ہوتے ہیں۔ زہر کا نام بدلنے سے اس کی خاصیت نہیں بدلتی .... اسے رکھ لیں۔"

زیبی نے وہ نوٹ پرس میں رکھ لیا۔ پھر کار سے اتر کر کوٹھی کے اندر چلی گئی۔

☆======☆======☆

عبادت علی شاہ نے اپنی بہو اور پوتوں کو ڈرائنگ روم سے چلے جانے کا حکم دیا تھا۔ کبریٰ اور مراد وہاں کی سن گن لینے کے لئے بے چین ہو رہے تھے۔

کبریٰ بیڈ پر بیٹھی پہلو پر پہلو بدل رہی تھی۔ حسرت اور مراد ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔

مراد اپنے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے بولا۔ "دادا جان تو بس یونہی حکم چلاتے رہتے ہیں۔ اگر ہم وہاں رہتے تو ان کا کیا جاتا۔ کیا ان کی باتیں ہم نہیں سن سکتے؟"

کبریٰ ناگواری سے بولی۔ "جانے دو بیٹا! ان کا مزاج ہی ایسا ہے۔"

"ہم ان کے اپنے ہیں اور وہ اپنوں سے باتیں چھپاتے ہیں۔ اتنے دنوں تک ہمارے پھوپھا کو مالی بنا کر رکھا اور ہمیں اُلو بناتے رہے۔"

حسرت ان دونوں کی باتیں خاموشی سے سن رہا تھا۔ کبریٰ نے کہا۔ "چپ بھی کرو، وہ ہمارے سرپرست ہیں۔ ہماری بہتری کے لئے ہی ایسا کر رہے تھے۔ اس مالی کو پستی میں پھینک کر ہی ہمیں اس کی بیٹی سے پچاس کروڑ حاصل ہوں گے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ اتنی بڑی رقم تمہیں مل سکتی ہے۔"

مراد خوش ہو کر بولا۔ "ممی! یہ رقم میری سوچ سے بھی زیادہ ہے۔ اس کے لئے میں گونگی، بہری تو کیا، اندھی لنگڑی، لولی سے بھی شادی کر سکتا ہوں۔"

حسرت بڑے دکھ سے ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا لیکن مراد کے ارادے سن کر خاموش نہ رہ سکا۔ وہ بولا۔ "دادا جان فہمی کو تم سے کبھی منسوب نہیں کریں گے۔"

مراد طنزیہ لہجے میں ہاتھ نچا کر بولا۔ "تو کیا تم سے منسوب کریں گے؟ اپنی صورت، حلیہ دیکھو۔ ہمارے خاندان کے تو لگتے ہی نہیں ہو۔"

کبریٰ نے مداخلت کی۔ "جھگڑا نہ کرو۔ حسرت شادی سے انکار کر چکا ہے۔"

مراد ماں کی بات سن کر حیرت سے بولا۔ "کیا واقعی؟ بھئی واہ! بھائی ہو تو ایسا.......... جو راستے کا پتھر نہیں بن رہا ہے۔"

حسرت بولا۔ "تم بھی فہمی کی راہ میں پتھر نہ بنو۔ اس سے شادی کا خیال دل سے نکال دو۔"

کبریٰ اسے ڈانٹتے ہوئے بولی۔ "حسرت! کیا بک رہے ہو؟"

وہ پُرجوش لہجے میں بولا۔ "میں فہمی پر اپنے خودغرض اور لالچی بھائی کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا۔"

مراد ماں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "سن رہی ہیں آپ .... یہ .... یہ مجھے خودغرض اور لالچی کہہ رہا ہے۔ ممی! آپ اسے سمجھا دیں، ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

زیبی کوریڈور سے گزر رہی تھی۔ مراد کی آواز سن کر کمرے میں آ کر بولی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ حسرت بھائی! آپ میرے بھائی جان کو غصہ دلا رہے ہیں۔"

حسرت نے کہا۔ "یہ لو .... آ گئی اپنے بھائی جان کی لاڈلی۔ بھائی کو کچھ ہو تو یہ فوراً حمایتی بن کر چلی آتی ہے۔ اور اگر بہن پر کوئی آنچ آئے تو بھائی ڈھال بن جاتا ہے۔ ممی! کیا یہ دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے؟"

کبریٰ نے کہا۔ "تم بھی تو بھائی ہو۔ کیا تم ایسی محبت نہیں کر سکتے؟"

زیبی اور مراد اسے ناگواری سے دیکھ رہے تھے وہ بولا۔ "میں اندھی محبت اور

اندھی حمایت نہیں کرتا۔ میری یہ بات دل پر لکھ لیں۔ میں فہمی پر اس کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا۔"

مراد نے کہا۔ "دادا جان تم سے زیادہ مجھے چاہتے ہیں۔ انہیں ذرا پھوپھا سے نمٹ لینے دو۔ پھر دیکھ لینا۔ وہ فہمی کو مجھ سے منسوب کریں گے۔"

حسرت اٹھ کر جانے لگا۔ دروازے کے پاس جا کر ٹھہر گیا، پھر پلٹ کر مراد کو دیکھ کر بولا۔ "دادا جان نے فہمی کو کلیجے سے لگا کر رکھا تھا لیکن وہ انہیں چھوڑ کر پھوپھا جان کے ساتھ چلی گئی تھی۔ اگر اسے تم سے منسوب کیا گیا تو وہ محبت کے ایک اشارے پر میرے پاس دوڑتی چلی آئے گی۔ کسی دن یہ تماشہ بھی دکھاؤں گا۔"

وہ کمرے سے چلا گیا۔ زیبی کچھ پریشانی سے بولی۔ "گھر کا بھیدی، لنکا ڈھائے۔ ممی! یہ دادا جان سے کہہ دیں گے کہ آپ رقم کے لالچ میں فہمی کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں۔"

کبریٰ نے کہا۔ "کسی طرح اس کا منہ بند کرنا ہو گا۔ کیا نصیب ہیں میرے؟ اپنی ہی اولاد دشمن بن رہی ہے۔ مجھے معلوم ہوتا کہ یہ ایسا نکلے گا تو میں کبھی اسے پیدا نہ کرتی۔"

مراد بولا۔ "پیدا تو ہو ہی چکا ہے۔ اب اس کے مرنے کی دعا کریں۔"

"کیا بکتے ہو؟"

وہ بولا۔ "آپ دو میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔ اگر یہ طے ہو جائے کہ حسرت کی موت سے پچاس کروڑ مل سکتے ہیں اور حسرت کی سلامتی سے یہ پچاس کروڑ ہاتھ سے نکل سکتے ہیں تو آپ کیا چاہیں گی؟ ایک نکما بیٹا یا قارون کا خزانہ؟"

مراد اتنا کہہ کر کمرے سے چلا گیا۔ کبریٰ اور زیبی ایک دوسرے کو تشویش بھرے انداز سے دیکھ رہی تھیں۔

کبریٰ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "میرا بچہ۔"

☆======☆======☆

اسد نے عالیہ کے لئے جو منصوبہ تیار کیا تھا اس میں سب سے اہم رول اس کے دوست قیصر کا تھا۔ وہ نیویارک میں رہتا تھا۔ آج کل پاکستان آیا ہوا تھا۔

اسد قیصر کے گھر پہنچا تو وہ کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اسد نے پوچھا۔ "کہاں کی تیاری ہے؟"

"تم آ گئے ہو تو اب کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چند دنوں بعد نیویارک واپس جانے والا ہوں۔ یہ بتاؤ چائے پیو گے یا سوفٹ ڈرنک لو گے؟"

اسد قیصر کو دونوں شانوں سے پکڑ کر ایک صوفہ پر بٹھاتے ہوئے۔ ”میں یہاں کھانے پینے نہیں بلکہ تمہاری شادی کرانے آیا ہوں۔“

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”میری شادی .... یار! میرے ہاتھ میں شادی کی لکیر ہی نہیں ہے۔“

اسد نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا چاقو نکالا پھر قیصر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔ ”لاؤ اپنا ہاتھ‘ میں ابھی شادی کی لکیر بنا دیتا ہوں۔“

قیصر اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولا۔ ”اے .... کیا دماغ خراب ہو گیا ہے؟؟“

وہ بولا۔ ”تم بھی لکیر کے فقیر ہو۔ نجومیوں کو ہاتھ کی لکیریں دکھاتے ہو۔ پھر کوئی اہم کام شروع کرتے ہو۔ شادی کی لکیر بن جائے گی تو شادی بھی کر لو گے۔“

وہ پھر اس کا ہاتھ پکڑنے کے لئے آگے بڑھا قیصر پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ ”اے بھائی! میں مذاق کر رہا تھا۔ لکیر کے بغیر بھی میں شادی کر لوں گا۔ تم اس چاقو کو جیب میں رکھو۔“

”میں بھی مذاق کر رہا تھا۔ یہ چاقو تو پھل کاٹنے کے لئے ہے۔“

وہ چاقو کو جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔ ”اب مذاق ختم .... سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ میری ایک کزن کسی ایسے آئیڈیل کا انتظار کر رہی ہے جو اس کے لئے گرین کارڈ لائے گا اور اسے دلہن بنا کر لے جائے گا۔“

قیصر افسردگی سے بولا۔ ”اس ملک کی کتنی ہی لڑکیاں اور لڑکے گرین کارڈ حاصل کرنے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔ پاگل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے یہ گرین کارڈ جنت میں جانے کا گرین سگنل ہو‘ بے چاری تمہاری کزن۔“

”وہ بے چاری گرین کارڈ کے چکر میں گمراہ ہو سکتی ہے۔ کسی کے فریب میں آ سکتی ہے۔ میں اس سے پہلے اسے ایک سبق سکھانا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا۔“

قیصر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”اگر تم اپنی کزن کو گمراہی سے بچانا چاہتے ہو تو میں اس کام میں تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔“

”میں ایم اے درانی کے نمبر پنچ کر رہا ہوں۔ وہ ایک میرج بیورو چلاتا ہے۔ تم اس سے کہو گے کہ تم ایک شریف خاندان کی شریف زادی سے شادی کر کے اسے امریکہ لے جانا چاہتے ہو۔ تم اس سے کہو گے کہ اتنی بڑی دنیا میں تمہارا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ لڑکی والے تمہارے بارے میں چھان بین کر سکتے ہیں۔“

قیصر اس کی بات سن کر گھبرا کر بولا۔ ”چھان بین ہو گی تو میں پھنس جاؤں گا۔ میں اکیلا نہیں ہوں۔ میرے ماں باپ ہیں‘ رشتہ دار ہیں۔ یہاں بھی اور امریکہ میں بھی۔“

”تمہارے سلسلے میں انکوائری کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس سے پہلے ہی میری کزن کو عقل آ جائے گی۔“

”پھر تو ٹھیک ہے .... چلو ایم اے درانی کا نمبر ملاؤ۔“

اسد موبائل پر ایم اے درانی کا نمبر پنچ کرنے لگا۔

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پر پس جانے کے بعد
عقل آتی ہے انسان کو ٹھوکریں کھانے کے بعد

اسد بھی عالیہ کو سبق دینے کے لئے ایک ٹھوکر لگانا چاہتا تھا۔ تاکہ اسے عقل آ جائے۔

☆======☆======☆

عبادت علی اپنے بیٹے نفاست علی کے ساتھ کوٹھی کے وسیع و عریض باغیچے میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ جمال ہمدانی نے ان کے اندر گھٹن پیدا کر دی تھی۔ اسی لئے وہ تازہ ہوا میں سانس لینے کے لئے باغیچے میں چلے آئے تھے۔

نفاست نے کہا۔ ”امی جان کی تحریر اس فائل میں ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ بھائی جان واپس نہ آئے تب بھی امید رکھنی چاہئے کہ ان کی اولاد واپس آئے گی۔ وہ ساٹھ کروڑ روپے ان کی اولاد کو دیئے جائیں گے۔“

عبادت علی ٹہلتے ٹہلتے رک گئے۔ پھر جذباتی لہجے میں بولے۔ ”ہمارا دل بھی بار بار کہتا ہے کہ وہ سب ضرور واپس آئیں گے۔ خدا جانے وہ دن کب آئے گا؟ ہم تو انہیں دیکھتے ہی خوشی سے مر جائیں گے۔ بلا سے ہم مر جائیں۔ ان کی واپسی تو دیکھ لیں گے۔“

نفاست ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”خدا آپ کو ہمارے بعد بھی سلامت رکھے۔ امی جان نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ سب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ ہی حقداروں تک ان کے حقوق پہنچائیں گے۔“

”ہم اس طرح حقوق پہنچائیں گے کہ گھر کی دولت گھر ہی میں رہے گی۔“

وہ تائیدی انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”یہی ہونا چاہئے۔“

عبادت علی نے کہا۔ ”شفاعت علی کا ایک بیٹا سجاد ہے اور ایک بیٹی سدرہ ہے۔ سجاد کی شادی تمہاری بیٹی زیبی سے ہو گی اور سدرہ کی شادی مراد سے۔ فہمی تو حسرت سے

بہت مانوس ہے۔ اس کا رشتہ حسرت سے ہی مناسب رہے گا۔"

وہ ان کی منصوبہ بندی سن کر خوش ہو کر بولا۔ "اگر ایسا ہو جائے تو واقعی امی جان کی تمام دولت ہمارے ہی گھر میں رہے گی لیکن........"

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ عبادت علی ذرا ناگواری سے بولے۔ "بات پوری کیا کرو۔"

"میں کہہ رہا تھا کہ بھائی جان اور ان کے بچوں کا انتظار کب تک کیا جائے گا؟ آپ بُرا نہ مانیں۔ وہ کبھی واپس نہ آئے تو؟"

عبادت علی تیز لہجے میں بولے۔ "واپس کیوں نہیں آئیں گے؟ کیا ہمارا بیٹا' بیوی بچوں سمیت نابود ہو جائے گا؟ تم بیوی بچوں سمیت کیسے سلامت ہو؟ وہ بھی سلامت ہو گا۔ تم نے شاید پوری وصیت نہیں پڑھی۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ اگر وہ ہماری زندگی میں واپس نہ آئے تو یہ ساٹھ کروڑ روپے اسکول' ہسپتال اور فلاحی ادارے قائم کرنے کے لئے محکمہ اوقاف میں چلے جائیں گے۔"

وہ اتنا کہہ کر تیزی سے چلتے ہوئے کوٹھی کے اندر چلے گئے۔

نفاست ان کی بات سن کر وہیں کھڑا رہ گیا۔ دور کہیں سوچوں میں گم ہو گیا۔ اپنے شاطر ذہن میں نئی گیم کے منصوبے تیار کرنے لگا۔

☆======☆======☆

زبیر اپنے فرینڈز نعیم' مونا اور حمیرا کے ساتھ اسنوکر کلب میں تھا۔ اسے رہ رہ کر زیبی کا طمانچہ یاد آ رہا تھا' وہ غصے میں زوردار شاٹس مار رہا تھا۔

حمیرا نے کہا۔ "تعجب ہے زبیر! اس نے تم پر ہاتھ اٹھایا اور تم خاموش رہے؟"

وہ ایک اور شاٹ مار کر بولا۔ "میں آتش فشاں ہوں' باہر سے خاموش .... لیکن اندر سے دہک رہا ہوں۔"

مونا ناگواری سے بولی۔ "زیبی تو حد سے گزر گئی ہے۔ بڑی اعلیٰ خاندان والی بنتی ہے۔ کیا ہم اس سے کم ہیں؟"

نعیم غصے سے پیچ و تاب کھا کر بولا۔ "اس نے طمانچہ مار کر یہ جتا دیا ہے کہ ہم کمتر ہیں۔ وہ ایک طمانچہ ہم سب کے منہ پر پڑا ہے۔"

زبیر ایک گیند کو نشانہ بناتے ہوئے بولا۔ "میں بھی اس پر ہاتھ اٹھا سکتا تھا لیکن اس طرح میرے اندر کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی۔"

حمیرا نے پوچھا۔ "تو پھر یہ آگ .... کس طرح ٹھنڈی کرو گے؟"

زبیر دانت پیستے ہوئے بولا۔ "اس کے غرور کا سر نیچا کر کے۔"

حمیرا نے مونا اور نعیم کی طرف دیکھتے ہوئے زبیر سے کہا۔ "اگر تم ایسا کرو گے تو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔"

مونا اور نعیم نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ زبیر نے کہا۔ "میں اس کا غرور اس طرح خاک میں ملاؤں گا کہ وہ پھر کبھی سر اٹھا کر بات نہیں کر سکے گی۔"

بات مکمل کرتے ہی اس نے ایک زوردار شاٹ مارا گیند "ٹھک" کی آواز کے ساتھ اسنوکر ٹیبل سے نیچے گر کر دور تک لڑھکتی چلی گئی۔

مونا نے حمیرا سے کہا۔ "ارادے خطرناک ہیں۔"

وہ دونوں ہنسنے لگیں۔ نعیم نے زبیر سے کہا۔ "ہم اپنے یار کے ساتھ ہیں۔ بولو کیا کرنا ہے؟ کیا اسے اغوا کرایا جائے؟"

زبیر اس کے شانے کو تھپتھپا کر بولا۔ "او نو .... ایک مجرم کے ذہن سے مت سوچو۔"

"بڑی کارروائی کے لئے کچھ اسی طرح سوچنا ہو گا۔"

زبیر اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "اور بھی راستے ہیں' نعیم!"

"تو پھر بتاؤ' کیا چاہتے ہو؟"

زبیر ان تینوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ہم سب مل کر ایک خاندانی شجرہ بنائیں گے۔ ایک اعلیٰ خاندان کا شجرہ حسب و نسب۔"

حمیرا نے پوچھا۔ "کیا شجرہ بنانے سے وہ تمہیں اعلیٰ اور افضل تسلیم کر لے گی؟"

"میں خود کو تسلیم نہیں کراؤں گا بلکہ ہم کسی چھوٹے خاندان سے تعلق رکھنے والے کو جعلی رئیس اعظم بنائیں گے۔ وہ ہمارا تیار کیا ہوا اعلیٰ خاندان کا شجرہ پیش کرے گا تو زیبی کے باپ دادا بھی اسے اپنے برابر تسلیم کریں گے۔"

حمیرا قائل ہو کر بولی۔ "تمہاری بات دل کو لگ رہی ہے۔"

زبیر بولا۔ "وہ کسی گرے ہوئے شخص سے involve ہو گی اور وہ شخص اس کے غرور کو خاک میں ملائے گا تو میرے اندر کی آگ بجھے گی۔"

اس نے ایک شاٹ مارا گیند لڑھکتی ہوئی پاکٹ کے اندر چلی گئی۔ اسنوکر گیم ختم ہو چکا تھا۔ مگر ایک نئے گیم کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔

☆======☆======☆

عالیہ گھبرائی ہوئی سی اپنے کمرے کے دروازے سے باہر جھانک رہی تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوریڈور ویران تھا۔ وہ مطمئن ہو کر اندر آئی پھر دروازے کو لاک کر کے کھڑکی کے پاس آئی۔ پھر اسے بھی بند کر کے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

وہ ٹیلی فون کے ذریعے ایم اے درانی سے رابطہ کرتی تھی تو اسد اپنے کمرے کے فون سے اس کی کال سن لیا کرتا تھا۔ عالیہ کو اس مسئلے کا صرف ایک ہی حل نظر آیا۔ آج وہ اسد کا موبائل چرا کر لے آئی تھی۔ اسی لئے گھبرائی ہوئی تھی۔

اس نے تکئے کے نیچے سے موبائل فون نکالا۔ پھر نمبر پنچ کرتی ہوئی زیر لب بڑبڑائی۔ “سوری اسد! مجبوراً تمہارا یہ موبائل چرانا پڑا۔ صبح تمہیں واپس کر دوں گی۔”

اس نے موبائل فون کان سے لگا کر کہا۔ “ہیلو‘ درانی صاحب! میں عالیہ بول رہی ہوں۔”

دوسری طرف سے ایم اے درانی کی پُرمسرت آواز سنائی دی۔ “ہیلو‘ مس .... عالیہ! میں سوچ ہی رہا تھا کہ آپ سے کس طرح رابطہ کیا جائے؟ آپ بہت خوش قسمت ہیں۔ آپ کی مرضی کے مطابق ایک رشتہ آیا ہے۔ لڑکے کا نام قیصر بخاری ہے۔ اس کے ماں باپ نہیں ہیں۔ آگے پیچھے بھی کوئی نہیں ہے۔ وہ یہاں سے شادی کر کے دلہن لے جانا چاہتا ہے۔”

وہ بولی۔ “پہلے میں اس سے ملاقات کروں گی‘ پھر کچھ کہوں گی۔”

“وہ بھی یہی چاہتا ہے۔ پہلے آپ ایک دوسرے کو دیکھ لیں‘ پسند کر لیں۔ پھر بات آگے بڑھے گی۔”

“میں اس کا پاسپورٹ اور ضروری کاغذات چیک کروں گی۔” درانی نے فون پر کہا۔ “وہ کل صبح دس بجے پاسپورٹ وغیرہ لے کر میرج بیورو کے دفتر میں آئے گا۔ یہ وقت مناسب رہے گا؟”

“ہاں .... میں وہاں آ جاؤں گی۔ باقی باتیں وہیں ہوں گی۔”

اس نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ اپنے اندر کے جذبات کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ پتہ نہیں اسے اسد سے دور جانے پر خوشی تھی‘ یا دکھ تھا؟

☆======☆======☆

نفاست بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ مراد اور کبریٰ صوفہ پر بیٹھے اسے

ٹہلتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

کبریٰ ذرا تیز لہجے میں بولی۔ “آپ دنیا جہان کے مسائل حل کرتے ہیں لیکن میرے بیٹے کا مسئلہ سننا بھی گوارہ نہیں کر رہے ہیں۔”

وہ الجھتے ہوئے بولا۔ “سب سے بڑا مسئلہ تو تم ہو۔ میں بہت بڑی بازی جیتنے کی فکر میں ہوں اور تم ہو کہ اپنے مسئلے میں الجھاتی رہتی ہو۔ کیا پریشانی ہے تمہیں؟ بولو۔”

مراد صوفہ سے اٹھ کر نفاست کو شانوں سے پکڑ کر بٹھاتے ہوئے بولا۔ “ڈیڈ! آپ آرام سے بیٹھیں‘ میں بتاتا ہوں۔”

وہ اس کے ہاتھوں کو جھٹکتے ہوئے بولا۔ “بہت آرام پہنچایا ہے تم لوگوں نے .... تین بیٹے ہیں میرے تین میں سے ایک بھی میرا مضبوط بازو نہیں ہے۔ ایک تو پڑھ رہا ہے۔ دوسرا نشے میں مست رہتا ہے۔ تیسرے تم ہو .... اتنا پھیلا ہوا کاروبار ہے۔ کبھی پوچھنے نہیں آتے کہ میں اور اباجان کس طرح بزنس کرائسس پر قابو پاتے ہیں؟”

کبریٰ اور مراد سر جھکائے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ ایک ذرا توقف کے بعد بولا۔ “یہاں ایک سو دس کروڑ کا معاملہ ہے۔ یہ تمام رقم ہمارے اکاؤنٹ میں کیسے آ سکتی ہے؟ کبھی تم نے سوچنے اور پلاننگ کرنے کی زحمت کی ہے؟”

مراد نے کہا۔ “میں نے اور ممی نے پلاننگ کی ہے لیکن حسرت رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔”

نفاست غصے سے پھنکار کر بولا۔ “کیا بکواس کر رہے ہو؟ اس کی کیا حیثیت ہے؟ وہ تو زمین کا بوجھ ہے۔ پیدا ہو گیا ہے‘ اسے مجبوراً بھگت رہے ہیں۔”

کبریٰ رازدارانہ انداز میں بولی۔ “یہ فہمی سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر حسرت کہہ رہا تھا کہ یہ شادی نہیں ہونے دے گا۔”

نفاست نے کہا۔ “مجھے پتہ ہے کہ وہ فہمی کو چاہتا ہے۔”

کبریٰ منہ بسور کر بولی۔ “وہ اسے چاہتا ہے‘ مگر اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔”

“وہ سر پھرا ہے‘ خبطی ہے۔ اس کی بات نہ کرو۔ وہ انکار کرے گا تو فہمی کو اسد سے منسوب کر دیا جائے گا۔”

مراد شکایتی لہجے میں بولا۔ “ڈیڈ! آپ مجھے نظرانداز کر رہے ہیں۔”

“تمہاری شادی سدرہ سے ہو گی۔”

“کون سدرہ؟”

"بھائی جان کی بیٹی .... زیبی کو ان کے بیٹے سجاد سے منسوب کیا جائے گا۔ اس طرح پورے ساٹھ کروڑ روپے ہمارے کھاتے میں آ جائیں گے۔"

کبریٰ اور مراد نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر مراد نے پوچھا۔ "ایسا تو ان کے آنے کے بعد ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ پتہ نہیں سدرہ اور سجاد کہاں ہیں؟"

نفاست بولا۔ "نہیں ہیں تو آ جائیں گے۔ پہلے یہ اچھی طرح سمجھ لو اگر بھائی جان اور ان کے بچے ابا جان کی زندگی میں نہیں آئیں گے تو ان کے حصے کے ساٹھ کروڑ محکمہ اوقاف میں چلے جائیں گے۔"

کبریٰ نے نفاست کی بات سنتے ہی اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہ شاید پھر بے ہوش ہونے والی تھی لیکن پھر خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔ "یہ .... یہ تو سراسر نقصان ہے۔ کیا اتنی بڑی رقم پانی میں چلی جائے گی؟"

نفاست نے مراد سے پوچھا۔ "تم بتاؤ .... کیا ہم یہ رقم پانی میں جانے دیں؟"

وہ جلدی سے بولا۔ "نہیں یہ ہماری نادانی ہو گی۔ ہم اسے ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔"

اس نے پوچھا۔ "بولو .... کیا کرو گے؟"

"ہم کہیں سے بھی انہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔"

وہ بولا۔ "چوبیس برسوں سے لاپتہ ہیں۔ وہ اب کیا ملیں گے؟ خدا جانتا ہے کہ ابا جان کی زندگی کتنی رہ گئی ہے؟ وہ آج ہیں .... کل نہیں رہیں گے۔ کل وہ رقم بھی ہماری نہیں رہے گی۔"

کبریٰ سر پکڑ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ہمارے بھی کیا نصیب ہیں؟ بھائی جان ڈوبیں گے تو اپنے ساتھ وہ رقم بھی لے ڈوبیں گے۔"

نفاست نے کہا۔ "ایسا نہیں ہو گا .... بھائی جان نہ سہی ان کے بچے آئیں گے۔ سدرہ آئے گی .... سجاد آئے گا۔"

کبریٰ نے الجھتے ہوئے پوچھا۔ "کیسے آئیں گے؟ کہاں سے آئیں گے؟"

نفاست نے مراد سے کہا۔ "مراد! وہاں میز پر جاؤ' کاغذ قلم سنبھالو۔"

وہ میز کے پاس آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر ایک قلم ہاتھ میں لے کر لیٹر پیڈ کھول کر سوالیہ نظروں سے نفاست کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بولا۔ "جو میں کہہ رہا ہوں .... اسے لکھتے جاؤ۔"

کبریٰ نے پوچھا۔ "آپ اس سے کیا لکھوا رہے ہیں؟"

"تم خاموش رہو' مداخلت نہ کرو۔"

پھر وہ مراد کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "ہوں .... لکھو' محترم و مکرم!

دادا جان! السلام علیکم!

میرا نام سجاد علی ہے۔ میرے والد کا نام سید شفاعت علی شاہ ہے اور میرے دادا جان کا نام سید عبادت علی ہے۔

میری امی مرحومہ کا نام صابرہ بیگم تھا اور میری چھوٹی بہن کا نام سدرہ ہے۔ ان حوالہ جات سے آپ نے سمجھ لیا ہو گا کہ میں آپ کا پوتا ہوں اور آپ میرے دادا جان ہیں۔"

مراد نے خط لکھتے لکھتے سر اٹھا کر کبریٰ کی طرف دیکھا۔ وہ نفاست کی طرف دیکھ رہی تھی اور کچھ کچھ سمجھ بھی رہی تھی۔

وہ خط کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میں نے اور سدرہ نے امی جان کی زبان سے آپ کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ سدرہ آپ کو دیکھنے اور آپ سے ملنے کے لئے مچل رہی ہے۔ میرا بھی دل آپ کے لئے تڑپ رہا ہے۔

ہمیں دولت اور جائداد کا لالچ نہیں ہے۔ ہم تو صرف آپ کے قدموں میں آنا چاہتے ہیں لیکن ابو ہمیں سختی سے منع کرتے رہتے ہیں۔

ابو سخت بیمار ہیں۔ ایسی حالت میں ہم آپ کے پاس آ کر ان کا دل توڑنا نہیں چاہتے۔ آپ کو اپنا پتہ ٹھکانہ بھی نہیں بتا سکتے۔ آپ ہمارے پتے پر آئیں گے تو ابو کو آپ کو دیکھتے ہی شرم سے مر جائیں گے۔

انہوں نے جو جرم کیا' جس طرح آپ کو دھوکہ دیا ہے' اس پر وہ بڑے شرمسار ہیں۔ قسم کھا چکے ہیں کہ نہ اپنا منہ آپ کو دکھائیں گے اور نہ آپ کا منہ دیکھیں گے۔

ہم محبت کے مارے آپ کے اور ابو کے درمیان الجھے ہوئے ہیں۔ دل نے کہا' آپ سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ ہم آپ کے قدموں میں نہیں آ سکتے لیکن آپ سے خط و کتابت کا سلسلہ تو رکھ سکتے ہیں۔"

نفاست خط لکھوا رہا تھا۔ مراد خاموشی سے لکھ رہا تھا اور کبریٰ کچھ نہ پوچھ کر بھی سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ اسی لئے وہ بڑی خاموشی سے اور بڑے اطمینان سے ایک صوفے پر بیٹھی معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

نفاست خط کا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے بولا۔ "دادا جان! آپ نہ سہی .... آپ کی تحریر ہی سہی۔ ہم اسی کے ذریعے آپ کی محبت اور شفقت حاصل کرتے رہیں گے۔

آپ سے گذارش ہے کہ ای میل کے ذریعہ ہم سے رابطہ کریں۔ میں ای میل کا کوڈ ایڈریس لکھ رہا ہوں۔ آپ اس خط کا جواب دیں گے تو پھر ہم بھائی بہن آپ سے ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔

اس تھوڑے لکھے کو بہت جانیں۔ باقی آئندہ..........

فقط آپ کا پوتا

سید سجاد علی شاہ

نفاست خاموش ہو گیا۔ مراد اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ سمجھ گیا تھا مگر ابھی بہت کچھ سمجھنا باقی تھا۔

نفاست نے لیٹر پیڈ اٹھا کر ایک نظر اس تحریر شدہ کاغذ پر ڈالی۔ پھر اسے پیڈ سے علیحدہ کرتے ہوئے مراد سے کہا۔ "تم کل صبح کی کسی فلائٹ سے اسلام آباد جاؤ۔ وہاں سے یہ خط پوسٹ کرو۔"

اس نے خط تہہ کر کے مراد کی طرف بڑھایا۔ پھر بولا۔ "اس خط سے ثابت ہو گا کہ ساٹھ کروڑ کے حقدار زندہ سلامت ہیں۔ یہ رقم ابا جان کے بعد بھی محکمہ اوقاف میں نہیں جا سکے گی۔"

پھر وہ سوچتی ہوئی نظروں سے خلا میں ایک طرف گھورتے ہوئے بولا۔ "شیر کے منہ سے کوئی نوالہ نہیں چھین سکتا' یہ رقم ہماری ہے .... ہماری ہی رہے گی۔"

نفاست نے اپنے شاطرانہ ذہن میں جو شطرنج کی بساط بچھائی تھی۔ وہ اس کا پہلا مہرہ چل رہا تھا۔

☆======☆======☆

جمال ہمدانی فہمی کو سعیدہ بانو کی ایک بہت گہری دوست دردانہ کے پاس لے آیا تھا۔ وہ بیوگی کی زندگی گزار رہی تھی۔ اسکول میں ملازمت کر کے اپنا گزارہ کرتی تھی۔

فہمی دو دن میں ہی اس سے مانوس ہو گئی تھی۔ وہ تینوں آنگن میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دردانہ بڑے پیار سے فہمی کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔

فہمی نے کیاری میں کھلے ہوئے پھولوں کی طرف اشارہ کیا۔ دردانہ اس کا اشارہ سمجھ

نہیں پائی۔ جمال نے مسکرا کر کہا۔ "یہ کہہ رہی ہے کہ بالوں میں پھول لگائے گی۔ میں اکثر اس کی پسند کا پھول توڑ کر اسے دیا کرتا تھا۔"

دردانہ اس کی پیشانی کو چوم کر بولی۔ "آپ کی بیٹی بہت خوبصورت ہے' بہت پیاری ہے۔"

وہ پیار کی زبان سمجھتی تھی۔ دردانہ نے اسے پیار کیا تو وہ خوش ہو کر باپ کو اشارے سے بتانے لگی کہ انہوں نے مجھے پیار کیا ہے۔

جمال نے کہا۔ "یہ محبت کی بھوکی ہے اور تم اسے محبت اور توجہ دے رہی ہو۔ یہ دو دنوں میں تم سے گھل مل گئی ہے۔"

فہمی وہاں سے اٹھتے ہوئے اشاروں کی زبان میں بولی۔ "میں پھول توڑنے جا رہی ہوں۔ ابھی آ جاؤں گی۔"

وہ کیاری کے پاس چلی گئی۔ دردانہ افسردگی سے بولی۔ "اسے دیکھتی ہوں تو سعیدہ یاد آ جاتی ہے۔ میں کالج میں اس سے ایک سال سینئر تھی۔ پھر بھی ہماری دوستی ہو گئی تھی۔"

جمال سعیدہ کا ذکر سن کر اداس ہو گیا۔ پھر پھولوں کے پاس اپنی تتلی جیسی فہمی کو دیکھ کر بولا۔ "سعیدہ نہیں رہی لیکن اس کی بیٹی کو اپنے گھر میں جگہ دے کر تم دوستی نبھاہ رہی ہو۔"

دردانہ سر جھکا کر بولی۔ "آپ نے آتے ہی اس گھر کا کرایہ دے دیا۔ مہینے بھر کا راشن لے آئے' میں کیا دوستی نبھاؤں گی؟ یہ تو آپ کا احسان ہے جو میرے برے وقت میں کام آ رہے ہیں۔"

"تم نے بیوہ ہونے کے بعد دوسری شادی نہیں کی۔ اسکول میں بچوں کو پڑھاتی ہو' اکیلی ہو۔ پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا گزارہ مشکل سے ہی ہوتا ہو گا۔"

"ٹیوشن پڑھنے والے دو چار بچے مل جائیں تو گزارہ آسانی سے ہو جائے گا۔"

فہمی ایک پھول توڑ کر لے آئی' پھر اسے دردانہ کو دیتے ہوئے اپنے بالوں کی طرف اشارہ کرنے لگی۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گئی۔ اسے اپنے پاس بٹھا کر اس کے بالوں میں پھول لگانے لگی۔

جمال نے دردانہ سے پوچھا۔ "کیا تم ہمارے ساتھ رہو گی؟"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "آپ کے ساتھ؟"

"میں چاہتا ہوں کہ تم ایک گورنس کی حیثیت سے دن رات فہمی کے ساتھ رہا کرو۔"

تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہو گی۔ کھانے' کپڑے کے علاوہ اچھی خاصی رقم بھی ملتی رہے گی۔"

فہمی پھول لگوا کر بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر بولی۔ "میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ آپ کی آفر اس لئے قبول کر رہی ہوں کہ فہمی جیسی بیٹی ملے گی۔ میرے اندر چھپی ہوئی ممتا کو تسکین ملتی رہے گی۔"

جمال فہمی کو دردانہ جیسی محبت کرنے والی عورت کی ذمہ دارانہ تحویل میں دے کر مطمئن ہو گیا تھا۔ جنگ لڑنے سے پہلے اپنے پیاروں کو محفوظ مقام پر پہنچایا جاتا ہے اور وہ یہی کر رہا تھا۔

☆======☆======☆

عالیہ دوسرے دن ٹھیک دس بجے ایم اے درانی کے میرج بیورو پہنچ گئی۔

وہ آفس کے اندر داخل ہوئی تو قیصر پہلے سے وہاں موجود تھا۔ درانی اسے دیکھ کر اپنی سیٹ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "آیئے' آپ ہی کا انتظار ہو رہا ہے۔"

پھر اس نے قیصر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مس عالیہ! یہ ہیں مسٹر قیصر.......... اور مسٹر قیصر! یہ ہیں مس عالیہ۔"

ان دونوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔ قیصر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ "ہائے عالیہ! نام انہوں نے بتایا۔ کام میں بتاتا ہوں۔ نیویارک ریکس کورس میں میرا ایک اسنیک بار ہے۔ اتنی بڑی دنیا میں بالکل اکیلا ہوں۔ خوب کماتا ہوں اور خوب.........."

اسے احساس ہوا کہ کافی دیر سے اس کا ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھایا ہوا ہے مگر عالیہ نے ہاتھ نہیں ملایا۔

وہ اپنا ہاتھ پیچھے کر کے جھینپ کر بولا۔ "اوہ.......... میں بھی کیا ہوں' بھول جاتا ہوں کہ یہ پاکستان ہے۔"

پھر وہ ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "آپ کھڑی کیوں ہیں؟ بیٹھئے نا!"

وہ "شکریہ" کہہ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

درانی نے ایک پاسپورٹ اور چند کاغذات عالیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ مسٹر قیصر کا پاسپورٹ اور نیویارک سے متعلق ضروری کاغذات ہیں۔"

اس نے پاسپورٹ اور کاغذات پر سرسری سی نگاہ ڈالنے کے بعد کہا۔ "میرے بزرگ انہیں دیکھیں گے' سمجھیں گے۔ یہاں سے نیویارک تک معلومات حاصل کریں گے۔ پھر میری تقدیر کا فیصلہ کریں گے۔"

قیصر ذرا لاپرواہی سے بولا۔ "او.......... مس عالیہ! بزرگ تو اپنے فیصلے سناتے رہیں گے۔ اس پہلی میٹنگ میں اپنا فیصلہ سناؤ۔ میں تمہارے سامنے ہوں۔ میں نے تو تمہیں دیکھتے ہی پسند کر لیا ہے۔"

وہ اس کی بے باکی پر ذرا سی گھبرائی پھر بولی۔ "پہلی ملاقات میں دیکھا جاتا ہے' سمجھا نہیں جا سکتا۔ ہماری دو چار ملاقاتیں ہوں گی۔ پھر میں کچھ کہہ سکوں گی۔"

"تم اشارتاً کچھ حوصلہ تو دے سکتی ہو۔ اتنا تو کہہ سکتی ہو کہ میں قابل قبول ہوں یا نہیں؟"

"تمہیں دیکھنے کے بعد بیٹھی ہوئی ہوں۔ یہاں سے جا بھی سکتی تھی۔"

وہ اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ "تھینک یو' تھینک یو۔ تم حسین بھی ہو اور ذہین بھی۔ تم نے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ دیا۔"

ایم اے درانی نے مداخلت کی۔ "پہلی میٹنگ میں دیکھا جا سکتا ہے اور گفتگو سے ایک دوسرے کو سمجھا جا سکتا ہے۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں جا رہا ہوں۔ آپ یہاں بیٹھیں اور اپنے آنے والے کل کو اچھی طرح سمجھیں۔"

قیصر اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے بولا۔ "Just a minute۔"

پھر اس نے عالیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ایک لانگ ڈرائیو ہو جائے۔ کھلی فضا میں ہم کچھ کھل کر باتیں کر سکیں گے۔"

عالیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر درانی کو دیکھا' وہ بولا۔ "ہاں عالیہ! یہ مناسب رہے گا۔ آپ پورے اعتماد سے ان کے ساتھ جا سکتی ہیں۔"

وہ انکار نہ کر سکی۔ قیصر اسے ایک لانگ ڈرائیو کے بعد ساحل سمندر پر لے آیا۔

اس دوران میں ان کے درمیان ڈھیر ساری گفتگو ہو چکی تھی اور وہ ایک دوسرے سے کافی کھل مل چکے تھے۔

وہ دونوں کار سے ٹیک لگائے ساحل سے پرے مچلتے ہوئے سمندر کو دیکھ رہے تھے۔ ایسے وقت عالیہ کو اسد یاد آنے لگا۔ جس طرح لہریں ساحل سے ٹکرا کر واپس پلٹ رہی

تھیں' اسی طرح عالیہ نے بھی اسد کی یاد میں اٹھنے والی موج کو پیچھے دھکیل دیا۔ وہ سر جھٹک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

وہ بولا۔ "ہم تین گھنٹوں سے ایک ساتھ وقت گزار رہے ہیں۔ اب میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"ہم عجیب لوگ ہیں۔ پہلی ملاقات میں سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر پوری زندگی گزارنے کے بعد بھی سمجھ نہیں پاتے کہ ہمارے سامنے کس موڑ پر جھوٹ ہے اور کس موڑ پر فریب ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "بڑی نپی تلی باتیں کرتی ہو۔ تم سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔"

قیصر کو واقعی عالیہ سے مل کر اور اس کے خیالات جان کر خوشی ہو رہی تھی۔

پھر وہ بولا۔ "کیا خیال ہے؟ کولڈ ڈرنک ہو جائے' مجھے پیاس لگ رہی ہے۔"

"ہاں' میرا بھی یہی خیال ہے۔"

وہ وہاں سے ایک اسنیک بار میں آیا۔ اس نے دو کولڈ ڈرنک کی بوتلیں کھلوائیں پھر سر گھما کر دور کھڑی عالیہ کو دیکھا' وہ سمندر کی جانب دیکھ رہی تھی۔

اس نے کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے شخص سے نظر بچا کر ایک ٹیبلٹ اپنی جیب سے نکال کر بوتل میں ڈال دی۔ پھر وہ دونوں بوتلیں لے کر عالیہ کے پاس چلا آیا۔

ٹیبلٹ والی بوتل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "تم کسی گہری سوچ میں گم تھیں؟"

وہ ایک گھونٹ لے کر بولی۔ "میں سوچ رہی تھی کہ انسان کبھی کبھی اپنے چاہنے والوں سے دور جا کر ہی خوشیاں حاصل کرتا ہے۔"

وہ دونوں ٹھنڈا پی رہے تھے اور گفتگو کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد عالیہ کو محسوس ہوا کہ اس کا سر چکرا رہا ہے۔ نگاہوں کے سامنے دھند چھانے لگی تھی۔ اس کے بعد اندھیرا چھانے لگا۔ صرف اتنا یاد رہا کہ اسے گرتے گرتے قیصر نے سنبھالا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ اسے کچھ خبر نہ رہی۔

کچھ دیر بعد وہ کار کی پچھلی سیٹ پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ مگر اس بار اسٹیئرنگ سیٹ پر قیصر کے بجائے اسد بیٹھا ہوا تھا اور مسکراتے ہوئے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

☆======☆======☆

عبادت علی اپنے کمرے میں تھے۔ ان کے سامنے شطرنج کی بساط بچھی ہوئی تھی۔ کئی مہرے مختلف خانوں میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ ایک مہرہ اٹھا کر چلنے لگے پھر رک کر کچھ سوچنے لگے۔

نفاست دروازہ کھول کر کمرے میں آیا۔ انہوں نے مہرے کو واپس خانے میں رکھ دیا پھر مخالف مہروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نفاست سے بولے۔ "یہ جمال کے مہرے ہیں' جو ہمارا راستہ روک رہے ہیں۔"

وہ ان کے مقابل بیٹھ کر بڑی توجہ سے مہروں کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "آپ گھوڑے کو ڈھائی گھر چلیں گے تو اس کا پیدل مارا جائے گا۔ جمال ہمارے لئے ایک پیدل مہرہ ہے' اسے مات ہو گی تو فہمی آپ کے سائے میں چلی آئے گی۔"

وہ بساط کو دیکھ کر بولے۔ "نہیں .... تمہارا دھیان کہاں ہے؟ یہاں دیکھو .... آگے فیل کھڑا ہے۔ ہمارے گھوڑے کو سیدھی موت دے گا۔"

پھر وہ سر اٹھا کر نفاست کو دیکھ کر بولے۔ "اگر فہمی اس کے پاس رہے گی تو وہ ہمارے خاندان کے باہر اس کا کہیں رشتہ کر دے گا۔"

"ادھر گھوڑا مرے گا۔ ادھر آپ کو شہ مات ہو گی اور پچاس کروڑ ہاتھ سے نکل جائیں گے۔"

انہوں نے ناگواری سے شطرنج کی بساط پر ایک ہاتھ مارا۔ مہرے فرش پر اِدھر سے اُدھر تک بکھر گئے۔

وہ الجھتے ہوئے بولے۔ "پھر ہم کیا کریں' فہمی کے ساتھ اسے بھی یہاں رہنے کی اجازت دیں۔ جسے برسوں ملازم بنا کر رکھا' اسے اپنے برابر بٹھائیں۔"

"اس کی ایک کمزوری ہے کہ وہ بیٹی کو اتنی بڑی رقم سے محروم نہیں ہونے دے گا۔"

وہ بولے۔ "وصیت میں ایک شرط رکھی گئی ہے کہ فہمی ہمارے ہی خاندان میں کسی سے بیاہی جائے گی۔ تب وہ پچاس کروڑ کی حقدار ہو گی۔"

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ناگواری سے بولے۔ "مگر وہ پاگل کا بچہ ہم سے اور تمہارے بچوں سے نفرت کرتا ہے۔ فہمی کو اس خاندان کی بہو نہیں بننے دے گا۔ سعیدہ نے اس کے لئے خاصی رقم اور جائداد چھوڑی ہے۔ وہ اسی پر اکتفا کرے گا۔"

وہ کچھ سوچ کر بولا۔ "ابا جان! میرا دل کہتا ہے' وہ چھوٹا آدمی ہے۔ اتنی بڑی رقم

نہیں چھوڑے گا.......... سمجھوتہ کرلے گا۔"

وہ پلٹ کر بولے۔ "تم نے وصیت پڑھی ہے۔ اس میں صاف طور سے لکھا ہوا ہے کہ اگر فہمی کو ہمارے خاندان کی بہو نہ بنایا گیا تو وہ پچاس کروڑ نہ اسے ملیں گے' نہ ہمیں ملیں گے۔ بلکہ محکمہ اوقاف میں چلے جائیں گے۔"

وہ ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میں آپ کا بیٹا ہوں' آپ کا جانشین ہوں .... ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

انہوں نے بڑے فخر سے نفاست کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر لکھے سکون کو پڑھ کر مطمئن ہو گئے۔ انہیں امید تھی کہ وہ ان کا بیٹا ہے' ان کے جیسا دماغ بھی رکھتا ہے۔ وہ ضرور کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے گا۔

☆======☆======☆

اسد نے ایک کمرے کے دروازے کو دھیرے سے کھول کر اندر جھانکا۔ عالیہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ وہ مسکرا کر دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

عالیہ نے ذرا کسمسا کر آنکھیں کھولیں۔ وہ چپ چاپ لیٹی چھت کو تکنے لگی۔ اسے ماحول کچھ انجانا سا لگ رہا تھا۔ اس نے ذہن پر دباؤ ڈالا تو یاد آیا کہ وہ قیصر کے ساتھ تھی پھر بوتل پی کر بے ہوش ہو گئی تھی۔

وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اس کی چھٹی حس خطرے کا الارم بجا رہی تھی۔ پھر اس کی نظر اپنے لباس پر پڑی۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ لباس بدلا ہوا تھا۔ وہ اپنے وجود کے ایک ایک حصے کو ٹٹولنے لگی۔

شاید وہ یہ دیکھنا چاہ رہی تھی کہ اس کے بدن پر کسی کے نام کی مہر تو نہیں لگ گئی۔ اس دوران اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی قیصر کی تصویر پر پڑی۔

وہ اسے اٹھا کر غصے سے چلائی۔ "قیصر.......... یو راسکل! کہاں چھپا ہے؟ سامنے آ .... فریبی.......... دغاباز۔"

اس نے باتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو وہ خالی تھا۔ وہ ایک بار پھر تیز آواز میں بولی۔ "میں اپنے کزن کو یہاں لاؤں گی۔ وہ تجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔"

وہ روتی جا رہی تھی اور کمرے کی چیزوں کو اِدھر سے اُدھر پھینکتی جا رہی تھی۔ کوئی اس کی چیخ و پکار سننے والا نہیں تھا۔

وہ روتے ہوئے زیر لب بولی۔ "اسد!" پھر اسے دروازے کا خیال آیا۔ وہ لپک کر دروازہ کھولنے کے لئے بڑھی وہ ایک ہی جھٹکے میں کھلتا چلا گیا۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔ باہر کوئی نہیں تھا۔ کوریڈور ویران تھا۔

اس نے کمرے میں آ کر اپنا حلیہ درست کیا پھر آنسو پونچھتی ہوئی دبے قدموں باہر نکل آئی۔ وہ کوریڈور سے گزر کر باغیچے میں آئی۔ وہاں بھی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی مین گیٹ سے باہر آئی۔ وہ اس علاقے سے انجان تھی۔ مین روڈ پر آ کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

تمام راستے اسے طرح طرح کے اندیشوں نے گھیرے رکھا اور رہ رہ کر خود پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے اور دوسری لڑکیوں کی طرح دھوکہ کھایا ہے۔ اسے تنہا ایک غیر شخص کے ساتھ نہیں جانا چاہئے تھا۔ ان ہی سوچوں میں وہ گھر پہنچ گئی۔ کرایہ ادا کر کے ٹیکسی سے اتر گئی۔ پھر کوٹھی کے احاطے سے گزر کر ڈرائنگ روم میں آئی۔

وہاں آنٹی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ وہ ان سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔ اس نے اسد کے کمرے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "اسد اپنے کمرے میں ہے؟"

"ہاں شاید پڑھ رہا ہے۔"

وہ کوریڈور میں آئی تو اسد کے کمرے کی کھڑکی سے ایک مردانہ گرجدار آواز سنائی دی۔ "کہاں گئی تھیں؟"

وہ سہم کر رک گئی' پھر حیرت سے سوچنے لگی۔ "یہ آواز کس کی ہو سکتی ہے؟"

وہ دبے قدموں چلتی ہوئی کھڑکی کے قریب آئی۔ اندر جھانک کر دیکھا۔ اسد اپنے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے پاس رکھے ہوئے ریڈیو سے آواز ابھر رہی تھی۔ "خاموش کیوں ہو؟ جواب کیوں نہیں دیتیں؟"

ریڈیو سے نسوانی آواز ابھری۔ "ڈیڈی! میں نے آپ کی بات نہیں مانی۔ آج پچھتا رہی ہوں۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

عالیہ شرمندگی سے سر جھکائے ان آوازوں کو سن رہی تھی۔ ایک بار پھر مردانہ آواز سنائی دی۔ "دھوکہ کھانے کے بعد لڑکی معافی کے قابل نہیں رہتی۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ دنیا والے تمہاری پارسائی کا یقین کر لیں گے؟"

ریڈیو سے کوئی ڈرامہ نشر کیا جا رہا تھا لیکن اس کا ایک ایک ڈائیلاگ عالیہ کے دل پر

تیر کی طرح لگ رہا تھا۔ کیونکہ وہ بھی اپنی دانست میں دھوکہ کھا کر آئی تھی۔

ریڈیو سے مردانہ آواز ابھری۔ "تمہارے لئے میرے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ شرم والی کو چھوٹا سا آنچل چھپا لیتا ہے لیکن بے شرم کو پہاڑ بھی نہیں چھپا سکتا۔ میں تمہاری بے حیائی کو اپنے گھر میں نہیں چھپا سکوں گا۔ چلی جاؤ یہاں سے۔"

عالیہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ مزید وہاں کھڑی نہ رہ سکی۔ دونوں ہاتھوں سے منہ کو چھپا کر دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اسد کا کھیل ختم ہو چکا تھا۔ اس نے ریڈیو بند کیا۔ پھر مسکراتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا۔ "میرا خیال ہے کہ اب محترمہ کے سر سے گرین کارڈ کا بھوت اتر چکا ہو گا۔"

☆======☆======☆

عظمت بیگ کار ڈرائیو کرتا ہوا ایک مارکیٹ سے گزر رہا تھا۔ وہ ایک متوسط طبقے کا علاقہ تھا۔ وہ ایسے علاقوں میں آتا جاتا نہیں تھا۔ مگر آج کسی ضرورت کے تحت اس چھوٹے سے علاقے میں آیا ہوا تھا۔

وہاں بہت سی عورتیں اور مرد خریداری میں مصروف تھے۔ ٹھیلے والوں نے سڑک کو کافی حد تک گھیرا ہوا تھا۔ اس لئے ڈرائیونگ میں دشواری ہو رہی تھی۔

وہ ہارن بجا بجا کر راستہ بنا رہا تھا اور آگے بڑھ رہا تھا۔ ایسے وقت اس کی نظر ایک سبزی کے ٹھیلے پر پڑی۔ وہاں ایک غریب سی عورت اور ایک لڑکی نظر آئی۔

وہ اسے دیکھ کر چونک گیا۔ کوئی عام سی لڑکی ہوتی تو سرسری سی نگاہ ڈال کر آگے بڑھ جاتا لیکن وہ تو عبادت علی شاہ کی نواسی فہمی تھی۔

عظمت بیگ پہلے تو اسے اپنی نظروں کا دھوکہ سمجھا لیکن جب یقین ہوا تو حیرت سے سوچنے لگا۔ "عبادت علی شاہ جیسے ارب کھرب پتی کی نواسی اس معمولی سے بازار میں کیا کر رہی ہے؟"

پہلے تو وہ جلد از جلد اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن اب فہمی کا چہرہ دیکھ کر وہ تجسس میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی کار کو ایک طرف پارک کیا پھر عقب نما آئینے کو اس طرح سیٹ کیا کہ فہمی اور اس عورت کا عکس آئینے میں صاف طور سے دکھائی دینے لگا۔ وہ دونوں سبزیاں وغیرہ خریدنے اور مول تول کرنے میں مصروف تھیں۔

عظمت بیگ ابھی تک حیران تھا کہ اعلیٰ خاندان کی نواسی اس علاقے میں کیسے پہنچ گئی؟ اسے وہ دن یاد آیا جب وہ اپنے باپ حشمت بیگ کے ساتھ نفاست علی شاہ کے

آفس میں گیا تھا۔

حشمت بیگ نے کہا تھا۔ "نفاست علی! تم یہاں بیٹھ کر بزنس نہیں کر رہے ہو، سیاسی چالیں چل رہے ہو اور ہمیں نقصان پہنچا رہے ہو۔"

نفاست نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "باہر سے دھوپ کھا کر آ رہے ہو۔ یہاں ٹھنڈے میں بیٹھو اور ٹھنڈے ہو کر بولو۔"

عظمت نے کہا۔ "ہم یہاں بیٹھنے نہیں، دوٹوک بات کرنے آئے ہیں۔ تم نے ہماری مل کے کاریگروں کو زیادہ تنخواہ کا لالچ دیا۔ وہ تمہاری طرف چلے آئے۔ ایسی اوچھی حرکتیں ہم بھی کر سکتے ہیں۔"

نفاست بھی تیز لہجے میں بولا۔ "کیا کر سکتے ہو، مزدوروں اور کاریگروں کو وقت پر تنخواہ نہیں دے سکتے۔ مارکیٹ میں اپنی ساکھ برقرار نہیں رکھ سکتے۔ کاٹن ملز کی فیلڈ میں ایک چیونٹی کی طرح رینگ رہے ہو اور پہاڑ کو چیلنج کرنے آئے ہو۔"

حشمت بیگ نے کہا۔ "تمہارے جیسے پہاڑ اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں۔ تمہارا کاروبار، تمہاری خاندانی شرافت سب ڈھول کا پول ہے۔ ہم تمہاری فیملی ہسٹری سے اچھی طرح واقف ہیں۔ تم نے اس کاروبار پر قبضہ جمانے کے لئے پہلے بڑے بھائی کے خلاف سازش کی۔ اسے گھر بار چھوڑ کر جانے پر مجبور کیا۔ پھر بہن کے خلاف سازش کی۔ اسے بھی گھر سے نکال دیا۔"

نفاست اس کی باتیں سن کر غصے سے مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔ پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بولا۔ "شٹ اپ .... ہمارے خاندان کی کسی خاتون کا نام اب اگر تمہاری زبان پر آیا تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

حشمت بیگ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کتنوں کی زبانیں کھینچو گے؟ کاروباری حلقے میں جتنے تمہارے دشمن ہیں، اتنی ہی کیچڑ اچھالنے والی زبانیں ہیں۔"

عظمت بیگ بولا۔ "یاد رکھو، ہماری دشمنی کاروبار سے شروع ہو کر تمہارے گھرانے کی عزت تک پہنچ سکتی ہے۔"

نفاست انٹر کام کا بٹن دبا کر بولا۔ "فوراً آرمڈ گارڈز کو بھیجو۔"

عظمت بولا۔ "کیا تمہارے آرمڈ گارڈز ہمیں گولی مار دیں گے؟"

حشمت بیٹے کا بازو پکڑ کر بولا۔ "چلو بیٹے!"

عظمت ایک جھٹکے سے بازو چھڑا کر بولا۔ "تم نے ہمارے کاریگروں کو ہماری مل سے

اغوا کرایا ہے۔ یہ مت بھولو کہ تمہاری ایک جوان بیٹی ہے۔ اسے بھی اغوا کیا جا سکتا ہے۔ پھر تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔"

نفاست غصے سے غراتا ہوا آگے بڑھا۔ "او.......... یو شٹ اَپ۔"

حشمت بیٹے کا بازو پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا آفس سے باہر آ گیا۔

مسلسل کھٹ کھٹ کی آواز عظمت بیگ کو ماضی سے کھینچ کر حال میں لے آئی۔ ایک بھکاری نہ جانے کب سے کھڑکی کے شیشے پر دستک دے کر اس سے بھیک مانگ رہا تھا۔

اس نے چونک کر کھڑکی سے باہر دیکھا پھر عقب نما آئینے میں دیکھنے لگا۔ اسے وہ دونوں نظر نہیں آئیں۔ وہ گاڑی سے اتر کر ادھر اُدھر نظریں دوڑانے لگا۔

بھیڑ بہت زیادہ ہو چکی تھی۔ وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ اس نے کار کی باڈی پر ایک گھونسا مارتے ہوئے کہا۔

"شٹ.......... پتہ نہیں وہ کس طرف گئی ہیں؟"

اس نے بے دلی سے کار کے دروازے کو کھول کر بیٹھتے ہوئے ایک اور سرسری سی نگاہ اس بازار پر ڈالی۔ پھر چونک گیا۔ وہ دونوں ایک گلی کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

اس نے جلدی سے اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی۔ پھر کار اسٹارٹ کر کے ان کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ کار کو رینگنے کے انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔

وہ دونوں دو چار گلیاں پار کر کے ایک دروازے کے سامنے رک گئیں۔ عظمت نے اپنی کار ان سے کچھ فاصلے پر آگے جا کر روک دی اور عقب نما آئینے کو اس طرح سیٹ کیا کہ ان دونوں کا عکس اس آئینے میں واضح طور پر دکھائی دینے لگا۔

دو تین بار دستک دینے کے بعد دروازہ کھل گیا۔ کھلے ہوئے دروازے جمال ہمدانی کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ عظمت بیگ اسے دیکھ کر حیرت سے سوچنے لگا۔ "عبادت علی شاہ کی نواسی.......... اور ایک مالی کے گھر میں؟ میرا خیال ہے کہ عبادت علی کے خاندان میں کوئی گڑبڑ چل رہی ہے؟ شاید یہ مالی اس خاندان کی عزت کو لے اڑا ہے۔"

یہ بہت بڑا انکشاف تھا۔ وہ اس زبردست خبر کو جلد از جلد اپنے باپ حشمت بیگ تک پہنچانا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً ہی کار اسٹارٹ کر کے تیزی سے آگے بڑھا دی۔

حشمت بیگ اپنے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں صوفہ پر بیٹھا ایک فائل کے مطالعے میں مصروف تھا۔

حمیرا وہاں آ کر ایک صوفہ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ہائے پاپا! کیا بہت مصروف ہیں؟"

حشمت نے سر اٹھا کر بیٹی کو دیکھا پھر بولا۔ "یہ تمہاری تہذیب ہائے ہائے کیوں کرتی ہے' سلام دعا' ادب و آداب سب کچھ بھول گئی ہو۔ کم از کم باپ کو تو سلام کرو۔ دعائیں لیا کرو۔"

وہ منہ بسور کر بولی۔ "چلیں آپ کہتے ہیں تو سلام کر لیتی ہوں۔"

پھر اس نے سر جھکا کر بڑے مؤدبانہ انداز میں سلام کیا۔ حشمت بیگ مسکراتے ہوئے بولا۔ "وعلیکم السلام.......... جیو سدا خوش رہو۔"

پھر ایک فائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ کورٹ پیپرز آ گئے ہیں۔ اب تم میرے کاروبار میں ففٹی پرسنٹ کی پارٹنر ہو۔"

حمیرا نے اس فائل کو کھول کر دیکھا۔ پھر خوش ہو کر بولی۔ "تھینک یو پاپا! میں یہی پوچھنے آئی تھی۔ آپ نے پوچھنے سے پہلے ہی میری خوشی پوری کر دی۔"

"تم نے کہا تھا کہ مراد کو ساتھ لاؤ گی۔ میں یہ پیپرز اس کے سامنے تمہیں دینا چاہتا تھا۔"

وہ فائل کے کاغذات کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "وہ انہیں دیکھے گا تو حیران رہ جائے گا۔ آج تک کسی باپ نے اپنی بیٹی کو آدھا حصہ نہیں دیا ہو گا۔ ہر گھر میں بیٹوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔"

"مان گئیں نا' کہ بیٹے کے برابر تمہیں چاہتا ہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تم میرے کاروبار کے لئے کیا کرتی ہو؟"

"مراد اپنے وعدے کے مطابق میری طرف سے سرمایہ لگائے گا۔"

وہ کچھ پریشان ہو کر بولا۔ "کب لگائے گا' اسے یہاں آنا چاہئے؟ مجھ سے معاملات طے کرنے چاہئیں۔"

"اس کے اپنے کچھ پرابلمز ہیں۔ وہ پریشان رہتا ہے۔ میں اس سے کہوں گی۔ وہ جلد ہی آپ سے ملے گا۔"

"تم میرے بزنس میں شامل ہو چکی ہو۔ اس فائل کو پڑھو گی تو تمہیں معلوم ہو گا کہ ہم کتنی مشکلات میں ہیں؟ اگر ان پارٹیز کو پے منٹس نہ کی گئیں تو یہ Raw Material کی سپلائی روک دیں گے۔"

وہ صوفہ سے اٹھ کر پُرتشویش لہجے میں بولا۔ "مجھے تو یہ مل بند ہوتی دکھائی دے رہی

ہے۔"

حمیرا نے اٹھ کر بڑے پیار سے اس کے شانے پر سر رکھ کر کہا۔ "میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔ وہ اسلام آباد گیا ہے' جیسے ہی واپس آئے گا' میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گی۔"

عظمت بیگ کی کار کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئی۔ وہ کار سے اتر کر تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔

باپ کو وہاں دیکھ کر رک گیا۔ پھر بولا۔ "پاپا! ایک زبردست خبر لایا ہوں۔ ہمارا دشمن اپنے اعلیٰ خاندان کی بلندی سے نیچے گر چکا ہے۔"

حشمت نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا کہہ رہے ہو' کون سا دشمن؟ یہاں تسلی سے بیٹھ کر بات کرو۔"

عظمت بولا۔ "سید عبادت علی شاہ کی نواسی کو میں نے ایک متوسط طبقے کی مارکیٹ میں دیکھا ہے۔"

حمیرا بولی۔ "وہ تو گونگی بہری ہے۔ مارکیٹ میں کیا کر رہی تھی؟"

"کسی عورت کے ساتھ تھی۔ اتنے بڑے آدمی کی نواسی پیدل تھی اور چھوٹے لوگوں کے علاقے میں تھی۔"

حشمت نے تعجب سے پوچھا۔ "وہ وہاں کیا کر رہی تھی؟"

"یہی دیکھ کر تو میں بھی حیران رہ گیا۔ میں نے اس کا تعاقب کیا' وہ اس عورت کے ساتھ ایک گلی سے دوسری گلی میں جا رہی تھی۔"

"پیدل.........!"

"جی ہاں' اس عورت نے ایک چھوٹے سے مکان کے پاس پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔ جانتے ہیں' اندر سے دروازہ کس نے کھولا؟"

"کس نے؟"

"سید عبادت علی شاہ کی کوٹھی کے مالی نے۔"

حشمت حیرت سے بولا۔ "مالی' عبادت علی کی گونگی نواسی ایک چھوٹے سے علاقے میں.........!"

پھر وہ بیٹے کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "تمہیں یاد ہے جب نفاست علی سے آخری بار ہمارا جھگڑا ہوا تھا تو تم نے اسے دھمکی دی تھی کہ اگر اس کی جوان بیٹی کو اغوا کیا گیا تو وہ

کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔"

عظمت بیگ نے تائید میں سر ہلایا۔ حشمت نے کہا۔ "تمہاری وہ دھمکی رنگ لا رہی ہے۔ ہم نے تو اس دھمکی پر عمل نہیں لیکن لگتا ہے کہ اس مالی نے یہ کام کر دکھایا ہے۔"

وہ بولا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ مالی اس خاندان کی عزت کو لے اڑا ہے۔"

حشمت بیگ نے حمیرا کو مخاطب کر کے کہا۔ "تمہارے فرینڈز کی گیدرنگ میں زیبی بھی تو رہتی ہے؟"

وہ بولی۔ "جی پاپا! لیکن تمام فرینڈز اس کی گیدرنگ سے بیزار ہیں۔ اس کے خلاف پلاننگ کر رہے ہیں۔"

"کیسی پلاننگ؟"

"زیبی نے اپنے اعلیٰ خاندان کی برتری جتانے کے لئے زبیر کی انسلٹ کی تھی۔ اب ہم سب مل کر اس سے انتقام لینے والے ہیں۔"

حشمت بیگ نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے فرینڈز کے ذریعہ اس اعلیٰ خاندان کے اندر کی باتیں معلوم کرو۔ ہم نے نفاست علی سے کہا تھا کہ اس کی خاندانی شرافت ڈھول کا پول ہے۔ اب پول کھلے گا' اسے ہم کھولیں گے۔"

وہ تینوں ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھنے لگے۔

☆======☆======☆

صمد شاہین ایک کامیاب بزنس مین تھا۔ بظاہر اس کا کاروں کا شو روم تھا لیکن اس کے علاوہ وہ انڈر گراؤنڈ ورلڈ کا بھی کارکن تھا۔

وہ اپنے بڑے اور شاندار آفس میں بیٹھا ہوا ایک فائل کے مطالعے میں مصروف تھا۔ فراز تیزی سے دروازہ کھول کر اندر آیا۔ اس نے چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔ مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ "آؤ......... فراز! ویل کم' ویل .... تم کب واپس آئے؟"

فراز نے ناگواری سے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ مصافحہ کرنے سے دوستی کا اظہار ہوتا ہے لیکن یہاں تو دلوں میں کدورتیں بھری ہوئی تھیں پھر وہ کس رشتے سے ہاتھ ملاتا۔

وہ بولا۔ "مجھ سے دور رہو' تمہاری دوستی نے مجھے دین کا رکھا ہے نہ دنیا کا۔ میں گھر سے سینکڑوں کلو میٹر دور حلال کی کمائی کے لئے آیا تھا۔ تم نے میرے ماں باپ کی جھولی

میں اور میری بہن کے گھونگھٹ میں حرام پہنچا دیا۔"

وہ اپنے ہاتھ کو دیکھ کر مسکرا کر بولا۔ "مانتا ہوں' یہ گناہ تو میں نے کیا ہے لیکن خدا جانتا ہے کہ یہ گناہ ایسا تھا جسے کرتے ہوئے مجھے روحانی مسرتیں حاصل ہو رہی تھیں۔"

پھر اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک ریوالور نکال کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "تم چاہو تو مجھے گولی مار دو۔ زندہ رہا تو پھر یہی گناہ کروں گا۔"

فراز نے میز پر رکھے ہوئے ریوالور کو دیکھا پھر صمد کو دیکھ کر جھنجھلا کر بولا۔ "کیوں کرو گے' تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو' میرا تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

وہ اس کے پاس آکر اس کے شانے کو تھپک کر بولا۔ "میرا رشتہ اس بہن سے ہے' جسے تم سہاگن نہ بنا سکے۔ میں نے بنا دیا۔ تم سمجھ لو کہ تمہاری بہن کنواری بیٹھی ہے اور مرتے دم تک کبھی سہاگن نہیں بن سکے گی۔ تمہیں اس بہن کا ماتم کرنا چاہئے۔ مگر تم مجھ سے جھگڑنے چلے آئے۔"

فراز کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن صمد نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کر دیا۔ پھر وہ بولا۔ "میرا رشتہ اس ماں سے ہے جس کا علاج تم نہ کرا سکے۔ میں کرا رہا ہوں۔ میری وہ ماں زندہ ہے۔ تمہاری ماں علاج کے بغیر مر چکی ہے۔ اس پر فاتحہ پڑھو۔ مجھے غصہ نہ دکھاؤ۔"

فراز سر جھکائے خاموشی سے اس کی باتیں سن کر رہا تھا۔ وہ کچھ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ جو حقیقت تھی اسے بیان کر رہا تھا اور حقیقت یہی تھی کہ وہ حلال کی کمائی سے وہ سب کچھ نہیں کر سکتا تھا جو صمد نے اپنی حرام کی کمائی سے کر دیا تھا۔

صمد بولا۔ "وہاں جو ماں باپ اور بہن ہے۔ وہ میرے اپنے ہیں۔ تمہاری کیا حیثیت ہے کہ انہیں زندہ اور خوش حال رکھ سکو۔ جاؤ اور یہ سوچ کر جیو کہ تم تنہا ہو۔ حق حلال کی کماؤ۔ محتاج اور مفلس رہو۔ یہ سزا اپنے خون کے رشتوں کو نہ دو۔"

فراز اس کی باتیں سن کر تھکے ہوئے انداز میں ایک کرسی پر ڈھے گیا۔ پھر بولا۔ "تم نے میرے گھر والوں پر مہربانیاں کی ہیں۔ میں یہی سوچ کر غصہ برداشت کر رہا ہوں کہ جو میں نہ کر سکا تھا' وہ تم نے کیا ہے۔ اب یہی ہو سکتا ہے کہ میں تنہا اپنی ذات میں ایماندار رہوں اور اپنے لئے حلال کی روزی حاصل کرتا رہوں۔"

صمد ریوالونگ چیئر پر بیٹھ کر بولا۔ "تمہیں یہی کرنا چاہئے۔ مگر تنہا کب تک رہو گے؟ تمہاری زندگی میں کبھی تو کوئی آئے گی .... تم سے محبت کرنے والی .... تمہارا گھر

بسانے والی .... تمہاری نسل کو آگے بڑھانے والی .... بیوی ہو گی .... بچے ہوں گے .... زندگی کی ضرورتیں پھر تمہارے ایمان کو چیلنج کریں گی اور تم سمجھ نہیں پاؤ گے کہ کس چور دروازے سے بے ایمانی تمہارے ایمان میں شامل ہو رہی ہے؟"

وہ اس کی آئندہ زندگی کے بارے میں بتا رہا تھا اور فراز زیبی کے تصور میں گم ہو گیا تھا۔ وہ دلہن بنی پھولوں سے سجی سیج پر گھونگھٹ میں چھپی بیٹھی تھی اور فراز دھیرے دھیرے اس کا گھونگھٹ الٹ رہا تھا۔ زیبی کا چہرہ نظر آتے ہی وہ چونک گیا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ ایک امیر گھرانے کی لڑکی ہے بھلا مجھ جیسے غریب اور مفلس کو کیوں گھاس ڈالے گی۔

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "میں بہت اونچے خواب دیکھ رہا ہوں۔ وہ بہت بلندی پر ہے۔"

صمد نے حیرت سے پوچھا۔ "کون.........! کون بلندی پر ہے؟"

وہ چونک کر بولا۔ "ہیں......... کون؟ کوئی نہیں .... کوئی بھی تو نہیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر جانے کے لئے پلٹا۔ صمد نے مسکرا کر کہا۔ "جب تک انقلاب نہیں آتا .... تبدیلی نہیں آتی .... تمہاری زندگی میں شاید کوئی انقلاب آنے والا ہے؟"

اس نے پلٹ کر صمد کی طرف دیکھا۔ پھر تیزی سے دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔

صمد جہاندیدہ شخص تھا۔ وہ کچھ کچھ سمجھ گیا تھا کہ فراز کے خوابوں میں کوئی انقلاب آ رہا ہے اور اسے امید تھی کہ شاید یہی انقلاب اس کے ذہن اور زندگی کو بدل دے۔

☆======☆======☆

رات کے دو بج رہے تھے اور عبادت علی اب تک جاگ رہے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ پریشانیاں بڑھ جائیں تو نیند آنکھوں سے روٹھ جاتی ہے۔

دوسری طرف حسرت بھی بے چین تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی نیند نہیں تھی۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر باغیچے میں آ گیا تھا اور کاٹیج کی ویرانی کو بڑے رنج سے دیکھ رہا تھا۔

عبادت علی اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر کوریڈور میں آئے۔ وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے انیکسی کے دروازے کے پاس آئے۔

حسرت باغیچے سے اندر آ رہا تھا۔ اس کی نظر عبادت علی پر پڑی۔ وہ حیرت سے

سوچنے لگا۔ "دادا جان' اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

عبادت علی کی پیٹھ حسرت کی طرف تھی۔ ان کے ہاتھ میں ایک چابی تھی وہ اسے دیکھ کر زیر لب بڑبڑائے۔ "اب کسی سے کیا چھپانا؟ بھید کھلتے جا رہے ہیں۔ کھلتے ہی جائیں گے۔"

انہوں نے چابی کو کی ہول میں ڈالا۔ دروازہ ہلکی سی کھٹ کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔ انہوں نے اندر جا کر دروازے کو بند کر دیا۔

حسرت دبے قدموں چلتا ہوا اس دروازے کے پاس آیا پھر کان لگا کر اندر کی آوازیں سننے لگا۔ اسے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ آواز بہت دھیمی تھی۔ الفاظ واضح طور پر سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ حسرت کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

اندر سے آنے والی آوازیں بند ہو گئیں۔ حسرت نے پھر دستک دی۔ تھوڑی دیر تک پُراسرار خاموشی چھائی رہی۔ پھر دروازہ کھل گیا۔

کھلے ہوئے دروازے سے عبادت علی کا غمزدہ چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک طرف ہٹتے ہوئے بولے۔ "اندر آ جاؤ"

حسرت کمرے کے اندر آیا۔ وہاں پرانا سامان بکھرا ہوا تھا۔ الماریوں کے آئینوں پر گرد کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی۔ ایک دیوار پر تین بڑی بڑی تصویریں آویزاں تھیں۔

بیگم وقارالنساء کی تصویر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ "یہ .... یہ میری دادی جان ہیں؟"

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر بیٹے کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ "یہ ہمارا بڑا بیٹا سید شفاعت علی شاہ ہے۔"

حسرت نے تیسری تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "اور یہ .... یہ کس کی تصویر ہے؟"

وہ قدرے ناگواری سے بولے۔ "یہ .... یہ ہماری نافرمان بیٹی سعیدہ بانو ہے۔ فہمی کی والدہ۔"

حسرت عبادت علی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ کمرہ تو برسوں سے بند پڑا ہے' ہم یہاں جھانکنے بھی نہیں آتے اور آپ اتنی رات گئے یہاں آئے ہیں؟"

وہ ان تینوں تصویروں کو دیکھتے ہوئے بولے۔ "ہم کبھی کبھی بچھڑنے والوں سے ملنے

آتے ہیں۔ ان سے باتیں کرتے ہیں۔"

حسرت چونک کر بولا۔ "ہاں .... یاد آیا .... میں نے کسی خاتون کی آواز سنی تھی۔ وہ آواز اسی کمرے سے آ رہی تھی۔" وہ متلاشی نظروں سے کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ملگجے اندھیرے میں وہاں کوئی تیسرا فرد دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عبادت علی ایک پرانی سی میز کے پاس آئے۔ وہاں ایک کیسٹ ریکارڈر رکھا ہوا تھا۔

انہوں نے اس ریکارڈر کا ایک بٹن دبا کر اسے آن کیا تو بیگم وقارالنساء کی آواز ابھرنے لگی۔ "ہم نے اپنی زندگی میں جھکنا نہیں سیکھا ہے۔ جھکنے سے پہلے ہم ٹوٹ جانا چاہیں گے۔"

حسرت حیرانی سے اس آواز کو سن رہا تھا اور سوالیہ نظروں س اپنے دادا جان کو دیکھ رہا تھا۔

ذرا توقف کے بعد وہ آواز دوبارہ ابھری۔ "ہم آپ سے بھی کہتے ہیں کہ پاؤں کی جوتی سر پر نہیں رکھی جاتی۔ جمال ہمدانی ایک Botanist ہے۔ اسے مٹی اور کھاد میں رہنے دیں۔ ہمارے خاندانی شجرے میں کبھی اس کا نام نہ آئے۔"

عبادت علی نے بٹن دبا کر ریکارڈر کو بند کر دیا۔ حسرت جان چکا تھا کہ یہ آواز اس کی دادی جان کی تھی۔

عبادت علی سر جھکا کر بڑے دکھ سے بولے۔ "آج وہ پاؤں کی جوتی ہمارے سر پر آ رہی ہے۔ ہم نے تو اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا تھا۔ تمہارے باپ سے اور تم سب سے اس کی اصلیت چھپائی تھی۔ اسے مالی بنا کر رکھا تھا۔"

غم و غصے سے ان کی آواز لرز گئی۔ وہ خاموش ہو گئے۔ حسرت نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ انہوں نے اسے دیکھ کر ایک سرد آہ بھری پھر بولے۔ "ہمیں افسوس ہے کہ اب یہ راز کھل گیا ہے۔ اندیشہ ہے کہ یہ راز گھر کی چاردیواری سے باہر بھی جا سکتا ہے۔"

وہ بولا۔ "آپ جہاندیدہ ہیں۔ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ سچائی چھپتی نہیں ہے۔ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔ پھر آپ نے اور دادی جان نے ایسا کیوں کیا؟"

"نئی نسل خاندانی شجرے کی اہمیت کو نہیں سمجھتی ہے جبکہ سیدھی سی بات ہے کہ باز' باز کے ساتھ اور کبوتر' کبوتر کے ساتھ پرواز کرتا ہے۔ کوئی 'کبوتر' باز کی بلندی تک پرواز نہیں کر سکتا۔"

"انسان اور پرندوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ باز کتنی ہی اونچی پرواز کرے لیکن وہ انسانی ذہانت کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ طب' سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کے ماہرین خاندانی شجرے سے نہیں بلکہ اپنی ذہانت کی بلند پروازی سے پہچانے جاتے ہیں۔ آدمی کو ذہانت سے' علم سے اور ہنرمندی سے برتری اور عظمت حاصل ہوتی ہے۔"

عبادت علی اس کی باتیں سن کر ناگواری سے بولے۔ "ہم نادانوں سے بحث نہیں کرتے۔ صدیوں سے خاندانی شجرے کی اہمیت رہی ہے اور تاقیامت رہے گی۔"

حسرت طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "مرنے والوں کی ہسٹری کو خاندانی شجرہ کہتے ہیں۔ میں بھی بحث نہیں کروں گا۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ عبادت علی سب کچھ کھو کر بھی ہار ماننے کو تیار نہیں تھے۔ وہ اب بھی اپنی کھوکھلی انا کے تاج محل کے اندر اپنے اعلیٰ خاندانی شجرے اور حسب ونسب کا حساب لئے بیٹھے تھے۔

☆======☆======☆

مراد کی کار ایک اپارٹمنٹ کے سامنے رکی۔ وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ حمیرا اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ دونوں کار سے اترے۔ حمیرا نے مراد سے پوچھا۔ "یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟"

مراد مسکرا کر اپارٹمنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "کوئی سوال نہ کرو۔ بس میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔"

وہ دونوں لفٹ کے ذریعے دوسری منزل پر پہنچے۔ مراد نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا۔ پھر ایک فلیٹ کے لاکڈ دروازے کو کھولنے لگا۔ حمیرا اب بھی پریشان نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

مراد دروازہ کھول کر اندر جاتے ہوئے بولا۔ "آؤ........ اندر آجاؤ۔"

وہ کچھ گھبرائی ہوئی سی اندر چلی آئی۔ وہ ایک ویل ڈیکوریٹڈ فلیٹ تھا۔ اس نے پوچھا۔ "یہ کس کا گھر ہے؟"

وہ دروازے کو بند کرتے ہوئے بولا۔ "یہ ہمارا ہوم سویٹ ہوم ہے۔ کل یہاں ہمارا نکاح پڑھایا جائے گا۔"

اس نے چونک کر مراد کی طرف دیکھا۔ پھر اس کے سینے سے لگ کر سہمے ہوئے انداز میں بولی۔ "مراد! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ یہ چوری چھپے کی شادی اچھی نہیں ہوتی۔"

وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔ "تو تم کیا چاہتی ہو؟ کہ میں شادی کا اعلان کروں اور کروڑوں کی جائداد سے محروم ہو جاؤں؟"

وہ اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر بولا۔ "پتہ ہے' ایک گونگی لڑکی سے شادی کروں گا تو مجھے پچاس کروڑ ملیں گے؟"

اس نے الگ ہو کر پوچھا۔ "تم کسی اور سے شادی کرو گے؟"

"صرف ایک بڑی رقم کے لئے۔"

مراد نے اسے شانوں سے پکڑ کر ایک صوفہ پر بٹھایا پھر اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر بولا۔ "ذرا سوچو .... کیا میں ایک گونگی کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہوں اور یہ بھی سوچو کہ اس سے جو رقم حاصل ہو گی وہ ہماری عیاشی کے لئے ہو گی۔"

وہ شاکی لہجے میں بولی۔ "مجھے نہیں چاہئے ایسی رقم۔"

وہ اس کے شانے پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "کیا تم اپنے کاروبار میں رقم نہیں لگاؤ گی؟"

وہ کاروبار کا سن کر چونک گئی۔ پھر بولی۔ "ہاں .... یاد آیا۔ تم سے مل کر تو سب کچھ بھول جاتی ہوں .... پاپا پوچھ رہے تھے کہ رقم کب لگاؤ گے؟ تمہیں ان سے آج ہی ملنا چاہئے۔"

وہ لاپرواہی سے بولا۔ "میں ان سے مل کر کیا کروں گا؟ مجھے ان کے کاروبار سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو تمہیں رقم دوں گا۔"

"مجھے ہی دو .... مگر فوراً دو .... پاپا کہہ رہے تھے کہ دو پارٹیز کی پے منٹ نہ کی گئی تو وہ Raw Material کی سپلائی نہیں کریں گے اور اگر ایسا ہوا تو ہماری مل بند ہو جائے گی۔"

وہ اسے اپنی آغوش میں بھرتے ہوئے بولا۔ "تم فکر نہ کرو کل ہمارا نکاح ہو جانے دو۔ میں پرسوں پچیس لاکھ کا چیک تمہیں دے دوں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "او مراد! تھینک یو .... تم واقعی مجھے بہت چاہتے ہو۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "صرف پچیس لاکھ سے خوش ہو رہی ہو' گونگی سے شادی کے بعد تم کروڑوں میں کھیلو گی۔"

وہ اس سے الگ ہو کر ناگواری سے بولی۔ "شٹ .... میں تو اسے بھول ہی گئی تھی۔ وہ گونگی تو ہماری اہم ضرورت بن گئی ہے۔"

"تم اسے صرف ضروری سمجھو .... سوکن نہ سمجھو .... شادی کے بعد میں اسے اسٹور روم میں بند کر کے رکھوں گا۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ حمیرا کچھ سوچ کر بولی۔ "لیکن مراد! وہ گونگی تو اب تمہارے گھر میں نہیں ہے۔ کسی مالی کے ساتھ چھوٹے سے علاقے میں رہتی ہے۔"

مراد نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں رہتی؟"

"میرے بھائی صاحب نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ تمہارے باغیچے میں کام کرنے والے مالی کو بھی پہچانتے ہیں۔"

مراد گہری سنجیدگی سے سوچنے لگا پھر بولا۔ "تمہارے بھائی صاحب نے اس مالی کو کہاں دیکھا تھا؟"

"کسی چھوٹے سے علاقے کے چھوٹے سے مکان میں۔"

"اس علاقے کا کوئی نام' مکان کا کوئی پتہ؟"

وہ کندھے اچکا کر بولی۔ "یہ میں نہیں جانتی' بھائی صاحب جانتے ہیں۔"

وہ اپنا موبائل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "تم انہیں ابھی فون کرو۔ اس مکان کا ایڈریس معلوم کرو۔"

"وہ یہاں نہیں .... سکھر گئے ہیں۔"

وہ فون کو پٹخ کر بولا۔ "او .... شٹ۔"

وہ اس کے قریب ہو کر بڑے پیار سے اپنا سر اس کے سینے پر رکھ کر بولی۔ "میں تمہاری بے چینی اور پریشانی سمجھ رہی ہوں پچاس کروڑ کا معاملہ ہے۔ بھائی صاحب کل واپس آ جائیں گے۔ تم یہ بتاؤ کیا مالی نے اسے اغوا کیا ہے؟"

"نہیں .... اس نے بچپن سے فہمی کی پرورش کی ہے۔ اسے بہلا پھسلا کر ہمارے گھر سے لے گیا ہے۔"

"اس مالی کو پولیس کے حوالے کرنا چاہئے۔"

"ہمارے خاندان کی ایک شریف زادی گھر سے بے گھر ہوئی ہے۔ اگر یہ معاملہ پولیس تک جائے گا تو یہ بات اخبارات تک بھی ضرور پہنچے گی۔"

وہ قائل ہونے کے انداز میں سر ہلانے لگی۔ پھر صوفہ سے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے سوچنے لگی۔ "زیبی کو اپنی خاندانی شرافت پر بڑا ناز ہے۔ آج اس کی کزن عالیشان محل

چھوڑ کر ایک مالی کے ساتھ ہے۔ اس خاندان پر کیچڑ اچھالی جا سکتی ہے۔ زیبی کو منہ توڑ جواب دیا جا سکتا ہے۔"

مراد نے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر پوچھا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ چونک کر بولی۔ "وہ .... میں سوچ رہی ہوں کہ اتنی بڑی رقم ہمارے ہاتھ سے چلی نہ جائے۔ پتہ نہیں مالی اسے تمہارے گھر سے دوسری جگہ کیوں لے گیا ہے؟"

وہ صوفہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "فہمی جہاں بھی جائے گی میرے دادا جان کے پاس ضرور آئے گی۔ اس کے وہ پچاس کروڑ مجھے ضرور ملیں گے۔"

پھر وہ ایک طرف خلا میں گھورتے ہوئے سوچنے لگا۔ "مجھے تو اس مالی سے بھی نمٹنا ہے۔ پرانا حساب چکانا ہے۔"

☆======☆======☆

عالیہ کالج کی کینٹین میں اپنی ایک سہیلی کے ساتھ بیٹھی ہوئی سوفٹ ڈرنک لے رہی تھی۔ وہ بہت سنجیدہ اور خاموش نظر آ رہی تھی۔ گزرے ہوئے واقعے کو سوچ کر اسے جھرجھری آ گئی۔

اس کی سہیلی نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ آج تم بڑی چپ چپ سی نظر آ رہی ہو اور اسد بھی تمہارے ساتھ نہیں ہے؟"

وہ چونکتے ہوئے بولی۔ "ضروری تو نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے؟"

وہ کولڈ ڈرنک کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔ "لائبریری میں اس سے ملاقات ہوئی تھی' کہہ رہا تھا کہ تمہارا رشتہ کہیں طے ہو رہا ہے۔ تمہیں جلد ہی گرین کارڈ مل جائے گا۔"

وہ قدرے ناگواری سے بولی۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ بے پر کی اڑاتا ہے' پکا جھوٹا ہے۔"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "لیکن یہ جھوٹ نہیں ہے کہ تم گرین کارڈ کے خواب دیکھتی رہتی ہو۔"

عالیہ الجھتے ہوئے بولی۔ "پلیز! کوئی دوسری بات کرو۔"

وہ بولی۔ "اسد ہینڈسم اور اسمارٹ ہے۔ امیر گھرانے کا شہزادہ ہے۔ تمہارا کزن ہے۔ دن رات تمہارے ساتھ رہتا ہے۔ پھر تم اسے اپنا آئیڈیل کیوں نہیں بناتیں؟"

وہ اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گئی۔ وہ اوپری دل سے اس سے دور جانا چاہتی

تھی۔ مگر حقیقت تو یہی تھی کہ وہ اسے دل و جان سے چاہتی تھی۔ اسد اسے پسند تھا لیکن اسے اپنانا ایک ایسا خواب تھا جس کی کوئی تعبیر نہیں تھی۔ اب وہ اپنی سہیلی کو کیا بتاتی کہ ان کے خاندان میں جہیز کی اہمیت ہے۔ رشتوں ناطوں کی نہیں۔

وہ قدرے لاپرواہی سے کندھے اچکا کر بولی۔ ”گھر کی مرغی‘ دال برابر۔“

”مرغی نہیں .... مرغا ہے .... ہر انداز سے ہیرو لگتا ہے۔ میں نہیں مانتی کہ تمہارا دل اس کے لئے دھڑکتا نہیں ہو گا۔“

عالیہ چڑ کر بولی۔ ”بات کرنے کے لئے کوئی دوسرا موضوع نہیں ہے؟“

وہ اسے کہنی مارتے ہوئے بولی۔ ”کسی کے ذکر سے کترانا بھی محبت کی ایک ادا ہے۔“

”اچھا .... اب تم محبت کی نفسیات پیش کرو۔“

”سائیکالوجی میں میرے نمبر ہمیشہ زیادہ آتے ہیں لیکن تم دونوں نے مجھے الجھا دیا ہے۔ وہ بھی اپنے دل کی باتیں چھپاتا ہے۔ تم نے محسوس تو کیا ہو گا؟“

”ہاں .... میں اسے خوب.........“

وہ بولتے بولتے چونک گئی۔ روانی میں دل کی بات زبان پر لے آئی تھی۔ پھر وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ”میں .... میں کیا محسوس کروں گی۔ اس کے دل کی باتیں وہ جانے۔“

عالیہ کی سہیلی ہنستے ہوئے بولی۔ ”اسے کہتے ہیں نفسیاتی حملہ۔“

وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت مار کر بولی۔ ”زیادہ چالاک نہ بنو۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے دل کی باتیں چھپاتا ہے؟“

”یہ نہ پوچھو .... اس کی باتیں‘ اس کے دل میں ہی رہنے دو۔“

عالیہ بوتل کو اٹھاتے ہوئے بولی۔ ”سیدھی طرح بتاؤ گی یا یہ بوتل تمہارے سر پر توڑ دوں؟“

وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ادا سے بولی۔ ”بے چینیٔ دل کا راز کھل جائے گا‘ دل والے جنون میں حد سے گزر جاتے ہیں۔“

عالیہ افسردگی سے بولی۔ ”تم کچھ بھی سمجھ لو .... کچھ بھی کہہ لو مجھے صرف ایک سے محبت ہے۔“

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر دور خیالوں میں بھٹکتے ہوئے بولی۔ ”میں جسے چاہتی ہوں‘

وہ ہے گرین کارڈ۔“

پھر اس نے پلٹ کر سہیلی سے کہا۔ ”گرین کارڈ مجھے بہت دور لے جائے گا .... دوری بہت ضروری ہے۔“

اسد نے سوچا تھا کہ اس واقعے کے بعد اس کے دل و دماغ سے گرین کارڈ کا بھوت اتر جائے گا لیکن اس کے فیصلے میں اب بھی کوئی لچک نہیں پیدا ہوئی تھی۔

☆------☆------☆

حشمت بیگ بزنس کرائسس سے گزر رہا تھا۔ وہ اپنے ڈرائنگ روم میں موبائل فون کان سے لگائے ٹہلتے ہوئے بول رہا تھا۔ ”جناب‘ جناب! آپ کی باتیں درست ہیں لیکن ہمیں کچھ مہلت تو دینی ہی ہو گی۔“

پھر وہ خاموش ہو کر دوسری طرف کی باتیں سننے لگا۔ عظمت بیگ ایک صوفہ پر بیٹھا اپنے باپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

حشمت فون پر بولا۔ ”بزنس میں Downfalls آتے ہیں لیکن کبھی کبھی چھکا بھی لگ جاتا ہے۔ سارے دلدر دور ہو جاتے ہیں۔“

وہ بڑے عاجزانہ انداز میں بول رہا تھا۔ ”آپ ہم پر بھروسہ کریں اور Raw Material سپلائی کریں۔ اس ماہ کے اندر اگلی پچھلی تمام ادائیگی ہو جائے گی۔“

پھر وہ عظمت کی طرف دیکھتے ہوئے فون پر بولا۔ ”ٹھیک ہے‘ میں چیک بھیجتا ہوں۔ یہ چیک تیس تاریخ کو کیش ہو گا۔ ہاں .... ہاں شکریہ!“

وہ فون بند کرتے ہوئے بولا۔ ”کیا وقت آ گیا ہے؟ ان چھوٹے چھوٹے سپلائرز سے خوشامدانہ لہجے میں بولنا پڑتا ہے۔“

حمیرا کوریڈور سے گزر رہی تھی۔ ڈرائنگ روم میں عظمت کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ پھر اس نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ ”بھائی! آپ سکھر نہیں گئے؟“

وہ بولا۔ ”میرے سکھر جانے سے تمہیں کیا دلچسپی ہے؟“

”مجھے فہمی اور اس مالی کا پتہ پوچھنا ہے۔“

حشمت نے حیرت سے پوچھا۔ ”تمہیں ان سے کیا دلچسپی ہے؟“

وہ حشمت کے قریب ایک صوفہ پر بیٹھتے ہوئے خوشی سے بولی۔ ”پاپا! آپ کے لئے ایک زبردست نیوز ہے۔ خبر کیا ہے‘ ایک دھماکہ ہے۔“

وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عظمت طنزیہ انداز میں بولا۔ ”اور وہ دھماکہ کیا

ہے؟"

"دھماکہ یہ ہے کہ فہمی کروڑ پتی ہے۔"

ان دونوں نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا..........!"

حشمت نے پوچھا۔ "تم اس گونگی کی بات کر رہی ہو۔"

"جی ہاں' سید عبادت علی شاہ کی نواسی۔ اسے پچاس کروڑ ملنے والے ہیں۔"

عظمت بیگ صوفہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ حیرت کے مارے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ حشمت بیگ کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ وہ تو بس حیرت سے آنکھیں پھاڑے کبھی حمیرا کو اور کبھی عظمت کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عظمت نے کہا۔ "پچاس .... کروڑ؟"

حشمت اٹکتے ہوئے بولا۔ "کیا .... یہ بات تمہیں .... مراد نے بتائی ہے؟"

"جی ہاں' اندر کی باتیں مراد سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے؟"

حشمت اب تک شدید حیرانی میں مبتلا تھا۔ وہ عظمت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ لڑکی اتنی قیمتی ہے تو عبادت علی نے اسے گھر سے بے گھر ہونے کیوں دیا؟"

عظمت بولا۔ "وہ اپنی نواسی کو گھر سے کیوں جانے دے گا؟ ضرور مالی نے اسے اغوا کیا ہے۔ اسے ایک چھوٹے سے علاقے میں چھپا کر رکھا ہے۔"

"وہ مالی آخر ہے کیا چیز؟"

حمیرا نے کہا۔ "مراد کہہ رہا تھا کہ مالی نے بچپن سے فہمی کی پرورش کی ہے۔"

عظمت نے کہا۔ "پھر تو وہ ملازم ہو گا' یا رشتے دار۔ وہ کچھ تو اہمیت رکھتا ہو گا۔ فہمی بھی اس کی اہمیت کو سمجھتی ہے۔ اسی لئے عالیشان کوٹھی چھوڑ کر اس کے ساتھ ہے۔"

حشمت بیگ گہری سنجیدگی سے سوچتے ہوئے بولا۔ "ایک نانا نے اتنی قیمتی نواسی کو اس مالی کے پاس کیوں چھوڑ دیا؟ یا تو اس نواسی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر ہے تو یہ معاملہ بڑا پیچیدہ ہے۔ ہمیں اندر کی بات معلوم کرنی ہو گی۔"

عظمت نے حمیرا سے پوچھا۔ "تم نے مراد سے اور کچھ نہیں پوچھا؟"

"اور کیا پوچھتی' وہ تو یہ سن کر ہی چونک گیا تھا کہ فہمی مالی کے ساتھ ایک چھوٹے سے علاقے میں رہتی ہے۔ وہ مجھ سے اس مکان کا پتہ پوچھ رہا تھا۔ فہمی اور مالی تک پہنچنے کے لئے بہت بے چین تھا۔"

حشمت اور عظمت ایک دوسرے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ حشمت نے

کہا۔ "یہ معلوم کرنا ہی ہو گا کہ اس لڑکی کی اہمیت اور قیمت کیا ہے؟"

عظمت نے پوچھا۔ "کیا ہمیں اس مالی سے ملنا چاہئے؟"

"وہ اندر کی بات نہیں بتائے گا۔"

عظمت نے حمیرا کو دیکھ کر کہا۔ "تم جاؤ۔"

اس نے اُن دونوں کی طرف دیکھا پھر منہ بسورتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

عظمت بولا۔ "مراد اس لڑکی تک پہنچنے کے لئے بے چین ہے۔ اس کا پورا خاندان' نفاست علی' عبادت علی سب ہی اس پچاس کروڑ کی ہنڈی کے لئے بے چین ہوں گے۔ مالی نے اسے چھپا رکھا ہے۔ وہ اسے تلاش کر رہے ہوں گے۔"

"تلاش کرنے والے پتہ نہیں جانتے .... مالی کا پتہ صرف تم جانتے ہو۔"

وہ سوچتے ہوئے بولا۔ "اس سے پہلے کہ کوئی دوسرا وہاں پہنچے .... ہمیں کچھ کرنا ہو گا۔"

"بہت بڑی رقم ہے۔ میں دعا مانگ رہا ہوں کہ اُس میں سے کچھ تو ہمیں مل جائے۔"

"دعا مانگنے سے دولت ملتی تو دنیا میں سب ہی دولت مند بن جاتے۔ ایک راستہ ہے بابا!"

حشمت نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ "ہم اتنی بڑی رقم میں نہا تو نہیں سکتے۔ مگر بہتی گنگا سے ہاتھ تو دھو سکتے ہیں۔ پچاس نہ سہی' مگر پانچ تو حاصل کر ہی لیں گے۔"

انسانی ہوس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ خدا اسے لاکھ دیتا ہے تو یہ کروڑ کی تمنا کرتا ہے اور ایسی ہی خواہشات اسے غلط راستوں پر لے آتی ہیں۔

حشمت بیگ بھی کروڑ پتی بزنس مین تھا مگر ہوس کی پٹی آنکھوں پر بندھی ہو تو انسان کی نظر ہمیشہ دوسروں کی دولت پر رہتی ہے۔ اس کی نگاہوں میں بھی عبادت علی کے خاندان کی دولت گھوم رہی تھی اور وہ اس کو ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا تھا۔

☆======☆======☆

زبیر کا باپ کروڑ پتی بزنس مین تھا۔ گو کہ اس کے پاس جو دولت تھی وہ اسے وراثت میں نہیں ملی تھی لیکن اس کے باپ نے جتنی دولت چھوڑی تھی زبیر کا باپ اپنی محنت سے اس میں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔

وہ اپنے عالیشان آفس کی بڑی سی میز کے پیچھے ریوالونگ چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے کرسی پر اس کا جواں سال بیٹا زبیر بیٹھا ہوا تھا۔

اس نے بیٹے سے کہا۔ "تم تعلیم کے ساتھ ساتھ کاروبار بھی سنبھال رہے ہو لیکن تمہیں میرے حصے کی ذمہ داریوں کو بھی سنبھالنا چاہئے۔ میری عمر دیکھو' میں ایک گرتی ہوئی دیوار ہوں۔ اب مجھ پر مزید بوجھ نہ ڈالو۔"

وہ مسکراتا ہوا اٹھ کر اپنے باپ کے پاس آیا۔ پھر اس کے شانوں کو پکڑ کر بولا۔ "ڈیڈ! اللہ نے چاہا تو آپ کا سایہ میرے سر پر ہمیشہ رہے گا۔ میں آپ سے بہت کچھ سیکھ رہا ہوں اور آئندہ بھی مجھے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ آپ میرے لئے سلامت رہیں گے۔"

انٹر کام سے بزر کی آواز سنائی دی۔ زبیر کے باپ نے ایک بٹن دبا کر اسے آن کیا تو اس کی سیکرٹری کی آواز سنائی دی۔ "سر! ایک نوجوان آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں اسے سمجھا رہی ہوں کہ آپ اپوائنٹ منٹ کے بغیر کسی سے نہیں ملتے لیکن پھر بھی یہ ملنے کی ضد کر رہا ہے۔"

وہ تیز لہجے میں بولا۔ "چپڑاسیوں سے کہو کہ وہ اسے دھکے مار کر یہاں سے نکال دیں۔"

پھر وہ انٹر کام کو آف کر کے بڑبڑایا۔ "نہ جانے کہاں سے چلے آتے ہیں' نہ اپوائنٹ منٹ' نہ اصول اور نہ طور طریقے؟"

پھر وہ زبیر کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "ہاں .... تو میں کیا کہہ رہا تھا؟"

زبیر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ نہیں کہہ رہے تھے' میں کہہ رہا تھا۔"

آفس کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ کھلے ہوئے دروازے سے فراز تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک چپڑاسی بھی تھا۔

فراز میز پر دونوں ہاتھوں کو ٹیک کر بولا۔ "میں نے انٹر کام پر سن لیا تھا کہ مجھے دھکے مار کر یہاں سے نکالا جائے گا۔ میں تو عاجزی سے یہ پوچھنے آیا ہوں کہ آپ ہمیں ملازمت کے لئے کب تک دوڑاتے رہیں گے؟"

چپڑاسی گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔ "بڑے صاحب! یہ زبردستی اندر آ گیا ہے۔ ہم نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔"

زبیر جو کہ اس جوشیلے نوجوان کو سر سے پاؤں تک بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے چپڑاسی کو ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ "تم جاؤ۔"

وہ گردن جھکا کر چلا گیا۔ زبیر کا باپ بڑی حیرت سے فراز کا منہ تک رہا تھا۔ وہ بولا۔ "آخر آپ لوگ کب تک خالی آسامیوں کے اشتہارات دے کر ہمیں ایک اچھی ملازمت اور ایک اچھی زندگی کے سبز باغ دکھاتے رہیں گے؟"

زبیر اسے نظروں سے تول رہا تھا اور بڑی گہری سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

فراز نے کہا۔ "میں نے اس دفتر میں تین بار ملازمت کے لئے درخواستیں دیں۔ تین بار انٹرویوز دیئے لیکن مجھ جیسے کسی بھی ضرورت مند کو ایک بھی ملازمت نہیں دی گئی۔ میرا اوپر والا تو ایک ہے مگر پتہ نہیں آپ کے اوپر والے کتنے ہیں؟ جن کے حکم سے آپ نااہلوں کو ملازمت دیتے ہیں؟"

اس کی بات سن کر زبیر کے باپ کو غصہ آ گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر زبیر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کر دیا۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

فراز بولا۔ "آج میں یہ کہنے آیا ہوں کہ یہاں سے ناکام ہو کر جانے والے حلال کی روزی سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ حرام کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔ پتہ نہیں زندگی کے اگلے موڑ پر میں کس راستے پر چل پڑوں؟ آپ چاہیں تو کسی ایک کو گمراہی سے بچا سکتے ہیں؟"

اس کے لہجے میں دکھ امڈ آیا تھا۔ وہ عاجزانہ انداز میں بول رہا تھا۔ شاید دل کا غبار نکال رہا تھا۔ وہ خاموش ہو گیا۔

زبیر کے باپ نے اپنے بیٹے سے پوچھا۔ "کیا ہمارے دفتر یا کارخانے میں اس کے لئے کوئی گنجائش ہو سکتی ہے؟ اس قدر جذباتی نوجوان کو نوکری پر رکھنا تو رسک لینے کے مترادف ہے۔"

زبیر مسکراتے ہوئے بولا۔ "دل میں جگہ ہو تو گنجائش نکل ہی آتی ہے۔ میں اس میں ایسی خوبیاں دیکھ رہا ہوں جو میرے بہت کام آ سکتی ہیں۔"

اس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر فراز کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کل شام چھ بجے اس پتہ پر پہنچ جاؤ۔ یوں سمجھو کہ تمہاری ملازمت پکی ہے۔"

فراز نے کارڈ لے کر پڑھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ قسمت کی دیوی یوں اچانک کیسے مہربان ہو گئی ہے۔

وہ زبیر سے مصافحہ کرتے ہوئے خوش ہو کر بولا۔ "آپ بے فکر رہیں' میں کل چھ

بجے سے پہلے ہی وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

وہ کارڈ جیب میں رکھتا ہوا خوشی خوشی آفس سے باہر آگیا۔ اسے حلال کی روزی کا راستہ دکھائی دینے لگا تھا۔ صمد سے اس کی جان چھوٹنے والی تھی۔ جو اسے ہمیشہ حرام کے راستے سمجھاتا رہتا تھا۔

لیکن وہ نادان یہ نہیں جانتا تھا کہ اس ظالم دنیا میں قدم قدم پر دھوکے ہیں۔ بظاہر صاف ستھری اور بہترین ملازمت کے پس پردہ کیسے کیسے گھناؤنے عزائم چھپے ہوتے ہیں۔

زبیر نے بھی بظاہر اس پر احسان کیا تھا لیکن در پردہ وہ اسے اپنا آلہ کار بنانے والا تھا۔ اس کے ضمیر پر بوجھ ڈالنے والا تھا اور فراز اس بات سے بے خبر تھا۔

☆======☆======☆

جمال ہمدانی اپنی بیٹی کے ساتھ دردانہ کے گھر میں رہنے لگا تھا۔ دردانہ نے فہمی کو ماں بن کر سنبھالا تھا۔ وہ اس سے بہت مانوس ہو چکی تھی۔

دردانہ اور فہمی ایک کمرے میں گہری نیند سو رہی تھیں۔ دوسرے کمرے میں جمال سو رہا تھا۔ ماحول بہت پُرسکون تھا۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ کچھ دیر بعد اس سکون بھرے ماحول میں ایسی ہلچل پیدا ہوگی جو ان کی دنیا بدل کر رکھ دے گی۔

ایک ہلکی سی آہٹ پر دردانہ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ پریشان ہو کر اٹھ بیٹھی۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور تین مسلح ڈاکو منہ پر ڈھاٹا باندھے کمرے میں گھسے چلے آئے۔ وہ انہیں دیکھ کر بوکھلا گئی۔ بستر سے اتر کر چیخ مارتی ہوئی باہر جانے لگی تاکہ جمال کو جگا سکے۔ مگر ایک ڈاکو نے اپنی رائفل کے بٹ سے اس کے سر پر زوردار ضرب لگائی۔ وہ چکرا کر گر پڑی۔

دوسری طرف جمال اس کی چیخ سن کر اٹھ بیٹھا پھر تیزی سے کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آیا۔ "کیا ہوا؟ دردانہ!"

کمرے میں تین مسلح ڈاکوؤں کو دیکھ کر وہ چونک گیا۔ دردانہ فرش پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور اس کے سر سے لہو کی دھار بہہ رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی پیش قدمی کرتا۔ ایک ڈاکو نے رائفل کا بٹ اس کے سینے پر مارا۔ وہ تکلیف کی شدت سے اچھل کر نیچے جا گرا۔

فہمی بھی جاگ چکی تھی اور آنکھیں پھاڑے ان ڈاکوؤں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظر پہلے دردانہ اور پھر جمال پر پڑی تو وہ چیختی ہوئی بستر سے اتر کر ان کی طرف بڑھنے لگی۔

وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔ ایک ڈاکو نے اس کو پکڑ کر ایک رومال اس کے منہ پر رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ بے ہوش ہو کر اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔

اس نے اپنے کندھے پر اسے لادا۔ جمال بڑی مشکل سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ پھر اس ڈاکو کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "چھوڑ دو میری بیٹی کو .... اسے کہاں لے جا رہے ہو؟ چھوڑ دو۔"

وہ فہمی کو اس سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ دوسرے نے اس کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔

وہ گولی کھا کر زمین پر گر پڑا۔ وہ تینوں تیزی سے کمرے سے باہر جانے لگے۔ جمال فرش پر رینگتا ہوا ان کے پاؤں پکڑنے کے لئے آگے بڑھا۔ اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ ڈاکو اس کے سرمایۂ حیات کو لے جا چکے تھے۔

دردانہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جمال ہمدانی اور فہمی کے آ جانے سے ایسی قیامت برپا ہوگی۔ سر پر چوٹ لگنے کے بعد اسے کچھ ہوش نہیں رہا تھا کہ بعد میں کیا ہوا؟

سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اس نے بہ مشکل اپنی آنکھوں کو کھولا۔ وہ ہسپتال کے ایک بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ ایک ڈاکٹر اس کی نبض دیکھ کر نرس سے دیکھ رہا تھا۔ "یہ اب بہتر ہیں' انہیں انجکشن لگا دو۔"

دردانہ نے اُن دونوں کو دیکھ کر پوچھا۔ "میری بے زبان بچی کہاں ہے؟ مجھے کچھ بتائیں۔ وہ باپ کے پاس خیریت سے تو ہے نا؟"

اس کی نظروں میں وہی منظر گھومنے لگا۔ وہ سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کسی تسلی بخش جواب کی منتظر تھی۔

ڈاکٹر کندھے اچکا کر بولا۔ "سوری .... ہم کچھ نہیں جانتے آپ پولیس والوں سے پوچھ سکتی ہیں۔"

نرس انجکشن تیار کر رہی تھی۔ ڈاکٹر کمرے سے باہر چلا گیا۔ کھلے ہوئے دروازے سے ایک انسپکٹر ایک سپاہی کے ساتھ اندر آیا۔ دردانہ مضطرب سی ہو کر اٹھنا چاہتی تھی۔

نرس نے اسے لٹاتے ہوئے کہا۔ "لیٹی رہیں' انجکشن لگانا ہے۔"

وہ انجکشن لگا کر باہر چلی گئی۔ دردانہ نے انسپکٹر سے پوچھا۔ "مسٹر جمال کہاں ہیں؟ ان کی بیٹی خیریت سے تو ہے نا؟"

انسپکٹر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "جس گھر میں مسلح ڈاکو گھس آئیں۔ وہاں

خیریت نہیں رہتی۔ آپ کے پڑوسیوں نے بتایا ہے' جسے گولی ماری گئی ہے اس کا نام جمال ہمدانی ہے۔"

دردانہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر صدمے سے بولی۔ "انہیں .... گولی ماری گئی ہے .... وہ .... وہ۔"

الفاظ گم ہو گئے تھے۔ وہ اس سے زیادہ نہ بول سکی۔ انسپکٹر نے کہا۔ "وہ آپریشن تھیٹر میں ہے۔ پڑوسیوں نے بتایا ہے کہ جمال کی ایک گونگی بیٹی تھی۔"

دردانہ نے حیرت سے پوچھا۔ "تھی' کیا مطلب؟"

"ہم نے اسے نہیں دیکھا۔ ڈاکو اسے لے گئے ہیں۔"

وہ چیختی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ "نہیں' وہ معصوم ہے۔ ایک بچی سے بھی زیادہ نادان ہے۔ وہ ظالم اسے کیوں لے گئے؟ انسپکٹر! وہ بچی دہشت سے مرجائے گی۔ اس بچالو۔"

وہ بولا۔ "پلیز' آپ خاموش ہو جائیں اس شہر کے تمام تھانوں کی پولیس اسے تلاش کر رہی ہے۔ آپ ہمیں جمال ہمدانی کے بارے میں بتائیں۔"

وہ بتانے لگی۔ "وہ ایک سند یافتہ Botanist ہیں۔ بوٹنیکل گارڈن کالج کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ اُن کی وائف تقریباً پندرہ برس پہلے وفات پا چکی ہیں۔ اُن کا اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ سوائے اس بے زبان بیٹی کے۔ اُس کا نام فہمیدہ بانو ہے۔ فہمی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں لیکن وہ اپنا نام بھی نہیں سن سکتی۔ بہری بھی ہے۔"

"آپ سے ان کا کیا رشتہ ہے؟"

وہ بولی۔ "مسٹر جمال تین دن پہلے میرے پاس آئے تھے۔ میرے مکان میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہنے لگے۔"

انسپکٹر نے پوچھا۔ "یہ باپ بیٹی اس سے پہلے کہاں رہتے تھے؟"

"فہمی کے نانا کے پاس۔"

"اچھا تو اس کے نانا بھی ہیں اور دوسرے رشتہ دار بھی ہوں گے؟ ویسے یہ نانا کون ہیں' کیا نام ہے ان کا؟"

"سید عبادت علی شاہ۔"

انسپکٹر نے چونک کر پوچھاں "کیا .... کون عبادت علی؟"

"چین آف ٹیکسٹائل ملز کے آونر۔"

وہ حیرت سے بولا۔ "کیا' اتنے بڑے بزنس ٹائیفون کی نواسی اُس چھوٹے سے علاقے

میں رہنے آئی تھی؟ او گاڈ' اب اس کے اغوا کیے جانے کی وجہ سمجھ میں آ رہی ہے۔ کوئی چالاک مجرم ہے۔ بہت بڑی رقم وصول کرنے کے بعد نانا کو ان کی نواسی واپس کرے گا۔"

انسپکٹر اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا۔ "اس کیس نے نیا رخ اختیار کر لیا ہے۔ اب اس معاملے کی نئے سرے سے تفتیش کرنی ہوگی۔"

وہ دونوں کمرے سے باہر چلے گئے۔ دردانہ دل ہی دل میں فہمی اور جمال ہمدانی کے لئے دعائیں کرنے لگی۔

☆======☆======☆

کبریٰ اور نفاست اپنے بیڈ روم میں گہری نیند میں تھے۔ ایسے وقت اچانک فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔

کبریٰ نیند میں کسمسا کر بڑبڑائی۔ "اس گونگی نے تو راتوں کی نیند حرام کر دی ہے۔"

وہ آنکھیں مسلتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ پھر کچھ سوچ کر بڑبڑائی۔ "لیکن فہمی تو یہاں نہیں ہے۔"

گھنٹی کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ اس نے چونک کر سائیڈ ٹیبل کی طرف دیکھا۔ پھر بولی۔ "فون .... فون کی گھنٹی چیخ رہی ہے۔"

اس نے نفاست کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "اے جی! سنتے ہیں' کانوں کے پاس گھنٹی بج رہی ہے اور آپ گھوڑے بیچ کر سو رہے ہیں۔"

وہ اس کے جھنجھوڑنے سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ "ایں کیا ہوا؟"

وہ ناگواری سے بولی۔ "جہاں ٹیلیفون ہوتا ہے' وہاں آدھی رات کے بعد عتاب نازل ہوتا ہے۔"

نفاست نے فون کی طرف دیکھا۔ پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو .... کون ہے؟"

دوسری طرف سے چوکیدار کی آواز سنائی دی۔ "صاحب! ہم چوکیدار ہے۔ ادھر پولیس آئی ہے۔ بڑے صاحب سے ملنا چاہتی ہے۔"

نفاست نے حیرت سے پوچھا۔ "پولیس .... پولیس کیوں آئی ہے؟"

کبریٰ نے پولیس کا نام سن کر چونک کر نفاست کی طرف دیکھا۔ "وہ فون پر دوسری طرف کی باتیں سن رہا تھا۔ چوکیدار نے کہا۔ "صاحب! آپ ان سے پوچھ لیں۔"

کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ پھر فون سے انسپکٹر کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو .... میں انسپکٹر حیدر امام بول رہا ہوں۔ آپ شاہ جی ہیں۔"

نفاست نے کہا۔ "میں شاہ جی کا بیٹا نفاست علی بول رہا ہوں۔ بات کیا ہے انسپکٹر؟"

انسپکٹر کی آواز سنائی دی۔ "شاہ جی کی نواسی فہمیدہ بانو عرف فہمی کو اغوا کیا گیا ہے اور اس کے باپ کو گولی ماری گئی ہے۔ وہ اس وقت ہسپتال میں ہے۔"

نفاست نے پریشان ہو کر کبریٰ کی طرف دیکھا پھر بولا۔ "او نو' آپ ریسیور چوکیدار کو دیں۔"

پھر وہ کچھ دیر بعد بولا۔ "ہاں چوکیدار! گیٹ کھول دو' انہیں اندر آنے دو۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ کبریٰ نے پوچھا۔ "یہ .... پولیس کیوں آئی ہے؟"

وہ بیڈ سے اتر کر باہر جاتے ہوئے ناگواری سے بولا۔ "اس فہمی کی وجہ سے ہمیں نہ جانے اور کیا کیا پریشانیاں اٹھانی پڑیں گی؟"

وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ کبریٰ ناگواری سے زیر لب بڑبڑائی۔ "ہماری راتوں کی نیند ہمیشہ اس گونگی کی وجہ سے حرام ہوتی ہے۔ یہ تو شاید ہمیں پریشان کرنے کے لئے ہی پیدا ہوئی ہے؟"

اس نے ریسیور کان سے لگا کر نمبر پنچ کئے' رابطہ ہونے پر بولی۔ "ہیلو' مراد! ہمارے دروازے پر پولیس آئی ہے۔ تمہارے ڈیڈی دروازہ کھولنے گئے ہیں۔ فوراً باہر آؤ۔"

اس نے رابطہ ختم کر کے ایک اور نمبر پنچ کیا۔ ریسیور کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی لیکن کوئی فون اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ وہ جھنجھلا کر بولی۔ "توبہ ہے' یہ بچے سوتے ہیں تو جیسے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔"

دوسری طرف فون ریسیو کیا گیا۔ وہ بولی۔ "ہیلو' زیبی! فوراً کمرے سے نکلو۔ پولیس والے آئے ہیں۔ کوئی سوال نہ کرو۔ تمہارے ڈیڈی ان سے بات کرنے نیچے گئے ہیں .... جلدی آؤ۔"

وہ ریسیور رکھ کر کمرے سے باہر جانے کے لئے اٹھی۔ پھر ٹھٹک گئی۔ زیر لب بڑبڑائی۔ "حسرت' وہ تو نشے میں مدہوش ہو گا۔ اس کا پولیس والوں کے سامنے آنا نامناسب ہے۔ اس کمبخت کو سونے ہی دو۔"

وہ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

نفاست انسپکٹر سے مصافحہ کر کے اس کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ بولا۔

"میں شاہ جی سے ملنا چاہوں گا۔"

"آپ بیٹھئے' میں انہیں مطلع کرتا ہوں۔"

وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔

عبادت علی اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہے تھے۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ انہوں نے کروٹ بدلتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہے؟"

بند دروازے کے پیچھے سے نفاست کی آواز سنائی دی۔ "میں ہوں نفاست! دروازہ کھولیں ابا جان!"

انہوں نے دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھا پھر اٹھتے ہوئے حیرت سے سوچنے لگے "نفاست! اتنی رات گئے کیوں آیا ہے؟ خدا خیر کرے۔"

دروازے پر دوبارہ دستک دی گئی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ نفاست نے اندر آ کر بتایا۔ "ابا جان! باہر پولیس آئی ہے۔"

وہ حیرت سے بولے۔ "کیا؟"

اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "وہ .... وہ اس مالی کو میرا مطلب ہے جمال کو کسی نے گولی مار دی ہے۔ وہ ہسپتال میں ہے۔"

وہ بولے۔ "یہ تو تم خوشخبری سنا رہے ہو۔ اس کمبخت کو ہسپتال میں ہی مر جانا چاہئے۔"

"ابا جان! اس خوشخبری کے ساتھ ایک بری خبر بھی ہے۔"

انہوں نے چونک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا' وہ بولا۔ "فہمی کو اغوا کیا گیا ہے۔ وہ لاپتہ ہے۔"

"یہ .... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کہاں ہے انسپکٹر؟"

وہ دروازہ کھول کر باہر جانا چاہتے تھے لیکن نفاست نے انہیں روکتے ہوئے کہا۔ "ایک منٹ ابا جان! پہلے ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ انسپکٹر کیسے سوالات کرے گا۔ وہ کہہ رہا تھا' فہمی کے باپ کو گولی ماری گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ باپ بیٹی کا رشتہ ظاہر ہو چکا ہے۔ اب ہم کسی کے سامنے انکار نہیں کر سکیں گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولے۔ "یہ کیا ہو گیا؟"

وہ بولا۔ "پھر یہ بھی پوچھا جائے گا کہ تین دن پہلے تک یہاں رہنے والی بے زبان فہمی اپنے باپ کے ساتھ کیوں چلی گئی تھی؟"

وہ الجھ کر بولے۔ "کیا مشکل ہے؟ پتہ نہیں اس خبیث نے اس انسپکٹر کو کیا بیان دیا ہے؟"

"میرا خیال ہے، ابھی اس نے بیان نہیں دیا ہو گا۔ اسے گولی لگی ہے۔ کیس سیریس ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمیں کچھ چھپانا نہیں چاہئے۔"

انہوں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہوں .... چلو دیکھتے ہیں۔ موقع کی مناسبت سے بات کی جائے گی۔"

کبریٰ، مراد اور زیبی ڈرائنگ روم میں آ گئے تھے۔ کبریٰ نے انسپکٹر سے کہا۔ "ہم نے اس بے زبان کو اتنی محبتیں دی تھیں کہ وہ کبھی ہمیں چھوڑ کر نہ جاتی مگر وہ کم بخت مالی اسے زبردستی لے گیا۔"

انسپکٹر نے حیرانی سے پوچھا۔ "مالی .... آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ شاہ جی کی نواسی کو ایک مالی زبردستی یہاں سے لے گیا؟"

نفاست اور عبادت علی نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے وقت ان دونوں کی گفتگو سن لی تھی۔

عبادت علی نے کبریٰ کی طرف گھور کر دیکھا۔ پھر آگے بڑھتے ہوئے گرج کر بولے۔ "یہ کیا بکواس ہے؟ زیبی، مراد، یہ جانتے ہو کہ تمہاری ماں ایب نارمل ہے۔ پھر بھی اسے یہاں لے آئے۔ اسے لے جاؤ .... جاؤ۔"

کبریٰ نے بوکھلا کر عبادت علی کی طرف دیکھا۔ وہ ان کی حکمت عملی کو سمجھ نہ پائی۔ نفاست نے زیبی اور مراد کو اشاروں میں سمجھایا کہ اپنی ماں کو دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔

وہ دونوں اسے پکڑ کر لے جانے لگے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر مراد نے سمجھانے کے انداز میں اس کا بازو دبایا۔ ان تینوں کے جانے کے بعد نفاست نے انسپکٹر سے کہا۔ "یہ مینٹل کیس ہے۔ بے تکی باتیں کرتی رہتی ہیں۔ ایک معروف پروفیسر کو مالی کہتی ہیں۔ میں شوہر ہوں مجھے ہٹلر کہتی رہتی ہیں۔"

عبادت علی اور نفاست ایک صوفے پر بیٹھ گئے پھر اس نے پوچھا۔ "ویسے جمال نے اپنا بیان تو دیا ہو گا؟"

انسپکٹر نے کہا۔ "وہ زندگی اور موت کے درمیان ہے۔ آپریشن کامیاب ہو گا، ڈاکٹرز اجازت دیں گے، تب اس سے بیان لیا جا سکے گا۔"

یہ بات ان دونوں کے لئے باعثِ اطمینان تھی کہ جمال سے بیان نہیں لیا گیا ہے۔

عبادت علی بولے۔ "انسپکٹر ہمیں اپنی نواسی کی فکر ہے۔ وہ بے زبان ہے، نہ بول سکتی ہے، نہ سن سکتی ہے۔ آپ اس کی بازیابی کے لئے کیا کر رہے ہیں؟"

"ہم اسے تلاش کر رہے ہیں۔"

"لیکن آپ تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

وہ گڑبڑا کر بولا۔ "میرا مطلب ہے پولیس اسے تلاش کر رہی ہے۔"

عبادت علی نے پوچھا۔ "کسے تلاش کر رہی ہے؟"

وہ ان کے سوالات سے پریشان ہو گیا۔ پھر الجھ کر بولا۔ "آپ کی نواسی کو........."

وہ بولے۔ "مجرموں کو تلاش کرنا چاہئے۔ ہماری نواسی کو تلاش کریں گے تو نہ وہ ملے گی اور نہ ہی مجرم ہاتھ آئیں گے۔"

اس نے کہا۔ "جی .... میں وہی عرض کر رہا ہوں۔ ہم مجرموں کو تلاش کر رہے ہیں۔ میں آپ کی نواسی کی تصویر لینے آیا ہوں۔"

عبادت علی نے چونک کر نفاست کی طرف دیکھا پھر ناگواری سے بولے۔ "ہمارے خاندان کی بہو بیٹیوں کی تصویریں پرائے ہاتھوں میں نہیں دی جاتیں۔"

وہ بولا۔ "مگر اسے تلاش کرنے کے لئے........."

وہ اس کی بات کاٹ کر بولے۔ "اسے نہیں .... مجرموں کو تلاش کرنا ہے۔"

"لیکن اس پہچاننے کے لئے تصویر ضروری ہے۔"

"اس کی خاص پہچان یہ ہے کہ وہ گونگی اور بہری ہے۔ اسے تصویر کے بغیر بھی پہچانا جا سکتا ہے۔"

اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں آپ کے داماد جمال ہمدانی کے بارے میں پوچھنا چاہوں گا۔"

عبادت علی نے ناگواری سے پہلو بدل کر نفاست سے کہا۔ "آئی جی عبداللہ لاشاری کو فون لگاؤ۔"

انسپکٹر نے پریشان ہو کر کہا۔ "وہ اس وقت سو رہے ہوں گے۔"

وہ بولے۔ "ہم بھی سو رہے تھے۔ آپ ہماری نیند اڑا سکتے ہیں تو ہم آپ کے اوپر والوں کی نیندیں حرام کر سکتے ہیں۔"

"میں تو اغوا کے سلسلے میں اطلاع دینے آیا تھا۔"

انہوں نے کہا۔ "آپ فون کے ذریعہ بھی اطلاع دے سکتے تھے۔ یہاں بیٹھ کر بیانات لینے سے ضروری ہے کہ آپ ہماری نواسی کو تلاش کریں۔"

انسپکٹر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ عبادت علی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "کل صبح تک ہماری نواسی کو ہمارے پاس ہونا چاہئے۔ ورنہ تمہارے اوپر والے تم سے نمٹ لیں گے۔"

وہ ان دونوں سے مصافحہ کر کے چلا گیا۔

عبادت علی نے گرجدار آواز میں نفاست سے کہا۔ "یہ ہمارا گھر ہے' یا پاگل خانہ؟ تم نے بہو بیگم کو سر پر چڑھا رکھا ہے۔ ہم عین وقت پر نہ آتے تو وہ ہماری عزت خاک میں ملا چکی ہوتیں۔ ہماری تصویر کے ساتھ اخبارات میں خبر شائع ہوتی کہ ہم نے اپنے داماد کو یہاں مالی بنا کر رکھا تھا۔"

وہ سر جھکا کر بولا۔ "غلطی ہماری ہے۔ ہم نے کبریٰ اور بچوں کو رازدار نہیں بنایا' انہیں یہ نہیں بتایا کہ کون سی بات بتانے کی ہے اور کون سی چھپانے کی۔"

انہوں نے ناگواری سے کہا۔ "ان کی بے جا حمایت نہ کرو۔ گھر کی عورتوں اور بچوں کو رازدار نہیں بنایا جاتا' انہیں پابندیوں میں رکھا جاتا ہے۔"

وہ قائل ہو کر بولا۔ "کبریٰ سے بھول ہو گئی۔ میں اسے تنبیہہ کروں گا۔"

عبادت علی کچھ سوچنے لگے پھر بولے۔ "اس بے زبان پر ظلم ہو رہا ہے۔ پتہ نہیں وہ کہاں ہو گی' کیسے عذاب میں مبتلا ہو گی۔ جب تک اس کی خیر خیریت معلوم نہیں ہو گی ہم سکون سے نہیں رہ سکیں گے۔"

"میں یقین سے کہتا ہوں' وہ جہاں بھی ہو گی خیریت سے ہو گی۔"

انہوں نے چونک کر پوچھا۔ "یہ تم یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟"

وہ بولا۔ "اسے اغوا کرنے والے اس بات سے واقف ہوں گے کہ وہ بہت ہی امیر کبیر نانا کی نواسی ہے۔ وہ اس کی واپسی کے لئے آپ سے سودا کریں گے۔ بہت بڑی رقم طلب کرنے کے لئے وہ فہمی کو نقصان پہنچانے کی غلطی نہیں کریں گے۔ کیونکہ آپ اس کی سلامتی کی ضمانت پر ہی ان کا مطالبہ پورا کریں گے۔"

وہ اس کی باتیں غور سے سن رہے تھے اور قائل ہو رہے تھے پھر بولے۔ "اگر ایسا ہو جائے تو ہمیں اطمینان ہو گا۔ ہم ہر قیمت پر اس کی سلامتی اور واپسی چاہتے ہیں۔"

پھر انہوں نے فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "انہیں ابھی ہم سے رابطہ کرنا چاہئے۔ ہم ابھی ان کا مطالبہ پورا کریں گے۔"

"آپ تحمل سے کام لیں۔ وہ پولیس کی کارروائیاں دیکھ رہے ہوں گے۔ میرا خیال ہے' وہ صبح تک فون یا فیکس کے ذریعے ہم سے رابطہ کریں گے۔"

انہوں نے پوچھا۔ "کچھ اندازہ ہے' ایسا کون کر سکتا ہے؟"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ دشمنوں کی فہرست میں کسی خاندانی دشمن کا نام تلاش کرنے لگا۔ پھر بولا۔ "جانے انجانے کئی دشمن ہیں لیکن وہ سب بزنس فیلڈ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اتنی بڑی واردات کرنے کا حوصلہ نہیں کریں گے۔"

انہوں نے تائید میں سر ہلایا۔ پھر فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ "ہسپتال سے معلوم کرو وہ زندہ ہے یا چل بسا؟"

وہ بولا۔ "ہم فون پر رابطہ کر کے معلوم کر سکتے ہیں لیکن وہ اب ہمارا رشتے دار ہے۔ دنیاداری کے لئے ہمیں ہسپتال جانا ہو گا۔"

انہوں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ہم نہیں جائیں گے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ وہاں نہ جائیں۔ جانے کا مطلب ہو گا' حالات نے اس کے سامنے جھکا دیا ہے۔"

وہ ناگواری سے بولے۔ "اونہہ .... ہم ٹوٹ سکتے ہیں' جھک نہیں سکتے۔"

"اپنے پرائے باتیں بنائیں گے۔ سب ہی تجسس میں رہیں گے کہ آپ داماد کی عیادت کے لئے ہسپتال کیوں نہیں جا رہے ہیں؟"

"اسے داماد نہ کہو' ہمارا خون کھولنے لگتا ہے۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ آرام فرمائیں۔ میں ہسپتال جا رہا ہوں۔ وہ ہمارے لئے عذاب سہی لیکن رشتے کا بھرم رکھنا ہی ہو گا۔"

بہن کے حوالے سے جمال کے ساتھ خون کا رشتہ تھا۔ وہ اس رشتے کا بھرم رکھنے جا رہا تھا۔ جبکہ زخمی بہنوئی کو خون دینے کے لئے جانا چاہئے تھا اور واقعی اسے خون کی ضرورت تھی۔ ہسپتال میں نہ جانے اسے کس کا خون دیا جا رہا تھا؟ اس وقت اسے (Intensive Care) یعنی انتہائی نگہداشت والے کمرے میں رکھا گیا تھا۔

اس کے منہ پر آکسیجن ماسک لگا کر سانسوں کی بحالی کو ممکن بنایا گیا تھا۔ ڈرپ کے ذریعہ خون دیا جا رہا تھا۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ ڈاکٹرز مانیٹر پر اس کی سانسوں کی رفتار دیکھ رہے تھے۔

نفاست دنیا داری نبھانے کی خاطر ہسپتال پہنچ گیا تھا اور جمال کے کمرے کے باہر شیشے

کی کھڑکی سے اندر کا منظر دیکھ رہا تھا۔

ایک ڈاکٹر دروازہ کھول کر باہر آیا۔ نفاست نے پوچھا۔ "ڈاکٹر! کیا یہ بچ جائے گا؟"

"ہم کوشش کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر اتنا کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ نفاست کچھ سوچ کر کوریڈور سے گزرتا ہوا ایک کمرے کے سامنے رک گیا۔ کمرہ نمبر دیکھ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے دروازہ کھولا گیا۔ وہ دردانہ کے لئے اجنبی تھا۔ وہ نفاست کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

اس نے پوچھا۔ "تمہارا نام دردانہ ہے؟"

"تم کون ہو؟"

"تم نہیں .... آپ کہو۔"

"تم نے مجھے کیسے مخاطب کیا ہے؟"

نفاست کو اپنی غلطی کا احساس ہوا' وہ بولا۔ "مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ ایک اسکول ٹیچر ہیں۔ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"

وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ اس نے اندر آتے ہوئے کہا۔ "مجھے بتایا گیا ہے کہ جمال ہمدانی آپ کے گھر میں کرائے دار کی حیثیت سے تھا۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ دردانہ نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ مسٹر جمال کے کیا لگتے ہیں؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "وہ .... وہ میرا رشتہ دار ہے۔"

دردانہ نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا رشتہ ہے؟"

وہ الجھتے ہوئے بولا۔ "تفصیل بتانا ضروری تو نہیں ہے۔ کوئی بھی رشتہ ہو سکتا ہے۔"

وہ کندھے اچکا کر بولی۔ "آپ سے گفتگو بھی ضروری نہیں ہے۔"

وہ دردانہ سے معلومات حاصل کرنے آیا تھا لیکن فی الحال وہ اس سے معلومات حاصل کر رہی تھی۔ اگر وہ رشتہ چھپاتا تو دردانہ اسے کمرے سے نکال بھی سکتی تھی۔

وہ بے بسی سے بولا۔ "وہ .... وہ میرا بہنوئی ہے۔"

اس نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "ایسا نہیں کہتے' وہ آپ کے بہنوئی صاحب ہیں۔ انہیں بھائی صاحب' بھائی جان یا دولہا بھائی کہہ کر مخاطب کریں۔"

وہ اس کی باتوں سے پریشان ہو کر بولا۔ "کیا آپ مجھے گفتگو کے آداب سکھا رہی ہیں؟"

"میں اسکول ٹیچر ہوں۔ اعلیٰ خاندان کے بگڑے ہوئے بچوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلاتی ہوں۔"

"میں سمجھ گیا .... وہ ہمارے خلاف زہر اگل چکا ہے۔"

"سانپ زہر اگلتے ہیں۔ وہ تو سانپوں کے ڈسے ہوئے ہیں۔ یہاں زندگی کے لئے موت سے لڑ رہے ہیں اور سانپ آرام سے گھوم رہے ہیں۔"

نفاست نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ اس کا طنز سمجھ گیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر دروازے کے پاس جا کر رک گیا۔ پلٹ کر بولا۔ "میں کچھ معلومات حاصل کرنے آیا تھا لیکن .... بہت کچھ معلوم کر کے جا رہا ہوں۔"

وہ دردانہ کو ناگواری سے دیکھتا ہوا چلا گیا۔

☆======☆======☆

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس علاقے میں کسی کی رہائش نہیں تھی۔ ایک دو شکستہ مکان بنے ہوئے تھے جو نہ جانے کس دور میں تعمیر کئے گئے تھے۔ اب ان کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔

ایسے لاوارث مکانات مجرموں کے لئے بہترین پناہ گاہ ثابت ہوتے ہیں۔ ان شکستہ مکانات میں سے ایک بوسیدہ مکان کی کھڑکی سے ہلکی سی روشنی کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

وہاں ایک کمرے میں نجمہ ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ چارپائی پر اس کا دس ماہ کا بچہ سو رہا تھا۔ لالٹین کی مدھم روشنی میں کمرے کا منظر واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ وہیں ایک کونے میں بے زبان فہمی ڈری سہمی سی دبکی ہوئی بیٹھی تھی۔ وہ دہشت زدہ سی ہو کر کبھی نجمہ کی طرف دیکھ رہی تھی اور کبھی کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے گن مین کو دیکھ لیتی تھی۔

نجمہ نے موبائل فون پر نمبر پنچ کئے پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔

دوسری طرف عبادت علی فون کی گھنٹی سن کر سوچتے سوچتے چونک گئے۔ اس آواز نے ان کی سوچوں کا تسلسل توڑ ڈالا۔ انہوں نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ پھر اسے کان سے لگا کر بولے۔ "ہیلو؟"

دوسری طرف سے جواب کے طور پر ایک نسوانی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

نجمہ نے ہنستے ہوئے گھبرائی ہوئی فہمی کی طرف دیکھا۔ پھر فون اس کی طرف بڑھا دیا۔ گن مین نے اسے اشارے سے نجمہ کے پاس جانے کو کہا۔

وہ دہشت زدہ سی ہو کر اٹھی۔ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی نجمہ کے پاس آئی۔ پھر اس کے ہاتھ سے فون لے کر گونگی زبان میں کچھ بولنے لگی۔

عبادت علی اپنی معصوم نواسی کی آواز سن کر تڑپ گئے۔ "فہمی! .... میری بچی! .... تم کہاں ہو؟"

وہ ان کی آواز نہیں سن سکتی تھی۔ خود بول بھی نہیں سکتی تھی۔ بے تکی آوازیں نکال کر یہاں کا حال سنا رہی تھی۔ رو رو کر اپنی بے بسی بتا رہی تھی۔ نانا جان اگر سامنے ہوتے تو نواسی کے گونگے اشاروں کو سمجھ لیتے۔ وہ اس کی بے ہنگم آوازوں کو سمجھ نہیں پا رہے تھے لیکن انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی معصوم نواسی سہمی ہوئی ہے۔ دہشت زدہ ہو کر رو رہی ہے۔

وہ اشاروں میں کہہ رہی تھی کہ ایک آدمی بندوق سے مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔

نجمہ نے ہنستے ہوئے فون اس سے چھین کر اپنے کان سے لگایا پھر بولی۔ "سید عبادت علی شاہ! پہچانا' تمہاری گونگی نواسی بول رہی ہے۔"

وہ بولے۔ "ہاں .... ہم اسے آواز سے پہچان رہے ہیں۔ تم .... تم کون ہو؟ کیا چاہتی ہو؟ ہم سے کیا عداوت ہے؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "یہ عداوت کی ابتدا ہے۔ اگر چاہتے ہو کہ انتہا نہ ہو تو پولیس کو اس معاملے سے دور رکھو۔"

انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔ "پولیس نہیں آئے گی۔ ہم زبان کے دھنی ہیں۔ وعدہ کرتے ہیں' پولیس ہمارے معاملے میں نہیں پڑے گی۔ ہم پر اعتماد کرو۔ مگر ہمیں یہ تو بتا دو' تم کون ہو؟"

وہ ہنستے ہوئے فہمی کی طرف دیکھ کر بولی۔ "اس نے ابھی تم سے بات کی تھی۔ اپنی زبان میں بتا رہی تھی کہ میں ایک عورت ہوں۔ یہاں ایک گن مین بھی ہے۔ اسے ڈر لگ رہا ہے۔ کیسے نانا ہو؟ نواسی کی زبان نہیں سمجھ رہے ہو؟"

انہوں نے بے بسی سے فون کی طرف دیکھا۔ وہ مجبور تھے لیکن پھر بھی رعب دار آواز میں بولے۔ "ہماری مجبوریوں کا مذاق نہ اڑاؤ۔ بولو کیا چاہتی ہو؟ کتنی رقم چاہتی ہو؟

ہماری نواسی کو یہاں پہنچا دو اور منہ مانگی رقم حاصل کرو۔"

وہ موبائل فون کان سے لگائے بولی۔ "لین دین ضرور ہو گا۔ مگر اتنی جلدی نہیں۔ پہلے تمہاری نگرانی کی جائے گی۔ جب یہ اطمینان ہو جائے گا کہ ہمارے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی جا رہی ہے۔ تب ہم لین دین کی بات کریں گے۔"

انہوں نے کہا۔ "ہمارا یقین کرو .... ہم تمہارے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کریں گے۔"

وہ بولی۔ "پہلے یقین دلاؤ۔ پھر آگے بات ہو گی۔ اب بارہ گھنٹے بعد فون کیا جائے گا۔"

وہ بولے۔ "ہم یقین دلائیں گے .... پورا یقین دلائیں گے۔ تم بھی ہمیں یقین دلاؤ کہ ہماری نواسی پر آنچ نہیں آئے گی' اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی' اسے کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔ ہیلو .... ہیلو ...."

وہ ہیلو ہیلو کرتے رہے۔ نجمہ نے رابطہ منقطع کر دیا۔ اس کا بچہ جاگ گیا تھا اور رو رہا تھا۔ اس نے اسے گود میں اٹھایا پھر فیڈر سے دودھ پلانے لگی۔

گن مین کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ کے کش لگانے لگا۔ فہمی سمٹی ہوئی فرش پر بیٹھی سہمی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ گن مین نجمہ کا بھائی تھا۔

وہ بولی۔ "افضال! اپنے دولہا بھائی کو فون کرو۔ انہیں بتاؤ' ہم ان کی ہدایات پر عمل کر رہے ہیں۔"

وہ گہری نظروں سے فہمی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ نادان اس کی غلیظ نظروں کے مفہوم سے ناآشنا ایک کونے میں دبکی ہوئی بیٹھی تھی۔

اس نے نجمہ سے کہا۔ "یہ چھوکری ہے بہت خوبصورت۔"

"ہاں .... بہت معصوم ہے۔"

"کیا میں اسے تمہاری بھابی بنا لوں؟" اس نے سگریٹ کا دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے پوچھا۔

وہ گھور کر بولی۔ "تیری شامت آئی ہے' اسے ہاتھ بھی لگائے گا تو وہ تجھے گولی مار دیں گے۔ نمبر ملا۔"

وہ ناگواری سے نمبر پنچ کرنے لگا۔ پھر موبائل فون کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو' بھائی جان! میں ہوں افضال۔"

دوسری طرف سے عظمت بیگ کی آواز سنائی دی۔ اس نے پوچھا۔ "تمہاری بہن کہاں ہے؟"

وہ بولا۔ "منا رو رہا تھا' اسے سلا رہی ہیں۔ ابھی عبادت علی سے بات کی تھی۔ اسے وارننگ دی ہے کہ قانونی کارروائی کرو گے تو لڑکی واپس نہیں ملے گی۔"

اس نے دوسری طرف کی بات سنی پھر سر گھما کر نجمہ سے پوچھا۔ "وہ پوچھ رہے ہیں' عبادت علی نے کیا جواب دیا ہے؟"

فون پر عظمت بیگ غصے سے بولا۔ "بدتمیز! نجمہ کو فون دو۔"

افضال نے ناگواری سے موبائل فون کی طرف دیکھا پھر اسے نجمہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "جب دیکھو رعب جماتے رہتے ہیں کیا سیدھی طرح بول نہیں سکتے؟"

اس نے فون کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو......... میں بول رہی ہوں۔"

عظمت بیگ کی غصہ سے بھری ہوئی آواز سنائی دی۔ "کیا کر رہی تھیں' ضروری باتیں کرنے کے لئے فون اس گدھے کو دے دیا؟ بہت نواب زادی بن رہی ہو۔"

وہ بولی۔ "میں نواب زادی بن گئی تو آپ کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ گود کا بچہ لے کر اس ویرانے میں مصیبتیں اٹھانے آئی ہوں اور آپ مجھے غصہ دکھا رہے ہیں۔ سب چھوڑ چھاڑ کر چلی آؤں گی۔"

عظمت اپنے باپ حشمت بیگ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا فون پر بات کر رہا تھا۔ نجمہ کی بات سن کر اس نے چونک کر باپ کی طرف دیکھا۔ پھر فون پر خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "تم تو ناراض ہو گئیں' سوری! میں عبادت علی کا جواب سننے کے لئے بے چین ہو گیا ہوں۔ شوہر کو معافی نہیں مانگنا چاہئے اس لئے انگریزی میں سوری کہہ رہا ہوں۔ ہیلو......... ہیلو۔"

اس نے ریسیور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس نے فون بند کر دیا ہے۔"

حشمت بیگ مسکرا کر بولا۔ "عورت کو اتنا ہی غصہ دکھاؤ جتنا وہ برداشت کر سکے' ورنہ بلی' شیرنی بن جاتی ہے۔"

اس نے نمبر ڈائل کر کے ریسیور کان سے لگایا پھر بولا۔ "ہیلو......... نجمہ! پلیز غصہ تھوک دو۔"

وہ دوسری طرف کی باتیں سننے لگا۔ نجمہ تفصیل سنا رہی تھی۔ حشمت بیگ بیٹے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خوش ہو کر بولا۔ "ویری گڈ......... میں ابھی

پاپا سے مشورہ کرتا ہوں۔ یہ ہمیں بتائیں گے کہ بارہ گھنٹے بعد عبادت علی سے کیا باتیں کرنی ہیں' میں ایک گھنٹے بعد تمہیں فون کروں گا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ پھر باپ سے کہا۔ "ہم پہلے ہی جانتے تھے۔ ہماری پہلی کال پر ہی عبادت علی منہ مانگی رقم دینے پر راضی ہو جائے گا۔"

حشمت بولا۔ "رقم کی بات بعد میں' پہلے سیکورٹی کی بات کرو۔ عبادت علی پر کیسے بھروسہ کیا جائے؟ اس کے پیچھے پولیس آ سکتی ہے۔"

اس نے بتایا۔ "وہ بارہ گھنٹے بعد ہمیں پورا یقین دلائے گا کہ ہمارے خلاف قانونی کارروائی نہیں ہو رہی ہے۔ پھر ہم اپنے ذرائع سے معلوم کرتے رہیں گے۔ عبادت علی اور نفاست علی پر کڑی نظر رکھیں گے۔"

اس نے پوچھا۔ "اب تک کی معلومات کیا ہیں؟"

"ایک انسپکٹر ان کی کوٹھی میں گیا تھا۔ پھر جلد ہی واپس چلا گیا۔ نفاست علی ہسپتال گیا ہے اور عبادت علی گھر میں ہے۔ اب وہ ہماری دوسری فون کال کا انتظار کرتا رہے گا۔"

حشمت بیگ نے رائے قائم کی۔ "وہ اپنی نواسی کی بازیابی کے لئے تڑپ رہا ہو گا۔ فوراً ادائیگی کرے گا۔ مگر ہم بڑی رقم کے لالچ میں نہیں پھنسیں گے۔ جلد بازی ہمیں نقصان پہنچائے گی۔ بارہ گھنٹے بعد اس سے کہا جائے گا کہ اگلے بارہ گھنٹے بعد ہم رقم لیں گے اور وہ لڑکی اسے واپس کریں گے۔"

وہ پُرتشویش لہجے میں بولا۔ "یعنی چوبیس گھنٹے بعد ہم رقم لیں گے اور لڑکی دیں گے۔ پھر تو بہت دیر ہو جائے گی پاپا! اندیشہ رہے گا کہ پولیس والے اس ویران علاقے کے مکان میں نہ پہنچ جائیں۔ وہاں نجمہ چھوٹے منے کے ساتھ ہے۔ وہ پریشان ہوتی رہے گی۔"

وہ بولا۔ "نجمہ کو حوصلہ دیتے رہو۔ ایک ہی بار زحمت اٹھانی ہے۔ پھر زندگی بھر راحت ہی راحت ملے گی۔"

اونچے اور اعلیٰ خاندانوں کا یہی دستور ہے کہ وہ ایک دوسرے کی راحتیں چھین کر خود کو پُرسکون کرتے رہتے ہیں اور اس کے باوجود کسی طور مطمئن نہیں ہوتے۔

☆======☆======☆

نفاست علی کی کار کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئی۔ اس نے گاڑی کو پارک کر کے کوٹھی کے اندرونی دروازے کی کال بیل کا بٹن دبایا۔

مراد نے دروازہ کھولا۔ پھر پوچھا۔ "آپ اتنی رات کو کہاں گئے تھے؟"

وہ اندر آتے ہوئے ناگواری سے بولا۔ "ہسپتال گیا تھا۔ اس خبیث نے ہماری نیندیں اڑا دی ہیں۔"

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔ مراد نے پوچھا۔ "رات کے تین بج رہے ہیں۔ آپ تنہا گئے تھے۔ مجھے ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے۔ آپ سمجھتے ہیں' ہمیں اس معاملے سے دور رکھا جائے گا تو ہم آرام اور سکون سے سو جائیں گے؟ دیکھ لیجئے' میں جاگ رہا ہوں' ادھر امی اور زیبی جاگ رہی ہیں۔ آخر ہم سے کیا چھپایا جا رہا ہے؟"

وہ بولا۔ "اب چھپانے کے لئے کچھ نہیں رہا ہے۔ ایک اسکول ٹیچر نے پولیس کو بیان دیا ہے کہ وہ مالی میرا بہنوئی اور ابا جان کا داماد ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "یہ بات تو اخبارات تک پہنچے گی۔"

"ہم اس خبر کو دور تک پہنچنے نہیں دیں گے۔ ہمارے ذرائع ایسے ہیں کہ ہم بات کو پھیلنے سے روک سکتے ہیں لیکن جمال ہوش میں آنے کے بعد پولیس اور پریس کو جو بیان دے گا اسے ہم روک نہیں سکیں گے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "ہوں .... اگر وہ اتنا ہی کہہ دے گا کہ ایک بہنوئی اور داماد کو نوکر بنا کر رکھا گیا تھا تو ہماری جگ ہنسائی ہو گی۔"

"مجھے ابا جان کی فکر ہے۔ ان پر تنقید کی جائے گی۔ ان کی بڑی سبکی ہو گی۔"

اس نے رائے ظاہر کی۔ "کیا اس کے ہوش میں آتے ہی اس سے سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا؟"

"انسپکٹر اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا ہے۔ اسے وہاں سے ہٹایا جا سکتا ہے لیکن وہ کم بخت ہم سے سمجھوتہ کرے گا یا نہیں' ایک تو یہ فکر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم جھک کر سمجھوتہ نہیں کریں گے۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "وہ گلے میں ہڈی کی طرح اٹک گیا ہے۔ نہ اسے اگل سکتے ہیں' نہ نگل سکتے ہیں۔ بس ایک ہی راستہ ہے ڈیڈ!"

نفاست نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے کہا۔ "کچھ مریض ہسپتال سے واپس نہیں آتے۔ وہ ہسپتال اس کی زندگی کا آخری اسٹیشن بن سکتا ہے۔"

وہ اسے ڈانٹتے ہوئے بولا۔ "کیا بکتے ہو' تمہیں مجرمانہ ذہن سے نہیں سوچنا چاہئے۔ ہم دل سے چاہتے ہیں کہ وہ مر جائے۔ ہم شریف لوگ جسے مار نہیں سکتے' اس کے مرنے کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ تم اس معاملے میں نہ پڑو۔"

نفاست اٹھ کر تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔ مراد کی نگاہوں میں وہ منظر گھومنے لگا جب جمال ہمدانی نے ایک مالی ہونے کے باوجود اس مارنے کے لئے چھرا اٹھایا تھا۔ وہ زیر لب بڑبڑایا۔ "وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔"

وہ سوچنے لگا۔ "وہ زندہ رہے گا تو فہمی کو میری دلہن نہیں بننے دے گا۔ مجھے پچاس کروڑ سے محروم کر دے گا۔ وہ ڈیڈی اور دادا جان کے لئے بھی مسئلہ بنا ہوا ہے۔ ہمارے بزرگ بھی کتنے بھولے ہیں' سمجھتے ہیں کہ مرنے کی دعائیں مانگتے رہیں گے تو دشمن مر جائے گا۔ بہت خوب ڈیڈی! آپ دعائیں مانگتے رہیں' میں دوا کرنے جا رہا ہوں۔"

نفاست علی ڈرائنگ روم سے عبادت علی کے کمرے میں آ گیا تھا۔ انہوں نے اسے بتایا کہ فہمی کو کسی عورت نے اغوا کیا ہے اور اس نے سختی سے کہا ہے کہ پولیس کو مطلع نہ کیا جائے ورنہ وہ فہمی کو نقصان پہنچانے سے گریز نہیں کرے گی۔ فی الحال اس نے رقم کا مطالبہ نہیں کیا ہے۔ وہ بارہ گھنٹے بعد ہمیں کال کر کے مطلوبہ رقم بتائے گی۔

پھر انہوں نے پوچھا۔ "تم بتاؤ' جمال ہمدانی کی کیا خبر لائے؟"

وہ بولا۔ "وہ آئی سی یو میں ہے۔ موت سے لڑ رہا ہے۔ میں نے دو گھنٹے پہلے اسے دیکھا تھا۔"

"دو گھنٹے .... کیا وہ اب تک لڑ رہا ہو گا؟ ہو سکتا ہے' تھک گیا ہو' ہار گیا ہو۔"

اس نے بتایا۔ "ایک ڈاکٹر اور نرس مستقل اسے اٹینڈ کر رہی ہے۔ میں نے سسٹر سے کہا ہے کہ ایسی کوئی بات ہو تو پہلے ہمیں فون پر اطلاع دے۔"

انہوں نے ناگواری سے کہا۔ "وہ صبح تک سانس لیتا رہا تو ہمیں اس کی عیادت کے لئے جانا ہو گا۔ دنیاداری نبھانی ہو گی۔"

"آپ پریشان نہ ہوں' میرے دماغ میں ایک تدبیر ہے۔"

انہوں نے پوچھا۔ "کیسی تدبیر؟"

وہ بولا۔ "آپ عمرے کے لئے چلے جائیں۔ خانہ کعبہ میں دلی سکون ملے گا۔ میں یہاں پولیس اور پریس والوں سے نمٹ لوں گا۔ یہ بیان دوں گا کہ آپ عمرے کے لئے گئے ہیں۔ اپنی نواسی کے اغوا سے بے خبر ہیں۔ رابطہ کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اطلاع ملتے ہی آپ داماد کی عیادت کے لئے آئیں گے۔"

وہ بولے۔ "ابھی تمہیں بتایا ہے کہ بارہ گھنٹے بعد فہمی واپس ملنے والی ہے۔ ہم یہ ملک تو کیا' یہ گھر بھی چھوڑ کر نہیں جا سکیں گے۔ پتہ نہیں وہ کتنی رقم کا مطالبہ کرنے

والے ہیں؟ کل صبح کیش تیار رکھو۔"

نفاست نے خیال ظاہر کیا۔ "مطالبہ لاکھوں میں ہو گا۔ میں کم از کم پچاس لاکھ کیش رکھوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ کیش مجرموں کی اوقات سے زیادہ ہو گا۔ تم انسپکٹر کو فون کرو۔ اس سے کہہ دو کہ ہماری نواسی واپس آ گئی ہے۔"

اس نے حیرت سے پوچھا۔ "یہ .... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

انہوں نے کہا۔ "پولیس ڈیپارٹمنٹ میں اور کاروباری حلقوں میں یہ خبر پھیل جائے گی کہ اغوا ہونے والی واپس آ گئی ہے تو ہم مجرموں کا اعتماد حاصل کر سکیں گے۔"

نفاست ان کی باتیں سن کر قائل ہو رہا تھا۔ وہ بولے۔ "اس طرح انہیں یقین ہو جائے گا کہ ہم ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر رہے ہیں وہ مطمئن ہو کر لین دین پر آمادہ ہو جائیں گے۔"

صبح سے لے کر رات گئے تک ہسپتال کے اندر اور باہر مریضوں اور ان کے لواحقین کی بھیڑ رہتی ہے لیکن اس وقت رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ہسپتال کے اندر اور باہر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گیٹ کا نائٹ چوکیدار اپنی کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

ہسپتال کا عملہ نائٹ ڈیوٹی پر موجود تھا۔ ڈاکٹرز اپنے اپنے چیمبرز میں سستا رہے تھے۔ مریضوں کو کوئی پریشانی نہ ہو تو سسٹرز بھی اسٹاف روم میں آ کر کچھ دیر آرام کر لیتی ہیں۔

ہسپتال کے کوریڈورز ویران پڑے ہوئے تھے۔ جنرل وارڈ میں کہیں کہیں کوئی ایک دو مریض بے چینی سے جاگ رہے تھے۔

مراد نے اپنی کار ہسپتال کے مین گیٹ کے باہر ہی روک دی۔ وہ اونگھتے ہوئے نائٹ چوکیدار کو دیکھ کر دبے قدموں چلتا ہوا ہسپتال کے اندر آیا۔ کوریڈور ویران پڑا تھا۔ وہ چور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا دوسرے کوریڈور میں آیا۔

اس نے اردگرد نظریں دوڑائیں ایک دروازے کے اوپر آئی سی یو لکھا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا اس کمرے کی کھڑکی کے پاس آیا۔ کھڑکی کے شیشے سے اندر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔

جمال ہمدانی بیڈ پر آنکھیں بند کئے گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کے منہ پر آکسیجن ماسک لگا کر سانسوں کی بحالی ممکن بنائی جا رہی تھی۔

مراد مصنوعی سانسوں سے بندھی زندگی کی ڈور کو توڑنے آیا تھا۔ اس نے جمال کو ناگواری سے دیکھا۔ پھر کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

وہ دھیرے سے دروازہ کھول کر دبے قدموں اندر آیا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے بیڈ کے قریب آ کر منہ پر لگے آکسیجن ماسک کو دیکھنے لگا۔ ایک ہلکی آہٹ پر اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔

اس نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر آکسیجن ماسک کی نلکی کو گیس سلنڈر سے ہٹا دیا۔ اچانک اس کی سانسیں رکنے لگیں۔ مراد فوراً پلٹ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

جمال تڑپ تڑپ کر سانسیں لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆======☆======☆

کبریٰ کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو بیڈ پر تنہا پایا۔ وہ نفاست کا انتظار کرتے کرتے سو گئی تھی۔ مگر اب صبح ہونے کے بعد بھی وہ کمرے میں نہیں آیا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پریشانی سے سوچنے لگی۔ "یہ اب تک واپس نہیں آئے۔ نہ جانے رات سے کہاں بھٹک رہے ہیں؟ اس گونگی نے تو ہمارا جینا دوبھر کر دیا ہے۔"

وہ کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ لاؤنج سے گزر کر ڈائننگ ہال میں پہنچی۔ وہاں بھی ویرانی چھائی ہوئی تھی۔

وہ زیر لب بڑبڑائی۔ "کیسا سناٹا چھایا ہوا ہے؟ کوئی دکھائی نہیں دیا۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے یہاں کوئی رہتا ہی نہیں ہے۔"

پھر اس نے بنن کو پکارا۔ "بنن میاں! بنن میاں!"

وہ کچن کا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ "جی بیگم صاحبہ!"

"تم نے صاحب کو دیکھا ہے؟"

"جی ہاں .... وہ بڑے صاحب کے کمرے میں سو رہے ہیں۔"

وہ تعجب سے زیر لب بڑبڑائی۔ "ابا جان کے کمرے میں' حیرت ہے!"

پھر اس نے پوچھا۔ "ناشتہ تیار ہے؟"

وہ بولا۔ "کوئی کھانے والا ہو تو تیار کروں گا۔ سب ہی سو رہے ہیں۔"

"اچھا' زبی اور مراد بھی سو رہے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"تم میرے لئے ناشتہ لگاؤ۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

بن کچن میں ناشتہ تیار کرنے چلا گیا۔ کبریٰ کچھ سوچ کر عبادت علی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے آہستگی سے دروازہ کھول کر دیکھا۔ عبادت علی بیڈ پر سو رہے تھے۔ ان کے ہاتھ کے قریب بیڈ پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔

اس نے دوسری طرف دیکھا۔ نفاست ایک صوفے پر سو رہا تھا۔ وہ دبے قدموں چلتی ہوئی اندر آئی۔ اس نے ایک نظر عبادت علی پر ڈالی۔ پھر نفاست کے پاس آ کر اس کے شانے کو دھیرے سے ہلایا۔

اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ پھر کبریٰ کو دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے عبادت علی کی طرف دیکھا وہ گہری نیند میں تھے۔

کبریٰ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے باہر چلنے کو کہا۔ وہ اس کے ساتھ کمرے سے باہر آ گیا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔ نفاست اسے اُس فون کال کی تفصیل بتانے لگا جو فہمی کو اغوا کرنے والوں کی طرف سے آئی تھی۔ پوری تفصیل سننے کے بعد وہ بولی۔ "اچھا' اس لئے ٹیلیفون بیڈ پر رکھا ہوا ہے۔ وہ کسی بھی وقت فون کر سکتے ہیں۔"

"وہ بارہ گھنٹے بعد فون کرنے والے تھے۔ نو گھنٹے گزر چکے ہیں۔ تین گھنٹے بعد توقع ہے کہ فہمی کی واپسی ہو سکے گی۔"

زیبی ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے بولی۔ "ممی! آج تو میں سوتی ہی رہ گئی۔ دن کے گیارہ بج چکے ہیں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

کبریٰ نے کہا۔ "میں نے ناشتہ لگانے کو کہا ہے۔"

پھر وہ نفاست سے بولی۔ "آپ بھی منہ دھو لیں' ناشتہ کریں۔"

اس نے کہا۔ "پہلے میں شاور لوں گا۔"

زیبی اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ "ڈیڈ! ناشتے کے بعد' پہلے ہمارے ساتھ ناشتہ کریں۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "جیسی تمہاری مرضی .... تم لوگوں کے پیار سے بڑی توانائی ملتی ہے۔ ورنہ جیسے حالات پیش آ رہے ہیں ہماری تو کمر ہی ٹوٹ جاتی۔"

زیبی چونک کر بولی۔ "او......... میں تو بھول ہی گئی تھی۔ فہمی واپس آ گئی؟"

نفاست بولا۔ "انشاء اللہ واپس آ جائے گی۔"

اس نے پوچھا۔ "اور وہ مالی؟"

وہ کہتے کہتے ٹھٹک گئی۔ پھر بولی۔ "ڈیڈ! کیا انہیں پھوپھا کہنا چاہئے؟"

اس نے کہا۔ "ابھی کچھ نہ کہو' ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہے ہیں۔ بہتر ہے اس کا ذکر ہی نہ کرو۔"

کبریٰ نے زیبی سے کہا۔ "تم بھائی کے پاس جاؤ۔ اس سے کہو' آ کر ناشتہ کر لے۔"

رات کے وقت شیطانی کارروائی کرنے کے بعد مراد اپنے آرام دہ بستر پر پُرسکون نیند میں تھا۔ اچانک اس کے موبائل سے بزر کی آواز سنائی دی۔ اس نے گھور کر فون کی طرف دیکھا۔ پھر اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ "ہیلو۔"

دوسری طرف سے حمیرا کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو......... میں ہوں حمیرا۔"

وہ جماہی لیتے ہوئے بولا۔ "او گاڈ' اتنی رات کو فون کر رہی ہو۔ کیا بات ہے؟"

وہ بولی۔ "دن کے بارہ بج رہے ہیں اور تم رات کہہ رہے ہو۔"

وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "بارہ بج رہے ہیں' دن کے؟"

وہ دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "مائی گاڈ' میں نے کسی کے بارہ بجائے تھے۔ پتہ نہیں اس کا انجام کیا ہوا؟"

فون پر حمیرا کی آواز سنائی دی۔ "کیا کہہ رہے ہو؟"

"وہ......... میں تم سے نہیں کہہ رہا ہوں۔"

اس نے پوچھا۔ "پھر کس سے بول رہے ہو؟"

کسی نے دروازے پر دستک دی۔ مراد نے فون پر کہا۔ "ذرا ٹھہرو......... کوئی باہر دستک دے رہا ہے۔"

وہ بیڈ سے اتر کر دروازے کے پاس آیا۔ باہر سے زیبی کی آواز سنائی دی۔ "بھائی جان!"

وہ دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ "زیبی! تم ہو' میں سمجھ گیا' مجھے جگانے آئی ہو؟"

"آپ جاگ گئے ہیں۔ بڑی مہربانی کی ہے۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ چلیں .... ناشتہ کریں۔"

وہ دروازہ بند کر کے بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔ پھر موبائل فون کان سے لگا کر بولا۔ "سوری' تمہیں انتظار کرنا پڑا۔"

فون سے حمیرا کی شکایت بھری آواز ابھری۔ "میں سن رہی تھی۔ تم نے زیبی سے پانچ منٹ میں آنے کے لئے کہا ہے اور مجھے تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں۔"

وہ بولا۔ "میں ناشتے کے بعد تمہیں فون کروں گا۔"

"کیا بہن کے پاس ابھی جانا ضروری ہے؟"

"وہ میرے بغیر ناشتہ نہیں کرے گی۔"

اس کی ناراضگی بھری آواز سنائی دی۔ "بڑا خیال ہے اس کا؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "وہ میری جان ہے۔"

"اور میں؟"

"سمجھا کرو، تم Sweet Heart ہو۔ دل کی مٹھاس۔"

وہ بولی۔ "یاد ہے .... آج شام کو ہمارا نکاح ہے؟"

وہ معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "یہ کوئی بھولنے کی بات ہے، آج ہماری زندگی کا بہت اہم دن ہے۔ تم نے ایسی بات چھیڑ دی ہے کہ فون رکھنے کو جی نہیں چاہ رہا ہے۔ مگر مجبوری ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں، ایک گھنٹے بعد فون کروں گا۔"

اس نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

پھر زیر لب بڑبڑایا۔ "میں کہاں الجھ رہا ہوں، پہلے یہ تو معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے؟ ہسپتال کے فون نمبرز بھی معلوم نہیں ہیں۔"

وہ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ پھر ٹھٹک کر بولا۔ "اگر اسے کچھ ہو جاتا .... وہ مر جاتا تو یہاں اطلاع ضرور پہنچتی۔ ڈیڈ سے کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

وہ منہ ہاتھ دھونے کے لئے واش روم میں چلا گیا۔

کبریٰ اور زیبی ڈائننگ ٹیبل کے اطراف بیٹھی نفاست اور مراد کا انتظار کر رہی تھیں۔

کبریٰ بولی۔ "مالی کو گولی لگی ہے۔ تمہارے ڈیڈی بتا رہے تھے۔ حالت بہت خراب ہے۔ بچنے کی امید نہیں ہے۔"

زیبی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ "ویسے ممی! گولی لگتے ہی آدمی مر جاتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ فہمی کے ابو اپنے مقدر سے جی رہے ہیں۔"

نفاست تولیئے سے منہ ہاتھ پونچھتا ہوا ڈائننگ ہال میں آیا۔ زیبی نے اسے دیکھ کر پوچھا۔ "ڈیڈ! یہ بات کیسے کھل گئی کہ ایک مالی ہمارا رشتہ دار ہے؟"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "یہ ہماری بدنصیبی ہے وہ فہمی کے ساتھ ایک اسکول ٹیچر کے گھر میں رہنے گیا تھا۔ اس ٹیچر کا نام دردانہ ہے۔ بہت چالاک عورت ہے۔ اس نے پولیس کو بیان دیا ہے کہ جمال ہمدانی ہمارا رشتہ دار ہے۔"

وہ بولی۔ "بات چھپانا چاہو تو چھپتی نہیں ہے۔"

اس نے کہا۔ "مجھے تمہارے دادا جان کی فکر ہے۔ وہ اس سے سمجھوتہ نہیں کرنا چاہتے، میں بھی نہیں چاہتا۔ سمجھوتہ کرنے کا مطلب ہے ہم اس کے سامنے جھک رہے ہیں۔"

کبریٰ جلدی سے بولی۔ "خدا نہ کرے کہ ہمیں اس کے سامنے جھکنا پڑے۔ لعنت ہے اس پر۔ گولی کھا کر بھی زندہ ہے۔"

نفاست سوچتے ہوئے بولا۔ "ہسپتال سے کوئی خبر نہیں آ رہی ہے۔ پتہ نہیں، وہ کس حال میں ہے؟"

مراد نے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے ہوئے نفاست کی بات سن لی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ڈیڈ! آپ کو ہسپتال کا نمبر معلوم ہے تو بتائیں، میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

وہ بولا۔ "ایک نرس اسے اٹینڈ کر رہی تھی اگر کچھ ہو گا تو وہ مجھے فون پر اطلاع دے گی۔"

مراد ایک سلائس پر مکھن لگاتے ہوئے لاپرواہی سے بولا۔ "اسے کوئی نرس اٹینڈ نہیں کر رہی تھی۔ وہ لاوارث کی طرح وہاں پڑا ہوا تھا۔"

نفاست نے چونک کر اسے دیکھا، پھر بولا۔ "تم کیسے جانتے ہو کہ وہاں کوئی نرس نہیں ہے؟"

مراد کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ نفاست کے سوال پر گھبرا گیا۔ پھر بولا۔ "وہ .... میں ایک اندازے سے کہہ رہا ہوں۔ ایسے چھوٹے لوگ ہسپتال میں لاوارثوں کی طرح پڑے رہتے ہیں۔ اگر وہاں کوئی نرس ہوتی اور وہ ذمہ دار ہوتی تو اب تک ہمیں خوشخبری سنا چکی ہوتی۔"

نفاست اس کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ اس نے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "تم پچھلی رات باہر گئے تھے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "نہیں .... آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

وہ تیز لہجے میں بولا۔ "مجھ سے سوال نہ کرو' سچ بولو۔"

"سچ کہہ رہا ہوں۔ بھلا رات کو میں کہاں جاؤں گا؟"

کبریٰ نے مداخلت کی۔ "جب وہ سچ کہہ رہا ہے تو آپ اسے جھوٹا کیوں سمجھ رہے ہیں؟"

نفاست بیٹے کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ میز پر رکھے موبائل فون کو اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا۔

مراد چور نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کبریٰ اور زیبی بھی نفاست کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

وہ فون کو کان سے لگا کر کچھ دیر بعد بولا۔ "ہاں' چوکیدار! کیا کل رات مراد باہر گیا ؟"

وہ دوسری طرف کی باتیں سننے لگا۔ مراد بے چینی سے کرسی پر پہلو بدل رہا تھا۔

نفاست نے فون بند کر دیا۔ پھر اس نے مراد سے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "تم کل رات تین بج کر پندرہ منٹ پر کہاں گئے تھے؟"

اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "وہ .... وہ میرا دل گھبرا رہا تھا' میں یونہی کھلی فضا میں گیا تھا۔"

وہ غصے سے بولا۔ "جھوٹ پر جھوٹ بول رہے ہو۔"

زیبی نے مراد سے کہا۔ "بھائی جان! ابھی آپ نے کہا تھا کہ رات کو باہر نہیں گئے تھے۔ اب کہہ رہے ہیں کہ تازہ ہوا کھانے گئے تھے .... سچ کیا ہے؟"

کبریٰ نے زیبی اور نفاست کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم باپ بیٹی کیوں پوچھ رہے ہو؟ اس کا دل گھبرا رہا تھا' وہ تازہ ہوا کھانے گیا تھا۔ کیا اس نے باہر جا کر جرم کیا ہے؟"

نفاست نے اس سے کہا۔ "آدھی رات کے بعد مجرم گھر سے نکلتے ہیں۔ یہ شریف زادہ کہاں گیا تھا؟"

مراد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے' اس نے سر جھکا لیا۔ اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھی ہوئی زیبی نے کہا۔ "بھائی جان! ضرور کوئی بات ہے .... ہے نا! ڈیڈی کو پریشان نہ کریں' جو سچ ہے کہہ دیں۔"

مراد مضطرب سا ہو کر کبھی اسے اور کبھی نفاست کو دیکھنے لگا۔ زیبی اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سر پر رکھتے ہوئے بولی۔ "آپ میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کبھی جھوٹ نہیں بولیں

گے۔"

وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ کر بولا۔ "کیا کرتی ہو؟"

وہ بولی۔ "آپ میرے سر پر ہاتھ رکھ چکے ہیں .... سچ چھپائیں گے تو میں مر جاؤں گی۔"

وہ اسے ڈانٹتے ہوئے بولا۔ "چپ رہو .... منہ توڑ دوں گا۔ بہت سر پر چڑھ گئی ہو۔ میرے جذبات سے کھیل رہی ہو۔ کیا بھول گئیں' وہ مالی مجھے جان سے مار ڈالنا چاہتا تھا' کیا یہ نہیں سمجھ رہی ہو کہ وہ دو ٹکے کا آدمی دادا جان کو جھکانا چاہتا ہے؟"

عبادت علی لاؤنج سے گزر کر ڈائننگ ہال کی طرف آ رہے تھے لیکن مراد کی باتیں سن کر وہیں دروازے پر ہی رک گئے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں جانتا ہوں' دادا جان نہیں جھکیں گے' وہ ٹوٹ جائیں گے۔ اپنی جان دے دیں گے لیکن ہمارے شجرے پر حرف نہیں آنے دیں گے۔"

نفاست علی سر جھکائے خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ زیبی سے کہہ رہا تھا۔ "تم بولو .... کسے جان سے جانا چاہئے؟ دادا جان کو یا اس دشمن کو' جو ہمارے پورے خاندان کے لئے چیلنج بن گیا ہے۔"

عبادت علی دروازے کی آڑ میں کھڑے ہوئے تھے۔ اس کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ بڑے جذبے سے بول رہا تھا۔

مراد نے نفاست کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہاں .... میں ہسپتال گیا تھا۔ اسے آکسیجن پر رکھا گیا تھا۔ میں نے آکسیجن سلنڈر کی نلکی الگ کر دی' اُسے جہنم میں پہنچا دیا ہے۔"

ان تینوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' وہ بولا۔ "اگر کوئی الزام آئے گا تو مجھ پر آئے گا' سزا ملے گی تو مجھے ملے گی' کوئی دادا جان پر کیچڑ اچھالنے والا تو نہیں رہے گا۔"

عبادت علی اپنے پوتے کی باتیں سن رہے تھے۔ اپنے بارے میں اس کے جذبات معلوم ہو جانے پر ان کے خون کی گردش تیز ہو رہی تھی۔ گردن فخر سے تن گئی تھی۔

نفاست پریشان ہو کر بولا۔ "تم نے یہ بہت برا کیا۔ کسی نے تمہیں دیکھا ہو گا تو تم قانون کے شکنجے میں آ جاؤ گے۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ تمہارے ماں باپ پر کیا گزرے گی؟ اٹھو یہاں سے' سامان باندھو .... تمہیں ملک سے باہر بھیجنا ہو گا۔"

کبریٰ نے پریشان ہو کر نفاست کی طرف دیکھا۔ مراد نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔

"میں نہیں جاؤں گا۔ آپ کو اور دادا جان کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا.......... کہیں نہیں جاؤں گا۔"

عبادت علی دھیرے دھیرے چلتے ہوئے مراد کے قریب آئے۔ پھر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے فخر سے بولے۔ "یہ ہے ہمارا پوتا! جو تم نہ کر سکے ہم نہ کر سکے وہ اس نے کر دکھایا۔ اگرچہ اس نے غلط کیا لیکن یہ غلطی دادا جان کی سربلندی کے لئے ہے۔"

وہ اس کے قریب ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ "دادا کی جان! ہم تم پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ تمہیں اپنی نظروں سے دور نہیں بھیجیں گے لیکن احتیاطی تدبیر لازمی ہے۔"

☆======☆======☆

(اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں)

سرپرست
محی الدین نواب
2

کبریٰ سسر کے منہ سے بیٹے کی تعریفیں سن کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔

عبادت علی نے نفاست سے کہا۔ "اس کے باہر جانے کی مکمل تیاری کرو۔ بات بگڑے گی تو یہ جائے گا۔ ورنہ ہمارے پاس رہے گا۔ ہسپتال فون کرو۔ اگر وہ کم بخت اپنی سانسیں پوری کر چکا ہے تو ہسپتال والوں نے ہمیں اطلاع کیوں نہیں دی؟"

نفاست نے موبائل فون پر نمبر پنچ کئے۔ پھر رابطہ ہونے پر بولا۔ "ہیلو .... میں نفاست علی بول رہا ہوں۔ آئی سی یو کے ایک مریض جمال ہمدانی کا عزیز ہوں۔ مجھے اس کی خیریت معلوم کرنی ہے۔"

وہ دوسری طرف کی باتیں سننے لگا۔ سب تجسّس سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس نے شکریہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

پھر ناگواری سے سب کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اسے اٹینڈ کرنے والی نرس نے رپورٹ دی تھی کہ آکسیجن سلنڈر کی نلکی اتفاقاً الگ ہو گئی تھی۔ اس نے بروقت اس نلکی کو سلنڈر سے منسلک کر دیا تھا۔"

عبادت علی نفرت میں بولے۔ "اس کا مطلب ہے .... وہ بدبخت زندہ ہے۔"

"جی، مگر اب تک بے ہوش ہے۔"

عبادت علی نے کبریٰ سے کہا۔ "بہو بیگم! ہمارا ناشتہ کمرے میں پہنچا دو۔ فہمی کو اغوا کرنے والوں کی طرف سے فون کال آنے والی ہے۔ ہم اسی کا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ پلٹ کر جانے لگے پھر ٹھہر کر نفاست سے بولے۔ "تم ہمارے کمرے میں آؤ۔"

وہ چلے گئے۔ نفاست نے اٹھتے ہوئے کبریٰ سے کہا۔ "میرا ناشتہ بھی ابا جان کے کمرے میں پہنچا دو۔"

وہ اٹھ کر چلا گیا۔ کبریٰ ڈش تیار کرنے لگی۔ پھر اس نے بنی کو آواز دی۔ مراد اٹھتے ہوئے بولا۔ "لائیں ممی! ڈش مجھے دیں۔ دادا جان اور ڈیڈی ضروری باتیں کر رہے

ہوں گے۔ وہاں ملازم کو بھیجنا ٹھیک نہیں ہے۔"

وہ ڈش اسے تھماتے ہوئے بولی۔ "آج تو تم نے اپنے دادا جان کا دل جیت لیا۔ انہیں خوش رکھنے میں ہی ہم سب کی خوشیاں ہیں۔"

وہ ڈش لے کر عبادت علی کے کمرے کے پاس آیا۔ پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

نفاست کہہ رہا تھا۔ "ابا جان! آپ کچھ عرصہ کے لئے پہاڑی علاقوں میں چلے جائیں۔ آب و ہوا تبدیل ہو جائے گی' وہ کم بخت ہسپتال سے آئے گا تو آپ سے سامنا نہیں ہو گا۔"

مراد ڈش میں سے ناشتے کے برتن میز پر رکھنے لگا۔ عبادت علی نے کہا۔ "ہمیں میدان چھوڑ کر جانے کا مشورہ دے رہے ہو۔ ہم کبھی نہیں جائیں گے۔"

مراد بولا۔ "آ جائے تو باپ بیٹی کو پہاڑوں پر بھیج دیں۔ وہ وہیں کسی پہاڑی سے گر کر مر جائے گا۔ سب اسے حادثہ سمجھیں گے۔"

عبادت علی گہری سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "تم نے ایک غلطی کی' ہمارے لئے کی' اس لئے ہم خاموش رہے۔ مگر آئندہ ایسی باتیں ذہن میں نہ لاؤ۔ ایسی حکمت عملی اختیار کرو جو مجرمانہ نہ ہو۔ ہم کبھی نہیں چاہیں گے کہ اس بدبخت کی وجہ سے تم پر کوئی آنچ آئے۔"

بیڈ پر رکھے ہوئے گھنٹی کی آواز ابھری۔ عبادت علی نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ مراد فون اٹھا کر ان کے پاس لے آیا۔ انہوں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر بولے۔ "ہیلو .... ہم ہیں' عبادت علی شاہ۔"

ویران علاقے کے شکستہ مکان میں نجمہ کرسی پر موبائل فون کان سے لگائے بولی۔ "تم عقلمندی کا ثبوت دے رہے ہو۔ تم نے اغوا کی رپورٹ درج نہیں کرائی ہے۔"

عبادت علی' نفاست اور مراد کو دیکھتے ہوئے بولے۔ "ہم نے یہ بھی بیان دیا ہے کہ ہماری نواسی گھر واپس آ گئی ہے۔ اس بیان کے بعد کسی طرح کی قانونی کارروائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اب تمہیں اطمینان ہو جانا چاہئے۔"

فون پر نجمہ کی آواز سنائی دی۔ "ہم مطمئن ہیں۔ ہمیں یقین ہو رہا ہے کہ تمہارا پولیس والوں سے رابطہ نہیں ہے۔ پھر بھی اندیشہ ہے تم کوئی خفیہ کارروائی کر سکتے ہو۔"

وہ بے بسی سے بولے۔ "ہم کیسے یقین دلائیں؟ کوئی خفیہ کارروائی نہیں ہو گی۔ لین

دین کی بات کرو۔ اس ہاتھ دو' اس ہاتھ لو۔"

دوسری طرف نجمہ سہمی ہوئی سی فہمی کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "ایسی بھی کیا جلدی ہے؟ تمہاری نواسی زندہ سلامت ہے۔ ہم مزید تمہاری نگرانی کریں گے۔ جب پوری طرح یقین ہو جائے گا کہ تم درپردہ کوئی چالبازی نہیں کر رہے ہو تو ہم تم سے رقم لیں گے اور لڑکی واپس کریں گے۔ ہماری اگلی کال تک پانچ کروڑ روپے کیش تیار رکھو۔"

عبادت علی حیرت سے بولے۔ "پانچ کروڑ روپے؟"

نفاست اور مراد نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انہوں نے پریشان ہو کر ریسیور دوسرے کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا کہہ رہی ہو؟ پانچ کروڑ معمولی رقم ہے' کیا تم ہم سے مذاق کر رہی ہو؟"

فون سے نجمہ کی آواز ابھری۔ "تمہارا شمار Multy Millionair میں ہوتا ہے اور تمہاری نواسی کو پچاس کروڑ ملنے والے ہیں۔"

وہ اس انکشاف پر چونک گئے۔ پریشان ہو کر بولے۔ "یہ .... یہ جھوٹ ہے۔ تمہیں کس مردود نے کہا ہے کہ اسے پچاس کروڑ ملنے والے ہیں؟ کیا جمال نے کہا ہے؟"

مراد اور نفاست ان کی بات سن کر پریشان ہو گئے۔ ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

نجمہ فون پر بولی۔ "جمال جیسا غریب شخص کہتا تو کبھی یقین نہ آتا۔ یہ معلومات تمہارے گھر سے حاصل ہوئی ہیں اور یہ جھوٹ نہیں ہو سکتی۔ پانچ کروڑ تیار رکھو۔"

عبادت علی کریڈل پر ہاتھ مارتے ہوئے بولے۔ "ہیلو .... ہیلو۔"

پھر ریسیور کو ناگواری سے دیکھ کر اسے کریڈل پر رکھتے ہوئے بولے۔ "لعنت ہے' فون بند کر دیا۔"

نفاست نے پوچھا۔ "کیا جمال نے پچاس کروڑ کا ڈنکا بجایا ہے؟"

وہ سوچتے ہوئے بولے۔ "نہیں .... وہ کہہ رہی تھی کہ انہیں یہ بات ہمارے گھر سے معلوم ہوئی ہے۔"

اس نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا........... ہمارے گھر سے؟"

مراد پریشانی سے سوچنے لگا۔ اسے یاد آیا۔ اس نے حمیرا سے کہا تھا کہ میں ایک گونگی سے شادی کروں گا تو مجھے پچاس کروڑ ملیں گے۔

اس نے چونک کر نفاست اور عبادت علی کی طرف دیکھا۔ وہ بولے۔ "کوئی گھر کا بھیدی ہے۔ جس نے یہ لنکا ڈھائی ہے۔"

نفاست پریشانی سے بولا۔ "وہ نامراد کون ہو سکتا ہے؟"

مراد صوفے پر پہلو بدل کر سوچنے لگا۔ اسے پورا یقین تھا کہ یہ بات حمیرا کی طرف سے باہر نکلی ہے۔ وہ وہاں سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ آئندہ اسے کیا کرنا ہے۔

☆======☆======☆

زبیر نے فراز کو اپنا وزیٹنگ کارڈ دیا تھا۔ وہ ملازمت کے لئے پریشان تھا۔ اس کارڈ کے ذریعے وہ دوسرے ہی دن زبیر کے پاس پہنچ گیا۔

زبیر اپنی کوٹھی کے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں اپنے فرینڈز مونا اور نعیم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ تینوں زیبی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ زبیر فراز کو دیکھ کر بولا۔ "آؤ .... آؤ فراز! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

وہ ایک دوسرے سے مصافحہ کر کے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ زبیر اس سے اپنے فرینڈز کا تعارف کراتے ہوئے بولا۔ "یہ مونا ہے۔"

وہ بولی۔ "ہائے .... کافی ہینڈسم ہو۔"

پھر زبیر اور نعیم کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "زیبی کی خیر نہیں ہے۔ دیکھتے ہی پگھل جائے گی۔"

فراز نے زبیر سے پوچھا۔ "یہ زیبی کون ہے؟"

وہ بولا۔ "ابھی ہم بتائیں گے' بہت کچھ بتائیں گے۔ اس سے ملو' یہ نعیم ہے۔"

فراز نے نعیم سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔"

وہ ٹوکتے ہوئے بولا۔ "آپ نہیں .... تم' یہاں ہم سب دوست ہیں۔ کوئی کسی سے کم' کوئی کسی سے زیادہ نہیں ہے۔ سب برابر ہیں۔"

زبیر نے فراز کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آج سے تم ہمارے دوست ہو۔"

وہ بولا۔ "لیکن آپ نے تو مجھے ملازمت کے لئے بلایا ہے؟"

زبیر نے کہا۔ "ملازمت یہ ہے کہ تم ایک وفادار دوست بن کر رہو گے۔ ہم جو کام دیں گے' اسے بخوبی انجام دیتے رہو گے۔"

"کام کیا ہے؟"

نعیم نے کہا۔ "ایک ویری ویری بیوٹی فل گرل ہے' اس سے محبت کرو گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "یہ کیسی نوکری ہے؟"

زبیر مسکراتے ہو بولا۔ "نوکری بھی ہے' چھوکری بھی ہے۔ اس کا نام زیبی ہے۔ تمہیں دولت بھی ملے گی اور عیش و آرام بھی۔"

وہ ان کی باتیں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ پریشان ہو کر بولا۔ "یہ کیسی ملازمت ہے؟ دیکھئے میں ایک فراڈ کی دوستی چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ آپ بھی دوست بن رہے ہیں اور .... عجیب و غریب ملازمت دے رہے ہیں۔ میں کسی ایسی ویسی لڑکی سے محبت نہیں کروں گا۔"

زبیر بولا۔ "لڑکی کو دیکھو گے تو چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔"

مونا اسے بڑے پیار سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل بن سکتا تھا۔ وہ بولی۔ "تم محبت نہیں کر سکتے تو پھر کس کام کے ہو؟ تم سے محنت و مشقت نہیں کرائی جا رہی ہے۔"

وہ بولا۔ "میں محنت و مشقت سے نہیں گھبراتا۔ ایسا کام چاہتا ہوں' جس میں جھوٹ اور فراڈ نہ ہو۔"

زبیر نے کہا۔ "تمہارے دھوکہ دینے سے زیبی کو ایک اعلیٰ خاندان کا بوائے فرینڈ مل جائے اور وہ خوش ہو جائے تو تمہیں اعتراض کیا ہے؟"

نعیم نے اسے سمجھایا۔ "اسے تمہاری ذات سے نقصان نہیں پہنچے گا .... اسے خوشیاں ملیں گی۔"

وہ کچھ سوچنے لگا' پھر بولا۔ "مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

زبیر بولا۔ "تمہیں ایک اعلیٰ خاندان کا رئیس زادہ بننا ہو گا۔"

اس نے پوچھا۔ "میری جیب میں بیس روپے پچاس پیسے ہیں۔ میں رئیس زادہ کیسے بن سکتا ہوں؟"

نعیم بولا۔ "ہم بنائیں گے۔"

اس نے پوچھا۔ "کیسے بنائیں گے؟"

زبیر بولا۔ "یہ کوٹھی دیکھ رہے ہو؟ میری ہے۔ میں چھ ماہ کے لئے اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

وہ اس کی بات سن کر حیرت سے اس قیمتی سامان سے آراستہ ڈرائنگ روم کو دیکھنے لگا۔

مونا نے کہا۔ "تم نے باہر مرسڈیز دیکھی ہو گی۔ وہ میری ہے۔ اس کار کو میں چھ ماہ کے لئے تمہارے حوالے کر دوں گی۔"

وہ حیرتوں اور مسرتوں میں ڈوب رہا تھا۔ اسے یہ سب کچھ ایک سہانا خواب لگ رہا تھا۔ جو آنکھ کھلتے ہی ٹوٹ جائے گا اور وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔

نعیم بولا۔ "پچاس ہزار روپے سے تمہارا بینک اکاؤنٹ کھولا جائے گا۔ تم زیبی کے سامنے لاکھوں روپے کا چیک لکھ سکو گے۔ اس چیک کے بینک پہنچنے تک ہم تمہارے اکاؤنٹ میں لاکھوں روپے جمع کر دیں گے۔"

وہ اب تک ان کی باتوں کو خواب سمجھ رہا تھا اور بے یقینی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ چھپر پھاڑ کر دولت ملنے کے بارے میں بہت سنا تھا لیکن آج وہ محاورہ حقیقت میں بدل رہا تھا۔

وہ بولا۔ "یہ .... یہ میرے خواب ہیں۔ میں ایسے ہی خواب دیکھتا ہوں لیکن اس کی تعبیر مجھے حیران کر رہی ہے۔ آپ چاہتے ہیں، میں رئیس زادہ بن کر کسی زیبی کو دھوکہ دوں؟ پھر آپ کہتے ہیں کہ اسے نقصان نہیں پہنچے گا۔"

زبیر بولا۔ "یقین کرو، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ تمہارا اعلیٰ خاندان کا شجرہ دیکھ کر تم پر اور اپنے آپ پر فخر کرے گی۔"

وہ بولا۔ "میرے باپ دادا نے کبھی خاندانی شجرہ نہیں بنایا۔ پھر آپ کیسے جانتے ہیں کہ میں اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہوں؟"

زبیر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تمہارا خاندانی شجرہ ہم بنا رہے ہیں۔ اسے دیکھ کر تمہارے باپ دادا بھی حیران رہ جائیں گے۔"

"یعنی جو میں ہوں، وہ نہیں رہوں گا اور جو نہیں ہوں وہ بن جاؤں گا۔ زیبی سے جھوٹ بولوں گا؟"

مونا بولی۔ "تمہارے جھوٹ بولنے سے وہ مر نہیں جائے گی، اسے ایک نئی زندگی ملے گی۔"

نعیم معنی خیز انداز میں بولا۔ "بیچاری کو اعلیٰ خاندان کا بوائے فرینڈ نہیں مل رہا ہے۔ تم اسے اتنی سی خوشی نہیں دے سکتے؟"

"اگر یہ نیکی ہے تو میں ضرور کروں گا۔ تنخواہ کتنی ملے گی؟"

وہ تینوں اس کا سوال سن کر قہقہے لگانے لگے۔ مونا اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"تمہارے بھولے پن کا جواب نہیں ہے۔"

زبیر اس کے شانوں کو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔ "فراز! تمہارے اکاؤنٹ میں ہزاروں، لاکھوں روپے ہوں گے اور تم تنخواہ پوچھ رہے ہو؟"

نعیم بولا۔ "وہ تمہاری اپنی رقم ہو گی، تم جو چاہو گے خرچ کرو گے۔"

وہ بولا۔ "نہیں .... وہ آپ لوگوں کی رقم ہو گی۔ میں دوسروں کا پیسہ خود پر حرام سمجھتا ہوں۔"

زبیر نے میز پر سے ایک البم اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی، پھر بولا۔ "پہلے ان تصویروں کو دیکھو، دیکھتے ہی حرام حلال بھول جاؤ گے۔"

فراز البم کھول کر پہلی تصویر دیکھتے ہی چونک گیا۔ اس کے تصور میں وہی تصوراتی دلہن دکھائی دینے لگی۔ وہ گھونگھٹ میں پھولوں سے سجی سیج پر بیٹھی ہوئی تھی۔ فراز اس کے قریب بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔

آج تک اس نے اس تصوراتی دلہن کو گھونگھٹ میں ہی دیکھا تھا۔ زیبی کو دیکھنے کے بعد اس نے اندازہ لگایا تھا کہ گھونگھٹ والی زیبی سے ملتی جلتی ہے۔ مگر آج وہ واضح طور پر اس کی نگاہوں کے سامنے آ چکی تھی۔

فراز تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ زبیر نے پوچھا۔ "کیا کہتے ہو؟"

وہ خیالات سے چونک گیا۔ پھر بولا۔ "ایک شرط پر کام کروں گا۔ تمہاری جمع کی ہوئی بینک کی رقم مجھ پر حرام ہو گی۔ میں ماہانہ تنخواہ چھ ہزار روپے لوں گا۔"

زبیر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ "منظور ہے۔"

اسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ یوں اچانک اس کے تمام خواب جائز طریقے سے پورے ہو جائیں گے۔ جس لڑکی سے وہ خیالوں میں محبت کرنے لگا تھا وہ یوں اچانک مل جائے گی۔ وہ اپنی تمام تر حیرتوں اور مسرتوں کو سمیٹ کر وہاں سے چلا آیا۔

☆======☆======☆

حمیرا عروسی جوڑے میں ملبوس بڑی حسین دکھائی دے رہی تھی۔ اگرچہ نکاح بڑی سادگی اور خاموشی سے کیا جا رہا تھا لیکن اس نے خود کو دلہن کی طرح خوب سجایا تھا۔

مراد اسے اس روپ میں دیکھ کر اپنی پسند پر ناز کر رہا تھا لیکن اس کے باوجود ذہن

کے کسی گوشے میں ایک سوال چبھ رہا تھا۔ جسے وہ جلد از جلد اس سے پوچھنا چاہ رہا تھا۔

وہ جذبوں سے بھری سر جھکائے شرمائی لجائی سی بیٹھی تھی۔ آنے والا وقت آنے سے پہلے اس کے دل کو گدگدا رہا تھا۔

مراد اور حمیرا ایک صوفہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نکاح میں اس کے دو دوست شریک ہوئے تھے۔ قاضی صاحب حمیرا کے برابر آ کر بیٹھ گئے۔

انہوں ایک رجسٹر کھولا۔ پھر حمیرا سے کہا۔ "آنسہ حمیرا بانو بنت حشمت بیگ تمہارا نکاح سید مراد علی شاہ ولد سید نفاست علی شاہ سے پڑھایا جا رہا ہے۔ بعوض مہر معجل و موجل دس لاکھ روپے سکہ رائج الوقت .... کیا تمہیں یہ نکاح قبول ہے؟"

ایسے وقت اسے اپنے گھر والے یاد آنے لگے۔ ہر لڑکی کے دل میں یہ ارمان ہوتے ہیں کہ ان کی شادی دھوم دھام سے ہو۔ سہیلیاں پیا کے نام کی مہندی ہاتھوں میں لگائیں۔ ڈھولک کی تھاپ پر سہاگ کے گیت گائے جائیں اور وہ اپنے بزرگوں کی دعاؤں کے سائے میں رخصت ہوں۔

مگر یہاں نہ تو سہیلیاں تھیں' نہ دھوم دھڑکا تھا اور نہ ہی بزرگوں کی دعائیں تھیں۔ اس کا دل بھر آیا لیکن مراد کی بھرپور چاہت اسے سہارا دے رہی تھی۔ وہ اس کی محبت میں اپنے گھر والوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔

قاضی صاحب نے دوبارہ پوچھا۔ "تمہیں یہ نکاح قبول ہے؟"

وہ سوچتے سوچتے چونک گئی۔ پھر سر جھکا کر بولی۔ "قبول ہے۔"

قاضی صاحب نے رجسٹر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! یہاں دستخط کرو۔"

حمیرا نے ایک نظر مراد پر ڈالی۔ اس کی مسکراہٹ نے اسے حوصلہ دیا۔ پھر اس نے نکاح نامے پر دستخط کر ڈالے۔ ایک دم ایسا لگا جیسے زندگی اچانک بدل گئی ہے۔ اس کے نام کے ساتھ مراد کا نام جڑ چکا تھا اور یہ احساس اسے سرشار کر رہا تھا۔ سرشاری کے اس احساس نے باقی تمام رشتوں کو پیچھے دھکیل دیا تھا۔

مراد نے بھی نکاح نامے پر دستخط کئے۔ پھر اس نے قاضی صاحب کو ان کی فیس سے زیادہ رقم دی۔ وہ خوش ہو کر اور مبارکباد دے کر رخصت ہو گئے۔

دونوں دوست بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے کہا۔ "اچھا مراد! اب ہم بھی چلتے ہیں۔ کباب میں ہڈی بننا مناسب نہیں ہے۔ صبح ملاقات ہو گی۔"

دوسرے نے لقمہ دیا۔ "اگر بھابی نے چھوڑا تو.........."

وہ تینوں قہقہے لگانے لگے۔ حمیرا شرما کر خود میں سمٹ گئی۔ مراد دونوں دوستوں کو رخصت کرنے کے لئے دروازے تک آیا۔ پھر دروازہ لاک کر کے واپس ڈرائنگ روم میں آیا تو حمیرا وہاں دکھائی نہیں دی۔

اس نے زیر لب مسکرا کر اس کمرے کی طرف دیکھا جسے دونوں دوستوں نے گلاب کے پھولوں سے سجایا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا دروازے کے پاس آیا۔ ادھ کھلے دروازے سے حمیرا پھولوں بھری سیج پر دکھائی دے رہی تھی۔

وہ ارمانوں سے بھری سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ ذرا سی آہٹ دل میں ہلچل پیدا کر رہی تھی۔ آج اسے اس کی محبت ملنے والی تھی۔ جذبوں کے بوجھ سے اس کی گردن جھکی جا رہی تھی۔

مراد دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ وہ بہت خوش تھا۔ ایک تو حمیرا اسے مل گئی تھی اور دوسرے اس کا تیار کردہ منصوبہ اس کی مرضی کے مطابق شروع ہو چکا تھا۔

وہ بڑی محبت اور جذبے سے بولا۔ "تم میری دلہن بن چکی ہو۔ مگر چند گھنٹوں بعد چلی جاؤ گی۔ تمہیں گھر واپس جانا چاہئے۔ یہ خفیہ شادی ہے۔ یوں سمجھو' میں تمہارے باپ سے اور تمہارے بھائی سے تمہیں چرا رہا ہوں لیکن وہ بھی مجھ سے کچھ چرا رہے ہیں۔ بہت لمبا ہاتھ مار رہے ہیں۔"

حمیرا اس کی بات سن کر چونک گئی۔ اس نے اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔ پھر بولا۔ "گھونگھٹ اٹھانے کے بعد دلہن کے حسن و جمال کی تعریفیں کی جاتی ہیں مگر میں تعریفیں نہیں کروں گا۔ ایک سوال کروں گا۔"

اس نے شرم و حیا سے جھکی ہوئی نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ پھولوں کی سیج پر بیٹھ کر مراد ایسی گفتگو کرے گا۔

نہ جانے وہ کیا سوال پوچھنے والا تھا۔ حمیرا اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر سہم گئی۔ اس کے مجازی خدا کے تیور بدل گئے تھے۔ اس کی پیشانی کی شکنیں بتا رہی تھیں کہ وہ دولہا نہیں' محبوب نہیں ہے۔ ایک محتسب ہے۔ قیامت کا حساب لینے والا ہے۔

اس نے اسے گھورتے ہوئے تیز لہجے میں پوچھا۔ "کیا تم نے اپنے باپ اور بھائی سے پچاس کروڑ کا اور اس گونگی کا ذکر کیا تھا؟"

وہ ایک دم سے چونک گئی۔ احتساب کے پہلے مرحلہ میں ہی اسے پسینہ آنے لگا۔

☆======☆======☆

دلہن دل میں ارمان اور آنکھوں میں خواب سجا کر سہاگ کی سیج پر آتی ہے۔ ہزاروں خواہشیں مچلتی ہیں اور ہر خواہش پر دل دھڑکتا ہے۔ سہاگ کی سیج گدگداتی ہے۔ اس سے کوئی سوال نہیں کرتی۔ دولہا کبھی سوالی بن کر نہیں آتا۔ فاتح بن کر آتا ہے لیکن مراد نے آتے ہی اس سے ایسا سوال کیا' جس کی وہ کبھی توقع نہیں کر سکتی تھی۔

وہ تیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ "کیا تم نے اپنے باپ اور بھائی سے پچاس کروڑ کا اور اس گونگی کا ذکر کیا تھا؟"

اس نے چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر بولی۔ "آج میں تمہاری دلہن بن کر آئی ہوں۔ آج صرف میری باتیں کرنا چاہئے۔ مگر تم اس گونگی کا ذکر کر رہے ہو؟ مجھے دلہن بنا کر میری انسلٹ کر رہے ہو۔"

وہ بولا۔ "یہ انسلٹ برداشت کر لو' ورنہ اس سے بھی بڑی قیامت آنے والی ہے۔"

"ایسی کیا بات ہے کہ.........."

مراد نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کا سوال ادھورا رہ گیا۔ وہ بولا۔ "کوئی دوسری بات نہیں۔ میرے سوال کا جواب دو۔ کیا تم نے اپنے باپ اور بھائی سے پچاس کروڑ کا اور اس گونگی کا ذکر کیا تھا؟"

وہ ڈھٹائی سے بولی۔ "ہاں.......... کیا تھا.......... کیا نہیں کرنا چاہئے تھا؟"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر گرجتے ہوئے بولا۔ "نہیں.......... نہیں کرنا چاہئے تھا۔ تم نے انہیں کیوں بتایا؟ کیا سوچ کر بتایا؟"

"یہ ایک خوشخبری تھی کہ تمہیں بڑی رقم ملنے والی ہے۔ خوشخبری چھپائی نہیں جاتی۔"

وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ وہ ذرا توقف کے بعد بولی۔ "تم نے بھی تو نہیں کہا تھا کہ یہ بات چھپانی ہے۔ مجھے ایک بار منع کر دیتے تو میں پاپا اور بھائی تو کیا دیواروں سے بھی نہ کہتی۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ مراد نے یہ بات بتانے کے بعد اسے تنبیہہ نہیں کی تھی کہ وہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرے۔ وہ سر جھکا کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ پھر اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "وہ دونوں کہاں ہیں؟"

"کون دونوں؟"

"تمہارا باپ اور تمہارا بھائی۔"

"وہ گھر میں ہیں۔ تم ان کے بارے میں اس انداز سے کیوں پوچھ رہے ہو؟ کیا پاپا کو انکل نہیں کہہ سکتے؟"

"میرا رشتہ تم سے ہے' ان سے نہیں ہے۔ کیا وہ کل رات گھر میں تھے؟"

وہ ان بے وقت کے سوالوں پر الجھ رہی تھی۔ پھر بھی اس کے غصے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جواب دے رہی تھی۔ "ہاں' بھائی اور پاپا دونوں ہی گھر میں تھے۔"

اس نے پھر سوال کیا۔ "کیا آج پورے دن گھر میں تھے؟"

"میں نے آج دوپہر تک دیکھا ہے۔ دونوں ہی گھر میں تھے۔"

پھر ذرا ٹھہر کر بولی۔ "آخر بات کیا ہے؟"

وہ بولا۔ "ان پچاس کروڑ کے حوالے سے ہمیں بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ ایک عورت فون پر کہہ رہی تھی۔ عورت.........."

وہ بولتے بولتے چونک گیا۔ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا پھر پوچھا۔ "تمہاری بھابی گھر میں ہے؟"

وہ الجھتے ہوئے بولی۔ "اب تم بھابی کو پوچھ رہے ہو۔ کیا بھابی تمہیں فون کر رہی ہیں؟"

وہ اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر اسے اپنے قریب کرتے ہوئے بولی۔ "پلیز مراد! ان باتوں کو چھوڑو' اپنی بات کرو۔"

وہ خود کو اس سے علیحدہ کرتے ہوئے بولا۔ "میری بات کا جواب دو۔ کیا وہ گھر میں ہے؟"

وہ اس کے اس انداز سے مایوس ہو گئی۔ بے زاری سے بولی۔ "نہیں.......... کل رات سے میکے گئی ہوئی ہیں۔"

وہ اس کی بھابی کی غیر موجودگی پر ٹھٹک گیا۔ اس نے پوچھا۔ "میکے گئی ہے' کہاں ہے میکہ؟"

"حیدر آباد سے آگے عثمان گوٹھ میں۔"

وہ اس کا بازو پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے بولا۔ "چلو.......... ہم ابھی عثمان گوٹھ جائیں گے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں' وہ اپنے میکے میں ہے یا نہیں۔"

وہ ایک جھٹکے سے بازو چھڑا کر بولی۔ "اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں فون کر

کے معلوم کر سکتی ہوں۔"

اس نے اپنا پرس کھول کر موبائل فون نکالا۔ اسے آن کر کے نمبر پنچ کرنے لگی۔

دوسری طرف نجمہ اس بوسیدہ مکان میں اپنے بچے کو سلا رہی تھی۔ اچانک اس کے موبائل سے بزر کی آواز سنائی دیں اس نے فون اٹھایا پھر نمبر پڑھ کر حیرت سے زیر لب بڑبڑائی۔ "یہ تو حمیرا کا فون نمبر ہے۔ وہ مجھے کیوں فون کر رہی ہے؟"

وہ فون آن کر کے کان سے لگا کر بولی۔ "ہیلو .... میں نجمہ بول رہی ہوں .... آج آگ نے پانی کو کیسے یاد کر لیا؟"

مراد حمیرا کے قریب بیٹھا دوسری طرف کی باتیں سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ فون پر بولی۔ "خود کو آگ کہا کریں۔ فون پر بھی انگارے ہی چبا رہی ہیں۔ مجھے اپنے بھتیجے کی یاد آ رہی تھی۔ اس لئے فون کیا ہے۔"

فون پر نجمہ کی طنز بھری آواز سنائی دی۔ "اچھا .... ماں سے عداوت اور بیٹے سے لگاوٹ۔ میرے بچے کو یاد کیا' بڑا احسان کیا۔ مگر کان کھول کر سن لو۔ آئندہ فون نہ کرنا' جواب نہیں ملے گا۔"

حمیرا کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر خاموش ہو گئی۔ کیونکہ نجمہ نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ وہ فون آف کرتے ہوئے ناگواری سے بولی۔ "یہ کبھی سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتی ہیں' فون بند کر دیا۔"

مراد سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا توقف کے بعد بولی۔ "ویسے وہ اپنے میکے میں ہیں۔ وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ پریشان سا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ حمیرا سے کچھ امید بندھی تھی کہ شاید اس کے ذریعے ملزمان تک رسائی حاصل ہو سکے گی۔ بات گھر کے کسی بھیدی نے اڑائی تھی۔ مراد کو یہ یقین تھا کہ اس معاملے میں حمیرا کے باپ اور بھائی کا ہاتھ ہے لیکن اب یہ شک بھی نہیں رہا تھا۔

وہ بے چینی سے ٹہلتے ہوئے سوچنے لگا۔ "آخر وہ عورت کون ہے؟ جسے پچاس کروڑ والی بات ہمارے گھر سے معلوم ہوئی ہے اور یہ بات اسے کس نے بتائی ہے؟"

مراد نے فہمی اور پچاس کروڑ کا ذکر حمیرا سے کیا تھا۔ اس لئے اس کا شک اس کے باپ بھائی پر جا رہا تھا لیکن اب وہ پھر الجھ گیا تھا۔

دوسری طرف نجمہ حمیرا کی فون کال پر حیران تھی۔ وہ ایک گھر میں رہتے ہوئے ایک

دوسرے سے کتراتی تھیں اور اب وہ فون کے ذریعے اس سے رابطہ کر رہی تھی۔

وہ پریشان سی ہو گئی تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے موبائل فون پر نمبر پنچ کیے۔ پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولی۔ "ہیلو .... میں نجمہ بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے عظمت کی آواز سنائی دی۔ "او .... نجمہ! میں تمہارے ہی فون کا انتظار کر رہا تھا۔ خیریت سے ہو نا؟"

"میں تو خیریت سے ہوں' مگر حیران ہوں۔"

"کس بات پر حیران ہو؟"

وہ بولی۔ "ابھی حمیرا نے فون کیا تھا۔ وہ ایک گھر میں رہ کر کبھی مجھ سے بات نہیں کرتی۔ کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے کہ اس نے فون پر مجھے مخاطب کیا تھا؟"

عظمت اپنے بیڈ روم میں ریسیور کان سے لگائے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کی بات سن کر چونک گیا۔ پھر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "بے شک .... حیرانی کی بات ہے۔ کیا کہہ رہی تھی وہ؟"

ریسیور پر نجمہ کی آواز ابھری۔ "بس اتنا ہی کہا کہ منے کی یاد آ رہی ہے۔"

"اچھا .... اور کچھ نہیں کہا؟"

وہ دوسری طرف کی باتیں سننے لگا پھر بولا۔ "میں ابھی معلوم کرتا ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟"

وہ بولی۔ "اور کہاں ہو گی' مراد کے ساتھ باپ دادا کا نام روشن کر رہی ہو گی۔"

وہ دوسری طرف کی باتیں سن کر بولی۔ "ہاں .... یہی بات مجھے کھٹک رہی ہے۔ مراد نے اسے بتایا ہو گا کہ فہمی کو اغوا کیا گیا ہے۔ پتہ نہیں کیوں؟ میری بائیں آنکھ پھڑک رہی ہے۔"

پھر اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "عظمت! مراد کو ہم پر شبہ تو نہیں ہے۔"

وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ "ارے نہیں' وہ شرلاک ہومز کی اولاد نہیں ہے کہ جاسوسی کرتا ہوا ہم تک پہنچ جائے گا۔ تم ایسا کرو' عبادت علی کو فون کرو۔ اس سے پوچھو پانچ کروڑ کیش ہیں یا نہیں؟ آج ہی صبح لین دین ہو جائے تو اچھا ہے۔"

اس نے خدا حافظ کہہ کر رابطہ ختم کر دیا۔ اس نے نجمہ کو تو تسلی دے دی تھی۔ مگر خود اندر سے پریشان ہو گیا تھا۔ اب وہ جلد سے جلد اس معاملے کو نمٹانا چاہتا تھا۔

☆======☆======☆

نفاست علی اپنے بیڈ روم میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ کبریٰ' زیبی اور حسرت بھی سر جھکائے گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سب ہی اپنی اپنی سوچ کے ذریعے قیاس آرائی کر رہے تھے کہ فہمی کو ملنے والی پچاس کروڑ کی رقم والی بات گھر سے باہر کس نے پہنچائی ہے؟ مگر کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کوٹھی کے افراد میں سے کون ایسا بھیدی ہے جو باہر لنکا ڈھا رہا ہے؟

نفاست ٹہلتے ٹہلتے بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا' گھر کی بات باہر کیسے پہنچ گئی؟ ان اغوا کرنے والوں کو کس نے بتا دیا کہ فہمی کروڑوں میں کھیلنے والی ہے؟"

زیبی نے کہا۔ "ایک سیدھی سی بات ہے۔ ہم میں سے ہی کسی نے اس خبر کو پَر لگائے ہیں اور یہ خبر اڑتی ہوئی دشمنوں تک پہنچی ہے۔"

نفاست نے کہا۔ "کسی نے جان بوجھ کر نہ سہی شاید انجانے میں کسی سے ذکر کیا ہو۔ اکثر باتوں کی روانی میں کوئی نہ کہنے والی بات بھی زبان سے نکل جاتی ہے۔"

کبریٰ بولی۔ "آپ اپنے دفتر میں' ملوں میں کتنے ہی لوگوں سے ملتے رہتے ہیں۔ آپ کی زبان سے بھی یہ بات پھسل سکتی ہے۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا غصے سے بولا۔ "فضول باتیں نہ کرو۔ میں کاروباری معاملات میں پہلے تولتا ہوں' پھر بولتا ہوں۔ تمہاری طرح پیٹ کا ہلکا نہیں ہوں۔"

وہ ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔ "کیا میں پیٹ کی ہلکی ہوں؟ گھر کے بھید دوسروں کو بتاتی پھرتی ہوں؟ کبھی میں نے ایسا کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو بتائیں' کوئی ایک مثال دیں' میں مان جاؤں گی۔"

کبریٰ کی باتیں سن کر حسرت اور زیبی ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

نفاست الجھ کر بولا۔ "کیا مشکل ہے؟ میں نے ایک بات کہی تھی۔ تم تو پنجے جھاڑ کر پیچھے ہی پڑ گئی ہو۔"

وہ کہاں خاموش ہونے والی تھی' اس نے پوچھا۔ "آپ نے یہ بات کہی کیسے؟ کیا مجھ سے باتیں ہضم نہیں ہوتیں؟ میرا پیٹ پھولنے لگتا ہے میں دیواروں سے بولنے لگتی ہوں؟"

وہ اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ "خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

زیبی نے مداخلت کی۔ "ممی پلیز! اب نہ بولیں۔ یوں غصہ دکھانے سے کبھی معلوم نہیں ہو گا کہ کون گھر کا بھیدی ہے؟"

حسرت بولا۔ "مراد بھائی کو ڈینگیں مارنے کی عادت ہے۔ کہیں دوستوں کی محفل میں لن ترانی شروع کی ہو گی۔ پتہ بھی نہیں چلا ہو گا کہ گفتار کا غازی کروڑوں کا قصہ سنا رہا ہے۔"

مراد نے جمال ہمدانی کے سلسلے میں جو کارنامہ انجام دیا تھا اس پر عبادت علی بہت خوش تھے۔ پوتے نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ گھر کے بزرگوں کے دلوں میں اس کے لئے محبت بڑھ گئی تھی۔ اس لئے نفاست کو حسرت کی بات بری لگی۔ وہ بولا۔ "بکواس نہ کرو' وہ تمہاری طرح غیر ذمہ دار نہیں ہے۔"

پھر اس نے ذرا توقف کے بعد پوچھا۔ "تم نشہ کرتے ہو نا؟"

وہ بولا۔ "نہیں .... میں اس لعنت کو چھوڑ چکا ہوں۔"

"جھوٹ مت بولو۔ تم نے نشے کی حالت میں باہر جا کر بکواس کی ہو گی۔ تم نے مدہوشی میں یہ راز باہر تک پہنچایا ہے۔"

وہ صوفے سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ میں نے فہمی کو اغوا کرایا ہے۔ میں آپ کو جھوٹا نہیں کہہ سکوں گا۔ کیونکہ آپ میرے باپ ہیں۔"

نفاست بے بسی سے بولا۔ "یہی تو بدنصیبی ہے کہ میں تمہارا باپ ہوں۔ تمہیں برداشت کر رہا ہوں۔"

وہ بولا۔ "میں آپ کی بدنصیبی دور کر سکتا تھا۔ اس گھر سے ہمیشہ کے لئے چلا جاتا تو آپ خوش نصیب ہو جاتے۔ مگر فہمی نے میرے پیروں میں زنجیریں پہنا دی ہیں۔ وہ دشمنوں سے رہائی پا کر آئے گی تو آپ لوگ اسے پچاس کروڑ کی سولی پر چڑھا دیں گے اور میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

کبریٰ اسے ڈانٹتے ہوئے بولی۔ "حسرت! اپنے باپ سے بحث کرتے ہوئے شرم نہیں آ رہی۔ جاؤ یہاں سے۔ خاندانی رقم ہماری ہے' ہماری رہے گی۔"

وہ جانے کے لئے پلٹا' پھر دروازے پر رک کر بولا۔ "افسوس' آپ بدنصیب ہیں' بدنصیب ہی رہیں گے۔"

وہ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ نفاست نے تلملا کر کبریٰ کی طرف دیکھا پھر بولا۔ "تم دونوں بھی جاؤ' مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

کبریٰ نے زیبی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے ماں کو اشارے سے باہر چلنے کو کہا۔ وہ دونوں کمرے سے باہر چلی گئیں۔ نفاست سر تھام کر بیٹھ گیا۔ پریشانیوں نے اسے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔

کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ پھر بے زاری سے بولا۔ ”کون ہے؟ اندر آ جاؤ۔“

بین دروازہ کھول کر اندر آیا‘ پھر بولا۔ ”صاحب! آپ کو بڑے صاحب نے یاد کیا ہے۔“

”اچھا........ تم چلو میں آتا ہوں۔“

ملازم چلا گیا۔ نفاست کو اندازہ تھا کہ عبادت علی نے کوئی ضروری بات کرنے کے لئے ہی اسے بلایا ہو گا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر آیا۔ کوریڈور سے گزر کر عبادت علی کے کمرے کے پاس پہنچا۔ دروازہ کھول کر اندر آیا تو عبادت علی ریسیور کان سے لگائے بول رہے تھے۔ ”ہم کہہ چکے ہیں‘ پانچ کروڑ کی رقم کوئی مذاق نہیں ہے۔ ہم ایک بے زبان نواسی کی خاطر زیادہ سے زیادہ پچاس لاکھ دے سکتے ہیں صبح جہاں کہو گی‘ پہنچا دی جائے گی۔“

نفاست خاموشی سے ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ عبادت علی دوسری طرف کی باتیں سن رہے تھے۔

عظمت ایک تحریر شدہ کاغذ نجمہ کو دکھا رہا تھا۔ وہ موبائل فون کان سے لگائے اس کاغذ کو پڑھتے ہوئے بول رہی تھی۔ ”تمہاری نواسی کروڑ پتی ہے۔ وہ لکھ پتی ہوتی تو لاکھوں لے لیتے۔ ہمارا مطالبہ پانچ کروڑ سے نیچے نہیں آئے گا۔ تم ہمیں پانچ کروڑ نہیں دو گے تو اس گونگی کے پچاس کروڑ سے محروم ہو جاؤ گے۔ اس کی موت کے بعد وہ تمام رقم محکمہ اوقاف میں چلی جائے گی۔ ذرا عقل سے سوچو .... یہ مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو کسی چوراہے پر تمہیں اپنی نواسی کی لاش ملے گی۔“

عبادت علی نے پریشان ہو کر نفاست کی طرف دیکھا۔ پھر بولے۔ ”صبح تک پانچ کروڑ اور وہ بھی کیش‘ یہ ممکن نہیں ہے۔ مارکیٹ سے اتنی رقم لینے میں وقت لگے گا۔“

ریسیور سے نجمہ کی آواز ابھری۔ ”لگنے دو........ جلدی کیا ہے؟ صبح نہ سہی‘ شام تک بندوبست کرو۔ میں ایک گھنٹے بعد پھر فون کروں گی۔“

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ عبادت علی ریسیور کو کریڈل پر رکھتے ہوئے

بولے۔ ”وہ جانتے ہیں کہ ہم پچاس کروڑ حاصل کرنے کے لئے انہیں پانچ کروڑ دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔“

نفاست تائید میں سر ہلا کر بولا۔ ”وہ ہماری کمزوری سمجھ گئے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ ہم فہمی کی خاطر اور پچاس کروڑ کی خاطر ان کا مطالبہ ضرور پورا کریں گے۔“

”ہمارے پاس اب کوئی راستہ نہیں ہے۔ تم رقم کا بندوبست کرو۔ ہم جلد سے جلد اپنی نواسی کو واپس لانا چاہتے ہیں۔“

پچاس کروڑ کیش کرانے کے لئے پانچ کروڑ کا چیک لکھنا ان کی مجبوری بن گیا تھا۔ حشمت بیگ اور عظمت ان کی اسی مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

افضال گن ہاتھ میں لئے فہمی کے پاس ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سہمی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ نجمہ کا بچہ اسی کمرے میں ایک چارپائی پر سو رہا تھا اور وہ اپنے شوہر عظمت کے ساتھ دوسرے کمرے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔

عظمت نے کہا۔ ”واقعی بہت بڑی رقم ہے۔ کیش جمع کرنے میں وقت لگے گا۔ کل شام سے پہلے بات نہیں بنے گی۔“

وہ الجھ کر بولی۔ ”پہلے بارہ گھنٹے کہا گیا۔ اب چوبیس گھنٹے گزرنے والے ہیں۔ میں کب تک اپنے بچے کے ساتھ یہاں رہوں گی؟“

”اتنا انتظار کیا ہے‘ کچھ اور حوصلہ کرو۔ خزانہ یونہی نہیں مل جاتا۔ بڑی مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔“

وہ تنک کر بولی۔ ”آپ تو وہاں آرام سے رہتے ہیں۔“

”کیا آرام سے ہوں؟ تمہاری خاطر یہاں چلا آیا۔ اس گونگی سے چھپ کر اس کمرے میں بیٹھا رہوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ میری صورت دیکھ لے۔“

وہ دونوں باتوں میں مصروف تھے۔ فہمی افضال کو دیکھتی ہوئی۔ آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ اس نے گن کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ وہ چارپائی پر سوئے ہوئے بچے کو دیکھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

وہاں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ چولہے کے پاس لائٹر رکھا ہوا تھا۔ اس نے لپک کر اسے اٹھایا اور اپنی مٹھی میں چھپا لیا۔ افضال کرسی سے اٹھ کر کچن کے دروازے پر آیا۔ فہمی نے اسے دیکھا تو گلاس اٹھا کر کولر سے پانی نکالنے لگی۔

وہ مطمئن ہو کر دوبارہ اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس کے جاتے ہی فہمی نے گلاس

رکھ کر ایک طرف دیکھا۔ وہاں کراسن آئل کا کین رکھا ہوا تھا۔ اس نے اس کا ڈھکن کھول دیا اور اسے اٹھا کر اپنے اوپر الٹ دیا۔ وہ تیل میں بھیگتی چلی گئی۔

نجمہ اور عظمت بیگ بے فکری سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ”مطالبہ پورا ہونے تک آپ یہاں رہیں۔ میں اکیلی نہیں رہوں گی۔“

”ٹھیک ہے .... ہم فون کے ذریعے پاپا سے مشورے لیتے رہیں گے۔“

وہ بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔ پھر نجمہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”کراسن آئل کی بُو آ رہی ہے۔“

وہ گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ ”ہاں‘ میں بھی محسوس کر رہی ہوں۔“

پھر اس نے افضال کو آواز دی۔ وہ کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر بولا۔ ”جی .... باجی!“

اس نے پوچھا۔ ”یہ کراسن آئل کی بو کہاں سے آ رہی ہے؟“

وہ بولا۔ ”ابھی میں یہی سوچ رہا تھا۔“

عظمت غصے سے بولا۔ ”گدھے ہو .... سوچ رہے ہو .... کچن میں جا کر دیکھو۔“

افضال چونک کر بولا۔ ”وہ کچن میں گئی ہے۔“

عظمت نے حیرت سے پوچھا۔ ”کون؟“

نجمہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ”میں دیکھتی ہوں۔“

وہ دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں آئی۔ اسی وقت فہمی بھی کراسن آئل کا کین اٹھائے دوڑتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ اس نے کین نجمہ کی طرف پھینکا۔ پھر لپک کر چارپائی پر سوئے ہوئے بچے کو اٹھا لیا۔

نجمہ چیخ کر بولی۔ ”عظمت! یہ تیل میں بھیگی ہوئی ہے۔ اس نے منے کو گود میں اٹھا لیا ہے۔“

وہ اپنے بچے کو اس سے لینے کے لئے آگے بڑھی تو فہمی نے چیختے ہوئے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھایا۔ نجمہ اور افضال آگے بڑھتے بڑھتے ٹھٹک گئے اس کے ہاتھ میں لائٹر تھا۔ ”کھٹ“ کی آواز کے ساتھ ہی وہ روشن ہو گیا۔

نجمہ سینے پر ہاتھ رکھ کر چیخی۔ ”ہائے .... میرا بچہ؟“

افضال گن کا رخ فہمی کی طرف کرتے ہوئے بولا۔ ”میں اسے گولی مار دوں گا۔“

عظمت بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ وہ اس سے گن چھینتے ہوئے بولا۔ ”پاگل کے بچے‘ اس کے ساتھ ہمارے بچے کو بھی آگ لگے گی۔“

نجمہ عظمت کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ ”میرے بچے کو بچائیں۔ یہ دشمن ہے‘ اسے جلا ڈالے گی۔“

وہ فہمی کو اشاروں میں سمجھانے لگا۔ ”لائٹر بجھا دو .... آگ لگ جائے گی۔ ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔ اسے بجھا دو۔“

نجمہ اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی۔ پھر بیچارگی سے ہاتھ جوڑ کر بولی۔ ”میرے بچے کو چھوڑ دے۔ میں توبہ کرتی ہوں۔ تجھے آزاد کر دوں گی۔“

فہمی نے لائٹر بجھا دیا۔ نجمہ اٹھ کر بچے کو لینے کے لئے آگے بڑھی تو وہ چیختی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے ایک بار پھر لائٹر کو روشن کر دیا۔

عظمت نجمہ کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولا۔ ”کیا پاگل پن ہے؟ بچے کو لینا چاہو گی تو تمہارے وہاں پہنچنے سے پہلے آگ لگ جائے گی۔“

عظمت نے افضال اور نجمہ کو پیچھے ہٹاتے ہوئے فہمی کو اشاروں کی زبان میں سمجھایا۔ ”اسے بجھا دو‘ تمہارے پاس کوئی نہیں آئے گا۔ ہم دور ہو رہے ہیں۔“

فہمی نے اسے اشاروں میں کہا کہ وہ گن کو چارپائی پر پھینک دے۔ ان تینوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ لائٹر کو اپنے قریب لاتے ہوئے چیخی تو عظمت نے فوراً ہی گن کو چارپائی پر پھینک دیا۔

اس نے نجمہ کی طرف دیکھ کر اشاروں کی زبان میں کہا کہ وہ موبائل فون بھی چارپائی پر پھینک دے۔ عظمت نے فوراً ہی نجمہ سے موبائل فون چھین کر اسے چارپائی پر پھینک دیا۔

وہ تینوں حیران پریشان سے ہو کر اس کے حکم کی تعمیل کر رہے تھے۔ ایک گونگی لڑکی نے انہیں بے بس بنا دیا تھا۔ اس نے اشارے سے انہیں دوسرے کمرے میں جانے کو کہا۔

نجمہ تڑپ کر بولی۔ ”نہیں .... میں نہیں جاؤں گی۔ یہ میرے بچے کے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہے؟ آپ منے کو اس سے چھینتے کیوں نہیں؟“

عظمت اسے زبردستی دوسرے کمرے میں لے جاتے ہوئے بولا۔ ”حکمت عملی سے کام لو۔ مجھے بھی اپنے بچے کی جان عزیز ہے۔ اسی لئے میں اس کے اشاروں پر چل رہا

ہوں۔"

وہ تینوں دوسرے کمرے میں کر کھلے ہوئے دروازے سے فہمی کو دیکھ رہے تھے۔ اس نے جھک کر چارپائی پر سے موبائل فون اٹھایا اور اسے اپنے گریبان میں رکھ لیا۔ پھر گن کو اٹھا کر اس کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے اشارے میں سمجھانے لگی' دروازہ کھولو۔

وہ تینوں گن پوائنٹ پر تھے۔ اگر وہ ان پر فائر نہ بھی کر پاتی تو اپنے ساتھ بچے کو جلا سکتی تھی۔ وہ تینوں مجبوری اور بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بچہ جاگ چکا تھا۔ اس کے رونے کی آواز نجمہ کے کلیجے کو چیرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

فہمی نے چیخ کر دوبارہ انہیں مخاطب کیا۔ عظمت نے افضال سے کہا۔ "دروازہ کھول دو۔"

نجمہ اسے روکتے ہوئے بولی۔ "رک جاؤ .... میرے بچے کو اس سے چھین لو' نہیں تو وہ اسے مار ڈالے گی۔"

عظمت بولا۔ "منے کو زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو چھیننے کی بات نہ کرو۔"

پھر وہ افضال کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "گونگی ہے اسے کچھ سمجھانا بے سود ہے۔ دروازہ کھول دو۔ باہر جنگل میں اور اندھیرے میں کہاں تک بھاگے گی؟ ہم تین طرف سے اسے گھیرے میں لے لیں گے۔ تم دروازہ کھولو۔"

اس نے آگے بڑھ کر باہر کا دروازہ کھول دیا۔ وہ بچے کو سینے سے لگائے گن کا رخ ان کی طرف کئے دروازے سے باہر آ گئی۔ نجمہ بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آنا چاہتی تھی مگر گن کا رخ اپنی طرف دیکھ کر دروازے پر ہی رک گئی۔

فہمی دروازے کی طرف بڑھی۔ تو خوف اور دہشت سے پیچھے ہٹنے لگی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو بند کر دیا اور باہر سے کنڈی لگا دی۔

نجمہ اندر سے دروازے کو پیٹنے لگی۔ فہمی دوڑتی ہوئی مکان کے بائیں جانب گئی۔ وہاں ایک کنواں بنا ہوا تھا۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ اس میں پانی نہیں تھا۔ فہمی نے گن کو اس کنوئیں کے اندر پھینک دیا۔

وہ تینوں کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھ رہے تھے۔ نجمہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "ہائے .... وہ میرے بچے کو بھی کنوئیں میں پھینک دے گی۔"

افضال نے عظمت سے کہا۔ "بھائی جان! ہمیں پچھلے دروازے سے باہر نکلنا چاہئے۔

وہ بچے کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

وہ تینوں پلٹ کر تیزی سے پچھلے دروازے کی طرف بڑھے۔ فہمی بچے کو سینے سے لگائے جنگل کی طرف دوڑنے لگی۔

انہوں نے باہر آ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک طرف سے اس کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی لیکن وہ اندھیرے کے باعث نظر نہیں آ رہی تھی۔

عظمت اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "وہ اُدھر گئی ہے۔"

وہ تینوں اس سمت میں دوڑنے لگے۔ فہمی بھاگتے بھاگتے ہانپنے لگی۔ وہ ناز و نعم میں پلی تھی۔ محنت و مشقت کی عادی نہیں تھی لیکن حالات کے ہاتھوں دکھ اور مصیبتیں جھیل رہی تھی۔ وہ ایک درخت سے ٹیک لگا کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

وہ تینوں دوڑتے جا رہے تھے۔ دن ہوتا تو وہ دور سے بھی نظر آ جاتی۔ مگر اس وقت رات کے اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ عظمت نے ایک جگہ رکتے ہوئے کہا۔ "رک جاؤ .... ذرا دم لو۔"

نجمہ ہانپتے ہوئے بولی۔ "میرے بچے کا دم نکل جائے گا۔ میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔"

وہ آگے دوڑنا چاہتی تھی۔ عظمت نے اس کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا۔ پھر بولا۔ "پہلے یہ تو معلوم کرو کہ وہ کہاں ہے؟ اندھیرے میں واضح طور پر کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ یہاں ٹھہر کر اس کے قدموں کی آواز سنو۔ تب ہی صحیح سمت کا اندازہ ہو سکے گا۔"

وہ تینوں خاموشی سے کسی آہٹ کو سننے کا انتظار کرنے لگے۔ پھر اچانک ایک سمت سے کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ نجمہ فوراً بولی۔ "وہ اُدھر جا رہی ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ دیوانہ وار اس سمت میں دوڑنے لگی۔ عظمت نے افضال کو ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم اِدھر سے گھیرو .... میں اُدھر سے آ رہا ہوں۔"

وہ دونوں دو مختلف سمتوں میں دوڑنے لگے۔ افضال نے ایک جگہ ٹھہر کر درخت کی ٹوٹی ہوئی شاخ اٹھائی۔ پھر ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ کر فہمی کے قدموں کی آہٹ سننے کی کوشش کرنے لگا۔

نجمہ دیوانہ وار دوڑ رہی تھی۔ اچانک اسے ٹھوکر لگی' وہ لڑکھڑا کر گر پڑی۔ اس کا سر ایک پتھر سے ٹکرایا۔ وہ تکلیف کی شدت سے کراہنے لگی۔ پھر ہمت کر کے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے جھک کر اس پتھر کو اٹھایا پھر چیختی ہوئی بولی۔ "مار ڈالوں گی .... زندہ

نہیں چھوڑوں گی۔"

وہ پتھر ہاتھ میں لئے ایک سمت دوڑنے لگی۔ اسے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ دوسری طرف افضال جھاڑی کے پیچھے چھپ کر قریب آتے ہوئے قدموں کی چاپ سن رہا تھا۔ اس نے شاخ کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔

نجمہ نے آگے دوڑنے والے قدموں کی آواز سن کر پتھر کو اُس سمت اچھال دیا۔ دوسری طرف جھاڑی کے پیچھے چھپے ہوئے افضال نے شاخ سے حملہ کر ڈالا۔ عظمت کی دلدوز چیخ جنگل کے سناٹے کو چیرتی چلی گئی۔

نجمہ بے یقینی سے زیر لب بڑبڑائی۔ "عظمت..........!"

افضال بھی اس کی چیخ سن کر جھاڑی کے پیچھے سے نکل آیا تھا اور غور سے زمین پر پڑے زخمی عظمت کو دیکھ رہا تھا۔ وہ تکلیف کے باعث کراہ رہا تھا۔ نجمہ دوڑتی ہوئی آ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ "عظمت! اٹھیں .... آنکھیں کھولیں .... عظمت! وہ ہمارے بچے کو لے جا رہی ہے۔"

نجمہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر چیخ کر بولی۔ "تو کہاں ہے؟ ذلیل، کمینی، میرا بیٹا مجھے دے دے۔ نہیں تو میں مر جاؤں گی۔"

وہ فہمی کو ڈھونڈنے کے لئے ایک سمت میں دوڑنے لگی۔ افضال بھی اس کا پیچھا کرتا ہوا اس طرف چلا گیا۔

عظمت تکلیف کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ وہ گہری گہری سانسیں لیتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ سر میں درد کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔ اس نے اپنا سر تھام کر ادھ کھلی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا۔ صبح کا ہلکا ہلکا اجالا پھیل رہا تھا۔ رات کی تاریکی ختم ہو رہی تھی۔

فہمی بچے کو سینے سے لگائے جنگل سے نکل کر سڑک کے کنارے دوڑ رہی تھی۔ افضال اور نجمہ بھی جنگل سے نکل کر سڑک پر آ گئے۔ ان کی نظر دور بھاگتی ہوئی فہمی پر پڑی۔ وہ اس کا پیچھا کرنے لگے۔

اس نے پلٹ کر ان دونوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو وہ ایک کچے راستے کی طرف مڑ گئی۔ وہاں سے کچھ فاصلے پر کچے پکے مکانات بنے ہوئے تھے۔

نجمہ نے افضال سے کہا۔ "جلدی کرو .... اسے آبادی کی طرف جانے سے روکو۔ وہ ہمیں گرفتار کرا دے گی۔"

وہ دونوں تیزی سے دوڑنے لگے۔ فہمی بستی کی طرف مڑ گئی وہاں ایک مسجد سے

نمازی باہر آ رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھ کر رک گئی۔ اسے بُری طرح ہانپتا ہوا دیکھ کر وہ لوگ اس کے پاس آئے۔

ایک نمازی نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟ کہاں سے بھاگی آ رہی ہو؟"

ایک اور نمازی بولا۔ "اس کے کپڑوں سے مٹی کے تیل کی بو آ رہی ہے۔"

وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی، رو رہی تھی، انہیں اشاروں کی زبان میں سمجھا رہی تھی کہ دشمن اس کا پیچھا کر رہے ہیں، وہ اسے گولی مارنا چاہتے ہیں۔ مگر کوئی اس بے زبان کی زبان سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

ایک شخص بولا۔ "یہ گونگی ہے۔ کچھ بتا رہی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

نجمہ اور افضال بستی والوں کو دیکھ کر ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے۔ وہ بولی۔ "وہ ہمارے خلاف بول رہی ہے۔ میں اپنے بچے کو لینے کیسے جاؤں؟"

فہمی کے اشاروں کو کوئی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ بے بسی سے ایک ایک کا منہ تک رہی تھی۔ پھر اس نے چونک کر ان لوگوں کو اشارے سے کہا، ذرا ٹھہرو۔

اس نے اپنے گریبان سے موبائل فون نکالا۔ تمام افراد اپنی اپنی قیاس آرائیاں پیش کر رہے تھے۔ وہ سوچ سوچ کر نمبر پنچ کر رہی تھی۔

افضال تشویش سے بولا۔ "وہ فون کرنا جانتی ہے، نمبر پڑھ رہی ہے۔"

نجمہ روتے ہوئے بولی۔ "کچھ بھی ہو .... مجھے اپنا بچہ چاہئے۔"

فہمی نے نمبر پنچ کرنے کے بعد فون ایک نمازی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو۔"

دوسری طرف سے رعب دار آواز سنائی دی۔ "ہیلو .... ہم عبادت علی شاہ بول رہے ہیں۔"

نمازی نے کہا۔ "ایک گونگی لڑکی نے آپ کا نمبر ملا کر مجھے دیا ہے۔"

عبادت علی فجر کی نماز سے فارغ ہو کر بیڈ پر لیٹے ہوئے ریسیور کان سے لگائے دوسری طرف کی باتیں سن رہے تھے۔ گونگی لڑکی کا ذکر سنتے ہی وہ چونک کر اٹھ بیٹھے۔ پھر بے یقینی سے بولے۔ "کیا کہا .... گونگی؟ ایک گونگی لڑکی نے آپ کو ہمارا نمبر بتایا ہے؟"

انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد فون پر نواسی کی بے تکی آوازیں سنائی دیں۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔ "میری بچی، نانا کی جان! کہاں

ہو؟"

نمازی کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ وہ بولے۔ "ہم اس کی آواز لاکھوں میں پہچان سکتے ہیں۔ وہ ہماری نواسی ہے۔ خدارا جلدی بتائیں وہ کہاں ہے؟ ہم ابھی وہاں آئیں گے۔"

نمازی نے انہیں پتہ سمجھایا۔ وہ تشکر آمیز لہجے میں بولے۔ "بہت بہت شکریہ۔ آپ سے التجا ہے' اس معصوم کو پناہ دیں۔ ہمارے پہنچنے تک اس کی حفاظت کریں۔ اسے کسی اجنبی کے حوالے نہ کریں۔ ہم ابھی آ رہے ہیں۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ اس نمازی نے دوسرے افراد کو بتایا۔ "اس گونگی نے اپنے نانا سے بات کرائی ہے۔ وہ اسے لینے آ رہے ہیں۔"

جھاڑی کے پیچھے چھپی ہوئی نجمہ روتے ہوئے پریشانی سے بولی۔ "اس گونگی نے ضرور پولیس کو فون کرایا ہے۔ پولیس آئے گی تو میرا بچہ مجھے یہاں نہیں بلکہ تھانے میں ملے گا۔"

افضال نے رائے پیش کی۔ "منے کی وجہ سے ہم سب پکڑے جائیں گے۔ پولیس کے آنے سے پہلے منے کو اس گونگی سے لینا ہو گا۔"

نجمہ جذباتی لہجے میں بولی۔ "کچھ بھی ہو' کیسے بھی ہو' میں اپنے منے کو اس سے چھین لوں گی۔"

وہ جانے کے لئے اٹھنا چاہتی تھی۔ اچانک کسی کی مضبوط گرفت نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہاں عظمت کھڑا ہوا تھا۔ وہ بولی۔ "آپ؟"

پھر اس نے فہمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ گونگی لڑکی ہمارے بچے کو کہاں پہنچا رہی ہے' ابھی پولیس آنے والی ہے۔ اس نے فون کیا ہے۔"

"وہ بولا۔ "ہماری خیریت اسی میں ہے کہ ہم منے کو چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں۔"

وہ چیخ کر بولی۔ "نہیں .... میں اپنے بچے کو نہیں چھوڑوں گی۔ آپ کیسے باپ ہیں' کس دل سے اپنے بیٹے کو چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں؟"

افضال بھی کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے' عظمت بولا۔ "حالات کو سمجھو' ہم اپنا بچہ مانگنے جائیں گے تو وہ لوگ پولیس کے آنے تک ہمیں بٹھائے رکھیں گے۔ وہ گونگی ہمیں نہیں چھوڑے گی۔ ضرور گرفتار کرائے گی۔"

افضال نے کہا۔ "بھائی جان ٹھیک کہتے ہیں۔ ہم سب گونگی کو اغوا کرنے کے الزام

میں پکڑے جائیں گے۔"

عظمت بولا۔ "ہمیں کم از کم سات سال قید بامشقت کی سزا ملے گی۔"

نجمہ اپنا بازو چھڑاتے ہوئے بولی۔ "میں جیل میں زندگی گزار لوں گی۔ میرا بچہ تو میرے پاس رہے گا۔"

عظمت جھنجلا کر بولا۔ "احمق ہو' ماں کے ساتھ بچے کو جیل میں رہنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ ہم سب جیل میں رہیں گے اور باہر ہمارے بچے کا نہ جانے کیا حشر ہوتا رہے گا؟ ابھی تو ہم آزاد ہیں۔ دور سے اسے دیکھ رہے ہیں اور دور ہی دور سے اس کی نگرانی کرتے رہیں گے۔ تم اسے چھپ کر دیکھتی رہو گی تو تمہاری ممتا کو تسکین حاصل ہوتی رہے گی۔"

وہ عظمت کے سینے پر سر رکھ کر سسک پڑی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ اسے اٹھا کر لائے تھے' وہ ہمارے بچے کو اٹھا کر لے گئی ہے۔"

افضال کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ "بھائی جان! پولیس آ گئی۔"

نجمہ دوپٹہ منہ میں ٹھونس کر رونے لگی۔ ایک پولیس وین اور دو کاریں بستی میں داخل ہوئیں۔

عظمت پریشانی سے بولا۔ "او گاڈ' عبادت علی اور نفاست علی بھی آئے ہیں۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ گونگی اتنی چالاک ہو گی؟"

وہ تینوں گاڑیاں مسجد کے سامنے رک گئیں۔ پولیس وین سے انسپکٹر' چند سپاہی اور نفاست علی اتر کر باہر آئے اور دونوں کاروں میں سے مراد' حسرت اور عبادت علی باہر آئے۔

فہمی اپنے نانا جان کو دیکھ کر دوڑتی ہوئی آ کر ان سے لپٹ گئی۔ وہ اسے شفقت سے پچکارتے ہوئے بولے۔ "نانا کی جان! ہم آ گئے ہیں۔ اب تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔"

چھوٹی سی بستی میں ایک دم سے تین گاڑیاں آ گئی تھیں۔ تقریباً پوری بستی کے افراد وہاں جمع ہو گئے تھے۔ عورتیں کھڑکیوں اور دروازوں سے سوالیہ نظروں سے باہر جھانک رہی تھیں۔ مسجد کے سامنے ایک مجمع سا لگا ہوا تھا۔

عبادت علی ان تمام افراد کو دیکھ کر بولے۔ "آپ حضرات نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ہم یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔ ہم اس مسجد کو اور زیادہ وسیع و عریض بنانے کے لئے اور اس کے ساتھ مدرسہ قائم کرنے کے لئے دس لاکھ روپے عطیہ کے طور پر

دے رہے ہیں۔"

وہ نفاست کو مخاطب کر کے بولے۔ "نفاست! کل یہ رقم یہاں کی مسجد کمیٹی میں پہنچا دو۔"

وہ بولا۔ "ابا جان! آپ فکر نہ کریں' میں خود یہ رقم لے کر کل یہاں آؤں گا۔"

حسرت نے فہمی کی گود میں بچے کو دیکھ کر پوچھا۔ "یہ بچہ کس کا ہے؟"

فہمی اشاروں کی زبان میں سمجھانے لگی کہ یہ بچہ ایک عورت کا ہے وہ عورت فون کرتی تھی۔

جس نمازی نے فون کے ذریعے عبادت علی کو اطلاع دی تھی اس نے وہ موبائل فون ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ لڑکی اپنے ساتھ یہ موبائل فون لے کر آئی تھی۔"

انسپکٹر نے آگے بڑھ کر اس سے موبائل فون لے لیا۔ مراد سوچنے لگا' عورت .... بچہ .... یہ فون؟ حمیرا کی بھابی اپنے بچے کے ساتھ میکے گئی تھی۔ اس کے پاس ایک موبائل فون بھی تھا۔

انسپکٹر نے فہمی سے پوچھا۔ "یہ فون کس کا ہے؟ اسے کہاں سے لائی ہو؟"

وہ اشاروں میں سمجھانے لگی' یہ فون ایک عورت کا ہے۔ وہ اس پر باتیں کرتی تھی۔

عبادت علی بولے۔ "یہ اس عورت کا فون ہے' جو ہم سے ایک بڑی رقم کا مطالبہ کر رہی تھی۔"

انسپکٹر نے پوچھا۔ "کیا یہ ہمیں وہ جگہ دکھا سکتی ہے۔ جہاں اسے چھپایا گیا تھا؟"

نفاست بولا۔ "نہ جانے یہ کہاں سے بھٹکتی ہوئی آئی ہے؟ اسے وہ جگہ یاد نہیں ہو گی۔ یہ فون جہاں سے جاری کیا گیا ہے' وہاں سے اس عورت کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔"

عبادت علی نے کہا۔ "ہماری نواسی دو دنوں سے سہمی ہوئی ہے۔ آپ اس کی حالت دیکھیں۔ نہ جانے کیا کیا دکھ اور مصیبتیں جھیلتی رہی ہے؟ اب ہم اسے مزید پریشان نہیں ہونے دیں گے۔"

عبادت علی فہمی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے پلٹے تو مراد نے کہا۔ "یہ اسی عورت کا بچہ ہے۔ وہ اسے لینے ضرور آئے گی۔"

انسپکٹر بولا۔ "یہ ہماری کسٹڈی میں رہے گا۔ اس بچے کے ذریعے اس عورت کو آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔"

اس نے سپاہی سے کہا۔ "اس بچے کو لے چلو۔"

وہ بچے کو لینے کے لئے آگے بڑھا تو فہمی انکار میں سر ہلاتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔

عبادت علی اسے سمجھانے لگے۔ "بیٹی! اسے دے دو' یہ ہمارا نہیں ہے۔ پولیس والے اسے لے جائیں گے۔"

مراد بچہ لینے کے لئے آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "کیوں پرابلم بن رہی ہو؟ بچہ انہیں دو اور چلو۔"

وہ اسے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر دہشت زدہ سی ہو کر حسرت کے پیچھے جا کر چھپ گئی۔ حسرت نے کہا۔ "یہ امین ہے' امانت دار ہے' جس سے بچہ لیا ہے' اسی کو دے گی۔"

مراد بولا۔ "اصل ماں تو چھپی ہوئی ہے اور اور یہ خواہ مخواہ ممتا دکھا رہی ہے۔"

ایک سپاہی بچہ لینے کے لئے فہمی کی طرف بڑھا۔ اس نے جھک کر ایک پتھر اٹھایا اور اسے مارنے کے لئے آگے بڑھی تو حسرت نے اسے روک کر اشاروں سے سمجھایا۔ "بچہ تمہارے پاس ہی رہے گا۔ اسے کوئی نہیں لے گا۔"

پھر وہ عبادت علی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "دادا جان! آپ اس کی ضد اور غصہ پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ آج بھی اس کے تیور دیکھیں۔ اگر اس بچے کو اس سے چھینا گیا تو یہ آپ کے ساتھ نہیں جائے گی اور جائے گی تو پرابلم بنتی رہے گی۔"

عبادت علی نے قائل ہو کر انسپکٹر سے کہا۔ "اس کے دل میں نور ہے۔ جس ماں نے اسے قیدی بنا کر رکھا' اس پر ظلم کیا' یہ اس کے بچے کو اسی کے حوالے کرنا چاہتی ہے۔ آپ اسے ہمارے پاس رہنے دیں۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "جناب! یہ بچہ ہمارے پاس رہے گا تو ہم اس کے ذریعے اس عورت تک پہنچ سکیں گے اور اسے گرفتار کر سکیں گے۔"

وہ بولے۔ "یہ ہمارے پاس رہے گا' تب بھی آپ اس کے ذریعے اس عورت کو گرفتار کر سکیں گے۔"

"سوری .... یہ ہمارے طریقۂ کار کے خلاف ہے۔"

وہ فہمی کا بازو تھام کر گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ "آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ ہم فون کریں گے۔ آپ کے اوپر والے آپ کا طریقۂ کار بدل دیں گے۔"

وہ فہمی کے ساتھ کار کی پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئے۔ حسرت نے اسٹیرنگ سیٹ

سنبھال لی۔ نفاست اور مراد دوسری کار میں بیٹھ گئے۔ انسپکٹر سپاہیوں کو پولیس وین میں بیٹھنے کا حکم دے کر خود بھی ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

وہ تینوں گاڑیاں دھول اڑاتی ہوئی بستی سے باہر چلی گئیں۔ جھاڑیوں کے پیچھے چھپے ہوئے عظمت' افضال اور نجمہ بے بسی سے ان گاڑیوں کو نظروں سے اوجھل ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

نجمہ عظمت کو جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ "وہ میرے بچے کو لے جا رہی ہے۔ اسے روکیں .... عظمت! اسے روکیں۔ پولیس والے بھی ساتھ ہیں پتہ نہیں وہ میرے بچے کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے؟"

وہ چیختی ہوئی اٹھ کر اُن جانے والی گاڑیوں کی سمت میں دوڑنے لگی۔ وہ تیزی سے اُسے پکڑنے کے لئے آگے بڑھا اندھا دھند بھاگنے والی ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔

وہ اسے سنبھالنے کے لئے اس کے قریب زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ روتے ہوئے بولی۔
"عظمت! خدا کے لئے میرا بچہ مجھے لا دیں۔ ورنہ میں اس کے بغیر مر جاؤں گی۔"

وہ اسے بازوؤں میں سمیٹ کر تسلیاں دینے لگا۔ اس گونگی نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ وہ صرف تسلیاں ہی دے سکتا تھا۔

☆======☆======☆

عبادت علی پولیس والوں سے معاملات نمٹانے کے بعد فہمی کے ساتھ اس بچے کو بھی اپنے ساتھ لے آئے۔ مراد اور حسرت نے اپنی اپنی کاریں کوٹھی کے سامنے روک دیں۔

کوٹھی کے مین گیٹ کے باہر یوں لگ رہا تھا' جیسے بکرا منڈی یہاں ٹرانسفر کر دی گئی ہو۔ آٹھ عدد بکرے بمعہ قصائی کے وہاں موجود تھے۔ وہ لوگ اپنی اپنی گاڑیوں سے اتر کر حیرت سے یہ منظر دیکھنے لگے۔

عبادت علی نے پوچھا۔ "یہ جانور ہمارے دروازے پر کیوں ہیں؟"

نفاست علی نے کہا۔ "ان کے ساتھ قصائی بھی موجود ہے۔"

مین گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھلا۔ کبریٰ اور زیبی باہر آئیں۔ انہوں نے فہمی کو بڑے پیار سے مسکرا کر دیکھا۔

کبریٰ تیزی سے چلتی ہوئی اس کے پاس آ کر بلائیں لیتے ہوئے بولی۔ "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میری بیٹی خیر خیریت سے گھر آ گئی۔"

زیبی فہمی کی گود کے بچے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کبریٰ فہمی کے سر پر

شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "جب سے پیدا ہوئی ہے کسی نے عقیقہ نہیں کرایا' کبھی صدقہ نہیں اتارا۔ آج ان کالے بکروں کی قربانی دی جائے گی۔"

نفاست نے تعجب سے پوچھا۔ "اتنے بکروں کی قربانی؟"

وہ بکروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "وہ بکرا ابا جان کی طرف سے ہے' وہ آپ کی طرف سے' وہ بکرا میری طرف سے' وہ مراد' وہ حسرت' وہ زیبی اور وہ اسد کی طرف سے ہے۔"

وہ ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔ آٹھ بکروں کا بائیوڈیٹا سنا کر ہانپنے لگی تو حسرت ہنستے ہوئے بولا۔ "آپ تو پوری بکرا منڈی اٹھا لائی ہیں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "پورے پچاس ہزار کے ہیں۔ میں تو فہمی کے لئے پچاس کروڑ کے بکرے بھی قربان کر سکتی ہوں۔"

پھر وہ فہمی کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ "بیٹی! ادھر آؤ' ان بکروں پر ہاتھ رکھو۔ قصائی انہیں قربانی کے لئے لے جائے گا۔"

فہمی اس کی بات سمجھ نہیں پائی تھی۔ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حسرت نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔ پھر اسے بکروں کے پاس لا کر اشاروں میں سمجھانے لگا۔ "جیسے میں ان پر ہاتھ پھیر رہا ہوں' ویسے ہی تم بھی کرو۔"

وہ دونوں بکروں پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ زیبی کبریٰ کے پاس آ کر سرگوشی میں بولی۔
"ممی! بچہ ہے۔"

اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔ "کہاں ہے؟"

زیبی اسے کہنی مارتے ہوئے بولی۔ "فہمی کی گود میں۔ آپ کو نظر نہیں آ رہا ہے کیا؟"

اس نے فہمی کی طرف دیکھا۔ اس کی گود میں بچے کو دیکھ کر بولی۔ "اے بیٹی! مجھے تو فہمی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے' ہاں ہے تو سہی۔"

عبادت علی ایک طرف کھڑے ہوئے نواسی کو دیکھ رہے تھے' وہ بہو بیگم کے اس فعل سے بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

کبریٰ نے نفاست کے پاس آ کر پوچھا۔ "یہ بچہ کس کا ہے؟"

وہ ناگواری سے بولا۔ "اُسی عورت کا ہے جس نے فہمی کو قیدی بنا کر رکھا تھا۔"

وہ تعجب سے بولی۔ "انہوں نے اسے اغوا کیا اور یہ ان کا بچہ اٹھا لائی ہے؟"

نفاست کے برابر کھڑے ہوئے مراد نے کہا۔ "یہ گونگی دیکھنے میں معصوم اورناداں ہے' اندر سے بہت خطرناک ہے۔"

نفاست عبادت علی کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر بولا۔ "چپ رہو .... ابا جان آ رہے ہیں۔"

وہ ان کے قریب آ کر مراد کو مخاطب کر کے بولے۔ "مراد! تم اور حسرت گاڑیاں اندر لے آؤ۔"

فہمی بچے کو حسرت کے حوالے کر کے دوڑتی ہوئی کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ نفاست' حسرت اور عبادت علی بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر آ گئے۔ وہ باغیچے سے گزر کر کاٹیج کی طرف جا رہی تھی۔

نفاست اسے دیکھ کر ناگواری سے بولا۔ "یہ پھر پرابلم بنے گی۔"

عبادت علی الجھ کر بولے۔ "کیا مصیبت ہے؟ وہ کم بخت اس کے ذہن سے جونک کی طرح چمٹا ہوا ہے۔"

نفاست نے حسرت سے کہا۔ "یہ تمہاری بات مانتی ہے' اس پر کڑی نظر رکھو۔ یہاں سے باہر نہ جانے پائے۔"

عبادت علی اور نفاست کوٹھی کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

حسرت باغیچے سے گزر کر کاٹیج کی طرف بڑھنے لگا۔ فہمی دروازہ کھول کر کاٹیج سے باہر آئی۔ پھر حسرت سے اشاروں کی زبان میں جمال ہمدانی کے بارے میں پوچھنے لگی۔

وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ "وہ ہیں .... فکر نہ کرو۔ میں تمہیں ان کے پاس لے جاؤں گا۔"

وہ معصوم نہیں جانتی تھی کہ اسے ڈھیروں محبتیں دینے والے نانا جان اُسے اُس کے سگے رشتے اور سچی محبتوں سے دور کر رہے ہیں' باپ کے شفقت بھرے ہاتھوں کے سائے سے محروم کر رہے ہیں۔

نفاست علی اور عبادت علی ڈرائنگ روم میں آ کر صوفوں پر بیٹھ گئے۔ نفاست نے کہا۔ "دیکھا جائے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اسے حسرت اور باڈی گارڈ کے ساتھ ہسپتال بھیجا جا سکتا ہے۔"

"یہ وہاں جائے گی تو اسے چھوڑ کر یہاں نہیں آئے گی۔"

"یہی میں کہہ رہا ہوں' ابھی تو حسرت اسے سمجھا منا کر لے آئے گا۔ وہ سمجھ لے گی

کہ ہسپتال میں رہنے کی اجازت نہیں دی جاتی لیکن باتیں بنائی جائیں گی کہ اس زخمی اور بیمار کے پاس صرف وہ گئی۔ ہم کیوں نہیں گئے؟"

وہ ذرا ناگواری سے بولے۔ "ہمارا جانا ضروری نہیں ہے تم جا سکتے ہو۔"

"میں بھی نہیں جانا چاہتا۔ اس کی تیمارداری کے لئے وہاں دردانہ نام کی ایک عورت ہے۔ بڑی چرب زبان ہے۔ کسی لحاظ اور مروت کے بغیر تڑاخ سے بولتی ہے۔ ایک تو وہ پہلے سے کریلا تھا اوپر سے وہ نیم چڑھی ہے۔"

وہ بولے۔ "ٹھیک ہے' بہو بیگم اور حسرت وہاں جایا کریں گے۔"

نفاست پُرتشویش لہجے میں بولا۔ "جب اسے ہسپتال سے فارغ کیا جائے گا تب کیا ہو گا؟ وہ فہمی کا دعویدار بن کر سیدھا یہاں آئے گا۔"

وہ الجھ کر بولے۔ "پتہ نہیں ہم سے کون سا گناہ سرزد ہو گیا ہے؟ وہ مردود ہماری آخری سانس تک عذاب جان بن کر رہے گا۔"

حسرت بچے کو گود میں لئے فہمی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ ان کے پیچھے کبریٰ بھی وہاں آ گئی۔

فہمی عبادت علی کے برابر بیٹھتے ہوئے اشاروں میں پوچھنے لگی کہ وہ کاٹیج میں نہیں ہے۔ میں اس کے پاس جاؤں گی' وہ کہاں ہے؟

وہ اُسے اشاروں میں سمجھاتے ہوئے بولے۔ "حسرت تمہیں اس کے پاس لے جائے گا۔ تم بھی مصیبت بن رہی ہو مگر ہم تم سے نجات پانا نہیں چاہیں گے۔"

حسرت نے پوچھا۔ "دادا جان! اس بچے کو کون سنبھالے گا؟"

بچہ اس کی گود میں رو رہا تھا۔ وہ اسے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ بولے۔ "یہ بہت اہم ہے۔ اسے کبھی کوٹھی سے باہر نہیں لے جانا اس کی ماں ضرور یہاں آئے گی۔"

نفاست نے کبریٰ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کبریٰ! تم اسے سنبھالو۔"

اس نے چونک کر نفاست کی طرف دیکھا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "اتنے سے بچے کو میں کیسے سنبھالوں گی؟"

وہ بولا۔ "کیا تم نے اپنے بچے نہیں پالے؟ اسے اپنا سمجھ کر پالو' فہمی کو خوش کرو۔ ورنہ یہ بچے کو ہسپتال لے جانا چاہے گی۔"

اس نے بچے کو دیکھ کر ناگواری سے منہ بنایا۔ پھر پچاس کروڑ روپے کے ستون پر

کھڑے مستقبل کے خواب کی تعبیر کی خاطر جبراً مسکرائی فہمی کو خوش رکھنا بھی ضروری تھا۔

وہ حسرت کی گود سے بچہ لیتے ہوئے بولی۔ "تم جاؤ' یہ میرے پاس رہے گا۔"

عبادت علی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کبریٰ بے زار سی ہو کر بچے کو بہلانے لگی۔ فہمی مطمئن سی ہو کر حسرت کے ساتھ چلی گئی۔ ان کے جاتے ہی اس نے بچے کو ناگواری سے صوفے پر ڈال دیا۔ وہ رونے لگا۔ پھر ملازمہ کو آوازیں دیتی ہوئی بولی۔ "شبو! اسے اٹھا کر لے جاؤ۔"

نفاست نے کہا۔ "کیا کرتی ہو؟ ابا جان اس کے رونے کی آواز سن کر یہاں آ جائیں گے۔ اسے اٹھا کر چپ کراؤ۔"

وہ ناگواری سے اپنا لباس درست کرنے لگی۔ ملازمہ نے ڈرائنگ روم میں آ کر بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ کبریٰ بولی۔ "اسے لے جاؤ۔ بنن میاں سے کہو وہ بازار سے فیڈر لائے اور اس کے لئے دودھ تیار کرے۔ فیڈر آنے تک اسے چمچ سے دودھ پلاؤ۔ اسے چپ کراؤ.......... جاؤ یہاں سے۔ اس گھر میں ایک نہ ایک نئی مصیبت آتی رہتی ہے۔"

ملازمہ بچے کو لے کر وہاں سے چلی گئی۔

☆======☆======☆

حسرت فہمی کو لے کر ہسپتال پہنچا۔ وہ حیرت سے چاروں طرف دیکھتی ہوئی اس کے ساتھ ایک کمرے کے کھلے ہوئے دروازے کے پاس آئی۔ وہاں جمال بیڈ پر بیٹھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی دوڑتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور اس سے لپٹ گئی۔

جمال اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولا۔ "میری بیٹی' میری جان! ایسا لگ رہا ہے جیسے صدیوں کے بعد تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ میری طویل بے ہوشی نے تمہیں مجھ سے دور کر دیا تھا۔"

حسرت اندر آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ جمال کو اشاروں میں سمجھانے لگی کہ وہ منہ پر ڈھاٹا باندھنے والے مجھے پکڑ کر لے گئے تھے۔ ان کے پاس بندوق تھی۔

جمال نے حسرت سے پوچھا۔ "کیا ڈاکوؤں نے اسے پریشان کیا تھا؟"

"اسے جبراً لے گئے تھے اور واپسی کے لئے کروڑوں روپے کا مطالبہ کر رہے تھے۔"

"او خدایا! میری بچی پر کیسی کیسی مصیبتیں آتی رہتی ہیں؟ اُن ظالموں نے اسے پریشان کیا ہو گا؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "وہ کیا پریشان کریں گے' یہ انہیں پریشان کر رہی ہے۔ وہ لوگ قانون کی نظروں سے چھپتے پھر رہے ہیں۔"

وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔ "کیا مطلب' میں سمجھا نہیں؟"

"اس نے وہ کام کیا ہے جو بڑے بڑے سورما نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اسے اغوا کیا تھا' یہ اُن کے بچے کو اغوا کر کے لے آئی۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا..........؟"

وہ بتانے لگا۔ "اُس گینگ میں ایک عورت بھی تھی۔ اس نے بڑی ذہانت اور دلیری سے اُس کے بچے کو اپنے قابو میں کیا۔ اس بچے کے ساتھ جل مرنے کی دھمکی دی۔"

جمال حیرت سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ فہمی نے یہ سب کچھ کیا ہے۔

حسرت نے کہا۔ ”وہ عورت مجرم سہی لیکن ایک ماں تھی۔ اپنے بچے کو جل کر مرتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کی بلیک میلنگ کام آ گئی اور یہ اُس ننھی سی جان کو لے کر ہمارے پاس آ گئی۔“

جمال خوشی اور فخر سے فہمی کی پیشانی چوم کر بولا۔ ”میری جان! تم نے تو حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا ہے۔“

پھر اس نے حسرت سے پوچھا۔ ”وہ بچہ کہاں ہے؟“

”ہمارے پاس ہے۔ ہمارے گھر میں ہے۔“

وہ پریشانی سے سوچتے ہوئے بولا۔ ”وہ بدنصیب ماں تو اُس کے لئے تڑپ رہی ہو گی؟“

☆======☆======☆

بازی پلٹ چکی تھی۔ ان لوگوں کو دوسروں کی اولاد کو دکھ پہنچانے کا نتیجہ مل رہا تھا۔ نجمہ نے اپنے شوہر اور سسر کا ساتھ دیا تھا۔ فہمی کے معاملے میں اُن کی مدد کی تھی۔ اسے کیا معلوم تھا وہ اپنی اولاد سے محروم ہو جائے گی۔ اس کی گود ویران ہو جائے گی۔

اُس نے رو رو کر اپنا بُرا حال کر لیا تھا۔ گھر کی فضا میں سوگواری گھل گئی تھی۔ عظمت بیگ اور نجمہ کا دوسرا دو برس کا بیٹا ایسے ماحول میں سہما ہوا سا باپ سے لپٹا روتی ہوئی ماں کو دیکھ رہا تھا۔

حشمت بیگ بے چینی سے ٹہلتے ہوئے بولا۔ ”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بازی یوں پلٹ جائے گی؟ میں پانچ کروڑ کی بازی میں اپنے پوتے کو ہار رہا ہوں۔“

وہ روتی ہوئی بولی۔ ”آپ ہار سکتے ہیں لیکن میں نہیں ہاروں گی‘ اسے لے کر آؤں گی۔“

عظمت اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”میں تمہیں کتنی بار سمجھاؤں‘ ہمارا بچہ دیر سے ملے گا مگر ملے گا ضرور۔ صبر کرو۔ تم جلد بازی میں منے کو لینے وہاں جاؤ گی تو ہم سب پر مصیبت آئے گی۔“

”میں کب تک صبر کروں‘ کیا منا خود چل کر یہاں آئے گا؟ آج نہیں تو کل اسے لینے کے لئے وہاں جانا ہی ہو گا۔“

حشمت نے کہا۔ ”وہ یہی چاہتے ہیں۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہے ہیں کہ ماں اپنی ممتا سے مجبور ہو کر بچے کو لینے آئے گی۔ اس طرح وہ تمہارے ذریعے ہم تک پہنچ جائیں

گے۔“

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”اس کا مطلب ہے‘ میرا بچہ مجھے کبھی نہیں ملے گا؟“

عظمت نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ ”ملے گا‘ ضرور ملے گا.......... ذرا صبر کرو۔“

وہ بولی۔ ”اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہمارے ساتھ نہیں ہو گا۔ ہم کوئی نیکی نہیں کر رہے تھے۔ دوسروں کی اولاد کو چھیننے کا نتیجہ مجھے مل رہا ہے۔ آپ کا کیا جا رہا ہے؟ مگر ایک بات سن لیں اگر آپ نے کچھ نہ کیا تو میں اُسے لینے ضرور جاؤں گی۔“

عظمت نے دو برس کے بیٹے کو اس کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”تم اُسے لینے جاؤ گی تو اس پر آفت آئے گی۔ ہم سب جیل میں رہیں گے اور یہ جیل سے باہر منے کے ساتھ کہاں جائے گا؟ کون انہیں پناہ دے گا؟ سب انہیں ٹھوکروں میں رکھیں گے۔“

حشمت بیگ نے کہا۔ ”ہم نے انہیں ایک پتھر مارا‘ انہوں نے ہم پر پہاڑ توڑ دیئے۔ مگر ہم ٹوٹنے والے نہیں ہیں۔ انہیں توڑ کر رکھ دیں گے۔ جب گونگی کو اغوا کرا سکتے ہیں تو اپنے منے کو بھی وہاں سے اٹھوا سکتے ہیں۔“

وہ نجمہ کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ”اسی لئے تمہیں سمجھایا جا رہا ہے‘ صبر کرو‘ انتظار کرو۔ ہم اُسے واپس لے آئیں گے۔“

مجبور ماں سوائے آنسو بہانے کے اور کیا کر سکتی تھی؟ وہ دونوں اسے صبر کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ مگر جس ماں کا کلیجہ نوچ لیا گیا ہو اُسے کیسے صبر آ سکتا ہے؟

☆======☆======☆

بچہ ملازموں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ شبو اسے اپنے کوارٹر میں لے آئی تھی۔ اُسے سینے سے لگائے ٹہل کر بہلا رہی تھی۔ بن فیڈر میں دودھ لے کر وہاں آیا۔ پھر بولا۔ ”جب سے آیا ہے‘ دودھ ہی پیتا جا رہا ہے۔ بھینسیں پالنی ہوں گی۔“

شبو فیڈر اس کے منہ سے لگاتے ہوئے بولی۔ ”اس نے تو مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ سکون سے بیٹھنے ہی نہیں دے رہا ہے۔“

”اچھا ہے.......... پریکٹس کر لے‘ شادی کے بعد یہی کرنا ہو گا۔“

وہ گھورتے ہوئے بولی۔ ”پھر تُو نے شادی کی بات کی۔“

”کیوں نہ کروں‘ تیری وجہ سے میری شادی کھٹائی میں پڑ جاتی ہے۔“

”کیا میں تجھے منع کر رہی ہوں؟“

اس نے خوش ہو کر پوچھا۔ ”یعنی انکار نہیں کر رہی ہے؟“

شبو بچے کو دودھ پلانے میں مصروف تھی۔ اس نے بے دھیانی میں کہا۔ "ہاں۔"

اس نے پوچھا۔ "اس کا مطلب .... راضی ہے۔"

اس نے بے ساختہ کہا۔ "ہاں۔"

پھر چونکتے ہوئے پوچھا۔ "کیا.........؟"

وہ بولا۔ "ایک بار ہاں کہہ چکی ہے اور دو بار کہے گی تو نکاح ہو جائے گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "ہائے اللہ' اب میں تیری کسی بات پر ہاں نہیں کہوں گی۔"

بنن اس کی پریشانی سے محظوظ ہو رہا تھا۔ پھر بچے کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "تو اس بچے کو اکیلی نہیں سنبھال سکے گی۔ اس کی ماں بڑی سنگ دل ہے۔ ابھی تک اسے لینے نہیں آئی۔"

"تو کیا جانے؟ اُس کی ممتا مچل رہی ہو گی۔ وہ بے چاری اس کے لئے تڑپ رہی ہو گی۔"

وہ لاپرواہی سے بولا۔ "ٹی وی ڈراموں میں تو دیکھا ہے کہ مائیں اپنے بچوں پر قربان ہو جاتی ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا وہ جیل جانے کے خوف سے یہاں نہیں آ رہی ہے۔"

شبو بچے کو بڑی محبت سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "یہ میرا کوئی نہیں ہے مگر جب میں اسے سینے سے لگاتی ہوں تو میرے اندر ممتا جاگنے لگتی ہے۔ تُو دیکھ لینا' اس کی ماں اسے لینے ضرور آئے گی۔"

اس نے پوچھا۔ "وہ تجھ سے بچہ مانگنے آئے گی۔ تُو کیا کرے گی؟ اُسے بچہ دے گی یا پولیس کے حوالے کرے گی؟"

"بچہ تو ضرور دوں گی مگر اُسے سزا بھی دلاؤں گی۔ اس نے فہمی بی بی پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اُس نے ماں ہو کر نہیں سوچا کہ وہ بے زبان بچی بھی کسی کی اولاد ہے۔"

"ممتا بڑی خودغرض ہوتی ہے۔ صرف اپنی اولاد کے لئے پیدا ہوتی ہے۔ پرائی اولاد کے لئے مر جاتی ہے۔ تُو ٹھیک کہتی ہے' وہ اس بچے کے لئے ضرور آئے گی۔"

بچہ دودھ پی کر سو گیا تھا۔ شبو نے اسے بستر پر لٹا دیا۔

حسرت فہمی کو جمال ہمدانی سے ملوانے گیا تھا۔ وہ واپس آنے پر تیار نہیں ہو رہی تھی۔ حسرت نے اشاروں میں اُسے سمجھایا۔ "وہ بچہ جو تم لے کر آئی ہو۔ وہاں رو رہا ہو گا۔ بھوکا ہو گا' گھر چلو۔"

فہمی نے پریشان ہو کر جمال کی طرف دیکھا۔ اس نے اشاروں میں سمجھایا۔ "میں ٹھیک ہوں' تم گھر جاؤ۔ وہ اکیلا ہے۔ تم کل پھر حسرت کے ساتھ یہاں آ جانا۔"

وہ مطمئن سی ہو کر اُس کے ساتھ ہسپتال سے باہر آ گئی۔ اُس نے اشاروں میں فہمی سے کہا۔ "ہم اُس بچے کے لئے کھلونے لے کر جائیں گے۔"

اس نے خوش ہو کر "ہاں" کے انداز میں سر ہلایا۔ حسرت نے اپنی کار مارکیٹ کی طرف موڑ لی۔

بچہ کچھ دیر بعد ہی جاگ کر رونے لگا۔ ماں کی گود سے محروم ہو کر وہ کیسے سکون سے سو سکتا تھا؟ شبو اسے اٹھا کر بہلانے لگی۔ پھر اُسے لے کر کبریٰ کے پاس ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

"بیگم صاحبہ! یہ کب تک یہاں رہے گا؟"

وہ بچے کو دیکھ کر ناگواری سے بولی۔ "مصیبت کب تک رہتی ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ جب تک اس کی ماں نہیں آئے گی' وہ گوں .... گی۔"

وہ بولتے بولتے ٹھٹک گئی۔ ذرا سنبھل کر بولی۔ "میری فہمی بیٹی اسے کسی کے حوالے نہیں کرے گی۔"

پھر اُس نے پوچھا۔ "وہ تجھے کیسی لگتی ہے؟"

شبو نے کہا۔ "یہ لگتی نہیں .... لگتا ہے .... لڑکا ہے۔"

وہ الجھ کر بولی۔ "اسے چولہے میں ڈال' میں اپنی فہمی بیٹی کی بات پوچھ رہی ہوں۔ جوڑی کیسی رہے گی؟"

کبریٰ اپنا دوپٹہ درست کرتے ہوئے اُس سے فہمی کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ وہ بولی۔ "آپ کے ساتھ اچھی رہے گی۔"

وہ چونک کر بولی۔ "پاگل کی بچی' میں حسرت کی بات پوچھ رہی ہوں۔ دھیان سے سن۔ میں حسرت کی بات کر رہی ہوں' اب تُو اُس کے لئے کیسی رہے گی؟"

شبو نے نظریں جھکا کر شرماتے ہوئے سر پر آنچل رکھتے ہوئے کہا۔ "بیگم صاحبہ! میں تو نوکرانی ہوں۔ ان کے لئے کیسی رہوں گی؟ یہ فیصلہ آپ کریں۔"

وہ غصے سے بولی۔ "کبھی آئینے میں صورت دیکھی ہے' سر میں بھیجہ نہیں ہے' آم پوچھو تو املی کہتی ہے۔"

فہمی اور حسرت بہت سے کھلونے اور غبارے وغیرہ لے کر ڈرائنگ روم میں داخل

ہوئے۔

حسرت نے کبریٰ سے کہا۔ ''ممی! دیکھیں .... فہمی کھلونوں کا بازار اٹھالائی ہے۔ اس محبت کرنے والی کے لئے دشمن کا بچہ بھی پیارا ہے۔''

فہمی نے آگے بڑھ کر شبو سے بچہ لے لیا۔ پھر اشاروں میں پوچھنے لگی کہ اسے دودھ پلایا تھا؟

وہ سر ہلا کر بولی۔ ''ہاں .... دودھ پلایا ہے۔ یہ بہت روتا ہے۔''

وہ اسے سرخ غبارہ دکھا کر بہلانے لگی۔ کبریٰ اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولی۔ ''بیٹی! میرے پاس بیٹھا کرو۔ تمہیں میرے ہی پاس رہنا ہے۔ ابھی میں شبو سے تمہاری باتیں کر رہی تھی۔''

وہ گونگی اور بہری تھی۔ اس کے بہلانے پھسلانے والے جملوں کو نہیں سن سکتی تھی۔ وہ بچے سے کھیلنے میں مصروف تھی۔

کبریٰ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔ ''میں تو تمہارے ہی بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کتنی مہنگی بچی پیدا کی ہے؟ میرے تین بیٹے ہیں، تمہاری جیسی دو اور ہو جائیں تو میں حج کرنے چلی جاؤں گی۔''

حسرت اُسے ٹوکتے ہوئے بولا۔ ''ممی! دیواروں کے کان نہیں ہوتے آپ ایسی اور دو کی تمنا کر رہی ہیں۔ ساری عمر دیواروں سے سر پھوڑتی رہیں گی۔''

اُس نے چونک کر اُسے دیکھا۔ پھر پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ وہ بولا۔ ''ممی! فہمی کا دل جیتنا بہت بڑی آزمائش ہے۔''

فہمی نے کبریٰ کو اشاروں میں کہا۔ بچے کو پیار کرو۔

وہ ہچکچانے لگی۔ اس نے بچے کو گود میں لے کر جبراً پیار کیا۔ پھر اچانک چیخ مارتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بچے نے اس کے کپڑوں کو بھگو دیا تھا۔ وہ اُسے فہمی کے حوالے کر کے لباس کو جھٹکتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اس کی حالت پر حسرت، شبو اور فہمی ہنسنے لگے۔

معصوم سی بے زبان فہمی ہنستے ہوئے پھول کی طرح کھل گئی تھی۔ حسرت اُسے بڑی محبت اور اپنائیت سے دیکھ رہا تھا۔

☆======☆======☆

کالج میں امتحان ختم ہونے والے تھے۔ ایسے امتحان ہر سال کے آخر میں شروع ہو

کر جلد ختم ہو جاتے ہیں لیکن عالیہ ان سے فارغ ہو کر دوسرے امتحانوں میں الجھنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اسد بہت ضدی ہے، وہ واپس جا کر کبریٰ سے ضرور اپنی اور عالیہ کی شادی کا ذکر کرے گا اور وہ جانتی تھی کہ خالہ امی ہرگز اس کی یہ خواہش پوری نہیں کریں گی۔ بلکہ عالیہ سے بھی متنفر ہو جائیں گی۔

وہ اپنے کمرے میں تھی۔ الماری سے کپڑے نکال کر اٹیچی میں رکھ رہی تھی۔ اسد دروازہ کھول کر اندر آیا۔ پھر بولا۔ ''پیکنگ ہو رہی ہے؟''

اُس نے چونک کر اُسے دیکھا پھر سر ہلا کر بولی۔ ''ہاں۔''

''کل ہمارا آخری پرچہ ہے۔ پھر ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔''

وہ بیڈ کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''یہ بھی ہمارا گھر ہے۔ وہ بھی ہمارا ہی گھر ہے۔ ہم ایک آنگن سے نکل کر دوسرے آنگن میں جائیں گے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''ہاں .... مگر یہاں جیسی آزادی نہیں ملے گی۔''

''تم تو خالہ امی کے لاڈلے ہو۔ تمہیں کون زنجیریں پہنائے گا؟''

وہ بولا۔ ''میں اپنی نہیں، تمہاری بات کر رہا ہوں۔ تمہیں کسی گرین کارڈ والے کو HUNT کرنے کی آزادی نہیں ملے گی۔''

وہ ذرا غصہ سے بولی۔ ''مائنڈ یور لینگویج .... میں شکار نہیں کرتی ہوں۔ دستور کے مطابق رشتہ تلاش کرنا چاہتی ہوں۔ تعلیم کے بعد میں خالہ امی پر بوجھ بننا نہیں چاہتی۔''

وہ اپنے کالر درست کرتے ہوئے بولا۔ ''باہر جھانکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ گھر میں رشتہ موجود ہے۔''

عالیہ نے چونک کر اُسے دیکھا، پھر نظریں چراتی ہوئی بولی۔ ''میں نے تمہارے گھر میں بچپن سے پرورش پائی ہے۔ وہاں کے ماحول اور بزرگوں کے مزاج کو سمجھتی آئی ہوں۔''

''بہت زیادہ سمجھنے کا دعویٰ کر رہی ہو۔ چلو بتاؤ .... کیا سمجھتی آئی ہو؟''

وہ بولی۔ ''دادا جان اور تمہارے ڈیڈی ایسی بہوئیں لائیں گے، جو کم از کم کروڑ پتی ہوں گی اور اپنے ساتھ جہیز میں ایک آدھ مل یا فیکٹری لا سکیں گی۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ شادی بزرگوں کو نہیں، ہمیں کرنی ہے۔ شادی کاروبار نہیں

ہوتی۔ یہ تو دل سے ہوتی ہے اور بڑے پیار سے ہوتی ہے۔"

عالیہ اٹھ کر الماری کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "میں تم سے بحث نہیں کروں گی۔ جب ممی اور ڈیڈی کے سائے میں پہنچو گے اور دادا جان کے فیصلے سنو گے تو کالج کی تمام رومانوی باتیں بھول جاؤ گے۔"

وہ جذباتی انداز میں بولا۔ "میں اپنی محبت کالج سے گھر تک لے جا رہا ہوں۔ وہاں بھی اپنی محبت کا سکہ جماؤں گا۔"

وہ پلٹ کر بولی۔ "تم پاگل ہو۔ میں اپنے بارے میں تمہیں بتا چکی ہوں۔"

"تم پکی جھوٹی ہو' میں نہیں مانتا کہ ممی نے تمہیں دودھ پلایا ہے' میں کبھی نہیں مانوں گا۔"

وہ تیزی سے پلٹ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ اس کا لہجہ اور باتیں سن کر پریشان ہو گئی۔ بے بسی سے سوچنے لگی۔ "اُس گھر کے بزرگ سلگتی ہوئی لکڑیاں ہیں۔ یہ اُن پر تیل چھڑک کر انہیں بھڑکانا چاہتا ہے۔"

وہ چونک گئی۔ انجام کے بارے میں سوچ کر ہی اُسے جھرجھری آ گئی۔

☆======☆======☆

پورا دن گزر چکا تھا' نجمہ ابھی تک اپنے بچے کے لمس کے لئے تڑپ رہی تھی۔ عظمت باپ تھا' اسے بھی بچے سے بچھڑ جانے کا غم تھا لیکن وہ ماں کی طرح آنسو نہیں بہا سکتا تھا۔ وہ اپنے دو برس کے بیٹے کے ساتھ بیڈ پر سو رہا تھا۔

نجمہ فرش پر بیٹھی چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔ اُسے رہ رہ کر بچے کا خیال آ رہا تھا۔ ممتا بے قرار کر رہی تھی۔

وہ پریشانی سے سوچنے لگی۔ "نہ جانے وہ کس حال میں ہو گا' اسے کسی کونے میں ڈال دیا گیا ہو گا' پتہ نہیں اُسے کسی نے دودھ بھی پلایا ہو گا' یا نہیں؟ ماں یہاں ہے' وہاں کسی کے دل میں ممتا نہیں ہو گی۔ نہ جانے میرے بچے کا کیا حال ہو رہا ہو گا؟"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس نے ایک نظر سوئے ہوئے عظمت پر ڈالی۔ پھر دبے قدموں چلتی ہوئی کمرے سے باہر آئی پھر کوریڈور سے گزرتی ہوئی حشمت بیگ کے کمرے کے پاس پہنچی۔ کھڑکی سے اندر جھانک کر دیکھا۔ وہ اپنے بیڈ پر گہری نیند میں تھا۔

وہ مطمئن ہو کر دبے قدموں چلتی ہوئی کوٹھی کے احاطے سے گزر کر مین گیٹ سے باہر آ گئی۔

☆======☆======☆

دوسری طرف ممتا سے محروم بچہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔ فہمی اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ماں کی گود کی گرمی سے محروم وہ بچہ کسی طور نہیں بہل رہا تھا۔

حسرت اُس کی آوازیں سن کر فہمی کے کمرے میں آ گیا۔ پھر بچے کو اس کی گود سے لے کر خاموش کرانے کی کوششیں کرنے لگا۔ فہمی اُس کے رونے کی آوازیں نہیں سن کر سکتی تھی مگر اُس کی بے چینی دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی۔ اُس نے آگے بڑھ کر حسرت کی گود سے اُسے لے لیا۔

وہ اُسے اشاروں میں سمجھاتے ہوئے بولا۔ "لگتا ہے' اس کی ماں اسے لوریاں سنا کر سلاتی ہے؟ میں گا سکتا ہوں' مگر کوئی لوری یاد نہیں ہے۔ پھر میری آواز بھی اس کی ماں جیسی نہیں ہے اور تم گانا گنگنانا نہیں جانتی ہو۔"

فہمی اُس کے اشاروں کو سمجھ کر کچھ سوچنے لگی۔ اُس نے بچے کو بیڈ پر لٹا دیا اور خود الماری کی طرف بڑھ گئی۔

گھر کے تمام افراد بچے کے رونے کی آوازوں سے پریشان ہو رہے تھے۔ نفاست علی بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ کبریٰ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ وہ کسمسا کر اٹھ بیٹھی پھر ناگواری سے بڑبڑائی۔ "وہ گونگی ہی ہماری نیندیں حرام کرنے کے لئے کافی تھی۔ نہ جانے کس کا پلا اٹھا کر لے آئی ہے؟ اُس نے رو رو کر گھر کا سکون غارت کر دیا ہے۔"

عبادت علی بھی اس بچے سے بیزار تھے مگر فہمی کی خوشی اور ضد کے آگے مجبور تھے۔

فہمی نے ایک چھوٹا ٹیپ ریکارڈر آن کر کے بچے کے پاس رکھ دیا۔ جس لوری سے وہ بہلتی آئی تھی' جس کی آواز کی لہریں اسے نیند کی وادی میں پہنچا دیتی تھیں آج وہی لوری بچے کو سلانے کا فرض ادا کر رہی تھیں۔ پیار اور محبت کے جذبات میں ڈوبی اس لوری کو سن کر بچہ کچھ دیر مزید روتا رہا۔ پھر دھیرے دھیرے خاموش ہو گیا۔ فہمی نے خوش ہو کر حسرت کی طرف دیکھا۔ اس نے اشاروں میں سمجھایا۔ "لوری سن کر یہ چپ ہو گیا ہے۔ کچھ دیر بعد سو جائے گا۔"

☆======☆======☆

ممتا کی ماری مجبور اور بے بس ماں عبادت علی کی کوٹھی کی دیوار سے لگی اپنے کلیجے کے ٹکڑے کی آوازیں سن رہی تھی۔ وہ رو رہا تھا' ماں کی محبت بھری آغوش کو پکار رہا تھا۔

وہ اس کی آواز سن کر تڑپ کر رہ گئی۔ اس کا بچہ عبادت علی جیسے ارب پتی بزنس مین کے مضبوط قلعے میں بند تھا۔ وہ اس کی حدود کو پھلانگ نہیں سکتی تھی۔

اچانک اسے مردانہ لوری کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دی' اس نے چونک کر کوٹھی کی طرف دیکھا۔ اس کی بالائی منزل کی ایک کھڑکی سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے بچہ کے رونے کی آوازیں بھی اسی کھڑکی سے سنائی دے رہی تھیں لیکن اب وہ خاموش ہو گیا تھا۔

نجمہ نے سوچا۔ "شاید کوئی میرے بچے کو لوری سنا کر سلا رہا ہے؟"

وہ بڑی حسرت سے اوپری منزل کی کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ اچانک ایک مردانہ ہاتھ نے اس کا منہ اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ گرفت بہت مضبوط تھی۔ تکلیف کی شدت سے وہ تڑپ کر رہ گئی۔

وہ جو کوئی بھی تھا۔ اس کے عقب میں تھا۔ نجمہ گھبرائی ہوئی سی آنکھیں پھاڑے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوششیں کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد اسے جانی پہچانی مردانہ سرگوشی سنائی دی۔ گرفت میں جکڑنے والا کوئی اور نہیں' اس کا مجازی خدا عظمت بیگ تھا۔ وہ دانت پیس کر غصے سے غرایا۔ "تم نے ہم سب کو آہنی سلاخوں کے پیچھے قید کروانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ کیوں آئی تھیں یہاں؟"

اس کا منہ عظمت کے شکنجے میں تھا' وہ کوئی جواب نہیں دے پا رہی تھی۔ وہ دبی دبی سرگوشی میں بول رہا تھا۔ "کتنی بار سمجھایا ہے' منا تمہیں مل جائے گا مگر ایسا لگتا ہے کہ تمہاری اندھی ممتا اس سے پہلے ہمیں جیل بھجوا دے گی۔"

وہ ایک ہاتھ سے اس کا چہرہ دبوچے اور دوسرے ہاتھ سے اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا کوٹھی سے دور کھڑی کار کے پاس لے آیا۔ نجمہ خود کو اس سے چھڑانے کے لئے مچل رہی تھی۔

عظمت نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اسے اندر دھکیل دیا۔ وہ ایک جھٹکے سے سیٹ پر گر پڑی۔ اس نے فوراً ہی دروازہ بند کر کے تیزی سے آ کر اسٹیئرنگ سیٹ سنبھال لی۔ نجمہ بے بسی سے روتے ہوئے اس قلعہ نما کوٹھی کو حسرت سے تک رہی تھی۔

عظمت نے کار اسٹارٹ کر کے تیزی سے آگے بڑھا دی۔

عظمت ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر نجمہ کو بازو سے پکڑے اُسے کھینچتا ہوا اندر آیا۔ اسے ایک صوفہ پر گراتے ہوئے گرج کر بولا۔ "کیوں وہاں مرنے گئی تھیں؟ کیا تم نے

فیصلہ کر لیا ہے کہ ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگوا کر رہو گی؟"

وہ روتے ہوئے بولی۔ "میں آپ کی دشمن نہیں ہوں۔ میں چھپ کر گئی تھی۔ چادر کو منہ پر لپیٹ کر گئی تھی۔ کوئی مجھے پہچان نہیں سکتا تھا۔"

"تم بے وقوف ہو۔ چہرہ چھپانے سے کیا ہوتا ہے؟ اگر کوئی دیکھ لیتا کہ ایک عورت کوٹھی کے باہر کھڑی ہے تو وہ فوراً سمجھ جاتے کہ مجرم ماں اپنے بچے کے پاس آئی ہے۔"

حشمت بیگ وہاں آتے ہوئے بولا۔ "نجمہ! یہ کیا حماقت ہے؟ تم کیا چاہتی ہو؟ ہم اپنی کوٹھی' اپنی تمام جائیداد اور تمام کاروبار چھوڑ کر بھاگ جائیں؟ تم پر بھروسہ نہ کریں؟"

وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ عظمت نے اُس سے کہا۔ "تمہیں ہم سے محبت نہ سہی مگر اپنے بچوں سے بھی نہیں ہے۔ تمہیں کتنی بار سمجھاؤں؟ کیسے سمجھاؤں؟ تم بھی ہمارے ساتھ جیل میں رہو گی۔ تمہارے دونوں ننھے بچے در در کے بھکاری بن جائیں گے۔ تم ہم سے نہیں اپنے بچوں سے دشمنی کر رہی ہو۔"

وہ روتے ہوئے بے بسی سے بولی۔ "میں کسی سے دشمنی نہیں کر رہی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کر رہی ہوں؟ آپ ماں ہوتے تو سمجھتے' نہ جانے کیسی بے خودی میں چلی گئی تھی' میں اپنے آپ میں نہیں تھی۔"

حشمت نے کہا۔ "آئندہ بھی تم پر بے خودی طاری رہے گی' آئندہ بھی تم اپنے آپ میں نہیں رہو گی۔"

عظمت بولا۔ "کیا ہم یہ یقین کر لیں کہ تم ہم پر بُرا وقت لا رہی ہو؟"

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر روتے ہوئے بولی۔ "میں کیا کروں؟ آپ مجھے زنجیریں پہنا دیں۔ اس گھر کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیں۔ کچھ ایسا کریں کہ میں اپنے منے کے پاس نہ جا سکوں۔"

حشمت نے کہا۔ "ایک ہی راستہ ہے عظمت! اسے یہاں سے دور کسی پہاڑی علاقے میں لے جاؤ۔"

وہ تڑپ کر بولی۔ "نہیں' نہیں .... بچے سے دور ہو ہی گئی ہوں اور زیادہ دور نہیں جاؤں گی۔ یہاں رہ کر اُسے دور ہی دور سے دیکھتی رہوں گی۔"

وہ سسر کا فیصلہ سن کر گھبرا گئی تھی۔ وہ اُسے منے سے مزید دور کر دینا چاہتے تھے۔ وہ سوچنے لگی' جیسے تیسے بھی ہو صبر کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ بچے کو دیکھنا تو درکنار اُس کی آواز سننے سے بھی محروم ہو جاؤں گی۔

ایک ماں سے اس کی ممتا کا امتحان لیا جا رہا تھا اور وہ ہر حال میں اس کڑے امتحان میں کامیاب ہونا چاہتی تھی۔ ممتا کا گلا گھونٹنا آسان نہ تھا لیکن وہ اولاد کی خاطر اس پر بھی راضی ہو گئی تھی۔

☆======☆======☆

زبیر نے فراز کی شخصیت کو بدل ڈالا تھا۔ وہ قیمتی لباس میں واقعی رئیس زادہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک شاپنگ سینٹر کے سامنے مونا کی مرسڈیز میں بیٹھا ہوا تھا۔

سامنے ایک جیولری شاپ میں اُسے زیبی داخل ہوتی ہوئی نظر آئی۔ فراز کے موبائل فون سے بزر کی آواز سنائی دی۔ اُس نے اسے آن کر کے کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو۔"

دوسری طرف سے زبیر بول رہا تھا۔ "یہ لڑکی جو ابھی سبز رنگ کے لباس میں ملبوس جیولری شاپ میں گئی ہے اس کا نام زیبی ہے۔ جیسے میں نے سمجھایا ہے' اسے اُس طرح ٹریپ کرو۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ فراز موبائل فون آف کر کے کار سے باہر آیا اور بڑے باوقار انداز میں چلتا ہوا جیولری شاپ میں داخل ہوا۔ دکاندار زیبی کو سونے کے مختلف سیٹ دکھا رہا تھا۔ وہ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ دکاندار اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "جی .... فرمایئے؟"

وہ بولا۔ "ایک فرینڈ کو گفٹ دینا چاہتا ہوں۔ ہیرے کی اچھی سی انگوٹھی دکھائیں۔"

دکاندار نے ایک رِنگ باکس اُس کے سامنے رکھ دیا۔ پھر اُس نے زیبی سے پوچھا۔ "جی میڈم! کوئی ڈیزائن پسند آیا؟"

وہ بولی۔ "مجھے تو پسند آ رہا ہے' شاید میری کزن کو پسند نہ آئے؟ وہ تعلیم سے فارغ ہو کر آ رہی ہے۔ اُسے گفٹ دینا چاہتی ہوں۔"

دکاندار بولا۔ "آپ اُن کی پسند کا اندازہ تو کر سکتی ہیں؟"

"کیا اندازہ کروں' وہ بڑی نخریلی ہے۔"

فراز آج تک صرف اس کا حسین چہرہ ہی دیکھتا آیا تھا لیکن اب اُس کی کھنکتی ہوئی آواز دل کے تاروں کو چھیڑ رہی تھی۔

وہ مداخلت کرتے ہوئے بولا۔ "لڑکیاں چاہے کتنی ہی نخرے والی ہوں' مگر وہ مرد کی پسند کے زیور پہنتی ہیں۔"

زیبی نے چونک کر اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟"

وہ بولا۔ "ایک عام سی بات کہہ رہا ہوں' عورت کو زیورات سجاتے ہیں۔ مگر اس کی سجاوٹ ہماری تعریف کی محتاج رہتی ہے۔"

وہ بولی۔ "خوش فہمی ہے۔ لڑکیاں اپنی پسند سے' اپنی مرضی سے اور اپنے شوق سے زیورات پہنتی ہیں۔"

سیر کو سوا سیر مل گیا تھا۔ وہ بولا۔ "اس شوق کے پیچھے کوئی باذوق ہوتا ہے۔ یہ سجاوٹ اور دل کی چوری بعد میں پکڑی جاتی ہے۔"

وہ بھی ہار ماننے والی نہیں تھی۔ "میں نہیں مانتی۔"

وہ ایک سیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "مان جائیں گی آپ اپنی کزن کے لئے یہ سیٹ لے جائیں۔ اگر وہ آپ ہی کی طرح خوبصورت ہیں تو انہیں یہ ضرور پسند آئے گا۔"

اس نے کندھے اچکا کر پوچھا۔ "اور اگر نہ آئے تو؟"

وہ بولا۔ "میں اس سیٹ کی قیمت ادا کر رہا ہوں۔ انہیں پسند نہ آئے تو میں یہ رقم ہار جاؤں گا اور اگر پسند آ گیا تو آپ اس کی قیمت مجھے ادا کریں گی۔"

وہ ناک چڑھا کر بولی۔ "میں ان میں سے نہیں ہوں جو مفت کا مال لے جاتی ہیں۔ میں اس کی پوری قیمت ادا کر کے لے جاؤں گی۔"

پھر اس نے دکاندار سے پوچھا۔ "اس کی کیا قیمت ہے؟"

وہ بولا۔ "پینتالیس ہزار سات سو کا ہے۔ میں ابھی آپ کے سامنے تولتا ہوں۔"

فراز جیب سے نوٹ نکال کر گننے لگا۔ زیبی بھی اپنے بیگ سے نوٹ نکال کر گننے کے بعد دکاندار کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "یہ چھ ہزار ہیں۔"

فراز بھی دکاندار کی طرف روپے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ پینتالیس ہزار سات سو ہیں۔ نہ کم' نہ زیادہ۔"

وہ زیبی کے سامنے اپنا وزیٹنگ کارڈ رکھتے ہوئے بولا۔ "یہ میرا ایڈریس اور فون نمبر ہے۔ اگر آپ کی کزن کو یہ سیٹ پسند آئے گا تو میں یہاں اپنی رقم واپس لینے آؤں گا۔"

دکاندار نے پوچھا۔ "یعنی میں ڈبل پے منٹ رکھوں؟"

وہ بولا۔ "آپ کا کیا جاتا ہے؟ آپ ہماری ہار جیت کا تماشہ دیکھیں۔"

وہ پلٹ کر تیزی سے دکان سے باہر چلا گیا۔ زیبی اُس کے بارے میں سوچنے لگی۔ باوقار شخصیت اور جاذبِ نظر سا وہ چیلنجر پہلی ہی ملاقات میں اپنی دھاک بٹھا گیا تھا۔

☆======☆======☆

کبریٰ نے بچے کو سنبھالنے کی ذمہ داری شبو کو سونپ دی تھی۔ وہ اسے گود میں لئے کچن میں کرسی پر بیٹھی ہوئی بسکٹ کھانے میں مصروف تھی۔

بن چولہے پر چڑھی سالن کی ہانڈی میں چمچہ چلاتے ہوئے بولا۔ "گندے برتن صبح سے پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں دھو کر چمکا دے۔ ایک گھنٹے بعد کھانا لگانا ہے۔"

اس نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بن نے پلٹ کر دیکھا وہ بڑی محویت سے بسکٹ کھانے اور چائے پینے میں مصروف تھی۔

وہ ہاتھ نچاتے ہوئے بولا۔ "بیگم صاحبہ کی طرح پھیل کر بیٹھی ہے۔ صبح سے کچھ نہ کچھ کھائے جا رہی ہے۔ تجھے کام نہیں کرنا ہے؟"

وہ منہ میں نوالہ ٹھونستی ہوئی بولی۔ "کر تو رہی ہوں' دکھائی نہیں دیتا؟ بچہ سنبھال رہی ہوں۔"

وہ ایک گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے بولا۔ "ایک تو پہلے سے کام چور تھی' اب بچے کو سنبھالنے کا بہانہ مل گیا۔ میری تو مصیبت ہو گئی ہے۔ تیرے حصے کا کام بھی مجھے کرنا پڑتا ہے۔"

وہ شکایتی لہجے میں بولی۔ "پہلے تو بڑی لگاوٹ سے کہا کرتا تھا کہ میرے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اب کرنے کا وقت آیا ہے تو احسان جتا رہا ہے؟"

وہ بولا۔ "مرد کی زبان ایک ہوتی ہے۔ جب کہا ہے تو بہت کچھ کر کے دکھاؤں گا۔ مگر پہلے دو بول تو پڑھوا لے۔"

"میں کہہ چکی ہوں۔ میری اماں پاگل ہے' اس کا علاج کرا رہی ہوں۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی' تب میری شادی ہو گی۔"

وہ چولہے پر چڑھی ہانڈی میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "کب سے سن رہا ہوں؟ ٹھیک ہو جائے گی۔ وہ ٹھیک نہ ہوئی تو میں تیرے حصے کا کام کرتے کرتے بوڑھا ہو جاؤں گا۔"

شبو چائے کا آخری گھونٹ لے کر بولی۔ "تھوڑی اور چائے ملے گی؟"

وہ پلٹ کر بولا۔ "اب اٹھ بھی جا وہاں سے' دوسرے چولہے پر مونگ کی دال چڑھا دے۔"

وہ بچے کو دیکھ کر بولی۔ "کیسے اٹھوں' اسے کہاں سلاؤں؟ گود سے الگ کرتے ہی جاگ کر رونے لگتا ہے۔"

کبریٰ نے کچن میں آ کر بن سے پوچھا۔ "کھانے میں کیا ہے؟"

وہ ڈشیں گنوانے لگا۔ "چکن قورمہ' شامی کباب' مونگ کی دال' چپاتیاں اور تڑکا لگا کے چاول ہیں۔"

وہ شبو کی گود میں سوئے ہوئے بچے کو دیکھ کر بولی۔ "یااللہ خیر' یہ آج رات بھی سکون سے سونے نہیں دے گا۔ ابھی کتنے آرام سے سو رہا ہے' پھر رات بھر ہمیں جگائے گا۔"

اس نے شبو سے کہا۔ "اے! اسے زور کی چٹکی لے۔ جگا دے کم بخت کو' ابھی جاگتا رہے گا تو رات کو سوئے گا' ہمیں بھی سونے دے گا۔"

اُسے سوئے ہوئے معصوم سے بچے پر ترس آ رہا تھا۔ وہ اس کو گہری نیند سے جگانا نہیں چاہتی تھی۔

کبریٰ تیز لہجے میں بولی۔ "دیکھتی کیا ہے' ایک طمانچہ جڑ دے۔"

بن کو بھی اُس کا ظالمانہ حکم ناگوار لگ رہا تھا۔ شبو نے بڑے پیار سے اُسے جھنجھوڑا۔ وہ ذرا سا کسمسایا پھر سو گیا۔ کبریٰ نے آگے بڑھ کر ایک طمانچہ اس سوئے ہوئے معصوم بچے کے منہ پر دے مارا۔ وہ ہڑبڑا کر جاگ گیا اور چیخ چیخ کر رونے لگا۔

کبریٰ نے شبو سے کہا۔ "اب اسے بہلا کر چپ کرا۔ مگر دھیان رکھ یہ سونے نہ پائے۔"

وہ پلٹ کر کچن سے چلی گئی۔ شبو بچے کو چپ کراتے ہوئے بولی۔ "کیسی ظالم ہیں' بیچارا سکون سے سو رہا تھا۔ رلا کر چلی گئیں۔"

فہمی بچے کو ڈھونڈتی ہوئی پھر رہی تھی۔ اسے شبو بھی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ انہیں تلاش کرتی ہوئی کچن میں آئی۔ بن بچے کو ایک کھلونے سے بہلا رہا تھا۔

فہمی نے آگے بڑھ کر اُسے بن کی گود سے لیتے ہوئے اشاروں میں کہا کہ وہ اسے دادا جان کے پاس لے جا رہی ہے۔

عبادت علی اپنے کمرے میں ریسیور کان سے لگائے بول رہے تھے۔ "مسئلہ یہ ہے کہ ہماری نواسی سرپھری ہے۔ جب تک ماں نہیں آئے گی' وہ بچے کو نہ پولیس کسٹڈی میں جانے دے گی اور نہ ہی کسی فلاحی ادارے میں پہنچانے دے گی۔"

وہ دوسری طرف کی باتیں سننے لگے پھر بولے۔ "بے شک' یہ پولیس کیس ہے۔ بچے کو آپ کی کسٹڈی میں ہونا چاہئے لیکن ہم نے اپنی نواسی کے اغوا کے سلسلے میں ایف

آئی آر درج نہیں کرائی تھی۔ ہم یہ کیس ختم کرا سکتے ہیں۔ آپ ہمیں بار بار فون نہ کریں۔"

وہ ریسیور رکھتے رکھتے رک گئے۔ دوسری طرف سے کچھ کہا جا رہا تھا۔ وہ ذرا توقف کے بعد بولے۔ "بچے کی ماں آئے گی تو آپ کو اطلاع دے دی جائے گی یا کوئی ماں اپنے گمشدہ بچے کی رپورٹ درج کرائے تو آپ رجوع کریں۔ شکریہ۔"

انہوں نے فون بند کر دیا۔ فہمی بچے کو گود میں اٹھائے اُن کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں کچھ کھلونے اور غبارے بھی دبائے ہوئے تھے۔

وہ ان کھلونوں اور غباروں کو عبادت علی کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے اشاروں میں بتانے لگی کہ یہ ان کھلونوں سے کھیل کر بہت خوش ہوتا ہے۔

عبادت علی اس کی بچے سے بڑھتی ہوئی محبت دیکھ کر پریشان ہو کر زیر لب بڑبڑائے۔ "اگر یہ بچے سے اسی طرح مانوس ہوتی چلی گئی اور اس سے محبت بڑھتی چلی گئی تو یہ اسے خود سے الگ نہیں کر پائے گی۔ ماں آئے تو شاید اس کی گود میں بھی اسے نہیں دے گی۔"

نفاست دروازے پر کھڑا اُن کی پُر تشویش باتیں سن کر اندر آتے ہوئے بولا۔ "میں بھی یہی کہنے آیا ہوں۔ اس بچے نے کل رات نیند حرام کر دی۔ اسے یہاں سے دور کرنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ یہ اسے اپنی زندگی کا اہم حصہ بنا لے گی۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہم کئی بار دیکھ چکے ہیں' جب یہ ضد کرتی ہے تو ہمیں اپنے آگے جھکنے پر مجبور کر دیتی ہے۔"

انہوں نے تائیدانہ انداز میں سر ہلایا۔ پھر پوچھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟ بچے کو پولیس کسٹڈی میں دے دیا جائے؟"

وہ بچے سے کھیلتی ہوئی فہمی کو دیکھ کر بولا۔ "یہ نہیں مانے گی۔ اسے راضی کیا جائے کہ بچہ شبو کے پاس رہے گا۔ وہ اسے اپنے گھر لے جائے گی اور کبھی کبھی یہاں لایا کرے گی۔"

"شبو کسی پسماندہ علاقے میں رہتی ہے۔ وہ غیر محفوظ ہے۔ اغوا جیسی واردات کرنے والے مجرم بچے کو اس سے چھین کر لے جائیں گے۔"

وہ بولا۔ "آپ اوپر والوں سے بات کریں۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری تھانے والوں کو دی جائے گی۔ شبو کے گھر کے آس پاس سپاہی ڈیوٹی دیتے رہیں گے۔"

انہوں نے کہا۔ "ہم ابھی اسے سمجھائیں گے۔ تم جمال کی بات کرو۔ وہ ننگی تلوار کی طرح ہمارے سر پر لٹکا رہتا ہے۔"

اس نے پریشان ہو کر کہا۔ "وہ تو اب سر چڑھتا رہے گا۔ میں سوچ سوچ کر تھک گیا ہوں۔ اس سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے۔"

وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس نے ذرا توقف کے بعد کہا۔ "ہم فہمی سے دستبردار ہو جائیں۔ اسے اُس کے ساتھ جانے دیں لیکن یہ دانشمندی نہیں ہو گی۔"

وہ الجھ کر بولے۔ "یہ کچھ نہیں سمجھتی' اس نے ہمیں بھی سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔"

"دو چار دنوں میں جمال کی ہسپتال سے چھٹی ہو جائے گی۔ وہ سیدھا یہاں آئے گا۔"

وہ ناگواری سے بولے۔ "کچھ بھی ہو جائے' ہم اسے اپنے برابر بیٹھنے نہیں دیں گے۔ وہ پہلے بھی یہاں تھا۔ ہم سب سے الگ کاٹیج میں رہتا تھا' اب بھی یہاں رہے گا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"لیکن اب وہ ملازم کی طرح کاٹیج میں نہیں رہے گا۔"

وہ بولے۔ "اسے ایک ذرا ترقی دے دو۔ انیکسی میں کاٹھ کباڑ پڑا ہوا ہے۔ اس کی صفائی کرا دو۔ وہ جگہ اس کی رہائش کے لئے ٹھیک رہے گی۔"

"اس کے پَر نکل آئے ہیں۔ وہ برابری چاہے گا۔ یہاں فہمی کے ساتھ رہنے کی ضد کرے گا۔"

"وہ اپنی ضد سے گزرے گا تو بُری طرح پچھتائے گا۔ اُسے آنے تو دو۔"

سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں۔

وہ نہیں جانتے تھے کہ آنے والا وقت ان کے لئے پریشانیاں لائے گا' یا مسرتیں دے کر جائے گا؟

☆======☆======☆

نجمہ نے اپنے سینے پر صبر کا بھاری پتھر رکھ لیا تھا۔ ممتا کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ وہ اپنے شوہر اور سسر کر پُرسکون دکھائی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ عظمت کو کسی حد تک یقین ہو گیا تھا کہ وہ اب کوئی نادانی نہیں کرے گی لیکن حشمت بیگ اس کی طرف سے مطمئن

نہیں تھا۔ اُسے اندیشہ تھا کہ نجمہ پھر کوئی ایسا قدم اٹھا سکتی ہے جو انہیں تباہی کے دہانے پر پہنچا دے گا۔

حشمت بیگ اور عظمت دفتر جانے کے لئے کوٹھی کے احاطے میں کھڑی گاڑی کے پاس آئے۔ نجمہ بھی اُن کے ساتھ تھی۔

عظمت کار کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ "نجمہ! کیا میں بھروسہ کرلوں کہ تم گھر سے باہر قدم نہیں رکھو گی؟"

وہ بولی۔ "آپ کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ باہر جانا تو دور کی بات ہے' میں باہر جھانک کر بھی نہیں دیکھوں گی۔"

وہ مطمئن ہو کر کار میں بیٹھ گیا۔ حشمت بیگ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھی سے باہر چلا گیا۔

نجمہ ایک ذرا مطمئن ہو کر اندر آئی۔ اس نے حمیرا کے بیڈ روم کے دروازے کو دیکھ کر سوچا۔ "وہ دیر تک سوتی ہے۔ ابھی نہیں جاگے گی۔"

وہ دبے قدموں چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہاں اس کا دو برس کا بیٹا بسکٹ کھانے میں مصروف تھا۔ اس نے صوفے پر بیٹھ کر محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔

حشمت بیگ نے کچھ دور جا کر کار روک دی۔ عظمت نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کچھ بھول گئے ہیں؟"

اس نے کہا۔ "وہ تمہاری بیوی ہے' تم بھروسہ کرسکتے ہو میں نہیں کروں گا۔"

وہ کار کو ایک جگہ پارک کر کے اترتے ہوئے بولا۔ "اُس پر نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔"

عبادت علی کے کمرے میں فون کی گھنٹی سنائی دی۔ انہوں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو .... ہم عبادت علی شاہ بول رہے ہیں۔"

دوسری طرف سے ہچکچاتی ہوئی نسوانی آواز سنائی دی۔ "جی .... میں .... میں ہوں۔"

انہوں نے تعجب سے پوچھا۔ "میں کون؟"

"میں .... میں ایک بدنصیب .... ماں ہوں۔"

وہ آواز پہچانتے ہوئے بولے۔ "او......... تم ہو .... تمہاری آواز بہت دھیمی

ہے۔ وہ پانچ کروڑ کا مطالبہ کرنے والی گھن گرج سنائی نہیں دے رہی ہے۔"

نجمہ اپنے ڈرائنگ روم میں ریسیور کان سے لگائے روتے ہوئے بولی۔ "مجھے اپنے کیئے کی سزا مل رہی ہے۔ ایسی سزا دنیا میں کسی کو نہیں ملتی ہو گی۔ جرم میں نے کیا اور سزا میرے بچے کو مل رہی ہے۔"

ریسیور سے عبادت علی کی آواز ابھری۔ "اس معصوم بچے کو تم سزا دے رہی ہو' اسے ماں کی گود سے محروم کر رہی ہو۔ ہم نے تو دروازہ کھلا رکھا ہے۔ آتیں کیوں نہیں؟ آؤ .... اور اپنے دل کے ٹکڑے کو لے جاؤ۔"

حشمت بیگ اور عظمت ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے اندر کا منظر دیکھ رہے تھے۔ وہ دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔ الفاظ واضح سنائی نہیں دے رہے تھے لیکن انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ عبادت علی سے باتیں کر رہی ہے۔

وہ بے بسی سے روتی ہوئی بولی۔ "میں اپنی گرفتاری سے نہیں ڈرتی' جان پر کھیل کر آ سکتی ہوں' اپنے منے کو کلیجے سے لگا سکتی ہوں۔ مگر......... میرے شوہر کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ میرے ساتھ میرے اپنے بھی جیل جائیں گے۔ پورے خاندان کی بدنامی ہو گی۔"

انہوں نے پوچھا۔ "تو پھر کیا کرو گی؟ ہم نے تمہارے بچے کی پرورش کا ٹھیکہ نہیں لیا ہے۔ تم نے ہمیں پے منٹ کے لئے چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی تھی۔ ہم بھی چوبیس گھنٹوں تک تمہارا انتظار کریں گے۔ تم نہیں آؤ گی تو بچہ اس دروازے سے کبھی نہیں ملے گا۔ پتہ نہیں یہ کہاں سے کہاں پہنچا دیا جائے گا؟"

انہوں نے ریسیور رکھ دیا' رابطہ ختم ہو گیا' وہ ہیلو ہیلو کہتی رہی پھر ریسیور کریڈل پر رکھ کر رونے لگی۔ اسے روتا دیکھ کر بچہ بھی رونے لگا۔ وہ اسے گود میں اٹھا کر چپ کراتے ہوئے سوچنے لگی۔ "میرا منا وہاں روتا ہو گا تو نہ جانے کون اُسے چپ کراتا ہو گا؟"

حشمت بیگ اور عظمت کھڑکی کے ذریعے ڈرائنگ روم میں جھانک رہے تھے۔ نجمہ کو اٹھتے ہوئے دیکھ کر فوراً ہی ایک طرف ہٹ گئے۔

حشمت نے غصے سے دانت پیس کر کہا۔ "دیکھا تم نے؟ یہ عبادت علی سے باتیں کر رہی تھی۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا' اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔"

وہ بے بسی سے بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے؟ اس کی اندھی ممتا ہمیں لے ڈوبے گی۔"

"ایک بات تو صاف ہے۔ یہ زندہ رہی تو ہم مر جائیں گے۔"

عظمت نے چونک کر اُسے دیکھا' وہ بولا۔ "سوچ لو .... ہمیں عزت سے زندہ رہنا ہے یا نہیں؟ بیوی جائے گی تو دوسری آ جائے گی۔ مگر عزت ایک بار گئی تو پھر نہیں ملے گی۔"

وہ جلدی سے بولا۔ "نہیں .... یہ وفادار ہے۔ میری بات مانتی ہے' میں اسے سمجھاؤں گا۔ آئندہ یہ فون پر بھی اُن سے بات نہیں کرے گی۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "اونہہ .... تم سمجھاتے رہو گے اور پانی سر سے گزر جائے گا۔"

وہ اتنا کہہ کر تیزی سے چلتا ہوا کوٹھی سے باہر چلا گیا۔ عظمت نے نجمہ کے ساتھ چار برس گزارے تھے۔ وہ ایک اچھی شریک حیات ثابت ہوئی تھی۔ وہ اُسے کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔

دوسری طرف باپ بھی درست کہہ رہا تھا۔ اس کی اندھی ممتا کچھ بھی کروا سکتی ہے۔ وہ بہتی گنگا سے ہاتھ دھونا چاہتا تھا لیکن ناکام رہا۔ اب باپ کے کہنے پر اپنی وفادار اور محبت کرنے والی بیوی سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا تھا۔

نجمہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی بچے کو سینے سے لگائے رو رہی تھی۔ حمیرا گنگناتی ہوئی وہاں آئی۔ روتی ہوئی نجمہ کو دیکھ کر ٹھٹک گئی' پھر ناگواری سے بولی۔ "منے کے بغیر رہ نہیں سکتیں' پھر اُسے میکے چھوڑ کر کیوں آئی ہیں؟"

وہ اُس کی آواز سن کر چونک گئی۔ پھر اپنے آنچل سے آنسو پونچھنے لگی۔ وہ اُسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا' وہ دودھ پینے والا بچہ ہے۔ ایسی کیا آفت آ گئی ہے کہ اُسے دودھ سے اور اپنی ممتا سے محروم کر رہی ہیں؟"

نجمہ خاموش رہی' کوئی جواب نہ دے سکی۔ پہلو بدل کر اُس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

وہ بولی۔ "آپ تو ہمیشہ ہی مجھ سے منہ پھرتی رہتی ہیں' وہ ننھی سی جان ہے' اس سے تو منہ نہ پھیریں۔ میکہ دور نہیں ہے' صبح جائیں گی' شام کو آ جائیں گی۔ اُسے لے آئیں۔"

عظمت نے وہاں آتے ہوئے حمیرا سے کہا۔ "کیوں پریشان کر رہی ہو؟ منا سخت بیمار ہے۔ ایک بہت ہی تجربہ کار حکیم سے علاج کرایا جا رہا ہے۔ اس لئے وہ اپنی نانی کے پاس

ہے۔"

وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ "جب تمہاری اس سے بنتی نہیں ہے تو پھر اس کے معاملے میں کیوں بولتی ہو؟"

اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے' نہیں بولوں گی۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دودھ پینے والے بیمار بچے کے پاس ماں کو رہنا چاہئے لیکن اسے نانی کے پاس کیوں چھوڑ دیا گیا ہے؟"

نجمہ خاموشی سے بیٹھی ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ عظمت حمیرا کے سوالوں سے الجھ کر بولا۔ "یہ آج رات وہاں جائیں گی' تم اس کی فکر نہ کرو۔ اپنی بات کرو۔ تم نے کہا تھا کہ مراد پچیس لاکھ کا چیک دینے والا ہے۔ تین دن گزر چکے ہیں اس نے پچیس روپے کا بھی چیک نہیں دیا ہے۔"

"اُس کے حالات ایسے ہیں کہ میں رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔"

وہ بولا۔ "اُس نے کوئی مجبوری بیان کی ہو گی' کوئی بہانہ کیا ہو گا؟"

"وہ واقعی مجبور ہے' پریشان ہے' اس کی گونگی کزن کو اغوا کیا گیا ہے۔ میں نے ابھی اس سے بات کی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا' کزن اب تک واپس نہیں آئی ہے۔"

نجمہ اور عظمت نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ بے دھیانی میں بولا۔

"وہ واپس آ گئی ہے۔ مراد جھوٹ بول رہا ہے۔ رقم دینے سے کترا رہا ہے۔"

حمیرا نے تعجب سے پوچھا۔ "آپ کیسے جانتے ہیں کہ وہ واپس آ گئی ہے؟"

اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ بات بناتے ہوئے بولا۔ "آپ .... وہ .... یہ تو میں ایک اندازے سے کہہ رہا ہوں۔ وہ واپس آ گئی ہو گی۔ مراد تمہیں ٹال رہا ہے۔"

وہ اٹھ کر جاتے ہوئے بولی۔ "وہ ایسا نہیں ہے۔ جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔ وہ میری طرف سے ضرور سرمایہ لگائے گا۔"

وہ پلٹ کر چلی گئی۔ نجمہ نے کہا۔ "یہ مراد سے ملتی ہے' وہ اسے بتا سکتا ہے کہ ہمارا بچہ اُس کی کوٹھی میں ہے۔"

"مراد نہیں جانتا کہ وہ ہمارا بچہ ہے۔"

وہ بولی۔ "وہ حمیرا کو یہ تو بتائے گا کہ ایک بچہ وہاں ہے۔ کسی وقت یہ بات کھل سکتی ہے کہ منا میرے میکے میں نہیں ہے۔ وہ شبہ کر سکتی ہے کہ جو میکے میں نہیں ہے' جو یہاں نہیں ہے' وہ وہاں پہنچا ہوا ہے۔"

"میں اسے مراد سے ملنے نہیں دوں گا۔ پاپا سے کہوں گا' وہ اس پر سختی کریں گے۔ یہ ہمارے قابو میں آ جائے گی' مگر تم قابو سے باہر ہو رہی ہو۔ تم نے عبادت علی سے بات کی تھی؟"

نجمہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ چوری پکڑی جا چکی تھی۔ وہ سر جھکا کر بولی۔ "میں نے کسی کا نام اور پتہ نہیں بتایا ہے۔ میں کسی پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔ صرف اپنے بچے کا حال معلوم کرنا چاہتی تھی۔"

وہ بولا۔"اور حال معلوم کر کے بے حال ہو رہی ہو۔ یہی کرتی رہو گی تو کسی دن پولیس یہاں پہنچ جائے گی۔"

وہ شرمندہ سی ہو کر بولی۔ "مجھ سے بھول ہو گئی۔ آئندہ نہیں ہو گی۔"

وہ اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے بولا۔ "آؤ .... کہیں باہر چلیں .... تمہارا دل بہل جائے گا۔"

بچے کی جدائی سے جو صدمہ نجمہ کی ممتا کو پہنچا تھا وہ اُسے کم کرنا چاہتا تھا۔ وہ اُس کا دل بہلانے کے لئے گھر سے باہر لے گیا۔

☆======☆======☆

حشمت بیگ بالکونی میں بڑی بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔ وہ نجمہ کی طرف سے بہت فکرمند تھا۔ وہ اپنی اندھی ممتا سے مجبور ہو کر دو بار غلطیاں کر چکی تھی اور ان ہی غلطیوں کے باعث وہ حشمت بیگ کی نظروں میں قابل اعتماد نہیں رہی تھی۔

عظمت کی کار کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئی۔ وہ اور نجمہ اپنے دو برس کے بیٹے کے ساتھ کار سے اتر کر کوٹھی کے اندر چلے گئے۔ حشمت انہیں دیکھ کر تیزی سے پلٹا۔ پھر اپنے کمرے میں آ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ پھر کچھ سوچ کر کوریڈور میں آ گیا۔

عظمت کے کمرے سے اُس کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "نجمہ! تم کچھ پُرسکون دکھائی دے رہی ہو۔ میں روز تمہیں آؤٹنگ کے لئے لے جایا کروں گا۔ تمہارا دل بہلتا رہے گا۔"

حشمت کان لگا کر غور سے سننے لگا۔ نجمہ کی آواز سنائی دی۔ "آپ نے وعدہ کیا ہے' منے کو جلد ہی وہاں سے لے آئیں گے۔ آپ کی باتوں سے مجھے حوصلہ مل رہا ہے۔"

حشمت زیر لب ناگواری سے بڑبڑایا۔ "یہ جھوٹے دلاسے دے رہا ہے۔ یہ عورت بہلنے والی نہیں ہے۔ مصیبت لانے والی ہے۔ اتنی سی بات میرے بیٹے کی سمجھ میں نہیں آ

رہی ہے۔"

عظمت کی آواز سنائی دی۔ "دیکھو نجمہ! تم نادان نہیں ہو۔ حالات کو سمجھ رہی ہو۔ میں نے وعدہ ضرور کیا ہے مگر منے کو واپس لانے میں کچھ وقت تو لگے گا۔"

اس نے پوچھا۔ "معلوم تو ہو' کتنا وقت لگے گا؟"

وہ بولا۔ "تمہاری ایسی ہی بے چینی اور جلد بازی سے ہم سب کو نقصان پہنچے گا۔ ہمارے بچے کو بڑے آرام سے اور بڑے پیار سے رکھا گیا ہے۔ وہ کسی جھونپڑی میں نہیں' عالیشان محل میں ہے۔"

"دنیا کا کوئی عالیشان محل ماں کی گود سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔"

حشمت وہاں سے پلٹ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ "وہ ایک اندھی ماں ہے۔ اسے منے کے سوا کوئی نظر نہیں آ رہا ہے۔ ہم تو جیتے جی اس کے سامنے سے مٹ گئے ہیں۔ وہ اندھی خودغرض ماں ہمیں مٹا دے گی۔"

وہ سوچتے سوچتے ٹھٹک گیا۔ زیر لب بڑبڑایا۔ "وہ ہے تو اندیشے ہیں' موت ہے' بدنامی ہے۔ وہ نہیں رہے گی تو تمام اندیشے ختم.........."

وہ کچھ سوچ کر الماری کی طرف بڑھا۔ پھر اُسے کھول کر اُس نے دراز میں سے ایک دوا کی شیشی اور سرنج نکالی۔

اُس نے چور نظروں سے چاروں طرف دیکھا پھر اُس شیشی میں سے دوا کی کچھ مقدار سرنج میں بھر لی۔

حشمت کو یاد آ رہا تھا' کچھ عرصہ پہلے اس نے عظمت سے کہا تھا۔ "تمہاری بچپن کی عادت نہیں گئی۔ اب بھی منجن سے دانت مانجھتے ہو' تمہیں پیسٹ استعمال کرنا چاہئے۔"

عظمت بیگ واش روم میں منہ ہاتھ دھو رہا تھا' وہ منہ بسور کر بولا۔ "او نو پاپا! پیسٹ عجیب سا لگتا ہے۔ اسے منہ میں رکھتے ہی مجھے ابکائی آنے لگتی ہے۔"

حشمت واش روم میں داخل ہوتے بولا۔ "عجیب بیک ورڈ جوان ہو؟ ابکائی کیسے آئے گی؟"

اس نے آگے بڑھ کر کیبنٹ سے ٹوتھ پیسٹ ٹیوب نکالی اور زبردستی برش پر پیسٹ لگاتے ہوئے بولا۔ "یہ لو .... میرے سامنے استعمال کرو۔"

"نہیں پاپا! منہ کا مزہ خراب ہو جائے گا۔ زبان کا ذائقہ بدل جائے گا۔"

وہ برش اُس کے منہ کے قریب کرتے ہوئے بولا۔ "یہ کوئی کھانے کی چیز نہیں

ہے۔ ذائقہ نہ دیکھو' اسے استعمال کرو۔"

وہ زبردستی بیٹے کے دانتوں پر پیسٹ لگاتا ہوا برش رگڑنے لگا۔ وہ منہ بسورنے لگا۔

پھر ایک دم سے اسے ابکائیاں آنے لگیں۔ اس نے باپ کے ہاتھوں سے برش چھین کر ایک طرف پھینکا اور پانی سے کلیاں کرنے لگا۔

حشمت بیٹے کی حالت پر ہنس رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "تم واقعی کبھی ٹوتھ پیسٹ استعمال نہیں کر سکو گے۔ بیک ورڈ نوجوان!"

حشمت بیگ الماری کو بند کر کے پلٹا' وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کا بیٹا منجن استعمال کرتا ہے لیکن .... لیکن نجمہ .... ٹوتھ پیسٹ سے دانت صاف کرتی ہے۔

وہ دوا سے بھری سرنج کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔

اس نے اپنے اور اپنے خاندان کے مستقبل کی حفاظت کے لئے ایک بہت اہم فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ فیصلہ اسے تمام الجھنوں سے نکالنے میں معاون ثابت ہونے والا تھا۔ اُس نے سوچ لیا تھا کہ آج رات ہی اس پر عمل کر ڈالے گا۔

☆======☆======☆

زبیر اپنے منصوبے کے مطابق زیبی پر پہلا جال پھینک چکا تھا اور فراز کی اطلاع کے مطابق وہ کسی حد تک اس میں کامیاب رہا تھا۔ اب دوسرا جال پھینکنے کے لئے وہ نعیم اور مونا کے ساتھ اپنی کار میں ایک شاپنگ سینٹر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

ان سے کچھ فاصلے پر زیبی کی کار آ کر رکی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر آئی۔ اُسے لاک کر کے شاپنگ سینٹر کی طرف بڑھ گئی۔

نعیم اور زبیر کار سے اتر کر چور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس کی کار کے پاس آئے۔ پھر انھوں نے جھک کر کار کے پچھلے دونوں پہیوں کو پنکچر کر دیا۔ اس کارروائی سے فارغ ہو کر وہ اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے اور اس کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگے۔

کچھ دیر بعد وہ شاپنگ سینٹر سے باہر آتی ہوئی دکھائی دی۔ زبیر نے موبائل فون کے ذریعے فراز سے رابطہ کر کے کہا۔ "الرٹ ہو جاؤ' وہ اپنی گاڑی کی طرف آ رہی ہے۔ کچھ دیر بعد ہی تم منصوبے کے مطابق وہاں پہنچ جانا۔"

ان سے ذرا فاصلے پر فراز اپنی کار میں موبائل فون کان سے لگائے زیبی کو کار کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

زیبی ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے پیکٹوں کو پچھلی سیٹ پر رکھنے لگی۔ ایسے ہی وقت

اس کی نظر گاڑی کے پچھلے پہیے پر پڑی۔ وہ اُس پر پاؤں مارتے ہوئے بڑبڑائی۔ "شٹ .... کیا مجھے ٹیکسی میں جانا ہو گا؟ ستار ہوتا تو پہیہ بدل دیتا۔"

فراز نے اپنی کار اسٹارٹ کی۔ پھر اس کے قریب روکتے ہوئے بولا۔ "کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں؟"

زیبی اُس کی آواز سن کر چونک کر پلٹی۔ وہ مصنوعی حیرانی سے بولا۔ "ارے .... تم تو وہی ہو۔ کیا تمہاری کزن کو وہ سیٹ پسند آیا؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "وہ ابھی نہیں آئی ہے۔ آئے گی تو اُسے وہ PRESENT کروں گی۔"

اس نے پوچھا۔ "ابھی کیا مسئلہ ہے؟"

وہ پہیے کو دیکھ کر بولی۔ "ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔ ٹیکسی کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"ٹیکسی میں کیوں؟ جہاں جانا چاہتی ہو' میں پہنچا دوں گا۔"

وہ کندھے اچکا کر بولی۔ "میں کسی اجنبی سے لفٹ نہیں لیتی۔"

"ہم اجنبی تو نہیں ہیں۔ ہمارے درمیان ہار جیت کا رشتہ جاری ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "وہ ایک الگ بات ہے۔ میں کسی کے ساتھ کار میں نہیں بیٹھتی۔"

وہ اُسے چیلنج کرنے کے انداز میں بولا۔ "تمہارے اندر خود اعتمادی کی کمی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

وہ ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ "زبان سے نہ کہو .... ثابت کرو۔"

اس نے کھلے ہوئے دروازے کو ایک نظر دیکھا۔ پھر کچھ سوچ کر بیٹھ گئی۔ فراز نے مسکراتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔

نعیم' زبیر اور مونا اپنی کار میں بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ نعیم نے زبیر کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا۔ "مچھلی کانٹے میں پھنس رہی ہے۔"

مونا بولی۔ "بڑی ناک لگاتی تھی۔ اعلیٰ خاندان' شجرہ حسب و نسب۔"

زبیر اپنے منصوبے میں کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔

فراز کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اُسے اپنی قسمت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ خوابوں میں آنے والی کبھی یوں حقیقت میں اُس کے برابر آ کر بیٹھ جائے

گی۔ وہ ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ اس کے حواس پر عجیب سی بے خودی طاری تھی۔

زیبی کی کھنکتی ہوئی آواز سن کر وہ چونک گیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ اُدھر میری کار بے کار ہوئی' اِدھر تم کار لے کر پہنچ گئے۔ کیا یہ محض اتفاق ہے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "یہ اتفاق نہیں ہے۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "پھر.........؟"

"حسن اتفاق ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "باتیں خوب بناتے ہو۔ کرتے کیا ہو؟"

"اپنے ڈیڈی کا بزنس سنبھالتا ہوں۔ اوورسیز میں ہمارا کاروبار پھیلا ہوا ہے۔"

وہ اُسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "مجھے ایسا لگتا ہے' میں نے پہلے بھی تمہیں کہیں دیکھا ہے؟"

وہ بات بناتے ہوئے بولا۔ "میں تو تمہیں دن رات دیکھتا ہوں۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "مجھے دن رات دیکھتے ہو' وہ کیسے؟"

فراز نے ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر ایک تصویر نکال کر اُسے دی۔ وہ اُس تصویر کو دیکھ کر حیرت سے بولی۔ "یہ تو میری تصویر ہے۔ تمہیں کہاں سے ملی؟"

وہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ "مقدر سے ملی ہے۔"

وہ اُس اجنبی کے پاس اپنی تصویر دیکھ کر الجھ گئی تھی۔ بولی۔ "پلیز......... باتیں نہ بناؤ۔ سچ بتاؤ' یہ کہاں سے ملی ہے؟"

وہ بولا۔ "اس کے پیچھے دیکھو۔ فوٹوگرافر کے نام اور پتے کی مہر لگی ہے۔"

اس نے تصویر کو پلٹ کر دیکھا' وہ بولا۔ "میں نے اس فوٹوگرافر کے اسٹوڈیو میں تمہاری تصویر دیکھی تھی۔ دل نے مجبور کیا۔ اسے منہ مانگا معاوضہ دے کر ایسی ایک درجن تصویریں بنوالیں۔"

اس نے حیرت سے کہا۔ "ایک درجن تصویریں.........؟"

"ہاں .... ایک کار میں رہتی ہے' ایک ڈائری میں' ایک الماری میں' ایک آفس میں' ایک بیڈ روم میں اور ایک تکیئے کے نیچے........."

وہ بولی۔ "بس .... بس آگے نہ بولو۔ تمہاری اس دیوانگی کا مجھ پر اثر نہیں ہو گا۔"

اس نے کہا۔ "میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ تمہیں عاشقانہ انداز میں متاثر کروں

گا۔ ہاں .... دوستی کے لئے ضرور سوچا ہے۔ کیا ہم دوست نہیں بن سکتے؟"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ فراز ہر لحاظ سے آئیڈیل شخصیت کا مالک تھا۔ کوئی بھی لڑکی اُسے اپنا دوست بنانے میں فخر محسوس کر سکتی تھی۔

وہ اسے خاموش دیکھ کر بولا۔ "دوستی جبراً نہیں ہوتی۔ دل مانے تو ہو جاتی ہے۔ کیا تمہارا دل مانتا ہے؟"

وہ کوئی جواب نہ دے سکی' منہ پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ زبیر سے دوستی کرنے کا انجام آنکھوں کے سامنے تھا۔ یہ بھی دوستی کی دعوت دے رہا تھا۔ اس نے فراز سے نظریں چرالی تھیں۔ مگر دل بے ایمان چور نظروں سے اُسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فراز چپ چاپ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ وہ اس کی کشمکش کو سمجھ رہا تھا۔ لڑکیاں فوراً ہی ہاں نہیں کر دیتیں۔ ناز نخرے ضرور دکھاتی ہیں۔ خاموشی سے منہ پھیر لینا بھی ایک ادا ہے۔ اس کی یہ ادا بھی اُسے پیاری لگ رہی تھی۔

☆======☆======☆

رات کے دو بج چکے تھے۔ حشمت بیگ اب تک جاگ رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ دل و دماغ میں جنگ جاری تھی۔ اس نے اپنے فیصلے پر عمل کر ڈالا تھا اور اب بے قراری سے اس کے نتائج کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ نتیجہ صبح ہی سامنے آئے گا۔ مگر وہ بے چین تھا۔ اس نے دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھا' ایک گہری سانس لے کر کمرے کے دروازے کے پاس آیا پھر کچھ سوچ کر دروازہ کھول کر باہر آگیا۔

کوریڈور ویران پڑا تھا۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا بیٹے اور بہو کے کمرے کے پاس آ کر رک گیا پھر دروازے سے کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اندر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

وہ پلٹ کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ لیٹنے کا ارادہ کیا تو بستر پر انگارے سے محسوس ہونے لگے۔ وہ مضطرب سا ہو کر وہاں سے اٹھ کر ایزی چیئر پر آ بیٹھا اور آنکھیں بند کر کے نیم دراز ہو گیا۔

ثمیرا بیڈ پر سو رہی تھی' اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں' انگڑائی لیتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتی ہوئی واش روم میں آئی۔ کیبنٹ کھول کر ٹوتھ برش اور ٹوتھ پیسٹ نکالا تو اس نے ناگواری سے منہ بنایا کیونکہ ٹیوب پچکا ہوا تھا۔ اس نے

اس کا کیپ کھول کر پیسٹ نکالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

وہ کچھ سوچ کر کمرے سے باہر آئی اور کوریڈور سے گزرتی ہوئی عظمت کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد ہی اس کی دلدوز چیخ کوٹھی کے سناٹے کو چیرتی چلی گئی۔

حشمت بیگ نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس نے سرنج کے ذریعے نجمہ کے ٹوتھ پیسٹ ٹیوب میں زہر انجکٹ کیا تھا تاکہ وہ صبح اٹھ کر اسے استعمال کرتے ہی سر سے بوجھ کی طرح اتر جائے۔

لیکن خلاف توقع بیٹی کی چیخ نے اُسے توڑ کر رکھ دیا۔ اس کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی اس زہر کا نشانہ بن چکی تھی۔ وہ چیختا ہوا کمرے سے باہر کوریڈور میں آیا۔ "نہیں ...... میری بچی! ...... حمیرا!"

اس نے عظمت کے کمرے کا دروازہ کھولنا چاہا تو وہ اندر سے لاک تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا۔ اس کا پردہ ذرا سا سرکا ہوا تھا۔ اندر پہلے جیسی گہری خاموشی تھی۔ وہ دونوں بے خبر سو رہے تھے۔

حشمت نے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ حمیرا کی چیخ سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا اس کے کمرے کے پاس آیا۔ پھر دروازے کو آہستگی سے کھول کر اندر جھانکنے لگا۔ حمیرا اپنے بیڈ پر گہری نیند میں دکھائی دی۔

اس نے پریشان ہو کر سوچا۔ "اگر یہ یہاں ہے تو پھر وہ چیخ؟؟"

وہ سوچتے سوچتے چونک گیا۔ پھر مطمئن ہو کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ ایزی چیئر پر بیٹھے بیٹھے نہ جانے کس پہر اس کی آنکھ لگ گئی تھی؟ اسی دوران اُس نے وہ بھیانک خواب دیکھا تھا کہ نجمہ کے بجائے اس پیسٹ کو حمیرا نے استعمال کر لیا تھا۔

اس نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا' صبح کے چھ بج چکے تھے۔ وہ کرسی سے اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

دوسری طرف عظمت بیگ اور نجمہ بچے کی رونے کی آواز سن کر جاگ گئے تھے۔ شاید اس نے کوئی بھیانک خواب دیکھ لیا تھا۔ وہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔ نجمہ اسے بہلانے لگی۔ عظمت اٹھ کر واش روم میں چلا گیا۔

کچھ دیر بعد اس نے دروازے سے جھانک کر کہا۔ "نجمہ! منجن ختم ہو گیا ہے۔"

وہ بچے کو گود میں کھلاتی ہوئی بولی۔ "فی الحال ٹوتھ پیسٹ استعمال کریں۔ مجھے یاد

نہیں رہا تھا۔ مارکیٹ کھل جائے تو ملازم سے منگواؤں گی۔"

وہ ناگواری سے منہ بنا کر بولا۔ "جانتی ہو کہ میں ٹوتھ پیسٹ استعمال نہیں کرتا۔ اس سے تو منہ کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے۔"

"تھوڑا سا استعمال کر لیں' کچھ نہیں ہو گا۔"

اس نے منہ بسورتے ہوئے ذرا سا پیسٹ ٹوتھ برش پر لگایا۔ نجمہ بچے کو بسکٹ کھلا رہی تھی۔ اسے واش روم سے عظمت کے کراہنے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ غور سے سننے لگی۔ پھر اچانک اس کی دلدوز چیخ سنائی دی۔ وہ تیزی سے اٹھ کر واش روم میں آئی۔ عظمت فرش پر گر کر تڑپ رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر اسے آوازیں دیتی ہوئی اس کی طرف جھکی تو اس کا سر واش بیسن سے ٹکرا گیا۔ زوردار ضرب کے باعث اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ وہ عظمت کے پہلو میں زمین بوس ہوتی چلی گئی۔

حشمت بیگ بیٹے کی چیخ سن کر تیزی سے چلتا ہوا اس کے کمرے میں آیا۔ واش روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ عظمت اور نجمہ دونوں فرش پر پڑے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ عظمت کو آوازیں دیتا ہوا آگے بڑھا۔ "بیٹے! افسوس نہ کرو۔ تم سلامت رہو گے تو دوسری تیسری بیوی آ جائے گی۔ جو ہونا تھا' وہ ہو چکا ہے۔ ہم اسے طبعی موت ثابت کریں گے۔"

وہ سمجھ رہا تھا کہ بیٹا اپنی بیوی کے مرنے کا ماتم کر رہا ہے۔ وہ واش روم کے دروازے پر آ کر ٹھٹک گیا۔ عظمت کو آوازیں دینے لگا۔ مگر وہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کے بنائے ہوئے منصوبوں پر عمل کرنے والا فرمانبردار بیٹا آج باپ کے بنائے ہوئے جال میں پھنس چکا تھا۔

حشمت حیرت سے اور بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور اسے جھنجھوڑ کر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ "عظمت! بیٹا اٹھو ...... عظمت!"

ایسے وقت نجمہ نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر کراہتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

حشمت حیرت سے آنکھیں پھاڑے مردے کو زندہ اور زندہ کو مردہ ہوتے ہوئے دیکھنے لگا۔ پھر صدمے سے چیخ کر عظمت کو جھنجھوڑنے لگا۔ "عظمت نہیں ...... میرے بیٹے کچھ نہیں ہوا ...... یہ زندہ ہے ...... یہ زندہ ہے۔ اسے کچھ نہیں ہو گا۔"

وہ فرش پر اپنا سر پٹخنے لگا۔ جوان بیٹے کی موت نے اسے توڑ ڈالا تھا۔ وہ چیختا رہا' سر

پٹختا رہا پھر بے ہوش ہو گیا۔

حشمت بیگ نے پہلے فہمی کو اغوا کیا مگر بدقسمتی سے بازی الٹ گئی اور اب بہو راستے سے ہٹاتے ہوئے بیٹے کو کھو بیٹھا۔

☆======☆======☆

کبریٰ اس بچے سے بُری طرح بے زار ہو چکی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ دولت کے کھیل میں وہ نادان اپنے باپ سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گیا ہے' یتیم ہو گیا ہے۔ ماں بچے کی جدائی میں پہلے ہی صدمے سے نڈھال تھی۔ شوہر کی موت نے اُسے بے موت مار تھا۔

نفاست ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر نیم دراز ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ کبریٰ نے وہاں آ کر پوچھا۔ "یہ بچہ آخر کب تک یہاں رہے گا؟ اس کی ماں اسے لینے کیوں نہیں آتی؟"

وہ ناگواری سے بولا۔ "اس کی ماں سے جا کر پوچھو کیوں نہیں آ رہی ہے؟ راتوں بچہ سونے نہیں دیتا' دن کو تم سر کھاتی رہتی ہو۔"

وہ بولی۔ "آپ یہ تو یقین کر لیں کہ وہ ماں اپنی گردن پھنسانے یہاں نہیں آئے گی تو بچہ یہاں کیوں رہے؟ اسے تھانے میں جمع کرائیں۔"

وہ الجھ کر بولا۔ "چپ رہو' فہمی کے مزاج کو اور اس کی ضد کو سمجھتی ہو۔ یہ دروازے سے باہر جائے گا تو وہ پورا گھر سر پر اٹھا لے گی۔ ہمارا سکون برباد کر دے گی۔"

عبادت علی ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے بولے۔ "یہ درست ہے' ہماری نواسی اور ضدی نہ بنایا جائے۔ وہ ماں کو اور اس کی ممتا کو سمجھتی ہے۔ وہ اُسے ماں کے ہی حوالے کرے گی۔"

نفاست انہیں دیکھ کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا' پھر بولا۔ "یہ ثابت ہو رہا ہے کہ ماں سنگدل ہے' یہاں نہیں آئے گی۔"

وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ "ماں کو بھول جاؤ۔ فہمی کو پیش نظر رکھو۔ وہ بچہ اس کے پاس امانت ہے۔ ہم اُسے خیانت پر مجبور کریں گے تو وہ ایب نارمل ہو جائے گی۔ یوں سمجھو وہ بچہ ایک کھلونا ہے۔ ہم اُسے چھیننے کی اجازت نہیں دیں گے۔"

کبریٰ نے ناگواری سے منہ بسورا۔ انہوں نے نفاست سے پوچھا۔ "تم نے آج اخبار پڑھا ہے؟"

"کوئی خاص خبر ہے؟"

"عظمت ٹیکسٹائل ملز کے اونر حشمت بیگ کو صدمہ پہنچا ہے۔ آج اُس کے جوان بیٹے عظمت بیگ کا سوئم ہے۔ نمبر ملاؤ' ہم تعزیت کریں گے۔"

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ انہوں نے پوچھا۔ "تم اس کے فون نمبرز جانتے ہو؟"

وہ بولا۔ "میں اپنے بدترین دشمنوں کے نام' پتے اور ان کے فون نمبرز یاد رکھتا ہوں۔"

وہ بولے۔ "موت برحق ہے' ایسے وقت دشمنوں کو بھی دلاسہ دینا چاہئے۔"

نفاست نے ریسیور اُن کی طرف بڑھایا۔ وہ اُسے کان سے لگا کر بولے۔ "ہیلو .... ہم عبادت علی شاہ بول رہے ہیں۔"

دوسری طرف نجمہ ریسیور کان سے لگائے گم صم بیٹھی تھی۔ دوسری طرف سے عبادت علی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ "ہیلو .... ہیلو........."

وہ ہمت کر کے اٹکتے ہوئے بولی۔ "ہیلو .... آ .... آپ .... کس سے .... بات کرنا چاہتے ہیں؟"

اُن کی آواز اُبھری۔ "مسٹر حشمت بیگ ہیں؟"

"وہ .... وہ موجود نہیں ہیں۔"

انہوں نے پوچھا۔ "بیٹی! تم کون ہو؟"

وہ بولی۔ "میں ان کی .... بہو ہوں .... مرحوم عظمت کی بیوہ۔"

اتنا کہہ کر وہ رونے لگی۔ عبادت علی نے کہا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون .... بیٹی! تم رو رہی ہو؟ ہم تمہارے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ آنسو پونچھ لو۔ ہم لوگ کبھی جانے والوں پر روتے ہیں' کبھی خود جا کر اپنے پیچھے رونے والوں کو چھوڑ جاتے ہیں۔ یہی دستورِ دنیا ہے۔"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے فون پر بولی۔ "میں ایسی بدنصیب ہوں کہ مرنے والے کا بھی ماتم کر رہی ہوں اور زندہ رہ کر بچھڑنے والے کا بھی صدمہ جھیل رہی ہوں۔"

شبو روتے ہوئے بچے کو ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ نفاست نے کہا۔ "فون پر باتیں ہو رہی ہیں' اسے یہاں کیوں لائی ہو؟"

وہ اُسے سنبھالتے ہوئے بولی۔ "صاحب جی! کیا کروں' یہ چپ نہیں ہو رہا ہے۔ فہمی بی بی بھی نہیں ہیں۔ وہ ہوتیں تو اسے چپ کرا لیتیں۔ یہ اُن سے ہی سنبھلتا ہے۔"

نجمہ سینے پر ہاتھ رکھے اپنے بچے کے رونے کی آوازیں سن رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے کلیجے کو نوچ رہا ہے۔

ریسیور سے کبریٰ کی آواز سنائی دی۔ وہ ملازمہ سے کہہ رہی تھی۔ "جاؤ .... اسے دودھ پلاؤ .... یہ چپ ہو جائے گا۔ پتہ نہیں کیسی ظالم ماں ہے؟ ننھی سی جان کو چھوڑ کر کہیں گلچھرے اڑا رہی ہے۔"

وہ اس کی باتیں سن کر ضبط کرنے کے باوجود دھیمی آواز میں بولنے لگی۔ "نہیں .... میں .... میں ظالم!"

وہ اس سے آگے کچھ بول نہ پائی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اُس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

عبادت علی حیرانی سے اپنے ریسیور کو دیکھ رہے تھے۔ وہ نجمہ کے الفاظ واضح طور پر سن نہیں سکے تھے۔ انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ نفاست نے پوچھا۔ "ابا جان! کیا ہوا؟"

وہ چونک کر بولے۔ "آں .... کچھ نہیں مرحوم عظمت بیگ کی بیوہ تھی۔ رو رہی تھی۔ شاید اسی لئے رابطہ منقطع کر دیا؟"

زیبی دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے تقریباً چیخ کر بولی۔ "دادا جان! دیکھئے .... کون آیا ہے؟"

عبادت علی' نفاست اور کبریٰ نے دروازے کی طرف دیکھا۔ زیبی ایک طرف ہٹ گئی۔ اسد اور عالیہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ اسد تیزی سے عبادت علی کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "ہائے .... دادا جان! میں تو پیچھے سے آ کر آنکھیں بند کرنا چاہتا تھا' مگر زیبی یہاں لے آئی۔"

وہ اُسے گلے لگا کر ہنستے ہوئے بولے۔ "آ گیا زلزلہ .... اب اس گھر کے در و دیوار لرزتے رہیں گے۔"

عالیہ نے نفاست اور عبادت علی کو سلام کیا۔ پھر کبریٰ سے گلے ملتے ہوئے بولی۔ "خالہ امی! آپ کیسی ہیں؟ میں آپ کو بہت یاد کرتی تھی۔"

اسد عبادت علی سے الگ ہو کر بولا۔ "ممی! اس سے زیادہ میں آپ کو یاد کرتا تھا۔ آپ کو ہچکیاں آتی ہوں گی نا؟"

پھر وہ نفاست سے گلے ملتے ہوئے بولا۔ "ہائے .... ڈیڈ!"

وہ بولا۔ "بیٹے! کیوں ہائے ہائے کرتے ہو؟ بزرگوں کو سلام کیا کرو .... دعائیں لیا

کرو۔"

وہ بولا۔ "ڈیڈ! ہم سلام نہ بھی کریں' تب بھی آپ کے دل سے ہمارے لئے سلامتی کی دعائیں نکلتی رہیں گی۔ پھر سلام دعا کا تکلف کیوں کیا جائے؟"

وہ سب ہنستے ہوئے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ زیبی عالیہ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے بولی۔ "کم آن عالیہ! میرے روم میں چلو۔ تمہیں ایک چیز دکھاؤں گی۔"

وہ اُسے کھینچتی ہوئی زینے کی طرف جانے لگی۔ کبریٰ اُن دونوں کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ اسد نے عبادت علی سے کہا۔ "دادا جان! آپ اتنی جلدی بوڑھے کیوں ہو رہے ہیں؟ میں چاہتا ہوں آپ کی عمر یہیں ٹھہر جائے۔ آپ آسمان کی طرح ہمیشہ ہمارے سروں پر رہیں۔ کبھی دھوپ دیتے رہیں' کبھی چھاؤں دیتے رہیں۔"

وہ بولے۔ "ہم تو بڑھاپے کی دھوپ ہیں۔ اپنے بیٹے اور پوتے ٹھنڈی چھاؤں میں جی رہے ہیں۔"

نفاست اسد کے شانے کو تھپک کر بولا۔ "جاؤ .... پہلے شاور لو .... فریش ہو جاؤ .... پھر ڈھیر ساری باتیں ہوں گی۔"

زیبی عالیہ کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ایسی کیا چیز ہے' جسے دکھانے کے لئے بے تاب ہو رہی ہو؟"

"کوئی بہت زیادہ قیمتی گفٹ نہیں ہے مگر ہے دلچسپ۔ میں نے پچھلی عید پر تمہیں عیدی نہیں دی تھی۔ سوچا تمہیں گولڈ سیٹ دوں گی۔"

وہ الماری کھول کر زیورات کا ڈبہ نکال لائی۔ پھر اُسے دکھاتے ہوئے بولی۔ "جیولری شاپ بھی گئی تو سمجھ میں نہیں آیا کہ تمہیں کون سا سیٹ پسند آئے گا؟"

عالیہ ڈبہ کھول کر سیٹ کو دیکھتے ہوئے خوش ہو کر بولی۔ "بہت خوبصورت ہے۔ ڈیزائن بھی نیا ہے۔ تمہارا سلیکشن لاجواب ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "اسے میں نے سلیکٹ نہیں کیا۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "پھر.........؟"

"ایک نوجوان نے کہا اپنی کزن کے لئے یہ سیٹ لے جاؤ۔ اگر وہ میری طرح خوبصورت ہے تو اُسے یہ پسند آئے گا۔ دیکھ لو' تمہیں پسند آ گیا ہے۔"

اس نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "ہوں' وہ نجومی نوجوان ہے کون؟"

وہ فراز کے بارے میں بڑے پیار سے سوچ کر بولی۔ "ہے کوئی۔"

عالیہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "نجومی ہے .... دل کے بھید کھول رہا ہو گا۔"

زیبی صوفے پر لیٹ گئی' اس کے زانو پر سر رکھ کر بولی۔ "یہ دل بڑا بے ایمان ہے۔ سینے میں چھپا کر رکھو' پھر بھی اپنے بھید کسی اجنبی پر کھول دیتا ہے۔"

وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ "تم تو بڑا WILL POWER رکھتی ہو' پھر دل کیسے بے ایمان ہو رہا ہے؟"

"کیا بتاؤں؟ میں نے تو طے کیا تھا کہ اپنے دل و دماغ پر' اپنے حواس پر کسی کو حاوی نہیں ہونے دوں گی۔ مگر پتہ نہیں کیسے وہ زبردستی خیالوں میں آنے لگا ہے؟"

عالیہ ایک گہری سانس لے کر خلا میں تکنے لگی۔ وہاں اُسے اسد مسکراتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سر جھٹک کر بولی۔ "ہاں .... آنے والے زبردستی آتے ہیں' مگر ہمیں راستہ روکنا چاہئے .... فائٹ کرنا چاہئے۔"

اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا کہہ رہی ہو؟"

وہ بولی۔ "تم اپنی خاندانی روایات کو اور یہاں کے رواج کو خوب سمجھتی ہو۔ یہاں اعلیٰ خاندان' حسب و نسب اور کاروباری لین دین کے مطابق رشتے کئے جاتے ہیں۔"

زیبی گہری سنجیدگی سے اُسے دیکھنے لگی۔ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "بہت تھک گئی ہوں۔ فریش ہو جاؤں پھر ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔"

وہ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ زیبی نے اپنے موبائل فون کی طرف دیکھا زیر لب مسکرائی' کچھ سوچ کر اسے اٹھایا اور نمبر پنچ کرنے لگی۔ پھر کان سے لگا کر رابطے کا انتظار کرنے لگی۔

دوسری طرف سے فراز کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو .... میں فراز بول رہا ہوں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور یہ میں بول رہی ہوں۔"

"او .... زیبی!"

وہ قدرے حیرت سے بولی۔ "میری آواز سن کر تم نے مجھے پہچان لیا؟"

فراز رومانٹک موڈ میں بولا۔ "تمہاری آواز .... تمہارا ہر انداز میری رگوں میں لہو کی طرح گردش کر رہا ہے۔"

"پلیز .... فراز! عشقیہ انداز میں نہ بولو۔"

"تم کہتی ہو تو نہیں بولوں گا۔ ویسے یہ بتاؤ' فون کیوں کیا ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "تمہارا ایک قرض مجھ پر ہے۔ اس جیولر کے پاس تمہاری رقم ہے' وہ تمہیں واپس دینی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے' تمہاری کزن نے وہ سیٹ پسند کر لیا ہے؟"

"ہاں .... تم جیت گئے ہو۔"

"پھر تو جیت کا انعام ملنا چاہئے۔"

وہ چونک گئی' نہ جانے فراز کیسا انعام مانگنے والا تھا' اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ "کہو .... کیا انعام چاہتے ہو؟"

وہ بولا۔ "کل میرے ساتھ لنچ کرو۔"

اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہوں .... کل گیارہ بجے جیولری شاپ میں ملاقات ہو گی۔ او کے' اللہ حافظ۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ فراز سے صرف فرینڈشپ تک تعلق رکھے گی لیکن جانے انجانے دل بے ایمان ہو رہا تھا اور زیبی کو یہ بے ایمانی بھلی لگ رہی تھی۔

☆======☆======☆

جس گھر سے جوان اور اکلوتے بیٹے کی میت اٹھائی جاتی ہے اس گھر سے خوشیوں کا جنازہ بھی اٹھایا جاتا ہے۔

حشمت بیگ کی کوٹھی بھی خوشیوں اور قہقہوں سے خالی ہو گئی تھی۔ خاموشی اور ویرانی نے ڈیرے جما لئے تھے۔ وہ ڈرائنگ روم میں کھڑا بڑے دکھ سے اپنے جواں سال مرحوم بیٹے کی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

حمیرا اس کے قریب آتے ہوئے شکایتی لہجے میں بولی۔ "پاپا! آپ نے اور بھائی جان نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی کہ ہمارا منا مراد کے گھر میں ہے؟"

وہ چونک کر پلٹا' بیٹی کو نہ جانے یہ خبر کہاں سے ملی تھی؟ ویسے بھی اب یہ بات وہ اُسے بتانا چاہتا تھا۔ کیونکہ بیٹے کے بعد اس کا واحد سہارا حمیرا ہی تھی۔

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "پہلے بیٹا تھا' میرا رازدار تھا۔ اب تم میری بیٹی بھی ہو اور بیٹا بھی ہو۔ میرے دونوں پوتے بہت چھوٹے ہیں۔ میرا مضبوط بازو نہیں بن سکیں گے۔ اب میرے کاروبار میں اور دوسرے معاملات میں تم ہی میرے شانہ بشانہ رہو

گی۔"

بولتے بولتے اچانک اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرے وہ صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ "ہم نجمہ پر بھروسہ نہیں کریں گے۔"

وہ بولی۔ "آج آپ نے میرے دل کی بات کہی ہے۔ بھابی تو پہلے ہی دن سے کانٹے کی طرح چبھتی رہی ہیں۔"

اس نے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آہستہ بولو .... وہ اپنے کمرے میں ہے۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "آپ انہیں میکے بھیج دیں۔"

"جب تک اسے منا نہیں ملے گا' وہ یہ شہر چھوڑ کر نہیں جائے گی۔"

"یہاں رہیں گی تو منے کے لئے تڑپتی رہیں گی۔ اس کوٹھی کی طرف پھر جائیں گی۔ اپنی حماقت سے خود بھی پھنسیں گی اور آپ کو بھی پھنسائیں گی۔ میں بھائی جان کو کھو چکی ہوں' اب آپ کو کھونے نہیں دوں گی۔"

وہ غصے سے دانت پیستے ہوئے بولا۔ "اسی اندیشے میں میرے بیٹے کی جان گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا اس عورت سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے؟"

نجمہ اب حشمت کے خاندان کے لئے ایسا بوجھ بن گئی تھی جسے وہ اتارنا بھی چاہتا تو اتار نہیں سکتا تھا۔ اسے پھینک دیتا تو وہ ہاتھوں کی ہتھکڑیاں بن کر پھر سے لپٹ جاتی۔

☆======☆======☆

نفاست علی نے بیگم وقارالنساء کی دی ہوئی رقم کو محکمہ اوقاف میں جانے سے بچانے کے لئے عبادت علی کے نام ایک جعلی خط لکھا تھا اور اب وہ خط عبادت علی کے ہاتھ میں تھا۔ وہ لفافے پر لکھا ہوا نام پڑھ کر حیرت سے زیر لب بڑبڑائے۔ "فرام سجاد علی .... یہ سجاد کون ہے؟"

پھر ایک گہری سانس لے کر بولے۔ "آہ! ہمارے پوتے کا نام بھی سجاد.........."

وہ بولتے بولتے چونک گئے۔ پھر انہوں نے لفافے کو چاک کر کے تہہ شدہ کاغذ نکالا۔ اسے کھولا اور پڑھنے لگے۔ "محترم و مکرم! دادا جان' السلام علیکم!"

انہوں نے حیرت سے سوچا۔ "دادا جان.........."

وہ آگے پڑھنے لگے۔ "میرا نام سجاد علی ہے۔ میرے والد کا نام سید شفاعت علی۔"

وہ پڑھتے پڑھتے چونک گئے۔ اس چھوٹے سے کاغذ نے ان کے دماغ میں دھماکے کر

ڈالے۔ وہ خوشی کے مارے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنی بڑی خوشی یوں اچانک مل جائے گی۔

وہ یقین کرنے کے لئے آگے پڑھنے لگے۔ "میرے دادا جان کا اسم گرامی .... سید عبادت .... علی .... شاہ۔"

اب شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ جوش جذبات سے چلائے۔ "نفاست! .... نفاست! یہاں آؤ۔"

وہ خوشی سے چیختے ہوئے کمرے سے باہر آ گئے۔ "ہماری جان! .... ہمارا پوتا .... ہمیں مل گیا .... نفاست!"

وہ کوریڈور سے گزرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ "نفاست! کہاں ہو تم؟ ہمارا بیٹا مل گیا .... ہمارا پوتا مل گیا۔"

نفاست' کبریٰ' زیبی اور اسد ان کی آوازیں سن کر اپنے اپنے کمروں سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

عبادت علی ہاتھ اٹھا کر سب کو خط دکھاتے ہوئے بولے۔ "دیکھو .... دیکھو ہمارے ہاتھ میں گمشدہ خزانہ ہے۔ بیس برس پہلے تقدیر نے یہ خزانہ ہم سے چھین لیا تھا' دنیا کہتی تھی کہ ہمارا بیٹا کبھی نہیں آئے گا۔"

کبریٰ اور نفاست معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ زیبی بھی اس خط کی اصلیت کو جانتی تھی مگر اسد کو علم نہیں تھا کہ دادا جان کو ملنے والی خوشیوں کی بنیاد جھوٹ پر مبنی ہے۔

عبادت علی اپنا سینہ ٹھونک کر بڑے فخر سے بولے۔ "ہمارا خون ہمیں پکارتا تھا' خوابوں میں .... خیالوں میں .... سوتے میں .... جاگتے میں .... نمازوں میں .... دعاؤں میں.........."

وہ دعا کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولے۔ "اے رب کریم! دکھا دے معجزہ اور معجزہ ہو گیا .... یہ.........."

اچانک وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر تکلیف سے کراہ اٹھے۔ لرزتے ہاتھوں سے خط چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ وہ بھی گرنے والے تھے مگر نفاست نے آگے بڑھ کر انہیں تھام لیا۔ انہیں آوازیں دینے لگا۔ "ابا جان! کیا ہوا' ابا جان!"

کبریٰ نے اسد سے کہا۔ "ارے .... ڈاکٹر کو فون کرو۔"

اسد تیزی سے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ نفاست نے عبادت علی کو سہارا دے کر صوفہ پر بٹھا دیا۔ زیبی پانی کا گلاس لے آئی۔ نفاست عبادت علی کی طرف گلاس بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''ابا جان! پانی پئیں۔''

انہوں نے دو گھونٹ حلق سے اتارے پھر ہانپنے لگے۔ زیبی صوفے پر بیٹھ کر ان کا سر دبانے لگی۔ کچھ دیر بعد بٹن نے آ کر بتایا۔ ''باہر ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔''

اسد بولا۔ ''انہیں اندر لے آؤ۔''

عبادت علی کی طبیعت ذرا سنبھل گئی تھی۔ وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر بٹن کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور عبادت علی کے قریب بیٹھ کر ان کا معائنہ کرنے لگا۔

وہ مسکرا کر بولے۔ ''ڈاکٹر! ہمیں کچھ نہیں ہوا۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے کوئی چیز حد سے زیادہ ہو تو نقصان پہنچاتی ہے۔ حد درجہ مسرتوں نے ہمیں بستر پر پہنچا دیا ہے۔ کچھ دیر بعد ہم پھر تن کر کھڑے ہو جائیں گے۔''

ڈاکٹر نے کہا۔ ''خدا کا شکر ادا کریں۔ آپ کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو خوشی کے مارے مر جاتا۔''

وہ بولے۔ ''عجیب بات ہے' خوشیاں بھی مار ڈالتی ہیں؟''

ڈاکٹر نے نسخہ لکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ یہ دوائیں باقاعدگی سے لیتے رہیں میری ضرورت نہیں رہے گی۔''

ڈاکٹر وہ نسخہ نفاست کو دے کر چلا گیا۔ نفاست نے اسد سے کہا۔ ''جاؤ .... یہ دوائیں لے آؤ۔''

پھر عبادت علی کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ''میں نے سجاد میاں کا خط پڑھا ہے۔ میں آپ کے کمرے میں کمپیوٹر سیٹ لگوا رہا ہوں۔ آپ ای میل کے ذریعے اپنے پوتے سے باتیں کر سکیں گے۔''

''جلدی کرو .... تم کتنی دیر کرو گے؟ ہم تڑپ رہے ہیں۔''

وہ بولا۔ ''آپ پھر جوش میں آ رہے ہیں۔ خدارا! تحمل سے کام لیں۔ ہم جتنی بھی جلدی کریں وہاں سے سجاد میاں کل ہی رابطہ کریں گے۔''

انہوں نے چونک کر پوچھا۔ ''کل .... آج کیوں نہیں؟''

اس نے کہا۔ ''آپ کے پوتے کے پاس اپنا کمپیوٹر نہیں ہے۔ اس نے کسی دوست کے ای میل کا کوڈ ایڈریس دیا ہے۔ سجاد میاں کل صبح دس بجے تک دوست کے گھر جائیں

گے۔ اسی وقت ہم یہاں سے رابطہ کریں گے۔''

وہ بولے۔ ''یہ تو ہمارے صبر کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ ہم اپنے پوتے سے باتیں کرنے کے لئے دوسروں کے محتاج ہیں۔''

اس نے کہا۔ ''ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ بھائی جان کی مالی حالت درست نہیں ہے۔ انہوں نے بچوں کے لئے کمپیوٹر نہیں رکھا ہو گا۔''

وہ سر جھکا کر بولے۔ ''یہ ہمارے لئے کتنی شرم کی بات ہے؟ وہ محتاجی اور مفلسی کی زندگی گزار رہا ہے۔ کیسا ضدی بیٹا ہے؟ نہ یہاں آتا ہے' نہ بچوں کو یہاں آنے دیتا ہے۔''

''لیکن خون کی کشش بچوں کو آپ کے قریب لا رہی ہے۔''

وہ سر اٹھا کر بولے۔ ''یہ ہمارے لئے فخر کی بات ہے۔ کل سجاد سے بات ہوتے ہی ہم اس کا پتہ ضرور معلوم کریں گے۔ پھر وہاں جائیں گے' انہیں گلے لگائیں گے۔ انہیں یہاں آنے پر مجبور کر دیں گے۔''

وہ بولا۔ ''خدا کرے .... ایسا ہی ہو۔''

عبادت علی نفاست سے وہ خط لے کر اسے پڑھتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کبریٰ اور زیبی ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ مراد نے بیرونی دروازے سے ڈرائنگ روم میں آ کر نفاست سے پوچھا۔ ''کیوں ڈیڈ! دادا جان کو ان کی خوشیوں کا خزانہ مل گیا؟''

کبریٰ بولی۔ ''اے بیٹا! تم باپ بیٹے نے تو ایسا چکر چلایا ہے کہ تمہارے دادا جان خوشیوں کے مارے چکرا گئے۔''

اسد دوائیں لے کر واپس آ گیا تھا۔ ان کی باتیں سن کر اندر آتے ہوئے بولا۔ ''یعنی یہ جو خط آیا ہے' وہ جعلی ہے؟''

مراد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''ہاں .... یہ خط ڈیڈی نے میرے ہاتھوں لکھوایا ہے۔''

اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ ''اس کا مطلب .... سجاد علی کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ ہمارے بڑے ابو اور ان کے بچے اب تک لاپتہ ہیں؟''

مراد نے کہا۔ ''ہاں .... اُن کے بارے میں ہمیں یہ یقین کر لینا چاہئے کہ وہ لوگ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔''

اسد جلدی سے بولا۔ "خدا انہیں سلامت رکھے۔ آپ کو ایسی بات سوچنا بھی نہیں چاہئے۔ دادی جان نے فہمی کے لئے پچاس کروڑ اور بڑے ابو کے لئے ساٹھ کروڑ کی جائداد چھوڑی ہے۔ انہیں بھی یقین تھا کہ بڑے ابو اور ان کے بچے زندہ ہیں اور ایک دن واپس آئیں گے۔"

کبریٰ ناگواری سے ہاتھ نچا کر بولی۔ "اور واپس نہیں آئیں گے تو اتنی بڑی رقم محکمہ اوقاف میں چلی جائے گی۔"

نفاست بولا۔ "ہم نے اس رقم کو حاصل کرنے کے لئے ایک فرضی سجاد علی کو پیدا کیا ہے۔ سجاد کو اور سدرہ کو وکیل کے سامنے پیش کیا جائے گا تو پھر ساٹھ کروڑ محکمہ اوقاف میں نہیں جائیں گے۔ ہم ڈوبنے والی رقم بچا رہے ہیں۔"

اسد تائید میں بولا۔ "ہوں .... بات سمجھ میں آ رہی ہے لیکن ایسی پلاننگ میں دادا جان کو شامل کیوں نہیں کیا گیا؟"

کبریٰ نے کہا۔ "وہ اپنے بڑے بیٹے اور ان کی اولاد کے معاملے میں بہت جذباتی ہیں۔ وہ کسی نقلی بیٹے اور پوتے کو کبھی برداشت نہیں کریں گے۔"

زیبی نے کبریٰ اور نفاست سے پوچھا۔ "لیکن آپ نے دادا جان کی خوشیاں دیکھی ہیں۔ یہ خوشیاں کب تک قائم رہیں گی؟ ان سے کب تک جھوٹ بولا جائے گا؟"

اسد بولا۔ "ہاں .... ڈیڈ! زیبی صحیح کہہ رہی ہے۔ آخر کبھی تو یہ جھوٹ کھلے گا؟"

نفاست نے اسد سے کہا۔ "یہ جھوٹ کبھی نہیں کھلے گا۔ اب تمہیں یہاں کے حالات کو اور اندرونی معاملات کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے۔"

پھر اس نے مراد، زیبی اور اسد کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم سب رئیس ابن رئیس ابن رئیس ہو۔ یہاں سے لندن اور فرینکفرٹ تک ہماری پانچ سو کروڑ کی پراپرٹیز ہیں۔ یہاں سے اوورسیز مارکیٹوں تک ہمارے دو سو کروڑ روپے گردش کرتے رہتے ہیں۔ ابا جان نے اتنے پھیلے ہوئے کاروبار کے اختیارات مجھے سونپے ہیں۔ میں چاہتا ہوں، وہ یہ اختیارات وصیت کے طور پر پکے کاغذ پر لکھ کر دے دیں .... مگر........."

وہ بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔ سب سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگے۔ وہ انکار میں سر ہلاتا ہوا گہری سانس لے کر بولا۔ "مگر ابا جان کو آج بھی بھائی جان کا انتظار ہے۔ اسی لئے انہوں نے عارضی طور پر مجھے یہ اختیارات دیئے ہیں۔ اب اس خط اور ای میل

کے ذریعہ سجاد علی آ رہا ہے۔ یہ تاش کا اکا ہے۔ یہ تمہاری دادی جان کے ساٹھ کروڑ ہمیں دلائے گا۔ ہم یہ اکا کھیل کر تمہارے دادا جان کی تمام کاروباری سلطنت کے اختیارات حاصل کر لیں گے۔"

نفاست نے اسد کے قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میرا ایک بازو مراد ہے، دوسرا بازو تمہیں بننا ہے۔ حسرت سے کوئی توقع نہیں ہے۔ وہ ناکارہ ہی رہے گا۔"

وہ بولا۔ "ڈیڈ! ایسا نہ کہیں۔ حسرت تو بہت ذہین ہے۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "اس کی ذہانت ہمیں نقصان پہنچاتی ہے۔ وہ ہماری کاروباری حکمت عملی کے خلاف بولتا ہے۔ یہ یاد رکھو، اُسے کبھی بھول کر بھی رازدار نہ بنانا۔"

"ڈیڈ! ایسا کب تک ہو گا؟ دادا جان بڑے ابو سے اور ان کے بچوں سے ملنا چاہیں گے۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "تم فکر نہ کرو۔ انسان بڑھاپے میں بچوں جیسا ہوتا ہے اور ہمیں کھلونے دے کر بہلانا آتا ہے۔"

عبادت علی اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھے اُس خط کو دیکھ رہے تھے۔ جس کے ذریعے نفاست ان کے دل کو بہلانے میں کسی حد تک کامیاب ہوا تھا۔ وہ اس کھلونے سے بہل رہے تھے، اس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچ رہے تھے۔

"یہ ہمارے پوتے کی تحریر ہے۔ صورت تو دیکھی نہیں ہے، تصویر بھی نہیں دیکھی، تحریر دیکھ رہے ہیں۔ تصویر نہ سہی، ہم اس خط کو دل کے فریم میں سجا کر رکھیں گے۔"

وہ میز پر رکھی پرانی البم کو اٹھا کر دیکھنے لگے۔ فہمی دروازہ کھول کر اندر آئی۔ بچہ اس کی گود میں بلک بلک کر رو رہا تھا۔ عبادت علی نے اشاروں میں پوچھا۔ "اسے کیا ہوا ہے؟ کیوں رو رہا ہے؟"

وہ گونگے اشاروں میں نانا جان کو سمجھانے لگی کہ میں اسے چپ کرا لوں گی، مگر اس کی ماں اسے لینے اب تک کیوں نہیں آئی؟

وہ اس کے اشارے سمجھ کر سوچنے لگے۔ "نہ جانے اس کی ماں کون ہے؟"

اچانک ان کے کانوں میں فون پر بولنے والی اس عورت کی آواز گونجی جس نے فہمی کو اغوا کیا تھا۔ "ایسی جلدی بھی کیا ہے؟ تمہاری نواسی زندہ سلامت ہے۔"

فہمی ان کا شانہ تھپتھپا کر پوچھ رہی تھی۔ وہ چونکتے ہوئے بولے۔ "آں ...."

ہاں' اس کی ماں آئے گی۔ اسے آنا ہی ہو گا۔ تم جاؤ اسے سلا دو۔"

وہ مطمئن سی ہو کر چلی گئی۔ عبادت علی کے کانوں میں پھر اسی عورت کی آواز گونجنے لگی۔ وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے' انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ آواز انہوں نے دنوں پہلے بھی سنی ہے۔

اچانک وہ چونک گئے' انہیں یاد آیا کہ یہ آواز دوبارہ کہاں سنی ہے؟ انہیں حشمت بیگ کی بہو نجمہ کا لب و لہجہ یاد آیا۔ وہ شدید حیرانی سے سوچنے لگے۔ "کیا حشمت بیگ کی بہو اس بچے کی ماں ہے؟"

وہ اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگے۔ دل و دماغ تسلیم نہیں کر رہا تھا۔ مگر دونوں کی آوازیں اور لہجہ انہیں شک میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ ٹھہر گئے' فون کی طرف دیکھ کر سوچنے لگے۔ "فون پر پھر اس کی آواز سنی جا سکتی ہے۔"

انہوں نے حشمت بیگ کا نمبر پنچ کیا۔ پھر ریسیور کان سے لگا کر رابطے کا انتظار کرنے لگے۔ دوسری طرف سے نجمہ کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو؟"

وہ بولے۔ "ہیلو .... مسٹر حشمت بیگ ہیں؟"

ریسیور سے آواز سنائی دی۔ "وہ ابھی کہیں باہر گئے ہیں۔"

وہ نجمہ کی آواز سن کر چونک گئے۔ دونوں آوازوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ انہوں نے کہا۔ "حشمت بیگ نہیں ہیں .... اچھا ہی ہے۔ ہم تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ تمہاری ایک امانت ہمارے پاس ہے۔"

دوسری طرف نجمہ اپنے ڈرائنگ روم میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھی تھی۔ وہ ان کی بات سن کر چونک گئی۔ دل میں وسوسے جنم لینے لگے۔ وہ سوچنے لگی۔ "کہیں انہیں معلوم تو نہیں ہو گیا کہ اُس گھر میں جو بچہ ہے اس کی ماں میں ہوں؟ اگر ایسا ہو گیا تو لوگ ہمیں ہتھکڑیاں لگوا دیں گے۔ پھر میرے دونوں بچوں کا کیا ہو گا؟"

اس نے پریشان ہو کر ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "امانت .... کک .... کیسی امانت.........؟"

انہوں نے کہا۔ "وہ پیاسا ہے۔ ممتا کے کربلا میں دودھ مانگ رہا ہے۔"

وہ تڑپ کر بولی۔ "نہیں۔"

وہ بولے۔ "ہم چاہیں تو ابھی ہتھکڑیاں تمہارے دروازے تک پہنچ سکتی ہیں مگر ہماری شرافت اور انسانیت کو سمجھو .... ہم ایک ماں کے درد کو سمجھ رہے ہیں۔"

نجمہ ان کی باتیں سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ان کی آواز سنائی دی۔ "ہم اپنی نواسی کا انتقام تم سے نہیں لیں گے۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔ تمہیں سزا مل رہی ہے۔ تمہارا سہاگ اجڑ گیا ہے۔ ہم یہ نہیں چاہیں گے کہ تم اپنے بچے سے بھی محروم ہو جاؤ۔"

وہ بڑی سچائی اور فراخدلی سے اُسے معاف کر رہے تھے۔ وہ آنسوؤں کو پونچھ کر شرمندہ سی ہو کر بولی۔ "آپ بہت عظیم ہیں' آپ نے میرے بچے کو پناہ دی ہے اور اب اسے میری جھولی میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ میں اس گناہگار زبان سے کیسے شکریہ ادا کروں؟"

وہ بولے۔ "ہم تم پر احسان نہیں کر رہے ہیں۔ سلطان نے ہرنی کے پیاسے بچے کو ماں کے دودھ تک پہنچایا تھا۔ خدا نے اُس کو سلطانی عطا کی تھی۔ ہم منے کو تمہاری گود میں پہنچا رہے ہیں۔ وہ رب کریم ہمارے بچھڑے ہوئے بیٹے اور پوتے کو ہمارے پاس پہنچا رہا ہے۔ نیکی رائیگاں نہیں جاتی۔ آؤ اپنے بچے کو یہاں سے لے جاؤ۔"

"میں .... میں آ رہی ہوں .... ابھی آ رہی ہوں۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ چور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے احاطے سے گزر کر مین گیٹ سے باہر آ گئی۔

آج وہ اپنی گمشدہ دولت پانے کے لئے جا رہی تھی۔ اس کے کلیجے کا ٹکڑا اس سے بچھڑ گیا تھا' آج وہ اسے اپنے سینے سے لگا کر ممتا کی پیاس بجھانے والی تھی۔ گلی میں کوئی ٹیکسی یا رکشہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی مین روڈ کی طرف بڑھنے لگی۔

اچانک اسے اپنے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ اس نے ہینڈ بیگ سے موبائل فون نکالا' پھر اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے بولی۔ "ہیلو؟"

دوسری طرف سے ایک بھاری بھرکم مردانہ آواز سنائی دی۔ "کہاں جا رہی ہو؟ پیچھے ایک بیٹے کو چھوڑ آئی ہو۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

اسے فون پر اپنے دو سالہ بیٹے کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ "ہیلو .... ماما .... ماما!"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "فہد! میرا بچہ! تم کہاں ہو؟"

فون سے اسی اجنبی شخص کی آواز ابھری۔ "یہ ہمارے پاس ہے اور ہمارے پاس

رہے گا۔"

"کون ہو تم؟ مجھ سے کیا دشمنی ہے؟"

وہ بولا۔ "دشمنی تو تم کر رہی ہو۔ فہد کی سلامتی چاہتی ہو تو منے کے پاس نہ جاؤ۔"

اس نے بے بسی سے پوچھا۔ "تم مجھے میرے منے کے پاس جانے سے کیوں روک رہے ہو؟"

وہ تیز لہجے میں بولا۔ "سوال نہ کرو' جواب دو' کس بیٹے کو زندہ اور کس بیٹے کو مردہ دیکھو گی؟ فہد چاہئے یا منا؟"

اس شخص کے سوال نے اسے الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس کی ممتا تقسیم ہو رہی تھی۔ ایک طرف اس کی گود سے بچھڑا ہوا بچہ اسے ملنے والا تھا اگر وہ اس جانب قدم بڑھاتی تو دوسری طرف دوسرا بچہ ہمیشہ کے لئے اس کی گود سے محروم ہو جاتا۔

وہ روتے ہوئے بولی۔ "یااللہ! یہ کیسی آزمائش ہے؟"

اس شخص نے کہا۔ "زندگی میں بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ فہد کی سلامتی چاہتی ہو تو واپس آ جاؤ۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔"

اس نے پوچھا۔ "تم کہاں ہو؟"

"ہم تمہارے ہی گھر میں ہیں' مگر فہد یہاں نہیں ہے۔"

"میرا بیٹا کہاں ہے؟"

"جہاں بھی ہے' خیریت سے ہے۔ اس کی سلامتی کی ضمانت تم واپس آ کر ہی دے سکتی ہو۔"

رابطہ ختم کر دیا گیا۔ وہ فون بند کر کے بے بسی سے مین روڈ کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر پلٹ کر گھر کی طرف جانے والے راستے کو دیکھنے لگی۔ وہ کشمکش میں مبتلا تھی۔ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کس طرف جائے۔

آخرکار وہ پلٹ کر گھر جانے والے راستے کی طرف چل پڑی۔ اُس نے تھکے ہوئے انداز میں کوٹھی کا دروازہ کھولا' پھر اندرونی دروازہ کھول کر کوریڈور میں آئی۔ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

ڈرائنگ روم سے حشمت بیگ نے اسے مخاطب کیا۔ "آ گئیں؟ ہمارے لئے ہتھکڑیاں لے کر نہیں آئیں؟"

وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو حمیرا نے کہا۔ "انہیں صرف عظمت بھائی سے لگاؤ تھا۔

یہ انہیں گرفتار نہیں کرانا چاہتی تھیں۔ اس لئے منے کی جدائی برداشت کر رہی تھیں۔ اب شوہر نہیں رہے' سسر سے کیا رشتہ رہ گیا ہے؟ آپ جیل جائیں' ان کی بلا سے۔ منا انہیں مل جائے گا۔ ان کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

نجمہ نے کہا۔ "بس کرو۔ تم کیا جانو؟ کس طرح میرے کلیجے کو نوچا جا رہا ہے؟ کوئی فہد کو یہاں سے لے گیا ہے۔ میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ کس بچے کی سلامتی چاہوں؟"

حشمت اس سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔ "کیا فہد کو کوئی لے گیا ہے' اور ہم یہاں آرام سے ہیں؟"

نجمہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حمیرا نے کہا۔ "فہد ہمارا بھی کوئی لگتا ہے۔ مگر ہم تو اس کے لئے نہیں تڑپ رہے ہیں۔"

حشمت روانی میں بولا۔ "تڑپنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب تک ماں چاہے گی' وہ سلامت رہے گا۔"

نجمہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ "آ.......... آپ جانتے ہیں' وہ کہاں ہے؟"

حشمت بے دھیانی میں سچ اگل چکا تھا۔ وہ اسے دھمکی دیتے ہوئے بولا۔ "کوئی سوال کرنے سے پہلے یہ سمجھ لو کہ وہ ہمارا پوتا ہے' میں اس کا دادا ہوں' مگر دشمن بھی بن سکتا ہوں۔ تم ہماری سلامتی نہیں چاہو گی تو ہم اس کی سلامتی نہیں چاہیں گے۔"

وہ سسر کی باتیں سن کر حیران ہو رہی تھی۔ یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ ایک دادا اپنے پوتے کے ساتھ ایسا بھی کر سکتا ہے؟

اس نے پوچھا۔ "کیا.......... آپ اپنے پوتے سے دشمنی کریں گے؟"

وہ بولا۔ "کیا تم اس کے دادا سے دشمنی کرو گی؟"

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔"

اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔ "پھر تم کہاں جا رہی تھیں؟ بولو.........."

وہ اس کا منہ تکنے لگی' سوچنے لگی۔ "میں سچ کہوں گی تو یہی سمجھا جائے گا کہ میں عبادت علی سے منے کو لے کر انہیں گرفتار کرانا چاہتی ہوں۔"

حمیرا کی آواز نے اسے چونکا دیا' وہ کہہ رہی تھی۔ "پاپا! یہ پھر اسی کوٹھی کی طرف جا رہی تھیں' منا تو مل نہیں سکتا' اس کی خوشبو سونگھنے گئی تھیں۔"

وہ بولا۔ "پولیس والے تاک میں ہوں گے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک ماں اپنے بچے کے لئے اُدھر ضرور آئے گی اور تم اُدھر جا کر ہماری شامت لانا چاہتی ہو۔"

وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "میں .... میں وہاں نہیں جا رہی تھی۔ مجھے اپنا ہوش نہیں ہے۔ میں نہیں جانتی' کہاں بھٹک رہی تھی؟"

وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "میں تمہیں ہوش و حواس میں رکھنا جانتا ہوں۔ تم فہد کی سلامتی کے لئے اس گھر سے باہر قدم نہیں نکالو گی اور نہ ہی کسی سے فون پر بات کرو گی۔"

وہ تڑپ کر بولی۔ "یہ مجھ پر ظلم ہے۔ میرے منے کو وہ لے گئے ہیں۔ فہد کو آپ لے گئے ہیں۔ کیوں میری گود اجاڑ رہے ہیں؟ اُسے لے آئیں یہاں لے آئیں' نہیں تو میں مر جاؤں گی۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "یہی تو ہماری بدنصیبی ہے کہ تم مرتی نہیں ہو۔"

وہ اجڑی ہوئی گود لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کوئی اس کی پیاسی ممتا کی فریاد سننے والا نہ تھا۔ پہلے گود خالی ہوئی' پھر مانگ اجڑی اور اب اُس سے آخری سہارا بھی چھین لیا گیا تھا۔

دوسری طرف عبادت علی اس کی آمد کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ وہ جلد از جلد بچے کو ماں کے سپرد کر دینا چاہتے تھے۔ وہ ڈرائنگ روم میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہے تھے۔ کبریٰ اور نفاست صوفوں پر بیٹھے انہیں دیکھ رہے تھے۔

وہ بولے۔ "پتہ نہیں وہ کہاں رہ گئی ہے؟ اب تک تو اُسے آ جانا چاہئے تھا۔"

کبریٰ نے کہا۔ "خدا جانے کیسی ماں ہے؟ بچہ آسانی سے مل رہا ہے پھر بھی لینے نہیں آ رہی ہے۔"

نفاست نے کہا۔ "یہ رحمدلی کی انتہا ہے۔ اُس عورت نے فہمی کو اغوا کرایا' اسے تکلیفیں پہنچائیں' اس کے باوجود آپ اس کی ماں سے ہمدردی کر رہے ہیں؟"

وہ بولے۔ "ہم اس کی ماں کو ایک بچہ لوٹا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام بچھڑے ہوئے بچوں کو ہم سے ملانے والا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے ہم بچے کو ماں کی گود میں پہنچا رہے ہیں اور ہمارے بچے ہماری آغوش میں آ رہے ہیں۔"

نفاست ان کی بات سن کر صوفے پر پہلو بدلنے لگا۔ وہ باپ سے نظریں نہیں ملا پا رہا تھا۔ اُس نے سر جھکا لیا۔ دولت کے کھیل میں انسان رشتوں کے تقدس اور ان کے جذبات سے بے بہرہ ہو جاتا ہے۔ نفاست بھی ایسا ہی کر رہا تھا۔ دولت حاصل کرنے کے لئے باپ کے جذبات سے کھیل رہا تھا۔ انہیں جھوٹ سے بہلا رہا تھا۔

☆=====☆======☆

زیبی نے جیولر شاپ کے سامنے کار روک دی۔ پھر اسے لاک کر کے دکان کے اندر آئی۔ فراز کاؤنٹر پر اس کا منتظر تھا۔ وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔ "سوری تمہیں انتظار کرنا پڑا۔"

"انتظار کا مزہ ہی کچھ اور ہے' ہر لمحہ میں دل دھڑکتا ہے۔"

وہ مسکراتی ہوئی جیولر کو مخاطب کر کے بولی۔ "مسٹر فراز جیت گئے' ان کا پسند کیا ہوا سیٹ میری کزن کو پسند آیا ہے۔"

وہ بولا۔ "مسٹر فراز حُسنِ نظر رکھتے ہیں۔"

فراز نے دکاندار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے زیبی کی طرف جھک کر کہا۔ "تم سے ملنے کے بعد یہ حسنِ نظر پایا ہے۔"

وہ نظریں جھکا کر مسکرانے لگی۔ پھر اس سے کتراتے ہوئے جیولر کو مخاطب کر کے بولی۔ "ان کی رقم آپ کے پاس امانت ہے۔ وہ انہیں واپس کر دیں۔"

وہ پلٹ کر جاتے ہوئے بولا۔ "بے شک .... ابھی دے رہا ہوں۔"

فراز اسے روکتے ہوئے بولا۔ "جسٹ اے منٹ .... میں رقم نہیں لوں گا۔"

زیبی نے حیران ہو کر پوچھا۔ "کیا مطلب .... رقم نہیں لو گے؟"

اس نے دکاندار سے کہا۔ "پلیز! آپ اسی قیمت میں ہیرے کی انگوٹھی دکھا دیں۔ میں نے کسی کو گفٹ دینا ہے۔"

جیولر رِنگ باکس لے آیا۔ فراز نے ایک انگوٹھی اٹھا کر زیبی سے پوچھا۔ "یہ کیسی ہے؟"

وہ لاپرواہی سے بولی۔ "جسے دینا ہے' اسی سے پوچھو۔"

وہ رازداری سے بولا۔ "اسی سے پوچھ رہا ہوں۔"

وہ ایک ادا سے مسکراتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی پھر پلٹ کر بولی۔ "میں غیروں سے گفٹ نہیں لیتی۔"

فراز مسکرا کر سوچنے لگا۔ "زبیر کی وجہ سے تمہاری قربت نصیب ہو رہی ہے۔ مگر میں تمہیں اپنا نصیب بنا کر ہی دم لوں گا۔"

وہ دکان سے باہر آیا۔ کار میں بیٹھتے ہوئے پریشانی سے سوچنے لگا۔ "جب زیبی کو معلوم ہو گا کہ میں فراڈ ہوں تو وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے گی۔"

وہ پریشان ہو کر سوچ رہا تھا۔ پھر ایک فیصلے پر پہنچ کر مطمئن ہو گیا۔

☆======☆======☆

مراد نفاست علی کے آفس میں ریوالونگ چیئر پر بیٹھا پورے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے مسکرا رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ "یہ ہماری کاروباری سلطنت کی سب سے اونچی کرسی ہے۔ اس پر کبھی دادا جان بیٹھا کرتے تھے' آج ڈیڈی بیٹھتے ہیں۔"

آج نفاست نے اُسے آفس بھیجا تھا تاکہ وہ وہاں سے سجاد بن کر کمپیوٹر کے ذریعے عبادت علی سے رابطہ کرے۔

وہ کرسی پر گھومتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا۔ "ڈیڈ! آپ کے بعد یہ کرسی میری ہونے والی ہے۔ آپ نے بڑی سیاست کی' اپنے بڑے بھائی کو دادا جان سے دور کر دیا۔ مجھے بھی ایسی ہی حکمت عملی سے کام لینا ہے اپنے بھائی سجاد کو آپ کے قریب لا کر دور کرنا ہے۔"

پھر وہ کمپیوٹر کی طرف رخ کر کے اسے آن کرتے ہوئے بڑبڑایا۔ "ہائے دادا جان! آپ کا گمشدہ پوتا سجاد علی آپ سے مخاطب ہے۔"

دوسری طرف نفاست' عبادت علی کے کمرے میں کمپیوٹر کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ عبادت علی اس کے برابر دوسری کرسی پر بیٹھے ہوئے بڑی بے چینی سے مانیٹر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

نفاست کمپیوٹر کو آپریٹ کرتے ہوئے بولا۔ "یہ .... رابطہ ہو گیا۔ ابھی اس نے اپنا کمپیوٹر آن کیا ہے۔ اس کا دوست کہہ رہا ہے' سجاد موجود ہے وہ آپ کو مخاطب کر رہا ہے کم آن .... کم آن .... سجاد!"

عبادت علی مضطرب سے دکھائی دے رہے تھے۔ بیس سال پہلے جدا ہونے والی خوشیوں کو دوبارہ پا لینے کی چمک ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

نفاست مانیٹر پر پڑھتے ہوئے بولا۔ "ہاں .... دادا جان! السلام علیکم!"

عبادت علی بولے۔ وعلیکم السلام بیٹے! ہماری عمر بھی تمہیں لگ جائے۔ بہت انتظار کروایا ہے۔"

نفاست کمپیوٹر اسکرین کی تحریر پڑھنے لگا۔ "دادا جان! مجبوری ہے۔ میرے اس عزیز دوست کی مہربانی ہے۔ صرف اسی وقت پندرہ منٹ کے لئے رابطہ ہو سکتا ہے۔"

وہ بولے تو نفاست کمپیوٹر آپریٹ کرنے لگا۔ انہوں نے کہا۔ "دادا کی جان! تم محتاج اور مفلس نہیں ہو۔ اپنا پتہ بتاؤ' ہم ابھی لاکھوں کروڑوں روپے تمہارے نام منتقل کر دیں

گے۔ تمہارے ابو بیمار ہیں۔ ہم خود انہیں علاج کے لئے لندن لے جائیں گے۔ سدرہ کو کلیجے سے لگائیں گے۔ تمہیں خدا کا واسطہ .... اپنا پتہ ہمیں بتاؤ۔"

نفاست اسکرین کی تحریر پڑھ کر سنانے لگا۔ "آپ مجھے آزمائش میں مبتلا نہ کریں۔ ابو نے سختی سے منع کیا ہے اور آپ ضد کریں گے تو مجھے کس کی بات ماننا چاہئے۔ کیا ابو سے نافرمانی کروں۔ وہ بہت بیمار ہیں۔ میری نافرمانی انہیں توڑ ڈالے گی۔"

وہ بے بسی سے بولے۔ "اوہ خدایا! ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ وہ بیمار نہ ہوتا تو ہم حکم دیتے' نافرمانی کرو اور ابھی ہمارے پاس چلے آؤ۔ سجاد بیٹے! تم ہی کچھ کرو۔ اپنے ابو کو سمجھاؤ۔ اگر وہ ہمارے پاس نہیں آنا چاہتا نہ آئے' اپنا پتا تو بتائے۔ ہم اُسے گلے لگانے آئیں گے۔"

نفاست پیغام فیڈ کر کے جواب پڑھنے لگا۔ "وہ اسی لئے پتہ نہیں بتائیں گے کہ آپ دوڑے چلے آئیں گے۔ انہوں نے جو غلطی کی ہے اس کی سزا پانے کے لئے آپ سے دور رہ کر تڑپتے رہتے ہیں۔ خدا کے بعد آپ ہی کا نام لیتے رہتے ہیں۔"

عبادت علی کی آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔ وہ ایک مجبور باپ تھے۔ جو اپنے بیمار بیٹے کی عیادت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "تمہارا باپ خود سزا پا رہا ہے اور ہمیں بھی سزا دے رہا ہے۔ بیٹے! کچھ کرو۔ کم از کم اتنا کرو کہ ہم کسی طرح تمہیں بلینک چیک بھیج سکیں۔ تمہیں اور سدرہ کو محتاجی اور مفلسی سے نجات دلا سکیں۔"

نفاست پڑھ کر بتانے لگا۔ "دادا جان! میں سوچوں گا۔ کسی دوسرے شہر جا کر ایک قابل اعتماد دوست کا بینک اکاؤنٹ نمبر دوں گا۔ پھر آپ ہمارے لئے کچھ رقم بھیج سکیں گے۔"

وہ بولے۔ "کچھ نہیں بیٹے! بہت بڑی رقم یہاں سے روانہ کریں گے۔ تمہاری پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔"

نفاست بولا۔ "اُس نے لکھا ہے کہ آپ کی مہربانی سے ہم اچھے دن دیکھ سکیں گے۔ سدرہ کے بڑے بڑے خواب ہیں۔ اس کے خواب پورے ہو سکیں گے۔ خدا حافظ دادا جان! وقت ختم ہو چکا ہے۔ کل باتیں ہوں گی۔"

نفاست نے کمپیوٹر آف کر دیا۔ عبادت علی نے بے چین ہو کر پوچھا۔ "یہ .... یہ اتنی جلدی کیسے وقت ختم ہو گیا؟ وہاں کی گھڑی خراب ہے۔ دوبارہ رابطہ کرو۔"

نفاست انہیں سمجھاتے ہوئے بولا۔ "ابا جان! پوتے سے بات کرتے وقت آپ کو

وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔ ہماری گھڑی بھی یہی کہہ رہی ہے۔"

وہ بولے۔ "مگر وہ صرف پندرہ منٹ تک ہی کیوں باتیں کرتا رہا۔ وقت کیوں نہیں بڑھا سکا؟"

وہ بولا۔ "میرا خیال ہے کسی کمپیوٹر کیفے میں سو پچاس روپے ادا کرتا ہے۔ سجاد کی جیب میں جتنی رقم ہوگی' وہ اتنے ہی منٹ تو بات کرے گا۔"

وہ افسردہ لہجے میں بولے۔ "یہ کتنے دکھ کی بات ہے؟ کہ وہ ہم سے بات کرنے کے لئے پیسوں کا محتاج رہتا ہے۔"

وہ ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "آپ فکر نہ کریں' جلد ہی ان کی یہ محتاجی دور ہو جائے گی۔"

عبادت علی' نفاست کے بُنے ہوئے جال میں پھنستے جا رہے تھے اور وہ بڑی کامیابی سے اپنے منصوبے پر عمل کر رہا تھا۔

☆======☆======☆

حشمت بیگ نے اپنے پوتے فہد کو اس کی ماں سے جدا کر کے ایک مکان میں چھپایا ہوا تھا۔ اُس نے پوتے کو سنبھالنے کی ذمہ داری حمیرا کے سپرد کی تھی اور ان کی حفاظت کے لئے وہاں ایک سیکورٹی گارڈ موجود تھا۔

حمیرا بیڈ پر بیٹھی فہد کو سلا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھتے ہوئے سیکورٹی گارڈ سے بولی۔ "یہ سو گیا ہے' اس کا خیال رکھو۔ میں بس ابھی آتی ہوں۔"

وہ مکان سے باہر آ کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ اس کے موبائل فون سے بزر کی آواز سنائی دی۔ وہ نمبر پڑھ کر مسکراتی ہوئی اسے کان سے لگا کر بولی۔ "ہیلو .... مراد! کہاں ہو تم؟"

فون سے مراد کی آواز ابھری۔ "اپارٹمنٹ میں ہوں۔ تمہارا انتظار کر رہا ہوں اور بور ہو رہا ہوں۔ تمہیں اس وقت میرے پاس ہونا چاہیے۔"

وہ بولی۔ "شادی کے بعد پورے شوہر بن گئے ہو۔ حکم دے رہے ہو۔ کیا محبت سے نہیں بلا سکتے؟"

"مرد کے ایک حکم پر عورت چلی آئے تو فخر حاصل ہوتا ہے کہ یہ بالکل اپنی ہے۔ ہمارے ایک حکم پر تن من دھن سب کچھ نچھاور کر دیتی ہے۔"

حمیرا نے کہا۔ "وہ تو کر رہی ہوں۔ مگر دھن کے معاملے میں تم ٹال مٹول کر رہے ہو۔ تم نے کاروبار میں رقم لگانے کا وعدہ کیا تھا۔ کہاں ہیں وہ پچیس لاکھ؟"

"میں وعدے کے مطابق چیک دینے والا تھا مگر تمہارے بھائی کی بے وقت موت سمجھا رہی ہے کہ ایسے صدمات کے وقت کاروباری لین دین نہیں ہونا چاہیے۔"

ٹیکسی ایک اپارٹمنٹ کے سامنے رک گئی۔ وہ کرایہ ادا کر کے سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے فون پر بولی۔ "اس دنیا میں مرنا جینا لگا رہتا ہے۔ میں اور پاپا بھائی کی موت پر ماتم کر رہے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ زندگی کی گاڑی بھی چل رہی ہے۔ کاروبارِ زندگی کبھی نہیں رکتا۔"

وہ اوپر آ کر ایک دروازے کے سامنے رک گئی۔ پھر فون پر بولی۔ "مراد! تم اپنے فلیٹ کا بیرونی دروازہ کھولو۔"

"وہ کس لئے؟"

"تم کھولو تو سہی .... دیکھو کون آیا ہے؟"

مراد بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ دروازہ کھولنے کے لئے کمرے سے باہر آیا۔ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے دروازہ کھولنے لگا۔ "نہ جانے کس کو بھیجا ہے؟"

کھلے ہوئے دروازے کے باہر حمیرا کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ حیران ہو کر بولا۔ "ارے یہ کیا؟ تم..........."

وہ اندر آتے ہوئے بولی۔ "ہاں .... میں۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ اس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ مراد دروازہ بند کر کے پلٹا۔ وہ گرنے والی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے بازوؤں میں بھر لیا۔ "کیا ہوا' حمیرا!"

وہ اس کے سینے سے لگی گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے بولی۔ "سر چکرا رہا ہے۔ پتہ نہیں کیوں' دل بھی گھبرا رہا ہے؟"

وہ سہارا دے کر اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ "تمہیں ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہئے۔"

وہ ایک گلاس میں پانی انڈیل کر اُسے اپنے ہاتھوں سے پلاتے ہوئے بولا۔ "چلو .... ہم دونوں ابھی ہسپتال چلتے ہیں۔"

مراد اسے ایک لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے آیا۔ وہ حمیرا کا معائنہ کرنے کے لئے اُسے دوسرے کمرے میں لے گئی۔ پھر اس کا مکمل چیک اپ کر کے نسخہ لکھتے ہوئے بولی۔ "تم بہت کمزور ہو۔ میں دوائیں لکھ کر دے رہی ہوں۔ نو ماہ تک باقاعدگی سے یہ دوائیں لیتی رہو گی' اپنی صحت کا خیال رکھو گی تو بچہ بھی صحت مند ہو گا۔"

حمیرا سے یہ خوشخبری سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔ مرد کے لئے اولاد ہی پاؤں کی زنجیر ہوتی ہے۔ جسے وہ توڑ کر کبھی آزاد نہیں ہونا چاہتا۔ حمیرا کو یقین ہو گیا تھا کہ اب مراد اسے تنہا چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا۔ پہلے وہ صرف اس کی محبت میں گرفتار تھا لیکن اب بچہ پیروں کی زنجیر بننے والا تھا۔

وہ ڈاکٹر کے چیمبر سے باہر آئی۔ مراد بے چینی سے کوریڈور میں ٹہل رہا تھا۔ اسے

دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "کتنی دیر سے انتظار کر رہا ہوں' کیا کہا ڈاکٹر نے؟"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بنچ پر بٹھاتے ہوئے شرما کر بولی۔ "بہت بڑی خوشخبری ہے۔"

وہ بے چینی سے بولا۔ "سسپنس پیدا نہ کرو۔ جلدی بتاؤ' بات کیا ہے؟"

وہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے سر جھکا کر بولی۔ "وہ .... تم .... تم باپ بننے والے ہو۔"

وہ یہ سنتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "کیا .... واقعی تم .... تم سچ کہہ رہی ہو؟"

وہ اُسے نسخہ دکھاتے ہوئے بولی۔ "ہاں' یہ دیکھو .... ڈاکٹر نے دوائیں لکھ کر دی ہیں۔"

وہ نسخہ لیتے ہوئے بولا۔ "یہ تو واقعی بہت بڑی خوشخبری ہے۔"

"اب ہماری شادی راز نہیں رہے گی۔"

"بالکل نہیں رہے گی۔"

وہ بولی۔ "تو پھر آج میرے ساتھ گھر چلو .... ہم پاپا کو نکاح نامہ دکھائیں گے۔"

"ہاں .... مگر نکاح نامہ تو وہیں کوٹھی میں ہے۔ ایسا کرو' تم گھر چلو' اپنے پاپا کے پاس پہنچو میں نکاح نامہ لے کر آتا ہوں۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "نہیں .... ہم ساتھ چلیں گے۔"

"سمجھا کرو' وہ کاغذ میری کوٹھی میں ہے۔ تمہیں وہاں نہیں لے جا سکوں گا۔"

وہ بضد تھی بولی۔ "اب تو تمہاری کوٹھی میری کوٹھی ہے۔ مجھے وہاں کیوں نہیں لے جا سکتے؟"

"میں تمہیں بینڈ باجے کے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ تم چلو' آج میں تمہارے پاپا کو پچیس لاکھ روپے کا چیک بھی دوں گا۔"

"ٹھیک ہے' جا رہی ہوں۔ جلدی آؤ گے نا؟"

وہ چٹکی بجاتے ہوئے بولا۔ "بس یوں گیا' اور یوں آیا .... سمجھو تمہارے پیچھے ہی آ رہا ہوں۔"

وہ کوریڈور سے گزر کر ہسپتال کے باہر چلی گئی۔ مراد اپنے موبائل فون پر نمبر پنچ

کرنے لگا پھر اسے کان سے لگا کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "ہیلو .... میں بول رہا ہوں۔ سید مراد علی شاہ .... ایک چھوٹا سا کام ہے شام تک پچاس ہزار مل جائیں گے۔"

وہ فون پر کام کی نوعیت بتانے لگا۔ چالاک باپ کا شاطر بیٹا۔ انسانیت کی کھال میں چھپا ہوا بھیڑیا۔ خودغرضی کی انتہا کو پہنچے والا مراد' آج اپنی محبت کے تقدس کو پامال کرنے والا تھا۔ وہ فون پر بات کر کے ہسپتال سے اپنے اپارٹمنٹ میں چلا گیا۔

حمیرا گھر پہنچی تو حشمت بیگ ریسیور کان سے لگائے کسی سے بات کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر فون پر بولا۔ "یہ .... حمیرا آگئی ہے۔ میں پھر فون کروں گا۔"

وہ ریسیور رکھ کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "تم فہد کو چھوڑ کر کہاں چلی گئی تھیں؟ ابھی سیکورٹی گارڈ نے مجھے فون کیا تھا۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "ایک ضروری کام سے گئی تھی اور فہد کو سلا کر گئی تھی۔"

"میں نے تمہیں سمجھایا ہے کہ تم تمام دن اس کے پاس رہو گی اور رات کو میں وہاں رہا کروں گا۔"

"میں چلی جاؤں گی' ابھی ایک خوشخبری سنانے آئی ہوں۔"

حشمت اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ سر جھکا کر بولی۔ "ابھی مراد آرہے ہیں وہ .... وہ پہلی خوشخبری تو یہ ہے کہ آپ کو پچیس لاکھ کا چیک دیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "کیا واقعی؟ وہ کب آئے گا؟"

"ابھی آنے ہی والے ہیں۔ ایک .... ایک اور خوشخبری ہے۔"

وہ اُس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ "آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟"

"بھلا خوشخبری سن کر کوئی ناراض ہوتا ہے' بولو .... کیا بات ہے؟"

نجمہ ڈرائنگ روم میں آرہی تھی۔ باپ بیٹی کی باتیں سننے کے لئے دروازے پر ہی رک گئی۔

حمیرا ہچکچاتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ "وہ .... وہ پاپا! ہماری شادی ہو چکی ہے۔"

حشمت نے چونک کر غصے سے پوچھا۔ "کیا .... تم شادی کر چکی ہو؟"

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ حشمت نے پھر پوچھا۔ "کیا .... مراد سے؟"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "جی .... جی پاپا!"

"اتنی بڑی بات مجھ سے کیوں چھپائی گئی؟"

وہ بولی۔ "مراد نے کہا تھا۔ پہلے چیک پیش کریں گے' پھر یہ خوشخبری سنائیں گے۔"

وہ اس کی بات سن کر نرم رویہ اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "تم نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ مگر میں ناراض نہیں ہو سکتا۔ تم نے نقصان پہنچانے والا کام نہیں کیا ہے۔ تم ہماری طرح ہو' پہلے اپنا فائدہ دیکھتی ہو پھر کوئی قدم اٹھاتی ہو۔"

حمیرا باپ کو اعتماد میں لے کر مطمئن ہو گئی۔ نجمہ اندر آتی ہوئی طنزیہ لہجے میں بولی۔ "واہ .... کیا باپ ہیں؟ بیٹی نے بے حیائی سے چھپ کر شادی کی اور آپ خوش ہو رہے ہیں کہ اس نے کاروباری پھندا پھینکا ہے۔ بہت خوب.........."

ان دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ حشمت غصے سے بولا۔ "بکواس مت کرو .... جاؤ یہاں سے۔"

"خالی گود لے کر کہاں جاؤں؟ آپ میرے دونوں بچے لے آئیں پھر مجھے کسی کال کوٹھری میں قید کر دیں۔ میں اُف نہیں کروں گی۔"

وہ بولا۔ "صرف فہد ملے گا۔ وہ بھی اس شرط پر کہ تم یہ شہر چھوڑ کر کہیں دور چلی جاؤ گی۔ پھر کبھی منے کے لئے یہاں آؤ گی تو فہد کو بھی گنوا دو گی۔"

وہ تینوں ڈرائنگ روم میں تھے' اچانک ایک پولیس انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

حشمت انہیں دیکھ کر پریشان ہو کر بولا۔ "آپ کو اجازت کے بغیر اندر نہیں آنا چاہئے۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "کسی مجرم کو گرفتار کرنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

حشمت نے گھبرا کر نجمہ کی طرف دیکھا۔ پھر انسپکٹر سے پوچھا۔ "کون مجرم؟"

وہ نجمہ اور حمیرا کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم میں سے حمیرا کون ہے؟"

وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ "میں ہوں .... حمیرا۔"

انسپکٹر اسے سر سے پاؤں تک گہری نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "میں تمہیں بدچلنی کے الزام میں گرفتار کر رہا ہوں۔"

ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف گھبرا کر دیکھا' حشمت غصے سے پھنکارا۔ "یہ کیا بکواس ہے؟ آپ میری بیٹی کو بدچلن کہہ رہے ہیں۔"

وہ بولا۔ ”آپ کی بیٹی کنواری ماں بننے والی ہے۔“

حشمت نے پریشان ہو کر حمیرا کو دیکھا پھر انسپکٹر سے کہا۔ ”آپ ہم پر کیچڑ اچھال رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میری بیٹی کنواری نہیں‘ شادی شدہ ہے۔“

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”اچھا.......... آپ نے بیٹی کی شادی کروائی تھی؟“

حمیرا پریشانی سے سوچ رہی تھی کہ اندر کی بات پولیس تک کیسے پہنچ گئی؟ وہ بولی۔ ”بیٹیوں کی شادی باپ ہی کراتے ہیں۔“

انسپکٹر نے حشمت سے پوچھا۔ ”پھر تو آپ داماد کو جانتے‘ پہچانتے ہوں گے‘ کون ہے وہ‘ کیا نام ہے اس کا؟“

”مراد علی.......... سید عبادت علی شاہ کا پوتا سید مراد علی شاہ۔“

انسپکٹر ہنستے ہوئے بولا۔ ”واہ.......... بہت خوب.......... مراد علی صاحب نے ہمیں اطلاع دی تھی کہ یہ صاحبزادی ناجائز بچے کی ماں بننے والی ہے۔“

حمیرا انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ”یہ جھوٹ ہے‘ مراد کبھی ایسا نہیں کہیں گے۔ وہ ابھی یہاں آنے والے ہیں۔“

انسپکٹر بولا۔ ”وہ یہاں نہیں آئیں گے۔ تمہیں ہسپتال پہنچایا جائے گا۔ وہاں میڈیکل چیک اپ کرایا جائے گا‘ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ تم ماں بننے والی ہو تو پھر تمہیں جیل پہنچا دیا جائے گا۔“

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے فون کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ ”نہیں.......... ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ میں ابھی مراد سے رابطہ کرتی ہوں۔“

وہ نمبر پنچ کر کے ریسیور کان سے لگا کر بولی۔ ”ہیلو.......... مراد!“

مراد بیڈ پر لیٹا ہوا موبائل فون کان سے لگا کر بولا۔ ”ہائے حمیرا! کیا تکلیف ہے؟“

وہ پریشان ہو کر بولی۔ ”تم کہاں ہو؟ فوراً آؤ.......... یہاں حالات بگڑ رہے ہیں۔ پولیس آئی ہے۔ ہمارے بچے کے سلسلے میں ثبوت مانگ رہی ہے۔“

مراد نے حشمت کے خاندان سے انتقام لینا تھا۔ انہیں بدنام کرنا تھا اور وہ کر چکا تھا۔ اب اس کا حمیرا سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ لاپرواہی سے بولا۔ ”مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ بچے کے باپ کو بلاؤ‘ پولیس کے سامنے پیش کرو۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہو؟ بچے کے باپ تم ہو‘ نکاح نامہ لے کر آؤ۔“

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ”جو لڑکیاں چوری چھپے شادیاں کرتی ہیں‘ اپنے ماں باپ

اور بزرگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتی ہیں ان کے نکاح نامے ہوا میں لکھے جاتے ہیں اور ایسی شادیاں ہوا ہو جاتی ہیں۔“

مراد کی باتیں سن کر حمیرا پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی‘ ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

حشمت نے آگے بڑھ کر ریسیور کان سے لگا کر کہا۔ ”ہیلو.......... مراد بیٹے! میں حشمت بول رہا ہوں۔“

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”مراد بیٹے! باپ مجھے بیٹا کہہ رہا ہے‘ بیٹی مجھے اپنا شوہر بنا رہی ہے؟“

وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ ”تم داماد ہی تو ہو‘ داماد کو بیٹا بھی کہتے ہیں۔“

انسپکٹر طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے باپ‘ بیٹی کی بے بسی کو دیکھ رہا تھا۔ نجمہ سوچ رہی تھی کہ شاید ان لوگوں پر مجھ جیسی دکھیاری ماں کی ہائے پڑی ہے؟

مراد فون پر بولا۔ ”کوئی شرم حیا ہے‘ بیٹی نے جس کا نام بتایا اسے داماد مان لیا‘ کیا غیرت بیچ کر کھا گئے ہو؟ تمہیں یاد ہے‘ تم اپنے بیٹے کے ساتھ میرے ڈیڈی کے آفس میں آئے تھے اور انہیں چیلنج کر کے گئے تھے کہ تم زیبی کو اٹھا کر لے جاؤ گے‘ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑو گے۔“

حشمت ریسیور کان سے لگائے پریشانی سے اس کی باتیں سن رہا تھا‘ مراد نے کہا۔ ”یہ تمہارے چیلنج کا جواب ہے۔ تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔ بدنامی سے بچنے کے لئے ہونے والے بچے کو مٹانا چاہو گے‘ مگر مٹا نہیں سکو گے۔ وہ انسپکٹر ایسا نہیں کرنے دے گا۔ میرا وقت ضائع نہ کرو۔ انسپکٹر سے سودا کرو۔“

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ حشمت نے تھکے ہوئے انداز میں ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

انسپکٹر نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ”کیا ہوا‘ کوئی داماد نہیں مل رہا ہے؟ فٹ پاتھ پر بہت ملیں گے‘ بیٹی کے لئے پکڑ لاؤ۔“

حشمت انسپکٹر کے طنزیہ جملے سن کر شرمندگی سے زمین میں گڑتا جا رہا تھا۔ بیٹی نے باپ کو دنیا والوں کے سامنے تماشہ بنا دیا تھا۔

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ ”وہ.......... بات یہ ہے کہ مراد ہی میرا داماد ہے۔ ہم نے لین دین میں کمی کی ہے‘ اس لئے وہ ناراض ہے۔ ہم اسے منا لیں گے‘ آپ ہمیں

کچھ وقت دیں۔"

بیٹی نے جو کرنا تھا' وہ کر چکی تھی۔ بات کو سنبھالنا ضروری تھا' اسی لئے حشمت انسپکٹر کے سامنے باتیں بنا رہا تھا۔

انسپکٹر نے کہا۔ "برے وقت میں رقم مانگو' مل جاتی ہے' وقت مانگو نہیں ملتا' جو ہونا ہے وہ ابھی ہو گا۔"

حشمت سپاہیوں کی طرف دیکھ کر انسپکٹر سے بولا۔ "میں آپ سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"میری طرف سے تنہائی ہے۔"

حشمت نے نجمہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"کیوں جاؤں؟ آپ نے مجھے تماشہ بنا رکھا ہے' اب تو میں باپ بیٹی کا تماشہ دیکھوں گی۔"

حشمت نے گھبرا کر کہا۔ "جو .... جو منہ میں آتا ہے بول دیتی ہو۔ انسپکٹر! یہ ہماری سر چڑھی بہو ہے۔ آپ یہ بتائیں' کیا ہمارے آپ کے درمیان کچھ طے ہو سکتا ہے؟"

نجمہ نے کہا۔ "شرما رہے ہیں' بے چارے باپ جو ہیں۔ میں کہہ دیتی ہوں' جو ہو چکا ہے اس پر مٹی ڈالنے کا نذرانہ کیا ہو گا؟"

حشمت نے غصے سے اُسے گھورا' انسپکٹر نے کہا۔ "مٹی نہیں ڈالی جائے گی' ہم ثبوت کے طور پر میڈیکل رپورٹ ضرور حاصل کریں گے۔ ہاں .... اس کے بعد مک مکا ہو سکتا ہے۔"

حشمت نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "جب مک مکا ہو جائے گا تو پھر میڈیکل رپورٹ یا کسی ثبوت کی کیا ضرورت ہے؟"

حمیرا شرمندگی سے باپ کی بے بسی اور مجبوری دیکھ رہی تھی۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ مراد اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے گا۔

انسپکٹر بولا۔ "آگے بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ بندہ ضرورتوں کا غلام ہوتا ہے۔ ہم آپ کے غلام رہیں گے' عید بقر عید میں عیدی لینے آیا کریں گے۔"

حشمت نے غصے سے گھور کر حمیرا کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے منہ کو چھپا کر روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اس نے انسپکٹر سے کہا۔ "دیکھئے .... جو لینا ہے' ایک

ہی وقت میں لے لیں' میں ہمیشہ پریشان ہونا نہیں چاہوں گا۔"

نجمہ نے مداخلت کی۔ "یہ دوسروں کو پریشانی میں مبتلا رکھتے ہیں۔ ان پر رحم کریں۔"

انسپکٹر بولا۔ "میں چوبیس گھنٹے کا وقت دیتا ہوں' آپ کسی کو داماد بنا کر پکا نکاح نامہ حاصل کر لیں۔ ایسا نہ ہوا تو میں چوبیس گھنٹے کے بعد آ کر آپ کی بیٹی کو گرفتار کروں گا۔"

حشمت احسان مندی سے بولا۔ "آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔ میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

"آپ احسان بھول جائیں کوئی بات نہیں' لین دین نہ بھولیں۔ فی الحال بیٹی کو گرفتار نہ کرنے کے پچاس ہزار اور چوبیس گھنٹے کی مہلت دینے کے پچاس ہزار۔"

انسپکٹر نے اچھی خاصی رقم مانگی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ مجبور باپ بدنامی سے بچنے کے لئے اسے منہ مانگی رقم دے سکتا ہے۔ حشمت بے بسی سے اسے دیکھتا ہوا اپنے کمرے میں گیا' پھر کچھ دیر بعد ایک لاکھ روپے کیش لے کر واپس آ گیا۔ انسپکٹر رقم لے کر مسکراتا ہوا چلا گیا۔

ان کے جانے کے بعد حشمت نے پلٹ کر نجمہ کو گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا بکواس کر رہی تھیں انسپکٹر کے سامنے؟ میری مجبوریوں سے فائدہ اٹھا رہی تھیں؟"

"آپ بھی تو میری مجبوریوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔"

وہ غصے سے چلایا۔ "بکواس مت کرو۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے' وہ گھر کی بات ہے' مگر حمیرا کی بات باہر جائے گی تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

وہ ٹوکتے ہوئے بولی۔ "ہم نہیں .... آپ کسی کو منہ نہیں دکھا سکیں گے۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ضرورت پر گدھے کو بھی باپ بنایا جا سکتا ہے' یہ بہو ہے فہد کے لئے میری بات مان لے گی۔

وہ سوچتے سوچتے چونک گیا۔ پھر ذرا نرم لہجے میں بولا۔ "مجھے اس وقت تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔ وہ انسپکٹر ہماری تاک میں رہے گا۔ حمیرا کو کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس جانے نہیں دے گا۔ وہ کبھی نہیں چاہے گا کہ ہم بدنامی کو سر سے مٹا ڈالیں۔"

نجمہ سوچ میں پڑ گئی کہ اگر میں ان کے ساتھ تعاون کروں تو یہ فہد کو میرے حوالے کر دیں گے۔

وہ اسے خاموش دیکھ کر بولا۔ ”کس سوچ میں گم ہو۔ کیا تم کسی لیڈی ڈاکٹر کو یہاں سکتی ہو؟“

وہ بولی۔ ”نہ کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت ہے‘ نہ کسی کو یہاں بلانا ضروری ہے۔ ہم عورتیں گھریلو ٹوٹکے خوب جانتی ہیں۔“

”تم جانتی ہو؟“

”ہاں.........“ وہ چٹکی بجاتے ہوئے بولی۔ ”بدنامی یوں ہوا ہو جائے گی۔“

وہ خوش ہو کر بولا۔ ”میں جانتا تھا کہ تم ایسا کر سکو گی۔ بہو ہونے کے ناتے تم ہی اس گھر کی عزت رکھ سکتی ہو۔ جاؤ بیٹی! اس کام میں دیر نہ کرو۔“

وہ بولی۔ ”دیر نہیں ہو گی‘ فہد کے آتے ہی کام ہو جائے گا۔“

”آں......... فہد......... فہد کی فکر نہ کرو۔ وہ جہاں بھی ہے‘ آرام سے ہے۔“

”بچے کو صرف ماں کی گود میں ہی آرام ملتا ہے۔“

”تم اس بدنامی کو ختم کرو‘ وہ آ جائے گا۔“

”پہلے وہ آ جائے پھر یہ کام ہو گا۔“

”دیکھو میں سمجھا رہا ہوں‘ یہ کام ابھی کرو۔ ورنہ فہد زندہ نہیں ملے گا۔“

”اللہ اسے سلامت رکھے گا۔ آپ کا کیا بنے گا؟ مراد آپ کو عزت سے جینے نہیں دے گا۔“

حشمت کو نجمہ کے بلیک میل کرنے والے رویے نے غصے سے بھر دیا۔ دونوں ہی پہلے اپنی بات منوانا چاہتے تھے۔

وہ غصے سے بولا۔ ”تم شاید اپنے بیٹے کو کھو دینا چاہتی ہو۔ ٹھیک ہے‘ میں مراد سے نمٹ لوں گا۔ میرے سامنے اور کئی راستے ہیں۔ میں اپنی دولت سے ایک اور داماد خرید سکتا ہوں۔ چند گھنٹوں میں میری بیٹی کا پکا نکاح نامہ تیار ہو جائے گا۔“

وہ پیر پٹختا ہوا چلا گیا۔ اس نے چور نظروں سے فون کی طرف دیکھا۔ پھر ڈرائنگ روم سے باہر آ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ حشمت شاید کہیں باہر چلا گیا تھا اور حمیرا اپنے کمرے میں بند تھی۔ وہ پلٹ کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ پھر ریسیور کان سے لگا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔

فون سے عبادت علی کی آواز ابھری۔ ”ہیلو......... ہم بول رہے ہیں۔“

وہ دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی۔ ”یہ میں بول رہی ہوں

حشمت بیگ کی بہو......... نجمہ۔“

”تم......... تم کہاں ہو؟ کیسی ماں ہو؟ بچے کے لئے روتی ہو‘ آتی نہیں ہو؟“

وہ روتے ہوئے بولی۔ ”میں کیا بتاؤں‘ کس عذاب سے گزر رہی ہوں؟ آپ سے بات کرنے کا مشکل سے موقع ملا ہے۔ میرے سسر نہیں چاہتے کہ میں منے کو لینے آپ کے پاس آؤں اور پولیس انہیں یہاں آ کر گرفتار کر لے۔“

”ہم زبان دے چکے ہیں۔ تمہاری خاطر ہم حشمت کے خلاف قانونی کارروائی نہیں کریں گے۔“

وہ بے بسی سے بولی۔ ”وہ کبھی یقین نہیں کریں گے۔ آپ کو دشمن سمجھتے ہیں‘ دشمن سمجھتے رہیں گے۔ انہوں نے مجھے مجبور اور بے بس کر دینے کے لئے میرے بیٹے فہد کو اغوا کرایا ہے۔“

انہوں نے حیرت سے پوچھا۔ ”یہ کیا کہہ رہی ہو؟ دادا نے اپنے پوتے کو اغوا کرایا ہے؟“

وہ بولی۔ ”جی......... وہ کہتے ہیں کہ میں منے کو لینے آپ کے پاس جاؤں گی تو میرا فہد مجھے زندہ نہیں ملے گا۔“

انہوں نے کہا۔ ”ہم بھی دادا ہیں۔ اپنی اولاد کو جان سے زیادہ چاہتے ہیں۔ اپنی آئندہ نسل کی خوشحالی کے لئے دن رات دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ یاخدا! وہ شیطان اپنے پوتے کو ماں سے چھین رہا ہے۔ بیٹی! ہمیں تم سے پوری ہمدردی ہے۔ بولو......... ہم تمہارے لئے کیا کریں؟“

وہ دروازے کی طرف دیکھ کر رازداری سے بولی۔ ”آپ کا ایک اور احسان چاہتی ہوں۔ آپ نے میرے منے کو شفقت دی ہے اسے میری امانت سمجھ کر کچھ روز اور سنبھال لیں۔ میں ابھی مجبور ہوں۔ یہ مجبوری ہمیشہ نہیں رہے گی۔ میں آؤں گی۔ اپنے بچے کو لینے ضرور آؤں گی۔“

”بیٹی! خدا پر بھروسہ رکھو‘ وہ بڑا کارساز ہے۔ ہم چاہیں تو ابھی حشمت کی گردن دبوچ سکتے ہیں۔ مگر تمہارے دوسرے بیٹے کو نقصان پہنچے گا۔ بیٹی! صبر کرو اور اطمینان رکھو۔ تمہارا بچہ ہمارے پاس تمہاری امانت ہے۔ یہ معصوم بچہ ہم پر بوجھ نہیں ہے۔ تم فکر نہ کرو۔“

اس نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ چھوٹے بچے کی طرف سے وہ مطمئن ہو گئی

تھی۔ اب صرف بڑے بیٹے کو خرانٹ دادا کی قید سے آزاد کرانا تھا۔ ان کی ایک کمزوری اس کے ہاتھ لگی تھی اور اسے پورا یقین تھا کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے بچے کو پایۂ میں کامیاب ہو جائے گی۔

☆======☆======☆

فراز نے انعام کے طور پر زیبی سے لنچ کی فرمائش کی تھی۔ وہ دونوں ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

زیبی نے کہا۔ "تم بہت ذہین ہو' دوسروں کے خیالوں کو پڑھ لیتے ہو۔ بائی داوے .... کرتے کیا ہو؟"

"بزنس .... پورے ملک میں میڈیکل EQUIPMENTS کا ایک ہی امپورٹر ہوں اور بھی کئی طرح کی مشینیں امپورٹ کر سکتا ہوں لیکن کس کے لئے کاروبار پھیلاؤں؟ اکیلا ہوں۔ اتنی بڑی دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔"

"آج نہیں تو کل کوئی لائف پارٹنر ہو گی۔ اس کے لئے بہت کچھ کرنا ہو گا۔"

وہ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "یہ پہلے نہیں سوچا تھا' اب سوچنے لگا ہوں۔"

فراز نے اپنی جیب سے ایک رنگ باکس نکالا' پھر اس میں سے انگوٹھی نکال کر زیبی کو دکھاتے ہوئے بولا۔ "یہ تمہاری انگلی میں خوب سجے گی۔"

وہ اسے گہری سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "ایک نیا رشتہ قائم کرنے کے لئے انگوٹھی پہنائی جاتی ہے۔"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "میں ایک مضبوط اور نہ ٹوٹنے والا رشتہ جوڑنا چاہتا ہوں۔"

"مضبوط رشتہ بزرگوں کی رضامندی سے قائم ہوتا ہے۔"

"ان کی رضامندی بھی حاصل ہو جائے گی۔"

زیبی بھی دل ہی دل میں اُسے پسند کرنے لگی تھی۔ مگر اس کے خاندان میں رشتوں کی بنیاد دولت اور حسب نسب پر رکھی جاتی ہے۔

وہ بولی۔ "بزرگوں کی رضامندی حاصل کرنا اتنا آسان نہیں ہے' جتنا تم سمجھ رہے ہو۔"

اس نے پوچھا۔ "مشکل کیا ہے؟"

"ہمارے ہاں رشتے اعلیٰ خاندان' شجرہ اور حسب نسب دیکھ کر کئے جاتے ہیں۔"

"میں اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ تمہارے بزرگوں کے سامنے شجرۂ حسب نسب پیش کر سکتا ہوں۔"

وہ نظریں جھکا کر بولی۔ "ہمارے ہاں شادیوں میں کروڑوں کا لین دین ہوتا ہے۔"

"وہ بھی ہو جائے گا........... اور بولو۔"

وہ اس کی حاضر جوابی سے پریشان ہو گئی تھی۔ ہر مشکل بات کو وہ آسان کرتا جا رہا تھا۔ زیبی نے کہا۔ "پہلے ہم دونوں ایک دوسرے کو سمجھیں گے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "ہاں .... یہ لازمی ہے۔ تم مجھے آزماتی رہو۔ میں آزمائشوں سے گزرتا رہوں گا۔"

"بس تو پھر اس انگوٹھی کو فی الحال اپنے پاس رکھو۔ یوں سمجھو کہ یہ میری امانت ہے اور مجھے امید ہے تم اس امانت میں خیانت نہیں کرو گے۔"

زیبی کی باتیں فراز کا حوصلہ بڑھا رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں پسندیدگی کی جھلک نظر آنے لگی تھی لیکن فراز کے دل میں ایک ہی اندیشہ سر ابھارتا تھا کہ جب حقیقت کھلے گی تو کیا ہو گا؟ کیا ملاقاتوں کے یہ سلسلے خواب بن جائیں گے؟ کیا زیبی مجھے غریب جان کر ٹھکرا دے گی؟

ایسے ہی کئی سوالات اس کے ذہن میں گردش کرتے رہتے تھے۔ مگر ان کے جواب اس کے پاس نہیں تھے۔ جواب تو آنے والا وقت ہی دے سکتا تھا۔

☆======☆======☆

عالیہ' عبادت علی کی کوٹھی کے بڑے سے باغیچے میں ٹہل رہی تھی۔ وہ جلد از جلد اسد سے دور ہو جانا چاہتی تھی۔ وہ اس کی محبت کو پیروں کی زنجیر نہیں بنانا چاہتی تھی۔

اس نے جھک کر پھول توڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ایسے وقت ایک مضبوط گرفت نے اس کے ہاتھ کو جکڑ لیا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ اسد مسکراتے ہوئے بولا۔ "کیا کر رہی ہو؟ اسے توڑو گی تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔"

وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔ "اسے توڑنے سے تمہارا دل کیوں ٹوٹے گا؟"

وہ بڑی محبت سے دوبارہ اس کے ہاتھ کو تھام کر اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نہیں چاہتا کہ یہ پھول ٹوٹ کر کسی دوسرے گلدان میں چلا جائے۔"

وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "پھول کی قسمت میں ٹوٹ کر بکھرنا لکھا ہے۔ کبھی یہ کسی سہرے پر سجتا ہے اور کبھی کسی مزار کی زینت بنتا ہے۔ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو؟"

ہمارے درمیان ہمیشہ فاصلہ رہے گا۔"

"کوئی فاصلہ نہیں رہے گا۔ تم مجھے بھٹکا رہی ہو۔ مجھ سے قریب ہو کر بھی دور رہ
کی بات کرتی ہو؟"

وہ اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ آزاد کراتے ہوئے بولی۔ "میں جو کرتی ہوں بہ
سمجھ کر کرتی ہوں۔"

وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت مار کر بولا۔ "دادی اماں بن گئی ہو۔ ابھی سے بہ
سمجھنا اور پھونک پھونک کر قدم رکھنا آ گیا ہے۔"

وہ سنجیدگی سے بولی۔ "میں دادی اماں نہیں ہوں لیکن بزرگوں کی طرح اپنا اچھا
سوچ سکتی ہوں۔"

"اس وقت تمہاری بزرگی کیا سمجھا رہی ہے؟ میرا تمہارے ساتھ رہنا اچھا ہے
برا؟"

اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "وہ .... دراصل تمہارے جو احساسات میرے لئے
ہیں، وہ مناسب نہیں ہیں۔"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "کیا تم میرے احساسات کو بدل سکو
گی؟"

وہ اس کے سوال پر الجھ گئی۔ اس سے نظریں چرانے لگی۔ ایسے وقت اسے کبریٰ
نظر آئی۔ وہ بڑے بڑے شاپنگ بیگ اٹھا کر لا رہی تھی۔ عالیہ آگے بڑھتی ہوئی بولی
"لائیں خالہ امی! مجھے دیں۔"

"رہنے دو بیٹی! ایک تو شاپنگ کا مزہ ہے، پھر شاپنگ کا سامان اٹھا کر گھومنے کا مزہ
کچھ اور ہے۔ لگتا ہے، ساری دنیا خرید کر گھوم رہے ہیں۔"

اسد اس کے ہاتھوں سے پیکٹ لیتے ہوئے بولا۔ "لائیں ممی! مجھے دیں۔ میں نے
بھی آپ کا دودھ پیا ہے۔ پوری دنیا کو اٹھا سکتا ہوں۔ ویسے ایک بات بتائیں۔ آپ نے
عالیہ کو بھی دودھ پلایا ہے؟"

عالیہ نے پریشان ہو کر کبریٰ کی طرف دیکھا، وہ سوچتے ہوئے بولی۔ "عالیہ تو بنگلہ
دیش میں پیدا ہوئی تھی۔ تین برس بعد یہاں آئی تھی میں بھلا دودھ کیسے پلاتی؟"

اسد نے گھور کر عالیہ کی طرف دیکھا وہ خاموشی سے سر جھکائے کھڑی ہوئی۔ کبریٰ
اس کے ہاتھوں سے پیکٹ لے کر اندر چلی گئی۔

وہ بولا۔ "تم بہت جھوٹی اور مکار ہو۔"

"میں نے تمہاری اور اس خاندان کی بہتری کے لئے جھوٹ بولا تھا۔ اب جاؤ یہاں
سے .... میرے قریب نہ آیا کرو۔"

وہ مزید اس کے قریب آ کر بولا۔ "تم کہو گی تو دنیا سے چلا جاؤں گا، مگر تمہیں ساتھ
لے کر جاؤں گا۔"

"پلیز جاؤ، یہاں سے .... میں نہیں چاہتی کہ ہمارا اسکینڈل بنے۔"

"تم اسکینڈل کی بات کر رہی ہو۔ میں تو چاہتا ہوں، آسمان پر یہاں سے وہاں تک لکھا
جائے .... WE ARE IN LOVE۔"

وہ زیر لب مسکرائی پھر بولی۔ "کیا مجھے گھر سے نکلوانا چاہتے ہو؟"

"ممی نے تمہیں کلیجے سے لگا کر پالا ہے۔ وہ تمہیں دل سے نہیں نکال سکیں گی۔ گھر
سے کیا نکالیں گی؟"

"دادا جان اور خالو ابا کے سامنے خالہ امی کچھ نہیں کہہ پائیں گی۔"

"میں کہوں گا۔"

وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔ "خدا کے لئے اسد! ایسا کچھ نہ کرو۔
پہلے بزرگوں کے فیصلے معلوم کرو۔ ہم ان سے باغی ہو کر اور لڑ جھگڑ کر اپنی بات نہیں
منوائیں گے۔ انہیں محبت سے سوچنے پر مجبور کریں گے۔"

اسد گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔ "اس گھر میں دولت ہے، مگر محبت نہیں ہے۔"

"میں نے دیکھا ہے۔ اس گھر میں پیار ہی پیار ہے۔ جب دولت کا معاملہ ہو تو محبت
اور جذبات کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ ورنہ یہ گھر پیارا گھر ہے۔"

وہ بڑی محبت سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "اور تم اس گھر کی پیاری سی
دلہن ہو۔"

وہ اس کی نظروں سے پگھلنے لگی۔ گھبرا کر نظریں چراتی ہوئی بولی۔ "بہت اچھا خواب
ہے۔"

"تمہارا خیال ہے، تمہیں بہو نہیں بنایا جائے گا۔ میرا یقین ہے بنایا جائے گا۔ کوئی
بات نہیں جب تک تقدیر فیصلہ نہ سنائے ہم دوستانہ محبت کے ساتھ اچھا وقت گزاریں گے
RIGHT?"

"RIGHT .... یہ ضروری نہیں کہ محبت کا انجام شادی ہو۔ نامرادی سہی، ہم

دوست رہیں گے۔"

☆======☆======☆

فراز زبیر کی کوٹھی پر پہنچا تو وہ نعیم اور مونا کے ساتھ لان میں کرکٹ کھیل رہا تھا۔ نعیم کہہ رہا تھا۔ "زبیر! کیا کر رہے ہو؟ چوکا چھکا لگاؤ۔"

زبیر نے فراز کو وہاں آتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ "میں کیا لگاؤں گا؟ اپنے ہیرو نے فیلڈ میں اترتے ہی چھکا مارا ہے۔ سیدھا زیبی کے دل میں اتر گیا ہے۔"

مونا' فراز کو شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں جانتی تھی' یہ ہینڈسم جادو جگائے گا۔ زیبی اسے دیکھ کر باؤلی ہو جائے گی۔"

نعیم نے کہا۔ "کمال اس کا نہیں' اس خاندانی شجرے کا ہے جو ہم نے بنایا ہے۔"

زبیر بولا۔ "میں نے فراز کو فقیر سے بادشاہ بنا دیا ہے۔"

وہ تینوں قہقہے لگانے لگے۔ فراز کے دل و دماغ پر ان کے طعنے بھرے جملے نشتر کی طرح لگ رہے تھے۔ وہ بڑے ضبط سے اور خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

مونا نے کہا۔ "فراز! اسے کوئی قیمتی تحفہ پیش کرو۔"

وہ بولا۔ "میں ہیرے کی انگوٹھی پیش کر رہا ہوں۔ مگر وہ لینے سے انکار کر رہی ہے۔"

وہ بولی۔ "تم لڑکیوں کی فطرت کو نہیں سمجھتے۔ وہ پہلے نہ .... نہ کرتی ہیں' پھر قبول کر لیتی ہیں۔"

نعیم نے فراز کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "ہیرے کی انگوٹھی ہے' کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ تم ساری زندگی اُسے ایسا قیمتی تحفہ پیش نہیں کر سکو گے۔"

وہ نعیم کی بات سن کر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ زبیر بولا۔ "ہیرو ہماری دولت پر عیش کر رہا ہے۔ خوب عیش کرو۔ مگر رزلٹ سامنے لاؤ .... اسے تباہ کر دو' برباد کر دو' ایسی حالت کر دو کہ وہ ہمارے سامنے سر جھکا کر آئے۔"

فراز کو اب احساس ہو رہا تھا کہ میں ان کے کہنے پر زیبی کو دھوکہ دے رہا ہوں۔ یہ اسے برباد کر دینا چاہتے ہیں اور میں ان کے ناپاک ارادوں میں ان کا آلہ کار بنا ہوا ہوں۔

زبیر کی آواز نے اسے چونکا دیا' وہ کہہ رہا تھا۔ "زیبی اعلیٰ خاندان کی بلندی سے غریب ہیرو کی پستی میں گرے گی تو میں اس پر تھوک دوں گا۔"

زبیر کی باتیں فراز کے لئے ناقابل برداشت ہو رہی تھیں۔ وہ تیزی سے پلٹ کر وہاں

سے اُسی کوٹھی میں آ گیا جو زبیر نے اسے عارضی طور پر دے رکھی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں آ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ اس کا ضمیر بار بار ملامت کر رہا تھا۔ "وہ میرے خوابوں میں آتی رہی' خیالوں میں آتی رہی' اب میری زندگی میں آ چکی ہے۔ میں نے اسے دل سے چاہا' اسی لئے اس کے دل میں سما گیا۔ وہ مجھے چاہنے لگی ہے' کیا میں اُسے دھوکہ دے سکتا ہوں؟ آخر ایک دن میری اصلیت سامنے آئے گی' میری یہ سچی محبت شیطانی محبت ثابت ہو گی تو اس کے دل پر کیا گزرے گی؟ کیا میں اس کے دوستوں میں اُس کی سوسائٹی میں اُسے ذلیل ہوتے دیکھ سکوں گا؟"

وہ سوچتے سوچتے چونک گیا' انکار میں سر ہلانے لگا' ایسے ہی وقت اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہیرے کی انگوٹھی پر پڑی' اس کے کانوں میں نعیم کے کہے ہوئے الفاظ گونجنے لگے۔ "ہیرے کی انگوٹھی ہے' کوئی معمولی چیز نہیں ہے' تم ساری زندگی اسے ایسا قیمتی تحفہ پیش نہیں کر سکو گے۔"

نعیم کی آواز خاموش ہوئی تو زبیر کی آواز اس کے دماغ میں پر ہتھوڑے برسانے لگی۔ "زیبی اعلیٰ خاندان کی بلندی سے غریب ہیرو کی پستی میں گرے گی تو میں اُس پر تھوک دوں گا۔"

فراز انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "نہیں .... ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ میں .... میں زیبی سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ اُسے سب کچھ سچ سچ بتا دوں گا۔ اس کے بعد وہ جو بھی فیصلہ کرے' مجھے منظور ہو گا۔"

اس نے فون کے ذریعے زیبی سے رابطہ کیا۔ پھر اسے ایک ریسٹورنٹ میں ملاقات کے لئے وقت دیا۔ وہ جلد از جلد سچائی کو واضح کر دینا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک اوپن ریسٹورنٹ میں پہنچ گئے۔ زیبی نے کہا۔ "اتنی ایمرجنسی میں بلایا ہے' ایسی بھی کیا ضروری بات تھی؟"

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ زیبی نے اس کا ہاتھ تھام کر ہولے سے جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔ "ہیلو .... کہاں پہنچے ہوئے ہو؟"

وہ چونکتے ہوئے بولا۔ "آں .... میں .... میں تمہارے پاس ہوں۔"

وہ بولی۔ "بعض اوقات ہم ہوتے کہیں ہیں اور پہنچتے کہیں ہیں۔ بات کیا ہے؟"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "وہ .... میں ایک الجھن میں

ہوں۔ تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

وہ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔ "فوراً الجھن سے نکلو اور کہہ دو۔"

اس نے بڑی محبت سے اسے دیکھا۔ پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "تم میری زندگی میں مٹھاس گھول رہی ہو اور میں تمہاری زندگی میں زہر گھول رہا ہوں۔"

اس نے مسکرا کر پوچھا۔ "اچھا.......... وہ کیسے؟"

"تم سے جھوٹ بول رہا ہوں۔"

زیبی نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "یعنی .... محبت نہیں کر رہے؟"

"محبت تو اتنی کرتا ہوں کہ اتنی اپنے آپ سے بھی نہیں کرتا۔"

"پھر پریشانی کیا ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "میں .... میں تمہیں دھوکہ دے رہا ہوں۔"

زیبی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "یہ آج کی تازہ خبر ہے؟"

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ میں کوئی بزنس مین نہیں ہوں۔"

وہ لاپرواہی سے بولی۔ "پھر کیا ہوا؟"

اس نے الجھتے ہوئے کہا۔ "میں بے روزگار ہوں۔ یہ رئیسانہ ٹھاٹ باٹ سب دکھاوا ہیں۔ دوسروں کی دولت پر عیش کر رہا ہوں۔ تمہیں پھانسنے کے لئے۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "یہ پھانسنا کیا ہوتا ہے؟ ایسا ستا لفظ زبان پر نہ لاؤ۔"

"میں ایسا ہی ستا ہوں، تمہیں دل و جان سے چاہنے کے باوجود تمہیں پھانس رہا ہوں۔ ایک رئیس زادہ زبیر مجھے مہرہ بنا کر تم سے انتقام لے رہا ہے۔"

اس نے ایک دم سے چونک کر پوچھا۔ "زبیر.......... تم زبیر کو جانتے ہو؟"

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "اس نے تمہیں اعلیٰ خاندان کی سطح سے نیچے گرانے کے لئے مجھے HIRE کیا ہے۔"

وہ بے یقینی سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں .... تم ایسے نہیں ہو۔"

"ایسا نہیں ہوں، اس لئے سازش سے آگاہ کر رہا ہوں۔"

"کیا اس طرح آگاہ کیا جاتا ہے؟ ان کے اشاروں پر ناچتے رہے، میرے جذبات سے کھیلتے رہے، مجھے محبت کا فریب دیتے رہے۔"

وہ بے بسی سے بولا۔ "میں فریبی ہوتا تو اپنی اصلیت بیان نہ کرتا۔"

زیبی نے اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "فراڈ کرنے کے بعد معصوم بننے والا مکاروں سے زیادہ مکار ہوتا ہے۔ تمہیں پہلے دن سے محبت تھی تو پہلے ہی دن اپنی اصلیت کیوں نہیں بتائی؟"

"میں اپنی سچائی کی اور تمہارے پیار کی قسم کھا کر کہتا ہوں.........."

اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔ زیبی نے غصے سے ایک ہاتھ ٹیبل پر مارا چائے کی پیالیاں فرش پر گر کر ٹوٹ گئیں۔ وہ بھی اندر سے کرچی کرچی ہو گئی تھی۔ پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر جاتے ہوئے بولی۔ "I HATE YOU"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ریسٹورنٹ سے باہر چلی گئی۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اسے اس صورت حال کا اندازہ تھا۔ اس نے سچائی بیان کر دی تھی۔ دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا لیکن دل کے معاملات بگڑ گئے تھے۔ زیبی نے اسے اپنے پیار کی سچائی بیان کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

☆======☆======☆

نفاست علی اپنے بیڈ روم میں ریسیور کان سے لگائے بول رہا تھا۔ "جب تم پچاس لاکھ روپے مانگو گے تو وہاں ابا جان فوراً ہی مجھے رقم بھیجنے کا حکم دیں گے۔"

دوسری طرف سے مراد کی آواز سنائی دی۔ "پچاس لاکھ سے کیا ہوتا ہے؟ ڈیڈ! ہم ایک دو کروڑ کا مطالبہ کریں گے وہ انکار نہیں کریں گے۔ فوراً راضی ہو جائیں گے۔ آخر تمام رقم ہمارے ہی اکاؤنٹ میں آئے گی۔"

اس نے کہا۔ "رقمیں بعد میں بھی ملتی رہیں گی، ابھی یہ مسئلہ ہے کہ وہ سجاد کو کمپیوٹر خریدنے کے لئے کہیں گے، پھر دن رات اس سے باتیں کرنے کے لئے ہمیں مصروف رکھیں گے۔ میں اتنا وقت کیسے نکالوں گا؟"

"ہوں .... وہ پوتے کے لئے دیوانے ہو رہے ہیں۔ دن ہو یا رات کسی وقت بھی اس سے باتیں کرنا چاہیں گے۔ آپ کو اُدھر دادا جان کا کمپیوٹر آپریٹ کرنے کے لئے ہر وقت ان کے پاس رہنا ہو گا اور مجھے بار بار آفس آنا ہو گا۔ ہم نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ یوں مشکلات بڑھتی جائیں گی۔"

نفاست پریشانی سے بولا۔ "ہوں ...... کیا کیا جا سکتا ہے؟ جو بھی ہو ان مشکلات سے کسی نہ کسی طرح نمٹنا ہی ہو گا۔ میں ابھی فون بند کر کے ابا جان کے کمرے میں جا کر کمپیوٹر آن کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد تم رابطہ کرو۔"

اتنا کہہ کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ پھر وہاں سے چلتا ہوا عبادت علی کے کمرے میں آیا۔ وہ بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ اسے دیکھ کر بولے۔ ”کہاں رہ گئے تھے؟ گھڑی دیکھو .... سجاد سے رابطہ کرنے کا وقت ہو رہا ہے۔“

وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”فکر نہ کریں۔ ابھی رابطہ ہو جائے گا۔“

وہ اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ نفاست کمپیوٹر آپریٹ کرنے لگا۔ مگر رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔

عبادت علی نے بے چینی سے پوچھا۔ ”بات کیا ہے؟ اب تک رابطہ کیوں نہیں ہوا؟“

وہ سوئچ بورڈ وغیرہ دیکھتے ہوئے بولا۔ ”ابھی ہو جائے گا۔ اُدھر سے کوئی ٹیکنیکل پرابلم ہے۔“

وہ ناگواری سے بولے۔ ”کیا ہمارے ہی وقت میں خرابی پیدا ہونی تھی؟ تم معلوم نہیں کر سکتے خرابی کیا ہے؟“

وہ کمپیوٹر آپریٹ کرتے ہوئے بولا۔ ”ابھی معلوم ہو جائے گا۔“

وہ گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بیزاری سے بولے۔ ”کچھ معلوم نہیں ہو گا۔ کتنی بار کہا ہے کہ مراد کو یہاں بٹھایا کرو۔ وہ تم سے زیادہ جانتا ہے۔“

وہ مانیٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”یہ .... یہ ہو گیا رابطہ .... سجاد آپ کو آداب کہہ رہا ہے۔“

وہ خوشی سے پہلو بدلتے ہوئے بولے۔ ”تسلیمات .... جیو .... قیامت تک جیو۔ ہم سب کی عمر تمہیں لگ جائے۔“

نفاست نے یہ سنتے ہی ناگواری سے منہ بنایا پھر کمپیوٹر کی طرف دیکھ کر پڑھنے لگا ہے۔ ”دادا جان! آپ کیسے ہیں؟ صحت کیسی ہے؟ میں نے اکثر بوڑھوں کو دیکھا ہے' وہ ہمیشہ بیمار رہتے ہیں۔ آپ بھی تو بوڑھے ہو گئے ہیں۔“

وہ ہنستے ہوئے بولے۔ ”بوڑھا ہو گیا تھا .... تم سے رابطہ ہوتے ہی جوان ہو گیا ہوں۔“

پھر انہوں نے بڑے فخر سے سینہ ٹھونکتے ہوئے کہا۔ ”نئی قوت مل گئی ہے۔ سینہ تان کر چلتا ہوں۔“

انہوں نے کچھ زیادہ ہی خود کو ٹھونک دیا۔ ٹھکا لگتے ہی کھانسنے لگے۔ انہوں نے

پریشان ہو کر نفاست سے پوچھا۔ ”وہاں کھانسی تو نہیں پہنچے گی؟“

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ”نہیں .... آگے کیا کہیں گے؟“

”کہنا کیا ہے؟ اس سے کہو' فوراً اپنی ضرورت بتائے۔ کتنی رقم چاہئے؟ پتہ بتائے ہم ابھی روانہ کریں گے۔ ہماری صحت کی فکر نہ کرے اپنی ضرورت بتائے۔ ہم نہیں چاہتے کہ سید عبادت علی شاہ کا پوتا دوسروں کا محتاج رہے۔ اس سے پوچھو' کتنی رقم چاہئے؟“

وہ بولتے جا رہے تھے اور نفاست کمپیوٹر میں ان کے پیغامات فیڈ کرتا جا رہا تھا۔ انہوں نے کہا۔ ”اس سے کہنا کل ہی کمپیوٹر خرید لے۔ کسی دوسرے کے کمپیوٹر سے رابطہ نہ کرے۔ دو باتیں کرو تو وقت ختم ہو جاتا ہے۔ کھل کر باتیں کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔“

نفاست دوسری طرف کا جواب پڑھتے ہوئے بولا۔ ”ابا جان! سجاد نے ایڈریس دیا ہے۔“

وہ خوش ہو کر بولے۔ ”لکھو .... جلدی لکھو۔“

نفاست ایڈریس پڑھ کر ایک کاغذ پر لکھنے لگا۔ ”چودھری احسان الحق دانے والا۔ عائشہ بائی بلڈنگ کی تیسری منزل' کھوکھراپار کراچی۔ لکھا ہے۔ اس بلڈنگ کی تیسری منزل پر احسان بھائی کا دفتر ہے۔ وہ ایک ملک سے دوسرے ملک ہنڈی کا کاروبار کرتے ہیں۔ اسلام آباد میں احسان بھائی کا بیٹا محسن رہتا ہے۔ آپ پچاس لاکھ روپے چودھری احسان الحق دانے والا یعنی احسان بھائی کو دیں گے تو وہ پچاس لاکھ کی ہنڈی اسی وقت ٹیلی فون کے ذریعے محسن کو پہنچا دیں گے۔ وہاں میں موجود رہوں گا۔ وہ رقم وصول کرتے ہی اس فون پر آپ کو بتا دوں گا کہ رقم مجھے مل چکی ہے۔“

عبادت علی خوش ہو کر بولے۔ ”بڑی رقم پہنچانے کا یہ طریقہ اچھا ہے۔ اس ہاتھ سے دیتے ہی اس ہاتھ پوتے کے پاس پہنچ جائے گی۔“

نفاست نے کہا۔ ”سجاد کہہ رہا ہے کہ وہ آج رات نو بجے اسلام آباد میں محسن کے پاس موجود رہے گا اور رقم کا انتظار کرے گا۔“

”اس سے کہو' تم نو بجے سے پہلے ہی یہاں احسان بھائی کے پاس رہو گے اور رقم ان کے حوالے کرو گے۔“

نفاست پیغام فیڈ کر کے بولا۔ ”جی .... میں نے کہہ دیا۔ وہ کچھ کہہ رہا ہے۔“

وہ پیغام پڑھنے لگا۔ ”میں نے کمپیوٹر کورس نہیں کیا ہے۔ اب سیکھنا شروع کروں گا۔

اسی لئے کسی کمپیوٹر جاننے والے کو ایک گھنٹے کے لئے HIRE کروں گا اور اس کے ذریعہ آپ سے خوب باتیں کروں گا۔"

"ایک گھنٹے میں خوب باتیں کیا ہوں گی؟ ادھر بات شروع ہو گی ادھر ختم ہو جائے گی' اسے ٹائم بڑھانے کے لئے کہو۔"

نفاست بولا۔ "ابا جان! آپ اس کی مجبوری کو سمجھیں۔ پہلے کسی کو HIRE کر دیں' پھر وقت بڑھایا جا سکے گا۔"

انہوں نے بے بسی سے کمپیوٹر کو دیکھا۔ وہ ایسا کھلونا تھا جس کے ذریعے نفاست ان کے دل کو بہلا رہا تھا۔

☆======☆======☆

حشمت بیگ کی کوٹھی کے باہر پولیس کا پہرہ لگایا گیا تھا۔ تاکہ معاملے کو دبانے کے لئے حشمت کوئی چالاکی نہ دکھا سکے۔ وہ آفس سے واپس آ رہا تھا۔ اس نے اپنی کار گیٹ کے سامنے روک دی۔ وہاں انسپکٹر پولیس موبائل سمیت گیٹ کے سامنے کھڑا ہوا دکھائی دیا۔

حشمت نے اپنی کار سے اتر کر اس کے پاس جا کر پوچھا۔ "کیا آپ میرا انتظار کر رہے ہیں؟"

وہ گہری نظروں سے کوٹھی کے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "جی نہیں' آپ نے تو چوبیس گھنٹوں کی مہلت لی ہے۔ اس سے پہلے میں آپ سے ملاقات کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔"

"تو پھر یہاں کس لئے؟"

وہ مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا۔ "اپنے سپاہیوں پر نظر رکھتا ہوں۔ کم بخت کام چور ہیں' کہیں چائے پینے جائیں گے اور یہاں کوئی لیڈی ڈاکٹر آ جائے گی۔ آپ اندر ہی اندر معاملہ دبا دیں گے۔ میری عیدی تو ماری جائے گی۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "یہاں کوئی لیڈی ڈاکٹر نہیں آئے گی۔ آپ میری ایک بات مانیں پلیز......... یہاں سے اپنے سپاہیوں کو لے جائیں۔ ان کو دیکھ کر علاقے کے لوگ کیا سوچتے ہوں گے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "سوچنا کیا ہے؟ بڑے لوگوں کے دروازوں پر سیکورٹی گارڈز ہوتے ہیں' سپاہیوں کے پہرے لگے ہوتے ہیں۔ آپ بھی بڑے ہیں' رئیس اعظم ہیں۔"

وہ اس کے طنز پر اندر ہی اندر کھول کر رہ گیا۔ جبراً خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "پلیز......... میری عزت کا خیال کریں۔ پولیس کے آتے ہی بدنامی شروع ہو جاتی ہے۔"

"آپ ہمیں آنے کیوں دیتے ہیں؟ چوبیس گھنٹے گزرنے سے پہلے دوسرا داماد لے آئیں۔ قصہ ختم ہو جائے گا۔ مراد صاحب سے پیچھا چھڑانے کا یہی ایک راستہ ہے۔"

پھر انسپکٹر نے گیٹ پر کھڑے سپاہیوں سے کہا۔ "اے' راستے سے ہٹو۔ گیٹ کھولو......... صاحب آئے ہیں' انہیں اندر جانے دو۔"

حشمت غصے سے مٹھیاں بھینچتا ہوا اپنی کار میں جا کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے اسٹارٹ کر کے کوٹھی کے احاطے میں آ گیا۔

حمیرا اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی۔ حشمت ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر آیا۔ حمیرا نے پلٹ کر دیکھا اس نے پوچھا۔ "کہاں جا رہی ہو؟"

"مراد میری توہین کر رہا ہے' میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔ اس سے دو ٹوک فیصلہ کرنے جا رہی ہوں۔"

"باہر تمہارے سگے کھڑے ہیں۔ وہ تمہیں کہیں نہیں جانے دیں گے اور کسی کو تمہارے پاس بھی نہیں آنے دیں گے۔"

"وہ مجھے کیوں روکیں گے؟ میں ثبوت کے طور پر نکاح نامہ لے کر آؤں گی۔"

"کوئی نکاح نہیں ہوا تھا۔ سب فراڈ تھا۔ اصل نکاح آج رات ہو گا۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا؟"

"ہاں......... میری مل میں ایک غریب کلرک ہے۔ اس کا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ وہ تم سے شادی کے لئے راضی ہو گیا ہے۔"

اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "یہ......... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں' ایک گڑھے میں گرنے کے بعد دوسرے گڑھے میں گر جاؤں' کیا میری کوئی عزت نہیں ہے؟ کوئی شرم نہیں ہے؟"

وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "شرم والی ہوتی تو یوں میری عزت کا جنازہ نہ نکالتی۔"

اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "آپ داماد بدلتے رہیں گے۔ میں شوہر بدلتی رہوں گی تو کیا عزت رہ جائے گی؟"

نجمہ بھی باپ بیٹی کی آوازیں سن کر کمرے میں آ گئی۔ حشمت نے اسے ناگواری سے دیکھ کر حمیرا سے کہا۔ "شٹ اپ......... میں کوئی بکواس نہیں سنوں گا۔"

نجمہ نے حمیرا کے قریب جا کر اس کے شانے کو تھپتھپا کر کہا۔ ''شاباش حمیرا! آج پتہ چلا' تم بے حیا نہیں ہو۔ تم نے محبت میں دھوکہ کھایا ہے۔ مگر شرم والی ہو۔''

حشمت نے غصے سے دانت پیستے ہوئے حمیرا سے کہا۔ ''یہ .... یہ تمہیں بھڑکا رہی ہے۔ تمہیں دوسری شادی کرنے سے منع کر رہی ہے۔''

نجمہ نے کہا۔ ''یہ راضی ہوگی' تب بھی میں یہ شادی نہیں ہونے دوں گی۔''

حمیرا کے انداز سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ نجمہ کی بات سے متفق ہے۔ حشمت نے جھنجلا کر نجمہ سے کہا۔ ''تم ایسے وقت کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہو؟''

وہ بولی۔ ''آپ جو کرنا چاہیں' وہ کریں لیکن فہد کو یہاں لے آئیں۔ میں آپ کا پیچھا چھوڑ دوں گی۔''

وہ اسے گھورتا ہوا تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ نجمہ نے حمیرا کو دونوں شانوں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''حمیرا! خوب اچھی طرح سوچو اور سمجھو۔ تم کہاں ہو؟ زندگی کے کس موڑ پر کھڑی ہو؟ کیا اب بھی تمہارا ضمیر یہ نہیں کہتا کہ مجھ پر ظلم ہو رہا ہے؟ اور یہ ظلم و ستم ڈھانے کے لئے تم اپنے پاپا کا ساتھ دے رہی ہو۔''

وہ اس سے نظریں چراتے ہوئے بولی۔ ''نہیں بھابی! میں ان کا ساتھ نہیں دے رہی ہوں۔''

''جھوٹ بول رہی ہو۔ تم باپ بیٹی بڑے منصوبے بناتے رہتے ہو۔ کیا اس بدنامی سے بچنے کی پلاننگ کی ہے؟''

حمیرا سوچ میں پڑ گئی۔ اسے اپنے پاپا کا فیصلہ قبول نہیں تھا۔ وہ دوسرا نکاح نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نجمہ ذرا توقف کے بعد بولی۔ ''میں کہہ دیتی ہوں' کوئی تدبیر کام نہیں آئے گی' صرف میں کام آ سکتی ہوں۔''

حمیرا نے چونک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی۔ ''میں نے تمہارے پاپا سے کہا تھا کہ میں گھریلو ٹوٹکے جانتی ہوں' منٹوں میں اس بدنامی کو ختم کر سکتی ہوں لیکن وہ مطلبی ہیں' خودغرض ہیں' وہ فہد کو یہاں لانا نہیں چاہتے۔ ایک ماں کا جائز مطالبہ پورا کرنا نہیں چاہتے۔''

حمیرا اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ ''اگر آپ مجھے مصیبت سے نجات دلا سکتی ہیں تو پاپا کو آپ کا مطالبہ مان لینا چاہئے۔''

''وہ انسپکٹر کو خاصی رقم دے چکے ہیں۔ آئندہ بھی دیتے رہیں گے اور میرے بچوں

کو مجھ سے چھین کر مجھے جیتے جی مارتے رہیں گے۔''

حشمت بیگ اپنے کمرے سے نکل کر کوریڈور سے گزر رہا تھا۔ ان دونوں کی آوازیں سن کر ٹھٹک گیا۔ دروازے کے قریب کھڑے ہو کر ان کی باتیں سننے لگا۔

حمیرا کہہ رہی تھی۔ ''مراد نے مجھے برباد کیا ہے۔ اب وہ میرے پورے خاندان کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔ اگر یہ بدنامی مٹ جائے تو وہ اپنی چال میں ناکام ہو جائے گا۔ یہ ہمارا گھریلو معاملہ ہے۔ ایسے وقت ہمیں آپس کے اختلافات کو بھول جانا چاہئے۔ ایک دوسرے پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اگر آپ کو فہد مل جائے تو کیا آپ منے کے لئے ضد نہیں کریں گی؟ پاپا کو گرفتار نہیں کرائیں گی؟''

''گرفتار کرانا ہوتا تو بیوہ ہوتے ہی فہد کو لے کر منے کے پاس پہنچ جاتی۔ اسے لے کر میکے چلی جاتی اور تمہارے پاپا کو حوالات میں پہنچا دیتی۔''

وہ تائید میں بولی۔ ''آپ درست کہتی ہیں۔ ہمیں آپ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ابھی پاپا سے کہوں گی کہ وہ فہد کو یہاں لے آئیں۔''

''اگر وہ نہ مانے تو؟''

''میں اس بدنامی سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہوں' پاپا نہیں مانیں گے تو میں فہد کو لے آؤں گی۔''

حشمت بیگ حمیرا کی بات سن کر چونک پڑا۔ بیٹی باپ سے دشمنی کرنے پر اتر آئی تھی۔ بہو بھڑکا رہی تھی اور وہ بھڑک رہی تھی۔ وہ بڑے دکھ سے سوچتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر مرحوم بیٹے کی تصویر کو دیکھ کر سوچنے لگا۔ ''بیٹے! میں تمہارا مجرم ہوں۔ تمہارے ساتھ انجانے میں جو کچھ ہوا اس کی سزا مجھے مل رہی ہے۔ میری بیٹی مجھے سزا دے رہی ہے۔ میرے منہ پر کالک مل رہی ہے۔ تم حمیرا کے خلاف کہتے تھے ایک دن یہ ہمیں بہت نقصان پہنچائے گی۔''

وہ ایک سرد آہ بھر کر زیر لب بڑبڑایا۔ ''آج تمہاری باتیں درست ثابت ہو رہی ہیں لیکن میں غیرت مند ہوں۔ اگر خود کو بدنامی سے نہ بچا سکا تو بے غیرت بیٹی کو گولی مار دوں گا۔ جب تمہارا صدمہ برداشت کر رہا ہوں تو بیٹی کیا چیز ہے؟''

دروازے پر کسی نے دستک دی' وہ چونک گیا۔ حمیرا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی' وہ بولا۔ ''تم نے مجھے دھوکہ دیا' چھپ کر شادی کی' پتہ نہیں شادی بھی کی تھی یا

نہیں؟ ایسی بے حیائی کے بعد منہ چھپانا چاہئے مگر تم بڑی بے حیائی سے باپ کے سامنے آ رہی ہو۔"

وہ بڑے صدمے سے باپ کی باتیں سن رہی تھی' پھر بولی۔ "میں نے دھوکا کھایا ہے۔ باتیں تو سننی ہی ہوں گی لیکن آپ باتیں سنا کر یہ مسئلہ حل نہیں کر سکیں گے۔"

"تمہیں زندہ دفن کرنے کے لئے کتنی بھاگ دوڑ کر رہا ہوں؟ یہ میں ہی جانتا ہوں۔ تم اپنی بدنامی یا اپنی موت کا کوئی نسخہ لائی ہو تو مجھے بتاؤ۔"

"بھابی نے آپ سے کہا تھا بدنامی ابھی ختم ہو سکتی ہے۔ ہمیں فہد کو یہاں لے آنا چاہئے۔"

وہ اسے گھور کر دیکھتے ہوئے غرا کر بولا۔ "ایک تو میرا منہ کالا کیا ہے۔ اب فہد کو یہاں لا کر مجھے حوالات میں پہنچانا چاہتی ہو؟"

وہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "پاپا! آپ مطمئن رہیں' بھابی منے کے پاس نہیں جائیں گی' آپ کو گرفتار بھی نہیں کرائیں گی' فہد کو لے کر میکے چلی جائیں گی۔"

"پیاسا کنوئیں کے پاس نہ جائے' ماں بچے کے پاس نہ جائے' یہ ماننے والی باتیں نہیں ہیں۔ تم اپنی بھابی کی باتوں میں نہ آؤ۔ فہد کو اس سے دور رکھو۔ میں آج شام تک اس بدنامی کا نام ونشان تک رہنے نہیں دوں گا۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں آپ کی کسی بات سے انکار نہیں کرتی ہوں۔ میں بھابی کی حمایت نہیں کروں گی۔ مگر شام تک آپ کچھ نہ کر سکے تو بھابی ہی مجھے مصیبت سے نجات دلائیں گی۔ فہد کو یہاں لانا ہی ہو گا۔"

وہ اتنا کہہ کر پلٹ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ پانی سر سے اونچا ہو رہا تھا' وہ جلد از جلد کنارے پر پہنچنا چاہتا تھا۔

☆======☆======☆

زیبی غصے سے فراز کو دھتکار کر گھر آ گئی تھی اور اب کمرے میں بند ہو کر اپنا محاسبہ کر رہی تھی کہ اس نے فراز کے ساتھ جو کیا وہ درست ہے یا غلط؟

وہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ اگر وہ مطلب پرست ہوتا تو اپنا فائدہ دیکھتے ہوئے کبھی مجھے سچائی سے آگاہ نہ کرتا۔ اس فراڈ میں اس کا فائدہ ہی فائدہ تھا۔ وہ ضرور سچا اور کھرا شخص ہے۔ اسی لئے اس جھوٹ کو زیادہ عرصے برداشت نہیں کر سکا۔"

وہ سوچتے سوچتے چونک گئی' محسوس کرنے لگی کہ وہ اس کے بارے میں اپنائیت سے سوچ رہی ہے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے فراز کی انسلٹ کی تھی۔

اس نے فون کی طرف دیکھا' پھر کچھ سوچ کر نمبر پنچ کرنے لگی۔ پھر رابطہ ہونے پر بولی۔ "ہیلو .... فراز! میں زیبی بول رہی ہوں۔"

نفاست' عبادت علی کے کمرے سے نکل کر زیبی کے کمرے کی طرف آ رہا تھا لیکن اس کی آواز سن کر کھڑکی کے پاس ہی کھڑا ہو گیا۔ وہ کسی سے فون پر باتیں کر رہی تھی۔

وہ ریسیور کان سے لگائے بولی۔ "میں دل سے مجبور ہو کر تمہیں مخاطب کر رہی ہوں۔ فراز! تم بہت ہی سچے اور کھرے ہو۔ اس وقت مجھے غصہ آ گیا تھا۔ ایک ہی بات HIT کر رہی تھی کہ تم نے خود کو رئیس اعظم ظاہر کر کے مجھے دھوکہ دیا ہے۔"

نفاست حیرت سے اس کی باتیں سن رہا تھا اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کس سے بات کر رہی ہے؟

وہ بولی۔ "تم فریبی نہیں ہو۔ تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ مجھے دشمنوں کی سازشوں سے آگاہ کیا ہے۔ وہ تمہیں مہرہ بنا کر میری عزت کو خاک میں ملانا چاہتے تھے لیکن تم نے ان کی سازشوں سے بچا لیا ہے۔ فراز! تم بہت عظیم ہو۔ تم نے میرے دادا جان کا اور ڈیڈی کا سر جھکنے نہیں دیا۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔"

نفاست گہری سنجیدگی سے بیٹی کی باتیں سن کر رہا تھا اور یہ بھی سوچ رہا تھا کہ وہ کون دشمن ہیں جو زیبی کو نقصان پہنچانا چاہ رہے ہیں۔

وہ بولی۔ "تم نے بے لوث محبت کا ثبوت دیا ہے لیکن تم سمجھ سکتے ہو کہ اس محبت کا انجام شادی نہیں ہے۔ تم بہترین دوست ہو' میری عزت کے محافظ ہو۔ میں تمام عمر تمہاری قدر کروں گی' مگر میری زندگی کا اہم فیصلہ میرے بزرگ کریں گے۔ میں دیکھنا چاہوں گی کہ وہ تمہاری کتنی قدر کریں گے؟"

پھر اس نے دوسری طرف کی باتیں سن کر رابطہ منقطع کر دیا۔ نفاست نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد زیبی نے دروازہ کھولا۔ "اوہ .... ڈیڈ آپ!"

وہ اندر داخل ہو کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ زیبی بھی اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے گہری نظروں سے بیٹی کو دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ فراز کون ہے؟"

زیبی نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر نظریں چرانے لگی۔ اس نے پوچھا۔ "وہ کون ہیں .... جو تمہیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں؟"

وہ سمجھ گئی تھی کہ اب بات کو چھپانا بے وقوفی ہے۔ شاید انہوں نے اس کی فون کال سن لی ہے؟

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "وہ .... وہ زبیر ہے۔ چیمبر آف کامرس کے ایک ممبر ثناء اللہ قادری کا بیٹا۔"

"قصہ کیا ہے؟"

"وہ خوش فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔ دوستی کی حد سے گزرنا چاہتا تھا۔ میں نے انکار کیا۔ تو اس نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا۔ اسی لئے وہ انتقام لینا چاہتا تھا۔ مگر فراز نے اس کی تمام سازشوں کو ناکام بنا دیا ہے۔"

وہ نفاست کو فراز کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگی۔ وہ توجہ سے سن رہا تھا۔ زبیر اور اس کے باپ کی ہسٹری بھی معلوم ہو رہی تھی۔

وہ زہبی کی تمام گفتگو سننے کے بعد بولا۔ "ایسے کم ظرف بزنس مین ہوتے ہیں جو کاروباری دنیا میں مات کھاتے ہیں۔ پھر انتقام لینے کے لئے ہماری اولاد کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ تمہیں ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ اپنے آؤٹ ڈور گیمز اور فنکشنز کو کم سے کم کرو۔ فرینڈشپ محدود کر دو' یا ختم کر دو۔"

وہ بولی۔ "ڈیڈ! فراز ایک اچھا اور سچا دوست ہے۔ زبیر نے اسے رہنے کے لئے کوٹھی دی تھی' کار دی تھی' اس کے نام بینک اکاؤنٹ کھولا تھا لیکن اس نے یہ سب کچھ ٹھکرا دیا ہے۔ اب وہ بے روزگار ہے۔ میں چاہتی ہوں' اس کی تعلیم اور قابلیت کے مطابق اسے کوئی ملازمت مل جائے۔"

"بے شک' اس نے ہمارے خاندان کی عزت بچائی ہے۔ وہ انعام کا مستحق ہے۔ ہم اس کی قابلیت کے مطابق اسے اچھی سی ملازمت ضرور دیں گے۔"

وہ خوش ہو کر اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔ "او .... ڈیڈ .... یو آر گریٹ .... تھینک یو ڈیڈ!"

وہ اس کے گال کو تھپتھپا کر وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اُسے اس بات کا اطمینان تھا کہ بیٹی اس کے نقش قدم پر چل رہی ہے۔ وہ غریب سے دوستی تو کر رہی ہے مگر رشتہ داری جوڑنا نہیں چاہتی ہے۔

☆======☆======☆

حشمت بیگ بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ "پہلے ہو

عذاب جان بنی ہوئی تھی' اب یہ بیٹی منہ پر کالک مل رہی ہے۔ چیلنج کر رہی ہے۔ میں فہد کو گھر نہ لایا تو وہ اُسے نجمہ کے پاس پہنچا دے گی۔"

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ پریشانی سے سوچنے لگا۔ "اگر فہد نجمہ کو مل جائے گا تو یہ مجھ سے انتقام لے گی۔ اس گونگی کو اغوا کرانے کے جرم میں مجھے گرفتار کرا دے گی۔ حمیرا میرے لئے خطرہ بنتی جا رہی ہے۔ یہ فہد کو نجمہ کے پاس پہنچا سکتی ہے۔ اپنی بدنامی کو مٹانے کے لئے نجمہ کا ساتھ دے سکتی ہے۔ اسے عبادت علی اور اس گونگی کے پاس لے جا سکتی ہے۔

حمیرا میرے کاروبار میں بھی رکاوٹ بنے گی۔ ففٹی پرسنٹ کی پارٹنرشپ چھوڑنا نہیں چاہے گی۔ میرا کروڑوں کا نقصان کرے گی۔ یہ .... یہ بیٹیاں ہمیں کیا دیتی ہیں؟ ذلت' رسوائی اور ناکامیاں؟ مراد علی کا پورا خاندان مجھے ایک ناجائز بچے کا نانا کہے گا۔ مجھ پر تھوکے گا۔"

وہ سوچتے سوچتے چونک گیا۔ پریشان ہو کر کمرے سے نکل کر کوریڈور میں آ گیا۔ وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ اسے جلد ہی کسی نہ کسی فیصلے پر پہنچنا تھا۔ انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو اپنے پرائے کی تمیز بھول جاتا ہے۔ اپنے نفع کے لئے سگے رشتوں کو بھی داؤ پر لگانے سے گریز نہیں کرتا۔

وہ وہاں سے چلتا ہوا حمیرا کے کمرے کے قریب آیا۔ نجمہ اور حمیرا کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ کان لگا کر سننے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی ڈرائنگ روم سے فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا وہاں آیا۔ پھر ریسیور اٹھا کر اسے کان سے لگا کر بولا۔

"ہیلو؟"

دوسری طرف سے انسپکٹر کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو .... کیا ہوا بیگ صاحب! چوبیس گھنٹے پورے ہونے والے ہیں۔ آپ گھڑی دیکھ رہے ہیں؟"

وہ ناگواری سے بولا۔ "گھڑی دیکھوں یا نہ دیکھوں مگر اپنا برا وقت دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت میرے بریف کیس میں دس لاکھ روپے ہیں۔ کیا اس معاملے کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا جا سکتا ہے' کیا اتنی رقم کافی ہے؟"

انسپکٹر بے یقینی سے بولا۔ "دس لاکھ .... کیا کہہ رہے ہیں؟ بیگ صاحب! دس لاکھ میں تو ایمان بیچ دوں گا اور بیچ ہی رہا ہوں۔ کیا میں رقم لینے آؤں؟"

وہ بولا۔ "نہیں .... آپ زحمت نہ کریں' میرا انتظار کریں' میں یہ رقم لے کر

ابھی آپ کے پاس پہنچتا ہوں۔"

اس نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ اس کا شیطانی دماغ منصوبہ تیار کر چکا تھا۔ جس پر عمل کر کے وہ آئندہ بہت سی پریشانیوں اور الجھنوں سے محفوظ رہ سکتا تھا۔

وہ تیزی سے چلتا ہوا کوریڈور میں آیا۔ نجمہ اب تک حمیرا کے کمرے میں موجود تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آیا' دروازہ لاک کر کے الماری کی طرف بڑھا۔ اسے کھول کر بریف کیس نکالا۔ پھر اس بریف کیس میں بے کار کتابیں رکھنے لگا۔

اس کارروائی سے فارغ ہو کر اس نے الماری کے آئرن سیف سے ایک ٹائم بم نکالا۔ گھڑی کی طرف دیکھ کر اس میں ٹائم سیٹ کرنے لگا۔ پھر اسے بریف کیس میں رکھ کر لاک کر دیا۔

وہ ایک لمحے کے لئے رک کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس بریف کیس کو میز پر چھوڑ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ اس نے چور نظروں سے کوریڈور میں دائیں سے بائیں دیکھا۔ وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ مطمئن ہو کر چھت پر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھا اور تیزی سے انہیں عبور کرتا ہوا چھت پر آ گیا۔

اس نے کوٹ کی جیب سے موبائل فون نکالا اور نمبر پنچ کرنے لگا۔ پھر اسے کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو؟"

دوسری طرف حمیرا ریسیور کان سے لگائے بولی۔ "ہیلو۔"

اس نے کہا۔ "بیٹی! میں بول رہا ہوں۔"

"پاپا آپ! کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"پہلے یہ بتاؤ' تم تنہا ہو؟ نجمہ تو آس پاس نہیں ہے؟"

"نہیں .... بھابی ابھی اپنے کمرے میں گئی ہیں۔ بات کیا ہے؟ آپ کہاں ہیں؟"

"میں اس وقت تھانے میں ہوں' انسپکٹر سے تمام معاملات طے ہو گئے ہیں۔ بدنامی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔ اپنے پاپا پر بھروسہ کرو۔ نجمہ کی باتوں میں آؤ گی تو ہم باپ بیٹی اپنے کاروبار کے ساتھ تباہ ہو جائیں گے۔ کیا میری ایک آخری بات مانو گی؟"

"ضرور مانوں گی۔ آپ کی بیٹی ہوں۔ پہلے آپ کو ترجیح دیتی ہوں۔"

"شاباش بیٹی! میرے کمرے میں ایک بریف کیس رکھا ہوا ہے۔ اس میں ایک بہت بڑی رقم ہے۔ اسے لے کر فوراً تھانے آ جاؤ۔ انسپکٹر سے سودا ہو چکا ہے۔ فوراً آؤ اور دیکھو کہ تمہارا باپ تمہاری نجات کے لئے کتنی محنت کر رہا ہے؟ کتنی رقم خرچ کر رہا

ہے؟"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "پاپا! میں جانتی ہوں' آپ میرے لئے اپنی دولت پانی کی طرح بہا سکتے ہیں اور ایسا کر رہے ہیں۔ میں ابھی آ رہی ہوں۔"

وہ ریسیور رکھ کر اپنے کمرے سے نکل کر حشمت کے کمرے میں آئی۔ سامنے میز پر بریف کیس دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کی سفاکی سے ناآشنا تھی۔ نہیں جانتی تھی کہ باپ کا ظاہری شفیق اور مہربان دل درحقیقت کیسے کیسے گھناؤنے منصوبوں کی آماجگاہ ہے؟

وہ موت کے فرشتے کو میز پر سے اٹھا کر کمرے سے باہر آ گئی۔ تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے احاطے میں کھڑی کار کے پاس آئی۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بریف کیس کو سیٹ پر رکھا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ گئی۔ پھر ایک جھٹکے سے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ چوکیدار مین گیٹ کھول چکا تھا۔

وہ تیزی سے کار ڈرائیو کرتی ہوئی کوٹھی سے باہر آئی۔ پہرہ دینے والے دو سپاہیوں میں سے ایک نے اسے دیکھ کر دوسرے سپاہی سے کہا۔ "وہ بھاگ رہی ہے' سر کو فون کرو۔"

وہ دوڑتے ہوئے ایک طرف جانے لگے۔ حمیرا کی کار مین روڈ پر تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ موت بھی تیزی سے حمیرا کی طرف بڑھ رہی تھی۔

کچھ دور جا کر کار جھٹکے لینے لگی۔ رک رک کر چلنے لگی۔ پھر اچانک رک گئی۔ حمیرا نے پریشان ہو کر اسے دوبارہ اسٹارٹ کرنا چاہا۔ مگر ناکام رہی۔ وہ کار سے اتر کر بونٹ کھول کر خرابی تلاش کرنے لگی۔ کار رک گئی تھی لیکن موت اب بھی پیچھا کر رہی تھی۔

بریف کیس میں ٹائم بم کا وقت تیزی سے اپنے اختتام پر پہنچنے والا تھا لیکن شاید حمیرا کی موت کا وقت ابھی دور تھا۔ وہ سر جھکائے کار کی خرابی درست کر رہی تھی۔ ایسے وقت ایک شخص کی نظر کار کی پچھلی سیٹ پر رکھے ہوئے بریف کیس پر پڑی۔ اس نے حمیرا کو مصروف دیکھ کر موقع سے فائدہ اٹھایا اور بریف کیس اٹھا کر ایک طرف دوڑنے لگا۔

حمیرا کی نظر اچانک اسے شخص پر پڑی۔ اس کے ہاتھ میں وہی بریف کیس تھا جس میں دس لاکھ روپے رکھے تھے اور جسے جلد از جلد تھانے پہنچانا تھا۔ وہ چیخنے لگی۔ "اے .... اے .... رک جاؤ۔"

آس پاس سے گزرنے والے افراد اس کی آواز سن کر اس کے پاس آ گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ انہیں کچھ بتاتی۔ ایک زوردار دھماکے نے اس کے کان سن کر دیئے۔ ایک

لمحے کے لئے اسے یوں لگا جیسے زمین میں ارتعاش پیدا ہو گیا ہے اور وہ گرتے گرتے سنبھ
گئی ہے۔ آنکھوں کے سامنے آگ کا شعلہ سا لپکا تھا پھر اندھیرا پھیلتا چلا گیا۔

وہ کانوں پر ہاتھ رکھے حیرت سے اس سمت دیکھ رہی تھی۔ جہاں ابھی وہ شخص بڑ
ہوا گیا تھا۔ مگر کچھ دور جاتے ہی بم بلاسٹ نے اس کے چیتھڑے اڑا دیئے تھے۔ افراتف
کا عالم تھا۔ لوگ اس کے قریب سے گزر رہے تھے' بول رہے تھے' کوئی کہہ رہا تھا۔ "
جی .... اچانک ہی دھماکہ ہوا ہے۔"

ایک اور شخص نے کہا۔ "میں نے ایک شخص کو اس طرف دوڑتے ہوئے دیکھا تھ
اس کے ہاتھ میں بریف کیس تھا۔ بم اس میں رکھا گیا ہو گا۔"

لوگ دھیرے دھیرے جائے وقوعہ کے اردگرد جمع ہونے لگے۔ حمیرا تنہا گم صم سی
کھڑی اس طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ اس کے خودغرض باپ نے بدنامی کو
مٹانے کے لئے بیٹی کو ہمیشہ کے لئے مٹا دینا چاہا تھا۔ مگر وہ کاتب تقدیر نہیں تھا اسی لئے اس
کی یہ گھناؤنی سازش ناکام ہو گئی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ خونی رشتوں کا بھرم ٹوٹ جائے تو انسان بھری
دنیا میں خود کو تنہا محسوس کرنے لگتا ہے۔ گاڑی کے ڈیش بورڈ پر رکھے موبائل فون کے
بزر نے اسے چونکا دیا۔ اس نے کار کا دروازہ کھول کر اسے اٹھایا۔ پھر نمبر پڑھ کر بڑے دکھ
سے سوچنے لگی۔ "یہ پاپا کا موبائل نمبر ہے۔ معلوم کرنا چاہتے ہوں گے کہ میں زندہ ہوں یا
مر چکی ہوں۔"

دوسری طرف حشمت بیگ اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ بیٹی مر چکی ہے یا
نہیں؟ وہ فون کو پریشانی سے دیکھ کر زیر لب بڑبڑایا۔ "حمیرا اٹینڈ نہیں کر رہی ہے۔ اگر وہ
ختم ہو چکی ہے تو وہاں بھیڑ لگی ہو گی۔ کسی نہ کسی کو فون اٹینڈ کرنا چاہئے۔"

اس نے الجھ کر فون بند کر دیا پھر پریشانی سے سوچنے لگا۔ "وہاں زبردست دھماکہ ہوا
ہو گا۔ کچھ نہیں بچا ہو گا۔ پھر اس کا موبائل فون کیسے سلامت رہ گیا؟ کیا وہ موبائل اس
کے پاس نہیں ہے؟ وہ کہیں بھول گئی ہے یا وہ فون کسی اناڑی کے پاس ہے؟ کسی کو تو اٹینڈ
کرنا چاہئے۔"

ایسے سوالات اس کے ذہن میں کلبلانے لگے۔ وہ جھنجلاتا ہوا تیزی سے سیڑھیاں اتر
کر کوریڈور میں آیا۔ پھر وہاں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ وہاں نجمہ ریسیور کان سے
لگائے نمبر پنچ کر رہی تھی۔

حشمت نے پوچھا۔ "کسے فون کر رہی ہو؟"

نجمہ نے چونک کر اسے دیکھا' پھر ریسیور رکھ کر بولی۔ "حمیرا کو کال کر رہی تھی۔
تھوڑی دیر پہلے میرے ساتھ تھی' پتہ نہیں .... اچانک کہاں چلی گئی ہے؟"

وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ہاں .... تھوڑی دیر پہلے تم اس کے بیڈ روم میں
تھی' اسے خوب سبق پڑھا رہی تھی۔"

"وہ مجھ سے چھوٹی ہے' چھوٹوں کو اچھا سبق پڑھانا میرا فرض ہے۔"

"میری ایک کمزوری تمہارے ہاتھ آ گئی تھی۔ تم انسپکٹر کے سامنے بہت سر چڑھ کر
بول رہی تھی۔ میں سر پر چڑھنے والوں کو قدموں میں گرانا جانتا ہوں۔ تم........."

وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا' اچانک فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ اس نے چونک کر فون کی
طرف دیکھا۔ نجمہ نے ریسیور اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ حشمت آگے بڑھتے ہوئے
بولا۔ "رک جاؤ .... اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔ فون مجھے اٹینڈ کرنے دو۔"

اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔ پھر اسے کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو
.... میں حشمت بیگ بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے انسپکٹر کی آواز سنائی دی۔ "بیگ صاحب! کہاں ہیں آپ؟ اور
کہاں ہیں وہ آپ کے دس لاکھ؟ میں کب سے انتظار کر رہا ہوں۔"

حشمت بیگ سوچنے لگا۔ "وہ انتظار کر رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ نہیں پہنچی'
اوپر پہنچ چکی ہے' کام ہو چکا ہے۔"

وہ اپنی نک ٹائی درست کر کے کھنکار کر بولا۔ "کون ہو تم؟ کیا بکواس کر رہے ہو؟"

انسپکٹر میز پر پیر پھیلائے نیم دراز سا کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ حشمت کا لہجہ سن کر ایک
دم سے چونک گیا۔ سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کیا .... آپ مجھے نہیں جانتے؟ یہ
اچانک گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہے ہو۔ کوئی نیا کھیل شروع کیا ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "میں نے کھیل ختم کر دیا ہے۔ تم مجھے قانون کی گرفت میں
لینا چاہتے تھے' اب میرے گھر میں قدم رکھو گے تو میں ہتک عزت کا دعویٰ کروں گا۔
تمہیں قانون کی گرفت میں پہنچاؤں گا۔ یو نان سنس!"

اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ نجمہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دوسری طرف
انسپکٹر حیرت سے ریسیور کو دیکھ کر زیر لب بڑبڑایا۔ "ایں' بند کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کسی
چالاکی سے بدنامی کے آثار مٹا چکا ہے' اسی لئے مجھے نان سنس کہہ رہا ہے۔"

وہ ریسیور کریڈل پر رکھ کر ایک سرد آہ بھرتے ہوئے بولا۔ "آہ .... بڑی اہ
تھی' ہاتھ سے پھسل گئی۔"

نجمہ نے حشمت سے پوچھا۔ "انسپکٹر بول رہا تھا؟"

"ہاں .... وہ بھی تمہاری طرح سوچ رہا تھا کہ مجھے کمزور بنا دے گا۔ مگر میں م
کا مجسمہ نہیں ہوں' تم دیکھ رہی ہو۔ فولاد ہوں۔ اسے منہ توڑ جواب دے رہا ہوں ا
تمہیں.........."

وہ قہقہہ لگا کر بولا۔ "تمہیں کیا جواب دینا ہے؟ نہ کبھی اپنے منے تک جا سکو گ
اور نہ کبھی فہد ملے گا۔ دونوں بچوں کے بغیر اسی گھر کے پنجرے میں پھڑپھڑاتی رہو گی۔"

وہ پریشان ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ حشمت کے چہرے سے مجبوری غائب ہو چ
تھی۔ وہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔

وہ پلٹ کر جانے لگا پھر رک کر بولا۔ "جا رہا ہوں' بیٹی کو کہیں تلاش کرنا ہی ہو گا۔"

اتنا کہہ کر وہ چلا گیا۔ نجمہ حیرت اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات سے اسے جاتے
ہوئے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ "اچانک ان کا لہجہ اور رویہ بدل گیا ہے۔ کچھ دیر
پہلے یہ مجبور باپ دکھائی دے رہے تھے لیکن اب..........!"

وہ تعجب سے سوچ رہی تھی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ ایک باپ اپنا کاروبار اور اپنی
دولت بچانے کے لئے بیٹی کی زندگی داؤ پر لگا کر مطمئن ہو گیا ہے۔

نجمہ نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر حمیرا کے موبائل فون کا نمبر پنچ کرنے لگی۔ وہ
رابطے کا انتظار کر رہی تھی کہ حمیرا دروازہ کھول کر گرتی پڑتی ڈرائنگ روم میں داخل
ہوئی۔

نجمہ کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا۔ حمیرا کے بال بکھرے ہوئے تھے' وہ بری طرح
ہانپ رہی تھی۔ پسینے سے شرابور ہو رہی تھی۔ نجمہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے
صوفے پر بٹھاتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔ "حمیرا! کہاں گئی تھی؟ یہ تمہاری کیا حالت ہ
رہی ہے؟"

وہ جواب دینے کے بجائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ اسے سینے سے لگا کر
تسلیاں دیتے ہوئے بولی۔ "کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟ تمہارے پاپا تمہیں ڈھونڈنے
گئے ہیں۔ ان کے تیور اچانک بدل گئے ہیں۔ انہوں نے انسپکٹر سے ایسے لہجے میں گفتگو کی
ہے جیسے تم بدنامی سے نجات حاصل کر چکی ہو؟"

وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔ "پاپا کو یقین ہو گیا ہے کہ وہ مجھ سے نجات حاصل کر چکے
ہیں۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"سچ کہہ رہی ہوں۔ پاپا نے مجھے مار ڈالنے کی پوری کوشش کی تھی۔ وہ سمجھ رہے
ہیں کہ میں مر چکی ہوں مگر اللہ نے مجھے زندہ رکھا ہے .... آپ سے نیکی کرنے کے
لئے.........."

وہ سسکیاں لیتے ہوئے حتمی لہجے میں بولی۔ "اب میں پاپا کو ظلم نہیں کرنے دوں گی۔
میں فہد کو آپ کے پاس لے کر آؤں گی۔"

وہ ایک بار پھر رونے لگی۔ نجمہ اس کے شانے کو تھپک کر اسے دلاسہ دینے لگی۔ وہ
اب تک حیرت میں مبتلا تھی اور بڑے دکھ سے سوچ رہی تھی کہ کیا باپ بیٹی کا رشتہ بھی
ناقابلِ بھروسہ ہو سکتا ہے؟

اس سوال کا جواب اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ یہ دنیا ہے' یہاں انسان عجیب و
غریب تجربات سے گزرتا رہتا ہے اور وہ بھی ایسے ہی ناقابل یقین تجربے سے گزر رہی
تھی۔

☆======☆======☆

زیبی نے فراز کو ایک اوپن ریسٹورنٹ میں ملاقات کرنے کے لئے بلایا تھا۔ وہ اسے
آگاہ کرنا چاہتی تھی کہ اس نے اپنے ڈیڈی سے اس کا ذکر کیا ہے اور وہ اس کی شخصیت
سے خاصے مرعوب ہوئے ہیں۔

وہ دونوں ایک میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ زیبی نے مسکرا کر پوچھا۔ "جانتے
ہو' میں نے تمہیں یہاں کیوں بلایا ہے؟"

وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بولی۔ "کیونکہ میں یہیں سے ناراض ہو کر
گئی تھی۔"

وہ دونوں اسی ریسٹورنٹ میں اسی میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے جہاں سے زیبی
فراز کو نفرت سے دھتکار کر گئی تھی۔

وہ بولا۔ "تم نے اسی میز سے اٹھ کر کہا تھا' مجھ سے نفرت کرتی ہو .... آج کیا
کہو گی؟"

اس نے سر جھکا لیا۔ پھر ذرا شرما کر نظریں جھکا کر بولی۔ "وہ .... فراز ...."

میں کہنا چاہتی ہوں .... وہ.........."

وہ جھجکنے لگی۔ فراز خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ ایک دم سے بولی۔ "آئی لو یو......... فراز!"

وہ ایکدم سے چونک گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یوں اچانک وہ اقرارِ محبت کر دے گی۔ لڑکیاں تو بہت گہری ہوتی ہیں۔ اپنے اندر کی بات زبان پر لانے سے کتراتی ہیں۔

وہ بولا۔ "مجھے آئی لو یو نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ میں نے کبھی نفرت نہیں کی۔ نفرت تو بدنصیب کرتے ہیں۔ میں محبت' محبت اور صرف محبت کرتا ہوں۔"

وہ مسکرانے لگی' پھر شوگرپاٹ اٹھا کر بولی۔ "چینی کتنی؟"

وہ بڑے میٹھے انداز میں بولا۔ "جتنی میری زندگی میں مٹھاس گھولنا چاہتی ہو' یہ تمہارے اختیار میں ہے۔"

اس نے مسکرا کر ایک چمچ چینی چائے میں ڈالی پھر پیالی اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے پوچھا۔ "تم نامہرباں تھیں' پھر اچانک مہرباں کیسے ہو گئیں؟"

"تمہاری سچائی نے مجھے متاثر کیا ہے' تم انعام کے حقدار ہو۔"

"میرے لئے یہ بہت بڑا انعام ہے کہ تم واپس آ گئی ہو۔"

"میں نے ڈیڈی کو تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ وہ تم سے خوش ہیں۔ تمہارے شایانِ شان ملازمت دینے والے ہیں۔"

"شایانِ شان نہ کہو......... میری سچائی اور میری شان کے مطابق تمہارا ہاتھ میرے ہاتھوں میں ہونا چاہئے۔ ایسا فلموں میں ہوتا ہے۔ ایک دولتمند باپ' بیٹی کی عزت بچانے والے ہیرو کو داماد بنا لیتا ہے مگر حقیقی زندگی میں ہیرو کی اوقات دیکھی جاتی ہے' اسے ملازمت دے کر ملازم بنا لیا جاتا ہے۔"

"تمہیں دل چھوٹا نہیں کرنا چاہئے۔ میں تو تمہیں چاہتی ہوں' تمہاری عزت کرتی ہوں۔"

"تم چاہنے کی بات کر رہی ہو' چاہت سب کے لئے ہوتی ہے مگر دلی محبت کسی ایک کے لئے ہوا کرتی ہے۔"

وہ بولی۔ "میں نے جس گھرانے میں پرورش پائی ہے' وہاں کے ماحول میں یہی سکھایا گیا ہے کہ اندھی محبت نقصان پہنچاتی ہے۔ دولت اور شان و شوکت سے محروم کر دیتی ہے۔"

اسے زیبی کے خیالات سن کر دکھ ہوا تھا۔ وہ بھی اپنے بزرگوں کی طرح دولت اور شان و شوکت کو اہمیت دے رہی تھی۔ اندھی محبت کو نادانی قرار دے رہی تھی۔ اس کے خیالات جاننے کے باوجود وہ اس کی محبت تھی۔

☆======☆======☆

نفاست اپنے بیڈ روم میں ریسیور کان سے لگائے بول رہا تھا۔ "اگر تم یہاں سے دادا جان کو کہو گے کہ سجاد نے کمپیوٹر خرید لیا ہے تو وہ سجاد سے کہیں گے کہ وہ دن رات کے لئے کسی کمپیوٹر جاننے والے کو ملازم رکھ لے۔"

دوسری طرف سے مراد کی آواز سنائی دی۔ "ادھر ہم دن رات ملازموں کی طرح ان کے ساتھ کمپیوٹر سے لگے رہیں گے۔ ہماری یہ پلاننگ ہمارے لئے مصیبت بن رہی ہے۔"

وہ بولا۔ "کل جاپان ٹیکسٹائل انڈسٹریز کا وفد یہاں آ رہا ہے۔ اُن سے کروڑوں کی ڈیلنگ ہو گی۔ میں ادھر توجہ دوں یا ابا جان کے ساتھ سر کھپاؤں۔"

"ڈیڈ! آپ زیادہ پریشان نہ ہوں۔ ایک آئیڈیا ذہن میں آ رہا ہے۔ دادا جان کو کسی جذباتی معاملے میں الجھایا جا سکتا ہے۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "وہ کیسے؟"

وہ دوسری طرف کی باتیں سننے لگا۔ مراد اسے نئے منصوبے سے آگاہ کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد نفاست نے قائل ہو کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم اس پلاننگ پر عمل کریں گے۔ ہمارے پاس بچاؤ کا فی الحال ایک یہی راستہ ہے۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ وہ مراد پر فخر کر رہا تھا۔ تین بیٹوں میں ایک وہی بیٹا تھا جو اس کے نقشِ قدم پر چل رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ عبادت علی کے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہ پہلے سے ہی کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ ان کے برابر والی کرسی پر بیٹھ کر کمپیوٹر آپریٹ کرنے لگا' مگر رابطہ کرنے میں دشواری ہو رہی تھی۔

وہ بے چین ہو کر بولے۔ "آج بھی وہی ہو رہا ہے۔ اس کمپیوٹر کو ہمارے پوتے سے دشمنی ہے۔ اس سے بات کرنے کا وقت ہوتا ہے اور اسے کوئی بیماری لگ جاتی ہے۔"

"ابا جان! کمپیوٹر میں خرابی نہیں ہے' ابھی رابطہ ہو جائے گا۔"

وہ الجھ کر بولے۔ "کب ہو گا؟ گھڑی دیکھو' پانچ منٹ اوپر ہو چکے ہیں۔"

"ابا جان! اسے آپ کی رقم مل چکی ہے۔ اس نے نیا کمپیوٹر خریدا ہو گا۔ کوئی بھی مشین ہو' پہلے پہل روانی سے نہیں چلتی۔ کچھ پرابلمز پیدا کرتی ہے۔"

وہ قائل ہو کر بولے۔ "ہاں .... ہم نے تو سوچا ہی نہیں تھا کہ نیا کمپیوٹر ہے۔ ذرا دیر ہو سکتی ہے۔"

وہ اسکرین کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ .... یہ رابطہ ہو گیا۔"

پھر وہ پیغام پڑھنے لگا۔ "میں سجاد نہیں ہوں۔ اس کا دوست آپ سے مخاطب ہوں۔ سجاد بہت بڑے صدمے سے گزر رہا ہے۔ آج آپ سے رابطہ نہیں کر سکے گا۔ آپ بھی یہ صدمہ برداشت کریں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے سید شفاعت علی آج صبح وفات پا چکے ہیں۔"

یہ سنتے ہی عبادت علی صدمے سے لرزتے ہوئے انکار میں سر ہلا کر بولے۔ "نہیں .... ہمارا بیٹا .... ہمارا شفاعت .... نہیں ہمیں یقین نہیں آ رہا ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔"

وہ نفاست سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ وہ بھی مگرمچھ کے آنسو بہانے لگا۔ انہیں تسلیاں دینے لگا۔ مراد نے جو منصوبہ بنایا تھا اس پر عمل درآمد ہو چکا تھا۔

کچھ ہی دیر میں پوری کوٹھی ماتم کدہ بن گئی۔ عبادت علی خود کو سنبھال نہیں پا رہے تھے۔ پہلے بیٹا نظروں سے دور تھا مگر یہ اطمینان تھا کہ اس دنیا میں موجود ہے' یہ آس تھی کہ کبھی نہ کبھی تو صورت دکھانے آئے گا۔ مگر اب یہ آس بھی دم توڑ چکی تھی۔

کوٹھی میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔ سب ہی سوگ منا رہے تھے۔ مگر گھر کے تمام افراد سوائے عبادت علی کے مصنوعی سوگواری ظاہر کر رہے تھے۔

عبادت علی کے علاوہ سب ہی جانتے تھے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ ڈرامہ ہے' انہیں دھوکے میں رکھا جا رہا ہے۔ مگر کوئی نفاست کے خلاف بول نہیں سکتا تھا۔

ڈرائنگ روم میں قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ عالیہ' اسد اور زیبی ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عالیہ نے کہا۔ "پوری کوٹھی ماتم کدہ بنی ہوئی ہے۔ تمہارے بڑے ابا بے چارے کہیں زندہ ہوں گے لیکن یہاں انہیں مرحوم بنایا جا رہا ہے۔"

اسد نے کہا۔ "اس گھر میں ایک طویل عرصہ سے کوئی اللہ کو پیارا نہیں ہوا ہے۔"

عالیہ اسے گھور کر دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا کہہ رہے ہو؟"

زیبی نے کہا۔ "ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہم بھول جائیں گے کہ اپنے عزیز وفات کیسے پاتے ہیں؟ کیسے ماتم کیا جاتا ہے؟ آج جو ہو رہا ہے یہ ضروری ہے۔ اس طرح کبھی کبھی سوگ منانے کی ریہرسل کرتے رہنا چاہئے۔"

عالیہ ان دونوں کو دیکھ کر بڑے دکھ سے بولی۔ "تم دونوں بڑے ابو کا مذاق اڑا رہے ہو۔"

اسد نے کہا۔ "ہمارے ایک معزز بزرگ کا' ہمارے بڑے ابو کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ کیسی مجبوری ہے' ہم ڈیڈی کے خلاف کچھ بول بھی نہیں سکتے؟"

زیبی ناگواری سے بولی۔ "یہ باتیں چھوڑو۔ مجھ سے صبر نہیں ہو رہا ہے۔ بھوک سے حالت خراب ہو رہی ہے۔"

عالیہ نے کہا۔ "تمہیں بھوک لگی ہے تو کچن میں جا کر کچھ کھا لو۔"

"جس گھر میں سوگ منایا جاتا ہے' وہاں چولہا نہیں جلایا جاتا .... کسی نہ کسی رشتہ دار کے گھر سے کھانا آ جاتا ہے۔"

اسد بولا۔ "مگر ابھی تک کہیں سے کھانا نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے' رشتے دار ہم سے زیادہ سوگ منا رہے ہیں؟ کسی کو کھانے پینے کا خیال ہی نہیں ہے۔"

کبریٰ دروازہ کھول کر اندر آ کر بولی۔ "اے بچو! تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟"

زیبی روہانسی ہو کر بولی۔ "بسکٹ اور نمکو وغیرہ رکھتی تھی آج وہ بھی نہیں ہیں۔"

اسد اور عالیہ ان کی حالت دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ کبریٰ نے کہا۔ "صبح سے ایک دانہ بھی منہ میں نہیں گیا۔ چولہا ٹھنڈا پڑا ہے۔ فریج میں کچا گوشت اور سبزیاں ہیں۔ پکا ہوا کھانا نہیں ہے۔ تازہ چھوڑ .... باسی بھی نہیں ہے۔"

پھر وہ اسد کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "بیٹا! کچھ کرو .... نہیں تو میں بھی فوت ہونے والی ہوں۔"

وہ فون کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "میں ابھی ایک فائیو اسٹار ہوٹل کو آرڈر دیتا ہوں' کھانا آ جائے گا۔"

قرآن خوانی اختتام پر پہنچی تو تعزیت کرنے والے عبادت علی اور نفاست کو دلاسہ دے کر رخصت ہونے لگے۔ دھیرے دھیرے تمام افراد چلے گئے۔ ڈرائنگ روم میں عبادت علی' نفاست' مراد اور حسرت سر جھکائے خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے۔

نفاست ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ابا جان! صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہاں تو ہم آپ کو تسلیاں دے رہے ہیں۔ مگر وہاں سدرہ اور سجاد کو تسلیاں دینے والا کوئی نہیں ہو گا۔ وہ تنہا یہ صدمہ سہہ رہے ہوں گے۔ کوئی ان کے سروں پر ہاتھ رکھنے والا نہیں ہو گا۔"

وہ تڑپ کر بولے۔ "ہم ابھی ان کے پاس جائیں گے۔ ہمارے سوا ان کا کوئی نہیں ہے۔ ہمیں ہر لمحے ان کے ساتھ رہنا چاہئے۔"

مراد نے کہا۔ "وہاں ہم سب جائیں گے۔ کل رابطہ ہو گا تو سب سے پہلے ہم ایڈریس معلوم کریں گے۔ پھر پہلی فلائٹ سے وہاں پہنچ جائیں گے۔"

وہ بولے۔ "ہم انہیں دوسری فلائٹ سے یہاں لے آئیں گے۔ یہ گھر ان کا ہے' ہمارا سب کچھ اُن کا ہے۔"

مراد طنزیہ انداز میں زیر لب مسکرانے لگا۔ حسرت بڑے دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے ڈیڈی اور مراد دونوں مل کر یہ ڈرامہ پلے کر رہے ہیں۔

نفاست نے عبادت علی سے کہا۔ "ابا جان! ایک عرض ہے .... ابھی آپ انہیں یہاں نہ لائیں۔ وہاں بھائی جان کی قبر کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔"

انہوں نے رائے پیش کی۔ "وہاں کسی مجاور کی ڈیوٹی لگا دی جائے گی۔"

وہ بولا۔ "پھر بھی سجاد کو اور .... اور آپ کو کم از کم چالیسویں تک وہاں رہنا چاہئے۔"

وہ قائل ہو کر بولے۔ "ہوں .... ہم چالیسویں تک رہیں گے۔ دن رات ان کے ساتھ رہیں گے۔ انہیں باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دیں گے۔"

پھر وہ بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولے۔ "پتہ نہیں .... کب یہ رات گزرے گی؟ کب صبح ہو گی؟ کب ہمارا یتیم پوتا ہم سے بات کر سکے گا؟"

انہوں نے نفاست سے پوچھا۔ "یہ رات کچھ لمبی نہیں ہو رہی ہے؟"

"ابا جان! ابھی تو دس بجے ہیں۔"

وہ بے بسی سے بولے۔ "اچھا.........."

مراد مسکرانے لگا۔ نفاست نے اشارے سے اسے مسکرانے سے منع کیا۔ حسرت انہیں دیکھ رہا تھا اور گہری سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ وہ دونوں دادا جان کے جذبات سے کھیل رہے ہیں۔ بڑے ابو نہ جانے کس شہر میں زندہ ہوں گے اور یہ انہیں مرحوم تصور

کروا رہے ہیں۔ دادا جان کو گہرا صدمہ پہنچا رہے ہیں۔ مگر وہ سب کچھ جاننے کے باوجود خاموش تھا۔ سچ نہیں بول سکتا تھا۔

☆======☆======☆

نجمہ اور حمیرا اس مکان میں جانے کی تیاری کر رہی تھیں جہاں فہد کو چھپایا گیا تھا۔ حمیرا نے کہا۔ "وہاں ایک گن مین ہر وقت پہرے پر مامور رہتا ہے۔ وہ پاپا کا تابعدار ہے' ان کی اجازت کے بغیر فہد کو وہاں سے لانے نہیں دے گا۔ میں زبردستی نہیں کر سکوں گی۔"

نجمہ نے الماری کھول کر کپڑوں کے نیچے سے ایک ریوالور نکالا۔ حمیرا نے حیرت سے پوچھا۔ "آپ' یہ چھپا کر رکھتی ہیں؟"

وہ ریوالور کا چیمبر چیک کرتے ہوئے بولی۔ "اسے تمہارے بھائی جان چھپا کر رکھتے تھے۔ آج یہ ہمارے کام آئے گا۔"

وہ دونوں چلتی ہوئی کوٹھی کے احاطے میں آ گئیں۔ وہاں عظمت کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ حمیرا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ نجمہ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ ایک ویران علاقے میں پہنچ گئیں۔ دور دور بنے ہوئے مکانات میں کہیں کہیں روشنی کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

حمیرا نے ایک جگہ کار روک دی۔ پھر دور بنے ہوئے ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "یہی وہ مکان ہے جہاں فہد کو رکھا گیا ہے۔" پھر ایکدم سے چونک کر بولی۔ "وہاں پاپا کی کار موجود ہے۔"

نجمہ نے اس مکان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تمہارے پاپا اندر موجود ہیں۔"

وہ دونوں کار سے اتر کر تیزی سے مکان کی طرف بڑھنے لگیں۔ مکان کے اندر حشمت بیگ اپنے پوتے سے کہہ رہا تھا۔ "اب ہمارا بیٹا اپنی امی کے پاس جائے گا۔ بہت دور جائے گا۔"

گن مین نے پوچھا۔ "صاحب! بچے کو ماں کے پاس لے جا رہے ہیں؟"

وہ بولا۔ "میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ مجھے شبہ ہے حمیرا نے مرنے سے پہلے نجمہ کو یہاں کے بارے میں کچھ نہ کچھ بتایا ہو گا۔ وہ اپنے بچے کو تلاش کرتی ہوئی اِدھر آ سکتی ہے۔ یہ جگہ بدلنا ضروری ہے۔ میں فہد کو دوسری جگہ لے جاؤں گا۔"

حمیرا اور نجمہ مکان کی کھڑکی سے لگی اندر کا منظر دیکھ رہی تھیں اور حشمت بیگ کی گفتگو سن رہی تھیں۔ وہ بیگ اٹھا کر فہد کی انگلی پکڑتے ہوئے بولا۔ "آؤ بیٹے! دور چلیں۔ امی کے پاس۔"

بچہ خوش ہو کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ گن مین ان کے پیچھے تھا۔ حشمت نے آگے بڑھ کر باہر کا دروازہ کھولا تو وہ ایکدم سے چونک گیا۔ کھلے ہوئے دروازے کے باہر حمیرا دکھائی دے رہی تھی۔

اس نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ "تم .... تم زندہ ہو؟"

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "افسوس .... پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔ اب بیٹی سے کیا توقع کرتے ہیں' وفاداری کی .... یا غداری کی؟"

وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ حمیرا کے جسم کے چیتھڑے اڑ چکے ہوں گے مگر وہ اٹل حقیقت کی طرح اس کی نظروں کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

وہ بولی۔ "ویسے میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں' وفاداری مجھے راس نہیں آ رہی ہے۔ آپ وفاداری کے صلے میں موت دیتے ہیں' بھول جاتے ہیں کہ زندگی دینے والا خدا ہے۔ آپ سے غداری ہی مناسب رہے گی۔ لائیے .... فہد کو میرے حوالے کیجئے۔"

حشمت سوچتی ہوئی نظروں سے اپنے اردگرد کا دور تک جائزہ لے کر بولا۔ "تنہا ہو' نہتی ہو' مگر بڑی مضبوطی دکھا رہی ہو۔ کیا پولیس ساتھ لائی ہو؟"

"پولیس آتی تو آپ پیروں پر کھڑے نہ رہتے۔ آپ نے دشمنی کی انتہا کر دی ہے' میں نہیں کروں گی۔ سہولت سے کہہ رہی ہوں' فہد کو میرے حوالے کر دیں۔"

"اسے کہاں لے جاؤ گی .... نجمہ کے پاس؟"

"یہ آخری موقع ہے' نیکی کما لیں۔ بچے کو ماں کے پاس جانے دیں۔"

حشمت نے فہد کے سر پر ہاتھ پھیر کر پوچھا۔ "بیٹے! آنٹی کے پاس جاؤ گے؟"

فہد دوڑتا ہوا آ کر حمیرا سے لپٹ گیا۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر پلٹ کر جانے لگی۔ حشمت طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر بولا۔ "میں وہ درندہ ہوں جس نے جانے انجانے میں جوان بیٹے کو کھا لیا۔ میں بہو کو مارنا چاہتا تھا مگر بیٹا مارا گیا۔ بیٹی جی کر کیا کرے گی؟"

حمیرا نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ نجمہ دیوار کی آڑ میں چھپی گن مین اور حشمت کو دیکھ رہی تھی۔ حشمت نے گن مین کو گولی چلانے کا اشارہ کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ حمیرا کا نشانہ

لے کر فائر کرتا نجمہ نے ریوالور سے اس کے ہاتھ کا نشانہ لے کر فائر کر ڈالا۔ اس کے ہاتھ سے گن چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔

حشمت نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ نجمہ دونوں ہاتھوں سے ریوالور تھامے اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ حمیرا نے تیزی سے وہاں آ کر گن اٹھا لی۔ فہد دوڑتا ہوا آ کر ماں سے لپٹ گیا۔

نجمہ نے حمیرا سے کہا۔ "فہد کو گاڑی میں لے جاؤ۔"

حمیرا فہد کو لے کر گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ نجمہ حشمت کو مخاطب کر کے بولی۔ "تم نے ابھی کیا کہا تھا؟ اپنے جوان بیٹے کو' میرے شوہر کو تم نے قتل کیا ہے؟"

وہ بوکھلا کر بولا۔ "میں .... میں نے جان بوجھ کر اسے ہلاک نہیں کیا تھا۔"

"تم تو مجھے ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ بازی پلٹ گئی۔ تم باپ ہو' یا سانپ ہو؟ اپنی ہی اولادوں کو ڈس رہے ہو۔ بیٹی کو بھی دھوکے سے مار ڈالنا چاہتے تھے۔ یہ بچ کر یہاں آئی تو ابھی پھر اسے ختم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"میں نے اپنی عزت اور اپنی جان کی سلامتی کے لئے جو مناسب سمجھا' وہ کیا۔ اب تم جو بہتر سمجھتی ہو' وہ کرو۔ مگر یاد رکھو' مجھے گولی مار دو گی تو خود قانون کے ہاتھوں سزائے موت پاؤ گی۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں نادان نہیں ہوں۔ اپنے بچوں کے لئے زندہ رہوں گی۔ مگر تمہیں چین سے جینے نہیں دوں گی۔ تمہیں قانون کے حوالے نہیں کروں گی' تمہیں آزادی سے جینے کے لئے اپاہج بنا کر رکھوں گی۔ آخر کو بہو ہوں' سسر کو قید نہیں کراؤں گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے حشمت کی ٹانگ کا نشانہ لے کر ٹریگر دبایا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ہی وہ کراہتا ہوا زمین بوس ہو گیا۔ نجمہ نے دوسری ٹانگ کا نشانہ لے کر ایک اور فائر کیا۔ وہ تکلیف کی شدت سے چیخ پڑا۔

وہ بولی۔ "اب آگے آگے دیکھنا میں اپنے بچوں کے اپاہج دادا کی پرورش کیسے کروں گی؟"

اتنا کہہ کر وہ پلٹ کر کار کی طرف بڑھ گئی۔ وہ تکلیف سے تڑپتا ہوا بے بسی سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کی قسمت ہی خراب تھی۔ اس نے آج تک جتنے بھی منصوبے بنائے وہ سب کے سب ناکامی سے دوچار ہوتے رہے۔ ہر بار بازی پلٹ جاتی

تھی۔ اس لحاظ سے وہ خود کو بدقسمت انسان کہتا تو بے جا نہ ہوتا۔

☆======☆======☆

کبریٰ اپنے جیٹھ سید شفاعت علی شاہ کا سوگ منا کر کچھ زیادہ ہی تھک گئی تھی۔ وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی اور عالیہ اس کی کمر داب رہی تھی۔ کبریٰ نے کراہتے ہوئے کہا۔ "آہ! کوئی سچ مچ مرجاتا تو اتنی تھکن اور پریشانی نہ ہوتی اور اسد ہوٹل سے کھانا نہ منگواتا تو صبح تک لوگ مجھ پر بھی فاتحہ پڑھ رہے ہوتے۔"

صوفے پر بیٹھی ہوئی زیبی نے کہا۔ "میرا دل کہتا ہے' بڑے ابو کہیں زندہ ہوں گے۔ ہم اُن کا سوگ منا رہے ہیں۔ اگر وہ اچانک یہاں آ پہنچے تو.........؟"

کبریٰ نے کہا۔ "مرنے والے واپس نہیں آتے۔ ان کی روحیں آتی ہیں۔ یا وہ بھوت بن کر آتے ہیں۔ تم ڈرانے کی باتیں نہ کرو۔"

عالیہ نے پوچھا۔ "دادا جان' سدرہ اور سجاد کو گلے لگانے جائیں گے' مگر وہ ہیں کہاں؟ کس محلے' کس شہر میں ہیں؟"

زیبی اس کی بات سے متفق ہو کر بولی۔ "واقعی ممی! ڈیڈی انہیں کس سجاد کے پاس لے جائیں گے؟"

کبریٰ نے کہا۔ "کسی سجاد کا وجود ہو گا تو تمہارے ڈیڈی انہیں لے جائیں گے۔ میرا مراد بہت سمجھدار ہے' ضرور کوئی چکر چلائے گا۔ تمہارے دادا جان کو ایسا جھانسا دے گا کہ وہ کسی سجاد کے گھر جانا بھول جائیں گے۔"

زیبی منہ بسور کر بولی۔ "اس چکر میں فائدہ کم ہے' پریشانی زیادہ ہے۔"

کبریٰ بولی۔ "ساٹھ کروڑ کا فائدہ ہے۔ تم نہیں جانتیں' یہ دولت کی بازی ہے۔ تمہاری شادی سجاد سے اور اسد کی شادی سدرہ سے ہو گی تو پورے ساٹھ کروڑ ہمارے پاس آئیں گے۔"

عالیہ نے چونک کر زیبی کی طرف دیکھا' وہ اسے اشاروں میں تسلی دیتے ہوئے کبریٰ سے بولی۔ "یہ صرف پلاننگ ہے' نہ کوئی سدرہ آئے گی' نہ اسد اس سے منسوب ہو گا۔ میری لائف میں تو کوئی سجاد کبھی نہیں آئے گا۔"

کبریٰ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ایسا نہ کہو' وہ آ سکتا ہے۔"

نفاست نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ "کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"

کبریٰ نے کہا۔ "یہ لڑکیاں سمجھ رہی ہیں کہ سدرہ اور سجاد خیال ہی خیال ہیں۔

حقیقت میں کبھی یہاں نہیں آئیں گے۔"

وہ بولا۔ "ان کے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔ یہ بزنس ڈپلومیسی کو نہیں سمجھتی ہیں۔ ابا جان کو یقین ہو گیا ہے کہ بھائی جان اب اس دنیا میں نہیں رہے ہیں۔ اب ان کا میں ہی تنہا وارث ہوں۔ وہ تمام کاروبار میرے حوالے کر دیں گے۔ کسی بھی سدرہ اور سجاد کو کہیں سے پکڑ کر لانا ضروری ہے۔ بزنس میں اُن کے بھی شیئرز ہیں۔ ان شیئرز کو اپنے ہاتھوں میں رکھنے کے لئے سجاد کی شادی زیبی سے اور اسد کی شادی سدرہ سے لازمی ہے۔"

زیبی اور عالیہ نے ایک دوسرے کو مایوسی سے دیکھا۔ اب نفاست اور مراد کوئی نیا چکر چلانے والے تھے۔ عبادت علی کو ایک اور نیا فریب دینے والے تھے۔

☆======☆======☆

نجمہ نے حمیرا کو بدنامی سے نجات دلا دی تھی۔ اس نے مراد سے محبت کی تھی۔ شرعی طور پر نکاح قبول کیا تھا۔ وہ جائز طریقے سے ماں بننے والی تھی مگر ایک کاغذ کے ٹکڑے کے نہ ہونے کے باعث آنے والا بچہ ناجائز کہلا رہا تھا۔ وہ مجبور تھی' ایک ناجائز بچے کو جائز نہیں بنا سکتی تھی۔ اسی لئے اس نے خود کو اور آنے والے کو بدنامی سے بچانے کے لئے وہ کیا جو بہتر تھا۔

وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ نجمہ نے کہا۔ "مراد نے محبت کی آڑ میں بہت بڑی دشمنی کی تھی۔ میں نے اسے ناکام بنا دیا ہے۔ تمہارے اندر سے بدنامی کا نام نشان مٹا دیا ہے۔"

"تھینک یُو بھابی! میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

"تم نے بھی مجھ پر احسان کیا ہے۔ میرا فہد مجھے مل گیا ہے۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ ایک دوسرے کے کام آئے بغیر مصیبتیں دور نہیں ہوتیں۔"

"خدا کا شکر ہے' ہم نفرتوں کو بھول کر محبت کرنے لگی ہیں۔ آپ منے کو لینے کب جائیں گی؟"

"میرا تو دل کرتا ہے' ابھی اڑتی ہوئی جاؤں اور اسے لے آؤں لیکن عبادت علی صاحب سو رہے ہوں گے' بہت رات ہو چکی ہے۔ ایک بوڑھے مہربان کو اس وقت جگانا مناسب نہیں ہو گا۔"

حمیرا ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ "ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں' جو ہمارے کچھ نہیں ہوتے' مگر ہم پر مہربان ہوتے ہیں۔ ایک میرے پاپا ہیں' انہوں نے ہم پر دشمنی کی

انتہا کر دی ہے۔"

وہ بولی۔ "ہمیں معلوم کرنا چاہئے کہ وہ کس حال میں ہیں؟ ہم انہیں زخمی حالت میں چھوڑ آئے ہیں۔"

"جی تو نہیں چاہتا کہ ان سے بات کی جائے' ان کی آواز بھی سنی جائے مگر بیٹیاں دل سے مجبور ہو جاتی ہیں۔"

نجمہ نے خیال ظاہر کیا۔ "وہ گولی کا زخم لے کر ہسپتال نہیں جائیں گے۔ ڈاکٹرز پولیس کو ملوث کریں گے۔ انہیں بیان دینا ہو گا کہ گولی کس نے ماری' کیوں ماری؟"

"وہ ایسے سوالات کے جواب نہیں دے سکیں گے۔ ہمارے خلاف کچھ نہیں کہہ سکیں گے' کہیں گے تو اُن کے جرائم سامنے آئیں گے۔ انہیں پولیس سے منہ چھپا کر علاج کرانا ہو گا۔"

ان کی قیاس آرائیاں درست تھیں۔ حشمت بیگ نے ایسا ہی کیا تھا۔ اس نے زخمی ہونے کے بعد موبائل پر اپنے ایک گہرے دوست شیخ کلیم الدین سے رابطہ کر کے مدد حاصل کی تھی۔ وہ اسے اپنے گھر لے گیا تھا اور اس کا علاج کروا رہا تھا۔

حمیرا ریسیور کان سے لگا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔ رابطے کا انتظار کرنے کے بعد بولی۔ "ہیلو .... میں ہوں .... حمیرا۔"

دوسری طرف شیخ کلیم الدین حشمت بیگ کا موبائل فون کان سے لگا کر بولا۔ "اچھا .... حمیرا ہو؟ میں ابھی تمہیں فون کرنے ہی والا تھا۔"

اس نے حیرت سے پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟"

"بیٹی! میں ہوں' شیخ کلیم الدین۔ ایک بری خبر ہے۔ تمہارے پاپا بری طرح زخمی ہو گئے ہیں۔ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ میں انہیں اپنے گھر لے آیا ہوں۔"

"آپ انہیں گھر کیوں لائے ہیں؟ ہسپتال کیوں نہیں لے گئے؟"

وہ بولا۔ "اس نے ہسپتال جانے سے انکار کیا ہے۔ کہتا ہے کہ اس معاملے کو پولیس کیس نہیں بنانا چاہتا۔ یہ بھی نہیں بتاتا کہ کس ظالم نے اسے گولی ماری ہے؟ وہ بھی ایک نہیں .... دو گولیاں .... گھٹنوں کے نیچے دونوں پیروں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔"

حمیرا' نجمہ کی طرف دیکھ کر فون پر بولی۔ "پھر تو آپریشن ضروری ہو گا۔ ہسپتال لے جانا ہو گا؟"

"تم فکر نہ کرو۔ میں نے دوست کے لئے گھر کو ہسپتال بنا لیا ہے۔ ایک ڈاکٹر کو اچھی

خاصی رقم دے کر راضی کر لیا ہے۔ وہ اسے پولیس کیس نہیں بننے دے گا۔ کیا تم آ رہی ہو؟"

"کل کسی وقت آؤں گی۔ ان کا خیال رکھئے گا۔"

اس نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ پھر نجمہ کو مخاطب کر کے بولی۔ "پاپا بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ انہوں نے شیخ انکل سے مدد لی ہے۔ وہ انہیں اپنے گھر لے گئے ہیں۔ علاج کروا رہے ہیں۔ یہ بات پولیس تک نہیں پہنچنے دیں گے۔"

"اچھا ہے۔ بات دور تک نہ جائے۔ میں انہیں اپاہج بنا کر رکھوں گی۔ دشمن کو مارنے سے بہتر ہے کہ اسے اپنے سامنے بے بس اور لاچار بنا کر رکھا جائے۔"

دوسری طرف حشمت بیگ شیخ کلیم الدین کے سامنے خود کو مظلوم ظاہر کر رہا تھا۔ اس کے دونوں گھٹنوں کے نیچے پلاسٹر چڑھایا گیا تھا۔ شیخ کلیم الدین اس کی روداد سن کر تعجب سے بولا۔ "بڑی حیرانی کی بات ہے۔ پہلے بہو دشمن تھی۔ اب بیٹی بھی دشمن بن گئی ہے۔"

"نجمہ نے میری بیٹی کو یقین دلایا ہے کہ میں اس کی جان لینا چاہتا تھا۔ تم ہی سوچو' کیا میں باپ ہو کر اپنی بیٹی کی جان لوں گا؟"

"حمیرا نادان ہے' بلکہ بے وقوف ہے۔ تم نے اچھا کیا جو بہو سے اپنے پوتے کو چھین لیا تھا۔ پوتے پر تمہارا حق ہے۔ دونوں پوتوں کو ایسی عورت کے سائے میں نہیں رہنا چاہئے۔"

وہ بے بسی سے بولا۔ "میری ایک کمزوری بہو کے ہاتھ میں ہے۔ وہ گواہی دے گی کہ عبادت علی شاہ کی نواسی کو میں نے اغوا کرایا تھا' پھر مجھے قانون کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

وہ تائید میں بولا۔ "تم اس پہلو سے کمزور ہو۔ فی الحال بہو سے سمجھوتہ کرو۔ ہمیں موقع ملے گا تو ہم اُسے پھر کمزور اور بے بس بنا دیں گے۔"

وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "اس نے مجھے زخمی کیا ہے۔ نادان عورت یہ نہیں جانتی کہ زخمی شیر زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"

زخمی شیر خطرناک ہو سکتا ہے لیکن اپاہج شیر تو کسی چوہے پر بھی حملہ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ فی الوقت وہ بھول رہا تھا کہ اپاہج ہو چکا ہے۔

☆======☆======☆

نفاست' عبادت علی کے کمرے میں بیٹھا کمپیوٹر آپریٹ کر رہا تھا۔ انہوں نے بڑی
رات بڑی بے چینی میں گزاری تھی اور اب یتیم پوتے سے بات کرنے کے لئے مضطرب
سے ہو کر کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ کیسی بدقسمتی تھی؟ نہ بیٹے کا آخری دیدار کر سکے اور
نہ ہی اس کے یتیم بچوں کو سینے سے لگا کر تسلیاں دے سکے تھے۔ دیکھنا تو دور کی بات
انہوں نے تو آج تک اپنے پوتے کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔

نفاست بولا۔ "ابا جان! آ جائیں .... رابطہ ہو گیا۔"

وہ فوراً ہی کرسی پر آ کر بیٹھ گئے۔ نفاست پیغام پڑھنے لگا۔ "دادا جان! آداب! آپ
کو ابو کے انتقال پُرملال کی خبر مل چکی ہے۔"

وہ فوراً ہی بولے۔ "ہاں دادا کی جان! یہ خبر سنتے ہی ہماری تو کمر ٹوٹ گئی ہے۔"

نفاست ناگواری سے بولا۔ "ابا جان! پہلے آپ اس کی باتیں سن لیں' پھر میں آپ
کے جذبات وہاں تک پہنچاؤں گا۔"

"ہم کیسے چپ رہیں؟ دل سے بے اختیار آوازیں نکل رہی ہیں۔ اُسے معلوم ہونا
چاہئے کہ یہاں ہماری کیا حالت ہے؟ ہم کیسے تڑپ رہے ہیں؟"

"اُسے سب معلوم ہو جائے گا۔ یہ دیکھئے .... وہ کہہ رہا ہے' سدرہ صدمے سے
بیمار ہو گئی ہے۔ وہ ہسپتال میں ہے۔"

وہ تڑپ کر بولے۔ "یاخدا! یہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ معصوم بچی اتنا بڑا صدمہ کیسے
برداشت کرے گی؟ ہمیں آج ہی اُن کے پاس جانا ہو گا۔"

"سجاد کہہ رہا ہے' میں بڑی مشکل سے وقت نکال کر آپ سے باتیں کرنے آیا
ہوں۔ مجھے پھر سدرہ کے پاس ہسپتال جانا ہو گا۔"

"اس سے کہو' بہن کے پاس ضرور جائے' اس کا خیال رکھے' ہم آ رہے ہیں۔ اُسے
اپنا پتہ بتانے کے لئے کہو۔ اُسے یہاں کے تمام فون نمبرز دو اور کہو کہ فون کے ذریعہ بھی
رابطہ رکھے۔"

نفاست کمپیوٹر آپریٹ کرتے ہوئے بولا۔ "میں اُسے نمبر دے رہا ہوں اور اس کا پتہ
پوچھ رہا ہوں۔"

انہوں نے نفاست سے پوچھا۔ "تم کہہ رہے تھے' کسی بھی پہلی فلائٹ کا ٹکٹ مل
جائے گا۔ یہ پکی بات ہے نا' ٹکٹ مل جائے گا؟"

"جی ہاں .... دیکھئے وہ کیا کہہ رہا ہے؟"

وہ خاموشی سے پیغام سننے لگے۔ وہ بولا۔ "ابو مرحوم نے اپنی وفات سے پہلے ہمیں
تاکید کی تھی کہ میں آپ کو کبھی ان کی قبر نہ دکھاؤں۔"

وہ چونک کر بولے۔ "یہ .... یہ کیا بکواس ہے؟ ہم باپ ہیں' اپنے بیٹے کی قبر پر
ضرور جائیں گے۔"

"بھائی جان مرحوم نے سجاد کو سختی سے منع کیا تھا۔ دیکھئے کیا کہہ رہا ہے۔ ابو نے کہا
تھا کہ وہ جیتے جی آپ کے لئے مر چکے تھے۔ اپنی زندگی میں آپ سے سلام کلام نہیں کیا۔
اپنے گھر کا پتہ نہیں بتایا۔ پھر قبر کا پتہ کیوں بتایا جائے؟ اب ہمارا سامنا قیامت کے دن ہو
گا۔"

عبادت علی یہ باتیں سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ نفاست ان کے شانے پر
ہاتھ رکھ کر انہیں تسلیاں دیتے ہوئے بولا۔ "ابا جان! چپ ہو جائیں' خود کو سنبھالیں' اس
کی باتیں سن لیں۔"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولے۔ "بیٹا آخری وقت تک ہم سے بدظن رہا۔ ہمیں سمجھنے
میں غلطی کرتا رہا۔ خدا اسے جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ارے نیک بخت! ایک بار تو
ہمیں غلط فہمی دور کرنے کا موقع دیتا۔"

وہ بولا۔ "سجاد کہہ رہا ہے کہ آپ وہاں ہم سے ملنے اور ہمیں یہاں سے لے جانے
آئیں گے تو ابو کی قبر پر جانے کے لئے تڑپنے لگیں گے۔ ہم آپ کی ضد کے آگے ابو کی
آخری وصیت پر عمل نہیں کر سکیں گے اور یہ مناسب نہیں ہو گا۔ بہتر ہے کہ آپ یہاں
نہ آئیں۔ ہم خود آپ کے پاس آ جائیں گے۔ سدرہ کی طبیعت سنبھلتے ہی میں آپ کے
پاس آنے کی کوشش کروں گا۔"

نفاست بولتے بولتے رک گیا۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

وہ بولا۔ "کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولے۔ "یہ ہمارے ہی رابطے کے وقت کیوں خراب ہو جاتا ہے؟ اسے
اٹھا کر پھینکو' دوسرا لاؤ۔"

"ابا جان! خرابی ہمارے کمپیوٹر میں نہیں ہے۔ سجاد کے کمپیوٹر میں کوئی گڑبڑ پیدا ہو
گئی ہے۔"

انہوں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "اب کیسے بات ہو گی؟ وہ یہاں آنے کی بات کر رہا
تھا۔"

"آئے گا لیکن ابھی نہیں' سدرہ بیمار ہے۔ ہسپتال میں ہے۔ اس کی طبیعت سنبھلے گی تب تو وہ آئیں گے۔"

وہ بجھ سے گئے لیکن ایک امید بندھ گئی تھی کہ بچھڑے ہوئے ملیں گے۔ برسوں سے جو جدائی کی آگ سینے میں دہک رہی تھی وہ بجھے گی۔ بیٹے کی موت کا غم اپنی جگہ تھا مگر پوتے اور پوتی کے ملنے کی خوشی بھی کم نہیں تھی۔

☆======☆======☆

جمال ہسپتال کے کمرے میں رہتے رہتے اکتاہٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ اسے بیڈ سے اترتے دیکھ کر دردانہ نے پوچھا۔ "کیا واش روم جائیں گے؟"

"نہیں .... ذرا باہر جاؤں گا۔"

وہ بولی۔ "باہر .... ابھی آپ اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوئے ہیں۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "میں اتنا بھی کمزور نہیں ہوں۔ یہاں دن رات رہتے رہتے دل گھبرانے لگا ہے۔ باہر تازہ ہوا میں سانس لینا چاہتا ہوں۔"

اس نے یاد دلایا۔ "فہمی آنے والی ہے۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "وہ مجھے باہر چلتے پھرتے دیکھے گی تو خوشی سے دوڑتی ہوئی آ کر لپٹ جائے گی۔ آؤ .... ذرا چہل قدمی کریں۔"

وہ دونوں کمرے سے باہر آ کر کوریڈور سے گزر کر ہسپتال کے لان میں آ گئے۔ جمال نے کہا۔ "مین گیٹ سے باہر چلتے ہیں' فہمی آتی ہو گی۔ مجھے وہاں دیکھ کر بہت خوش ہو گی۔"

وہ ہسپتال کے احاطے سے نکل کر باہر فٹ پاتھ پر آ گئے۔ سڑک پر ٹریفک کم دکھائی دے رہا تھا۔ دردانہ نے سڑک کے اس پار اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ .... فہمی اور حسرت آ رہے ہیں۔"

جمال نے اُس طرف دیکھا فہمی باپ کو دیکھ چکی تھی اور خوش ہو کر ہاتھ ہلا رہی تھی۔ پھر سڑک کراس کرنے کے لئے دوڑتی ہوئی آگے بڑھی۔ جمال نے چیخ کر کہا۔ "ارے .... اسے روکو۔"

حسرت اسے پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑا۔ ادھر سے جمال اسے پکڑنے کے لئے آگے بڑھا۔ فہمی سڑک کراس کر رہی تھی ایک طرف سے ہیوی ٹرک آتا دکھائی دیا۔

جمال نے تیزی سے آگے بڑھ کر فہمی کو دھکا دیا' وہ اس کی جان تھی۔ اسے بچانے

کے لئے اس نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی۔ اسے دھکا دے کر دور گرایا لیکن موت سے دھکا کھا گیا۔ وہ بھاری بھرکم ٹرک اسے ٹکر مارتا ہوا گزر گیا۔

دردانہ چیخ مارتی ہوئی آگے بڑھی۔ "جمال.........."

دوسری طرف سے حسرت چلایا۔ "انکل.........."

فہمی اس تمام صورت حال سے بری طرح بوکھلا گئی۔ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ کیا ہوا ہے؟ اس نے فٹ پاتھ پر سے اٹھتے ہوئے سڑک کی طرف دیکھا۔ وہاں اُسے جمال ہمدانی لہو میں تر بہ تر پڑا ہوا دکھائی دیا۔ حسرت اور دردانہ اُس پر جھکے ہوئے تھے۔ ان کے اردگرد لوگوں کی بھیڑ جمع ہوتی جارہی تھی۔

وہ چیختی ہوئی آگے بڑھی۔ بھیڑ کو چیرتی ہوئی جمال سے آکر لپٹ گئی' اسے جھنجھوڑنے لگی۔ دردانہ نے اُسے الگ کرنا چاہا' وہ اُسے دھکا دے کر دوبارہ لپٹ کر رونے لگی۔

دنیا کے پہلے انسان سے لے کر آج تک زندگی کبھی اکیلی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ ہمیشہ اپنی موت کے ساتھ جنم لیتی ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد زندگی نظر آتی ہے لیکن موت نظر نہیں آتی۔ وہ نادیدہ رہ کر زندگی کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے۔ پھر لوحِ مقدر کے مطابق کسی دن' کسی بھی لمحے میں اچانک اپنی ہمسفر رہنے والی زندگی کو دبوچ لیتی ہے اور جب مقدر کو منظور نہ ہو تو یہ زندگی تیر و تلوار اور بندوق کے حملوں سے بھی نہیں مرتی۔

ڈاکوؤں نے جمال ہمدانی کو گولی ماری تھی لیکن موت نے اسے نہیں مارا۔ وہ ہسپتال پہنچ گیا۔ کہتے ہیں' ہسپتال زندگی کا آخری سرا ہے۔ جو خوش نصیب ہوتے ہیں وہ اس آخری سرے پر پہنچ کر بھی واپس آجاتے ہیں اور جو بدنصیب ہوتے ہیں وہ اس آخری سرے سے موت کی کھائی میں گر پڑتے ہیں۔

جمال ہمدانی ہسپتال پہنچ کر بھی زندہ رہا تھا۔ موت نے اسے طرح دے دی تھی۔ کیا طرفہ تماشہ ہے؟ جہاں موت آنی تھی وہاں نہیں آئی۔ کھلی سڑک پر آگئی۔

عبادت علی نے یہ المناک خبر سنی تو خوشی سے اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں اتنی بڑی خوشخبری نہیں سنی تھی۔ نفاست علی نے کہا۔ "ابا جان! خود کو قابو میں رکھیں۔ ہمیں ماتمی صورت بنائے رکھنی ہوگی۔ دنیا والوں کو یہ باور کرانا ہوگا کہ آپ اپنے داماد کی موت پر بے حد رنجیدہ ہیں۔"

انہوں نے کہا۔ "تم درست کہتے ہو۔ فہمی کو بھی یہ تاثر دینا ہوگا کہ ہم اس کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور اب ہم ہی اس کے واحد سرپرست رہ گئے ہیں۔"

اپنے مزاج اور اپنی نیت کے مطابق انسان اپنے چہرے بدلتا رہتا ہے۔ دنیا داری کے لئے ہنستے ہنستے رونے بھی لگتا ہے۔ عبادت علی اور ان کا پورا خاندان یہی کرنے والا تھا۔ آئندہ کچھ روز تک مگرمچھ کے آنسو بہانے والا تھا۔

☆======☆======☆

بے زبان فہمی جمال ہمدانی کے صدمے کو اپنے اندر خاموشی سے جھیل رہی تھی۔ سچی اور بھرپور محبتیں دینے والا اسے ہمیشہ کے لئے تنہا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ وہ پچاس کروڑ کی حقدار تھی بھلا تنہا کیسے رہتی؟ کبریٰ اور نفاست ہر دم اس کی دلجوئی میں لگے ہوئے تھے۔ عبادت علی ایک طرف بڑے بیٹے کا صدمہ اٹھا رہے تھے تو دوسری طرف جمال ہمدانی کی ہلاکت ان کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ثابت ہو رہی تھی۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔ ہمیشہ سے ان کے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار زمین بوس ہو چکی تھی۔ مگر وہ فہمی کے سامنے غمزدہ اور افسردہ نظر آنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ اسے حوصلہ دے رہے تھے۔

فہمی گم صم سی رہنے لگی تھی۔ اس کے دل و دماغ کو جو صدمہ پہنچا تھا اس سے نکلنے کے لئے وقت درکار تھا۔ نجمہ کے بچے کی ذمہ داری پوری طرح شبو کے کاندھوں پر پڑی تھی۔ وہ گھر کے کام کاج کے ساتھ ساتھ بچے کو بھی سنبھالتی تھی۔ اس کی ماں بیمار تھی' ہسپتال میں داخل تھی۔ وہ اس سے ملنے کے لئے وہاں گئی تو بچے کو ساتھ لے گئی۔ گھر میں کس کے پاس چھوڑتی؟ سب اپنی اپنی دنیا میں گم رہتے ہیں۔ کسی کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی جس کی ذات سے کچھ فائدہ حاصل ہونے کی امید تھی اسی پر توجہ دی جارہی تھی پھر ایسے میں اس بچے پر کون توجہ دیتا جس سے کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں تھا۔

شبو کی ماں اسے دیکھ کر اٹھ کر بیٹھنے لگی۔ وہ اسے لٹاتے ہوئے بولی۔ "لیٹی رہو اماں! کیا تم ہسپتال میں بھی آرام سے نہیں لیٹ سکتیں؟"

"مجھے کیا ہوا ہے؟ ذرا سا بیمار پڑتی ہوں' ہسپتال لے آتی ہے۔"

پھر اس نے اس کی گود میں بچے کو دیکھ کر تعجب سے پوچھا۔ "یہ بچہ کس کا ہے؟"

وہ اسے ماں کے پہلو میں لٹا کر تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔ "یہ وہی بچہ ہے۔ میں نے بتایا تو تھا' ہماری گونگی بی بی جی اسے لے کر آئی ہیں۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی پھر اسے گود میں اٹھا کر پیار کرتے ہوئے بولی۔ "ماشاء اللہ کتنا پیارا بچہ ہے۔"

برابر والے بیڈ پر بیٹھی ایک عورت نے پوچھا۔ "کیا یہ بیٹا ہے؟"

شبو نے پلٹ کر سر ہلا کر کہا۔ "ہاں .... یہ لڑکا ہے۔"

پھر ماں سے باتوں میں مصروف ہو گئی۔ وہ عورت بڑی حسرت اور محبت سے بچے کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے قریب سوئی ہوئی بچی کو دیکھا۔ بے اختیار اس کے دل سے ایک سرد آہ نکل گئی۔ اس نے شبو سے کہا۔ "کیا میں اسے گود میں لے سکتی ہوں؟"

اس نے کہا۔ "ہاں .... ہاں .... کیوں نہیں؟"

پھر اس نے ماں کی گود سے بچہ لے کر اس عورت کو دے دیا وہ اسے گود میں لیتے ہی کِھل سی گئی۔ اسے پیار سے چومنے لگی۔ ایسے ہی وقت اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ شبو پلٹ کر اپنی ماں کے پاس آئی۔ پھر بولی۔ "وہ رو رہی ہے' اسے کیا بیماری ہے؟"

وہ بولی۔ "اُس کا نام رخسانہ ہے۔ اس کی بیماری بدنصیبی ہے' بیچاری بیٹا چاہتی تھی' بیٹی پیدا ہو گئی۔"

"اس میں بدنصیبی کی کیا بات ہے؟ بیٹا ہو یا بیٹی' ماں تو دونوں کو جنم دیتی ہے۔ دونوں ہی اپنے ہوتے ہیں۔"

"ماں کے لئے بیٹا بیٹی برابر ہوتے ہیں۔ مگر باپ کے لئے نہیں ہوتے۔ اس کا میاں بیٹی نہیں چاہتا۔"

پھر وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "کیسے کیسے ظالم مرد ہوتے ہیں؟ اس نے کہہ دیا تھا کہ بیٹی پیدا ہو تو گھر نہ آنا' آئے گی تو طلاق دے دے گا۔"

شبو نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا یہ میاں کے پاس نہیں جائے گی؟"

"اس کا شوہر کسی کام کے سلسلے میں دوسرے شہر گیا ہوا ہے۔ یہ ایک مہینے سے اُسے ٹال رہی ہے' فون پر کہہ دیتی ہے کہ بیٹا ہوا ہے۔ یہ طلاق لینا نہیں چاہتی' پتہ نہیں کب تک جھوٹ بولتی رہے گی؟"

شبو نے سر گھما کر بڑے دکھ سے اس مظلوم عورت کو دیکھا۔ وہ بچے کو سینے سے لگا کر کبھی چوم رہی تھی اور کبھی حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ شبو نے ماں سے کہا۔ "دیکھو اماں! یہ منے کو کیسے سینے سے لگا کر پیار کر رہی ہے؟"

ماں ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ "بیچاری' خود کو ایک جھوٹ سے بہلا رہی

ہے۔"

شبو اٹھتے ہوئے بولی۔ "اچھا اب میں چلتی ہوں۔ ایک گھنٹے کی چھٹی لے کر آئی ہوں۔"

"تم تو کہتی تھیں کہ اس بچے کو کوٹھی سے باہر لے جانے کی اجازت نہیں دی جاتی؟"

وہ بولی۔ "کوٹھی میں جو مالی رہتا تھا اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ فہمی بی بی اس سے بہت مانوس تھیں۔ بس .... اس غم نے انہیں چپ سی لگا دی ہے۔ وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہتی ہیں اور بیگم صاحبہ اس بچے کو ہاتھ نہیں لگاتیں اس لئے اسے میرے حوالے کر دیا گیا ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لگائے پھرتی ہوں۔"

پھر وہ رخسانہ سے بچے کو لے کر خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔ وہ بڑی حسرت سے اُسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بعض اوقات انسان مجبوریوں سے چھٹکارا پانے کے لئے حد سے گزرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

☆======☆======☆

نجمہ بڑی بے چینی سے دن گزار رہی تھی۔ وہ فہد کو پانے کے بعد جلد از جلد منے کو بھی پا لینا چاہتی تھی مگر عبادت علی کے گھر میں سوگ منایا جا رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے ان کے دو قریبی عزیزوں کی اموات نے نجمہ کو وہاں جانے سے روک رکھا تھا۔ عبادت علی بڑے صدمے سے گزر رہے تھے۔ ایسے وقت وہ انہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر ممتا اسے اندر ہی اندر تڑپا رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ آج نہیں تو کل منے کو لینے جائے گی لیکن فون کے ذریعے عبادت علی سے تعزیت تو کر سکتی ہے۔

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔ پھر رابطہ ہوتے ہی بولی۔ "ہیلو .... آپ عبادت علی صاحب بول رہے ہیں؟"

دوسری طرف سے ان کی آواز سنائی دی۔ "ہاں .... ہم بول رہے ہیں' تم کون ہو؟"

"میں نجمہ .... حشمت بیگ صاحب کی بہو۔"

"اچھا تم وہی بچے کی ماں ہو۔"

"جی .... مجھے علم ہوا ہے کہ آپ بہت بڑے صدمے سے گزر رہے ہیں۔ میں

تعزیت کرنے آپ کے گھر نہ آ سکی۔ سوچا فون پر ہی بات کر لوں۔"

"ہاں .... ہم پریشان ہیں۔ اپنے معاملات میں الجھے ہوئے ہیں۔ مگر تم اپنے بچے کو لینے یہاں آ سکتی ہو۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "کیا......... کیا میں ابھی آ جاؤں؟"

"ہاں .... ہاں .... آ جاؤ۔ ہم تمہاری امانت کو اب مزید نہیں سنبھال سکیں گے۔"

"جی بہتر......... میں ابھی آ رہی ہوں۔"

اس نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ دوسری طرف عبادت علی نے کبریٰ کو بلا کر کہا۔ "بچے کی ماں اسے لینے آ رہی ہے' اسے ذرا صاف ستھرا کر دو۔"

کچھ دیر بعد ہی نجمہ عبادت علی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کبریٰ پریشان سی بیٹھی شبو کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اب تک ہسپتال سے واپس نہیں آئی تھی۔ نجمہ عبادت علی سے اظہارِ افسوس کر رہی تھی۔ فہمی اپنے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہ جمال ہمدانی کے کالج میں جانا چاہتی تھی مگر نجمہ کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ پھر مسکرا کر آگے بڑھی اور مصافحہ کر کے اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ نجمہ کچھ شرمندہ سی دکھائی دے رہی تھی۔

کبریٰ نے کہا۔ "دیکھو' تم نے ہماری بیٹی پر ظلم کیا مگر یہ پیار سے تمہیں خوش آمدید کہہ رہی ہے۔ شریف خاندان کے لوگ ایسے ہی اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں۔"

عبادت علی نے کہا۔ "بہو بیگم! اسے کچھ نہ کہو' یہ بدنصیب ہے' اپنی غلطی کی سزا پا رہی ہے۔"

پھر وہ نجمہ کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔ "بیٹی! ہمیں افسوس ہے' تمہارا سہاگ اجڑ گیا۔ خدا کی یہی مرضی تھی۔ ہمیں دیکھو' ہم بھی صدمے سے گزر رہے ہیں' تمہارے دکھ کو سمجھ سکتے ہیں۔"

پھر انہوں نے کبریٰ سے پوچھا۔ "شبو کہاں ہے؟ بچے کو لے آنا چاہئے۔"

وہ جھجکتی ہوئی بولی۔ "وہ .... ابھی لے آتی ہے۔ اسے تیار کر رہی ہے۔ میں دیکھ کر آتی ہوں۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر کچن میں آئی پھر اس کے پچھلے دروازے سے نکل کر باغیچے میں آ گئی۔ وہ بے چینی سے شبو کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے عبادت علی سے یہ بات چھپائی

تھی کہ وہ بچے کو لے کر ہسپتال گئی ہے۔ وہ اسے کچن کے ذریعے اندر لا کر یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ وہ کوٹھی میں ہی تھی۔

نجمہ نے عبادت علی سے کہا۔ "آپ مہربان ہیں' رحم دل ہیں' مجھے یقین ہے کہ آپ میرے سسر کے خلاف قانونی کارروائی نہیں کریں گے۔"

"ہم وعدہ کرتے ہیں۔ تم میں سے کسی کے خلاف کوئی قانونی یا غیر قانونی کارروائی نہیں کی جائے گی۔"

کچھ دیر بعد ہی کبریٰ مسکراتی ہوئی شبو کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ نجمہ کا بچہ کپڑے میں لپٹا ہوا اس کی گود میں موجود تھا۔ نجمہ انہیں دیکھتے ہی صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ممتا کی سُونی آغوش آباد ہونے والی تھی۔ اس نے شبو کے قریب آ کر بچے کو گود میں لے لیا۔ پھر اسے سینے سے لگا کر رونے لگی۔ شدت جذبات سے چومنے لگی۔

ایسے ہی وقت وہ چونک گئی۔ حیرت سے گود میں موجود اجنبی بچے کو دیکھنے لگی پھر انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں .... یہ .... یہ میرا بچہ نہیں ہے۔"

کبریٰ اور عبادت علی نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ شبو بھی اس کی بات سن کر حیرت زدہ ہو گئی تھی۔ کبریٰ ناگواری سے بولی۔ "یہ تمہارا نہیں ہے تو اور کس کا ہے؟ کیا ہم نے بچہ بدل دیا ہے؟"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "یہ بدل چکا ہے' میرا منا کہاں ہے؟"

اس نے بچے کو شبو کے حوالے کر دیا۔ کبریٰ اور عبادت علی قریب آ کر بچے کو دیکھنے لگے۔ کبریٰ نے تعجب سے کہا۔ "فہمی یہاں لڑکا لے کر آئی تھی لیکن یہ تو لڑکی ہے۔"

عبادت علی حیران پریشان سے کبھی اس بچے کو اور کبھی نجمہ کو دیکھ رہے تھے۔ فہمی نے ان کے پاس آ کر اشاروں میں پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

وہ اسے اشاروں میں سمجھاتے ہوئے بولے۔ "یہ تمہارا لایا ہوا منا نہیں ہے' منی ہے۔"

فہمی شبو کے قریب آ کر اس اجنبی بچی کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئی۔ پھر اشاروں میں پوچھنے لگی۔ "یہ کیسے ہو گیا؟"

عبادت علی نے گرج کر شبو سے پوچھا۔ "یہاں جو بچہ تھا' وہ کہاں ہے؟ یہ کس کی

بچی اٹھا لائی ہو؟"

شبو کندھے اچکا کر بولی۔ "میں .... میں کیا جانوں کہ یہ لڑکا سے لڑکی کیسے ہو گئی؟ ہمارے محلے میں ایک جوان لڑکا تھا' وہ بھی لڑکی بن گیا تھا۔ صاحب! یہ تو اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔"

نجمہ اس صورت حال سے پریشان ہو کر روتے ہوئے بولی۔ "یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ آپ نے میرے بچے کو کس پاگل عورت کے حوالے کیا تھا؟ یہ میرے بچے کو کہاں لے گئی تھی؟"

کبریٰ نے شبو کو خاموش رہنے کے لئے دو ہزار روپے دیئے تھے۔ مگر اب نئی صورت حال سامنے آ رہی تھی۔ نجمہ کے سوال پر اس نے گھور کر شبو کو دیکھا اور نگاہوں ہی نگاہوں میں دھمکی دی کہ وہ کبریٰ کا نام نہ لے۔ ورنہ نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔ شبو سہم سی گئی۔

کبریٰ نے اس کے قریب آ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ "کم بخت! نمک حرام' بول بچے کو لے کر کہاں گئی تھی؟ اسے کہاں چھوڑ آئی ہے؟ اور یہ بچی کہاں سے اٹھا لائی ہے؟"

وہ رونے لگی۔ پھر بولی۔ "میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ میں تو منے کو سینے سے لگا کر رکھتی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا' منا کہاں چلا گیا اور یہ کہاں سے آ گئی؟"

عبادت علی بولے۔ "بہو بیگم! سہولت سے پوچھو۔"

پھر انہوں نے شبو سے پوچھا۔ "تم بچے کو باہر لے کر گئی تھی؟"

اس نے کبریٰ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ قہر آلود نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔ شبو نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "وہ .... میری اماں ہسپتال میں ہے۔ میں اس سے ملنے گئی تھی۔"

عبادت علی نے پوچھا۔ "کیا بچے کو بھی ساتھ لے کر گئی تھی؟"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "یہاں اسے سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا' اس لئے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔"

انہوں نے پوچھا۔ "تم بس میں گئی تھی' یا ٹیکسی میں؟"

"رکشے میں گئی تھی' رکشے میں آئی ہوں' منا میری گود میں تھا۔ ہسپتال میں اسے میری اماں نے لیا تھا۔ پھر ایک عورت بھی اسے بہت پیار کر رہی تھی۔"

نجمہ کو پھر ایک بار اپنی گود ویران ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ زندگی پھر ایک بار اُسے امتحان میں ڈال رہی تھی۔ خوشی کی ایک بہت بڑی لہر ساحل پر آتے آتے دم توڑنے والی تھی اور نامرادی کا جھاگ اس کے دامن میں ڈالنے والی تھی۔

عبادت علی نے کہا۔ "بچہ اسی ہسپتال میں تبدیل ہوا ہے' فوراً وہاں جا کر معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

پھر وہ نجمہ کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔ "تم فکر نہ کرو۔ شبو کو لے کر ہمارے کسی پوتے کے ساتھ ہسپتال جاؤ۔ امید ہے' تمہارا بچہ وہاں مل جائے گا۔"

انہوں نے اسد کو بلا کر اسے نجمہ اور شبو کے ساتھ ہسپتال روانہ کر دیا۔ کچھ دیر بعد وہ تینوں ہسپتال کے کوریڈور سے گزرتے ہوئے زنانہ جنرل وارڈ میں داخل ہوئے۔ شبو رخسانہ کے خالی بیڈ کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ پھر ماں کے قریب آ کر بولی۔ "اماں! تم نے دیکھا تھا' میں یہاں ایک بچے کو لے کر آئی تھی۔"

وہ ان تینوں کو پریشانی سے دیکھ رہی تھی پھر شبو کی گود میں موجود چادر میں لپٹے ہوئے بچے کو دیکھ کر بولی۔ "ہاں .... یہی بچہ لے کر آئی تھی۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "یہ بچی ہے .... وہ بیٹا تھا۔ یہ بیٹی ہے۔"

پھر نجمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "یہ اس بیٹے کی ماں ہیں۔ اپنے بیٹے کو پہچانتی ہیں۔ میں بھی پہچانتی ہوں لیکن یہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ میں نے دھیان نہیں دیا اسے یہاں سے لے گئی۔"

اس کی ماں نے بچی کو گود میں لے کر دیکھا پھر تعجب سے بولی۔ "یہ .... یہ تو رخسانہ کی بیٹی ہے۔"

نجمہ نے پوچھا۔ "کون رخسانہ' کیا وہ اس بچی کی ماں ہے؟"

"ہاں .... وہ بیمار تھی۔ جب بھی میں یہاں آئی تو وہ اس سامنے والے بیڈ پر تھی۔ اپنا دکھڑا سنا کر روتی رہتی تھی۔ اس کا شوہر بیٹی پیدا کرنے کے جرم میں اسے طلاق دے سکتا تھا۔"

اسد بولا۔ "یہ کیا بکواس ہے' کیا بیٹی پیدا کرنا جرم ہے؟"

نجمہ نے اپنی رائے دی۔ "کوئی ماں اپنی مرضی سے بیٹی یا بیٹا پیدا نہیں کرتی ہے۔ پھر مرد طلاق کیوں دے گا؟ وہ جھوٹ بول رہی ہو گی۔"

شبو کی ماں نے کہا۔ "وہ سچ کہہ رہی تھی۔ ہماری دنیا میں ایسے سر پھرے ہیں جو بیٹی

پیدا کرنے والی کو طلاق دے دیتے ہیں یا اُس پر سوکن لے آتے ہیں۔"

نجمہ پریشان ہو کر سوچنے لگی پھر بولی۔ "کیا وہ طلاق سے اور کسی سوکن سے بچنے کے لئے میرا بیٹا لے گئی ہے اور اپنی بیٹی چھوڑ گئی ہے؟"

ماں نے کہا۔ "یہی لگتا ہے۔ یہ اسی کی بچی ہے۔ میں دو دنوں سے اسے دیکھ رہی ہوں' اسے گود میں کھلاتی رہی ہوں۔ بیگم صاحبہ! بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ شبو کے جاتے ہی وہ بھی بچے کو لے کر چلی گئی۔ میں سمجھی' ڈاکٹر کے پاس گئی ہو گی مگر اب تک واپس نہیں آئی ہے۔ اس کا سامان یہیں پڑا ہے۔"

اسد رخسانہ کے بیڈ پر اور سائیڈ ٹیبل پر بکھرے ہوئے سامان کو چیک کرتے ہوئے بولا۔ "یہ ہسپتال والے بڑے غیر ذمہ دار ہوتے ہیں۔ کوئی مریض کب یہاں آتا ہے' اور کب یہاں سے چلا جاتا ہے؟ انہیں خبر نہیں ہوتی۔ یہ اس کا لباس ہے' دوائیں ہیں' تھرماس ہے' ان سے کیا پتہ چلے گا وہ کون تھی اور کہاں سے آئی تھی؟"

نجمہ بولی۔ "ہمیں کاؤنٹر سے معلوم ہو سکتا ہے۔"

وہ تینوں شبو کی ماں کے ساتھ کاؤنٹر پر آ گئے۔ وہاں ایک ڈاکٹر کو دیکھ کر شبو کی ماں نے اس سے پوچھا۔ "وہ دس نمبر بیڈ والی رخسانہ کہاں ہے؟ وہ اس ماں کا بیٹا چرا کر لے گئی ہے۔"

ڈاکٹر نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے یاد ہے اس کی تو بیٹی تھی۔"

نجمہ نے شبو کی گود میں موجود بچی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس کی بچی یہ ہے۔ وہ بیٹی کو چھوڑ میرا بیٹا لے گئی ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "تعجب ہے؟ وہ آپ کا بیٹا لے گئی اور آپ کو خبر ہی نہ ہوئی۔"

شبو کی ماں اسے تفصیل بتانے لگی۔ اسد نے کہا۔ "ہم اس معاملے میں پولیس کو ملوث کریں گے۔"

ڈاکٹر عاجزی سے بولا۔ "پلیز.......... آپ پولیس میں رپورٹ نہ کرائیں۔ ہسپتال کی بدنامی ہو گی۔ یہ بات اخبارات تک پہنچے گی' پھر ہمارے میٹرنٹی ہوم میں زچگی کے لئے کوئی نہیں آئے گی۔ یہ کہا جائے گا کہ یہاں بچے چوری ہو جاتے ہیں۔ آپ ہمارے مسئلے کو سمجھیں۔"

نجمہ تڑپ کر بولی۔ "آپ کو اپنے ہسپتال کی پڑی ہے۔ میرے بچے کا کیا ہو گا؟ اسے یہاں سے چرایا گیا ہے' آپ اور آپ کا عملہ اس کا ذمہ دار ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "پلیز.......... ذرا صبر کریں۔ آپ کا بچہ مل جائے گا۔ یہاں رجسٹر میں اس عورت کا نام اور پتہ موجود ہے۔"

ڈاکٹر اور وہ دونوں ایک رجسٹر میں رخسانہ کا نام پتہ تلاش کرنے لگے' کچھ دیر بعد ہی انہیں اس کے شوہر کا نام اور رہائشی مقام کا علم ہو گیا۔ ڈاکٹر نے ہسپتال کے انچارج کے ساتھ انہیں رخسانہ کے ایڈریس پر روانہ کر دیا۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ ایڈریس کے مطابق ایک اپارٹمنٹ میں پہنچ گئے۔ انہوں نے فرسٹ فلور کے ایک فلیٹ کے دروازے پر دستک دی۔ نجمہ مضطرب سی ہو کر ہاتھ مل رہی تھی۔ بند دروازے کے پیچھے امید کی ایک کرن تھی لیکن نہ جانے کیوں اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ پانے اور کھو جانے کی کیفیت سے دوچار تھی۔ ہر بار بدنصیبی نے اس کے قدم چومے تھے۔ اس کے دل میں یہ خوف سمایا ہوا تھا کہ کہیں اس بار بھی وہ نامرادی سے دوچار نہ ہو جائے۔

اسد نے دو تین بار دروازے پر زور زور سے دستک دی مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ برابر والے فلیٹ کا دروازہ کھلا ایک شخص نے باہر آ کر اُن سے پوچھا۔ "آپ کس سے ملنے آئے ہیں؟"

اسد بولا۔ "یہاں رخسانہ نام کی ایک عورت رہتی ہے۔ اس کے شوہر کا نام رضوان زیدی ہے۔ اس کی گود میں ایک بچہ بھی ہے۔"

اس شخص نے کہا۔ "وہ ہسپتال میں تھی۔ کچھ دیر پہلے یہاں آئی تھی۔ پھر اپنی ماں کے ساتھ چلی گئی۔"

یہ سنتے ہی نجمہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے تڑپ کر پوچھا۔ "کیا آپ بتا سکتے ہیں وہ کہاں گئی ہو گی؟"

وہ بولا۔ "سوری .... وہ ہمیں کچھ بتا کر نہیں گئی۔ اس کا سامان یہیں ہے۔ کسی دن لینے ضرور آئے گی۔ شاید کسی رشتے دار کے ہاں گئی ہو؟"

نجمہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ہسپتال کا انچارج اسے دلاسہ دیتے ہوئے بولا۔ "آپ حوصلہ کریں' ہم اسے تلاش کر لیں گے۔"

اسد نے کہا۔ "وہ عورت بہت چالاک معلوم ہوتی ہے۔ اسے پولیس والے ہی تلاش کر سکتے ہیں۔"

ہسپتال کا انچارج عاجزی سے بولا۔ "پلیز! آپ ہمارے ہسپتال کی نیک نامی کا خیال

کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں' ہم اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔"

نجمہ روتے ہوئے الجھ کر تیز لہجے میں بولی۔ "آپ اپنے ہسپتال کے ساتھ جہنم میں جائیں۔ میں پولیس اسٹیشن جارہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ تیزی سے چلتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر وہاں سے چلی گئی۔ ہسپتال کا انچارج اور اسد اسے آوازیں دیتے رہ گئے۔ شبو رخسانہ کی بچی کو گود میں اٹھائے حیران پریشان سی اس صورت حال کو دیکھ رہی تھی۔

نجمہ نے رپورٹ درج کرانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اسے دنیا والوں کی پرواہ نہیں تھی۔ اسے صرف اپنی سونی گود آباد کرنی تھی اور وہ اس کے لئے سب کچھ کرسکتی تھی۔

☆======☆======☆

نفاست علی ہیڈ آفس کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا اپنے آفس روم کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چیمبر میں بیٹھی سیکرٹری سے بولا۔ "چیف اکاؤنٹینٹ کو اندر بھیج دو۔"

وہ اتنا کہہ کر اپنے روم میں آگیا۔ اس کے چہرے پر الجھن اور پریشانی کی شکنیں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا میز کے پیچھے نرم و گداز ریوالونگ چیئر پر بیٹھ گیا۔ پھر مضطرب سا ہو کر میز پر رکھے پیپرویٹ کو گھمانے لگا۔ آرام دہ کرسی بھی اسے سکون مہیا نہیں کرپارہی تھی۔

چیف اکاؤنٹینٹ نے دروازہ کھول کر پوچھا۔ "MAY I COME IN SIR!"

"کم اِن .... یہ حسرت آپ کے سیکشن میں کیا کررہا ہے؟"

وہ میز کے پاس مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہو کر بولا۔ "سر! وہ اکاؤنٹس چیک کررہے ہیں۔"

وہ حیران سا اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ پھر غصے سے بولا۔ "یہ .... کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ اس سیکشن میں سیکرٹ ریکارڈز رکھے جاتے ہیں؟"

"یس سر! میں جانتا ہوں لیکن وہ آپ کے صاحبزادے ہیں۔"

وہ تیز لہجے میں بولا۔ "میرا ایک ہی بیٹا مراد علی میرے سیکریٹس جانتا ہے۔ میں نے دوسرے بیٹوں کو یہاں کے معاملات سے دور رکھا ہے۔"

"سر! بڑے صاحب نے فون پر حکم دیا تھا کہ حسرت صاحب کو تمام کاروباری معاملات سے باخبر رکھا جائے۔"

وہ حیرانی سے زیر لب بڑبڑایا۔ "اباجان نے حکم دیا ہے؟"

پھر اس سے پوچھا۔ "یہ حسرت یہاں کب سے آرہا ہے؟"

نفاست علی نہیں جانتا تھا کہ وہ کب سے آفس کے معاملات میں دلچسپی لے رہا ہے؟ آج اچانک اس کی نظر حسرت پر پڑ گئی تھی وہ چیف اکاؤنٹینٹ کے آفس میں دکھائی دے رہا تھا۔ تب سے نفاست پریشان اور مضطرب تھا۔ وہاں بہت سے ایسے سیکرٹ ریکارڈز محفوظ تھے جن کا صرف مراد کو علم تھا۔

چیف اکاؤنٹینٹ نے کہا۔ "سر! وہ پچھلے دس دنوں سے یہاں آرہے ہیں۔"

وہ غصے سے دانت پیستے ہوئے بولا۔ "وہ کب آتا ہے' کب جاتا ہے؟ آپ یہ بات میرے علم میں نہیں لاسکتے تھے۔"

وہ عاجزی سے بولا۔ "سر! میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ بڑے صاحب کے حکم سے باخبر ہوں گے۔ یہ تو آپ کے گھر کی بات ہے۔"

وہ پریشانی سے ٹہلنے لگا۔ سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ پھر ٹھٹک کر بولا۔ "ہم نے سیکرٹ ریکارڈز ہارڈ ڈسکس میں محفوظ کئے ہیں۔ اسے پاس ورڈز تو معلوم نہیں ہیں؟"

وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "معلوم ہیں۔"

وہ غصے سے بپھر کر بولا۔ "آپ بے وقوف ہیں' ذمہ داری کا احساس نہیں ہے' آپ نہیں جانتے کہ آپ سے کتنی بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے؟ پلیز........ چلے جائیں .... جائیں یہاں سے۔"

وہ سر جھکا کر چلا گیا۔ نفاست ناگواری سے بڑبڑانے لگا۔ "چیف اکاؤنٹینٹ ہیں۔ مگر عقل سے پیدل ہیں۔ ٹھیک ہے اباجان نے حکم دیا تھا۔ اسے محدود معلومات فراہم کرتے لیکن اس کے سامنے تمام خفیہ کھاتے کھول کر رکھ دیئے۔ نان سنس!" اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کئے۔ پھر رابطہ ہونے پر کہا۔ "ہیلو .... اباجان! میں نفاست بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے عبادت علی کی آواز سنائی دی۔ "ہاں .... بولو ہم سن رہے ہیں۔"

وہ بولا۔ "کیا آپ نے حسرت کو دفتری معاملات میں مداخلت کی اجازت دی ہے؟"

انہوں نے پوچھا۔ "کیا وہ تمہارے معاملات میں داخلت کررہا ہے؟ ہم نے اسے تاکید کی تھی کہ وہاں تمہیں پریشان نہ کرے۔ اپنے طور پر ہمارے کاروبار کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہے۔"

اس نے الجھ کر کہا۔ ”لیکن وہ تو تمام اکاؤنٹس چیک کر رہا ہے۔ ہمارے سیکرٹ ریکارڈز دیکھ رہا ہے۔“

”تو کیا ہوا؟ وہ تمہارا بیٹا اور ہمارا پوتا ہے۔ آگے چل کر ان بچوں کو کاروبار سنبھالنا ہے۔ یہ کتنی خوشی کی بات ہے کہ اس نے نشہ چھوڑ دیا ہے۔ فہمی نے اس کا حلیہ بدل دیا ہے‘ ہم اس کی عادتیں بدل دیں گے‘ اسے کاروبار میں الجھاتے رہیں گے۔ تم دیکھ لینا ایک دن ہم سب اس پر فخر کریں گے۔“

”آپ درست فرماتے ہیں‘ مگر یہ تو سوچیں اُسے سچ بولنے کی بیماری ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کے لئے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ بناتے رہتے ہیں۔ حسرت اسے جھوٹ اور بے ایمانی کہنے لگے گا۔ گھر میں کوئی بات اس کے مزاج کے خلاف ہو تو وہ آپ کے سامنے بھی کھری کھری سنانے لگتا ہے۔“

وہ بولے۔ ”وہ نشے میں سچی اور کھری باتیں کرتا تھا‘ اب نشہ نہیں کرتا ہے۔ ہم اسے سمجھائیں گے کہ پوری زندگی سچ بول کر نہیں گزاری جاتی۔ کبھی کبھی مصلحتاً جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ جب ہمارے جھوٹ کو دوسرے سچ تسلیم کرنے لگتے ہیں تو وہ جھوٹ جھوٹ نہیں رہتا۔ ہم اسے سمجھائیں گے‘ تم باپ ہو‘ تم بھی اسے سمجھاتے رہو۔“

انہوں نے یہ کہہ کر رابطہ ختم کر دیا۔ نفاست نے ناگواری سے منہ بنا کر ریسیور رکھ دیا۔ اسے مراد پر غصہ آ رہا تھا اگر وہ باقاعدگی سے آفس آتا رہتا‘ یہاں کے حالات سے باخبر رہتا تو حسرت کی یہاں کے معاملات میں دلچسپی پہلے ہی دن معلوم ہو جاتی۔ وہ صرف دلچسپی ظاہر نہیں کر رہا تھا بلکہ بزنس کے اہم معاملات میں مداخلت بھی کر رہا تھا۔

اس نے ریسیور کان سے لگا کر مراد کا موبائل نمبر پنچ کیا۔ پھر رابطہ ہونے پر تیز لہجے میں بولا۔ ”کہاں ہو تم؟ اس وقت تو تمہیں آفس میں ہونا چاہئے۔“

دوسری طرف سے مراد کی آواز سنائی دی۔ ”کیا بات ہے‘ ڈیڈ! آپ بہت غصے میں ہیں‘ سب ٹھیک تو ہے نا؟“

”ابھی تک تو سب ٹھیک ہے لیکن آگے چل کر بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ تم یہ بتاؤ‘ اس وقت کہاں ہو‘ آفس کیوں نہیں پہنچے؟“

”میں اسنوکر کلب میں ہوں‘ فرینڈز کے ساتھ انجوائے کر رہا ہوں۔ میں کاروبار کی ایک ایک اونچ نیچ کو اور تمام سیکرٹ پوائنٹس کو سمجھتا ہوں۔ میں آفس باقاعدگی سے نہ بھی آؤں تب بھی آپ کا رائٹ ہینڈ بن کر تمام اہم معاملات نمٹاتا رہتا ہوں۔ آپ اور کیا

چاہتے ہیں؟“

”تمہیں روزانہ آفس اٹینڈ کرنا چاہئے۔ پتہ ہے‘ تمہارے یہاں نہ رہنے سے کیا ہو رہا ہے؟ حسرت یہاں کے معاملات میں دلچسپی لے رہا ہے۔“

وہ حقارت سے بولا۔ ”حسرت .... اونہہ .... وہ کیا دلچسپی لے گا؟ اُسے وہائٹ پاؤڈر کے لئے پیسے دے دیا کریں۔ وہ نشے میں مست رہے گا۔“

”تم ایک چھت کے نیچے رہ کر اس کی تبدیلیوں کو نہیں سمجھ رہے ہو۔ اس نے نشہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ابا جان اس سے بہت خوش ہیں۔ اسے کاروبار کی طرف لگا رہے ہیں۔ اس کم بخت نے اکاؤنٹ سیکشن میں جا کر بہت سے سیکرٹ ریکارڈز چیک کئے ہیں۔“

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ”اوہ نو .... ہم اسے ناکارہ اور ہڈ حرام سمجھ رہے ہیں اور وہ ہماری جڑوں تک پہنچ رہا ہے۔“

وہ ایک ہاتھ سے سر کو تھام کر بولا۔ ”یہی پریشانی ہے‘ ہم بہت سے راز ابا جان سے بھی چھپاتے ہیں۔ آڈیٹر اور اکاؤنٹنٹ یہی سمجھتے ہیں کہ وہ سیکرٹ ریکارڈز ابا جان کے علم میں ہیں۔ بات اب تک بنی ہوئی ہے لیکن حسرت یہ راز ابا جان کے علم میں لا سکتا ہے۔ تب کیا ہو گا؟“

”مصیبت آ جائے گی۔ دادا جان کا اعتماد ہم پر سے اٹھ جائے گا۔“

وہ بولا۔ ”انہوں نے مجھے TROUGH OUT بزنس کا سرپرست بنایا ہے۔ میرے نام اتھارٹی لیٹرز جاری کئے ہیں۔ وہ تمام اتھارٹی لیٹرز کینسل کر دیں گے۔ مجھے کاروبار سے بے دخل کر دیں گے‘ ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ حسرت کو پکڑو .... کسی بھی طرح پیار و محبت سے اُسے قابو میں کرو۔“

”ڈیڈ! صرف حسرت کو ہی نہیں‘ فہمی کو بھی بڑے پیار سے قابو میں کرنا ہو گا۔ وہ گونگی ہی حسرت کے اندر انقلابی تبدیلیاں لے کر آئی ہے۔“

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ ”ہوں .... وہ گونگی بہت اہم ہے۔ اگر وہ ہماری بات مانتی رہے گی تو حسرت بھی ہمارے آگے جھکتا رہے گا۔“

”وہ سجاد والا معاملہ بھی دادا جان کے سامنے لا سکتا ہے۔ اب یہاں کسی سدرہ اور سجاد کو لانا ضروری ہو گیا ہے وہ نہیں جانتا کہ کمپیوٹر کے ذریعے ہم ہی دادا جان سے سجاد بن کر باتیں کرتے ہیں لیکن میرا خیال ہے‘ اسے کچھ نہ کچھ اندازہ ہو گیا ہے۔“

”ہاں .... وہ گھر کا بھیدی ہے۔ ہماری لنکا ڈھا دے گا۔“

مراد نے پوچھا۔ "مگر سدرہ اور سجاد کو کہاں سے لایا جائے گا؟"

اس نے کہا۔ "کہیں سے بھی لانا ہو گا۔ ابا جان اُن سے ملنے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ وہ ہمیں سکون سے رہنے نہیں دیں گے۔ وہ دونوں یہاں نہیں آئیں گے تو یہ وہاں جانے کی ضد کرتے رہیں گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "ہم دادا جان کی تسلی کر سکتے ہیں لیکن سدرہ اور سجاد کہاں سے آئیں گے؟"

نفاست کچھ سوچ کر بولا۔ "ایک لڑکی میری نظروں میں ہے۔ وہ میرے اشاروں پر چلتی رہے گی۔"

"اور سجاد......... وہ کہاں سے آئے گا؟"

"سجاد کے لئے کوئی ایسا نوجوان ہو جو زیادہ عرصے تک زندہ نہ رہے۔ ہم گھر پہنچ کر اس نکتے پر غور کریں گے۔ کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔ مجبور کو اپنی مجبوری دور ہوتی دکھائی دے تو وہ سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ تم کلب سے گھر پہنچو' میں یہاں کے معاملات نمٹا کر بس چند گھنٹوں میں آ رہا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کا دماغ تیزی سے کسی بیمار نوجوان کی تلاش میں بھٹکنے لگا لیکن کوئی نام' کوئی چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ سر جھٹک کر میز پر رکھی فائلز کو کھول کر پڑھنے لگا۔

☆======☆======☆

فراز کو امیرزادوں کی دوستی راس نہیں آئی تھی۔ صمد شاہین اور زبیر دونوں ہی اسے اپنے اپنے طور پر غلط راستے پر چلانا چاہتے تھے۔ ایک کی دوستی اسے انسانی جانوں سے کھیلنے کا فن سکھانا چاہتی تھی اور دوسرے کی دوستی دھوکہ دہی کے گُر سکھانا چاہتی تھی۔ یہ سب کچھ اس کی فطرت کے خلاف تھا لہٰذا اس نے ایسی فرینڈشپ پر لعنت بھیج دی تھی۔

زیبی ایک رئیس زادی تھی' بہت بڑے بزنس ٹائیفون سید عبادت علی شاہ کی پوتی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ فراز کو ایک رئیس زادی کی دوستی راس آئے گی یا نہیں؟

وہ دونوں ایک خوبصورت گارڈن میں ٹہل رہے تھے۔ شام کے سائے پھیلنے والے تھے۔ دن بھر کی مسافت کے بعد سورج کی آب و تاب تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ آسمان پر پھیلی زردی سورج کی تھکن کی غماز تھی۔ وہ تھک کر منہ چھپا رہا تھا لیکن فراز زیبی سے مل کر تازہ دم ہو رہا تھا۔ عجیب سی سرشاری محسوس کر رہا تھا۔

وہ اُسے بڑی چاہت سے دیکھ کر دھیمے لہجے میں بولا۔ "آج تم اس لباس میں خوب کھل رہی ہو۔"

وہ ذرا جھینپ گئی' پھر ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔ "اچھا......... آج کھل رہی ہوں ورنہ دوسرے لباس میں مرجھائی سی رہتی ہوں؟"

وہ صفائی پیش کرتے ہوئے بولا۔ "یہ بات نہیں ہے .... تم تو ملبوسات کی ملکہ ہو۔ ہر طرح کا لباس تم پر جچتا ہے لیکن یہ لباس کچھ زیادہ ہی بہار دکھا رہا ہے۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "تھینک یو .... جب سے تم ملے ہو میری تو دنیا ہی بدل گئی ہے۔ آئینے کے سامنے جاتی ہوں تو دل کہتا ہے' مجھے تمہارے لئے بننا سنورنا ہے۔ گھنٹوں لباس کا انتخاب کرتی ہوں۔ سوچتی ہوں پتہ نہیں کون سا لباس تمہیں اچھا لگے گا؟"

وہ بڑے جذبوں سے بول رہی تھی۔ اس کی باتیں فراز کی روح کو فخر اور سرشاری بخش رہی تھیں۔ وہ بولا۔ "تم نے زندگی میں آ کر میری دنیا بھی بدل دی ہے۔ تمہاری خاطر زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے خواب دیکھتا رہتا ہوں لیکن افسوس .... دولت تو دور کی بات ہے' مجھے کوئی ڈھنگ کی ملازمت بھی نہیں مل رہی ہے۔ تمہارے ڈیڈی نے بھی وعدہ کیا ہے' پتہ نہیں کب پورا ہو گا؟"

"ڈیڈی کئی معاملات میں الجھے ہوئے ہیں۔ بڑے ابو کا انتقال ہو چکا ہے۔"

"ہاں .... تم نے فون پر بتایا تھا۔ سن کر افسوس ہوا۔ موت برحق ہے' جدا ہونے والوں کے لئے صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "افسوس نہ کرو .... بڑے ابو نے وفات نہیں پائی ہے۔ وہ کہیں نہ کہیں زندہ ہوں گے۔ ہاں .... پھوپھا کا انتقال ضرور ہوا ہے۔ مگر اب ان کا افسوس نہ کرنا' وہ ڈیڈی اور دادا جان کے پیروں میں چبھتا ہوا کانٹا تھے' نکل گئے۔"

وہ حیرت سے اس کی باتیں سن رہا تھا پھر بولا۔ "لیکن تم نے تو مجھے فون پر کہا تھا کہ تمہارے بڑے ابو........."

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "کہا تھا' صرف تم سے نہیں تمام دوست احباب اور رشتے داروں سے یہی کہا جا رہا ہے کہ بڑے ابو وفات پا چکے ہیں۔ ان کے کچھ دن بعد ہی پھوپھا کا انتقال ہو گیا۔ دادا جان کو پہلے بہت بڑا صدمہ پہنچا تھا لیکن پھوپھا کی وفات نے ان کا دامن خوشیوں سے بھر دیا ہے۔"

وہ الجھتے ہوئے بولا۔ ”میں نہیں سمجھا‘ پھوپھا کے انتقال پر خوشی منائی جا رہی ہے اور بڑے ابو کے جھوٹے انتقال پر صدمہ ظاہر کیا جا رہا ہے؟“

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”تم نہیں سمجھو گے۔ یہ دولت کمانے کے ڈھنگ ہیں۔ اُن کی موت کا اعلان ہو چکا ہے۔ کسی دن ان کی اولاد آئے گی۔ ان کی گواہی سے ثابت ہو جائے گا کہ بڑے ابو مر چکے ہیں۔ پھر ہمیں ساٹھ کروڑ روپے مل جائیں گے۔“

وہ حیرت سے بولا۔ ”ساٹھ کروڑ روپے‘ مائی گاڈ؟“

”بزنس ورلڈ میں بعض لوگ مرنے کے بعد منافع پہنچاتے ہیں لیکن یہ منافع حاصل کرنے کے لئے مجھے بڑے ابو کے بیٹے سے منسوب کیا جا رہا ہے۔ ان کے بیٹے کا نام سجاد ہے۔“

وہ مایوسی اور نامرادی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی خاندانی ہیرا پھیری کے بارے میں بتا رہی تھی کہ دولت کی ہوس میں زندوں کو مردہ بنا دیتے ہیں۔ ایسے وقت بزرگوں کا احترام بھی نہیں کیا جاتا۔ بعض حالات میں رشتوں کو پامال کر کے ہی دولت حاصل کی جاتی ہے۔

وہ بولی۔ ”جس طرح بڑے ابو کی موت جھوٹی ہے‘ اسی طرح کوئی جھوٹا اور فریبی سجاد میری زندگی میں آئے گا۔ تم نے میری زندگی میں آ کر ہلچل پیدا کر دی ہے۔ ایک طرف محبت ہے‘ دوسری طرف دولت .... اور میرے بزرگ دولت نہیں چھوڑیں گے۔ تمہیں چھوڑنے کا حکم دیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا‘ میں کیا کروں؟“

وہ گہری سانس لے کر بولا۔ ”تمہیں اپنے بزرگوں کے حکم کی تعمیل کرنی ہو گی۔ تمہارا خاندان ایک غریب داماد کو قبول نہیں کرے گا۔ میرے خوابوں میں تم میری دلہن بن کر آتی ہو‘ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔“

وہ بڑے دکھ سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ ایسے وقت اس کے دل میں یہ خواہش پہلی بار شدت اختیار کر گئی کہ کاش .... وہ رئیس زادی نہ ہوتی لیکن تقدیر نہ جانے کیسے کیسے گرداب میں پھنسانے والی تھی۔ زیبی کی زندگی میں تقدیر کا چکر چلنے والا تھا۔ مگر ابھی وہ اس بات سے بے خبر تھی۔

وہ فراز سے مل کر بجھی بجھی سی گھر واپس آ گئی۔ کوریڈور سے گزرتے ہوئے ٹھٹک گئی۔ ڈرائنگ روم سے نفاست علی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے کھڑکی سے اندر جھانکا۔ وہ بڑے رازدارانہ انداز میں مراد سے کہہ رہا تھا۔ ”ہم دولت کا لالچ دے کر کسی

نوجوان کو سجاد بنائیں گے تو وہ یہاں آ کر میرا داماد بھی بن جائے گا۔ ابا جان حسرت کی طرح سجاد کو بھی کاروبار میں ہمارا رازدار بنائیں گے۔ لہٰذا یہاں لائے جانے والے کسی سجاد کی عمر ہی نہ ہو۔ اُسے یہاں آنے کے چند دنوں یا چند ہفتوں بعد مر جانا چاہئے۔“

مراد نے کہا۔ ”میں سمجھ گیا .... کسی کینسر کے مریض کو سجاد بنایا جا سکتا ہے۔“

زیبی چونک گئی۔ حیران پریشان سی ہو کر ان کی باتیں سننے لگی۔ نفاست کہہ رہا تھا۔ ”ہاں .... کینسر کا مریض پتہ نہیں وہ کسی چھوٹے خاندان کا آدمی ہو گا؟ یہاں آ کر ہمارا داماد بنے گا۔ ایسے آدمی کو جلد ہی مر جانا چاہئے۔“

زیبی پریشان ہو کر زیر لب بڑبڑائی۔ ”داماد .... کینسر کا مریض؟“

وہ پریشانی سے سوچتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ بھی نفاست علی کی بیٹی تھی۔ اسی کا دماغ رکھتی تھی۔ فوراً ہی ایک منصوبہ تیار کرنے لگی لیکن اس میں اسد اور عالیہ کو رازدار بنانا ضروری تھا۔

☆======☆======☆

نجمہ نے رپورٹ درج کروا دی تھی‘ مگر ابھی تک اس عورت کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ پولیس اسے تلاش کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔

حمیرا اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ ”چپ ہو جائیں۔ آخر کب تک آنسو بہائیں گی؟ رونے سے کیا ہوتا ہے۔ آنسو ختم ہو جائیں گے لیکن بدنصیبی ختم نہیں ہو گی۔“

وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔ ”اس ننھی سی جان پر آفت آ رہی ہے۔ اسے بار بار میری گود سے چھینا جا رہا ہے۔ پتہ نہیں وہ کہاں ہو گا‘ کس حال میں ہو گا؟ یہ سوچ سوچ کر میرا دل ڈوبتا رہتا ہے۔“

”آپ اس کی بیٹی کو امانت کے طور پر سنبھال رہی ہیں۔ وہ بھی ہمارے منے کو بھرپور ممتا دے رہی ہو گی۔“

”وہ میرے بیٹے کو مجھ سے چھین کر محبتیں دے رہی ہے۔ وہ ممتا نہیں‘ دشمن ہے۔“

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”اُس عورت کے خلاف رپورٹ درج ہو چکی ہے۔ پولیس اسے تلاش کر رہی ہے۔ منا ہمیں مل جائے گا۔ آپ صبر کریں‘ ذرا انتظار کریں۔“

وہ دروازے پر دستک کی آواز سن کر چونک گئیں کھلے ہوئے دروازے سے شیخ کلیم الدین کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دیا۔ حمیرا نے کھڑے ہو کر حیرت سے کہا۔ "انکل! آپ..........؟"

وہ اندر آتے ہوئے بولا۔ "میرے یار کو دیکھنے اس کی خیریت معلوم کرنے نہ بیٹی آئی، نہ بہو آئی .... میں ہی آ گیا ہوں۔ اُسے میرے پاس آئے کئی روز گزر گئے ہیں لیکن تم نے خبر نہیں لی۔"

یہ کہتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ حمیرا بھی صوفے پر بیٹھتے ہوئے سر جھکا کر بولی۔ "انکل! آپ نہیں جانتے، پاپا نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے؟"

"مجھے سب معلوم ہے۔ تمہارا باپ مجھے سب کچھ بتا چکا ہے۔ میں پوچھنے آیا ہوں، یہ دشمنی کیا رنگ لائے گی؟ تم باپ بیٹی اور بہو ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہو۔ آپس میں لڑ مرو گے تو دو معصوم بچوں کا کیا ہو گا؟ کیا انہیں لاوارث بنانا چاہتی ہو؟"

نجمہ نے کہا۔ "میرے بچوں کا باپ مر چکا ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ آپ کے دوست نے میرے دھوکے میں انہیں مارا ہے؟"

حمیرا ناگواری سے بولی۔ "ایسا باپ کسی کا نہ ہو گا۔ وہ بیٹے کے بعد بیٹی کو بھی مار ڈالنا چاہتے تھے۔"

شیخ کلیم الدین اسے سمجھانے کے انداز میں بولا۔ "وہ تمہیں کیوں مارے گا؟ باپ کو غلط نہ سمجھو .... وہ ایسا ظالم نہیں ہے کہ اپنے بیٹے کو مار ڈالے۔ تمہاری بھابی تمہیں بھٹکا رہی ہے۔ تم باپ کو دشمن سمجھ رہی ہو۔"

نجمہ اسے نفرت سے دیکھنے لگی۔ حمیرا نے کہا۔ "میں نادان بچی نہیں ہوں، مجھ پر جو گزری ہے آپ نہیں جانتے اور نہ ہی پاپا نے آپ کو بتایا ہو گا۔"

وہ نجمہ کو دیکھ کر ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ "مجھ سے ایک غلطی ہو گئی تھی۔ جس کے باعث وہ بدنام ہو جاتے۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ انہوں نے بدنامی سے بچنے کے لئے مجھے مار ڈالنا چاہا۔ آپ میری بھابی کو دشمن کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے ایک ماں کی طرح میری عزت رکھی ہے؟ مجھے بدنامی سے بچایا ہے۔"

نجمہ کے قریب صوفے پر لیٹی ہوئی بچی اچانک رونے لگی۔ وہ اسے فیڈر سے دودھ پلانے لگی۔ وہ بچی کو دیکھ کر بولا۔ "میں نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ تم اسے عبادت علی کے گھر سے لے آئی ہو۔ پولیس کو حشمت کے پیچھے لگا دیا ہے؟"

نجمہ نے کہا۔ "عبادت علی انسان نہیں، فرشتہ ہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ ہم میں سے کسی کے خلاف قانونی کارروائی نہیں کریں گے۔ اگر میں پولیس کو پیچھے لگاتی تو وہ اس وقت آپ کے گھر میں نہیں، پولیس کسٹڈی میں ہوتے۔"

وہ متاثر ہو کر بولا۔ "پھر تو تم نے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا ہے۔ تمہیں منے کی واپسی مبارک ہو۔"

حمیرا نے کہا۔ "یہ منا نہیں، منی ہے۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "منی .... کیا مطلب؟"

نجمہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حمیرا بولی۔ "ایک عورت ہمارے منے کو چرا کر لے گئی ہے اور اپنی بچی چھوڑ گئی ہے۔"

نجمہ نے روتے ہوئے کہا۔ "خدا جانے .... میرے نصیب میں کیا لکھا ہے؟ میرا بچہ گردش میں ہے، ہاتھ سے بے ہاتھ ہو رہا ہے۔ میرے ہاتھوں میں نہیں آ رہا ہے۔ پتہ نہیں وہ اسے لے کر کہاں چلی گئی ہے، کہاں چھپ گئی ہے، میں اُسے کہاں تلاش کروں؟"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ حمیرا اسے دلاسہ دینے لگی۔ شیخ کلیم الدین دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا لیکن بظاہر غمگین نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے اب بھی حشمت بیگ پر اعتماد تھا۔ اس کے دوست کو ستانے والی بہو آج خود پریشانیوں میں گھری ہوئی تھی۔

☆======☆======☆

نفاست اپنے بیڈ روم میں ٹہل رہا تھا۔ آئندہ پیش آنے والے حالات پر غور کر رہا تھا۔ اسے حسرت کی طرف سے خطرے کی گھنٹی سنائی دے رہی تھی۔ دوسری طرف عبادت علی کو پوتے اور پوتی کی صورت دکھا کر مطمئن کرنا تھا۔ زندگی ایسے ہی مسائل کی نذر ہو گئی تھی۔ وہ تھکے ہوئے ذہن کے ساتھ ایک صوفے پر ڈھے گیا۔ ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی چیخ اٹھی، اُسے یوں لگا جیسے خطرے کا الارم چیخ اٹھا ہو۔

وہ ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو.........." پھر دوسری طرف کی آواز سن کر چونک گیا۔ چور نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر ناگواری سے بولا۔ "کس لئے فون کیا ہے؟"

وہ دوسری طرف کی باتیں سن رہا تھا لیکن نگاہیں دروازے کو تک رہی تھیں۔ وہ

رازدارانہ انداز میں بولا۔ "بھئی میں تمہارے تمام اخراجات پورے کر رہا ہوں۔ تم اور کیا چاہتی ہو؟"

دوسری طرف سے کچھ کہا گیا۔ وہ ناگواری سے بولا۔ "یہ کون جانتا ہے کہ تمہاری بیٹی اغوا ہوئی ہے یا گھر سے بھاگ گئی ہے؟ تم ماں بیٹی کو میری عزت کا ذرا خیال نہیں ہے۔ اسے کہیں بھی تلاش کرو لیکن یاد رکھو اس بیٹی کے ساتھ باپ کا نام نہیں آنا چاہئے۔"

باہر سے آہٹ سنائی دی۔ اس نے گھبرا کر کہا۔ "شاید کوئی آ رہا ہے' میں فون بند کر رہا ہوں۔ پھر کسی وقت تم سے رابطہ کروں گا لیکن تم یہاں فون نہ کرنا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ چہرے پر پھیلے گھبراہٹ کے آثار کو مٹانے کی کوشش کرنے لگا۔

کبریٰ دروازہ کھول کر بڑبڑاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ "کوئی نہ کوئی مصیبت آتی رہتی ہے۔ وہ بچہ ہماری تحویل میں تھا' ہم ہی جوابدہ ہوں گے کہ وہ کیسے بدل گیا؟"

وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ نفاست نے کہا۔ "تم پرائے بچے کا دکھڑا رو رہی ہو' یہاں ہمارا بچہ ہمارے لئے مصیبت بن رہا ہے۔"

اس نے حیرت سے پوچھا۔ "آپ کس بچے کی بات کر رہے ہیں؟"

وہ بولا۔ "حسرت پَر نکال رہا ہے۔ پہلے گھر میں بوجھ بنا رہتا تھا' اب آفس میں جا کر مصیبت بن رہا ہے۔"

"وہ وہاں کیا کرنے لگا ہے؟"

"کاروباری معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔ ابا جان فرماتے ہیں کہ وہ کاروبار سیکھ رہا ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "یہ تو خوشی کی بات ہے' ہمارا بیٹا ہے۔ آپ کا دوسرا بازو بن رہا ہے۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "اسے دوسرا بازو بنانے سے پہلے لگام دینی ہو گی۔ کاروبار میں تھوڑا سچ' تھوڑا جھوٹ' تھوڑی ایمانداری اور تھوڑی بے ایمانی ہوتی ہے۔ مجھے یہ سمجھانا ہو گا اور اسے یہ سمجھنا ہو گا۔"

"کسی بھی طرح اسے قابو میں رکھیں' اس کے ذریعے فہمی ہمارے قابو میں رہے گی۔ آپ حسرت سے بات کریں اور فہمی سے اس کا نکاح پڑھا دیں۔ مراد کی طرح حسرت بھی سعادت مند بیٹا بن کر رہے گا تو وہ گونگی ہماری طرف جھکتی رہے گی۔"

نفاست اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "ہوں .... اس کا دھیان فہمی کی طرف لگانا ہو گا۔ اسے شادی کے معاملات میں الجھانا ہو گا۔ یہ اچھا آئیڈیا ہے۔ اسے فہمی کو ہنی مون کے بہانے کئی ماہ کے لئے دور بھیج دیا جائے گا۔"

کبریٰ کی آنکھوں میں پچاس کروڑ روپے ناچنے لگے۔ نفاست گہری سنجیدگی سے اس تدبیر کے ایک ایک پہلو پر غور کرنے لگا۔

زیبی نے اسد اور عالیہ کو آنے والے حالات سے آگاہ کیا تو مارے حیرت کے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ عالیہ نے بے یقینی سے کہا۔ "او گاڈ! وہ کسی کینسر کے مریض کو سجاد بنائیں گے اور .... اور .... تمہاری شادی؟"

زیبی روہانسی ہو کر بولی۔ "وہ کینسر کا مریض میرے مقدر میں لکھا جا رہا ہے۔"

اسد نے کہا۔ "ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ ساٹھ کروڑ حاصل کرنے کے لئے ہماری مرضی نہیں پوچھی جا رہی ہے۔ مجھے کسی نقلی سدرہ سے اور تمہیں ایک کینسر کے مریض سے منسوب کیا جا رہا ہے۔"

زیبی نے کہا۔ "صرف ساٹھ کروڑ کی بات نہیں ہے۔ ڈیڈی ایک سجاد کے ذریعے بڑے ابو کے کاروباری شیئرز بھی حاصل کریں گے۔ دادا جان کے پورے کاروبار کے مالک مختار بن جائیں گے۔"

اسد نے کہا۔ "ہم کاروباری شطرنج کے مہرے ہیں۔ وہ جدھر چلا رہے ہیں ہم اُدھر چل رہے ہیں۔"

زیبی احتجاجی لہجے میں بولی۔ "کیا ہم گونگے بہرے ہیں' اُن کے فیصلوں کے خلاف کچھ کہہ نہیں سکتے؟"

عالیہ نے کہا۔ "کچھ کہنا گویا بزرگوں کی مخالفت کرنا ہے۔ تمہاری پھوپھی جان نے بغاوت کی تھی۔ اپنی مرضی سے شادی کی تھی۔ ان کا انجام آج تک ہمارے سامنے ہے۔ جمال پھوپھا کو تسلیم نہیں کیا جا رہا تھا۔ فہمی کو اس لئے اپنایا جا رہا ہے کہ پچاس کروڑ روپے گھر سے باہر نہ جائیں۔"

زیبی الجھ کر بولی۔ "ہم کس گھر میں پیدا ہو گئے ہیں؟ کینسر کا مریض' سوچ سوچ کر میرا دماغ پھٹ رہا ہے۔"

عالیہ نے کہا۔ "سوچتے رہنے سے کچھ نہیں ہو گا' کوئی تدبیر کرو۔"

اسد اس کے مشورے پر غور کرنے لگا۔ زیبی نے کہا۔ "ایک بات بہت دیر سے

میرے دماغ میں [illegible] رہی ہے۔"

ان دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بولی۔ "جب ڈیڈی اپنے ابا جان کو دھوکا دے رہے ہیں تو کیا ہم ڈیڈی کو دھوکا نہیں دے سکتے؟"

اسد نے کہا۔ "یعنی TIT FOR TAT جو جیسا کرتا ہے' اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا چاہئے۔ ویسے یہ تو بتاؤ' کیا کرنا چاہتی ہو؟"

وہ انہیں دیکھ کر بولی۔ "تم دونوں ساتھ دو گے تو کچھ کر سکوں گی۔"

عالیہ نے کہا۔ "یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے؟ ہم ہر حال میں تمہارا ساتھ دیں گے۔"

زیبی نے کہا۔ "ڈیڈی اور بھائی جان کسی کینسر کے مریض کی تلاش میں ہیں۔ ہم فراز کو ایسا مریض بنا کر پیش کر سکتے ہیں۔"

اسد نے چونک کر کہا۔ "واؤ.......... زبردست آئیڈیا ہے۔"

عالیہ بولی۔ "ہائے زیبی! آئیڈیا زبردست بھی ہے اور رومانٹک بھی' ہمارے بزرگ جو چاہتے ہیں وہی ہو گا مگر ہماری حکمت عملی سے ہو گا۔"

اسد نے مسکرا کر کہا۔ "دادا جان کو پوتا ملے گا' ڈیڈی کو کینسر کا مریض ملے گا اور تمہیں.........."

عالیہ بولی۔ "من کی مراد ملے گی۔"

وہ تینوں ہنسنے لگے۔ زیبی نے کہا۔ "اب یہ سوچو کہ فراز کو کس طرح کینسر کا مریض ثابت کیا جائے؟"

اسد نے کہا۔ "سیدھی سی بات ہے۔ اس سلسلے میں میڈیکل رپورٹ حاصل کرنی ہو گی اور یہ کوئی پرابلم نہیں ہے۔ ایک لاکھ' دو لاکھ' دس لاکھ روپے دے کر جعلی ایکسرے اور میڈیکل رپورٹس حاصل کی جا سکتی ہیں۔"

عالیہ نے کہا۔ "اسد! جتنی جلدی ہو سکے' کسی رشوت خور کو تلاش کرو۔"

وہ بولا۔ "کل تک کسی کو ڈھونڈ نکالوں گا۔ رپورٹس تو ایک گھنٹے کے اندر تیار ہو جائیں گی۔"

زیبی نے کہا۔ "یہ بات فراز کے علم میں لانی ہو گی۔ ہماری تدبیر کے مطابق اسے اہم رول ادا کرنا ہے۔ میں ابھی اسے فون کر کے ملاقات کا وقت مقرر کرتی ہوں۔"

وہ موبائل فون پر نمبر پنچ کرنے لگی۔ فراز نئے حالات اور نئی صورت حال سے دوچار

ہونے والا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ اس فراڈ میں زیبی کا ساتھ دے گا یا نہیں؟

نفاست اور کبریٰ نے عبادت علی کے کمرے میں دیکھا۔ حسرت کمپیوٹر آپریٹ کر رہا تھا۔ نفاست نے سوالیہ نظروں سے کبریٰ کی طرف دیکھا۔ وہ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "تم ابا جان کے کمرے میں ہو؟ ہم تمہارے کمرے میں گئے تھے۔"

حسرت انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ کبریٰ نے نفاست کی طرف مسکرا کر دیکھا پھر کہا۔ "دیکھئے' میرا بیٹا آفس بھی جاتا ہے اور یہاں بھی کام کرتا رہتا ہے۔"

نفاست ایک صوفے پر بیٹھ گیا پھر کمرے میں چاروں طرف دیکھ کر بولا۔ "ابا جان کہاں ہیں؟"

حسرت کرسی پر بیٹھ کر دوبارہ کمپیوٹر آپریٹ کرتے ہوئے بولا۔ "عصر کی نماز پڑھنے مسجد گئے ہیں' کہہ رہے تھے مغرب کی نماز پڑھ کر آئیں گے۔"

نفاست نے پوچھا۔ "یہ تم کمپیوٹر کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟"

وہ بولا۔ "کئی مہینوں سے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اب اسے آپریٹ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔"

اس نے کہا۔ "تم پچھلے دس دنوں سے آفس آتے رہے' وہاں مجھ سے ملنا ضروری نہیں سمجھا؟"

"مل کر کیا کرتا؟ آپ تو مجھے ناکارہ سمجھتے ہیں۔"

کبریٰ بڑی محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ نفاست نے کہا۔ "کاروبار سے دلچسپی لیتے رہو گے' اسی طرح محنت کرتے رہو گے تو کوئی تمہیں ناکارہ نہیں سمجھے گا۔ میں تم سے بہت خوش ہوں' تم سے باتیں کرنے آیا ہوں۔"

کبریٰ مسکرا کر بولی۔ "بیٹے! میں بھی بہت خوش ہوں' ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ تم اتنے بدل جاؤ گے۔"

نفاست بولا۔ "یہ بتاؤ' ان دس دنوں میں تم نے کاروبار کو کس حد تک سمجھا ہے؟"

وہ پلٹ کر بولا۔ "آپ بھول رہے ہیں۔ میں چار برس پہلے فیصل آباد والی ٹیکسٹائل مل میں تھا۔ وہاں کے کئی شعبوں میں کام کرتا رہا ہوں۔ میں مراد بھائی سے زیادہ اس کاروبار کو سمجھتا ہوں۔"

نفاست نے کہا۔ "یہ تو اچھی بات ہے۔ تمہیں بزنس کے ہر پہلو کو مزید بہتر طور پر سمجھنا چاہئے۔"

کبریٰ نے کہا۔ ''فہمی کو بھی تم اچھی طرح سمجھتے ہو۔ ہم جلد سے جلد تم دونوں کی شادی کرانا چاہتے ہیں۔''

حسرت نے چونک کر دیکھا پھر بولا۔ ''فہمی مجھ سے بہت مانوس ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں اس سے شادی کر لوں۔''

نفاست نے پوچھا۔ ''شادی سے انکار کی وجہ کیا ہے؟''

وہ کندھے اچکا کر بولا۔ ''بس یونہی .... وہ ایک معصوم سی گڑیا ہے۔ میں اسے چاہتا ہوں' اس کا محافظ بن کر رہ سکتا ہوں مگر شادی نہیں کر سکتا۔''

نفاست بولا۔ ''تم اُسے شریک حیات نہیں بنانا چاہتے' وہ مراد سے خوفزدہ رہتی ہے۔ پھر تو اسے اسد سے ہی منسوب کرنا ہو گا۔''

وہ بولا۔ ''میں جانتا ہوں۔ اسد شادی نہیں کرے گا اور میں مراد بھائی سے فہمی کو منسوب نہیں ہونے دوں گا۔''

وہ غصے سے بولا۔ ''فضول باتیں نہ کرو۔ اگر تم انکار کرو گے تو مراد ہی سے اس کی شادی کی جائے گی۔''

حسرت نے پریشان ہو کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔ کبریٰ نے کہا۔ ''بیٹا! دماغ سے کام لو۔ ہم فہمی کا رشتہ باہر نہیں ہونے دیں گے۔ وہ تمہیں بہت چاہتی ہے۔ تم دعویٰ کرتے ہو کہ اس کے محافظ بن کر رہو گے۔ ایسا تو شادی کے بعد ہی ممکن ہے۔''

وہ بولا۔ ''وہ مجھ پر بہت بھروسہ کرتی ہے۔ مجھے اس کی بہتری کے لئے سنجیدگی سے سوچنا ہو گا۔''

نفاست نے کہا۔ ''دانشمندی سے سوچو گے تو ضرور ہمارے فیصلے پر عمل کرو گے۔''

کبریٰ حسرت کو پچکارتے ہوئے بولی۔ ''میرا بیٹا پہلے جیسا نہیں رہا ہے۔ یہ مراد سے زیادہ ہمارا فرمانبردار رہے گا۔''

نفاست نے پوچھا۔ ''تم آفس میں جا کر اکاؤنٹس چیک کرتے رہے ہو؟''

وہ بولا۔ ''میں کیا چیک کروں گا؟ میں کوئی آڈیٹر نہیں ہوں۔ بس یوں ہی سرسری طور پر کھاتے دیکھتے ہیں۔''

''سیکرٹ ریکارڈز بھی دیکھے ہیں؟''

''وہ تو ہارڈ ڈسکس میں محفوظ کئے گئے ہیں۔''

''تم نے پاس ورڈز کے ذریعے ایکسیس (ACCESS) کیا ہو گا؟''

وہ بولا۔ ''میں نے چیف اکاؤنٹنٹ سے پاس ورڈز معلوم کئے ہیں۔ مگر وہ ریکارڈز ابھی دیکھے نہیں ہیں۔ کل جا کر دیکھوں گا۔''

نفاست نے چونک کر پوچھا۔ ''سچ کہہ رہے ہو؟ تم نے وہ ریکارڈز نہیں دیکھے ہیں؟''

''کہہ تو رہا ہوں' کل جا کر دیکھوں گا۔''

وہ دل ہی دل میں خوش ہوتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ کبریٰ نے کہا۔ ''ٹھیک ہے بیٹے! اسی طرح دل لگا کر کام کرو۔ میں آج ہی تمہاری شادی کی بات ابا جان سے کروں گی۔''

وہ اتنا کہہ کر چلی گئی۔ حسرت پریشان ہو کر آنے والے حالات کے بارے میں سوچنے لگا۔

نفاست تیزی سے چلتا ہوا مراد کے کمرے میں آیا۔ وہ کہیں باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ باپ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ نفاست صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''مراد! چیف اکاؤنٹنٹ کو فون کرو۔ اس سے پوچھو کیا حسرت نے سیکرٹ ریکارڈز ایکسیس (ACCESS) کئے ہیں؟''

مراد ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ کبریٰ بھی وہاں چلی آئی تھی۔ وہ ریسیور کان سے لگائے بولا۔ ''ہیلو .... میں مراد علی بول رہا ہوں۔ رضا صاحب کو فون دیں۔''

وہ انتظار کرنے لگا پھر بولا۔ ''ہاں .... رضا صاحب! میں ہوں مراد علی۔ حسرت نے اکاؤنٹس چیک کئے ہیں۔ کیا سیکرٹ ریکارڈز بھی دیکھے ہیں؟''

وہ دوسری طرف کی باتیں سننے لگا۔ پھر ریسیور رکھ کر نفاست سے بولا۔ ''حسرت کل جا کر وہ ریکارڈز پڑھے گا۔''

وہ بولا۔ ''وہ کل کبھی نہیں آئے گا۔ تم ابھی وہاں جاؤ اور ہمارے سیکرٹ ریکارڈز کے پاس ورڈز بدل دو۔ نئے پاس ورڈز رضا صاحب کو بھی نہ بتاؤ۔''

مراد تائید میں سر ہلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ کبریٰ نے پریشان ہو کر کہا۔ ''یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ حسرت پھر باغی ہو جائے گا۔''

''ہونے دو۔ تم نہیں جانتی' وہ خفیہ ریکارڈز کتنے اہم ہیں؟ میرے اور مراد کے سوا کسی تیسرے کو معلوم نہیں ہونا چاہئیں۔''

کبریٰ پریشان ہو کر حسرت کے بارے میں سوچنے لگی۔ ماں کے لئے یہ بات خوش آئند تھی کہ کاہل اور سست بیٹا کاروبار میں دلچسپی ظاہر کرنے لگا تھا مگر باپ کا عمل اسے پھر سے باغی بنا سکتا تھا۔

حسرت عبادت علی کے کمرے میں بیٹھا کمپیوٹر آپریٹ کر رہا تھا۔ ایسے ہی وقت اس

کے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ وہ سی ایل آئی پر نمبر پڑھ کر ذرا چونکا پھر اسے آن کرکے
کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو.........."

دوسری طرف سے کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ہائے ہنی! مجھے پہچان رہے ہو؟"

وہ حیرانی سے بولا۔ "تم .... یہ تم ہو؟"

"اچھا......... تو تمہیں یقین نہیں تھا۔ میں نے تمہاری توقع کے خلاف تمہیں یاد کیا
ہے۔"

"تم نے مدتوں بھلانے کے بعد یاد کیا ہے' یہ اچھا نہیں کیا۔ میں تمہیں بھلانے کی
کوشش کر رہا تھا۔"

"یعنی بھلا نہیں پائے' مجھے تمہارے بارے میں معلوم ہوتا رہتا ہے۔ تم نشے کے
عادی ہو گئے تھے۔ غم غلط کرتے رہے' پھر بھی میں یاد آتی رہی۔"

"میری بے بسی دیکھ رہی ہو اور مزے لے رہی ہو۔ کیا چاہتی ہو' کیوں فون کیا
ہے؟"

دوسری طرف سے شکایت کی گئی۔ "تم نے مجھ سے جھوٹ کہا تھا کہ تم ایک معمولی
گھرانے سے تعلق رکھتے ہو' بے روزگار ہو اور مفلسی کی زندگی گزار رہے ہو۔"

وہ بولا۔ "میں نے جھوٹ بول کر تمہاری اصلیت معلوم کی تھی۔ تمہیں میری نہیں'
کسی دولت کمانے والے کی ضرورت تھی۔"

"کون سی ایسی لڑکی ہے جو کسی دولتمند آئیڈیل کے خواب نہیں دیکھتی؟ کیا ہمیں
بہترین مستقبل کا خواب نہیں دیکھنا چاہئے؟ وہ زمانہ گیا' جب لڑکیاں اندھی محبت کرتی
تھیں۔ ہمارے پاس بھی آنکھیں ہیں' سوچنے سمجھنے کے لئے ذہن ہے' اگر تم مجھے چاہتے
ہو تو دل پر ہاتھ رکھ کر کہو' کیا میں نے اپنی بہتری کے لئے سوچ کر بے وفائی کی ہے؟ کیا تم
نے جھوٹ کہہ کر مجھ سے بے وفائی نہیں کی تھی؟"

وہ اس کی تائید میں بولا۔ "تم درست کہتی ہو' محبت کرنے والوں کو دور تک سوچنا
چاہئے۔ صرف محبت سے پیٹ نہیں بھرتا' ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ معلوم ہوتا ہے'
تمہاری ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں؟ بائے دا وے مجھے کیوں یاد کیا ہے؟"

"اس لئے کہ یاد آنے والے کو ہی یاد کیا جاتا ہے۔ میں پھر تمہاری زندگی میں آ رہی
ہوں۔ ایک نئی حیثیت اور ایک نئے انداز سے........."

اتنا کہہ کر اس نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا۔ حسرت فون کان سے لگائے "ہیلو

ہیلو........." کرتا رہ گیا۔ مگر رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ وہ اس کی زندگی میں آ رہی
تھی یہ پریشانی کی نہیں خوشی کی بات تھی' مگر وہ کس حیثیت اور کس انداز سے آنے والی
تھی' حسرت یہ نہ سمجھ سکا تھا۔

☆======☆======☆

زیبی' عالیہ اور اسد ایک اوپن ریسٹورنٹ میں بیٹھے فراز کا انتظار کر رہے تھے۔ عالیہ
نے اکتاہٹ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "کہاں ہے تمہارا فرہاد' اب تک نہیں آیا؟"

زیبی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھ کر بولی۔ "آتا ہی ہو گا۔"

اسد نے کہا۔ "میں نے ایک ڈاکٹر کے بارے میں معلوم کیا ہے۔ وہ بہت لالچی ہے۔
اسے اچھی خاصی رقم دی جائے تو وہ قتل کو خودکشی کا کیس بنا دیتا ہے۔ جعلی ایکسرے اور
جعلی میڈیکل سرٹیفکیٹس بھی دیتا ہے۔"

عالیہ نے کہا۔ "پھر تو سمجھو کام ہو گیا۔ تمہیں اس ڈاکٹر سے ملنا چاہئے۔"

اسد بولا۔ "آپ مجھے مشورہ نہ دیں' میرا دماغ آپ سے زیادہ کام کرتا ہے۔ ہم کل
صبح پہلے بینک سے رقم نکالیں گے۔ پھر اس سے ملاقات کریں گے۔ ڈاکٹر ہمارا منہ دیکھ کر
نہیں......... رقم دیکھ کر معاملات طے کرے گا۔"

عالیہ نے اسے چڑانے کے لئے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو' صورت سے کنگال دکھائی
دیتے ہو۔ ڈاکٹر کو پہلے رقم دکھانی ہو گی۔"

وہ اسے جواب دینا چاہتا تھا مگر فراز کو آتا دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ وہ ایک کرسی پر
بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہائے زیبی!"

وہ مسکرا کر بولی۔ "ہائے۔" پھر عالیہ اسد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "فراز!
ان سے ملو......... یہ........."

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "میں جانتا ہوں' یہ عالیہ اور اسد ہیں۔ میں پہلے
بھی کئی بار ان سے مل چکا ہوں۔"

وہ دونوں اس کی بات سن کر حیران ہو گئے۔ اسد نے پوچھا۔ "تم ہم سے مل چکے
ہو؟"

عالیہ نے پوچھا۔ "وہ بھی کئی بار۔ جناب! ہم سے کہاں ملتے رہے ہیں؟"

فراز نے زیبی کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا۔ "کتنی جلدی بھول جاتے ہیں' یہ
دونوں؟ زیبی! تمہیں پتہ ہے جب بھی تم میرے خوابوں میں آتی ہو' یہ دونوں تمہارے

پیچھے چلے آتے ہیں۔ سائے کی طرح تمہارے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ آج خوابوں سے باہر بھی آ گئے۔"

وہ اس کی بات سن کر ہنسنے لگے۔ اسد نے کہا۔ "ہم تم پر احسان کرنے آئے ہیں۔ ندی کے دو کنارے کبھی نہیں ملتے۔ ہم تمہیں ملانے آئے ہیں۔"

وہ سوالیہ سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ عالیہ نے کہا۔ "تم قیامت تک ترستے رہتے، تڑپتے رہتے پھر بھی اسے اپنی دلہن نہیں بنا سکتے تھے۔ اب تیار ہو جاؤ۔ ہم تمہیں دولہا بنانے آئے ہیں۔"

اس نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟"

عالیہ نے کہا۔ "ہم تو سچے ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ تم عشق میں کتنے پکے ہو؟ زیبی کے لئے کیا کر سکتے ہو؟"

فراز نے مسکراتی ہوئی زیبی کو دیکھ کر کہا۔ "جان بھی دے سکتا ہوں۔"

اسد نے کہا۔ "وہ تو تم دو گے، آخر کینسر کے مریض ہو۔"

وہ حیرت سے ہنستے ہوئے بولا۔ "کیا.......... میں اور کینسر کا مریض؟"

زیبی نے کہا۔ "یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے تمہیں کینسر کا مریض بننا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "تم کہتی ہو تو بن جاؤں گا، مگر قصہ کیا ہے؟"

اسد نے کہا۔ "یہ تین جنریشنز کا تماشہ ہے۔ ڈیڈی دادا جان کو دھوکا دے رہے ہیں۔ ہم ڈیڈ کو چیٹ (CHEAT) کریں گے۔ تماشہ دید کے قابل ہو گا۔"

پھر زیبی نے اسے تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ حیرت سے امیر گھرانے کے اندرونی معاملات سننے لگا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی باپ اپنے باپ کو دھوکا دے کر اپنی بیٹی کا رشتہ ایک کینسر کے مریض سے کرا رہا ہے۔ وہ بھی صرف دولت حاصل کرنے کے لئے۔

وہ سارا قصہ سننے کے بعد تائیدانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "ہوں .... بات کچھ سمجھ میں آ رہی ہے۔"

زیبی نے کہا۔ "وہ چاہتے ہیں کہ جسے بھی سجاد بنا کر پیش کریں وہ جلد ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائے۔"

فراز نے کہا۔ "وہ رخصت ہو جائے اور اُس سے ملنے والے کروڑوں روپے تمہیں مل جائیں۔"

وہ بولی۔ "مجھے کیا ملیں گے؟ وہ رقم تو ڈیڈی اور ممی کو ملے گی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "تم لوگوں سے مل کر پتہ چل رہا ہے کہ عالیشان کوٹھیوں کے اندر دولت کمانے کے لئے کیسی کیسی ہیرا پھیریاں ہوتی رہتی ہیں۔"

اسد نے کہا۔ "ہماری دنیا میں ایسے تماشے ہوتے رہتے ہیں تم بتاؤ، کینسر کے مریض کا رول کر سکو گے؟"

وہ بولا۔ "نہ جانے میں کیسا مقدر لے کر آیا ہوں؟ جہاں جاتا ہوں وہاں جھوٹ اور فریب میرے سامنے آتا ہے۔"

زیبی نے پوچھا۔ "تمہیں پریشانی کیا ہے؟"

وہ بولا۔ "زبیر اور اس کے ساتھی مجھ پر لاکھوں روپے خرچ کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ تمہیں دھوکا دیتا رہوں لیکن میں نے ان کی بڑی سے بڑی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔"

اسد اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "ہم جانتے ہیں .... آگے بولو۔"

وہ انہیں دیکھ کر بولا۔ "تم لوگ بھی یہی چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے جھوٹ بولوں۔ سجاد بن کر تمہارے دادا جان کو دھوکا دوں۔ کیا ہم جھوٹ کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے؟"

زیبی نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "تم جھوٹ بولنا نہیں چاہتے؟"

وہ سر کو نفی میں ہلا کر بولا۔ "نہیں.........."

زیبی نے پوچھا۔ "تم فراڈ کرنا نہیں چاہتے؟"

اس کا جواب اب بھی نفی میں تھا۔ اس نے پوچھا۔ "ڈیڈی میری شادی کسی کینسر کے مریض سے کرانا چاہتے ہیں۔ کیا تم نیک اور ایماندار بن کر میری تباہی کا تماشہ دیکھتے رہو گے؟"

وہ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ دل و دماغ میں جنگ جاری ہو گئی۔ وہ کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا جواب دے؟ وہ سوالیہ نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔ خود کو تباہی سے بچانے کے لئے اس کی ذات میں پناہ مانگ رہی تھی۔

وہ بولا۔ "تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

زیبی نے ناگواری سے منہ پھیر لیا۔ عالیہ نے کہا۔ "محبت میں آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔"

وہ بولا۔ "میں زیبی کے قریب کسی کینسر کے مریض کو برداشت نہیں کروں گا۔"

اسد نے پوچھا۔ "پھر کیا کرو گے؟ ہمارے گھر جا کر سچائی اور ایمانداری کا لیکچر دو گے؟"

عالیہ نے زیبی سے کہا۔ "تم نے یہ کس ایماندار سے دل لگا لیا ہے؟ یہ حضرت صرف باتیں بنائیں گے۔"

فراز نے کہا۔ "مجھے طعنے نہ دو۔"

وہ کندھے اچکا کر بولی۔ "فی الحال تمہیں دینے کے لئے ہمارے پاس یہی ہے۔ کیا کریں؟"

وہ بولا۔ "تم بہت بولتی ہو۔ میری بھی تو سنو۔"

وہ تینوں اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ اس نے کہا۔ "میں اس حد تک جھوٹ بول سکتا ہوں کہ میرے جھوٹ سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر میں سجاد بننے سے انکار کروں گا تو زیبی کی شادی سچ مچ کسی کینسر کے مریض سے کر دی جائے گی اور میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔ جس طرح لوہے کو لوہے سے کاٹا جاتا ہے اسی طرح جھوٹ کو جھوٹ سے اور فریب کو فریب سے کاٹا جا سکتا ہے۔"

عالیہ نے کہا۔ "اوہو .... تم تو سمجھدار بچوں کی طرح بول رہے ہو۔"

اسد اور زیبی اس کی بات سن کر ہنسنے لگے۔ فراز سنجیدگی سے بولا۔ "ڈاکٹر بھی جھوٹ بول کر مریض کی جان بچاتا ہے۔ میں تمہیں کینسر کے مریض سے بچانے کے لئے اس کھیل میں تمہارا ساتھ دوں گا۔"

زیبی بڑے جذبوں سے اور چاہت سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ وہ اس کی خوشی میں خوش تھا۔ دل مطمئن تھا کہ اپنی چاہنے والی کو وہ کچھ نہ دے سکا مگر فراڈ میں اس کا ساتھ دے کر اسے خوشیاں دے رہا ہے۔ یہی کافی ہے' زیبی کا مسکراتا ہوا چہرہ اس کے دل کو سرشار کر رہا تھا لیکن ضمیر بوجھل ہو گیا تھا۔

☆=====☆=====☆

انسان مر جائے تو قدرتی طور پر اس کے سوگواروں کو صبر آ جاتا ہے لیکن کھو جانے والے کو نگاہیں ہمیشہ تلاش کرتی رہتی ہیں۔ دل اسے پانے کے لئے نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتا رہتا ہے۔

نجمہ بھی اپنے بچے کو ڈھونڈنے کے لئے بھٹکتی پھر رہی تھی۔ اس دوران میں وہ بارہا

اس فلیٹ پر گئی تھی مگر ہمیشہ دروازے پر جھولتا تالا اسے مایوس کر دیتا تھا۔

فن فیئر' پلے لینڈ' گارڈن' ایسی کون سی جگہ تھی جہاں وہ اپنے بچے کی تلاش میں نہیں بھٹکی تھی۔ وہ رخسانہ کی بچی کو سینے سے لگائے رہتی تھی تاکہ اگر وہ مل جائے تو فوراً بچی کو اس کے حوالے کر کے اپنا بچہ لے لے لیکن ابھی گردش کے دن ختم نہیں ہوئے تھے۔

وہ روزانہ صبح اس کی تلاش میں نکلتی اور رات گئے واپس لوٹتی۔ حمیرا اس کی حالت دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی اور کر بھی کیا سکتی تھی؟ بے چین ممتا کو تسلیاں اور دلاسے قرار نہیں دیتے۔

ہر روز کی طرح آج بھی وہ اس اپارٹمنٹ کی سیڑھیاں چڑھ کر فلیٹ کے دروازے پر آئی تو ٹھٹک گئی۔ دروازے پر تالا نہیں تھا۔ وہ دستک دینا چاہتی تھی مگر اندر سے آنے والی آوازوں نے اسے چونکا دیا۔ وہ کان لگا کر سننے کی کوشش کرنے لگی۔ ایک مردانہ آواز سنائی دی۔ "ایک تو تم یہاں نہیں آ رہی تھیں۔ اب آئی ہو تو فوراً ہی بھاگنا چاہتی ہو۔ آخر تمہیں کس کا خوف ہے؟"

عورت کی آواز سنائی دی۔ "میں .... میں کیا بتاؤں؟ جب سے آپ نے طلاق کی دھمکی دی ہے' تب سے میں خوفزدہ رہنے لگی ہوں۔"

باہر کھڑی ہوئی نجمہ دبے قدموں چلتی ہوئی اس فلیٹ کی کھڑکی کی طرف آئی اور اندر جھانکنے لگی۔ رخسانہ بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا شوہر بچہ گود میں اٹھائے بول رہا تھا۔ "میں نے جو دھمکی دی تھی وہ ختم ہو چکی ہے' تم نے میرے لئے بیٹا پیدا کیا ہے۔ اب تمہیں ساری زندگی سر پر بٹھاؤں گا۔"

رخسانہ نے جھجکتے ہوئے اپنے شوہر پوچھا۔ "ایک بات پوچھوں؟"

وہ بولا۔ "اب کیا مجھ سے پوچھ کر بات کرو گی؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "وہ .... میں یہ پوچھ رہی تھی کہ اگر بیٹی پیدا ہوتی تو.........؟"

شوہر ناگواری سے بولا۔ "بکواس نہ کرو۔ خدا نے ہمیں خوبصورت سا بیٹا دیا ہے۔ اس کا شکر ادا کرو۔ اب میں تمہیں کبھی طلاق نہیں دوں گا۔ یہ بیٹا ہمیشہ تمہیں سہاگن بنا کر رکھے گا۔"

نجمہ اندر جھانک رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ وہی عورت ہے جسے بیٹی پیدا

کرنے کے جرم میں طلاق ملنے والی تھی اور جسے میں دور سے دیکھ رہی ہوں وہی میرا منا ہے۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اندر جا کر اپنے منے کو ان سے چھین لے۔ اس نے سوچا۔ "میں ابھی پولیس کو بلا کر انہیں گرفتار کرا سکتی ہوں۔ شبو کی ماں اور ہسپتال والے چشم دید گواہ ہیں۔ وہ اس عورت کے خلاف گواہی دیں گے۔"

وہ وہاں سے پلٹ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگی۔ ایسے ہی وقت اس کے ضمیر نے آواز دی۔ "کہاں جا رہی ہو؟ تجھے تیرا بچہ مل جائے گا۔ اب کوئی اسے تجھ سے چھین نہیں سکے گا۔ مگر تُو اس عورت سے اس کا سہاگ چھین لے گی۔ اس کی زندگی برباد کر دے گی۔ طلاق یافتہ عورت کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتی' کوئی اس کا ہاتھ تھامنے والا نہیں ہوتا' وہ ہمیشہ دنیا کی ٹھوکروں میں رہتی ہے۔"

وہ ضمیر کی آواز سن کر ٹھٹک گئی۔ دل میں ایک مظلوم عورت کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی۔ وہ سوچنے لگی۔ "میں اپنا بچہ ضرور لے کر جاؤں گی۔ میری کھوئی ہوئی تمام خوشیاں مجھے مل جائیں گی۔ مگر اس خوشی میں مجھے دوسری عورت کی خوشیوں کو نہیں بھولنا چاہئے۔ کچھ ایسا کرنا چاہئے کہ اس کی خوشیاں بھی سلامت رہیں۔ میں پولیس کو بلاؤں گی تو اس کے شوہر کو یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ وہ ایک بیٹے کا نہیں' بیٹی کا باپ ہے۔ اس کی بیوی نے ایک بیٹی پیدا کی ہے۔ اُسے دھوکا دیا ہے' اسے بے وقوف بنایا ہے۔"

وہ دوبارہ کھڑکی کی طرف بڑھتے ہوئے سوچنے لگی۔ "اس کا شوہر یہ دھوکا برداشت نہیں کرے گا۔ اس پر ظلم بھی کرے گا اور طلاق بھی دے گا۔ میں اس عورت کو ایک مرد کے ظلم سے اور طلاق سے بچاؤں گی تو خدا میرے بچوں پر مہربان رہے گا۔"

یہ سوچتی ہوئی وہ کھڑکی کے قریب آ کر اندر جھانکنے لگی۔ وہاں کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ وہ اندر داخل ہوئی اور دبے قدموں چلتی ہوئی ایک کمرے کے دروازے کے پاس آئی۔ اندر رخسانہ بچے کو بیڈ پر سلا رہی تھی۔

دروازے پر کھڑی نجمہ الجھن میں پڑ گئی۔ ایسے ہی وقت رخسانہ کے شوہر کی آواز سنائی دی۔ "رخسانہ! تم کہاں ہو؟ باتھ روم میں تولیہ تو ہونا چاہئے۔"

وہ بولی۔ "ایک منٹ میں آ رہی ہوں۔ تولیہ الماری سے نکالنا ہو گا۔"

نجمہ دروازے سے لگی' انتظار کرنے لگی۔ جیسے ہی رخسانہ دوسرے کمرے میں گئی"

تیزی سے چلتی ہوئی اندر آئی۔ محتاط نظروں سے دوسرے کمرے کے دروازے کو دیکھتی ہوئی اپنے بچے کے پاس آئی۔

اس نے سینے سے لگی ہوئی بچی کو بیڈ پر لٹایا اور اپنے بچے کو گود میں لے کر تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل کر فلیٹ سے باہر آ گئی۔ وہ تقریباً دوڑتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر اپارٹمنٹ سے باہر آئی۔ ایک ٹیکسی کو روک کر اس کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر اس کی کوٹھی کی طرف بڑھنے لگی۔

رخسانہ گنگناتی ہوئی کمرے میں آ کر بیڈ پر بیٹھی تو بچے کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ چیخ کر بولی۔ "نہیں .... نہیں یہ نہیں ہو سکتا .... یہ .... یہ پھر کیسے آ گئی؟"

اس کا شوہر تولیے سے منہ ہاتھ پونچھتا ہوا پریشان ہو کر اس کے پاس آیا۔ "کیا ہوا؟ کیوں چیخ رہی ہو؟"

وہ بیڈ پر پڑی بچی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "ہمارا بچہ بدل گیا ہے۔ یہ .... یہ ہمارا بیٹا نہیں .... یہ کسی کی بیٹی ہے۔"

وہ بچی کے پاس آتے ہوئے بولا۔ "کیا بکتی ہو؟"

پھر اسے دیکھ کر حیرت سے بولا۔ "یہ .... یہ کیسے ہو گیا؟ تم کہاں تھی؟"

وہ روتے ہوئے بولی۔ "میں تو الماری سے تولیہ نکال کر آپ کو دینے گئی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ کوئی یہاں آ کر ہمارا بچہ اٹھا کر لے گیا ہے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ رخسانہ بھی بچی کو گود میں لے کر اس کے پیچھے چلی گئی۔

رخسانہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ خود کو طلاق سے بچانے کے لئے ایک غیر بچے کو دیوانوں کی طرح تلاش کر رہی تھی۔ جبکہ اپنی سگی بیٹی اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ وہ بیٹی تھی' اس لئے اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اس کی کوکھ سے جنم لینے والی اس کے سینے سے آ لگی تھی۔ اس کی پیاسی ممتا کو سیراب کر رہی تھی لیکن ماں مجبور تھی' گلے میں طلاق کا طوق سجانا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لئے غیر کے بچے کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ وہ اسے طلاق سے بچا سکتا تھا۔

وہ راہ گیروں سے پوچھتے ہوئے مین روڈ پر آ گئے۔ رخسانہ نے روتے ہوئے کہا۔ "میں بہت بدنصیب ہوں' اب تو آپ مجھے طلاق دے دیں گے۔"

وہ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ غصے سے بولا۔ "بکواس مت کرو۔ یہ بیٹی تم نے پیدا نہیں کی ہے۔ تم نے بیٹا پیدا کیا تھا۔ نہ جانے اسے کون چرا کر لے گیا ہے؟"

وہ تیزی سے چلتا ہوا سڑک کے دوسری طرف چلا گیا۔ مگر رخسانہ وہیں کھڑی رہی۔ اب اُسے کسی کے بیٹے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنی بچی کو چومنے لگی اور مطمئن ہو کر گھر کی طرف چل دی۔

☆======☆======☆

کبریٰ حسرت کی طرف سے پریشان ہو گئی تھی۔ وہ اسے دوبارہ غلط راستے پر چلنے سے پہلے عبادت علی سے اس کے لئے فہمی کا ہاتھ مانگنا چاہتی تھی۔ وہ اس نیک کام میں دیر ہونے سے پہلے اُسی رات کو ان کے کمرے میں پہنچ گئی۔

بن عبادت علی کے لئے چائے لے کر جا رہا تھا۔ وہ اس کے ہاتھوں سے ٹرے لے کر اندر داخل ہوئی۔ عبادت علی نے اسے دیکھ کر پوچھا۔ "تم لائی ہو؟ بن کہاں ہے؟"

وہ ٹرے کو میز پر رکھ کر ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "چائے وہی لا رہا تھا۔ میں نے کہا' میں لے جاتی ہوں۔ آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی تھی۔"

وہ چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے بولے۔ "اچھا......... کہو۔"

وہ بولی۔ "آپ نے حسرت کو کاروبار میں لگا کر ناممکن کو ممکن بنا دیا ہے۔ ہم بھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اتنی بڑی ذمہ داریاں سنبھال لے گا۔"

وہ چائے کا ایک گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے بولے۔ "اولاد پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اسے ناکارہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ تم سب اسے مٹی دھول سمجھتے رہے۔ وہ مٹی کو بھی سونا بنا کر دکھائے گا۔ وہ ہمارا پوتا ہے' ہمارا خون ہے۔"

وہ سر جھکا کر مسکراتے ہوئے بے ساختگی میں بولی۔ "وہ آپ ہی کی بات مانتا ہے۔ آپ دن کو رات کہتے ہیں تو وہ بھی رات کہتا ہے۔"

انہوں نے ایکدم سے چونک کر پوچھا۔ "کیا کہہ رہی ہو؟ ہم دن کو رات کیوں کہیں گے؟"

اسے ایکدم سے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ بات بناتے ہوئے بولی۔ "وہ......... میں تو ایک مثال دے رہی تھی۔"

وہ ذرا ناگواری سے بولے۔ "اس مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم عقل کے اندھے

ہیں۔ دن نظر نہیں آتا' اس لئے رات کہہ دیتے ہیں۔"

وہ بوکھلا گئی' دل میں سوچنے لگی۔ "توبہ ہے' یہ تو ایک مثال کے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں۔ مانا میں کچھ زیادہ بولتی ہوں۔ اس لئے غلطی بھی ہو جاتی ہے مگر یہ تو میری غلطی پکڑ ہی بیٹھ گئے ہیں۔"

وہ بولی۔ "دراصل میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ آپ کی ہر بات کو پتھر کی لکیر سمجھتا ہے۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولے۔ "ہاں......... یہ تو ہے۔"

وہ دل میں شکر ادا کر رہی تھی کہ اس بار انہوں نے اس کے الفاظ نہیں پکڑے۔ اسے خاموش دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔ "کیا تم ہمیں یہی بتانے آئی تھی؟"

وہ چونک کر بولی۔ "آں......... نہیں......... میں تو کوئی ضروری بات کرنے آئی تھی لیکن یاد نہیں آ رہا......... کہ کیا کہنے آئی تھی؟"

وہ جملوں کے ہیر پھیر میں اصل بات بھول گئی۔ ذہن پر زور دینے لگی۔ عبادت علی بڑی اکتاہٹ سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اچانک وہ چیخ کر بولی۔ "ہاں......... یاد آ گیا۔"

اس کی تیز آواز سن کر انہوں نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ذرا جھینپ سی گئی۔ پھر سر جھکا کر بولی۔ "میں......... یہ کہنے آئی تھی کہ اگر آپ اسے شادی کے لئے کہیں گے تو وہ ضرور راضی ہو جائے گا۔ فہمی کو آپ کا پیار مل رہا ہے لیکن وہ معصوم باپ سے محروم ہو گئی ہے۔ حسرت اس کی یہ کمی پوری کر سکتا ہے۔"

وہ گہری سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ ایکدم سے چونک کر بولے۔ "کیا......... حسرت اس کے باپ کی کمی پوری کرے گا' کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ تم اسے فہمی کا باپ بنانا چاہتی ہو؟"

وہ گڑبڑا کر بولی۔ "آں......... میرا یہ مطلب نہیں ہے۔"

"بہو بیگم! پہلے باتوں کا مطلب سمجھ لیا کرو' پھر بولا کرو۔ تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ فہمی کی شادی حسرت سے کر دی جائے۔"

وہ جلدی سے اثبات میں سر ہلا کر بولی۔ "جی......... میں یہی کہنا چاہتی تھی۔ آپ نے اسے کاروبار میں الجھایا ہے۔ بیوی بچوں میں بھی الجھا دیں۔ پھر وہ اور زیادہ سنجیدہ اور ذمہ دار ہو جائے گا۔"

وہ اس کی تائید میں بولے۔ "ہاں......... ایک مدت گزر چکی ہے۔ اس گھر سے نہ

کسی کی ڈولی اٹھی ہے اور نہ ہی کوئی دلہن اس گھر میں آئی ہے۔ اب یہاں شادی کی دھوم دھام ہونی چاہئے۔ ہم نفاست سے بات کریں گے۔ پھر جلد ہی شادی کی تاریخ مقرر کر دی جائے گی۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "خدا کا شکر ہے .... آپ شادی کے لئے راضی ہو گئے۔"

انہوں نے چونک کر پوچھا۔ "ہم راضی ہو گئے' اس عمر میں' کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

وہ ایکدم سے جھینپ گئی پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ "وہ .... وہ میں ابھی آتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ عبادت علی اس کے مشورے پر گہری سنجیدگی سے غور کرنے لگے۔ یہ مشورہ ان کی سوچ کے مطابق تھا۔ وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ فہمی کو حسرت سے منسوب کیا جائے۔ اس طرح کروڑوں روپے اس گھر اور اس خاندان سے باہر نہیں جائیں گے۔

☆======☆======☆

فراز اپنے کمرے میں بیٹھا اپنے والد کی طرف سے بھیجے گئے خط کو پڑھ رہا تھا۔ صمد شاہین نے اس کے والدین کی ذمہ داری سنبھالنے کا وعدہ کیا تھا اور اس خط سے یہ بات واضح بھی ہو رہی تھی کہ وہ اپنا وعدہ نبھا رہا ہے۔

انہوں نے لکھا تھا۔ "بیٹے! تم سلامت رہو۔ تم ہر ماہ پابندی سے ہمیں پانچ ہزار روپے بھیج رہے ہو۔ خدا سب کو تمہاری طرح ذمے دار اور سعادت مند بیٹا دے۔ تمہاری بہن سسرال میں بہت خوش ہے۔ اگر تم لاکھوں روپے کما کر نہ بھیجتے تو وہ دوسری لڑکیوں کی طرح میکے میں بیٹھی رہ جاتی۔"

وہ پڑھتے پڑھتے سر اٹھا کر سوچنے لگا۔ "لاکھوں روپے' میں نے کبھی خواب میں بھی لاکھوں روپے نہیں کمائے۔ تقدیر کے بھی تماشے عجیب ہیں۔ میں حلال کی روزی کمانے کے لئے یہاں آیا تھا مگر قدم قدم پر ناجائز طریقوں سے روزی حاصل ہو رہی ہے۔"

وہ پھر سر جھکا کر پڑھنے لگا۔ "تمہاری ماں کہتی ہے کہ ہم نے بہت انتظار کر لیا۔ اب چاند سی بہو لے آؤ۔ تمہاری ماں تو باؤلی ہے۔ یہاں اپنے لئے بہو پسند کر رکھی ہے۔ بس تمہارے ہاں کہنے کی دیر ہے۔"

وہ مسکرانے لگا پھر سر اٹھا کر زیر لب بڑبڑایا۔ "اماں! تمہاری بہو تو میرے خوابوں اور خیالوں سے نکل کر میری زندگی میں آ رہی ہے۔ آہ! مجھے امید نہیں تھی کہ اتنے اونچے گھرانے کی لڑکی کبھی میری دلہن بنے گی۔ اماں! بہت جلد ہماری شادی ہونے والی ہے۔ وہ دلہن بننے والی ہے۔ قاضی صاحب پوچھیں گے' زیبا علی عرف زیبی! کیا تم نے فراز احمد خان ولد انوار احمد خان کو نکاح میں قبول کیا؟ وہ کہے گی' ہاں .... قبول کیا۔"

وہ کہتے کہتے چونک گیا' پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ "لیکن نکاح میرے نام سے نہیں ہو گا۔ اُسے سجاد کے نام سے میری شریک حیات بنایا جائے گا۔"

وہ بے چینی سے اٹھ کر ٹہلنے لگا' سوچنے لگا۔ "ایسا نکاح تو جائز نہیں ہو سکتا۔ جب میرا اپنا نام ہو گا' میری ولدیت ہو گی۔ تب نکاح جائز ہو گا۔ یہ بات پہلے ذہن میں کیوں

نہیں آئی؟ میری شریک حیات بننے والی کا نکاح سجاد کے نام سے پڑھایا جائے گا' یہ اسلامی تہذیب اور اسلامی قوانین کے خلاف ہو گا۔"

وہ پریشان ہو کر گھر سے باہر آیا۔ ایک پی سی او میں پہنچ کر زیبی کا موبائل فون پنچ کرنے لگا۔ پھر رابطہ ہونے پر بولا۔ "ہیلو .... زیبی! میں فراز بول رہا ہوں۔"

وہ ایکدم سے کھلکھلا کر بولی۔ "ہائے فراز! ابھی میں تمہیں ہی یاد کر رہی تھی' بولو .... کیسے فون کیا؟"

وہ موبائل فون کان سے لگائے دوسری طرف کی باتیں سننے لگی۔ پھر پریشان ہو کر بولی۔ "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم مجھ سے شادی نہیں کرو گے؟"

وہ بولا۔ "نہیں .... میں نے انکار نہیں کیا ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولی۔ "تو پھر یہ سب کیا ہے؟ تمہیں سجاد بن کر میری زندگی میں آنے کا موقع مل رہا ہے۔ تم کسی رکاوٹ کے بغیر مجھے شریک حیات بنا سکو گے اور تم کہتے ہو کہ سجاد کے نام سے شادی نہیں کرو گے۔"

وہ بے بسی سے بولا۔ "تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ یہ شادی جائز نہیں ہو گی۔"

وہ الجھ کر تیز لہجے میں بولی۔ "کیوں جائز اور ناجائز کے چکر میں پڑ گئے ہو؟ میں دلہن بن کر کسی سجاد کو قبول نہیں کروں گی۔ یہ خدا کو معلوم ہو گا کہ میں نے تمہیں قبول کیا ہے۔"

"خدا کی طرف سے قبول کرنے کے جائز راستے بتائے گئے ہیں۔ ان ہی راستوں کو اسلامی قوانین کہتے ہیں۔"

وہ بے زاری سے بولی۔ "پلیز فراز! عالم فاضل نہ بنو .... سیدھی سی بات کرو۔"

"سیدھی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

"تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ نکاح دل سے قبول کیا جاتا ہے اور میں تمہیں دل سے قبول کروں گی۔ پھر کیا اعتراض ہے؟"

"میں اعتراض نہیں کروں گا۔ بس ایک ہی بات ہے' تمہارا نکاح میرے نام سے پڑھایا جانا چاہئے۔ میں اسلامی تہذیب کا مذاق نہیں اڑاؤں گا۔"

وہ غصے سے بولی۔ "ایسے ہی ایمان والے ہو تو میری زندگی میں کیوں آ گئے؟ کیا یہ ایمانداری ہے؟ کیا یہ شرافت ہے؟ محبت کی قسمیں کھاتے رہے' ساری زندگی ساتھ رہنے کا وعدہ کرتے رہے۔ اب ساتھ رہنے کا وقت آ رہا ہے تو منہ پھیر رہے ہو؟ یہ تو سراسر

فریب ہے۔ تم ایمان والے نہیں ہو' پکے بے ایمان ہو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم منزل کے قریب پہنچ کر دھوکا دو گے۔ I HATE YOU!"

اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ فراز پریشان ہو کر ریسیور کو دیکھنے لگا۔ وہ غصے میں اس کی جائز بات کو نہیں سمجھ رہی تھی۔

اس نے ایک بار پھر اس کا نمبر پنچ کیا۔ پھر رابطہ ہونے پر بولا۔ "ہیلو .... میں بول رہا ہوں۔"

وہ زیر لب مسکرا کر ناراضگی سے بولی۔ "کیوں بول رہے ہو؟ میں تمہاری کیا لگتی ہوں؟"

"کیا تم ناراض ہو گی تو مسئلہ حل ہو جائے گا؟"

"میں نہیں جانتی .... مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تم میرا ساتھ دو گے یا نہیں؟"

وہ بولا۔ "میں تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں لیکن ہمیں اسلامی شریعت کے مطابق نکاح پڑھوانا چاہئے۔"

وہ سمجھ رہی تھی کہ اس نے دوبارہ فون اس لئے کیا ہے کہ وہ ہر حال میں اس کا ساتھ دینا چاہتا ہے مگر وہی مرغی کی ایک ٹانگ .... اس نے کچھ کہے بغیر غصے سے فون بند کر دیا۔

وہ "ہیلو .... ہیلو..........." کرتا رہ گیا۔ اس نے ایک بار پھر نمبر ملایا تو پتہ چلا کہ اس نے موبائل ہی آف کر دیا ہے۔ وہ پریشان سا ہو کر گھر کی طرف چل دیا۔ ابھی تقدیر اسے مزید آزمائشوں سے گزارنا چاہتی تھی۔

☆======☆======☆

مراد کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے نفاست نے پریشان کن لہجے میں کہا۔ "ابا جان مجھ سے سب کچھ چھین سکتے ہیں۔ پتہ نہیں شفاعت بھائی جان زندہ ہیں یا مر چکے ہیں لیکن ہم نے انہیں مار ڈالا ہے۔ اگر ابا جان کو معلوم ہو گا کہ ہم ساٹھ کروڑ کے لئے ان سے فراڈ کر رہے ہیں' ان کے لہو کے رشتے جیتے جی مار رہے ہیں' نقلی سدرہ اور سجاد کو پیش کر کے ان کے جذبات اور خونی رشتوں کا مذاق اڑا رہے ہیں تو وہ کاروبار کے تمام اختیارات مجھ سے چھین لیں گے۔ کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیں گے۔"

مراد نے کہا۔ "آپ خواہ مخواہ اندیشوں میں مبتلا ہیں۔ دادا جان کو یہ حقیقت کبھی

معلوم نہیں ہو گی۔

"حماقت کرو گے تو سارا بھید کھل جائے گا۔ تم ایک ماڈل گرل کو سدرہ بنانے کی بات کر رہے ہو۔ دنیا اسے ٹی وی اسکرین اور رسالوں میں دیکھتی ہو گی۔ کیا یہ بات ابا جان کو معلوم نہیں ہو گی؟"

وہ لا پرواہی سے بولا۔ "معلوم ہونے دیں۔ دادا جان سے کہا جائے گا کہ بڑے ابو کے حالات ٹھیک نہیں تھے۔ سدرہ غربت اور مفلسی سے مجبور ہو کر ماڈلنگ کر رہی تھی۔"

وہ الجھ کر بولا۔ "کیا وہی لڑکی ضروری ہے' کوئی دوسری نہیں مل سکتی؟"

"میں اسے پسند کرتا ہوں۔ وہ سدرہ بن کر آئے گی تو اس کی شادی مجھ سے ہو جائے گی۔"

نفاست اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا' پھر بولا۔ "کیا نام ہے اس کا؟"

"ارمانہ۔"

اس نے پوچھا۔ "کیا تم دونوں میں انڈر اسٹینڈنگ ہے؟"

"ابھی تو میں ایک ہی ہاتھ سے تالی بجا رہا ہوں۔ وہ کم بخت ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی۔"

"پھر یہ بات کیسے کنفرم ہے کہ وہ سدرہ بننے کے بعد تم سے شادی کر لے گی؟ اور مسائل پیدا نہیں کرے گی؟"

"آپ فکر نہ کریں۔ وہ اس بات پر راضی ہے کہ اسے دادا جان کی مرضی کے مطابق شادی کرنی ہے۔ ڈیڈ! ہر لڑکی دولت چاہتی ہے۔ وہ بھی ڈالرز کے پر لگا کر ساری دنیا میں پرواز کرنا چاہتی ہے۔"

"اگر وہ اپنی اوقات سے زیادہ بلندی پر پرواز کرے گی تو تم کیا کر لو گے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "ہم اڑتی چڑیا کو مار گراتے ہیں .... وہ کیا چیز ہے؟"

مراد ایک ارمانہ نامی ماڈل گرل کو سدرہ بنا کر اپنی زندگی میں لانا چاہتا تھا۔ اسے فتح کرنا چاہتا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس خاندان میں کیوں آنا چاہتی ہے؟

مراد نے سیکرٹ ریکارڈز کے پاس ورڈز تبدیل کر دیئے تھے لیکن حسرت اس سے پہلے چند ایک اہم کھاتے دیکھ چکا تھا۔ تب سے وہ پریشان تھا۔ باپ سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگر اسے علم تھا کہ وہ صحیح بات کبھی نہیں بتائیں گے۔ ایک بن ہی ایسا شخص تھا جو نفاست کے کچھ راز جانتا تھا۔ وہ ضرور اسے کچھ نہ کچھ بتا سکتا تھا۔

حسرت گٹار پر ایک مغربی دھن بجا رہا تھا۔ بن اس کے لئے چائے لے کر آیا تو اس نے کہا۔ "بن! میرے سامنے کھڑے رہو۔"

بن نے حیرت سے کہا۔ "جی.........؟"

وہ بولا۔ "تم ڈیڈی کے بہت پرانے ملازم ہو۔"

"میں دس برس کی عمر سے یہاں کام کر رہا ہوں۔"

"تم ڈیڈی کے وفادار ہو؟"

"جی ہاں........."

"رازدار بھی ہو؟"

وہ بے ساختگی سے بولا۔ "جی ہاں۔" پھر چونک کر بولا۔ "جی نہیں۔"

حسرت مسکراتے ہوئے گٹار کا ایک اسٹروک لگاتے ہوئے بولا۔ "اکاؤنٹس کے کھاتے میں کسی زرینہ خاتون کا نام لکھا ہوا ہے۔ اُسے ہر ماہ رقم بھیجی جاتی ہے اور وہ رقم تم وہاں پہنچاتے ہو۔"

"جی ہاں .... یہ تو آپ کے دادا جان بھی جانتے ہیں۔"

"ہاں .... مگر دادا جان یہ نہیں جانتے کہ زرینہ خاتون کو ہر ماہ پچاس ہزار روپے بھیجے جاتے ہیں۔ وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ کئی بیواؤں اور یتیموں کی مدد کی جا رہی ہے۔"

"جی ہاں .... جی نہیں .... اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تو رقم پہنچا کر چلا آتا ہوں۔"

"رقم کہاں پہنچاتے ہو؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "آپ .... آپ اپنے ڈیڈی سے پوچھ لیں۔"

حسرت نے تیز لہجے میں کہا۔ "میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ نہیں بتاؤ گے تو تمہیں دادا جان کے سامنے لے جاؤں گا۔ ڈیڈی کا تو کچھ نہیں بگڑے گا .... ہاں تمہاری نوکری خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

وہ جلدی سے عاجزانہ لہجے میں بولا۔ "خدا کے لئے .... ایسا نہ کریں۔ آپ کے ڈیڈی ان سے ایسی باتیں چھپاتے ہیں اور اگر آپ کے ڈیڈی کو علم ہو گیا کہ میں نے ان کا راز آپ کو بتایا ہے تو وہ مجھے نوکری سے نکال دیں گے۔ میں تو ہر صورت مارا جاؤں گا۔"

"نہیں .... اگر تم مجھے ڈیڈی کا راز بتاؤ گے تو میں انہیں نہیں بتاؤں گا کہ تم نے مجھے ان کے بارے میں کچھ بتایا ہے۔ اس طرح تمہاری نوکری کہیں نہیں جائے گی۔ مجھ پر

بھروسہ کرو۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "میں تو مشکل میں پڑ گیا ہوں۔"

"اور مشکل میں پڑو گے اگر مجھے اس خاتون کا پتہ ٹھکانہ اور فون نمبر نہیں بتاؤ گے۔"

بِبن نے بے بسی سے اس سے پوچھا۔ "آپ انہیں میرا نام تو نہیں بتائیں گے؟"

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "نہیں .... تم پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔"

وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "وہ .... وہ گلشن میں رہتی ہیں۔ مومن اسٹریٹ میں کوٹھی نمبر G-27 ...."

"یہ زرینہ خاتون ہے کون؟ پچاس ہزار کی رقم معمولی نہیں ہے۔ تم ہر ماہ وہاں پہنچاتے ہو' کیوں؟ اس خاتون کی اہمیت کیا ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "جب آپ کو سب معلوم ہو ہی رہا ہے تو پھر چھپانے سے کیا فائدہ؟ وہ .... دراصل آپ کی .... دوسری امی ہیں۔"

حسرت نے چونک کر پوچھا۔ "کیا؟"

بِبن تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ حسرت کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے یہ سن کر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں تھی۔ اتنی بڑی بات تھی کہ دادا جان کے سامنے پہاڑ بن سکتی تھی۔

وہ اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ شادی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں ہوتا۔ میاں بیوی کا رشتہ آئندہ نسلوں کے لئے بہت اہم ہوتا ہے۔ اس رشتے کو کوئی نہیں چھپاتا اور اس کے ڈیڈی چھپا رہے تھے' نہ جانے کتنے برسوں سے چھپا رہے تھے؟

وہ ٹہلتے ٹہلتے ایک جگہ رک گیا۔ سوچنے لگا۔ "بیوی ہے تو بچے بھی ہوں گے۔ جب بیوی کو چھپایا ہے تو بچوں کو بھی چھپا رہے ہوں گے۔ پتہ نہیں کیوں؟ یقین نہیں آ رہا ہے کہ ڈیڈی برسوں سے ایک ایسا جرم کرتے آ رہے ہیں جو جرم نہیں ہے مگر.......... ہاں .... اپنے بیوی بچوں کے ساتھ دھوکہ ضرور ہے۔"

وہ کوٹھی سے باہر آ گیا۔ بِبن نے جو اطلاع دی تھی اُس کی تصدیق کئے بغیر اُسے قرار نہیں آ سکتا تھا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر اُسے تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا گلشن اقبال کی مومن اسٹریٹ میں پہنچ گیا۔ کوٹھی نمبر G-27 کے گیٹ کے سامنے گاڑی روک کر سوچنے لگا۔ "بِبن نے یہی پتہ بتایا تھا' کوٹھی باہر سے بالکل ویران دکھائی دے رہی ہے۔ یوں لگتا

ہے اندر کوئی نہیں ہے۔"

وہ کار سے اتر کر گیٹ کے پاس آیا۔ بڑا گیٹ اندر سے بند تھا۔ اس کا چھوٹا ضمنی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اس دروازے سے اندر آیا' احاطے سے گزر کر کوٹھی کے بیرونی دروازے پر آیا۔

اندر گہری خاموشی تھی۔ اس نے کال بیل کا بٹن دبایا اندر کہیں گھنٹی کی آواز سنائی دی پھر خاموشی چھا گئی۔ اس نے ایک ذرا وقفے سے دوسری بار بٹن کو دبایا۔ اس کوٹھی کے اندر کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی' زندگی کے آثار پیدا ہوئے پھر بند دروازے کے پیچھے سے ایک خاتون کی آواز سنائی دی۔ "کون ہے؟"

"میں ہوں.......... آپ دروازہ کھولیں۔"

"میں کون؟ کہاں سے آئے ہو؟ کس سے ملنا ہے؟"

"جی .... یہاں ایک زرینہ خاتون رہتی ہیں۔ میں صاحب کے دفتر سے آیا ہوں۔"

دوسری طرف تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر خاتون نے پوچھا۔ "کس صاحب کے دفتر سے آئے ہو؟ زرینہ خاتون سے کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہ تو میں زرینہ خاتون سے ہی کہہ سکتا ہوں۔"

"تو پھر بولو.......... میں ہی زرینہ ہوں۔"

"اگر آپ زرینہ خاتون ہیں تو آپ کو خود ہی سمجھ لینا چاہئے کہ صاحب نے ایک بڑی رقم بھیجی ہے۔ بِبن بیمار ہے' وہ نہیں آ سکتا تھا۔ اس لئے میں آیا ہوں۔ پلیز .... آپ دروازہ کھولیں۔ رقم گننے کے بعد مجھے رسید لکھ کر دیں' میں چلا جاؤں گا۔"

یہ جھوٹ کام آ گیا' دروازہ کھل گیا۔ حسرت نے دیکھا وہ ایک عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ چہرے سے اور اپنے رکھ رکھاؤ سے تعلیم یافتہ لگتی تھیں۔

انہوں نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹھو۔"

اس نے بیٹھتے ہوئے سامنے والی دیوار کو دیکھا۔ وہاں نفاست علی کی ایک بڑی سی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ "میں بیٹھ تو گیا ہوں لیکن آپ ابھی مجھے گھر سے نکل جانے کو کہیں گی۔ کیونکہ میں کوئی رقم لے کر نہیں آیا ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر پیچھے ہٹ گئیں۔ پھر بولیں۔ "کون ہو تم؟ مجھے دھوکہ دے کر اندر کیوں آئے ہو؟ تم کیا چاہتے ہو؟"

"پلیز .... آپ پریشان نہ ہوں۔ میں آپ کو صاف صاف بتاتا ہوں' میں نفاست علی کا بیٹا ہوں۔ میرا نام حسرت ہے۔"

وہ بے یقینی سے اُسے دیکھنے لگیں۔ اس نے کہا۔ "آج مجھے بہن سے آپ کے بارے میں معلوم ہوا تو مجھے یقین نہیں آیا کہ ڈیڈی نے چھپ کر ایک اور شادی کی ہے۔ شادی کوئی گناہ نہیں ہے۔ پھرانہوں نے چھپ کر ایسا کیوں کیا؟"

"میں کیسے یقین کروں کہ تم میرے شوہر کے بیٹے ہو؟"

اس نے اپنا شناختی کارڈ نکال کر انہیں دکھایا۔ انہوں نے اُسے لے کر دیکھا اور پڑھا۔ پھر اسے واپس دیتے ہوئے کہا۔ "میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ جبکہ تمہارے ڈیڈی یہ نہیں چاہتے۔ انہوں نے مجھ سے شادی کی' مجھ پر احسان کیا لیکن مجھے ایک گناہ کی طرح چھپا کر رکھتے ہیں۔ میں ظاہر ہو جاؤں گی تو تمہارے اعلیٰ خاندان کی ناک کٹ جائے گی۔ کیا تم اپنے خاندان کی ناک کٹوانے آئے ہو؟"

"آپ کی باتوں میں زہر ہے لیکن مظلومیت بھی ہے۔ یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ دادا جان خاندان سے باہر کوئی رشتہ نہیں کرتے اور آپ کا تعلق شاید کسی اعلیٰ خاندان سے نہیں ہے۔"

"ہاں .... یہی بات ہے۔ اب تم آئے ہو تو یہ بات رفتہ رفتہ کھلے گی۔ تم بتاؤ' تمہارا ردعمل کیا ہو گا؟"

"یہی کہ میں آپ کو وہ تمام عزت اور مان مرتبہ دوں جس کی آپ مستحق ہیں۔ میں آپ کو .... امی کہنے آیا ہوں۔"

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایکدم سے ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ دوپٹے میں منہ چھپا کر رونے لگیں۔ وہ قریب آ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "امی! کیا یہ خوشی کے آنسو ہیں؟"

وہ روتے ہوئے بولیں۔ "مجھے امی نہ کہو۔ میں بہت بدنصیب ہوں۔ ماں کہلانے کے قابل نہیں ہوں۔ میں اپنی ایک جوان بیٹی کی حفاظت نہ کر سکی۔ وہ پچھلے دو ہفتوں سے لاپتہ ہے۔ میں اسے پورے شہر میں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ میری جوان بہن لاپتہ ہے اور ڈیڈی وہاں ائرکنڈیشنڈ کوٹھی میں آرام فرما رہے ہیں۔"

"یہ میری بیٹی کی بدنصیبی ہے کہ اس کا باپ بے حس ہے۔ باپ نے کبھی بیٹی کو دل

سے نہیں چاہا۔ وہ الزام دے رہے ہیں کہ بیٹی کو کسی نے اغوا نہیں کیا ہے' وہ خود ہی کسی کے ساتھ منہ کالا کرنے گئی ہے۔"

"او گاڈ! ڈیڈی اپنی اولاد کے بارے میں ایسی سوچ رکھتے ہیں؟ مجھے تو سن کر شرم آ رہی ہے۔"

"وہاں عالیشان کوٹھی میں بھی ایک جوان بیٹی ہے۔ تمہارے ڈیڈی اس کے لئے ایسی سوچ نہیں رکھتے۔ میں نے غلطی سے ایک بیٹی پیدا کر دی۔ اس غلطی کی سزا مجھے مل رہی ہے۔"

"آپ نے تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی ہے؟ میری بہن کا نام کیا ہے؟"

"ثمینہ .... اس کا نام ثمینہ ہے۔ تمہارے ڈیڈی نے سختی سے منع کیا ہے کہ تھانے میں رپورٹ درج نہ کراؤں اور کبھی یہ زبان پر نہ لاؤں کہ ثمینہ ان کی بیٹی ہے۔ اب میں تمہیں کیا بتاؤں؟ انہوں نے اسکول اور کالج میں بھی ثمینہ کی ولدیت میں اپنا نام لکھوانے کی اجازت نہیں دی ہے۔"

"میں حیران ہوں۔ آپ اچھی خاصی تعلیم یافتہ لگتی ہیں۔ پھر آپ ناخواندہ عورتوں کی طرح ڈیڈی کی زیادتیاں کیوں برداشت کر رہی ہیں؟"

"تمہارے ڈیڈی میرے سرتاج ہیں۔ میرے مجازی خدا ہیں۔ میری تعلیم مجھے یہ نہیں سکھاتی کہ اعلیٰ خاندان کے ہجوم میں خود کو ظاہر کر کے ان کا سر جھکا دوں۔"

"آپ ان کی محبت میں یہ ناانصافی برداشت کرتی ہیں لیکن بیٹی کے ساتھ تو ناانصافی نہیں ہونی چاہئے۔ وہ میری بہن ہے' میری طرح اسے بھی باپ کا نام ملنا چاہئے۔"

وہ روتے ہوئے بولیں۔ "اچھا ہی ہوا کہ باپ کا نام نہیں ملا۔ ورنہ وہ اغوا ہو کر جہاں بھی پہنچی ہے' وہاں باپ کا نام بھی پہنچ جاتا۔ یاخدا! تُو نے اسے کہاں پہنچا دیا ہے؟ اس کی عزت و آبرو کا تُو ہی محافظ ہے۔ میں اسے کہاں تلاش کروں؟"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ وہ ان کے شانے کو تھپکتے ہوئے بولا۔ "میں ابھی ڈیڈی سے بات کروں گا۔ وہ گمشدہ بیٹی کو تلاش کرنے کے لئے اپنے وسیع ذرائع کام میں لا سکتے ہیں۔"

"نہیں بیٹے! اس معاملے میں اپنے باپ کو ملوث نہ کرو۔ انہیں اپنے ذرائع استعمال کرنے کے لئے یہ بتانا ہو گا کہ ثمینہ کون ہے؟ کس کی بیٹی ہے؟ میں نہیں چاہتی جو راز وہ

چھپا رہے ہیں' تم جذباتی ہو کر اسے ظاہر کر دو۔"

وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔ "تم مجھے امی تسلیم کر رہے ہو تو پھر ماں کی بات مان لو۔ اپنے باپ کی عزت کا بھرم رکھو۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ باپ تلاش کرے گا تو بیٹی ملے گی۔ ہم دونوں اسے تلاش کریں گے۔"

اس نے بڑی محبت سے زرینہ خاتون کو دیکھا۔ پھر ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔ "آپ! .... آپ بہت اچھی ہیں۔ کاش .... ڈیڈی بھی اتنے ہی اچھے ہوتے۔ میں انہیں یہ نہیں بتاؤں گا کہ آپ سے مل چکا ہوں اور آپ کے بارے میں سب کچھ جان چکا ہوں لیکن خدا کی قسم .... میری گمشدہ بہن مجھے نہ ملی تو میں ڈیڈی کا سکون برباد کر دوں گا۔ آپ مجھے ثمینہ کی تصویر دیں۔ میں ابھی اور اسی لمحے سے اسے تلاش کرنا شروع کروں گا۔"

انہوں نے بے بسی سے حسرت کو دیکھا' پھر کہا۔ "تمہارے ڈیڈی اسے بڑی سخت پابندیوں میں رکھتے تھے۔ اسے تصویریں اتارنے کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس کی ایک بھی تصویر میرے پاس نہیں ہے۔ میں ایسی بدنصیب ہوں کہ گمشدہ بیٹی کی تصویر سے بھی نہیں بہل سکتی۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگیں۔ حسرت انہیں ہمدردی سے دیکھنے لگا۔

☆======☆======☆

فراز نے صبح ہوتے ہی اسد سے رابطہ کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح زیبی اور اس کی ملاقات کروائے۔ اسد اور عالیہ نے بڑی مشکل سے زیبی کو فراز سے ملاقات پر آمادہ کیا اور اس کے ساتھ ایک اوپن ریسٹورنٹ میں پہنچ گئے۔ فراز پہلے ہی وہاں موجود تھا۔

عالیہ نے کہا۔ "زیبی یہاں نہیں آنا چاہتی تھی۔ ہم اسے زبردستی لائے ہیں۔"

فراز زیبی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میں تمام رات نہ سو سکا' سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کیسے مناؤں؟ تم میری بات سمجھنا ہی نہیں چاہتی۔"

وہ بولی۔ "تم بنتا ہوا کام بگاڑنا چاہو گے تو کوئی تمہاری بات نہیں سمجھے گا۔"

اسد نے ان دونوں کی طرف دیکھا پھر کہا۔ "ہر طرح کے مسئلے ہوتے ہیں یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ اس میں لڑنا اور ناراض ہونا ضروری نہیں ہے۔"

فراز سر جھکا کر بولا۔ "میں ایک سیدھی سی بات سمجھانا چاہتا ہوں لیکن زیبی اسے

سمجھنا نہیں چاہتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لڑ نہیں رہے۔"

عالیہ نے فراز سے پوچھا۔ "نکاح قاضی قبول کرلے گا یا زیبی قبول کرلے گی؟"

وہ دھیمی آواز میں بولا۔ "زیبی۔"

عالیہ نے کہا۔ "تو پھر زیبی کسی سجاد کو نہیں' تمہیں قبول کرلے گی۔ قاضی صاحب کو سجاد کا نام لینے دو۔"

زیبی نے عالیہ سے کہا۔ "یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔"

فراز بولا۔ "میں اتنا جانتا ہوں کہ نکاح نامہ پر میرا نام نہیں ہو گا۔ میری ولدیت نہیں ہو گی۔ تم لوگ نکاح نامے کی اہمیت کو سمجھ نہیں رہے ہو۔ ہماری آئندہ نسل کے لئے وہ ایک دستاویزی ثبوت ہوتا ہے۔ ہمارے بچے فخر سے کہیں گے کہ ہمارے باپ کا نام فراز علی خان ہے' ہمارے دادا کا نام انوار علی خان ہے۔"

زیبی غصے سے اور ناگواری سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ عالیہ کے چہرے پر بھی بیزاری کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ مگر اسد اس کی باتیں سنجیدگی سے سن رہا تھا اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فراز بول رہا تھا۔ "کوئی ہمارے بچوں کو کسی سجاد علی کی اولاد نہیں کہے گا۔ کبھی کبھی ایک سیدھی اور سمجھ میں آنے والی جائز بات سمجھ میں نہیں آتی۔ تم سب کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہی ہے۔"

زیبی جھنجلا کر بولی۔ "میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ کسی کینسر کے مریض کے ساتھ میری زندگی تباہ ہونے والی ہے۔"

فراز نے جلدی سے کہا۔ "نہیں .... میں کسی کینسر کے مریض کو تمہاری زندگی میں نہیں آنے دوں گا۔ تمہاری خاطر ایک فراڈ سجاد بنوں گا لیکن میاں بیوی کے رشتے کو مذاق نہیں بناؤں گا۔"

زیبی کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اسد نے مداخلت کی۔ "زیبی! جھگڑا ختم کرو۔ فراز کی بات دل کو لگ رہی ہے۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ میرا دل بھی یہی کہتا ہے کہ میری بہن کا نکاح شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق پڑھایا جائے۔"

عالیہ اور زیبی نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا' عالیہ نے کہا۔ "اسد! یہ چیٹنگ ہے۔ تم پارٹی بدل رہے ہو۔ اچانک فراز کی حمایت کر رہے ہو۔ یہ ہمارے گھر سجاد

بن کر آئیں گے پھر فراز کے نام سے کس طرح نکاح پڑھایا جا سکے گا؟"

اسد نے سوچتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھا پھر کہا۔ "یہ ابھی سجاد نہیں' فراز ہے۔ چوبیس گھنٹے کے اندر ان دونوں کا نکاح پڑھایا جا سکتا ہے۔"

ان دونوں نے چونک کر یک زبان ہو کر پوچھا۔ "کیا؟"

عالیہ نے پوچھا۔ "کیا چوری سے نکاح پڑھایا جائے گا؟"

اسد نے کہا۔ "جب ہمارے بزرگ غلط نکاح پڑھا سکتے ہیں تو ہم چوری سے صحیح نکاح نہیں پڑھوا سکتے؟"

زیبی نے فراز کی طرف دیکھا وہ اسد کے مشورے سے متفق نظر آ رہا تھا۔ چہرے پر اطمینان کی گہری مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔ وہ بڑے جذبوں سے اپنی ہونے والی دلہن کو دیکھ رہا تھا۔ زیبی اس کی نگاہوں کی تپش برداشت نہ کر سکی۔ بہت ماڈ اور براڈ مائنڈڈ ہونے کے باوجود اس کی نظریں جھک گئیں۔

عالیہ نے خوش ہو کر اسد سے کہا۔ "تم درست کہہ رہے ہو۔ ہم جعلی میڈیکل سرٹیفکیٹ کے ذریعے فراز کو کینسر کا مریض ثابت کر رہے ہیں لیکن نکاح نامہ جعلی نہیں ہو گا۔ ہماری تہذیب اور شریعت کے مطابق ہو گا۔ کیوں زیبی! اب تو تمہیں اعتراض نہیں ہو گا؟"

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ پھر ان چاروں نے آئندہ آنے والے دنوں کی منصوبہ بندی کی۔

زیبی پلاننگ کے مطابق دوسرے دن ہی نفاست علی کے آفس پہنچ گئی۔ اس نے زیبی کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔ "تم .... آج یہاں کیسے آ گئیں؟"

"آپ سے ایک ضروری بات کرنے آئی ہوں' یوں سمجھیں' آپ کو ڈسٹرب کرنے آئی ہوں۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "او نو .... تمہارے آنے سے میرے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی۔ میں تمہارے لئے دنیا کے تمام کام چھوڑ سکتا ہوں' آؤ بیٹھو۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "میں نے آپ سے ایک کام کہا تھا۔"

""کون سا کام؟"

وہ شکایتی انداز میں بولی۔ "آپ بیٹی کے لئے تمام کام چھوڑ سکتے ہیں مگر بیٹی کا کام بھول جاتے ہیں ۔ ایک ایماندار نوجوان جس نے سچ کہہ کر مجھے جھوٹ اور فریب سے

بچایا۔ آپ نے اسے انعام کے طور پر ملازمت دینے کا وعدہ کیا تھا؟"

وہ چونکتے ہوئے بولا۔ "ہاں .... یاد آیا۔ کہاں ہے وہ نوجوان؟"

اس نے جھوٹ کہا۔ "وہ ہسپتال میں ہے۔ میں اس سے ملنے گئی تھی۔"

"ہسپتال میں ہے؟ کیا بہت بیمار ہے؟"

"اسے کوئی عام سی بیماری نہیں ہے۔ ابھی چیک اپ کے بعد آ جائے گا۔"

"کیا مطلب .... عام سی بیماری نہیں ہے؟ کیا کوئی خاص بیماری ہے؟"

وہ افسردہ لہجے میں بولی۔ "کیا بتاؤں؟ ڈیڈی! اُس بے چارے کو کینسر ہو گیا ہے۔"

نفاست نے ایکدم سے چونک کر پوچھا۔ "کینسر؟ اسے کینسر ہے' کیا تمہیں یقین ہے؟"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "یس ڈیڈ! ڈاکٹر نے کہا ہے' اس کی ایکسرے رپورٹ اور تمام میڈیکل رپورٹس بھی یہی کہہ رہی ہیں۔"

نفاست اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یوں اچانک ہی من چاہی مراد پوری ہو جائے گی۔

زیبی کہہ رہی تھی۔ "ڈیڈ! میں اس لئے آئی ہوں کہ اسے فوراً کوئی ملازمت مل جائے۔ زندگی تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ سال یا چھ مہینے سے زیادہ نہیں جیئے گا۔ آپ اسے ملازمت دیں یا زیادہ سے زیادہ رقم دے کر اس کی مختصر سی زندگی کو خوش حال بنا دیں۔"

نفاست سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ زیبی نے پوچھا۔ "ڈیڈ! آپ سن رہے ہیں؟"

وہ چونکتے ہوئے بولا۔ "آں .... ہاں اس نے سچ بول کر تمہیں دشمنوں سے بچایا ہے جبکہ وہ لوگ اُسے لاکھوں روپے دے رہے تھے۔ وہ عیش و عشرت کی زندگی گزار سکتا تھا۔ مگر وہ لالچی نہیں تھا۔ اگر میں اسے کروڑوں کی جائیداد کا مالک بنا دوں تو وہ ہمیں دھوکہ نہیں دے گا۔ لالچ نہیں کرے گا۔ ہمارا وفادار بن کر رہے گا۔"

وہ حیرانی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔ "آپ اُسے کروڑوں کی جائیداد کا مالک بنائیں گے؟"

وہ رازدارانہ انداز میں بولا۔ "ایک جعلی سجاد کو تمہارے دادا جان کے سامنے پیش کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ میں تمہیں رازدار بنا رہا ہوں۔ اگر اس جوان کو سجاد بنا کر ابا جان کے سامنے لایا جائے تو؟"

"او ڈیڈ! میں سمجھ گئی۔ دادا جان کی تسلی کے لئے ان سے جھوٹ کہا گیا تھا اب اس

جھوٹ کا بھرم رکھنے کے لئے کسی نہ کسی کو سجاد بنا کر پیش کرنا پڑے گا۔"

"اور اس نوجوان سے بہتر کوئی دوسرا نہیں ہو گا۔ وہ ایماندار ہے' سچ بولتا ہے۔ ہمیں کبھی دھوکہ نہیں دے گا۔"

وہ اپنی دلی خوشیوں کو چھپاتے ہوئے تشویشناک لہجے میں بولی۔ "مگر ڈیڈ! وہ تو کینسر کا مریض ہے۔ وہ زیادہ دنوں تک سجاد بن کر ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔ جلد ہی ساتھ چھوڑ دے گا۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "یہی تو ہم چاہتے ہیں۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "جی .... کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ موت تو کسی کو بھی آ سکتی ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ کینسر والے ہی مرتے ہوں۔ ہم جسے بھی سجاد بنائیں گے وہ کسی نہ کسی دن ضرور مرے گا۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔ "جی ہاں .... موت تو کسی کو بھی آ سکتی ہے اور کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔"

"تم اسے آج ہی مجھ سے ملاؤ۔"

زیبی نے ریسیور اٹھا کر آفس کی استقبالیہ کا نمبر ڈائل کیا پھر پوچھا۔ "مسٹر فراز آ چکے ہیں؟"

دوسری طرف کا جواب سن کر بولی۔ "ٹھیک ہے' انہیں اندر بھیج دیں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ نفاست نے پوچھا۔ "کیا تم نے اسے پہلے ہی یہاں آنے کو کہہ دیا تھا؟"

وہ بولی۔ "میں اسے آپ سے ملوانا چاہتی تھی' مجھے کیا معلوم تھا کہ ہم اس کی ضرورت بننے کے بجائے' اسے اپنی ضرورت بنا لیں گے؟"

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ دونوں کے قہقہوں میں فتح نمایاں تھی۔ ایک دولت کا قلعہ فتح کرنے والا تھا اور دوسری محبت کا قلعہ فتح کرنے والی تھی۔ دونوں ہی اپنے اپنے منصوبے پر کامیابی سے عمل کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد ہی فراز دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور نفاست سے مصافحہ کر کے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ نفاست نے کہا۔ "ابھی زیبی نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا ہے۔ مجھے یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ تم جیسے ایماندار نوجوان کو کینسر جیسا مرض لاحق ہے۔"

فراز سر جھکائے خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں میڈیکل

اور ایکسرے رپورٹس تھیں جو اسے اسد نے دی تھیں۔ زیبی نے فراز سے کہا۔ "اپنی میڈیکل رپورٹس ڈیڈی کو دکھاؤ۔"

وہ بولا۔ "تم نے کہا تھا کہ تمہارے ڈیڈی مجھے کوئی جاب آفر کریں گے کیا اس جاب کے لئے مجھے تعلیمی رپورٹس کے بجائے میڈیکل رپورٹس دکھانی پڑیں گی۔"

وہ بولی۔ "یہ ہی سمجھ لو۔"

اس نے رپورٹس کی فائل نفاست کی طرف بڑھا دی۔ وہ ان میڈیکل رپورٹس کو پڑھنے لگا۔ ان کی رو سے وہ ایک ایسا کینسر کا مریض تھا جس کی بقایا زندگی صرف ایک برس یا چھ ماہ پر محیط تھی۔ پھر وہ ایکسرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "اسے تو ڈاکٹر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ میں کسی ڈاکٹر کو دکھاؤں گا۔"

فراز نے کہا۔ "بے شک آپ انہیں اپنے پاس ہی رکھیں۔ کسی بھی ڈاکٹر کو دکھائیں۔ ویسے آپ نے رپورٹس تو پڑھی ہیں۔ انہیں سمجھ بھی رہے ہیں۔"

وہ ظاہری افسردگی سے بولا۔ "ینگ مین! اسے پڑھ کر افسوس ہو رہا ہے۔ تمہاری عمر بہت چھوٹی ہے اور بیماری بہت بڑی ہے۔"

وہ بولا۔ "لوگوں کو دولت بڑا بناتی ہے۔ مجھے بیماری نے بڑا بنا دیا ہے۔"

نفاست نے زیبی سے کہا۔ "تم اسے لے کر مراد کے آفس روم میں چلی جاؤ۔ وہ آج دفتر نہیں آیا ہے۔ تنہائی میں فراز کو تمام معاملات اچھی طرح سمجھا دو۔ مجھے امید ہے یہ انکار نہیں کرے گا۔"

زیبی مسکراتے ہوئے اٹھ کر بولی۔ "چلو فراز! میں تمہیں جاب کی نوعیت سمجھا دوں۔ ایسی ملازمت تم چراغ لے کر بھی ڈھونڈو گے تو نہیں ملے گی۔"

وہ ظاہری حیرانی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "کیا مطلب؟"

وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "میرے پیچھے آؤ۔ مطلب سمجھ میں آ جائے گا۔"

اس نے ایک نظر نفاست پر ڈالی پھر آفس سے باہر آ کر زیبی کے پیچھے پیچھے مراد کے آفس روم کی طرف بڑھنے لگا۔

نفاست نے ریسیور اٹھا کر مراد کا موبائل نمبر پنچ کیا پھر رابطہ ہونے پر اسے تمام حالات سے آگاہ کرنے لگا۔ دوسری طرف وہ بھی خوش تھا کہ ایک کینسر کا مریض با آسانی مل گیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ نیک اور ایماندار بھی ہے۔

ان دونوں نے فیصلہ کیا کہ جلد از جلد فراز اور ارمانہ کو اسلام آباد روانہ کر کے دادا جان کو یہ اطلاع دیں گے کہ سدرہ اور سجاد آ رہے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ انہیں ریسیو کرنے ائرپورٹ جائیں گے تو عبادت علی بھی ساتھ رہیں گے۔

نفاست کو اندازہ تھا کہ فراز راضی ہو جائے گا اور یہی ہوا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں اس کے آفس روم میں داخل ہوئے۔ نفاست نے فراز کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''زیبی نے تمہیں تمام معاملات سمجھا دیئے ہوں گے۔''

''جی.......... میں سمجھ رہا ہوں۔''

زیبی نے کہا۔ ''ڈیڈ! میں نے سدرہ اور سجاد کے بارے میں انہیں بتا دیا ہے۔''

نفاست نے کہا۔ ''ابھی اور بہت کچھ بتانے اور سمجھانے کے لئے رہ گیا ہے۔ تم سچ بولتے ہو مگر ہمارے لئے تمہیں جھوٹ بولتے رہنا ہو گا۔''

فراز نے بے بسی سے زیبی کی طرف دیکھا۔ جھوٹ اور فریب اس کی فطرت کے خلاف تھا۔ وہ بولی۔ ''ڈیڈی کیا کہہ رہے ہیں فراز!''

وہ چونک کر ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ ''میں سچ بول کر حلال روزی کمانے آیا تھا۔ مگر یہاں ہر قدم پر جھوٹ اور فریب مل رہا ہے۔ پہلے ایک دوست نے ہمدردی کی‘ میں کبھی ایک لاکھ روپے نہیں کما سکتا تھا۔ اس نے میری لاعلمی میں لاکھوں روپے خرچ کئے۔ میری بہن کی شادی کرا دی پھر میری بیمار ماں کا علاج کراتا رہا‘ اس طرح پہلی بار حرام کی کمائی میرے گھر میں پہنچ گئی۔''

وہ افسردہ سے لہجے میں اپنی روداد سنا رہا تھا۔ زیبی بڑی محویت سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ نفاست کے چہرے پر کچھ ناگواری کے تاثرات ابھر رہے تھے۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے فراز اسے طعنے دے رہا ہے۔

فراز نے کہا۔ ''ایک بار پولیس نے مجھے جھوٹے الزام میں گرفتار کیا۔ میرے اُسی دوست نے رشوت دے کر مجھے رہائی دلائی۔ یوں میری زندگی میں حرام کے ساتھ رشوت بھی آ گئی۔ پھر زبیر نے مجھے ملازمت دینے کے بہانے بہت بڑی آفر دی۔ زیبی کو برباد کرنے اور آپ کے نام پر کیچڑ اچھالنے کے لئے مجھے کار دی‘ رہنے کے لئے کوٹھی دی‘ میرا بینک بیلنس بنایا۔''

پھر وہ زیبی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''میں دل سے مجبور ہو گیا۔ میں ساری دنیا کو دھوکا دے سکتا ہوں لیکن زیبی کو نہیں دے سکتا۔ اس لئے سچا اور ایماندار بن کر آپ کے

سامنے حاضر ہوں۔ میں نے سچ سچ کہہ دیا‘ میں آپ کی طرح سید نہیں ہوں‘ شاہ نہیں ہوں‘ آپ کے خاندان میں مجھے کبھی جگہ نہ ملتی لیکن یہ مقدر کا کھیل ہے‘ مجھے جگہ مل رہی ہے۔ کینسر بہت ہی بے رحم مرض ہے۔ یہ مار ڈالتا ہے کسی کو نہیں چھوڑتا‘ میں دنیا کا پہلا مریض ہوں جسے یہ کینسر ایک نئی زندگی دے رہا ہے۔''

وہ بڑے ڈرامائی انداز میں بول رہا تھا۔ آواز میں ایسا کرب سما گیا تھا کہ کچھ دیر کے لئے اسے واقعی احساس ہونے لگا کہ وہ کینسر کا مریض ہے۔

زیبی بھی شاید اس کے جملوں کے سحر میں سحرزدہ ہو کر یہی سمجھ رہی تھی۔ جلدی سے بولی۔ ''نہیں.......... جدید ٹیکنالوجی کینسر ختم کر سکتی ہے۔''

نفاست نے چونک کر کہا۔ ''لیکن فراز کا کینسر آخری اسٹیج پر پہنچ گیا ہے۔''

وہ ٹھٹک گئی حقیقی دنیا میں واپس آ گئی۔ پھر بولی۔ ''اوہ.......... میں یہ بات بھول گئی تھی۔''

فراز نے نفاست سے کہا۔ ''میں جانتا ہوں‘ آپ کینسر کے مریض کو اپنا کروڑ پتی داماد ضرور بنائیں گے۔''

وہ ہاں‘ ناں کا جواب دیئے بغیر بولا۔ ''کل سے زیبی تمہیں اور ارمانہ کو ہمارے رشتہ داروں کی تصویریں دکھائے گی۔ سدرہ اور سجاد کے والدین کی تصویریں بھی دکھائی جائیں گی۔ تم سب کے چہرے اور نام اچھی طرح یاد کر لینا۔ دو تین روز میں ہی ارمانہ کو اور تمہیں اسلام آباد روانہ کر دیا جائے گا۔''

زیبی نے پوچھا۔ ''ڈیڈ! یہ ارمانہ سدرہ کا رول کرے گی؟''

''ہاں.......... اسے مراد لے کر آیا ہے۔''

زیبی اور فراز کچھ دیر نفاست سے گفتگو کرتے رہے پھر رخصت ہو گئے۔ دن گزرنے لگے زیبی‘ اسد اور عالیہ تینوں نے فراز اور ارمانہ کو خاندان کی مختلف البم دکھائیں ہر رشتے دار کا نام طوطے کی طرح رٹایا۔ ارمانہ نام یاد رکھنے میں ذرا کمزور تھی۔

ان سب معاملات کو سمجھنے اور نمٹانے میں دو دن گزر گئے۔ تیسرے دن عالیہ نے زیبی‘ فراز اور اسد سے کہا۔ ''بھئی.......... اتنی سنجیدگی سے دن گزر رہے ہیں کہ بوریت ہونے لگی ہے۔ کچھ آؤٹنگ بھی ہونی چاہئے۔''

سب نے اس کی تائید کی اور شام کو ہی ایک تفریحی مقام پر پہنچ گئے۔ زیبی کے چہرے سے خوشیاں چھلکی پڑ رہی تھیں۔

عالیہ نے ریڈ ڈرنک لیتے ہوئے کہا۔ "ہم اپنی پلاننگ میں پوری طرح کامیاب ہو رہے ہیں۔"

اسد نے کہا۔ "کامیاب کیوں نہیں ہوں گے؟ ڈیڈی جیسا داماد چاہتے تھے' ویسا ہی مل رہا ہے۔ واقعی کتابوں کی دنیا سے نکل کر پتہ چل رہا ہے کہ جھوٹ کو جھوٹ سے اور فراڈ کو فراڈ سے مارنا چاہئے۔"

زیبی نے کہا۔ "میں جو کر رہی ہوں اس پر شرمندہ نہیں ہوں۔ ہم جو کچھ سیکھتے ہیں اپنے بزرگوں سے ہی سیکھتے ہیں۔"

اسد نے کہا۔ "انہوں نے زندگی گزارنے کے آداب ہمیں سکھائے ہیں۔ اخلاق اور تہذیب سکھائی ہے لیکن جہاں اپنے مفادات کی بات آتی ہے تو وہ خود اخلاق اور تہذیب بھول جاتے ہیں۔ ہمیں بھی اپنے نقش قدم پر چلنے کے لئے مجبور کر دیتے ہیں۔"

پھر وہ فراز کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "کیوں دولہے میاں! دیکھا ہمارا خاندان؟"

"ہاں .... دیکھ لیا اور اس کے مسائل کو بھی کسی حد تک سمجھ گیا ہوں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ دولہا بننے کے لئے اتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔"

عالیہ بولی۔ "کیا پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر نکال رہے ہو؟"

وہ بولا۔ "اس سے بھی زیادہ محنت کر رہا ہوں۔ ایک ماڈلنگ کرنے والی کو میری بہن سدرہ بنایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ روز بھائی کی ریہرسل کرنی پڑتی ہے۔ میں نے تو تمہارے تمام رشتہ داروں کے چہرے اور نام اچھی طرح یاد کر لئے ہیں۔ مگر ارمانہ کا کیا ہو گا؟ وہ چہرے بھول جاتی ہے؟"

زیبی نے کہا۔ "دھیرے دھیرے وہ اسے بھی کور کر لے گی۔"

اسد نے کہا۔ "ڈیڈی نے ان دونوں کی سیٹیں کنفرم کرا لی ہیں۔ کل صبح کی فلائٹ سے ان دونوں کو اسلام آباد روانہ کر دیا جائے گا۔ وہاں سے یہ دونوں سدرہ اور سجاد بن کر لوٹیں گے۔"

زیبی نے پوچھا۔ "کب تک واپسی ہو گی؟"

اسد نے کہا۔ "دو سے تین دن میں۔"

عالیہ نے کہا۔ "تمہیں بے چینی کیا ہے؟ کیا دو چار روز کی جدائی برداشت نہیں ہو گی؟"

زیبی نے اسے کہنی مارتے ہوئے گھور کر کہا۔ "تم نے ابھی جدائی کے دن نہیں

گزارے' ہمیشہ' ہر جگہ اسد کے ساتھ رہتی ہو۔ خود پر بیتے گی تو پوچھوں گی؟"

فراز زیبی کو بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا اور اس کی بے چینی کو محسوس کر رہا تھا۔ انہوں نے شام سے رات تک خوب انجوائے کیا۔ پھر دوسرے دن ارمانہ اور فراز کو اسلام آباد روانہ کر دیا گیا۔

☆======☆======☆

حسرت' زرینہ خاتون کے ساتھ اپنی بہن کو بڑی لگن سے تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ ان کی دلجوئی کرتا رہتا تھا۔ زرینہ خاتون کو حسرت سے بڑا حوصلہ اور ڈھارس مل رہی تھی۔

آج بھی وہ دونوں ثمینہ کی تلاش میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ حسرت کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی زرینہ خاتون نے کہا۔

"تمہیں جب بھی موقع ملتا ہے میرے پاس چلے آتے ہو' میری بیٹی کو تلاش کرتے رہتے ہو۔"

"وہ صرف آپ کی بیٹی نہیں ہے' میری بہن بھی ہے۔"

"تمہارے ڈیڈی نے جتنے زخم دیئے ہیں' تم ان پر مرہم رکھ رہے ہو۔"

"صرف مرہم رکھنے سے اور ہمدردی کرنے سے کیا ہوتا ہے؟ جب وہ مل جائے گی تب میں سمجھوں گا کہ میں نے آپ کے لئے اور اپنی بہن کے لئے کچھ کیا ہے۔"

"میں اسے ایسی تمام جگہوں پر تلاش کر چکی ہوں جہاں اس کے ملنے کی امید تھی۔ اب ایک ہی جگہ رہ گئی ہے۔"

اس نے پوچھا۔ "کون سی جگہ؟"

انہوں نے کہا۔ "کلفٹن چلو۔"

اس نے کار کا رخ کلفٹن جانے والے راستے کی طرف موڑ لیا۔ پھر بولا۔ "مشکل یہ ہے کہ میں آپ کے بغیر ثمینہ کو تلاش نہیں کر سکتا۔ میں نے اس کی صورت نہیں دیکھی' اگر اس کی ایک بھی تصویر ہوتی تو میں اُسے دن رات تلاش کرتا رہتا۔"

انہوں نے کہا۔ "گاڑی روکو۔"

حسرت نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ نظروں کے سامنے لوگ قطار در قطار اپنی دلی مرادیں مانگنے عبداللہ شاہ غازی کے مزار کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حسرت نے پوچھا۔ "آپ یہاں آئی ہیں؟"

انہوں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہاں .... اب یہی ایک دروازہ رہ

گیا ہے۔ میں غازی بابا سے اپنی بیٹی مانگوں گی۔"

وہ کار سے اتر گئیں' مزار کی طرف بڑھنے لگیں۔ حسرت اپنے باپ کے بارے میں بڑی نفرت سے سوچنے لگا۔ جیب سے موبائل فون نکال کر نمبر پنچ کرنے لگا پھر اسے کان سے لگا کر رابطہ ہونے پر بولا۔ "ہیلو .... میں بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے نفاست کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو .... میں کون؟"

"آپ مجھے آواز سے نہیں پہچانیں گے۔ میں اس وقت ایک ماں کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ اپنی گمشدہ بیٹی کے لئے بھٹک رہی ہے۔"

نفاست اپنے کمرے میں تھا۔ اس کی بات سن کر چونک گیا پھر گھبراہٹ کو چھپاتے ہوئے بولا۔ "کوئی ماں بھٹک رہی ہے تو میں کیا کروں؟ اور تم .... تم کون ہو؟ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "آپ اس کے باپ کو غیرت دلا سکتے ہیں' وہ اپنے گھر میں بڑے سکون سے اور اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے۔ اُسے اپنی بیٹی کی جدائی کا ماتم کرنا چاہئے۔"

اس نے چور نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا پھر پریشان ہو کر پوچھا۔ "آخر تم کون ہو اور یہ باتیں مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو؟"

"آپ اچھی طرح سمجھ رہے ہیں اگر انجان بنیں گے تو میں سید عبادت علی شاہ کے سامنے پہنچ کر آپ کی تمام خفیہ ہسٹری بیان کر دوں گا۔"

وہ پریشانی سے سوچنے لگا پھر بولا۔ "دیکھو .... میں .... میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"آپ مجھ سے نہ ملیں .... ایک بیٹی کو ماں سے ملا دیں۔ میں یہ ناانصافی اور سنگدلی برداشت نہیں کروں گا۔ آپ اپنے ایک گھر میں خوشیاں منا رہے ہیں اور آپ کے دوسرے گھر میں گمشدہ بیٹی کا ماتم کیا جا رہا ہے۔ میں آپ کو سکون سے نہیں رہنے دوں گا۔ جب تک ایک ماں اپنی بیٹی کے لئے تڑپتی رہے گی تب تک میں ایک باپ کی نیندیں حرام کرتا رہوں گا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ دوسری طرف نفاست "ہیلو .... ہیلو" کرتا رہ گیا۔ پھر ریسیور کریڈل پر رکھ کر پریشانی سے اس نامعلوم دشمن کے بارے میں سوچنے لگا۔ یہ اس کا خفیہ راز تھا جو کسی دشمن کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ یہ راز اگر عبادت علی کے کانوں تک پہنچ جاتا تو شاید وہ نفاست کو تمام کاروبار اور جائیداد سے عاق کر دیتے۔ وہ پریشان ہو کر اس

مسئلے کا حل تلاش کرنے لگا۔ اس معاملے میں اسے تنہا پریشان ہونا تھا کیونکہ اس کا یہ راز مراد بھی نہیں جانتا تھا۔

"اللہ کے نام پر کچھ دے دو۔"

اس آواز نے حسرت کو چونکا دیا۔ اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا ایک جوان لڑکی اور ایک بوڑھی عورت ہاتھ پھیلائے کھڑی تھیں۔ حسرت نے جوان لڑکی کو دیکھ کر بوڑھی عورت سے کہا۔ "جوان لڑکی سے بھیک منگواتی ہو' کیا تم خود نہیں مانگ سکتیں؟"

وہ بولی۔ "کیا کروں بیٹا' بوڑھی عورت کو کوئی بھیک نہیں دیتا۔ روٹی کے لئے اور دوا دارو کے لئے ایسا کرنا ہی پڑتا ہے۔"

حسرت نے ایک ہزار کا نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے لڑکی سے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

وہ آنچل درست کرتے ہوئے بولی۔ "جی .... ثمینہ.........."

مزار سے واپس آتی ہوئی زرینہ خاتون اس کا نام سن کر چونک گئیں۔ تیزی سے اس کے قریب آئیں پھر اس کا چہرہ دیکھ کر مایوس ہو گئیں۔ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔ "ایک لمحے کو ایسا لگا جیسے میری ثمینہ آ گئی۔"

ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ دونوں بھکارنیں انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ حسرت کار سے اتر کر زرینہ خاتون کے پاس آیا پھر ان کا شانہ تھپکتے ہوئے بوڑھی بھکارن سے بولا۔ "میری بہن کا نام ثمینہ ہے۔ وہ کہیں گم ہو گئی ہے۔ اس کے لئے دعا کرو۔"

وہ دونوں دعائیں مانگتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔ وہ دونوں بھی کار میں بیٹھ کر ثمینہ کو تلاش کرنے کے لئے پھر سے سڑکوں' شاہراہوں اور گلیوں میں بھٹکنے لگے۔

☆======☆======☆

نفاست' فراز اور ارمانہ کو اسلام آباد روانہ کر کے ذرا مطمئن ہو گیا تھا۔ مگر ایک اجنبی فون کال نے اس کا سارا سکون غارت کر دیا تھا۔

وہ عبادت علی کے کمرے میں بیٹھا کمپیوٹر آپریٹ کر رہا تھا تاکہ انہیں اب سدرہ اور نجاد کی آمد کی اطلاع دے دے۔

عبادت علی نے اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ سدرہ صحت مند ہو گئی ہو گی۔ ہسپتال سے واپس آ چکی ہو گی۔"

نفاست نے کہا۔ "میں تو ان دونوں کے لئے دن رات دعائیں مانگتا رہتا ہوں۔ وہ جلد ہی ہمارے پاس آ جائیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولے۔ "تمہارے منہ میں گھی شکر' وہ ضرور آئیں گے۔ آج ہم سجاد سے ضد کریں گے وہ وہاں رہ کر کیا کر رہا ہے؟ ان دونوں کو فوراً یہاں آ جانا چاہئے۔"

پھر انہوں نے چونک کر نفاست کو اور کمپیوٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بھئی! تم ہم سے باتیں کر رہے ہو' اُدھر بھی دیکھو' اب تک رابطہ کیوں نہیں ہوا ہے؟"

وہ کمپیوٹر آپریٹ کرتے ہوئے بولا۔ "جی جی .... میں باتیں کر رہا ہوں لیکن توجہ اسی طرف ہے۔"

وہ کچھ دیر کمپیوٹر آپریٹ کرتا رہا پھر بولا۔ "لیجئے .... رابطہ ہو گیا۔"

وہ کمپیوٹر اسکرین کو غور سے یوں تکنے لگے جیسے سجاد کی تصویر نظر آ رہی ہو۔ پھر کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے بولے۔ "جلدی پڑھو۔"

نفاست اسکرین کی تحریر پڑھنے لگا۔ "محترم و مکرم دادا جان! آداب .... آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ سدرہ بالکل ٹھیک ہے۔ میں اسے ہسپتال سے گھر لے آیا ہوں۔"

عبادت علی نے اپنے دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں بلند کرتے ہوئے کہا۔ "خدایا! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہماری بچی صحت یاب ہو گئی۔"

نفاست آگے پڑھنے لگا۔ "ہم آپ کی محبت اور بے چینی کو اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔ اب آپ کو یہ پریشانی ہو گی کہ ہم دونوں یہاں تنہا رہ گئے ہیں۔"

وہ بولے۔ "یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے؟ ماں پہلے ہی اللہ کو پیاری ہو گئی' باپ کا سایہ بھی اٹھ گیا۔ ایسے میں وہ دونوں تنہا ہو گئے ہیں۔ غضب خدا کا .... ہم یہاں ان کے سرپرست بیٹھے ہیں۔ انہیں تو فوراً یہاں آنا چاہئے۔"

نفاست بے زار ہو کر بولا۔ "ابا جان! پہلے پوتے کی باتیں تو سن لیں' پھر بولتے رہیں۔"

وہ تائید میں بولے۔ "ہاں .... ہاں .... آگے پڑھو۔"

"سدرہ آپ کے پاس آنے کے لئے بہت ضد کر رہی ہے۔ میں اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے کل صبح کی فلائٹ سے اسے لے کر آ رہا ہوں۔"

اچانک بہت بڑی خوشخبری نے ان پر سکتہ سا طاری کر دیا۔ انسان بھی خوب ہے' نہ زیادہ خوشی برداشت کر سکتا ہے اور نہ ہی زیادہ غم سہہ سکتا ہے۔

ان کے دیدے پھیل گئے تھے۔ منہ کھلا رہ گیا تھا' حلق سے عجیب سی آواز نکلی تو نفاست نے گھبرا کر ان کے دونوں بازوؤں کو تھام کر انہیں جھنجھوڑا۔ "ابا جان! .... ابا جان! کیا ہوا؟"

وہ ایکدم سے چونک گئے۔ بے یقینی سے نفاست کو تکنے لگے' پھر اچانک ہی انہیں کچھ یاد آیا۔ وہ تقریباً چیخ کر بولے۔ "آں .... ہاں .... ہاں وہ آ رہے ہیں۔ ٹھیک سے پڑھو' وہ دونوں واقعی آ رہے ...."

"جی ابا جان! وہ دونوں PK-206 سے آ رہے ہیں۔ فلائٹ کل صبح دس بجے آئے گی۔"

مارے خوشی کے وہ اٹھ کر نفاست سے لپٹ گئے۔ پھر وہ چیختے ہوئے کبریٰ کو آوازیں دیتے ہوئے کمرے سے باہر آئے۔ "بہو بیگم! .... بہو بیگم!"

حسرت اور کبریٰ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی آواز سن کر ایکدم سے چونک گئے۔ عبادت علی سب کو پکارتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئے۔ "بہو بیگم' مراد' حسرت! تم سب کہاں ہو؟ آج کا دن ہمارے لئے عید سے بھی بڑھ کر ہے۔"

وہ ان دونوں کو بولنے کا موقع دیئے بغیر بولے۔ "بہو بیگم! وہ آ رہے ہیں' وہ دونوں آ رہے ہیں۔"

وہ انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ خوشی کے مارے وہ پوری بات نہیں بتا پا رہے تھے۔ نفاست نے آ کر کہا۔ "سدرہ اور سجاد کل صبح کی فلائٹ سے آ رہے ہیں۔"

کبریٰ خوش ہو کر بولی۔ "سچ ....؟"

حسرت نے عبادت علی سے کہا۔ "دادا جان! میں ابھی یہی کہہ رہا تھا کہ انہیں آ جانا چاہئے۔ اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے؟ وہ برسوں کے بعد اپنے گھر آ رہے ہیں۔"

نفاست کبریٰ کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا پھر بولا۔ "میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کس طرح خوشیاں مناؤں' آج سے ہر روز اس گھر میں جشن منایا جائے گا۔"

کبریٰ نے بھی بناوٹی انداز میں کہا۔ "میں تو پیر بابا کے مزار پر سو دیگوں کا لنگر کراؤں گی۔"

نفاست اس کی تائید میں بولا۔ "ہاں .... روز دیگیں پکوائی جائیں گی۔ غریبوں اور محتاجوں کے لئے لنگر کھلا رہے گا۔"

عبادت علی اپنے بیٹے اور بہو کی باتیں سن کر خوش ہو رہے تھے پھر بولے۔ ”پوری کوٹھی میں چراغاں ہو گا۔ سدرہ اور سجاد آئیں گے تو ہم اپنے ہاتھوں سے یتیموں اور بیواؤں کو اناج اور کپڑے تقسیم کریں گے۔“

حسرت نے خوش ہو کر کہا۔ ”پھر تو موسیقی کا پروگرام بھی ہونا چاہئے۔“

عبادت علی نے کہا۔ ”جو چاہو‘ وہ کرو۔ خوب دھوم دھام کرو۔ ساری دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ہمیں کھوئی ہوئی دولت مل رہی ہے۔ آج ہم سے جو مانگو‘ وہ ملے گا۔“

کبریٰ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً کہا۔ ”میں مانگتی ہوں‘ آپ میرے دل کی مراد پوری کر دیں۔“

”بولو.......... کیا چاہتی ہو؟“

”آپ فہمی اور حسرت کا نکاح پڑھوا دیں۔“

حسرت نے چونک کر کہا۔ ”ممی! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟“

وہ بولی۔ ”تم خاموش رہو‘ میں جانتی ہوں آج تمہارے دادا جان میری ہر خواہش پوری کریں گے۔“

عبادت علی اس کی تائید میں بولے۔ ”ضرور پوری کریں گے۔ ہمارے بچوں کے آنے کی خوشی کو دوبالا کیا جائے گا۔ وہ صبح کی فلائٹ سے آئیں گے‘ شام کو ان دونوں کا نکاح پڑھوایا جائے گا۔ یہ شادی بھی خوب دھوم دھام سے ہو گی۔“

حسرت نے کہا۔ ”دادا جان! آپ میری بھی تو سنیں۔ ابھی یہ شادی مناسب نہیں ہے۔“

انہوں نے پوچھا۔ ”کیا مناسب ہے اور کیا نامناسب ہے یہ تم ہم سے زیادہ جانتے ہو؟“

کبریٰ حسرت کو گھورتے ہوئے بولی۔ ”یہ لڑکا تو سر پھرا ہے۔ ایسی خوشی کے موقع پر دادا جان سے بحث کر رہا ہے۔“

پھر وہ عبادت علی سے بولی۔ ”میں نہیں چاہتی‘ اتنے مبارک موقع پر آپ کا موڈ خراب ہو۔ آپ فہمی کی شادی مراد سے کر دیں۔“

نفاست نے چونک کر کہا۔ ”تم سوچے سمجھے بغیر کوئی بات نہ کہا کرو۔ مراد مجھ سے کہہ چکا ہے کہ وہ سدرہ سے شادی کرے گا۔“

پھر نفاست نے عبادت علی سے پوچھا۔ ”کیوں ابا جان! سدرہ اور مراد کی جوڑی

اچھی رہے گی ناں؟“

وہ بولے۔ ”بے شک .... بے شک کل ہماری پوتی آ رہی ہے۔ دیکھ لینا‘ وہ لاکھوں میں ایک ہو گی۔“

کبریٰ نے کہا۔ ”وہ تو ہو گی .... آپ فہمی کی بات کریں۔“

وہ بولے۔ ”بات کیا کرنا ہے؟ کل اس نامعقول سے فہمی کا نکاح پڑھوا دیا جائے گا۔“

حسرت پریشان ہو کر بولا۔ ”دادا جان! میں آپ کو کیسے سمجھاؤں‘ میں فہمی سے شادی نہیں کر سکتا۔“

انہوں نے کہا۔ ”تم ہمیں سمجھانا چاہتے ہو‘ ہمارے کمرے میں آؤ یا تو تم ہمیں سمجھا دو‘ یا ہم تمہیں سمجھا دیں۔“

نفاست اور کبریٰ نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ عبادت علی وہاں سے جاتے ہوئے بڑبڑائے۔ ”یہ آج کل کے بچے ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ بڑا دعویٰ ہے سمجھداری کا..........“

حسرت اور عبادت علی ڈرائنگ روم سے چلے گئے۔ کبریٰ نے پریشان ہو کر نفاست سے پوچھا۔ ”یہ اُسے کیا سمجھانے لے گئے ہیں؟“

”اچھا ہے‘ آج نہیں سمجھے گا تو ابا جان اس کی اچھی طرح کھچائی کریں گے۔“

زیبی‘ عالیہ اور اسد بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ زیبی نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟ یہاں بہت خاموشی ہے۔“

نفاست نے کہا۔ ”تمہارے دادا جان کو سدرہ اور سجاد کی آمد کی اطلاع مل چکی ہے۔ وہ بہت خوش ہو رہے ہیں۔ مگر حسرت رنگ میں بھنگ ڈال رہا ہے۔ ابھی اُس کی شادی کا فیصلہ ہونے والا ہے۔“

اسد نے کہا۔ ”کتنی خوشیاں نصیب ہو رہی ہیں؟ جشن منانے کا پروگرام بنانا چاہئے لیکن حسرت بھائی واقعی رنگ میں بھنگ ڈال رہے ہیں۔“

دوسری طرف عبادت علی نے کمرے میں آ کر حسرت سے کہا۔ ”ہم نادان نہیں ہیں۔ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ فہمی شادی کو اور ازدواجی رشتوں کو نہیں سمجھتی ہے لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ نادان لڑکیوں کی بھی شادیاں ہوتی ہیں۔ تم شادی سے انکار کرو گے تو اس کی شادی مراد سے یا اسد سے کی جائے گی۔“

وہ سر جھکا کر بولا۔ ”میں جانتا ہوں‘ اسد ابھی شادی نہیں کرے گا۔“

"اور ہم پچاس کروڑ روپے کے ساتھ فہمی کو کسی دوسرے گھر کی بہو نہیں بننے دیں گے۔ تم انکار کرو گے تو مجبوراً ہمیں اس کی شادی مراد سے کرنی پڑے گی اور تم یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ مراد سے خوفزدہ رہتی ہے۔ اُس کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔"

"میں بھی نہیں چاہتا کہ وہ مراد کے سائے میں رہے۔"

"تم ہمارا کاروبار سنبھالنے لگے ہو۔ ہمیں یہ بتاؤ جہاں لاکھوں اور کروڑوں کا نقصان ہو رہا ہو اور نقصان سے بچنے کے لئے اپنے جذبات کا خون کرنا پڑے تو تم ایسے حالات میں کیا کرو گے؟"

حسرت کشمکش میں مبتلا ہو کر انہیں دیکھنے لگا۔ وہ بولے۔ "تم ابھی بچے ہو' ہم تمہیں کاروباری گُر سکھائیں گے۔ کروڑوں کا نقصان بھی نہیں ہو گا اور تمہاری بات بھی رہ جائے گی۔"

پھر وہ اُسے کاروباری گُر سکھانے لگے۔ وہ ان کے مشورے غور سے اور حیرت سے سن رہا تھا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ دادا جان یوں موقع اور حالات کی مناسبت سے اپنا مزاج بھی بدل سکتے ہیں۔

ڈرائنگ روم میں بے چینی سے انتظار کیا جا رہا تھا کہ حسرت اور عبادت علی باہر آ کر کیا فیصلہ سنانے والے ہیں؟

عالیہ نے کہا۔ "مراد بھائی سدرہ سے شادی کرنے کو تیار ہیں۔ زیبی اپنے بزرگوں کی مرضی کے مطابق سجاد سے شادی کرے گی۔ حسرت بھائی کو بھی بزرگوں کا حکم مان لینا چاہئے۔"

کبریٰ نے ناگواری سے کہا۔ "ہمیں اُس کی پرواہ نہیں ہے۔ وہ حکم نہ مانے کوئی بات نہیں۔ فہمی کی شادی اسد سے کر دی جائے گی۔"

عالیہ اور اسد نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ زیبی نے کہا۔ "ممی! اسد کو ابھی شادی نہیں کرنی چاہئے۔ ابھی اسے لائف بنانی ہے۔ بہت کچھ سیکھنا ہے۔"

کبریٰ نے کہا۔ "یہ شادی کے بعد بھی سیکھتا رہے گا۔ تم اس کی حمایت نہ کرو۔"

نفاست نے کبریٰ سے کہا۔ "اور تم ابھی بحث نہ کرو۔ پہلے دیکھو تو سہی وہ ابا جان کی بات مانتا ہے یا نہیں؟"

عبادت علی حسرت کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے بولے۔ "کیسے نہیں مانے گا؟ ہم دادا ہیں' اس گھر کے سرپرست ہیں۔"

پھر حسرت کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔ "ہاں تو حسرت! سناؤ اپنا فیصلہ۔"

اس نے ایک ایک کے چہرے کو دیکھا۔ سب کے چہروں پر ایک ہی سوال تھا کہ وہ کیسا فیصلہ سنانے والا ہے؟

وہ بولا۔ "میں فہمی سے شادی کے لئے راضی ہوں۔"

کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ یوں اچانک شادی کے لئے راضی ہو جائے گا۔ خاص طور پر کبریٰ کو .... وہ حسرت کا فیصلہ سن کر بھی بے یقینی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

زیبی اور عالیہ نے خوشی سے "ہپ ہپ ہرے" کا نعرہ لگایا۔ اسد نے حسرت سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "شادی تمہاری ہو گی مگر مبارک باد مجھے دو۔"

"تمہیں کیوں؟"

"اس لئے کہ میں فہمی کو اپنی بھابی بنانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

حسرت نے کہا۔ "میں انکار کرتا تو تمہارے سر پر سہرا باندھا جاتا۔ میرا احسان مانو کہ میں راضی ہو گیا ہوں۔"

اسد نے چور نظروں سے عالیہ کی طرف دیکھ کر حسرت سے کہا۔ "واقعی تم نے احسان کیا ہے۔ جو میری زندگی میں کبھی آئے گی' وہ بھی تمہارا احسان مانتی رہے گی۔"

ایسے وقت فہمی بہن کے ساتھ ایک ٹرالی میں کھانے پینے کی چیزیں لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ زیبی نے اسے دیکھ کر کہا۔ "فہمی بڑے موقع سے مٹھائیاں لا رہی ہے۔"

اسد نے کہا۔ "میں نے یہ پہلی دلہن دیکھی ہے جو دلہن بننے سے پہلے ہی منہ میٹھا کر رہی ہے۔"

کبریٰ نے فہمی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اس معصوم کو ابھی کسی نے نہیں بتایا۔ یہ تو انجانے میں منہ میٹھا کرا رہی ہے۔"

اسد نے کہا۔ "آپ اسے دلہن بننے کی خوشخبری سنائیں۔"

نفاست نے کہا۔ "کیوں میری بہو کے پیچھے پڑ گئے ہو؟ زیبی اور عالیہ اسے سمجھائیں گی کہ شادی کیسے ہو گی اور اسے دلہن کیسے بنایا جائے گا؟"

کبریٰ بولی۔ "میں تو بہو لانے کے سارے ارمان فہمی سے پورے کروں گی۔ میں تو اسے بیٹی سے بھی بڑھ کر چاہوں گی۔ دیکھنے والے کہیں گے کہ میں اس کی ساس نہیں'

سگی ماں ہوں۔"

حسرت نے کہا۔ "فہمی کی ماں بننے کا مطلب ہے کہ آپ میری ساس بن جائیں گی؟ ساس تو بڑی خطرناک شے ہوتی ہے۔"

اس کی بات سن کر ڈرائنگ روم کی فضا قہقہوں سے گونج اٹھی۔ فہمی ایک ایک کے ہنستے ہوئے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے اشاروں میں پوچھا کہ یہ سب کیوں ہنس رہے ہیں؟ کیا باتیں ہو رہی ہیں؟

کبریٰ نے کہا۔ "تمہاری شادی ہو رہی ہے۔ ہم خوش ہو رہے ہیں۔ تم دلہن بننے والی ہو۔"

فہمی اس کی بات سمجھ نہ سکی۔ سوالیہ نظروں سے حسرت اور عبادت علی کو دیکھنے لگی۔ حسرت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ببن نے آگے بڑھ کر کہا۔ "رکیں .... انہیں میں سمجھاتا ہوں۔"

اس نے اپنے شانے پر رکھے رومال کو اپنے سر پر رکھ لیا۔ پھر اس کا گھونگھٹ بناتے ہوئے فہمی سے بولا۔ "بی بی جی! آپ اس طرح گھونگھٹ میں دلہن بنیں گی۔ ہم ڈھولک کی تھاپ پر سہاگ کے گیت گائیں گے' شہنائیاں بجیں گی' ہم خوب ناچیں گے۔"

وہ فہمی کو ایک ایک بات اشاروں میں سمجھا رہا تھا۔ وہ ہنس رہی تھی۔ اس کے اشاروں کو سمجھ رہی تھی مگر وہ نادان یہ نہیں سمجھ رہی تھی کہ ببن اس کی شادی کی بات سمجھا رہا ہے' آنے والا وقت اُسے دلہن بنانے والا ہے وہ معصوم ان باتوں سے آنے والے وقت سے بے نیاز ببن کی حرکتوں پر قہقہے لگا رہی تھی۔

مراد نفاست کے آفس روم میں بیٹھا ریوالونگ چیئر پر اِدھر سے اُدھر گھوم رہا تھا۔ وہ دولت اور محبت میں بہت جلد فتح یاب ہونے والا تھا۔

وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔ "ارمانہ! کیا خوب نام ہے؟ دل کا ارمان ہو۔ یہ درست ہے کہ ایک پھول کے کھلنے سے بہار نہیں آتی مگر یہ درست ہے کہ ایک حسن کے جلوے سے ہزار دیوانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ تم ایسی ہی ہو۔ آج اسلام آباد میں ہو' کل یہاں آؤ گی۔ ہائے! کل بہت دور ہے۔"

پھر اس نے ایک شعر گنگناتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔ "اپنی یادوں کا سلسلہ روکو .... میری نیندیں حرام ہوتی ہیں۔"

نمبر پنچ کر کے ریسیور کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو .... ارمانہ!"

دوسری طرف فراز ریسیور کان سے لگا کر بولا۔ "میں ہوں فراز! تم مراد ہو؟"

مراد نے ناگواری سے کہا۔ "تم نہیں .... آپ کہو۔ اپنی حیثیت کے مطابق گفتگو کرو۔"

"سوری .... میں رشتے کے مطابق بول رہا ہوں۔ انکل نے بتایا ہے کہ ہم دونوں دو چار دنوں کے چھوٹے بڑے ہیں۔ اس لئے تم میرے بزرگ نہیں ہو۔ تم' تم ہی رہو گے۔"

وہ بے زاری سے بولا۔ "اچھا ٹھیک ہے' ارمانہ کو ریسیور دو۔"

فراز نے ارمانہ کو پکارا۔ "ارمانہ! مسٹر مراد تمہیں یاد کر رہے ہیں۔"

وہ اس کے قریب آئی تو فراز نے ریسیور دیتے ہوئے کہا۔ "مسٹر مراد کا فون ہے۔"

اس نے فراز کو اشاروں میں سمجھایا کہ ریسیور اپنے ہاتھ میں رکھے پھر ذرا تیز آواز میں بولی۔ "میں نے ابھی لپ اسٹک لگائی ہے۔ بات کروں گی تو پھیل جائے گی۔"

وہ مراد سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ فراز سے بولی۔ "بھائی جان! آپ مراد بھائی کو اسلام آباد کا موسم بتا دیں۔ ہم تو وہاں آنے ہی والے ہیں۔"

فراز نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔ "تم نے سن لیا؟"

وہ بولا۔ "سن لیا .... اُسے بھی سنا دو۔ مجھ سے کب تک کترائے گی؟ دادا جان پہلے ہی اس کا رشتہ مجھ سے طے کر چکے ہیں۔"

پھر وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "بیچاری' بکرے کی ماں۔"

فراز نے پوچھا۔ "اُسے ماں کہہ رہے ہو؟"

اس نے غصے سے کہا۔ "یو شٹ اپ۔"

پھر ریسیور پنچ دیا۔ "سدرہ بن کر مجھے نخرے دکھا رہی ہے۔ زیادہ اونچی اڑان بھرے گی تو میرے ایک ہی وار سے زمین پر آگرے گی۔"

وہ غصے سے بڑبڑاتا ہوا آفس روم سے باہر چلا گیا۔ تاکہ غصے کو کسی کلب کی رنگینی میں دھو ڈالے۔

☆======☆======☆

نفاست بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ بہت سی سوچیں' فکریں اور پریشانیاں دماغ میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا' ایزی چیئر پر بیٹھ کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

کبریٰ دوروازہ کھول کر اندر آئی پھر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "اتنے سارے کام ایکدم سے سر پر آپڑے ہیں۔ سمجھ نہیں آتا کہ کس کام کو کیسے نمٹاؤں؟ بیٹے کی شادی ہے وہ بھی پہلے بیٹے کی شادی .... سارے ارمان پورے کرنے بھی ضروری ہیں۔"

وہ بولے چلی جا رہی تھی مگر نفاست خاموش تھا پھر اس نے ذرا ٹھٹک کر پوچھا۔

"آپ کس سوچ میں گم ہیں؟"

وہ چونک کر بولا۔ "میں وہ بات سوچ رہا ہوں جو سوچنا نہیں چاہئے۔"

"ایسی کون سی بات ہے؟"

"حسرت میرا بیٹا نہیں ہے۔"

وہ چونک گئی پھر بولی۔ "اب تو وہ راضی ہو گیا ہے۔ آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں؟"

"بات ناراضگی کی نہیں ہے' غور کرنے سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ میرا خون نہیں ہے۔"

وہ غصے سے بولی۔ "کیا.......... آپ ہوش میں تو ہیں؟"

"ہوش میں ہوں۔ ذرا غور کرو' وہ کسی نہ کسی معاملے میں میری مخالفت کرتا رہتا ہے۔ پہلے گھر کا بھیدی بنا ہوا تھا۔ میں اپنے گھر میں اُس سے چھپ کر' اس سے محتاط رہ کر راز کی باتیں کرتا ہوں۔ اب وہ کاروباری معاملات میں مداخلت کرنے لگا ہے۔"

"کیا وہ آپ کو نقصان پہنچا رہا ہے؟"

"پہنچا سکتا ہے۔"

کبریٰ الجھ کر بولی۔ "باپ ہو کر بیٹے کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ اس نے مخالفت میں کچھ کیا نہیں ہے اور آپ اسے الزام دے رہے ہیں۔"

"اس کے طور طریقے بتا رہے ہیں کہ وہ ہمارے تمام کئے کرائے پر پانی پھیرنے والا ہے۔ تم نے دیکھا' ہم اُسے سمجھاتے مناتے رہے لیکن وہ فہمی سے شادی کے لئے راضی نہیں ہو رہا تھا۔ ابا جان کے ساتھ بند کمرے میں نہ جانے کیا باتیں ہوئیں کہ فوراً ہی راضی ہو گیا۔"

"چلیں باپ نہ سہی' اس نے دادا کی بات مان لی۔ آپ کو شکایت کیا ہے؟"

وہ اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا' پھر بولا۔ "وہ ابا جان کے بہت قریب ہوتا جا رہا ہے۔ جب دیکھو ان کے کمرے میں گھسا رہتا ہے۔ نہ جانے کیا باتیں کرتا رہتا ہے؟ میں

اندیشوں میں مبتلا رہنے لگا ہوں۔"

"کیسے اندیشے؟"

"وہ ہمارے ایسے کاروباری راز جان سکتا ہے جنہیں ہم ابا جان سے چھپاتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ ابا جان سے ایسی ہی کچھ رازداری کی باتیں کرتا ہو گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "آپ تو مجھے بھی اندیشوں میں مبتلا کر رہے ہیں۔ آرام سے لیٹ کر سونے کی کوشش کریں۔ ذہن کو سکون ملے گا۔ صبح ائرپورٹ بھی جانا ہے۔"

"تم سو جاؤ .... مجھے نیند آئے گی تو سو جاؤں گا۔"

"آپ بے چین رہیں گے تو مجھے نیند کہاں سے آئے گی؟ آکر لیٹ جائیں۔ میں سر داب دیتی ہوں۔ کہیں تو تیل کی مالش کر دوں؟"

"خدا کے لئے .... تم خاموش ہو جاؤ .... چپ رہو گی تو سر میں درد نہیں ہو گا۔"

"آپ کی مرضی .... پھر نہ کہئے گا کہ بیگم میرے آرام کا خیال نہیں کرتی۔"

وہ زیورات اتار کر بیڈ پر آکر لیٹ گئی۔ نفاست ایزی چیئر پر بیٹھ کر اس کی پشت سے ٹیک لگا کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ حسرت کے ساتھ ساتھ اُسے وہ اجنبی کال بھی پریشانیوں اور اندیشوں میں مبتلا کر رہی تھی۔

☆======☆======☆

کانوں میں ابھرنے والی آواز دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔ "جب تک ایک ماں ایک بیٹی کے لئے تڑپتی رہے گی' تب تک میں ایک باپ کی نیندیں حرام کرتا رہوں گا۔"

اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ دیدے پھاڑ پھاڑ کر اپنے اردگرد کسی نادیدہ دشمن کو تلاش کرنے لگا۔ اس کی نظر بیڈ پر پڑی تو کبریٰ گہری نیند میں سو رہی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ پھر دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھا تو صبح کے چھ بج رہے تھے۔ ایزی چیئر پر بیٹھے بیٹھے نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

اس نے ایک گلاس میں پانی انڈیلا اور اسے ہونٹوں سے لگا کر گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارنے لگا۔ حلق میں کانٹے سے پڑ گئے تھے۔ ایسے ہی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی۔

اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ "کھلے ہوئے دروازے سے عبادت علی کا چہرہ دکھائی دیا۔ انہوں نے پوچھا۔ "نفاست! تم ابھی تک سو رہے ہو؟ ائرپورٹ نہیں جانا ہے؟

دونوں بچے وہاں آکر انتظار کر رہے ہوں گے؟"

وہ بیزاری سے بولا۔ "ابا جان! ابھی چھ بجے ہیں۔ فلائٹ صبح دس بجے آئے گی۔ ابھی پورے چار گھنٹے باقی ہیں۔"

"ہمیں معلوم ہے' تیار تو ہونا ہے۔ یہاں سے ائرپورٹ تک جانا ہے۔ جاتے جاتے وقت ہو جائے گا۔"

"مجھے تیار ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔"

"ہماری شیروانی کہاں ہے؟ ہم نے کہا تھا' ہمارے کپڑے اور جوتے تیار رکھے جائیں۔"

وہ بیزاری سے بولا۔ "کبریٰ نے رات ہی کو تمام کپڑے استری کروا دیئے تھے۔ قمیص' پاجامہ اور شیروانی الماری کے ہینگر میں ہیں۔ آپ الماری تو دیکھیں۔"

کبریٰ ان دونوں کی آوازیں سن کر جاگ گئی تھی۔ چہرے اور بالوں کی حالت درست کر رہی تھی تاکہ عبادت علی کو یہ تاثر دے کہ وہ تمام رات جاگتی رہی ہے۔

عبادت علی نے کہا۔ "ہمیں تو رات بھر نیند نہیں آئی۔ وہاں سدرہ اور سجاد بھی جاگتے رہے ہوں گے۔"

کبریٰ تیزی سے چلتی ہوئی دروازے پر آکر بولی۔ "میں بھی خوشی کے مارے رات بھر کروٹیں بدلتی رہی۔ کیا کرتی' نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔"

عبادت علی نے نفاست سے کہا۔ "دیکھو .... اسے کہتے ہیں محبت۔"

مراد نے وہاں آکر کہا۔ "دادا جان! میں نے بھی ایک ذرا پلک نہیں جھپکائی۔ رات کو دوبار ائرپورٹ جاکر آچکا ہوں۔"

انہوں نے خوش ہو کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ "تم ائرپورٹ گئے تھے' جہاز صحیح وقت پر آئے گا نا؟"

"بالکل صحیح وقت پر آئے گا۔ میں کنفرم کر چکا ہوں۔"

عبادت علی نے نفاست سے کہا۔ "دیکھو .... دیکھو یہ ہے ہماری بہو اور یہ ہے ہمارا پوتا۔ ہم سب محبت کے مارے جاگ رہے ہیں اور تم ہو کہ گھوڑے بیچ کر سو رہے ہو؟ چلو جاؤ .... فوراً تیار ہو جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ مراد کے ساتھ چلے گئے۔ نفاست پلٹ کر کمرے میں آیا تو کانوں میں وہی اجنبی سرگوشی ابھری۔ "میں ایک باپ کی نیندیں حرام کرتا رہوں گا۔"

اس نے چونک کر' پریشان ہو کر کبریٰ کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی پریشانیوں سے بے نیاز اس کے ائرپورٹ جانے کی تیاری کر رہی تھی۔

مراد' عبادت علی اور نفاست دس بجے سے پہلے ہی ائرپورٹ پہنچ گئے۔ عبادت علی بڑے بے چین اور خوش دکھائی دے رہے تھے۔

فلائٹ ٹھیک دس بجے کراچی پہنچی تو عبادت علی کی بے چینی مزید بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد مسافروں کی آمد شروع ہو گئی۔ عبادت علی متلاشی نظروں سے ایک ایک مسافر کے چہرے کو تک رہے تھے۔ مراد ایک پلے کارڈ ہاتھوں میں تھامے کھڑا تھا۔ اس کارڈ پر سدرہ اور سجاد کا نام تحریر کیا گیا تھا۔

ارمانہ اور فراز گیٹ سے باہر آئے۔ انہوں نے مراد' نفاست اور عبادت علی کو دیکھا۔ ارمانہ پلے کارڈ پر نام پڑھ کر تیزی سے چلتی ہوئی مراد کے سامنے آئی پھر دونوں بازو پھیلا کر بولی۔ "دادا جان! میرے پیارے دادا جان!"

مراد گھبرا کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ "میں .... میں دادا جان نہیں ہوں۔"

عبادت علی سمجھ گئے کہ یہ ان کی بچھڑی ہوئی پوتی سدرہ ہے۔ وہ دونوں بازو پھیلا کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ "ہم ہیں .... تمہارے دادا جان .... ہم پہچان گئے .... تم سدرہ ہو۔ دادا کی جان!"

ارمانہ ان کے سینے سے لگ کر رونے کا ناٹک کرنے لگی۔ وہ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ "چپ ہو جاؤ۔ دادا کی جان! ہم تمہارے آنسو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم جانتے ہیں' تمہیں اپنے ابو کا صدمہ ہے۔ بیٹی! اب تم پر مصیبتیں نہیں آئیں گی یہاں تمہیں اتنی خوشیاں ملیں گی کہ سارے غم بھول جاؤ گی۔"

پھر انہوں نے چونک کر پوچھا۔ "یہ سجاد کہاں ہے؟"

فراز آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "آپ پوتی سے مل کر یہ بھول ہی گئے کہ پوتا بھی آیا ہو گا۔"

وہ اسے سینے سے لگاتے ہوئے بولے۔ "ہمارے بچے! دادا کی جان! ہم تو کب سے تم سے ملنے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔"

نفاست نے آگے بڑھ کر بڑی گرمجوشی سے فراز کو گلے لگایا۔ جیسے واقعی اس کا بھتیجا لوٹ آیا ہے۔

وہ سب گاڑیوں میں آکر بیٹھ گئے۔ عبادت علی بار بار فراز کے چہرے کو چھو کر یقین

کر رہے تھے کہ یہ سب کچھ خواب نہیں ہے۔ انہیں واقعی کھوئی ہوئی دولت مل رہی ہے۔

گاڑیاں کوٹھی کے گیٹ پر رک گئیں۔ گیٹ کے سامنے بنن چار سیاہ بکروں سمیت کھڑا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ سب گاڑیوں سے اتر کر اس کے قریب آئے۔ عبادت علی نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ بکرے ضرور ہماری بہو بیگم نے سدرہ اور سجاد کا صدقہ اتارنے کے لئے منگوائے ہوں گے۔"

نفاست کبریٰ کی تعریف کرتے ہوئے بولا۔ "کبریٰ ایسے معاملات میں پیچھے نہیں رہتی' کسی نہ کسی طرح اپنی محبتوں کا اظہار کرتی رہتی ہے۔"

بنن نے کہا۔ "بیگم صاحبہ نے کہا ہے کہ پہلے سدرہ بی بی اور سجاد صاحب ان بکروں پر ہاتھ رکھیں گے' پھر اندر آئیں گے۔"

عبادت علی نے مسکرا کر ارمانہ اور فراز سے کہا۔ "چلو سجاد میاں! آؤ سدرہ بیٹی! ان پر ہاتھ رکھو۔ قربانی کی اجازت دو۔ تب ہماری بہو بیگم تمہیں اندر آنے کی اجازت دیں گی۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر چاروں بکروں پر ہاتھ پھیرا۔ پھر وہ سب کھلے ہوئے گیٹ سے کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئے۔

عبادت علی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔ "بھئی یہ کیا طریقہ ہے؟ ہمارے بچوں کے استقبال کے لئے باہر بکرے چھوڑ دیئے' بہو بیگم کہاں ہیں؟"

وہ سب بیرونی دروازے کی طرف بڑھے نفاست نے کہا۔ "کبریٰ کے چھپنے میں بھی کوئی بات ہو گی۔"

مراد نے دروازے کا ہینڈل گھماتے ہوئے کہا۔ "میں یقین سے کہہ سکتا ہوں' ممی دروازے کے پیچھے استقبال کے لئے موجود ہیں۔"

وہ دروازہ کھول کر اندر آئے۔ عبادت علی خالی ڈرائنگ روم کو دیکھ کر بولے۔ "یہاں تو کوئی نہیں ہے۔"

ایسے ہی وقت ان پر گلاب کی پتیوں کی برسات ہونے لگی۔ وہ تمام افراد خوش ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ کبریٰ' اسد' زیبی اور عالیہ مسکراتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ گٹار کی ایک خوبصورت دھن سنائی دے رہی تھی۔

کبریٰ نے آگے بڑھ کر ارمانہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "اسے دیکھتے ہی میری آنکھوں نے پہچان لیا کہ یہ آپ کا خون ہے۔"

عبادت علی نے فخر سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور ہمارے سجاد کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

وہ فراز کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "یہ تو لاکھوں میں ایک ہے۔ میرے تین بیٹے تھے' اب چار ہو گئے ہیں۔"

عبادت علی نے کہا۔ "خبردار! اسے بیٹا نہ کہنا۔"

سب نے پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھا۔ اچانک یوں لگا جیسے ڈھول کا پول کھل گیا ہو۔

عبادت علی مسکرا کر بولے۔ "یہ تمہارا بیٹا نہیں ہے بہو بیگم! ہونے والا داماد ہے۔"

سب ہی کے چہروں پر اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔ زیبی اور فراز ایک دوسرے کو چور نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ عالیہ نے زیبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فراز سے کہا۔ "سجاد بھائی! یہ ہماری زیبی ہے۔ ایک نظر ادھر بھی........."

وہ بولا۔ "میں ایک نہیں ہزار آنکھوں سے دیکھوں گا۔" پھر وہ عبادت علی کے قریب آ کر بولا۔ "لیکن دادا جان سے نظریں نہیں ہٹ رہی ہیں۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرے ابو مجھے دوبارہ مل گئے ہیں۔"

عبادت علی جوشِ جذبات میں اس سے لپٹ گئے۔ نفاست نے ان دونوں کے شانے تھپکتے ہوئے انہیں صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔ ماحول بڑا سوگوار سا ہو گیا تھا۔

زیبی' عالیہ اور ارمانہ سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں۔ ایسے وقت فہمی اور حسرت سیڑھیاں اتر کر ڈرائنگ روم میں آئے۔ کبریٰ نے ارمانہ سے فہمی کا تعارف کرایا۔

نفاست نے فراز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ہیں سجاد میاں تمہارے بڑے ابو کے بیٹے۔"

حسرت نے فراز سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ ہمیں گمشدہ خزانے کی طرح ملے ہیں۔ اب ہم آپ کو گم نہیں ہونے دیں گے۔"

فراز نے کہا۔ "دادا جان کی آنکھیں پہرا دیتی رہیں گی تو میں نہ گم ہو سکوں گا اور نہ کوئی مجھے چرا سکے گا۔"

عبادت علی خوش ہو کر بولے۔ "اسے کہتے ہیں اعتماد .... اپنے دادا پر بھرپور

اعتماد .... پوتے کی زبان سے دادا کا لہو بول رہا ہے۔"

پھرانہوں نے حسرت سے پوچھا۔ "تم اتنی دیر سے کہاں گم تھے؟"

وہ بولا۔ "ابھی آپ گٹار پر پلے کی گئی دھن سن رہے تھے' وہ میں ہی پلے کر رہا تھا۔"

فراز نے پوچھا۔ "اچھا .... تم گٹار پلے کرنا جانتے ہو؟"

"بس یونہی .... شوق پورا کرلیتا ہوں۔ باقاعدہ سیکھا تو نہیں ہے لیکن زندگی کا راگ ہر طرح کا راگ سکھا دیتا ہے۔ جب انسان خوش ہوتا ہے' تب خوشی کی دھن بجاتا ہے اور غمگین ہو تو دھن کی لے بھی افسردہ سی ہو جاتی ہے۔"

ارمانہ دوسری طرف منہ پھیرے کھڑی تھی۔ حسرت نے اب تک اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ کبریٰ نے آگے بڑھ کر حسرت سے کہا۔ "اچھا .... زیادہ فلسفہ نہ بگھارو' اس سے ملو' یہ سدرہ ہے۔ تمہارے بڑے ابو کی بیٹی۔"

ارمانہ نے پلٹ کر حسرت کو دیکھا تو وہ ایکدم سے چونک گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی محبت یوں اچانک زندگی کے کسی موڑ پر سامنے آکر اُسے حیران کر دے گی۔

ہاں .... ارمانہ ہی اس کی پہلی محبت تھی۔ اس کی بے وفائی نے ہی حسرت کو نشہ کرنے پر مجبور کیا تھا لیکن انصاف کیا جائے تو ارمانہ نے بے وفائی نہیں کی تھی۔ اس نے تو صرف شاندار مستقبل پانے کے لئے دولتمند آئیڈیل کی تمنا کی تھی۔ غلطی تو حسرت کی تھی۔ اس نے خود کو ارمانہ کے سامنے بے روزگار اور مفلس ظاہر کیا تھا۔ اس کے جھوٹ نے ارمانہ کو اپنا راستہ بدل لینے پر مجبور کیا تھا۔ کیا اچھے مستقبل کے خواب بننا یا روشن مستقبل کی تمنا کرنا ایک لڑکی کے لئے گناہ ہے؟ بے وفائی ہے؟ اگر ہاں .... تو ارمانہ نے یہ گناہ' یہ بے وفائی کی تھی اور وہ اس کا اعتراف بھی کر رہی تھی۔

حسرت کے کانوں میں اُسی فون کال پر کہے گئے جملے گونجنے لگے۔ "میں نے کہا تھا میں پھر تمہاری زندگی میں آرہی ہوں .... ایک نئے انداز سے۔"

ارمانہ نے مسکراتے ہوئے حسرت سے کہا۔ "میں نے کہا تھا نا .... ہم پھر ملیں گے۔"

عبادت علی نے حیران ہو کر پوچھا۔ "تم ایک دوسرے کو جانتے ہو؟"

نفاست نے پریشان ہو کر مراد کی طرف دیکھا۔ وہ بھی پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ ارمانہ نے کہا۔ "دادا جان! ہم پہلے کئی بار مل چکے ہیں۔"

ایک لمحے میں تمام افراد کو یوں لگا جیسے یہ ماڈل گرل ڈھول کا پول کھولنے والی ہے۔ سب ہی کے چہروں پر پریشانی کی شکنیں بن' بگڑ رہی تھیں۔ سب ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ سب کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا۔ "اب کیا ہوگا؟"

ارمانہ نے کہا۔ "میں نے حسرت کو اپنا اصلی نام نہیں بتایا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ہم ایک ہی دادا کی اولاد ہیں؟"

کسی کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ عبادت علی بھی حیرت سے کبھی حسرت کو تک رہے تھے' کبھی ارمانہ کو دیکھ رہے تھے۔

حسرت نے کہا۔ "تم نے اپنا نام کیوں چھپایا تھا؟"

ارمانہ عبادت علی کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ "میں حالات سے مجبور تھی۔ ابو سخت بیمار تھے۔ بھائی جان بے روزگار تھے' میں نام بدل کر ارمانہ کے نام سے ماڈلنگ کرنے لگی تاکہ خاندان کا نام بدنام نہ ہو۔ اس دوران میں میری ملاقات حسرت سے ہوئی تھی۔"

عبادت علی نے کہا۔ "جو بدترین حالات گزر چکے ہیں ان پر مٹی ڈالو۔ ارمانہ مجبور تھی' وہ مجبور لڑکی مرچکی ہے۔ تم سید عبادت علی شاہ کی پوتی ہو۔ مجبوریوں کو ٹھکرانے والی شہزادی ہو۔"

نفاست اور مراد نے سکون کی ایک گہری سانس لی۔ عبادت علی نے حسرت سے پوچھا۔ "ویسے تم دونوں کہاں ملتے رہے ہو؟"

وہ بولا۔ "کبھی کراچی' کبھی لاہور اور کبھی اسلام آباد میں .... کہیں نہ کہیں ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔"

وہ بولے۔ "تم نے سدرہ کو کیوں نہیں بتایا کہ ہمارے پوتے ہو؟"

ارمانہ بولی۔ "یہ مجھ سے جھوٹ بولتے رہے' خود کو غریب اور بے روزگار ظاہر کرتے رہے۔"

کبریٰ نے آگے بڑھ کر حسرت سے کہا۔ "تم احمق ہو' اگر سدرہ سے سچ کہہ دیتے تو یہ بہت پہلے ہی ہم سے ملنے چلی آتی۔"

نفاست نے بھی مداخلت کی۔ "یہ دونوں ہی ایک دوسرے سے جھوٹ بولتے رہے۔ ان کی شرارتوں کی وجہ سے ہمارا سجاد بھی ہم سے دور رہا۔ اگر پہلے ہی ملن ہوگیا ہوتا تو شاید مرحوم بھائی جان سے بھی ملاقات ہو جاتی۔"

کبریٰ نے کہا۔ "چلیں .... جو ہوگیا' اُسے بھول جائیں۔ شام کو ان کی شادی

ہے۔ بہت سے کام ادھورے پڑے ہیں۔"

فراز نے پوچھا۔ "کس کی شادی ہے؟"

کبریٰ نے کہا۔ "حسرت اور فہمی کی۔"

ارمانہ نے چونک کر سر اٹھا کر حسرت کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے خوابوں میں حسرت کی سیج پر خود کو دلہن کے روپ میں دیکھتی رہی تھی۔ یہاں آنے سے پہلے اور یہاں آنے کے بعد وہ بہت جلد اس خواب کی تعبیر حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن شاید دیر ہو چکی تھی۔

☆======☆======☆

شام ہوتے ہی عبادت علی کی عالیشان کوٹھی رنگین قمقموں اور جا بجا لگی بڑی بڑی رنگا رنگ لائٹس سے جگمگا اٹھی۔

ڈھولک کی تھاپ پر سہاگ کے گیت سنائی دے رہے تھے۔ پوری کوٹھی میں قہقہوں اور خوشیوں بھری آوازوں نے ڈیرے جما لئے تھے۔ کبریٰ' نفاست اور عبادت علی سب سے زیادہ خوش نظر آ رہے تھے۔ کوٹھی میں اتنا شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی لیکن جس دلہن کے لئے اس کوٹھی کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا اس کے کانوں میں اب بھی وہی خاموشی تھی۔ کوئی صدا نہیں ابھری تھی۔ ڈھولک کی تھاپ اور سہاگ کے گیت اس کے کانوں میں پیا کے نام کی سرگوشی نہیں کر رہے تھے۔

لیکن ہاں وہ دوسروں کے چہروں کو پڑھنا جانتی تھی۔ اسے ہر چہرہ خوشی سے دمکتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس لئے وہ بھی خوش ہو رہی تھی۔ اس نادان کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کبریٰ بار بار آ کر اس کی بلائیں کیوں لے رہی ہے؟ زیبی اور عالیہ فہمی کو دلہن بنانے سے پہلے اسے دلہن کا روپ دکھانا چاہتی تھیں۔ زیبی نے ایک البم اس کے سامنے کھول کر دلہن کی تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے اشاروں سے کہا۔ "یہ دلہن ہے۔ آج تمہیں اسی طرح دلہن بنایا جائے گا۔"

عالیہ نے پوچھا۔ "تم دلہن بنو گی نا؟"

اس نادان نے خوش ہو کر ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ پھر تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے اشاروں میں کہنے لگی۔ میں بھی ایسا ہی لباس پہنوں گی۔ ناک میں نتھ اور ماتھے پر جھومر سجاؤں گی۔

عالیہ اس کے اشاروں کو سمجھتے ہوئے بولی۔ "ہاں .... تمہیں اس سے بھی اچھی دلہن بنایا جائے گا۔ اب یہ دوسری تصویر دیکھو .... دلہن نکاح قبول کر رہی ہے' دستخط کر رہی ہے۔ تم بھی یہی کرو گی۔"

فراز دروازہ کھول کر اندر آیا۔ زیبی فہمی کو دولہا کی تصویر دکھاتے ہوئے کہہ رہی

تھی۔ ”یہ دولہا ہے‘ حسرت کو اسی طرح دولہا بنایا جائے گا۔“

زیبی کی نظر فراز پر پڑی تو ایکدم سے شرما گئی۔ وہ مسکرا کر بولا۔ ”اسے سمجھاؤ کہ دلہن تمہاری طرح شرماتی بھی ہے۔“

ایسے ہی وقت مراد دروازہ کھول کر اندر آیا۔ پھر چاروں طرف دیکھ کر بولا۔ ”سدرہ کہاں ہے؟“

عالیہ نے کہا۔ ”ہے .... مگر آپ کو نظر نہیں آئے گی۔“

”مذاق نہ کرو......... سدرہ کہاں ہے؟“

زیبی نے کہا۔ ”بھائی جان! دل کی آنکھوں سے تلاش کریں۔ ہماری ہونے والی بھابی مل جائے گی۔“

وہ ناگواری سے پلٹ کر باہر جاتے ہوئے بڑبڑایا۔ ”نہ جانے اتنی بڑی کوٹھی میں کہاں چھپی ہوئی ہے؟“

مراد کافی دیر سے ارمانہ کو تلاش کر رہا تھا لیکن وہ مل نہیں رہی تھی۔ ملتی بھی کیسے‘ دولہا کے کمرے میں دلہن کو ہونا چاہئے لیکن دلہن کے بجائے ارمانہ حسرت کے کمرے میں پہنچی ہوئی تھی۔

حسرت باتھ روم میں تھا۔ وہ بیڈ پر رکھی دولہا کی پگڑی شیروانی اور نئے جوتوں کو دیکھ رہی تھی۔ پھر غصے سے آگے بڑھی اور ایک ایک چیز کو اٹھا کر پھینکنے لگی۔

حسرت واش روم سے باہر آیا پھر بولا۔ ”ارے .... ارے .... یہ .... یہ کیا کر رہی ہو؟“

وہ غصے سے غرائی۔ ”اور کیا کروں‘ میں آج ہی یہاں آئی ہوں۔ دادا جان سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ تمہارے لئے آئی ہوں۔ تمہارے ان کپڑوں کو آگ تو لگا سکتی ہوں۔“

”تم نے مجھے غریب سمجھ کر میری محبت کو ٹھکرا دیا تھا۔ اب کیوں محبت جتا رہی ہو؟“

وہ اسے غصے سے گھورتے ہوئے بولی۔ ”پہلے تم نے جھوٹ بولا تھا۔ اسی جھوٹ کی خاطر مجھے اپنا راستہ بدلنا پڑا۔“

”میں مانتا ہوں‘ ہر لڑکی اپنا شاندار مستقبل بنانا چاہتی ہے۔ تمہاری طرح دولتمند بننا چاہتی ہے۔ تعجب ہے‘ تم پہلے ہی دادا جان کے پاس کیوں نہیں آ گئیں؟“

ارمانہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ اسے سدرہ ہی سمجھ رہا تھا۔ وہ بھی

مجبور تھی۔ زبان نہیں کھول سکتی تھی۔ پھر ذرا توقف کے بعد بولی۔ ”یہ سوال ابھی نہ کرو۔ اس کا جواب رفتہ رفتہ کھلے گا۔“

”کیا میرا یہ سوال بہت پُراسرار ہے‘ جس کا جواب رفتہ رفتہ کھلے گا؟“

وہ بات کا رخ بدلتے ہوئے بولی۔ ”بحث نہ کرو۔ یہ دیکھو کہ میں وعدے کے مطابق پھر تمہارے پاس چلی آئی ہوں۔“

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”دولت کی کشش لے آئی ہے۔“

”مجھے لالچی مت کہو۔ اگر تم اس خاندان میں نہ ہوتے تو میں دولت کے لالچ سے آتی۔ مگر میں تمہاری خاطر یہاں آئی ہوں اور تمہارے لئے ہی یہاں رہوں گی۔ کیا تم اس شادی سے انکار نہیں کر سکتے؟“

”یہ شادی دادا جان کی مرضی سے ہو رہی ہے۔ یہاں آئی ہو تو اچھی طرح سمجھ لو‘ یہاں کا ہر فرد دادا جان کی مرضی سے سانس لیتا ہے۔“

وہ خلا میں گھورتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ ”اب میں آ گئی ہوں تو تم بھی سن لو‘ اب دادا جان میری مرضی سے سانس لیا کریں گے۔“

وہ مسکرا کر بولا۔ ”چیونٹی پہاڑ کو چیلنج کر رہی ہے؟“

”میں یہاں آتے ہی دادا جان سے الجھنا نہیں چاہتی۔ تم یہ نہ سمجھو کہ میری زندگی میں کوئی دوسرا آئے گا۔ اس گھر میں پھر شادیانے بجیں گے‘ پھر تمہارے سر پر سہرا بندھے گا اور میں اس کمرے میں تمہاری دلہن بن کر آؤں گی۔“

وہ بڑے اعتماد سے بول رہی تھی۔ حسرت خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کمرے سے باہر جانے کے لئے دروازے کی طرف بڑھی پھر رک کر پلٹ کر بولی۔ ”مجھے ایک گونگی‘ بہری سوکن منظور ہے۔“

وہ حسرت کو سوچتا ہوا چھوڑ کر دروازہ کھول کر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد مراد دروازہ کھول کر اندر آیا۔ وہ ارمانہ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس کے کمرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”کیا ہو رہا ہے دولہے میاں!“

وہ چونک کر بولا۔ ”کیا ہونا ہے‘ شادی ہو رہی ہے۔“

وہ اُس کے قریب آتے ہوئے بولا۔ ”ایک بات بتاؤ تم شادی سے انکار کرتے کرتے راضی کیسے ہو گئے؟“

”میں راضی نہ ہوتا تو وہ تمہارے پلے باندھ دی جاتی اور میں یہ نہیں چاہتا تھا۔

آگے کچھ نہیں کہوں گا' تم سمجھدار ہو۔"

وہ حقارت سے بولا۔ "یہی تمہاری اوقات ہے' گونگی بہری کے سوا کوئی دوسری تمہیں نہیں ملے گی۔"

"دوسری یہاں تھی' ابھی اٹھ کر گئی ہے۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "کون؟"

"سدرہ.........."

وہ بے یقینی سے بولا۔ "کیا.......... سدرہ یہاں تھی' وہ یہاں کیا کر رہی تھی؟"

"تمہاری اوقات بتانے آئی تھی۔ پیچھے پیچھے بھاگنے کے باوجود وہ تمہیں حاصل نہیں ہو گی۔"

وہ غصے سے اور ناگواری سے اسے گھورتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ حسرت مسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ میں ارمانہ کے لئے محبت ہی محبت بھری ہوئی تھی۔ واقعی وہ صرف دولت کی لالچی ہوتی تو مراد سے شادی کر کے دولت حاصل کر سکتی تھی۔ مگر نہیں' وہ دولت کے ساتھ ساتھ محبت بھی حاصل کرنا چاہتی تھی۔ حسرت اس کے بارے میں بڑی اپنائیت سے سوچنے لگا۔

فراز عبادت علی کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آیا تو وہ بولے۔ "بیٹا! تم کہاں ہو' ہم نے ابھی ببن کو بھیجا ہے' وہ تمہیں ڈھونڈنے گیا ہے۔"

"دادا جان! آپ نے اتنی بڑی کوٹھی بنوائی ہے کہ یہاں سب ایک دوسرے کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔"

"ہم تمہارے لئے اس سے بھی شاندار کوٹھی بنوائیں گے۔ ایک مدت تڑپانے کے بعد ہمارے پاس آئے ہو۔ آؤ بیٹھو.......... ہم سے باتیں کرو۔"

وہ اتنی محبتیں دے رہے تھے کہ فراز خاموشی سے سر جھکائے ان کے سامنے شرمندہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے پھر کہا۔ "آؤ.......... ہمارے قریب بیٹھو۔"

وہ بولا۔ "یہاں تو اتنے رشتہ دار ہیں کہ سب مجھے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ میں ان سے بچتا بچاتا آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"تم ہمارے پوتے ہو' سب ہی تمہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ تمہیں اپنے سروں پر بٹھائیں گے۔ جب تمہارا باپ ناراض ہو کر یہاں سے گیا تھا تب بھی ہم شان و شوکت والے تھے۔ آج تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ کاروباری دنیا میں ہم کتنا اونچا مقام رکھتے ہیں۔

تم سب کروڑوں اور اربوں کی دولت اور جائیداد کے مالک ہو۔"

فراز شرمندگی سے سر جھکا کر بولا۔ "آپ نہ بتائیں۔ تب بھی میں اندازہ کر سکتا ہوں۔ آپ نے تو دیکھا ہے' ہمیں دولت کا لالچ ہوتا تو ہم ابو کو ناراض کر کے آپ کے پاس چلے آتے۔ مگر ہم ابو کو خوش رکھنے کے لئے آپ کی دولت کو نظرانداز کرتے رہے۔"

ارمانہ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "دادا جان! آپ یہاں ہیں' میں آپ کو مہمانوں میں تلاش کر رہی تھی۔"

"اور ہم اپنی بیٹی کو پوچھتے پھر رہے ہیں۔ وہ باؤلا مراد بھی تمہیں ڈھونڈ رہا ہے۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "باؤلے یہی کرتے ہیں۔ سائے کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ میں آپ سے ضروری بات کرنے آئی ہوں۔"

"دادا کی جان! ایک نہیں ہزار باتیں کرو۔ بولو کیا بات ہے؟"

وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ "اللہ میاں نے ایک مدت کے بعد مجھے آپ سے ملایا ہے' آپ اس خوشی میں مجھے کیا دیں گے؟"

"جو مانگو گی' وہ ملے گا۔ زبان سے نکلی ہوئی ہر خواہش پوری ہو گی۔"

وہ بولی۔ "میں مانگنا تو چاہتی ہوں مگر آج نہیں' پھر کسی دن۔"

"آج کیوں نہیں؟"

"آج صرف وعدہ کریں۔ میں جو مانگوں گی وہ دیں گے۔ میرا آج کا مطالبہ آپ پر قرض رہے گا۔"

انہوں نے ہنستے ہوئے مراد کی طرف دیکھا پھر کہا۔ "آج تک ہم نے کبھی کسی سے قرض نہیں لیا۔ ہماری پوتی یہاں آتے ہی ہمیں قرضدار بنا رہی ہے۔ کوئی بات نہیں' جب چاہو گی ہم تمہارا قرض اتار دیں گے۔"

وہ اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "وعدہ..........؟"

انہوں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "وعدہ۔"

وہ خوشی سے دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ عبادت علی نے مسکراتے ہوئے سینٹر ٹیبل پر رکھی ہوئی البم کھولی' پھر تصویریں دیکھتے ہوئے بولے۔ "تمہارا باپ ناراض ہو کر گیا۔ جاتے جاتے اس گھر سے کچھ نہیں لے گیا۔ کم از کم تصویریں تو لے جاتا' تم ان تصویروں کو دیکھ کر ہمیں چہرے سے پہچانتے رہتے۔"

فراز محبت اور ہمدردی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر بولا۔ ”دادا جان! آپ سدرہ اور سجاد کو بہت چاہتے ہیں؟“

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ ذرا سنبھل کر بولا۔ ”میرا مطلب ہے‘ آپ مجھے اور سدرہ کو بہت چاہتے ہیں؟“

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”ہم نہیں بتا سکتے کہ تمہیں کتنا چاہتے ہیں؟ انسان کے پاس اس کی آخری چیز اس کی جان رہ جاتی ہے۔ تم جان مانگو‘ ہم جان بھی دے دیں گے۔“

وہ ذرا شرمندہ سا ہو کر بولا۔ ”آپ اپنی جان دینے کی بات کر رہے ہیں۔ میں تو اپنی عمر بھی آپ کو دینا چاہتا ہوں۔“

وہ فراڈ کر رہا تھا۔ محبت سے مجبور ہو کر ایک بوڑھے شخص کے خلوص اور جذبات سے کھیل رہا تھا۔ مگر اس وقت جو کہہ رہا تھا‘ وہ دل کی گہرائیوں سے کہہ رہا تھا۔

وہ خوشی سے نہال ہو کر اس سے لپٹ کر بولے۔ ”ہماری جان! ہمارے بچے‘ ہم ایسی ہی محبتوں کے لئے ترس رہے تھے‘ ایک مدت سے انتظار کر رہے تھے۔“

”بیس برس کا عرصہ کم نہیں ہوتا‘ اس عرصے میں امیدیں دم توڑ دیتی ہیں۔ مایوسی کہتی ہے‘ اب بچھڑے ہوئے نہیں ملیں گے۔ مگر آپ مایوس نہیں ہوئے۔“

”ہم اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیوں سے کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ مایوسی کفر ہے‘ ہم نے کفر نہیں کیا۔ دیکھ لو‘ اللہ تعالیٰ نے تمہاری صورت میں ہمیں کتنا بڑا انعام دیا ہے۔“

فراز نے محتاط نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا پھر ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ”آپ .... آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں ہی آپ کا سجاد ہوں؟“

وہ مسکرا کر بولے۔ ”ہم کیا کہیں گے‘ ہمارا دل کہتا ہے۔ تم سجاد ہو۔ تمہیں دیکھ کر ہمارا خون جوش مارتا ہے۔ ہمارے اندر سے آواز آتی ہے۔ تم ہی ہمارے بیٹے کے بیٹے ہو اور آخری وقت میں ہمیں کاندھا دینے آئے ہو۔“

وہ جبراً مسکرایا۔ مگر ضمیر اندر سے کچوکے لگا رہا تھا۔ محبت نے ایک ایماندار دل کو بے ایمانی پر مجبور کر رکھا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا ان کے کمرے سے باہر آگیا کہ کہیں بے ساختگی میں ضمیر کی بات زبان پر نہ آ جائے۔ وہ ان کی محبت اور چاہت سے بوجھل ہو گیا تھا۔ اس لئے ایک سچے بزرگ کے سامنے زیادہ دیر کھڑا نہ رہ سکا۔

وہ بوجھل قدموں سے کوریڈور سے گزر رہا تھا۔ ایسے ہی وقت اس کی نظر زیبی پر

پڑی۔ وہ نیلے رنگ کے کامدار لباس میں کسی دیس کی پری لگ رہی تھی۔ نازک جیولری نے اس کے حُسن کو دو آتشہ بنا دیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی فراز کے دل کا بوجھل پن دور ہو گیا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب جانے لگا۔

وہ ڈرائنگ روم میں مہمانوں کے پاس جا رہی تھی۔ فراز نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا پھر اسے اپنے قریب کھینچ لیا۔ دیوار کی آڑ میں وہ اس کے کشادہ سینے سے آ لگی۔ ایک لمحے کے لئے آس پاس کا سارا منظر غائب ہو گیا۔ کوٹھی کا شور کہیں دب گیا۔ صرف سانسوں کی آہٹ اور گرمائش باقی رہ گئی۔

پھر اچانک ہی جیسے زیبی کو ہوش آگیا۔ وہ اس سے الگ ہو کر اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔ ”چھوڑو میرا ہاتھ‘ کیا کر رہے ہو؟ کوئی دیکھ لے گا۔“

وہ کندھے اچکا کر بولا۔ ”دیکھنے دو .... تتلی کی طرح اِدھر سے اُدھر اڑتی پھر رہی ہو اور مجھے مسلسل نظرانداز کر رہی ہو۔“

وہ ایک ادا سے بولی۔ ”تتلی صرف پھولوں پر بیٹھتی ہے۔“

”مجھ گوبھی کا پھول سمجھ کر آ بیٹھو۔“

زیبی اس کی بات سن کر ہنسنے لگی۔ فراز اسے محبت سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”اس طرح نہ ہنسو .... کوئی بھگا کر لے جائے گا۔“

”یہ تعریف کر رہے ہو یا بددعا دے رہے ہو؟“

فراز مسکرانے لگا پھر ذرا سنجیدگی سے بولا۔ ”میں ابھی دادا جان کے پاس تھا‘ وہ مجھ سے ایسی باتیں کر رہے تھے کہ میں پیار سے پگھل کر رہ گیا۔“

”ہاں .... ہمارے دادا جان بہت اچھے ہیں۔“

”اتنے اچھے انسان کو دھوکہ نہیں دینا چاہئے۔“

وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”تم .... کہنا کیا چاہتے ہو؟“

وہ کچھ پریشان ہو کر بولا۔ ”میں کیا بتاؤں؟ میرے اندر ایک بے چینی سی رہتی ہے۔ وہ سرپرست ہیں‘ مہربان بزرگ ہیں۔ ان کی ذات سے تم سب کو عیش و آرام کی زندگی نصیب ہو رہی ہے۔ کیا اُن سے جھوٹ بولنا چاہئے؟ کیا انہیں دھوکہ دینا مناسب ہے؟“

”ہم جو کر رہے ہیں اس سے دادا جان کو نقصان نہیں پہنچ رہا ہے۔ ان کا پوتا کہیں مر کھپ گیا ہے۔ ڈیڈی تمہیں سجاد بنا کر انہیں خوشیاں دے رہے ہیں۔“

وہ تائید میں بولا۔ ”ہاں .... یہ تو ہے‘ پھر بھی........“

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "پھر بھی تمہارا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ تم اپنے اندر کی سچائی اور ایمانداری سے مجھے ڈرایا نہ کرو اور خدا کے لئے .... کوئی گڑبڑ نہ کرنا۔"

"نہیں کروں گا لیکن یہاں تم ہی میری ہو۔ میرے اندر جو کچھ ہوتا ہے تو تم سے کہہ دیتا ہوں۔"

"مجھ سے کہتے رہو لیکن کبھی یہاں کی دیواروں سے بھی کچھ نہ کہنا۔"

پھر وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔ "اب چھوڑو میرا ہاتھ' میں فہمی کے پاس جا رہی ہوں۔ عالیہ نے اب تک اسے دلہن بنا دیا ہو گا۔"

وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر تیزی سے چلتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئی اور فراز گم صم سا کھڑا اس کوٹھی کے افراد کے بارے میں سوچنے لگا۔

زیبی وہاں سے چلتی ہوئی فہمی کے کمرے میں آئی۔ عالیہ نے اسے بہت خوبصورتی سے سجایا تھا۔ وہ معصوم اور نادان تھی' شادی بیاہ کے معاملات کو نہیں سمجھتی تھی مگر یہ قدرتی بات تھی کہ وہ دلہن کے روپ میں بہت بچ رہی تھی۔ دل موہ لینے والی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے کبریٰ کو اپنا لباس اور زیور دکھا رہی تھی۔

کبریٰ نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔ "میری بہو لاکھوں میں ایک ہے' اسے جو دیکھے گا' دیکھتا ہی رہ جائے گا۔"

وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ دل اور آنکھیں بے اختیار اس کی طرف کھنچی جا رہی تھیں۔ اس وقت زیبی کے دل میں ایک خواہش مچلی کہ کاش! فہمی بول سکتی' سن سکتی۔

عبادت علی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "ماشاء اللہ ہماری بیٹی تو دلہن بن کر پہچانی نہیں جا رہی ہے۔ بھئی اسے کالا ٹیکا لگاؤ' نظر لگ جائے گی۔"

پھر انہوں نے کبریٰ سے کہا۔ "بہو بیگم! قاضی صاحب آ چکے ہیں فہمی کو پردہ کراؤ۔ ہم انہیں یہاں لے کر آئیں گے تاکہ نکاح کی رسم ادا کر دی جائے۔"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "جی بہتر.........."

وہ وہاں سے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ ڈرائنگ روم مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ شہر کی تقریباً تمام معزز ترین ہستیاں وہاں موجود تھیں۔

قاضی صاحب وکیل سے کہہ رہے تھے۔ "دلہن گونگی اور بہری ہے۔ میں نے کبھی گونگے بہروں کا نکاح نہیں پڑھایا جو نکاح کے بول نہ سن سکتی ہو' زبان سے نکاح قبول نہ

کر سکتی ہو۔ اس کے بارے میں کیسے یقین کیا جائے کہ وہ ازدواجی رشتے کو سمجھتی ہے؟"

وکیل نے کہا۔ "میں قانونی معاملات میں فہمی کا وکیل ہوں۔ میں اسے بچپن سے جانتا ہوں۔ ہماری دنیا میں جتنے گونگے اور بہرے ہیں ان سب کی شادیاں ہوتی ہیں۔ آپ نکاح پڑھائیں۔"

عبادت علی نے کہا۔ "وہ زبان سے نکاح قبول نہیں کرے گی' اشاروں کی زبان سمجھ کر نکاح نامے پر دستخط کرے گی۔"

نفاست نے قاضی صاحب سے کہا۔ "یہ دلہن کے نانا ہیں اور میں اس کا چچا پھوپھا ہوں۔ ہم سب اس کے نکاح کی گواہی دیں گے۔ آپ اللہ کا نام لے کر ہمارے ساتھ چلیں اور نکاح نامے پر دلہن کے دستخط لیں۔"

نفاست نے اٹھتے ہوئے قاضی صاحب کو دلہن کے پاس چلنے کو کہا۔ پھر وہ وکیل کو اور قاضی کو لے کر فہمی کے کمرے میں آ گیا۔ کبریٰ نے گھونگھٹ میں اس کا چہرہ چھپا دیا تھا۔ نفاست اس کے قریب بیٹھ کر نکاح نامے پر انگلی رکھ کر بولا۔ "یہاں دستخط کرو۔"

وہ کچھ سمجھ نہ پائی کبریٰ نے کہا۔ "اشاروں میں سمجھائیں۔"

نفاست نے فہمی کا ہاتھ پکڑ کر نکاح نامے پر رکھا پھر قلم دیتے ہوئے اشاروں میں اسے سمجھانے لگا۔ "یہاں اپنا نام لکھو۔"

وہ سمجھ گئی۔ نکاح نامے پر اپنا نام لکھنے لگی۔ یہ جمال ہمدانی کی تربیت تھی جو آج عبادت علی کے کام آ رہی تھی۔ فہمی اکثر کسی نہ کسی کاغذ پر اپنا نام لکھ دیتی تھی۔ مگر وہ نادان یہ نہیں جانتی تھی کہ آج وہ زندگی کے کتنے اہم کاغذ پر اپنا نام لکھ رہی ہے۔

کچھ دیر بعد نکاح کی رسم ادا کر دی گئی۔ حسرت نے بھی اسے قبول کر لیا۔ ہر طرف "مبارک ہو .... مبارک ہو" کی صدائیں گونجنے لگیں۔ مہمان خواتین فہمی کو اور کبریٰ کو مبارکباد پیش کر رہی تھیں۔ مگر وہ ایسی دلہن تھی جو اپنی شادی کی مبارکباد بھی وصول نہیں کر سکتی تھی۔

رات کے تقریباً دو بجے کبریٰ' عالیہ اور زیبی نے فہمی کو حسرت کے کمرے میں پہنچا دیا۔

پھولوں کی سیج پر بیٹھی ہوئی دلہن ہلکی سی آہٹ پر بھی چونک جاتی ہے۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتی ہیں۔ ایسے وقت وہ ذرا اور اپنے آپ میں سمٹ جاتی ہے۔

مگر وہ سجے ہوئے کمرے اور سیج کو دیکھ رہی تھی۔ بستر پر بچھی گلاب کی پتیوں کو

ہاتھوں میں بھر کر سونگھ رہی تھی۔ شاید وہ مالی کے ہاتھوں کی خوشبو ان پتیوں میں تلاش کر رہی تھی۔

حسرت دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا۔ پھر دروازے کو لاک کر کے دھیرے دھیرے فہمی کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ عجیب دلہن تھی' دولہا کی آمد پر خوش ہو رہی تھی۔ اپنے گونگے اشاروں سے حسرت کو کمرے کی سجاوٹ دکھا رہی تھی۔

دولہا بستر پر آ کر بیٹھتا ہے تو دلہن لاج اور شرم سے سمٹ جاتی ہے۔ مگر وہ دلہن اس کے بیٹھتے ہی اس کے قریب ہو گئی' محبت سے نہیں' معصومیت سے گلاب کی پتیوں سے بھرے ہاتھوں کو اس کے چہرے کے نزدیک لے جاتے ہوئے اشاروں کی زبان میں بولی۔

"انہیں سونگھو۔"

حسرت مسکرا کر نئی نویلی دلہن کی پہلی خواہش پوری کرنے لگا۔ کتنی معصوم سی خواہش تھی؟

وہ خوش ہو گئی۔ حسرت نے کہا۔ "تم کتنی معصوم ہو' یہ بھی نہیں جانتی کہ دولہا آئے تو دلہن کو گھونگھٹ میں منہ چھپانا چاہئے' شرمانا چاہئے۔ تم بہت خوش ہو لیکن ایک نئی خوشی اور نئے جذبوں سے ناآشنا ہو۔"

فہمی نے اس کے تھرکتے ہوئے ہونٹوں کو دیکھ کر اشاروں میں پوچھا' کیا کہہ رہے ہو؟

حسرت نے اشاروں میں اسے کہا۔ "آج میں تمہیں کوئی بات نہیں سمجھا سکوں گا۔ تم چپ رہو۔ مجھے بولتے رہنے دو۔ میرے دل میں تمہارے لئے جو پیار ہے' اس میں پاکیزگی ہے۔"

اس نے اپنی جیب سے ایک کاغذ اور قلم نکالا پھر اسے فہمی کے سامنے رکھتے ہوئے اشاروں کی زبان میں بولا۔ "اس کاغذ پر دستخط کرو۔"

فہمی نے اس کے ہاتھ سے قلم لے کر اس کاغذ پر اپنا نام لکھ ڈالا۔ وہ نادان نہیں جانتی تھی کہ نفاست علی نے جس کاغذ پر اس کے دستخط لئے تھے وہ کاغذ ایک نئے رشتے کا سنگِ میل تھا۔ مگر حسرت نے جس کاغذ پر اس سے دستخط لئے تھے اس نے چند لمحوں میں ہونے والے نئے رشتے کو توڑ ڈالا تھا۔ فہمی کے لئے تمام کاغذ ایک جیسے تھے۔ پہلے نفاست نے کہا۔ "اپنا نام لکھو۔" اس نے لکھ دیا' نکاح ہو گیا۔ پھر حسرت نے کہا۔ "اپنا نام لکھو۔" اس نے لکھ دیا' نکاح ٹوٹ گیا۔ پل بھر میں جڑنے والا رشتہ' پل بھر میں ٹوٹ گیا

لیکن فہمی کو اس تمام کارروائی سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔ اپنا نام لکھ کر حسرت کو کاغذ دکھا رہی تھی۔

وہ بولا۔ "اس طلاق نامے پر دادا جان پہلے ہی دستخط کر چکے ہیں۔ وہ گواہ ہیں' ہمارے رازدار ہیں۔"

یہی وہ کاروباری گُر تھے جنہیں دادا نے پوتے کے دل و دماغ میں منتقل کر دیا تھا۔ ان دونوں نے بند کمرے میں یہی منصوبہ بنایا تھا کہ شادی ہو گی' نکاح ہو گا مگر اسی رات طلاق بھی ہو جائے گی۔ گھر کے سرپرست کی سرپرستی حاصل ہو تو گھر کے چھوٹے افراد بڑے سے بڑا کام کرنے میں نہیں جھجکتے۔

نئی نویلی دلہن نے بخوشی سہاگ کی سیج پر بیٹھ کر طلاق نامے پر دستخط کر ڈالے اور گھر کے کسی فرد کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی کہ جس لڑکی کو رات کو سہاگن بنا کر کمرے میں بھیجا گیا تھا وہ صبح اس کمرے سے باہر آئے گی تو مطلقہ ہو گی۔ مگر صبح بھی یہ راز راز ہی رہے گا۔ سوائے عبادت علی اور حسرت کے کسی کو خبر نہیں ہو گی کہ فہمی کو طلاق مل چکی ہے۔ سب ہی اسے سہاگن کہیں گے۔

فہمی فجر کے وقت بیدار ہونے کی عادی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھی تو اس کی نظر صوفے پر سوئے ہوئے حسرت پر پڑی۔ اسے یاد آیا کہ وہ پچھلی رات کمرے میں آیا تھا۔ پھر جب اسے نیند آئی تھی تو وہ اٹھ کر صوفے پر لیٹ گیا تھا۔

اس نے ایک نظر پھولوں بھرے بستر پر ڈالی۔ پھر عروسی لباس کو سنبھالتی ہوئی بیڈ سے اتر گئی۔ وہ بیدار ہو کر سب سے پہلے باغیچے میں جاتی تھی۔ اس نے کھڑکی کے پردے کو سرکا کر دیکھا' باغیچہ ویران دکھائی دے رہا تھا۔

وہ باہر جانے کے لئے دروازے کی طرف بڑھی تو عروسی لباس رکاوٹ بن گیا۔ وہ اس میں الجھ کر گرتے گرتے بچی۔ اس نے فوراً ہی بیڈ کا سہارا لیا۔ پھر کچھ سوچ کر الماری کی طرف بڑھی۔ اس بار وہ ایک ایک قدم سنبھل سنبھل کر اٹھا رہی تھی۔ اس نے الماری کے پٹ کھولے' پھر ایک لباس نکال کر واش روم میں چلی گئی۔

عروسی جوڑے کا بھاری پن اسے کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ اُس بوجھ کو واش روم میں اتار کر دوسرا لباس زیب تن کر کے کمرے سے باہر چلی گئی۔ حسرت اب بھی گہری نیند میں تھا۔

وہ باغیچے میں آ کر گھاس پر پڑے ہوئے مالی کے سامان کو حسرت سے تکنے لگی۔

عبادت علی نے ہاں آکر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک گئی۔ ان کے سینے سے لگ کر سسک پڑی۔۔ وہ اسے محبت سے تھپکتے ہوئے اپنے کمرے میں لے گئے۔

صبح کے نو بجے تو عالیہ نے زیبی کو جگاتے ہوئے کہا۔ ”زیبی! اٹھو .... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“

وہ کسمسا کر بولی۔ ”اتنی جلدی کیوں اٹھا رہی ہو؟“

”ارے .... بھول گئیں۔ اپنی بھابی کے پاس نہیں جاؤ گی؟“

وہ کروٹ بدلتے ہوئے بولی۔ ”ایسی بھی کیا جلدی ہے؟ دولہا‘ دلہن ابھی سو رہے ہوں گے۔“

”میں نے سنا ہے دولہے حضرات سوتے رہتے ہیں اور دلہنیں منہ اندھیرے اٹھ جایا کرتی ہیں۔“

”کوئی ضروری نہیں ہے۔“

وہ اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ ”تمہارے لئے یہ دیکھنا بہت ضروری ہے کہ نئی دلہن کی صبح کیسی ہوتی ہے؟ کیونکہ بہت جلد تمہیں بھی دلہن بننا ہے۔“

کبریٰ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ ”لڑکیو! کچھ تو اپنی ذمہ داریوں کو سمجھا کرو۔ فہمی تمہاری بھابی بن چکی ہے‘ ابھی نئی دلہن ہے‘ کیا وہ کچن میں جا کر ناشتہ کرے گی؟“

عالیہ نے کہا۔ ”یہ زیبی اٹھنے میں دیر کر رہی ہے۔“

کبریٰ نے کہا۔ ”جلدی سے دونوں تیار ہو جاؤ۔ بن ناشتہ تیار کر رہا ہے۔ دلہن کے کمرے میں ناشتہ تم دونوں لے کر جاؤ گی۔“

زیبی نے بیزاری سے ماں کو دیکھا۔ وہ بولی۔ ”اس کے پاس جاؤ۔ اس سے زیادہ سے زیادہ محبت ظاہر کرتی رہتی۔ تمہارے دادا جان خوش ہو جائیں گے۔ چلو‘ جلدی کرو۔ فٹافٹ تیار ہو کر پہنچو۔“

وہ یہ کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ زیبی بیزاری سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ”اچھا .... تو اب ویٹرس کے فرائض بھی ہمیں انجام دینے ہوں گے؟“

”بھابی کی خدمت کرو.......... خدمت میں عظمت ہے۔“

وہ ناگواری سے منہ بناتی ہوئی واش روم میں گھس گئی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں تیار ہو کر ناشتے کی ٹرالی لے کر حسرت کے کمرے میں پہنچیں تو حیران رہ گئیں۔ بیڈ پر سے دلہن

غائب تھی اور دولہا میاں صوفے پر گہری نیند میں غلطاں نظر آ رہے تھے۔ زیبی نے واش روم سمیت پورا کمرہ چھان مارا مگر فہمی کہیں دکھائی نہیں دی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئیں۔

ایک طرف سے کبریٰ نے پکارا۔ ”زیبی! حسرت ابھی سو رہا ہے۔ فہمی ابا جان کے کمرے میں ہے‘ تم ناشتے کی ٹرالی وہاں لے جاؤ۔“

زیبی منہ بنا کر بولی۔ ”اوہو .... کیا ہم نوکر ہیں کہ بی بی جی کے پیچھے پیچھے پھریں؟“

کبریٰ نے قریب آتے ہوئے کہا۔ ”زیبی‘ میری جان! میں تمہاری فیلنگ سمجھ رہی ہوں۔ مگر ابا جان کو خوش بھی تو کرنا ہے۔ جاؤ .... شاباش ناشتہ ان کے کمرے میں لے جاؤ۔ وہ خوش ہو جائیں گے۔“

وہ منہ بناتی ہوئی عالیہ کے ساتھ عبادت علی کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

☆======☆======☆

عالیہ اور اسد کوٹھی کے وسیع و عریض لان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ عالیہ اُسے بتا رہی تھی کہ صبح حسرت بیڈ کے بجائے‘ صوفے پر سو رہا تھا اور فہمی اٹھ کر دادا جان کے کمرے میں چلی گئی تھی۔

وہ توجہ سے سن رہا تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ فہمی بہت نادان ہے‘ وہ شادی اور ازدواجی تعلقات کو نہیں سمجھتی ہے۔ وہ ایک معصوم بچی ہے اور حسرت سے امید ہے کہ وہ اُسے بڑے پیار سے سنبھالے گا۔

وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ ایسے ہی وقت حسرت کوٹھی کے بیرونی دروازے سے نکل کر احاطے میں آیا اور اپنی کار کا دروازہ کھول کر بیٹھنے لگا تو اسد نے تیزی سے آگے بڑھ کر پوچھا۔ ”آج شادی کی پہلی صبح ہے‘ نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟“

حسرت نے جواب دینے کے بجائے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟“

عالیہ نے کہا۔ ”یہاں کرفیو تو نہیں لگا ہے اور نہ ہی یہاں چہل قدمی کرنے پر گھر والوں کی طرف سے پابندی ہے۔“

اسد نے کہا۔ ”تم ہماری بات کا جواب دو۔ کل ہی شادی ہوئی ہے اور صبح اُسے تنہا چھوڑ کر جا رہے ہو؟“

اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا زیبی اور فراز بھی وہاں آ گئے۔ فراز نے پوچھا۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

عالیہ نے کہا۔ "ٹھیک وقت پر آئے ہو .... اب حسرت کا محاسبہ کیا جا سکتا ہے۔"

حسرت نے چونک کر پوچھا۔ "محاسبہ؟"

فراز نے کہا۔ "ہاں .... تمہیں بیڈ پر نیند نہیں آتی؟"

اس نے پوچھا۔ "اس سوال کا مطلب کیا ہوا؟"

زیبی نے کہا۔ "جناب شادی کی رات صوفے پر سو گئے تھے اور بیڈ پر سے دلہن غائب تھی۔"

حسرت نے کہا۔ "اچھا........... تو تم لوگ تاک جھانک کر رہے تھے؟"

عالیہ نے کہا۔ "باتیں نہ بناؤ .... جواب دو۔"

وہ بے نیازی سے بولا۔ "جواب دینا ضروری نہیں ہے۔ یہ میرا پرسنل معاملہ ہے۔"

فراز نے کہا۔ "ہم سب دوستوں کی طرح ہیں' کوئی پرابلم ہے تو ہمیں بتاؤ۔"

"کوئی پرابلم نہیں ہے۔"

فراز نے کہا۔ "کچھ تو ہے' جس کی پردہ داری ہے۔"

حسرت نے فراز سے کہا۔ "سجاد بھائی! آپ بہت اچھے ہیں۔ ایک ہی دن میں گھل مل گئے ہیں۔ مگر کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو سب سے چھپائی جاتی ہیں۔"

اسد اس کی بات سمجھ رہا تھا۔ زیبی نے کہا۔ "مگر اپنوں سے نہیں چھپائی جاتیں' ہم تمہارے اپنے ہیں۔"

وہ ذرا ناگواری سے بولا۔ "تم سب غیروں سے بھی زیادہ غیر ہو۔ مجھے نادان نہ سمجھو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس گھر میں مجھ سے اہم باتیں چھپائی جاتی ہیں۔ تم سب ڈیڈی اور مراد بھائی کے ہم خیال ہو۔ میرے ہم مزاج اور میرے ہم راز کبھی نہیں بن سکو گے۔"

وہ یہ کہہ کر کار کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پھر اسے اسٹارٹ کر کے کوٹھی کے احاطے سے نکلتا چلا گیا۔

زیبی نے فراز سے کہا۔ "اسے جھوٹ اور فریب پسند نہیں ہے۔ ورنہ اسے بتا دیتے کہ ہم ڈیڈی کے ہم خیال نہیں ہیں' ہم اپنی ذہانت اور تدبیر سے اپنی منزل پا لینا

چاہتے ہیں۔"

فراز کو حسرت کے بارے میں یہ سب سن کر یوں لگا جیسے فرعون کے گھر حسرت کی صورت میں موسیٰ پیدا ہو گیا ہے۔

زیبی نے کہا۔ "فراز! چلو دادا جان کے پاس چلتے ہیں؟"

عالیہ نے پوچھا۔ "وہاں جا کر کیا کرو گے؟ میں اور اسد ایک بہت زبردست ایگزی بیشن میں جا رہے ہیں۔ تم دونوں بھی ہمارے ساتھ چلو۔"

زیبی نے سوالیہ نظروں سے فراز کی طرف دیکھا' وہ بولا۔ "نہیں بھئی مجھے تو دادا جان کی قربت میں رہنا اچھا لگ رہا ہے۔ تم دونوں جاؤ۔ انجوائے کرو۔ زیبی جانا چاہے تو اسے بھی لے جاؤ۔"

زیبی نے کہا۔ "نہیں .... میں کباب میں ہڈی کیوں بنوں؟ تم نہیں جا رہے' میں بھی نہیں جاؤں گی۔"

اسد کار کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "تمہاری مرضی .... چلو عالیہ!"

وہ دونوں کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔ فراز اور زیبی عبادت علی کے کمرے میں آئے تو انہوں نے پوچھا۔ "کہاں سے آ رہے ہو؟"

زیبی نے کہا۔ "یہ کہیں جانا ہی نہیں چاہتے' کہتے ہیں کہ مجھے دادا جان کی قربت میں رہنا اچھا لگتا ہے۔ باہر جانے کو جی ہی نہیں کرتا۔"

عبادت علی خوشی اور بے یقینی سے اُسے دیکھنے لگے۔ فراز انہیں اتنی محبتیں دے رہا تھا۔ وہ اپنے تمام پوتوں سے اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ اسے اپنے قریب بٹھا کر شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ "تم نے ایک ہی دن میں ہمارا دامن محبتوں سے بھر دیا ہے۔ ہمیں اتنی خوشیاں دی ہیں کہ ہم پچھلے تمام غم بھول گئے ہیں۔"

پھر انہوں نے زیبی سے پوچھا۔ "ہاں تو زیبی! یہ بتاؤ کہ ہمارا یہ شہزادہ کیسا ہے؟"

زیبی ان کے سوال کا مطلب سمجھ گئی تھی' ذرا جھجکتے ہوئے بولی۔ "میں .... میں کیا بتاؤں؟ آپ کے پوتے ہیں۔ اس لئے لاکھوں میں ایک ہوں گے۔"

"وہ تو ہے .... لیکن اس کا نام اچھا نہیں ہے۔"

فراز اور زیبی نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ انہیں یوں لگا جیسے چوری پکڑی گئی ہے اور وہ ابھی اس کا اصل نام بتانے والے ہیں۔

فراز نے کہا۔ "دادا جان! میرا نام اتنا اچھا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں..........."

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔ "تم چپ رہو، ہمیں باتیں کرنے دو۔"

پھر انہوں نے زیبی سے کہا۔ "ہاں تو ہم کہہ رہے تھے کہ اس کا نام اچھا نہیں ہے۔"

زیبی سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ بولے۔ "اسے کہا کرو .... اے جی، او جی، ذرا سنئے جی۔"

زیبی نے شرما کر۔ "دادا جان!" کہہ کر ان کے سینے میں منہ چھپا لیا۔ انہوں نے ہنستے ہوئے فراز سے پوچھا۔ "تم جاؤ .... کیسی ہے ہماری شہزادی؟"

وہ بولا۔ "شہزادی تو پھر شہزادی ہی ہوتی ہے۔ میں آپ کی اس لاڈلی سے لڑنے جھگڑنے کے حقوق چاہتا ہوں۔"

وہ بولے۔ "ہائیں .... تمہیں محبت کے حقوق مانگنا چاہئیں مگر تم لڑنے کی بات کر رہے ہو؟"

"دادا جان! یہ اے جی .... او جی کہہ کر شاپنگ کے لئے کبھی لندن اور کبھی پیرس جائیں گی۔ میرا بینک اکاؤنٹ خالی کریں گی تو کیا مجھے لڑنے کا بھی حق حاصل نہیں ہو گا؟"

زیبی اس کی بات سمجھ کر ایک دم سے شرما گئی۔ عبادت علی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بہت ہوشیار ہو .... پہلے سے ہی گراؤنڈ بنا رہے ہو۔ دیکھا زیبی، یہ ہے ہمارا پوتا .... دور اندیش پوتا۔"

وہ تینوں ہنسنے لگے۔ فراز نے تو یہ گراؤنڈ از راہ مذاق بنایا تھا۔ مگر نفاست نے بہت بڑا گراؤنڈ بنایا تھا۔ مستقبل کی بہت بڑی پلاننگ کی تھی، اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ اس منصوبے میں کہاں تک کامیاب ہو گا؟

وہ دھیرے دھیرے تمام جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ مگر عبادت علی سے کچھ باتیں منوانے کے لئے اُسے نقلی سجاد کی سفارش کی ضرورت تھی۔ وہ بیس برس بعد ملنے والے پوتے کی ہر خوشی اور ضد پوری کر سکتے تھے اور نفاست یہ خوب جانتا تھا۔ اس لئے وہ اور مراد، فراز کو لے کر دوسرے دن آفس پہنچ گئے تاکہ تنہائی میں آرام سے بات کر سکیں۔

نفاست نے ریوالونگ چیئر پر اِدھر سے اُدھر گھومتے ہوئے فراز سے کہا۔ "شاہراہ قائد کے ساتھ ہماری تیس ہزار گز کی زمین ہے۔ ائرپورٹ کے قریب ہے۔ مراد وہاں فائیو اسٹار ہوٹل تعمیر کرانا چاہتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ابا جان راضی نہیں ہوں گے۔"

فراز نے کہا۔ "کیوں؟ وہ راضی کیوں نہیں ہوں گے؟"

مراد نے مداخلت کی۔ "وہ زمانے کے ساتھ چلنا نہیں جانتے، بوڑھے ہو چکے ہیں، تھک کر بیٹھ گئے ہیں۔"

فراز نے کہا۔ "مگر میں نے انہیں جہاں تک پرکھا ہے تو یہی سمجھ میں آیا ہے کہ وہ تھکنا نہیں جانتے، کل ہی مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میرے نام سے ایک نئی ٹیکسٹائل مل قائم کریں گے۔"

نفاست ذرا ناگواری سے بولا۔ "وہ صرف ٹیکسٹائل ملز ہی قائم کرتے رہتے ہیں۔ کسی نئے بزنس کی طرف نہیں آتے۔ کہتے ہیں، پوری توجہ ایک ہی کاروبار پر ہونی چاہئے۔"

فراز نے کہا۔ "ان کے اپنے تجربات ہیں، وہ اپنے طور پر درست کہہ رہے ہیں۔"

مراد نے کہا۔ "تم ان کی وکالت نہ کرو۔ ہم جو کہہ رہے ہیں وہ کرو۔"

نفاست نے کہا۔ "ابا جان تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کریں گے۔ تم ان سے بات کرو، فائیو اسٹار ہوٹل کا منصوبہ پیش کرو۔"

فراز نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "وہ نہیں مانیں گے۔"

نفاست نے کہا۔ "تم مدتوں سے بچھڑے ہوئے تھے۔ یہاں آتے ہی ان کی روح میں اتر گئے ہو۔ ایک ذرا سی ضد کرو گے تو وہ مان جائیں گے۔"

وہ بولا۔ "لیکن............"

وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔ مراد اور نفاست اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ ذرا توقف کے بعد کندھے اچکا کر بولا۔ "مگر ہوٹل کے کاروبار سے مجھے دلچسپی نہیں ہے۔"

نفاست اس کی بات سن کر کھول کر رہ گیا۔ مراد نے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہاری دلچسپی گئی جہنم میں .... تم میرے لئے ان سے بات کرو۔"

فراز اس کا لہجہ سن کر غصے سے اٹھ کر بولا۔ "یہ تم مجھ سے کس انداز میں گفتگو کر رہے ہو؟ کیا میں کوئی زر خرید غلام ہوں؟"

نفاست نے پریشان ہو کر فراز کی طرف دیکھا۔ وہ مراد کی غلطی کو سمجھ رہا تھا۔ ایسا وقت تھا، گدھے کو باپ بنانا ضروری تھا۔ وہ فراز کے پاس آ کر اس کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔ "بیٹھو .... بیٹھ جاؤ .... آرام سے بات کرو۔"

پھر اس نے مراد سے کہا۔ "مراد! تمہیں اس انداز میں گفتگو نہیں کرنی چاہئے، اسے سوری کہو۔"

اس نے چونک کر نفاست کو شکایت بھری نظروں سے دیکھا۔ نفاست نے اشارے میں اسے سمجھایا' پھر کہا۔ "چلو .... سوری بولو۔"

وہ ذرا ناگواری سے بولا۔ "سوری۔"

پھر نفاست نے فراز سے کہا۔ "ہمیں آپس میں لڑنا نہیں چاہئے۔ تم سے یہ طے ہو چکا ہے کہ تم میری باتوں پر عمل کرتے رہو گے۔"

وہ بولا۔ "آپ جو کہیں گے' کروں گا لیکن فائیو اسٹار ہوٹل کا پروجیکٹ بہت بڑا ہے۔"

"ہم بڑے لوگ ہیں' بڑی باتیں سوچتے ہیں' بڑے منصوبے بناتے ہیں۔ تمہیں صرف ابا جان کو راضی کرنا ہے' یہ پروجیکٹ شروع کرانا ہے۔ اسے مکمل ہم کریں گے اور تم یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہاری زندگی بہت مختصر ہے۔ افسوس' تم ہم سے بہت جلد بچھڑنے والے ہو۔"

فراز نفاست کی بات سن کر بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر زیبی کا چہرہ اور اس کی محبت نگاہوں میں گھوم گئی۔ نفاست اور مراد ایک دوسرے کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگے۔ نفاست نے فراز سے کہا۔ "تمہارے بعد وہ ہوٹل اور تمام ٹیکسٹائل ملز کے شیئرز زیبی کے نام ٹرانسفر ہو جائیں گے۔ تم آگے کی نہ سوچو .... آگے ہم رہیں گے' تم پیچھے گم ہو جانے والے ہو۔"

فراز سر جھکا کر اس کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ "میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے' میں گھر جانا چاہتا ہوں۔"

نفاست نے کہا۔ "ہاں .... ہاں .... تم جا سکتے ہو۔ مراد تمہیں گھر ڈراپ کر دے گا۔"

مراد نے کہا۔ "ہاں .... میں بھی گھر ہی جا رہا ہوں' چلو۔"

وہ مراد کے ساتھ جانا نہیں چاہتا تھا مگر مجبوری تھی' وہ ایک مریض ہونے کے باعث تنہا نہیں جا سکتا تھا۔

وہ دونوں تمام راستے خاموش رہے۔ مراد شاید اپنے روشن مستقبل کے جاگتی آنکھوں خواب دیکھتا رہا تھا اور فراز شاید آنے والے حالات کا اندازہ کرتا رہا تھا۔

ارمانہ عبادت علی کے کمرے میں تھی۔ وہ آئندہ اپنی بات منوانے کے لئے راستے ہموار کر رہی تھی۔ انہیں زیادہ سے زیادہ محبتیں دے رہی تھی۔ اس لئے وہ ان کے

کمرے میں شطرنج کھیل رہی تھی۔ یہ عبادت علی کا دل پسند مشغلہ تھا۔ وہ دونوں شطرنج کی بساط پر جھکے ہوئے تھے۔

ارمانہ نے کہا۔ "دادا جان! آپ کے پیدل کی شامت آگئی ہے' اسے بچائیں۔"

وہ مسکرا کر بولے۔ "بیٹی! ہم چھوٹا سا نقصان اٹھا کر بہت بڑا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ تم اِدھر ہمارا پیدل مارو گی' ہم اُدھر تمہارے فیل کو ختم کر دیں گے۔"

ارمانہ نے اپنے فیل کی طرف بے بسی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "او .... دادا جان! آپ بہت چالاک ہیں' آپ دوسروں کو مات دینے کی پلاننگ کیسے کر لیتے ہیں؟"

"تم بچی ہو .... نہیں سمجھ سکو گی' ہم یہاں شطرنج کی بساط بچھا کر زندگی کی بساط پر بازیاں جیتتے رہتے ہیں۔"

مراد دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا تو ارمانہ نے اسے دیکھ کر ناگواری سے منہ بنایا۔ وہ انہیں دیکھ کر بولا۔ "اچھا .... تو دادا اور پوتی کے درمیان شطرنج کی بازی چل رہی ہے۔"

عبادت علی نے کہا۔ "آؤ .... تم بھی کھیلو۔"

وہ ان کے برابر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "نہ بابا .... یہ کھیل تو ایسا ہے کہ میرا سر دکھنے لگتا ہے۔"

ارمانہ نے منہ بنا کر کہا۔ "سر میں بھیجہ نہ ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے جن کے پاس عقل ہوتی ہے' وہی کھیلتے ہیں۔"

عبادت علی نے کہا۔ "ایسا تو نہ کہو' ہمارا یہ پوتا بہت ذہین ہے۔"

ارمانہ نے کہا۔ "سوری دادا جان! آپ کے تمام پوتوں میں مجھے صرف ایک ہی ذہین نظر آتا ہے۔"

مراد سوالیہ نظروں سے اُسے گھور رہا تھا۔ عبادت علی نے پوچھا۔ "اچھا' کون ہے وہ؟"

ارمانہ نے چور نظروں سے مراد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "حسرت۔"

مراد غصے سے بولا۔ "میں اچھی طرح جانتا ہوں' وہ تمہیں میرے خلاف بھڑکاتا رہتا ہے۔"

ارمانہ کندھے اچکا کر بولی۔ "چنگاری کو بھڑکاؤ تو وہ بھڑکتی ہے۔ میں تو شعلہ ہوں' مجھے کون بھڑکائے گا؟"

عبادت علی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "بھئی جھگڑا نہ کرو۔"

وہ بولی۔ "یہ میری چوائس پر ہے' میں حسرت کو بہتر سمجھتی ہوں۔ پھر یہ اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں؟"

مراد اندر ہی اندر کھول کر رہ گیا۔ وہ چاہتا تو اپنی حیثیت کے بجائے' اس کی حیثیت یاد دلا دیتا۔ وہ چھوٹے چھوٹے کمرشلز کرنے والی کو کروڑوں کی جائیداد کی وارث بنا کر لایا تھا۔ آج وہی معمولی سی ماڈل گرل اس کی حیثیت پوچھ رہی تھی۔

عبادت علی بھی ارمانہ کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ مراد نے کہا۔ "کیا تم نہیں جانتیں کہ ہماری شادی ہونے والی ہے؟"

ارمانہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر بولی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ دن میں بھی خواب دیکھتے ہیں۔ آپ کا کوئی علاج نہیں ہے' آپ خواب دیکھتے رہیں۔"

وہ غصے سے پیر پٹختی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔ مراد غصے سے مٹھیاں بھینچ کر اسے گھور رہا تھا پھر عبادت علی سے بولا۔ "دادا جان! آپ .... آپ سن رہے ہیں اور خاموش ہیں؟"

وہ بھی ارمانہ کے رویے سے کچھ پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ پھر اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے بولے۔ "ہم نے سوچا تھا' ابھی آئی ہے' جلدی کیا ہے' اسے آرام سے اور اطمینان سے بتائیں گے کہ وہ تم سے منسوب ہو چکی ہے۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "اب کیا ہو گا؟"

"یہاں وہی ہوتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔"

وہ گھر کے سرپرست ہونے کے ناطے آج تک اپنا ہر حکم منواتے آئے تھے۔ مگر ہر بات غصے اور رعب سے نہیں منوائی جاتی۔ کچھ چالاک افراد میٹھی چھری کے ذریعے دل میں اترنے کا فن جانتے ہیں اور ارمانہ یہی کر رہی تھی۔ بہت جلد انہیں اپنی محبتوں اور اپنی ضد کے آگے جھک جانے پر مجبور کرنے والی تھی اور اس کی پوری کوشش تھی کہ کسی بھی طرح عبادت علی کی انا مجروح نہ ہونے پائے۔ وہ رفتہ رفتہ ان کے دل میں اپنی جگہ بنا رہی تھی۔

☆======☆======☆

وہ بہن کی تلاش میں دن رات یوں چلتا رہتا تھا جیسے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کر رہا ہو۔ وہ زرینہ خاتون کے ساتھ کبھی کار میں رہتا تھا' کبھی ان

کے ساتھ پیدل بھٹکتا رہتا تھا لیکن بعض مقامات ایسے بھی تھے جہاں وہ ماں کے ساتھ نہیں جا سکتا تھا۔

ایسا ہی ایک مقام وہ بدنام محلّہ تھا جہاں سے تہذیب کو گزرتے ہوئے شرم آتی تھی۔ حسرت کا دل نہیں مانتا تھا کہ اغوا کرنے والے اس کی بہن کو اُس بدنام محلے میں لے آئے ہوں گے لیکن نصیب بُرے ہوں تو کوئی بھی برائی ہو سکتی تھی۔

وہ ثمینہ کو اس کی صورت سے نہیں پہچان سکتا تھا اسی لئے زرینہ خاتون کو ساتھ لئے پھرتا تھا۔ اس محلے میں وہ پہلی بار تنہا آیا۔ اگر ثمینہ وہاں ہوتی تو وہ اسے نام سے اور اس کے حلئے سے پہچاننے کی کوشش کر سکتا تھا۔ سوال و جواب کے ذریعے بھی اس سے بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔

اس نے جھجکتے ہوئے اس محلے کی پہلی گلی میں قدم رکھا۔ وہ محلّہ رات کو جاگتا تھا اور دن کو سوتا تھا۔ وہاں تمام رات رونق رہا کرتی تھی۔ ہارمونیم اور طبلوں کی آوازوں پر گھنگروؤں کی جھنکار ابھرتی رہتی تھی۔ رنگ برنگے ملبوسات میں جوانیاں ہنستی بولتی دکھائی دیتی تھیں۔ کوئی کافر ادا چھجے پر بیٹھی رہتی تھی' کوئی دروازے پر کھڑی سر سے پاؤں تک مستانہ ادائیں دکھاتی رہتی تھی۔

حسرت کے پسینے چھوٹنے لگے' کیونکہ وہ بڑی بے باکی سے اپنی طرف بلاتی تھیں۔ پھر کوئی نہ کوئی دلال آگے پیچھے چلا آتا تھا۔ "صاحب جی! میرے ساتھ چلیں .... نوی نوی آئی ہے۔ ایسی چیز آپ نے دیکھی نہیں ہو گی۔"

ایک دلال کی اس بات نے اسے چونکا دیا کہ کوئی نئی نئی آئی ہے۔ اس نے جلدی سے پوچھا۔ "وہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟"

وہ بولا۔ "بس آپ یہ سمجھیں کہ آپ کے لئے وہ آسمان سے ٹپکی ہے۔"

"اس کا نام کیا ہے؟"

"باؤ جی! نام سے کیا لینا ہے؟ کام نکالنا ہے اور چلے جانا ہے۔"

وہ دلال کے بازو کو سختی سے جکڑ کر بولا۔ "مجھے اس کا نام بتاؤ' اس کے بارے میں سب کچھ بتاؤ۔ میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گا۔"

"اس کا نام نادرہ ہے' وہ ملتان سے آئی ہے۔"

اس نے مایوس ہو کر اس کا بازو چھوڑ دیا۔ پھر جیب سے ہزار کا ایک نوٹ نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں اس سے بھی زیادہ دے سکتا ہوں۔ دس روز پہلے

ثمینہ نام کی ایک لڑکی کو اغوا کیا گیا ہے اگر اسے یہاں پہنچایا گیا ہے تو معلوم کرو' وہ کہاں ہے؟"

"ہم یہاں کی ایک ایک نئی اور پرانی طوائفوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ ہمیں سب پتہ ہوتا ہے کہ کون کہاں سے آتی ہے اور کہاں چلی جاتی ہے؟ دو ماہ پہلے ثمینہ نام کی ایک عورت یہاں آئی تھی۔ اچھا دھندا کرتی رہی۔ اب وہ دوسرے محلے میں شریفانہ زندگی گزارنے گئی ہے۔ کیا آپ اس سے ملنا چاہیں گے؟"

حسرت نے انکار میں سر ہلایا پھر اسے ہزار کا نوٹ دے کر وہاں سے چلا آیا۔ بعض اوقات بہن کی بازیابی ناممکن لگتی تھی۔ پھر بھی دل نہیں مانتا تھا۔ وہ اس کی تلاش میں نکل پڑتا تھا۔ بازاروں میں اور فٹ پاتھ پر آس پاس سے گزرنے والی نوجوان لڑکیوں کو دیکھ کر ٹھٹک جاتا تھا۔ دل کہتا تھا۔ "یہ ثمینہ ہو سکتی ہے۔" لیکن بعد میں مایوسی ہوتی تھی۔

وہ دوسری صبح زرینہ خاتون کی کوٹھی میں آیا۔ انہوں نے اپنی کوٹھی کی ایک چابی اسے بھی دی تھی تاکہ وہ ان کی غیر موجودگی میں کبھی آئے تو واپس نہ جائے۔ وہاں بیٹھ کر ان کا انتظار کرلے۔

اس نے کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ گیراج میں زرینہ خاتون کی کار موجود تھی۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی کوٹھی میں موجود ہیں۔ اس نے دوسری بار بٹن کو دبایا۔ اندر سے نہ کوئی آواز سنائی دی اور نہ ہی دروازہ کھلا۔

اس نے جیب سے چابی نکال کر دروازے کو کھولا۔ سامنے ہی ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر زرینہ خاتون سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھیں۔

اس کی گود میں ایک اخبار رکھا ہوا تھا۔ وہ اندر آتے ہوئے بولا۔ "کیا بات ہے؟ امی! آپ نے دروازہ نہیں کھولا؟"

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کی نظریں اخبار پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے اخبار کو اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ "ایسی کیا خبر ہے جسے آپ اتنی محویت سے پڑھ رہی ہیں؟"

اخبار پر نظر پڑتے ہی وہ چونک گیا۔ جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔ "ایک لڑکی کو اجتماعی زیادتی کے بعد بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔"

اس کے نیچے مختصر سی قتل کی واردات بیان کی گئی تھی۔ "ثمینہ نامی ایک لڑکی کو کہیں سے اغوا کر کے اس کے ساتھ اجتماعی زیادتی کی گئی۔ بعد میں اس کے چہرے پر

تیزاب پھینک دیا گیا۔ لاش کے پاس پڑے ہوئے پرس میں سے ثمینہ شاہ نام کا شناختی کارڈ برآمد ہوا۔ اس کارڈ کا تعلق اس کے کالج سے تھا۔ اس کالج میں انکوائری کی گئی۔ وہاں سے ثمینہ شاہ کی رہائش گاہ کا پتہ معلوم کیا گیا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ رہائشی پتہ غلط ہے۔ مقتولہ کا نام تو معلوم ہو گیا لیکن اس کے لواحقین کے بارے میں تاحال کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اس کی لاش مردہ خانے پہنچا دی گئی ہے۔"

حسرت یہ مختصر سی خبر پڑھ کر سمجھ گیا کہ اس کے ڈیڈی کے حکم کے مطابق نہ ثمینہ کی ولدیت صحیح لکھوائی گئی تھی اور نہ ہی ایڈریس درست لکھوایا گیا تھا۔ اس نے ایک سرد آہ بھر کر زرینہ خاتون کی طرف دیکھا۔ پھر ان کے سامنے گھٹنے ٹیک کر کہا۔ "امی! یہ کوئی نہیں سمجھ پائے گا کہ آپ کے دل پر کیا گزر رہی ہے؟ اس وقت آپ صدمات سے ٹوٹ رہی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح آپ کو دلاسہ دوں؟"

اس نے یہ کہتے ہوئے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ہاتھ کا بوجھ پڑتے ہی وہ ایک طرف ڈھلک گئیں۔ حسرت ایکدم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پتہ نہیں وہ کب سے بے جان ہو کر بیٹھی ہوئی تھیں؟ وہ ان پر جھک گیا' ان سے لپٹ کر رونے لگا۔ ایک عورت نے نہ بیوی بن کر کچھ پایا اور نہ ماں بن کر اپنی اولاد کے کسی کام آ سکی۔ اس سے بڑی المناک بات اور کیا ہو گی کہ وہ بیٹی کی لاش لینے مردہ خانے بھی نہ جا سکیں۔ اگر زندہ رہتیں تو کس منہ سے جاتیں؟ کہ وہ اس کی ماں ہیں لیکن اس بیٹی کا کوئی باپ نہیں ہے۔ یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ وہ گمنامی کے اندھیرے میں مر گئی تھیں۔

حسرت نے اپنے آنسو خشک کئے پھر اس خیال سے کہ شاید ایسی المناک خبریں سن کر اُس بے رحم باپ اور ظالم شوہر کا دل پسیج جائے۔ وہ اپنے موبائل فون پر نفاست کا فون نمبر پنچ کرنے لگا۔ پھر اسے کان سے لگا کر رابطہ ہونے پر بولا۔ "ہیلو .... میں بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے نفاست علی نے پوچھا۔ "میں کون؟" پھر آواز پہچان کر پریشان ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ یہ اسی نامعلوم شخص کا فون ہے جس نے اسے دھمکی دی تھی۔

حسرت کی آواز سنائی دی۔ "آپ نے آج کا اخبار پڑھا ہے؟"

وہ انجان بنتے ہوئے بولا۔ "کون ہو تم؟"

"آپ کی بیٹی کا انجام بہت افسوس ناک ہوا ہے اور اسے اس انجام تک آپ نے پہنچایا ہے۔ آپ کے گھر میں جو اخبار ہے اس کے صفحہ نمبر دو کے چوتھے کالم کو پڑھیں۔

میں دس منٹ بعد فون کروں گا۔"

رابطہ منقطع ہو گیا نفاست نے ریسیور رکھ کر اخبار اٹھایا پھر اسے کھول کر اس کے بتائے ہوئے صفحہ کو پڑھنے لگا۔ باپ چاہے کتنا ہی ظالم اور بے رحم کیوں نہ ہو مگر جہاں بیٹی کی عزت کا معاملہ آتا ہے تو دل میں ایک ٹیس ضرور اٹھتی ہے۔ ثمینہ اس کی بیٹی تھی' اس کا خون تھی' اجتماعی آبروریزی کی خبر پڑھتے ہی اس کے دل کو دھچکا سا لگا۔ اس کی عزت کی دھجیاں بکھیر دی گئی تھیں اور ایک دولتمند باپ اس کے لئے کچھ نہ کر سکا تھا۔ دل کے کسی نہاں خانے میں اچانک اس ٹھکرائی ہوئی بیٹی کے لئے ہمدردی جاگ اٹھی وہ بڑے دکھ سے زیرلب بڑبڑایا۔ "ثمینہ!"

آج ایک عرصے بعد اس کے ہونٹوں نے بیٹی کو محبت سے پکارا تھا۔ مگر افسوس' وہ معصوم اس محبت کی پکار کے لئے ترستی ہوئی اس دنیا سے جا چکی تھی۔

پھر ایکدم جیسے نفاست علی چونک گیا۔ چور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ خبر پر ایک بار پھر سرسری سی نظر ڈالی۔ اس کے کانوں میں ہلکی ہلکی آوازیں گونجنے لگیں۔

"اجتماعی زیادتی .... نفاست علی شاہ کی بیٹی کے ساتھ اجتماعی زیادتی کی گئی۔"

وہ ان آوازوں کو سن کر کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اخبار کے پیچھے منہ چھپانے لگا اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے ساری دنیا اس پر انگلیاں اٹھا رہی ہے۔ وہ اخبار کی ڈھال کے پیچھے کافی دیر چھپا رہا۔ کچھ دیر بعد آوازیں آنا بند ہو گئیں' خاموشی چھا گئی۔ اس نے دھیرے دھیرے چہرے کے سامنے سے اخبار ہٹایا۔ پھر کمرے میں چاروں طرف دیکھ کر سوچنے لگا۔ "یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ نہ جانے یہ خبر سچی ہے یا جھوٹی ہے؟ مجھے زرینہ سے بات کرنی چاہئے۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ زرینہ خاتون کا نمبر پنچ کر کے انتظار کرنے لگا پھر رابطہ ہونے پر بولا۔ "ہیلو .... زرینہ!"

دوسری طرف سے حسرت نے فون اٹینڈ کرتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا تھا' آپ یہاں فون کریں گے۔ جنہیں فون کیا ہے وہ بے چاری جواب نہیں دے سکیں گی۔ بیٹی کا انجام دیکھ کر وہ صدمے اور غیرت سے مر گئی ہیں۔"

نفاست نے بے یقینی سے کہا۔ "نہیں..........."

حسرت نے کہا۔ "آپ ماں بیٹی کی زندگی میں ان سے دور بھاگتے رہے' میں چاہتا ہوں کہ موت کے بعد دور نہ رہیں' یہاں آکر مرحومہ کی آخری رسومات ادا کریں۔"

نفاست علی اب تک حسرت کی آواز نہیں پہچان سکا تھا۔ وہ اسے زرینہ خاتون کی کوٹھی میں بلا رہا تھا۔ وہاں جانے کا مطلب یہی تھا کہ آ بیل مجھے مار۔

ایک طرف اسے بیوی اور بیٹی کی موت کا افسوس بھی تھا مگر اپنی عزت بھی پیاری تھی۔ اس نے دل میں پیدا ہونے والی ماں بیٹی کی محبت کو نظرانداز کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "تم کون ہو اور یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ میرا کسی ماں بیٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

اس کی بات سن کر بیٹے کے دل میں باپ کے لئے جو نفرت تھی وہ شدت اختیار کر گئی۔ وہ تیز لہجے میں بولا۔ "تعلق نہیں ہے تو اخبار پڑھتے ہی مرحومہ کے گھر فون کیوں کیا ہے؟ آپ کتنے سنگدل اور بے رحم ہیں؟ جس خاتون نے اپنی پوری زندگی آپ کے لئے برباد کر دی' جنہوں نے اپنی بیٹی کو بھی آپ پر قربان ہوتے دیکھا' تو آپ ان کے کفن دفن کے لئے بھی نہیں آئیں گے؟"

وہ ڈھٹائی سے بولا۔ "میں کہہ چکا ہوں کہ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ جانے تم کس کے دھوکے میں مجھے فون کرتے رہتے ہو؟"

حسرت بڑی حقارت سے بولا۔ "اچھا .... تو پھر سید عبادت علی شاہ کے کمرے میں جائیں۔ میں وہاں فون کروں گا۔ اب یہ معاملہ بہت دور تک جائے گا۔ میں زرینہ خاتون کا شناختی کارڈ اور نکاح نامہ آپ کے ابا جان کے پاس پہنچانے والا ہوں۔"

وہ چونک کر پریشان ہو کر بولا۔ "نکاح نامہ..........."

"ہاں .... شناختی کارڈ اور نکاح نامے سے ثابت ہو جائے گا آپ ہی زرینہ خاتون کے شوہر نامدار تھے اور مظلوم و مقتول ثمینہ کے باپ تھے۔"

نفاست پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ یہ جو کوئی بھی ہے۔ میرے بہت اہم راز جانتا ہے۔ مجھے کسی نہ کسی طرح اس سے نکاح نامہ حاصل کر لینا چاہئے۔ یہ بہت اہم اور ٹھوس ثبوت ہے۔ جس کی بدولت یہ مجھے ہمیشہ بلیک میل کرتا رہے گا۔ اگر میں اسے منہ مانگی رقم ادا کروں تو یہ ضرور نکاح نامہ میرے حوالے کر دے گا۔

وہ ذرا رازدارانہ انداز میں بولا۔ "میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ جتنی رقم مانگو گے' ادا کروں گا۔ مگر نکاح نامہ میرے حوالے کر دو۔"

حسرت کو اس کی باتوں سے بڑا دکھ پہنچ رہا تھا۔ اس کے باپ کے لئے وہ نکاح نامہ دو جانوں کے زیاں سے زیادہ اہم تھا۔ وہ بیوی اور بیٹی کی موت پر ماتم کرنے کے بجائے' سودا

بازی کر رہا تھا۔

حسرت تیز لہجے میں بولا۔ "مجھ سے سودے بازی نہ کریں۔ میں نے آپ کو صرف اس لئے فون کیا ہے کہ آپ یہاں مرحومہ کے پاس آئیں' اپنے آخری فرائض ادا کریں۔ اگر آپ یہاں نہیں آئیں گے تو میں تمام ثبوت لے کر آپ کے ابا جان کے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

اس نے ریسیور پٹخ دیا۔ نفاست "ہیلو .... ہیلو" کرتا رہ گیا۔ مگر رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ رابطہ تو زرینہ خاتون سے بھی ختم ہو چکا تھا۔ ایک کاغذ کے ٹکڑے پر ہونے والا معاہدہ ٹوٹ چکا تھا۔ مگر کوئی انجانا دشمن تھا جو اس ٹوٹ جانے والے رشتے کو ہتھیار بنا کر اس کا مستقبل تباہ کرنا چاہتا تھا۔

وہ ریسیور رکھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ "یہ کون ہے؟ اتنی اہم چیزیں اس کے ہاتھوں میں کیسے پہنچ گئیں؟ میں وہاں نہیں جاؤں گا تو وہ کم بخت یہاں پہنچ جائے گا۔ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

وہ مضطرب سا ہو کر ہاتھ ملنے لگا۔ پھر سوچنے لگا۔ "میں وہاں جاؤں گا تو پولیس کیس میں پھنس جاؤں گا۔ وہ نامعلوم دشمن مجھے پھنسانا چاہتا ہے۔ میں ابا جان سے یہ باتیں اس لئے چھپا رہا تھا کہ وہ زرینہ کو اپنی بہو کبھی تسلیم نہ کرتے اور مجھے کاروبار کے تمام اختیارات سے محروم کر دیتے۔ اب تو وہ نہیں رہی' اب تو ابا جان ناراض نہیں ہوں گے۔"

وہ سوچتے سوچتے ایکدم سے ٹھٹک گیا۔ یہ بات ذہن میں آتے ہی وہ ذرا مطمئن ہو کر سوچنے لگا۔ "ابا جان کے لئے یہ بات اطمینان کا باعث ہو گی کہ میری غلطیوں سے ایک ناپسندیدہ بہو کا اضافہ ہوا تھا وہ ختم ہو چکی ہے۔ اگر میں معافی مانگوں گا تو وہ مجھے معاف کر دیں گے۔ اس معاملے کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔"

وہ خود کو ذہنی طور پر تیار کرنے لگا۔ عبادت علی کے سوالوں اور اپنے جوابوں پر غور کرنے لگا۔ کافی سوچ بچار کے بعد آخرکار وہ کمرے کا دروازہ کھول کر کوریڈور میں آیا۔ پھر عبادت علی کے کمرے کی طرف دھیرے دھیرے بڑھنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ جان بوجھ کر ان کے قہر اور غصے کو دعوت دینے جا رہا ہے۔

وہ دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ ایک بار' آخری بار پھر سوچا کہ کہیں اس کا یہ فیصلہ غلط تو نہیں ہے؟ مگر ہر پہلو پر غور کرنے سے یہی بات عقل میں آ رہی تھی کہ وہ یہ راز انہیں نہ بتائے تب بھی اس نامعلوم دشمن کے ذریعے یہ بات ان کے کانوں تک ضرور

پہنچے گی۔

اس نے ہمت کر کے دروازے کے ہینڈل پر دباؤ ڈال کر اسے گھمایا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ عبادت علی گھومنے والی کرسی پر بیٹھے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اس نے اندر داخل ہو کر دروازے کو لاک کر دیا۔

کھٹ کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ نفاست بڑے مؤدبانہ انداز میں چلتا ہوا ان کے قریب آ کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ بڑے خاموش دکھائی دے رہے ہو۔"

وہ ذرا کھنکار کر بولا۔ "جی .... میں .... میں آپ سے ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں۔"

انہوں نے کتاب میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں .... کہو۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "وہ بات .... یہ ہے کہ .... زیادہ تر غلطیاں چھوٹوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ وہ ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود ہم چھوٹوں کو ڈانٹتے ہیں' تنبیہہ کرتے ہیں تاکہ آئندہ وہ ایسی غلطی نہ کریں۔"

انہوں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم' کہنا کیا چاہتے ہو؟"

اس نے سر اٹھا کر ایک نظر ان پر ڈالی پھر سر جھکا کر بولا۔ "لیکن بعض اوقات چھوٹوں کے بجائے بڑوں سے بھی غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ بڑوں کی غلطی بڑی ہوتی ہے اور .... اور مجھ سے بھی ایک بڑی خطا سرزد ہو گئی ہے۔"

وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ شاید اس کے چہرے پر اس کی خطا کی نوعیت پڑھ رہے تھے۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا' آنکھیں ندامت اور خوف کے مارے چار نہیں ہو رہی تھیں۔ وہ اندر سے بہت سہما ہوا تھا۔ یہ عبادت علی کا رعب اور وقار تھا کہ نفاست علی پانچ بچوں کا باپ ہونے کے باوجود ان کے سامنے اس وقت بچہ دکھائی دے رہا تھا' خوفزدہ بچہ۔

وہ ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگا۔ وہ غور سے سننے لگے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا ان کے تیور بدلتے جا رہے تھے۔ نفاست کبھی کبھی سر اٹھا کر انہیں دیکھتا تو ان کی قہر آلود نظریں فوراً ہی خاموش حکم صادر کرتیں۔ "جھک جاؤ۔"

وہ ناگواری سے اسے گھور رہے تھے۔ وہ جھجکتے ہوئے ہچکچاتے ہوئے اٹک اٹک کر بولتا جا رہا تھا۔ عبادت علی غصے سے مٹھیاں بھینچے دانت پر دانت جمائے بڑے تحمل سے اس

کی باتیں سن رہے تھے۔ آخر کو گرج کر بولے۔ "ہم نے اتنا پھیلا ہوا کاروبار تمہارے حوالے کیا ہے۔ تم پر اعتماد کر رہے ہیں اور تم ایک عورت کے معاملے میں ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتے رہے ہو؟ تم نے ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ کر دوسری شادی کی' ایک بیٹی بھی پیدا کی۔ وہ جوان بھی ہو گئی اور ہم اب تک اندھے بنے رہے؟"

وہ گرج رہے تھے اور نفاست ایک مجرم کی طرح سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اقبالِ جرم کر چکا تھا' اب جج کے فیصلے کا منتظر تھا۔

وہ کرسی سے اٹھ کر بے چینی سے ٹہل ٹہل کر بول رہے تھے پھر ایکدم سے بپھر کر بولے۔ "مسکین صورت بنا کر کیوں بیٹھے ہو؟ آؤ .... ہماری آنکھیں پھوڑ دو۔ اس خاندان کے اور تمام کاروبار کے سرپرست بن جاؤ۔ پھر جو چاہو کرتے رہو۔ جب تک چاہو ہم پر کیچڑ اچھالتے ہو۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ نفاست نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "میں نے .... زندگی میں ایک ہی غلطی کی ہے۔ بے شک .... میں نے .... آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ آپ جو چاہیں' مجھے سزا دیں لیکن .... میری بدنامی آپ کی بدنامی ہے .... پورے خاندان کی بدنامی ہے۔ آپ .... آپ کسی طرح اس معاملے کو ختم کر دیں۔"

انہوں نے سر اٹھا کر اسے گھور کر دیکھا پھر کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ "کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا۔ ہم نے برسوں کی محنت سے یہ عزت' شہرت اور شان و شوکت حاصل کی ہے۔ ہم کسی کو اپنی طرف انگلی اٹھانے کا موقع نہیں دیں گے۔"

وہ ذرا نرم پڑ گئے تھے۔ نفاست علی کو حوصلہ مل رہا تھا۔ وہ بولا۔ "زرینہ اور ثمینہ نے اپنی زندگی میں کبھی مجھ سے تعلق ظاہر نہیں کیا لیکن ایک شناختی کارڈ اور نکاح نامے کے ذریعے میرا اس سے رشتہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

"وہ .... نکاح نامہ کہاں ہے؟"

وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "وہ ایک نامعلوم شخص کے پاس ہے۔ اس نے مجھے فون پر دھمکی دی ہے کہ میں زرینہ اور ثمینہ کی آخری رسومات ادا کرنے وہاں نہیں جاؤں گا تو وہ تمام ثبوت آپ کے پاس پہنچا دے گا۔"

"وہ یہ ثبوت ہمارے پاس نہیں' پولیس والوں کے پاس پہنچائے گا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ وہ مجھے پھانسنے کے لئے وہاں بلا رہا ہے۔"

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگے۔ سوچنے لگے۔ پھر رک کر بولے۔ "ہم ایسے بلیک میلرز سے نمٹنا جانتے ہیں۔ تم اس عورت کے کفن دفن کے لئے جاؤ۔ انکوائری ہو گی تو ہم بیان دیں گے کہ زرینہ ہماری دوسری بہو تھی۔ بہت چھوٹے خاندان کی تھی۔ تمہارے ساتھ گزارہ نہ کر سکی' ناراض ہو کر بیٹی کو لے کر چلی گئی تھی۔ اس کی بیٹی کا اغوا اور مرڈر ہمارے انجانے میں ہوا۔ زرینہ نے علیحدگی اختیار کر کے اپنی بیٹی کو ایسے افسوسناک انجام تک پہنچایا ہے۔"

واقعی گھر کے سرپرست کی سرپرستی حاصل ہو تو ہر بڑا اور ناممکن کام' چھوٹا اور ممکن لگنے لگتا ہے۔ ان کی باتیں نفاست علی کو مطمئن کر رہی تھیں' ڈھارس بندھا رہی تھیں۔

وہ بولے۔ "ہم اوپر والوں سے بات کریں گے۔ ایسے وقت ہماری دولت اور ہمارے تعلقات کام آتے ہیں۔ ہم اس معاملے کو اچھلنے نہیں دیں گے۔ تم جاؤ .... اور اپنے آخری فرائض ادا کرو۔"

وہ مطمئن ہو کر چلا گیا۔ اپنے آخری فرائض ادا کرنے کی تیاری کرنے لگا۔

☆======☆======☆

ارمانہ' مراد سے جتنا دور بھاگ رہی تھی وہ اتنا ہی اس کے قریب ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس کی ضد بن گئی تھی۔ وہ اسے بھی حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس کے ذریعہ آنے والی دولت کو بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

وہ ہر بار اس سے کترا جاتی تھی۔ اس بار بھی اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر کترا کر جانا چاہتی تھی۔ مگر وہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ شیطانی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے اُسے گہری نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔ "تم تو مجھے دیکھتے ہی مکھی بن جاتی ہو۔ کیا میں تیز ہوا کا جھونکا ہوں؟ میرے آتے ہی مکھی کی طرح اڑ جاتی ہو۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "میں تمہارے سامنے رہوں گی تو تمہیں خوش فہمی رہے گی۔ اس لئے دور رہتی ہوں۔"

وہ تیز لہجے میں بولا۔ "تم نے وعدہ کیا تھا' میرے ڈیڈی کی مرضی کے مطابق رہو گی۔"

"بے شک .... میں ان کے ہر حکم کی تعمیل کروں گی۔"

"ڈیڈی چاہتے ہیں' ہماری شادی ہو جائے۔"

"تمہارے ڈیڈی نے کہا تھا کہ مجھے تمہارے دادا جان کے فیصلے کے مطابق شادی

کرنی ہو گی۔"

"دادا جان کا بھی یہی فیصلہ ہے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "میں نہیں مانتی .... دادا جان میری مرضی پوچھے بغیر فیصلہ نہیں سنائیں گے۔"

"تم تو شاید فیصلہ سننے کے بعد بھی نہیں مانو گی؟"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی وہ بولا۔ "بائی دا وے .... تم حسرت سے کس حد تک دلچسپی رکھتی ہو؟"

"میں اسے دل و جان سے چاہتی ہوں۔ اس کے ساتھ ساری زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔"

وہ ایکدم پھٹ پڑا۔ "تمہارا دماغ خراب چل گیا ہے۔ تم شاید دیوانی ہو گئی ہو۔ کیا وہ ایک شادی کے بعد تم سے دوسری شادی کرے گا؟"

وہ کندھے اچکا کر بولی۔ "دوسری شادی پر پابندی تو نہیں ہے۔ کبھی فرصت ملے تو حسرت سے پوچھ لینا۔ یہاں جو بھی ہو جائے وہ کم ہے۔ پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے؟"

وہ مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ وہ اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ نفاست نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔ "مراد! میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ چلو میرے ساتھ .... کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔"

مراد ارمانہ کی شکایت کرتے ہوئے کوٹھی کے احاطے میں آ گیا۔ نفاست کار میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

وہ دونوں کار میں بیٹھ کر جانے لگے۔ ایسے ہی وقت نفاست کے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ سی ایل آئی پر زرینہ کا نمبر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ وہی انجانا دشمن ہو گا۔ اس نے اُسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو.........."

دوسری طرف سے حسرت کی آواز سنائی دی۔ "میں جانتا تھا کہ آپ اپنے ابا جان کو حقیقت سے آگاہ کر دیں گے اور ان کے مشورے کے مطابق یہاں آخری فرائض ادا کرنے آئیں گے۔ میں جو چاہتا تھا وہ ہو گیا۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب آپ یہاں آئیں اور اپنے فرائض ادا کریں۔ ایک بیوی اور ایک بیٹی کو مرنے کے بعد ہی کچھ حقوق مل رہے ہیں۔ میرے لئے یہی بہت بڑی خوشی کی بات ہے۔"

نفاست کچھ کہنا چاہتا تھا مگر دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ وہ موبائل

آف کر کے اس نامعلوم شخص کے بارے میں سوچنے لگا۔ مراد نے پوچھا۔ "ڈیڈ! کس کا فون تھا؟"

وہ تفصیل سے اسے تمام صورت حال سے آگاہ کرنے لگا۔ مراد اتنی بڑی بات چھپائے جانے پر کچھ خفا سا ہو گیا۔ زرینہ اور ثمینہ کے کفن دفن سے لے کر تمام کارروائی مکمل کرنے میں تقریباً پورا دن صرف ہو گیا۔ رات کو وہ دونوں تھکے ہارے واپس آئے تو نفاست سیدھا عبادت علی کے کمرے میں پہنچ گیا اور مراد کبریٰ کے کمرے میں جا کر ایک فرمانبردار بیٹے کا فرض نبھانے لگا۔

کچھ دیر بعد نفاست بھی وہاں پہنچ گیا۔ کبریٰ غصے میں بھری بیٹھی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی چیخ کر بولی۔ "آ گئے آپ؟"

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا پھر مراد کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ بیٹے نے ماں کو تمام تفصیلات بتا دی ہیں۔

وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "غضب خدا کا .... میرے ساتھ وفادار شوہر بن کر رہنے کا ناٹک کرتے رہے' اُدھر دوسری سے عشق کرتے رہے؟ شادی بھی کر لی .... اولاد بھی پیدا ہو گئی اور میں یہاں بے وقوف بنتی رہی۔ اب تو میں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی۔"

وہ اُسے ڈانٹتے ہوئے بولا۔ "چیخ چیخ کر پورا گھر سر پر اٹھا رہی ہو۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب تو تمہاری کوئی سوکن نہیں ہے۔"

"نہیں ہے تو ایک اور آ جائے گی۔ میرا مراد کفن دفن کے لئے آپ کے ساتھ نہ جاتا تو پتہ بھی نہ چلتا کہ آپ باہر کیا گل کھلاتے رہتے ہیں؟"

مراد نے مداخلت کی۔ "ڈیڈ! مجھے بھی آپ سے شکایت ہے ہم باپ بیٹے ہمیشہ ایک دوسرے کے رازدار رہے ہیں لیکن آپ یہ راز مجھ سے بھی چھپاتے رہے ہیں؟"

وہ اسے دیکھ کر ناگواری سے بولا۔ "یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تم بھی اپنے ذاتی معاملات مجھ سے چھپاتے رہتے ہو۔ کیا تم نے حمیرا کے سلسلے میں مجھ سے سچ کہا تھا؟"

مراد اس سے نظریں چرانے لگا۔ وہ بولا۔ "تم ماں کے سامنے معصوم بن کر اس جھگڑے کو نہ بڑھاؤ۔ اپنی ماں کو سمجھاؤ۔"

"میں ممی سے بات کر چکا ہوں۔ آپ انہیں مطمئن کر دیں۔ یہ جھگڑا نہیں کریں گی۔"

وہ دونوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "مطمئن کیا کرنا ہے؟ میں کوئی اور

شادی کرنے نہیں جا رہا ہوں۔"

وہ ایکدم سے بھڑک کر بولی۔ "آپ کا کیا بھروسہ ہے؟ کیا میں گھر سے باہر آپ کو زنجیریں پہنانے جاؤں گی؟؟"

مراد نے کہا۔ "ممی کو مطمئن کرنے کی ایک ہی صورت ہے۔ آپ ایک وصیت لکھ دیں۔"

اس نے چونک کر اُسے دیکھا پھر پوچھا۔ "کیسی وصیت؟؟"

کبریٰ نے کہا۔ "آپ کو لکھنا ہو گا کہ صرف مجھ سے ہونے والی اولاد ہی آپ کی تمام دولت و جائیداد کی وارث ہے۔ کسی دوسری سے ہونے والی اولاد کو آپ کی طرف سے پھوٹی کوڑی نہیں ملے گی۔"

نفاست نے اطمینان کی ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہاں! یہ تو کرنا ہی ہو گا۔ ورنہ تم میری جان نہیں چھوڑو گی۔"

وہ کبریٰ کی تسلی کے لئے ایسی وصیت لکھ سکتا تھا۔ مگر وہ یہ جانتا تھا کہ یہ آئیڈیا کبریٰ کا نہیں ہو سکتا۔ وہ مراد کا باپ تھا۔ اس کی چالاکیوں اور شاطر دماغی کو خوب جانتا تھا۔ خیر' ایسی وصیت اس کے لئے باعثِ نقصان نہیں تھی۔ اس لئے اس نے فوراً ہامی بھر لی تھی۔ مگر اسے مراد سے شکایت تھی۔ وہ اپنی شکایت کا اظہار ابھی نہیں کر سکتا تھا۔

☆======☆======☆

(اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات تیسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں)

سرپرست
محی الدین نواب
3

دوسرے دن نفاست آفس پہنچا تو فوراً ہی اس نے مراد کو بلوایا۔ کچھ دیر بعد مراد نے دروازہ کھول کر پوچھا۔ "ڈیڈ! آپ نے مجھے بلایا ہے؟"

"ہاں .... آؤ .... بیٹھو۔"

وہ اندر آکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ نفاست اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "کل تم کیا حماقت کر رہے تھے؟ گھر میں ماں کے بیٹے بن جاتے ہو۔ ماں کی حمایت میں میرے لئے پرابلم پیدا کرتے ہو۔"

"ممی آپ کا اعتماد کھو کر خود کو تنہا سمجھ رہی تھیں۔ اس لئے میں ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ پھر میں نے کوئی غلط تو نہیں کیا ہے۔ آپ وصیت لکھ دیں گے تو وہ پوری طرح مطمئن رہیں گی۔"

"مجھے وصیت لکھنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر تم دیکھ رہے تھے کہ وہ کس طرح چیخ چیخ کر بول رہی تھیں؟ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہمارے گھر میں ایک فراڈ سدرہ اور سجاد ہیں۔ انہیں معلوم ہو گا کہ ہم آپس میں لڑ رہے ہیں تو وہ اپنے پر پُرزے نکالنے لگیں گے۔ ہماری گرفت سے پھسلنے لگیں گے۔ ان کا لالچ بڑھ جائے گا۔ وہ زیادہ سے زیادہ رقم کا مطالبہ کرنے لگیں گے اور ہو سکتا ہے کہ یہ بات تمہارے دادا جان تک پہنچ جائے کہ وہ نقلی پوتے اور پوتی ہیں..........."

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ وہ دونوں چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ حسرت دروازہ کھول کر مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اس نے نفاست کی باتیں سن لی ہیں۔

وہ اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ڈیڈ! میں اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتا رہا لیکن آپ تو واقعی میرے باپ ہیں۔ اپنے باپ کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں۔"

"میں واقعی تمہارا باپ ہوں، کیا تم واقعی میرے بیٹے نہیں بن سکتے؟"

"یعنی آپ پوچھ رہے ہیں' کیا میں آپ کا رازدار نہیں بن سکتا؟"

مراد نے کہا۔ "ہاں .... ہم یہی چاہتے ہیں' تم سمجھدار ہو یہ سمجھ سکتے ہو کہ ڈیڈی اچھا یا بُرا جو بھی کر رہے ہیں وہ ہم تینوں بھائیوں کے لئے کر رہے ہیں۔"

اس نے پوچھا۔ "کیا دادا جان ہمارے لئے بُرا کر رہے ہیں؟"

اس کے سوال پر نفاست اور مراد ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ حسرت کو رازدار بنانا ضروری ہو گیا تھا۔ نفاست نے کہا۔ "سمجھنے کی کوشش کرو۔ بھائی جان کے بچے کسی دن بھی کہیں سے بھی آ سکتے ہیں۔ تمہارے دادا جان آدھا کاروبار' آدھی دولت اور جائیداد ان کے نام کر دیں گے۔"

مراد نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "ابھی ہم بہت کچھ حاصل کر رہے ہیں۔ سدرہ اور سجاد کے آنے سے شاید کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں۔"

وہ ان کی باتیں سن رہا تھا اور باپ کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک وفادار بیوی اور ایک مظلوم بیٹی کے کھو جانے کا کہیں کوئی ماتمی تاثر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ایسے مطمئن تھا جیسے ایک مصیبت کا پہاڑ ٹل گیا ہے۔ اب زرینہ خاتون کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔

نفاست نے کہا۔ "ہم فرضی سدرہ اور سجاد کو سوچ سمجھ کر لائے ہیں۔ اب وہ ساٹھ کروڑ روپے محکمہ اوقاف میں نہیں جائیں گے۔"

☆======☆======☆

حسرت نے کہا۔ "دادا جان بھی یہی چاہتے ہیں۔ وہ اتنی بڑی رقم کو ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔ وہ ان نقلی سدرہ اور سجاد کو قبول کر لیں گے۔"

نفاست انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "کبھی نہیں کریں گے۔ وہ پوتی اور پوتے کے سلسلے میں بہت زیادہ جذباتی ہیں۔ یہ کبھی تسلیم نہیں کریں گے کہ زیبی کی شادی کسی فراڈ سجاد سے اور مراد کی شادی کسی فراڈ سدرہ سے ہو جائے۔ انہوں نے جمال ہمدانی کو بھی داماد تسلیم نہیں کیا۔ کیونکہ وہ ہماری طرح اعلیٰ خاندان سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔"

وہ بول رہا تھا اور وہ دونوں خاموشی سے سن رہے تھے۔ حسرت اور فہمی کے معاملے میں عبادت علی نے اپنے مزاج سے ہٹ کر منصوبہ بندی کی تھی۔ حسرت اسی پہلو پر غور کر رہا تھا۔

نفاست نے کہا۔ "میں نے دوسری شادی کی تھی۔ وہ باہر سے آنے والی دوسری بہو

کو بھی تسلیم نہ کرتے مگر وہ گمنام رہ کر مر گئی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ کسی کمتر خاندان سے تعلق رکھنے والے سجاد کو ہمارا داماد اور سدرہ کو ہماری بہو بننے دیں گے؟ کبھی نہیں۔"

حسرت نے کہا۔ "دادا جان اپنا مزاج اور اپنے فیصلے موقع کی مناسبت سے بدلتے رہتے ہیں۔"

نفاست نے کہا۔ "اس معاملے میں نہیں بدلیں گے۔ انہوں نے کبھی ہمارے اعلیٰ خاندان کی نیک نامی پر آنچ نہیں آنے دی۔ وہ دولت حاصل کرنے کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں لیکن اپنے سے کمتر لوگوں کو کبھی قبول نہیں کرتے۔"

پھر وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ "حسرت! بیٹے' میں باپ ہو کر پہلی بار تم سے التجا کر رہا ہوں۔ سدرہ اور سجاد کے بارے میں ابا جان سے کچھ نہ کہنا۔"

حسرت اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ نفاست نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔ "کیا میں امید رکھوں کہ تم میری بات رکھو گے؟"

حسرت کی آنکھوں میں ارمانہ کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ اس کا ایک اور جھوٹ سامنے آ رہا تھا۔ وہ محبت جتا رہی تھی مگر اب سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ موٹی رقم کے لالچ میں دوبارہ اس کی زندگی میں آئی ہے۔ اگر وہ اسے دل و جان سے چاہتی تھی تو یہ راز اس کے کانوں تک پہنچا سکتی تھی۔ حسرت اپنے غصے کو قابو میں کرتے ہوئے اٹھ کر بولا۔ "میں دادا جان سے کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔"

پھر وہ تیزی سے پلٹ کر دروازہ کھول کر چلا گیا۔ نفاست اور مراد نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ ہر وقت سر پر لٹکنے والی تلوار ہٹ چکی تھی۔

حسرت تیزی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ کئی بار ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ وہ دادا جان سے کچھ نہ کہنے کا وعدہ کر کے آیا تھا۔ مگر ارمانہ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ کوٹھی میں پہنچ گیا۔ مختلف حصوں سے گزرتا ہوا ارمانہ کے کمرے میں پہنچا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سامنے ہی بیڈ پر ارمانہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اسے خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا اندر داخل ہوا۔

اس نے حسرت کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر سہم کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ بڑے غصے میں دکھائی دے رہے ہو؟"

اس نے پلٹ کر دروازے کو لاک کر دیا۔ ارمانہ نے گھبرا کر پوچھا۔ "دروازہ کیوں بند کر رہے ہو؟"

وہ اسے گھورتا ہوا دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ آنچل سنبھالتے ہوئے بولی۔ ”تمہیں ہوا کیا ہے‘ کچھ بولتے کیوں نہیں؟“

اس نے آگے بڑھ کر اس کے بازو کو سختی سے پکڑ لیا۔ پھر اسے ایک جھٹکے سے اٹھاتے ہوئے بولا۔ ”تمہارا اصلی نام سدرہ ہے؟“

وہ اس کا محبوب تھا۔ اس وقت پہلی بار اس کے اتنے قریب تھا۔ ایسے وقت سانسیں گڈمڈ ہوتی ہیں تو دل و دماغ پر نشہ سا چھانے لگتا ہے۔ محبوب کی مضبوط گرفت تحفظ کا احساس دلاتی رہتی ہے لیکن اس وقت ارمانہ کے دل و دماغ پر نہ تو نشہ چھایا اور نہ ہی اس کی گرفت میں تحفظ کا احساس ہوا۔

حسرت نے اس کے بازو کو جھٹکا دیتے ہوئے ایک بار پھر پوچھا۔ ”بولو .... تمہارا اصلی نام سدرہ ہے؟“

اس نے سہمے ہوئے انداز میں دھیمی آواز میں کہا۔ ”ہاں۔“

”تم میرے بڑے ابو کی بیٹی ہو؟“

اس نے پھر کمزور آواز میں کہا۔ ”ہاں۔“

حسرت نے طیش میں آ کر اسے دھکا دیا۔ وہ بیڈ پر جا گری۔ وہ چیخ کر بولا۔ ”تم جھوٹی ہو .... مکار ہو۔“

اس نے سنبھلتے ہوئے پوچھا۔ ”میں نے کیا مکاری کی ہے؟ تم مجھ سے ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو؟“

وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔ ”جھوٹ بولتے وقت کیسی معصوم بن جاتی ہو؟ مگر اب میں تمہاری معصومیت سے دھوکہ نہیں کھاؤں گا۔ مجھے ڈیڈی اور مراد بھائی سے بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے۔“

وہ نظریں چرانے لگی۔ وہ بولا۔ ”تم نے کہا تھا‘ بہت دولت مند بننا چاہتی ہو۔ ان دنوں تم مجھے ایک غریب اور ناکارہ عاشق سمجھ رہی تھیں۔ جب تمہیں معلوم ہوا کہ میں بہت دولتمند ہوں تو تم سدرہ بن کر پھر میری زندگی میں آ گئی ہو۔“

وہ سمجھ گئی تھی کہ حسرت پر راز کھل چکا ہے اب اس سے کچھ چھپانا یا جھوٹ بولنا مناسب نہیں ہے۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔ ”تم یقین نہیں کرو گے۔ میں یہاں مال و دولت کی لالچ سے نہیں آئی۔ جب مجھے پتہ چلا کہ تم اسی گھر کے ایک اہم فرد ہو تو میں بتا نہیں سکتی کہ مجھے کتنی خوشی ہوئی؟ میں تمہیں کھو کر پچھتا رہی تھی۔ تم

سے ملنے کے لئے‘ تمہیں پانے کے لئے یہاں سدرہ بن کر آئی ہوں۔“

”تم پھر معصومیت سے محبت جتا رہی ہو۔ یہ فراڈ سجاد کون ہے جو تمہارا بھائی بن کر آیا ہے؟“

”اس کا نام فراز ہے۔ ایک سیدھا سادا سا نوجوان ہے۔ وہ بھی میری طرح مجبور ہو کر یہ کھیل کھیلنے یہاں آیا ہے۔“

”تمہارا دعویٰ ہے کہ میری محبت سے مجبور ہو کر یہاں آئی ہو۔ اُس کی مجبوری کیا ہے؟“

”وہ اور زیبی ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں اور تمہارے ڈیڈی چاہتے تھے کہ کوئی ایسا شخص سجاد بن کر آئے جو کینسر کا مریض ہو اور وہ جلد مر جائے۔“

وہ چونک کر بولا۔ ”او گاڈ! کیا وہ کینسر کا مریض ہے؟“

”نہیں۔“ وہ اسے شانے سے پکڑ کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولی۔ ”تم سکون سے بیٹھ کر میری بات سنو۔ اصل حقیقت سے آگاہ ہو گے تو تمہیں علم ہو گا کہ میں اور فراز زیادہ قصوروار ہیں یا تمہارے ڈیڈی؟“

پھر وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ ”زیبی فراز کو بہت چاہتی ہے۔ وہ اسے مریض بنا کر لائی ہے۔ تاکہ تمہارے ڈیڈی کسی اصلی کینسر کے مریض سے اس کی شادی نہ کر دیں۔“

اسے یہ تمام صورت حال سن کر بہت افسوس ہو رہا تھا۔ وہ بڑے دکھ سے بولا۔ ”ہماری دنیا میں عجیب تماشے ہوتے ہیں۔ ڈیڈی دادا جان کو دھوکا دے کر زیبی کو ایک کینسر کے مریض سے منسوب کر رہے ہیں۔ زیبی اپنی پسند کی شادی کرنے کے لئے اور کینسر کے مریض سے بچنے کے لئے ڈیڈی کو دھوکہ دے رہی ہے۔ تم بھی دھوکہ دے کر میرے قریب چلی آئی ہو۔ میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟“

وہ بولی۔ ”ہماری دنیا میں کہاں فریب نہیں ہے؟ میں شو بز کی دنیا میں رہ کر نقلی چہرے دیکھتی رہی ہوں۔ تم کاروباری دنیا میں ہیرا پھیری کرنے والوں کو دیکھتے رہے ہو۔ شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جہاں کوئی کسی کو دھوکہ نہ دیتا ہو؟“

پھر وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر بولی۔ ”مجھ سے وعدہ کرو کہ تم میری خاطر اپنی زبان بند رکھو گے۔“

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ یہاں سب ہی ایک

دوسرے کو دھوکا دے رہے تھے۔ وہ ان دھوکے بازوں میں شامل نہیں ہونا چاہتا تھا مگر ارمانہ کی محبت نے مجبور کر دیا۔ وہ اُسے جھوٹی یا مکار کیوں کہتا؟ جب گھر کے سرپرست ہی فریب کی ڈگر پر چل رہے ہوں تو گھر کے چھوٹے بھی اپنے مطلب کے لئے جھوٹ کا ساتھ دینے لگتے ہیں۔ وہ اب ارمانہ سے دور نہیں ہونا چاہتا تھا لہٰذا اسے پانے کے لئے اُس نے وعدہ کرلیا کہ وہ ارمانہ کا ساتھ دے گا۔ اپنی زبان بند رکھے گا۔

☆======☆======☆

کبریٰ کو جب سے علم ہوا تھا کہ نفاست نے چھپ کر شادی کر رکھی تھی تب سے پریشان تھی۔ دل کے آئینے میں بال آ گیا تھا' نفاست کی صورت دکھائی دیتی تھی مگر بگڑی ہوئی۔ اُسے یہی خدشہ تھا کہ جو ایک بار بہک سکتا ہے وہ دوبارہ بھی بہک سکتا ہے۔ نفاست نے وصیت لکھ کر دینے کا وعدہ کیا تھا مگر کبریٰ کو ایسی وصیت بھی دلی سکون نہیں پہنچا رہی تھی۔

وہ بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ مراد دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو وہ ایکدم سے پھٹ پڑی۔ "مراد! دیکھ لینا .... ایک دن ہمیں پھر ایسی منحوس خبر ملے گی کہ تمہارے ڈیڈی نے ایک اور شادی کرلی ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "ممی! آپ کو پریشانی کیا ہے؟ ڈیڈی وصیت لکھ دیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کبھی چھپ کر شادی نہیں کریں گے۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "تم تو باپ کی باتوں میں آ جاتے ہو۔ وہ بڑے چھپے رستم ہیں' اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے۔"

"پلیز ممی! ڈیڈی پر نہ سہی مجھ پر تو بھروسہ کریں۔ ڈیڈی اور میں پہلے ہی بہت الجھے ہوئے ہیں۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ بیٹے کے چہرے پر پریشانی کی شکنیں ابھریں تو ماں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "کیسی الجھن؟"

ایسے وقت وہ اپنا دکھڑا بھول گئی تھی۔ وہ بولا۔ "حسرت کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سدرہ اور سجاد نقلی ہیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "ہائیں .... اسے کیسے معلوم ہو گیا؟"

"آپ تو جانتی ہیں کہ آپ کا وہ بیٹا ہمیشہ ہمارے لئے خطرہ ہی بنا رہتا ہے۔ اس نے ہماری باتیں سن لی تھیں۔ اب ڈیڈی مجبور ہو کر اسے ہم خیال بنا رہے ہیں' اُسے سمجھا

رہے ہیں۔"

وہ اپنی الجھن بھول کر حسرت کے بارے میں سوچنے لگی پھر بولی۔ "میں بھی اسے سمجھاؤں گی۔ وہ تو ہمارا ہو کر ہمارے ہی پاؤں کا چھالا بنا رہتا ہے۔ نہ جانے کس پر گیا ہے؟"

مراد ناگواری سے بولا۔ "ان الجھنوں میں ہمارے اہم کام ادھورے رہ گئے ہیں۔ جلد سے جلد زیبی کی شادی سجاد سے اور میری شادی سدرہ سے ہو جانی چاہئے۔ ساٹھ کروڑ کا معاملہ ہے۔ ہمیں پہلے یہ رقم حاصل کرنی چاہئے۔ اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے آپ دادا جان سے شادی کی تاریخ مقرر کرائیں۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں مناسب موقع دیکھ کر ان سے بات کروں گی۔ مگر بیٹا! تم اپنے ڈیڈی پر نظر رکھو۔ میں ان کی طرف سے بڑی فکر مند رہنے لگی ہوں۔"

"ممی! آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کا بیٹا' آپ کی جائیداد کسی غیر کے ہاتھوں میں نہیں جانے دے گا۔ آپ مطمئن رہیں۔"

وہ اُسے تسلی دے کر چلا گیا۔ بیٹے کی باتوں سے دل کو اطمینان پہنچا تھا۔ کچھ ڈھارس بندھی تھی۔ اب اس کی سوچ کا محور زیبی اور مراد کی شادی تھا۔ وہ عبادت علی سے بات کرنے کے لئے کسی مناسب وقت اور موقع کا انتظار کرنے لگی۔

دوسری طرف حسرت ارمانہ کے ساتھ عبادت علی کے کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ پھر اُسے باہر ہی رکنے کو کہہ کر خود اندر چلا گیا۔ عبادت علی نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔ "آؤ .... کیا ہو رہا ہے؟"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کچھ نہیں .... دل میں راز دبا کر ادھر سے اُدھر پھر رہا ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولے۔ "ہم سمجھ رہے ہیں' تم کس راز کی بات کر رہے ہو؟ فہمی تو دن رات ہمارے پاس رہتی ہے۔ اس پر شادی اور طلاق کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ معصوم دلہن بن کر خوش ہو گئی تھی۔"

"مگر زیبی اور اسد وغیرہ کو شبہہ ہو رہا ہے۔"

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "کیسا شبہہ؟"

"وہ سب مجھ سے طرح طرح کے سوالات کر رہے ہیں۔"

وہ سوچتے ہوئے بولے۔ "یہ بات چھپنے والی نہیں ہے۔ ایک دن سب پر ظاہر ہو

جائے گی۔ جب تک پچاس کروڑ نہ مل جائیں ہمیں اپنی زبان بند رکھنی ہے۔"

اس نے پوچھا۔ "آپ ڈیڈی سے کوئی بات نہیں چھپاتے ہیں۔ پھر ان سے کیوں چھپا رہے ہیں؟"

"تمہارا باپ کئی معاملات میں ہمارا رازدار ہے لیکن طلاق کے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بات صرف ہمارے اور تمہارے درمیان رہے گی۔"

"میں اتنا تو سمجھتا ہوں کہ ایک اہم بات کو جس قدر راز میں رکھا جائے اتنی ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔"

"ہم یہی چاہتے ہیں کہ ایک زبان سے دوسری زبان تک طلاق کا چرچا نہ ہو۔ اس وکیل کو معلوم ہو گا تو وہ پچاس کروڑ ادائیگی روک دے گا۔ اتنی بڑی رقم محکمہ اوقاف میں پہنچا دے گا۔"

ارمانہ دروازہ کھول کر مسکراتی ہوئی اندر آئی۔ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا' ماتھے پر پریشانی کی شکنیں ابھریں پھر ذرا سنبھل کر جبراً مسکرا کر بولے۔ "ہماری بیٹی آ گئی۔ ابھی ہم پوچھنے ہی والے تھے کہ تم کہاں ہو؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "میں آتے آتے رُک گئی تھی' آپ کی باتیں سن رہی تھی۔"

عبادت علی نے پریشان ہو کر حسرت کی طرف دیکھا۔ وہ بولی۔ "آپ دونوں کی پلاننگ میرے حق میں ہے۔ میں سمجھ رہی تھی کہ مجھے فہمی کی سوکن بننا پڑے گا۔ تھینکس گاڈ! اب میرے اور حسرت کے درمیان کوئی نہیں ہے۔"

انہوں نے حیران پریشان ہو کر پوچھا۔ "یہ .... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

حسرت نے مداخلت کی۔ "آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں فہمی سے عارضی نکاح قبول کروں گا تو آپ مجھے میری پسند سے شادی کرنے دیں گے۔"

پھر وہ ارمانہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "دادا جان! یہ سدرہ ہی میری پسند ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولے۔ "بیٹے! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اب شادی شدہ نہیں ہوں۔"

"ہاں .... مگر ہم نفاست اور کبریٰ کو زبان دے چکے ہیں۔ سدرہ کو مراد سے منسوب کر چکے ہیں۔"

مراد کی پیشینگوئی درست ثابت ہو رہی تھی اور یہ صورت حال انہیں الجھا رہی

تھی۔ ارمانہ نے ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "دادا جان! آپ مجھے بھی زبان دے چکے ہیں کہ میں جو مانگوں گی' وہ دیں گے۔ میں جب چاہوں گی' آپ میرا قرض اتار دیں گے۔"

وہ مشکل میں پڑ گئے تھے۔ پہلو بدلتے ہوئے سوچنے لگے۔ حسرت نے کہا۔ "آپ ہم دونوں کے قرضدار ہیں اور ہم جانتے ہیں' آپ زبان سے نہیں پھرتے۔"

ارمانہ نے کہا۔ "دادا جان! میں بیس برس کے بعد آئی ہوں اور ان بیس برسوں میں پہلی بار آپ سے کچھ مانگ رہی ہوں۔"

انہوں نے سوچتی ہوئی نظروں سے پوتی کو دیکھا۔ بے شک سدرہ اور سجاد بیس برس کی مسلسل امیدوں' مایوسیوں اور گڑگڑاتی ہوئی دعاؤں کے بعد ملے تھے۔ ان دعاؤں کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے ان بچوں کو مایوس نہ کرتے۔

جب آدمی دو جگہ زبان دے چکا ہو تو کسی ایک جگہ زبان ہارنا ہی پڑتی ہے اور وہ کسی ایک جگہ ہارنے والے تھے۔

☆======☆======☆

سید عبادت علی شاہ کے سامنے شطرنج کی بساط بچھی ہوئی تھی۔ اس بساط کے دو چار مہرے مات کھا چکے تھے۔ ان میں سے ایک اہم مخالف مُہرہ جمال ہمدانی تھا جو ہمیشہ کے لئے مات کھا چکا تھا۔

دوسرا مُہرہ فہمی تھی۔ وہ اس کے پچاس کروڑ روپے جیت چکے تھے۔ سدرہ اور سجاد بھی مُہرے کے طور پر ان کی بساط پر آ گئے تھے۔ اب ان کے رشتے بھی طے کرنے کا مسئلہ تھا اور یہ مسئلہ گھمبیر ہوتا جا رہا تھا۔

انہوں نے اپنے بیٹے نفاست سے وعدہ کیا تھا کہ سدرہ کو مراد سے منسوب کیا جائے گا۔ دوسری طرف وہ انجانے میں سدرہ کو زبان دے چکے تھے کہ وہ اس کی کوئی ایک بڑی خواہش ضرور پوری کریں گے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سدرہ حسرت سے شادی کرنے کی خواہشمند ہو گی۔

وہ اپنی خواہش بیان کر چکی تھی اور اپنے دادا جان سے کہہ چکی تھی کہ وہ اپنی زبان سے نہیں پھرتے۔ لہٰذا اس کی خواہش ضرور پوری کریں گے۔

وہ بُری طرح الجھے ہوئے تھے۔ زبان سے پھر نہیں سکتے تھے اور اسی زبان سے وہ بیٹے سے وعدہ کر چکے تھے کہ سدرہ کو مُراد سے منسوب کیا جائے گا۔ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا

تھا کہ کس کے حق میں فیصلہ کریں؟ کسی ایک کے حق میں فیصلہ کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ دوسری طرف ان کی زبان جھوٹی پڑ جاتی۔

وہ ایک صوفے پر بیٹھے حقے کی نے ہونٹوں میں دبائے کش لگا رہے تھے۔ حقے کی گڑگڑاہٹ ابھر رہی تھی اور وہ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ایسے وقت کبریٰ' نفاست اور مراد نے آ کر انہیں سلام کیا۔

انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔ "بہو بیگم کے ساتھ آئے ہو۔ ضرور کوئی خاص بات ہے؟"

نفاست نے کہا۔ "کبریٰ کی تو بس ایک ہی آرزو رہ گئی ہے کہ جلد سے جلد بچوں کی شادیاں ہو جائیں۔"

انہوں نے پوچھا۔ "اور تم کیا چاہتے ہو؟"

وہ بولا۔ "جو آپ چاہتے ہیں۔ ان شادیوں کے ذریعے جو رقم ہاتھ آ رہی ہے۔ اسے فوراً حاصل کر لینا چاہئے۔"

مراد نے مداخلت کی۔ "آپ نے فہمی کو دلہن بنایا' وہ حسرت کے ساتھ خوش ہے۔ دادا جان! ہم بھی خوش رہنا چاہتے ہیں۔"

انہوں نے سوچتی ہوئی نظروں سے پوتے کو دیکھا۔ پھر بولے۔ "ضرور .... ضرور.........."

کبریٰ نے کہا۔ "ایک بہو پا کر میں بہت خوش ہوں۔ چاہتی ہوں' دوسری بھی جلد ہی مل جائے۔"

نفاست نے کہا۔ "امی جان کا وکیل فہمی کی شادی سے مطمئن ہو گیا ہے۔ جلد ہی پچاس کروڑ ہمارے پاس آ جائیں گے۔"

وہ تائید میں سر ہلانے لگے۔ کبریٰ آگے بڑھ کر بولی۔ "وہ وکیل سدرہ اور سجاد سے بھی مل چکا ہے' ان سے بھی مطمئن ہے۔ اگر ان کی بھی شادیاں ہو جائیں تو وہ ساٹھ کروڑ بھی ہمیں مل جائیں گے۔"

وہ سوچنے لگے پھر ذرا توقف کے بعد بولے۔ "ٹھیک ہے' اگلے کسی جمعے کے دن زیبی اور سجاد کا نکاح کرا دیا جائے گا۔"

ان تینوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ مراد کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن نفاست نے اسے اشارے سے خاموش کرا دیا۔ پھر خود کہا۔ "ابا جان! مراد بڑا ہے' پہلے اس کی

شادی ہو جاتی تو .... بہتر ہوتا۔"

وہ حقے کی نے کو ہونٹوں سے ہٹاتے ہوئے بولے۔ "یہ نہ دیکھو کہ عمر میں کون بڑا ہے؟ یہ دیکھو کہ کس کی شادی سے بڑی رقم ملے گی؟"

کبریٰ اور نفاست نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ انہوں نے پوچھا۔ "تم بتاؤ ان ساٹھ کروڑ میں سے سجاد کو کتنا ملے گا اور سدرہ کو کیا حاصل ہو گا؟"

وہ بولا۔ "سجاد کو چالیس کروڑ اور سدرہ کو بیس کروڑ.........."

وہ بولے۔ "تو پھر چالیس کروڑ والی شادی پہلے ہونی چاہئے۔"

کبریٰ نے انہیں ناگواری سے دیکھا۔ مراد بولا۔ "لیکن دادا جان! وہ بیس کروڑ بھی تو حاصل کرنے ہی ہیں۔ پھر دیر کیوں؟"

انہوں نے کہا۔ "بیس کروڑ بعد میں حاصل ہو جائیں گے ایسی جلدی بھی کیا ہے؟ ذرا صبر کرو۔ پہلے زیبی اور سجاد کی شادی ہو جانے دو۔"

"دادا جان! ایک دن میں دو شادیاں بھی تو ہو سکتی ہیں۔"

"لیکن ہم ایک دن میں دو شادیاں کرانا نہیں چاہتے۔ ہم سے بحث نہ کرو ہمارے ہر فیصلے میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ جسے تم نہیں سمجھو گے۔"

اس نے ایک نظر کبریٰ اور نفاست پر ڈالی پھر وہاں سے پیر پٹختا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ غصے سے سوچنے لگا۔ "دادا جان کو سب کی شادیوں کی فکر ہے سوائے میرے' ہر گھر میں سب سے پہلے بڑی بہو کو لایا جاتا ہے لیکن یہاں .... یہاں کا تو دستور ہی نرالا نظر آ رہا ہے۔ اونہہ.........."

وہ غصے اور بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ کبریٰ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ وہ اسے دیکھتے ہی بولا۔ "سنا آپ نے؟ دادا جان نے میری شادی سب سے پیچھے کر دی ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ بڑے بیٹے کو سب سے آخر میں بیاہا جائے؟"

وہ ایک گلاس میں پانی انڈیل کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "بیٹا! آرام سے بیٹھو۔ یہ لو' ٹھنڈا پانی پیو۔"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "ٹھنڈا پلانے سے میرا دماغ ٹھنڈا نہیں ہو گا۔ اگلے کسی جمعے کو زیبی اور سجاد کی شادی کی جا رہی ہے۔ کیا اسی دن میری شادی نہیں ہو سکتی؟"

"تم نے ابا جان کی باتیں سنی ہیں۔ وہ ایک دن میں دو شادیاں نہیں کرانا چاہتے۔ کیا

ان سے کوئی بحث کر سکتا ہے؟ تم ہی صبر کر لو' کیا سدرہ بھاگی جا رہی ہے؟"

"ہاں ...... بھاگی جا رہی ہے۔ نہ جانے حسرت کو مجھ سے کیا دشمنی ہے؟ پہلے وہ فہمی کے معاملے میں میرا رقیب بن گیا تھا اور اب سدرہ کے لئے رقیب بن رہا ہے۔"

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"آپ کو میری بات بکواس ہی لگے گی۔"

"تم بات ہی ایسی کر رہے ہو۔ بھائی کو رقیب کہہ رہے ہو۔"

"آپ اپنے اس بیٹے کی بدمعاشیوں کو نہیں سمجھ رہی ہیں۔ آپ نہیں جانتیں وہ سدرہ سے میری شادی نہیں ہونے دے گا۔"

"کیوں نہیں ہونے دے گا؟"

"اس لئے کہ وہ سدرہ کو پسند کرتا ہے۔"

وہ حیران ہو کر بولی۔ "کیا مطلب؟"

"جی ...... وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اندر ہی اندر کوئی کھچڑی پکا رہے ہیں لیکن میرا نام بھی مراد ہے' ان کی دلی مراد پوری نہیں ہونے دوں گا۔"

"حسرت کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ ایک کھونٹے سے بندھ چکا ہے' کہیں نہیں بھٹکے گا اور رہی وہ لڑکی تو اسے ہمارے حکم کے مطابق رہنا ہو گا۔"

"ایسا نہیں کرے گی تو بہت پچھتائے گی۔"

وہ غصے سے دانت پیس رہا تھا۔ مضطرب نظر آ رہا تھا۔ وہ بولی۔ "اب تم زیادہ پریشان نہ ہو۔ میں حسرت کو سمجھاؤں گی' اطمینان رکھو' سدرہ تمہاری ہی دلہن بنے گی۔"

عبادت علی نے زیبی اور سجاد کی شادی کے لئے اس ماہ کی سولہ تاریخ طے کر دی۔ نفاست علی نے ان کے فیصلے کے سامنے سر جھکا لیا۔ کبریٰ کے لئے یہ بھی کوئی گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔ وہ بیٹے کی خوشی چاہتی تھی لیکن بیٹی کو دلہن بنا کر زیادہ منافع حاصل ہونے والا تھا۔ محکمہ اوقاف میں جانے والی تمام رقم دھیرے دھیرے اس کی دہلیز پر آ رہی تھی۔

عالیہ یہ خوشخبری سنتے ہی دوڑتی ہوئی زیبی کے کمرے میں پہنچ گئی۔ وہ وہاں فراز کو سجاد کی بچپن کی تصویریں دکھا رہی تھی۔ عالیہ اندر داخل ہوتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ وہ بولی۔ "کیوں بھئی کیا ہو گیا ہے؟ بڑی خوش نظر آ رہی ہو؟"

عالیہ بولی۔ "بات ہی خوشی کی ہے۔ اس مہینے کی سولہ تاریخ......"

وہ چپ ہو گئی' بات ادھوری چھوڑ دی۔ زیبی نے پوچھا۔ "کیا سولہ تاریخ کو عید

ہے؟"

فراز بھی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ زیبی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "ہاں ...... ایسی عید جو لڑکیوں کی زندگی میں ایک بار ہی آتی ہے۔"

فراز نے پوچھا۔ "کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو؟"

"ہاں ...... آپ بوجھیں' سولہ تاریخ جمعے کا مبارک دن' ڈھولک کی تھاپ' سہاگ کے گیت اور شہنائیوں کی آواز......"

زیبی نے کہا۔ "میں سمجھ گئی۔ بھائی جان اور سدرہ کی شادی ہونے والی ہے۔ کیوں' ٹھیک کہا نا؟"

وہ بولی۔ "مراد بھائی کی شادی فی الحال ملتوی کر دی گئی ہے۔"

وہ دونوں سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے' وہ بولی۔ "ابھی تو تمہارے اس مریض کے سر پر سہرا باندھا جائے گا اور میری بنو! تم دلہن بنو گی۔"

وہ ایک دم سے شرما گئی۔ فراز نے خوش ہو کر پوچھا۔ "کیا سچ کہہ رہی ہو؟"

"خالہ امی نے بتایا ہے' میں ان کی زبان سے سن کر آ رہی ہوں۔"

زیبی کے چہرے سے خوشی چھلک رہی تھی لیکن فراز کچھ سنجیدہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ عالیہ نے پوچھا۔ "مسٹر! تم خوش نہیں ہو رہے ہو؟"

وہ بولا۔ "خوشی اس وقت ہو گی' جب زیبی کا نکاح میرے صحیح نام سے اور صحیح ولدیت سے پڑھایا جائے گا۔"

وہ بولی۔ "اسد اس نکاح کے انتظامات کر چکے ہیں۔ نکاح کے وقت بزرگوں کی موجودگی لازمی ہے۔ تمہاری امی اور ابو کو یہاں پہنچنا چاہئے۔"

"میں نے انہیں خط لکھ کر اطلاع کر دی ہے۔ وہ کل صبح کی ٹرین سے آ رہے ہیں۔"

وہ زیبی کے سر پر آنچل رکھتے ہوئے بولی۔ "پھر تو جلد ہی ہماری بنو دلہن بنے گی۔"

فراز نے بڑے پیار سے زیبی کی طرف دیکھا۔ وہ اٹھ کر تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر جانے لگی۔ عالیہ اس کے پیچھے جاتے ہوئے بولی۔ "ارے' کہاں جا رہی ہو؟ سنو تو......"

اسے شرم آ رہی تھی' فراز سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رکی۔ کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ عالیہ بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر چلی گئی۔ وہ زیر

لب مسکرانے لگا۔ پھر سجاد کی تصویر کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ "دوست! تم آتے تو زیبی دلہن بن جاتی۔ تم نہیں آئے' تمہارا شکریہ۔ میری دعا ہے' تم زندہ سلامت رہو' ہمیشہ خوش رہو۔ ویسے تم ہو کہاں؟"

☆======☆======☆

"سجاد علی ولد شفاعت علی کو حاضر کرو۔"

جیلر نے ریلیز آرڈر پر نظریں جماتے ہوئے حکم دیا۔ ایک سپاہی نے آہنی دروازہ کھول دیا۔ دوسرا سپاہی حکم کی تعمیل کے لئے جیل کے احاطے میں چلا گیا۔ جیلر ایک میز پر جھکا ہوا تھا اور سجاد علی قیدی نمبر دو سو گیارہ کی فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کے سامنے تین قیدی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنے فرش پر اکڑوں بیٹھے ہوئے تھے' اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں سزا کاٹنے کے لئے جیل کے اندر جانا تھا اور جو سزا کاٹ چکے تھے' انہیں رہائی پا کر باہر جانا تھا۔

کچھ دیر بعد جیلر نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سجاد ایک سپاہی کے ساتھ اندر آ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ ایسا قد آور تھا کہ سپاہی اس کے سامنے بونا نظر آ رہا تھا۔ آج صبح جیل کے حجام نے اس کا شیو بنا دیا تھا۔ جس کے باعث چہرے کا مردانہ حُسن نکھر آیا تھا۔ آنکھوں میں گہری سنجیدگی نے ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ ہونٹ ہمیشہ طنزیہ انداز میں مسکراتے رہتے تھے' جیسے زندگی کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ دو سال بعد اس نے قیدیوں کے لباس کے بجائے عام شہری کا لباس پہنا تھا۔

جیلر نے کہا۔ "اس لباس میں تم ایک مہذب شہری نظر آ رہے ہو۔ کیا سچ مچ ایک ذمہ دار شہری کی طرح زندگی نہیں گزار سکتے؟"

اس کے ہونٹوں کی طنزیہ مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔ "نصیحت کرنا آسان ہے جناب! مگر ہماری طرح زندگی گزارنا محال ہے۔"

"یہ کہنے کی باتیں ہیں۔ انسان اگر شرافت سے زندگی گزارنا چاہے تو یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔"

پھر جیلر نے ایک کاغذ اور قلم اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اپنے ریلیز آرڈر پر دستخط کرو۔"

سجاد نے آگے بڑھ کر کاغذ اور قلم اس کے ہاتھ سے لے لئے۔ پھر اس پر لکھے پیراگراف کو پڑھنے لگا۔ اس میں لکھا تھا کہ میں وعدہ کرتا ہوں' آئندہ قانون کا احترام کروں

گا اور ایک ذمہ دار شہری کی طرح زندگی بسر کروں گا۔

اس نے دستخط کرتے ہوئے کہا۔ "بڑی عجیب سی بات ہے' جرائم کی بنیادی وجوہات کو سمجھنے کے بجائے کھوکھلے وعدے لئے جاتے ہیں کہ آئندہ جرم نہ کرنا۔"

جیلر نے ناگواری سے کہا۔ "تم مجرم ہو لہٰذا لیڈروں کی طرح باتیں نہ بناؤ۔ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"میں تو جا رہا ہوں جناب! لیکن یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آپ یہاں سے نہیں جا سکتے' ساری زندگی جیل میں گزاریں گے۔"

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ جیلر خاموشی سے اسے گھورتا رہ گیا۔

جیل کے باہر اس کا جگری یار شیدے پھولوں کا ہار لئے تانگے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس نے تانگے پر سے چھلانگ لگائی اور دوڑتا ہوا آ کر اس سے لپٹ گیا۔ "اوئے سجاد! تیرے بغیر یاروں کی محفل ویران ہو گئی تھی۔"

اس نے پھولوں کا ہار پہنانے کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے سجاد نے اس کے ہاتھوں کو تھام کر پھولوں کو دیکھا' پھول تازہ تھے' خوشبو بکھیر رہے تھے۔ ایک گلاب کو دیکھ کر اس کی نگاہوں میں سدرہ کا چہرہ ابھرنے لگا۔ وہ مسکرا رہی تھی اور اپنی خاموش نگاہوں سے اُسے پکار رہی تھی۔ "بھائی جان!"

اس کا معصوم لہجہ سجاد کے دل میں اترتا چلا گیا۔ وہ ہار کو سینے سے لگا کر کہا۔ "یہ ہار میں اپنی بہن کو پہناؤں گا۔"

شیدے نے گہری اداسی اور صدمے سے اسے دیکھا۔ اس کے ہونٹ کھلے وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہ سکا۔ خاموشی سے سر جھکائے تانگ کی طرف جانے لگا۔ وہ دونوں تانگے میں آ کر بیٹھ گئے۔

شام کے سائے پھیلتے جا رہے تھے۔ راستے میں ٹریفک کا شور یوں سنائی دے رہا تھا جیسے آس پاس کی دنیا ماتم کر رہی ہو' بین کرتے ہوئے پوچھ رہی ہو۔ "تُو کہاں جائے گا' تازہ پھولوں کی مالا کس بہن کو پہنائے گا؟"

سجاد کی آنکھیں خشک اور ویران تھیں۔ آنسو آنکھوں سے گرنے کے بجائے دل میں قطرہ قطرہ ٹپک رہے تھے۔ دو برس بعد وہ کھلے آسمان تلے سانس لے رہا تھا لیکن وہ سانسیں آہوں کی طرح سینے میں اتر رہی تھیں۔

تانگہ قبرستان کے سامنے آ کر رک گیا۔ وہ دونوں اتر کر قبرستان کے دروازے سے

اندر آئے۔ دور تک پختہ اور شکستہ قبریں دکھائی دے رہی تھیں۔ شیدے آگے آگے چلنے لگا۔ پھر ایک پرانی اور پختہ قبر کے پاس آ کر رُک گیا۔ سجاد بھی اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ بڑے صدمے سے قبر کے سرہانے لگے کتبے کو پڑھنے لگا۔

"سدرہ بانو بنت شفاعت علی

تاریخ پیدائش 10 فروری 1984ء

تاریخ وفات 10 مارچ 2000ء"

سجاد کے ہاتھوں میں پھولوں کی مالا کانپنے لگی۔ یہ اس کی بہن کی قبر تھی' جس کے جنازے کو وہ کاندھا بھی نہیں دے سکا تھا۔ جیل کے قانون نے اسے اجازت نہیں دی تھی کہ وہ آخری بار اپنی بہن کا دیدار کر سکے۔ آج دو سال بعد بہن کو قبر کی قید میں دیکھنے آیا تھا۔ جس سے کسی کو رہائی نہیں ملتی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا اور قبر سے لپٹ کر بے اختیار رونے لگا۔

مجرم کی آنکھوں میں بھی آنسو آتے ہیں۔ وہ عادی مجرم نہیں تھا لیکن دو برس میں جیل کی سختیاں جھیل کر اس کا دل اور سینہ پتھر ہو گیا تھا۔ مگر اس پتھر میں اب بھی ایک بہن کا پیار مچلتا تھا۔ پیار اور پتھر کا رشتہ بہت پرانا ہے۔ ان پتھروں کو تراش کر کبھی تاج محل بنایا گیا' کبھی یہی پتھر پیار کرنے والوں پر برسائے گئے اور کبھی انہی پتھروں سے بہن کی قبر کا کتبہ بنا دیا گیا اور سدرہ قبر میں نہیں تھی' بھائی کے پتھریلے سینے میں سو رہی تھی۔

شیدے اپنے دوست کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھ سکا۔ دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ اس کے چاروں طرف قبروں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ ان میں سے ہر قبر اپنی ایک کہانی رکھتی تھی اور اپنے کتبے کے عنوان سے کچھ نہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔

شیدے نے چور نظروں سے سدرہ کے کتبے کی طرف دیکھا۔ اس پر لکھی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات بتا رہی تھی کہ وہ سترہ برس کی تھی۔

موت آئی تھی' بھری بہار میں..........

اسے سہاگ کے سرخ جوڑے میں منہ چھپا کر جانا تھا لیکن وہ سفید کفن میں زندگی سے منہ چھپا کر چلی گئی۔

سجاد نے بی اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ ماں باپ کی وفات کے بعد جوان بہن کی ساری ذمہ داری اسی کے کاندھوں پر آ پڑی تھی۔ اتنی بڑی دنیا میں وہ دونوں بہن بھائی تنہا رہ گئے تھے۔ آگے پیچھے بہت سے رشتہ دار تھے' مگر سب نام کے تھے اور جو کام کے تھے

سجاد کو ان کے پاس جانا گوارہ نہ تھا۔ سدرہ ضد کرتی تھی۔

"بھائی جان! دادا جان کے پاس چلیں' ابو کہتے تھے کہ میرے نام پر آم کے باغات ہیں' ہزاروں لاکھوں روپے کی سالانہ آمدنی ہے۔ دادا جان کے کاروبار میں آپ کا بھی حصہ ہے۔ اتنی دولت ہوتے ہوئے ہم یہاں بے وجہ مصیبتیں اٹھا رہے ہیں۔"

سجاد نے اسے سمجھایا۔ "ابو وہاں نہیں جانا چاہتے تھے' پھر ہم کیوں جائیں؟ ہمیں زندہ رہنے کے لئے تین وقت کی روٹی اور تن ڈھانپنے کے لئے ایک جوڑا لباس چاہئے۔ مجھ جیسے نوجوان کے لئے یہ چیزیں کمانا بہت بڑا کام نہیں ہے۔ بس .... تمہاری شادی کی فکر ہے۔ اس کے لئے میں دن رات محنت کروں گا اور اتنا سارا جہیز تیار کروں گا کہ تمہیں دادا جان کی محتاجی نہیں ہو گی۔"

وہ نوجوان تھا' بے روزگاری کے مسائل کو نہیں سمجھتا تھا۔ اس لئے بلند دعوے کر کے گھر سے کمانے کے لئے نکلا اور در بدر کی ٹھوکروں میں رُلتا چلا گیا۔ تمام دن ملازمت کی تلاش کے بعد رات کو واپس آتا تو بہن اس کے مرجھائے ہوئے چہرے کو پڑھ لیتی۔

چھ ماہ کی جدوجہد کے بعد ملازمت ملی بھی تو ایسی کہ صرف دال روٹی کا خرچ پورا ہوتا تھا۔ سدرہ کا جہیز تو دور کی بات ہے' وہ اس کے لئے ایک ریشمی جوڑا بھی نہیں بنوا سکتا تھا۔

محلے میں کہیں شہنائی کی آواز گونجتی تو بہن کا ننگا سر بھائی کے سر کو ندامت سے جھکا دیتا۔ سجاد اسے جھوٹی تسلیاں دے کر بہلاتا تھا اور وہ اس سے ضد کرنے لگتی تھی۔

"بھائی جان! ہم دادا جان کے پاس جا کر خیرات نہیں مانگیں گے' اپنا حق مانگیں گے۔ ابو نے برسوں ان کی ٹیکسٹائل ملز میں محنت کی ہے۔ ان کے کاروبار کو آگے بڑھایا ہے۔ کیا ہم ابو کی محنتوں کا معاوضہ طلب نہیں کر سکتے؟"

"نہیں .... محنت ابو نے کی تھی' معاوضہ بھی وہی طلب کر سکتے تھے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا' پھر میں کیوں کروں؟ تم زیادہ بحث نہ کیا کرو۔ ابھی ہم پر بُرا وقت ہے لیکن یہ ہمیشہ نہیں رہے گا۔"

وہ بہن کو سمجھا منا کر اور کبھی ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کر دیتا تھا لیکن رات کی تنہائی میں بہن کی باتیں دل و دماغ میں گونجتی رہتیں۔ وہ سمجھے یا نہ سمجھے لیکن معصوم بہن سمجھ گئی تھی کہ بھائی امید کے سہارے جی رہا ہے۔ ایسے دور میں جب امیر اور زیادہ امیر اور غریب اور زیادہ غریب بنتے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں امید کا سکہ کھوٹا پڑ جاتا ہے۔

حسرتوں کی شام ہوتی ہے لیکن ارمانوں کی صبح کبھی نہیں ہوتی۔ سجاد کے ذہن میں حالات کی تلخیاں زہر کی طرح گھلنے لگیں۔

رفتہ رفتہ یہ بات ذہن میں بیٹھ گئی کہ دو ہزار روپے ماہوار پا کر وہ بہن کی ڈولی ساری زندگی نہیں اٹھا سکے گا۔ عبادت علی کے خاندان کی یہ بیٹی آم کے باغات کی آمدنی سے اپنے سہاگ کا سپنا دیکھتے دیکھتے بوڑھی ہو جائے گی۔

ایک شام وہ اپنی تنخواہ سے پیشگی رقم مانگنے کے لئے اپنے باس کے پاس آیا تو دفتر خالی تھا۔ دوسرے ملازم جا چکے تھے۔ چپڑاسی چائے کے لئے کینٹین میں گیا تھا۔ اٹیچڈ باتھ روم میں شاور سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ باس غسل کر رہا تھا۔ سجاد کے سامنے باس کا چرمی بیگ کھلا ہوا تھا اور اس میں سے نوٹوں کی گڈیاں جھانک رہی تھیں۔

سجاد کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ وہ روپے چرمی بیگ سے نہیں بہن کے خیالی گھونگھٹ سے جھانک رہے تھے اور شیطانی سرگوشیوں میں کہہ رہے تھے کہ تمہاری بی اے کی سند اور دن رات کی محنت بھی مجھے حاصل نہیں کر سکتی۔ تمہاری ساری جوانی محنت کے پسینے میں بہتی رہے گی اور للچائی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتی رہے گی۔ کیونکہ بزدل للچا کر رہ جاتے ہیں اور شہ زور مجھے چھین کر لے جاتے ہیں۔

جب ذہن جرم کی طرف مائل ہوتا ہے تو سب سے پہلے جرم کو جائز قرار دینے کے لئے کچے پکے دلائل کا سہارا لیتا ہے۔ سجاد نے بھی سوچا کہ باس ایک عیاش آدمی ہے۔ ابھی وہ غسل سے فارغ ہو کر عمدہ لباس پہنے گا۔ اپنے آپ کو خوشبوؤں میں بسائے گا۔ چرمی بیگ لے کر یہاں سے اپنی شاندار گاڑی میں بیٹھ کر کسی کوٹھے پر جائے گا۔ روپے کی جھنکار پر کسی حسینہ کو رات بھر نچائے گا۔ شراب کی بوتلیں خالی کرے گا۔ گناہوں کی کالک سے اپنا منہ کالا کرے گا۔ پھر دوسری صبح اپنے گھر آئے گا اور پچھلی رات کی بچی کھچی رقم سے محلے کی مسجد میں چندہ دے کر نورانی فرشتہ بن جائے گا۔

یہ گناہوں کے راستے پر جانے والی نوٹوں کی گڈیاں کسی غریب کے دروازے تک بھی جا سکتی ہیں، کسی بن بیاہی بیٹی کے لئے رشتہ تلاش کر سکتی ہیں۔ اس کے سر پر سہاگ کا آنچل رکھ کر عزت سے ڈولی میں بٹھا کر رخصت کر سکتی ہیں۔ کسی کی محتاجی نہ ہوتی۔ جہیز کا مسئلہ حل ہو جاتا۔ نوٹوں کی گڈیاں اسے پکار رہی تھیں۔ دولت خود ہی چل کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر نوٹوں کی گڈیاں نکالیں۔ انہیں جیبوں میں

ٹھونسا۔ اِدھر اُدھر محتاط نظروں سے دیکھا اور تیزی سے چلتا ہوا دفتر سے باہر نکل گیا۔

وہ پہلی چوری تھی اور اسے کسی چور کے پاس ہی چھپایا جا سکتا تھا۔ وہ ہانپتا کانپتا شیدے کے پاس آیا۔ شیدا بھاٹی کا غنڈہ تھا۔ بھاٹی سے لے کر ہیرا منڈی تک بڑے بڑے بدمعاش اس کے نام سے تھراتے تھے۔ وہ غنڈہ تھا مگر یاروں کا یار تھا۔ سجاد کا اس سے بچپن سے یارانہ تھا۔ اس کے پاس چوری کا مال دیکھ کر شیدے نے ایک بڑھک لگائی اور اس سے لپٹ گیا۔

"اوئے! آج تُو نے مردوں والا کام کیا ہے۔ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ کلرکی کرنے سے تیرا گزارہ نہیں ہو گا۔ لا یہ روپے میرے پاس رکھ دے۔ کوئی مائی کا لال تیری طرف انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا۔"

وہ ایک لاکھ اسی ہزار روپے تھے۔ سجاد اس رقم کو شیدے کے پاس محفوظ کر کے گھر آیا۔ اس پہلی چوری کی واردات پر اب تک اس کے ضمیر نے ملامت نہیں کی تھی لیکن گھر میں داخل ہوتے ہی بہن کا معصوم چہرہ دیکھتے ہی احساس ہوا کہ وہ ایک چور ہے اور اپنی بہن کے سامنے کھڑے رہنے کے قابل نہیں ہے۔

وہ اس سے نظریں چرانے لگا۔ سدرہ نے روٹی کھانے کے لئے کہا تو اس نے انکار کر دیا اور چارپائی پر منہ چھپا کر لیٹ گیا۔ نئے چور ہمیشہ منہ چھپاتے ہیں لیکن وہ اپنا منہ نہیں چھپا رہا تھا بلکہ بہن کی صورت دیکھنے سے کترا رہا تھا۔ اسے یہ کہنے کا حوصلہ نہیں تھا کہ اس نے چوری کی ہے اور اس کے جہیز کے لئے ایک لاکھ سے زیادہ روپے حاصل کئے ہیں۔

سدرہ نے سمجھا کہ بھائی اس کی شادی کی فکر میں گھلا جا رہا ہے۔ ہر وقت پریشان رہنے کی وجہ سے اس کی بھوک مرتی جا رہی ہے۔ وہ بھائی کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر سہلانے لگی۔

"بھائی جان! آپ کی پریشانیاں مجھ سے دیکھی نہیں جاتیں۔ آپ میری فکر نہ کیا کریں۔ دولت آسمان سے نہیں ٹپکتی۔ جتنا تقدیر میں لکھا ہے اس سے زیادہ ہمیں نہیں ملے گا۔"

"کوشش کرنے سے سب ملتا ہے۔ میں نے انتظام کیا ہے۔ ابھی کچھ رقم مل گئی ہے۔ آئندہ بھی کچھ نہ کچھ ملتی رہے گی۔"

سدرہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "کتنی رقم ملی ہے آپ کو کہاں سے ملی ہے؟؟"

"آں........." بہن کے سوال سے وہ بوکھلا گیا۔ اس نے سنبھل کر کہا۔ "ابھی نہیں ملی مگر مل جائے گی۔ ایک دوست کے ساتھ نیا کاروبار کر رہا ہوں۔ وہ پیسہ لگائے گا اور میں کام کروں گا۔ ہرماہ ہزاروں کی آمدنی ہو گی۔"

وہ رک رک کر اور سنبھل سنبھل کر بول رہا تھا۔ ہمیشہ سچ بولنے والا بھائی پہلی بار سچ بولنے سے کترا رہا تھا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ سجاد نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو اس کا چہرہ یک بیک زرد پڑ گیا۔ باہر اس کا باس' کینٹین کا مالک' دفتر کا چپڑاسی' ایک پولیس انسپکٹر اور دو سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ باس نے انسپکٹر سے کہا۔ "یہی ہے سجاد علی۔ میرے آفس میں کلرک ہے۔ آج شام یہی میرے کمرے میں آیا تھا۔"

سجاد اپنے باس سے یا پولیس انسپکٹر سے یا کسی قانونی گرفت سے خائف نہیں تھا۔ صرف ایک بہن تھی جس کے سامنے وہ مجرم بننا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اگر اس کا جرم ثابت ہو جاتا تو اپنی معصوم بہن سے کبھی نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔ اس نے ڈھیٹ بن کر اپنے باس سے کہا۔ "آپ سے کس نے کہا ہے کہ میں آپ کے کمرے میں آیا تھا؟ میں تو دوستوں کے ساتھ لارنس گارڈن گیا تھا۔"

"جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرو۔" کینٹین کے مالک نے کہا۔ "میں اور چپڑاسی نے تمہیں چھ بجے دفتر سے نکلتے دیکھا تھا۔"

"انسپکٹر صاحب!" باس نے کہا۔ "آپ اس کے گھر کی تلاشی لیجئے' ابھی جھوٹ سچ کا پتہ چل جائے گا۔"

انسپکٹر اور سپاہی سجاد کو ہٹاتے ہوئے مکان میں داخل ہو گئے۔ سدرہ حیرانی اور پریشانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار پولیس ان کے مکان میں آئی تھی۔ سپاہی ہمیشہ چوروں اور بدمعاشوں کے دروازے پر آتے ہیں۔ شریفوں کے مکان میں ہتھکڑیاں لے کر نہیں آتے۔ یہ سوچ سوچ کر وہ سجاد کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ سجاد نے انسپکٹر کے پیچھے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ "انسپکٹر صاحب! آخر بات کیا ہے' آپ میرے مکان کی تلاشی کیوں لے رہے ہیں؟"

انسپکٹر کے بجائے اس کے باس نے جواب دیا۔ "تم نے میرے آفس سے لاکھوں روپے چرائے ہیں۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" سجاد نے سدرہ کی طرف سے منہ پھیر کر کہا۔

وہ دم بخود رہ گئی۔ کروڑ پتی دادا جان کی پوتی نے کبھی اکٹھے لاکھوں ہزاروں روپے

نہیں دیکھے تھے۔ اس کے لئے وہ بہت بڑی رقم تھی۔ بہت بڑی چوری تھی اور وہ خدا کے سامنے بھی قسم کھا کر کہہ سکتی تھی کہ بھائی جان بھوکے رہ سکتے ہیں۔ بہن کو ساری عمر بٹھا کر رکھ سکتے ہیں لیکن چوری نہیں کر سکتے۔

وہ بھائی کی حمایت میں بولنے لگی۔ چیخ چیخ کر انہیں کوسنے لگی کہ وہ جھوٹا الزام لگانے اور انہیں بدنام کرنے آئے ہیں۔ سجاد نے اسے چپ کرانے کی کوشش کی تو وہ بھائی پر الٹ پڑی۔ "کیوں چپ رہوں' کیا ہم چور ہیں کہ اتنا بڑا الزام خاموشی سے برداشت کر لیں؟"

وہ باتیں سنا رہی تھی اور وہ چور بنا سن رہا تھا۔ اس وقت وہ بہن کے سامنے بہت کمزور سا اور بہت حقیر سا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ چوروں پر لعنت بھیج رہی تھی اور وہ لعنت اس کے بھائی پر پڑ رہی تھی۔ سپاہیوں نے گھر کا سارا سامان الٹ کر رکھ دیا تھا لیکن چوری کی وہ رقم برآمد نہیں ہوئی۔

"روپے کسی دوسری جگہ چھپائے گئے ہیں۔" باس نے کہا۔ "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ آپ اسے تھانے لے جا کر ڈنڈے جمائیں۔ سارے روپے اگل دے گا۔"

سجاد نے اپنے باس کی طرف دیکھ کر غصے سے کہا۔ "ملک صاحب! آپ ایک شریف آدمی کے مکان میں ہیں۔ اس لئے شرافت سے گفتگو کریں۔ میں چور بدمعاش نہیں ہوں کہ آپ ڈنڈے برسانے کی دھونس دے رہے ہیں۔"

انسپکٹر نے سجاد کو غرا کر دیکھا۔ وہ اس علاقے کا تھانیدار تھا۔ تفتیش کے دوران اس کے سامنے شریف آدمی ہو یا بدمعاش وہ سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتا تھا اور اقبال جرم کرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ اس نے سجاد کو حقارت سے دیکھ کر کہا۔ "تم میرے ساتھ تھانے چلو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کتنے شریف آدمی ہو؟"

مکان کے دروازے پر محلے والوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ شیدے اس بھیڑ کو چیرتا ہوا آیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بلند آواز میں بولا۔ "اوئے خیر ہو تھانیدار! کیا چوری کا مال مل گیا ہے؟"

شیدے کو دیکھتے ہی تھانیدار نرم پڑ گیا۔ اس نے آہستگی سے کہا۔ "نہیں۔"

"یہ شریف آدمی ہے۔" شیدے نے کہا۔ "چیئرمین صاحب اس کی ضمانت حاصل کرنے کے لئے تھانے میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آ سجاد پرواہ نہ کر ہم تو یاروں کے

یار ہیں.........."

تھانیدار اور سجاد کے ساتھ تمام لوگ تھانے کی طرف جانے لگے۔

شیدے اس محلے کا غنڈہ تھا۔ چیئرمین اس غنڈے کے جعلی ووٹوں سے الیکشن میں کامیاب ہوا تھا اور ان دونوں کی مہربانیوں سے تھانیدار کو ہر ماہ ہزاروں روپے کی اوپری آمدنی ہو جایا کرتی تھی۔ ظاہر تھا کہ سجاد پر ذرا بھی آنچ نہیں آ سکتی تھی۔

چوری کی رپورٹ درج کر لی گئی۔ سجاد کو ضمانت پر رہا کر دیا تھا۔ کچہری میں دو چار پیشیاں ہوئیں۔ اس کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔ اس لئے کیس ختم ہو گیا۔

سدرہ نے اس دوران اپنے بھائی کے لئے کتنی ہی دعائیں مانگی تھیں۔ کئی بار داتا دربار میں حاضری دی تھی۔ اسے بری کیا گیا تو محلے کی عورتوں سے کہتی پھرتی تھی۔ میرے بھائی نے چوری نہیں کی تھی اس لئے داتا صاحب کے کرم سے باعزت بری کر دیا گیا۔

اس کی زندگی میں بھائی سے زیادہ باعزت اور قابل احترام ہستی کوئی نہ تھی اور سجاد اسے اپنی اصلیت بتاتے ہوئے جھجک رہا تھا کہ کہیں اس کے نازک سے دل کو ٹھیس نہ پہنچ جائے۔ اس لئے ایک بار جھوٹ بولنے کے بعد بہن سے بار بار جھوٹ بول رہا تھا۔ ملازمت چھوٹنے کے بعد ہر ماہ ہزاروں روپے لے کر آتا تھا اور اسے سمجھا دیتا تھا کہ دوست کے ساتھ مل کر جو کاروبار کر رہا ہے اس میں ترقی ہو رہی ہے۔

وہ نیا کاروبار ایسا تھا کہ دو چار دن کے لئے یا دو ماہ کے لئے جیل کی ہوا بھی کھانی پڑتی تھی۔ ایسے وقت شیدے گھر آ کر سدرہ کو مطمئن کر دیتا تھا کہ سجاد کاروبار کے سلسلے میں کراچی یا دبئی گیا ہوا ہے۔

وہ بڑے فخر سے اپنے محلے میں سر اٹھا کر چلتی تھی۔ عورتوں کی جس محفل میں بیٹھتی تھی۔ اپنے ہی بھائی کے گن گاتی تھی۔ اب اس کے جسم پر ریشمی لباس ہوا کرتا تھا۔ شادی بیاہ کی تقریبات میں وہ سونے کے زیورات پہن کر جاتی تھی۔ وہ مغرور نہیں تھی۔ محض اپنی سج دھج کا خیال ہوتا تو وہ کبھی بھڑکیلے لباس اور سونے کے زیورات نہ پہنتی۔ وہ تو اپنے بھائی کی محنت اور کمائی کا ثبوت پیش کرنے کے لئے نمائش کرتی تھی۔ جو لوگ اپنے کام سے کام رکھتے تھے وہ اس کے بھائی کی تعریفیں کر کے خاموش ہو جاتے تھے اور جو لوگ تجسس پسند تھے وہ اس بات کی کھوج میں رہنے لگے کہ سجاد آخر کرتا کیا ہے؟

شہر کے کسی علاقے میں اس کی دکان نہیں تھی۔ وہ کوئی کاروبار کرتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ باپ دادا کی چھوڑی ہوئی جائیداد بھی نہیں تھی کہ وہاں سے آمدنی ہو رہی ہو۔ کچھ

بھی نہیں تھا مگر ہر ماہ اتنی آمدنی تھی کہ اچھا کھانے کے بعد اس کے جہیز کے لئے اچھی خاصی رقم بچائی جا رہی تھی۔

پھر ایک دن کسی محلے سے سدرہ کے لئے رشتہ آیا۔ رشتہ لانے والے کو دیکھتے ہی سجاد غصے سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑتے ہوئے بولا۔ "تم نے میری بہن کا رشتہ مانگنے کی جرأت کیسے کی؟"

اس آدمی نے بوکھلا کر کہا۔ "میں نے اپنے بھائی کے لئے رشتہ مانگا ہے کوئی گناہ تو نہیں کیا؟"

سجاد نے چیخ کر کہا۔ "تمہارا بھائی چور ہے' بدمعاش ہے .... نکل جاؤ۔ چلے جاؤ یہاں سے.........."

"کیا کہہ رہے ہو ہم چور ہیں تو تم بھی تو چور ہو۔ ساہوکار کیوں بن رہے ہو؟"

ساجد نے گھبرا کر دروازے کی جانب دیکھا۔ اسے سدرہ نظر آئی جو اپنے کمرے میں دروازے کے پیچھے کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اس آدمی نے کہا۔ "دیکھو میرے بھائی کو کسی شریف گھرانے کی لڑکی نہیں مل سکتی اور دستور بھی یہی ہے کہ ہمیشہ اپنی برادری میں شادی کی جاتی ہے۔ اس لئے میں نے تمہاری بہن.........."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی سجاد نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔

"چور ہو گے تم' چور ہو گا تمہارا باپ' ہم شریف لوگ ہیں۔ نکل جاؤ میرے گھر سے.........."

وہ اسے دھکے دیتا ہوا گھر سے باہر لے گیا۔ سدرہ دروازے کے پیچھے کھڑی دل ہی دل میں اس آدمی کو کوس رہی تھی جس نے اس کے بھائی جان کو چور کہا تھا۔ بھلا یہ بھی کوئی یقین کرنے کی بات تھی۔ اس دنیا کی کوئی بھی معصوم بہن اپنے محنتی بھائی کو چور نہیں سمجھتی۔ پھر وہ کیسے سمجھ لیتی۔ تھوڑی دیر بعد سجاد بڑبڑاتا ہوا اندر آیا۔ "اُلّو کا پٹھا' مجھے چور سمجھ کر تمہارا رشتہ مانگنے آیا تھا۔ اب اگر کسی نے تمہیں حقیر سمجھا تو میں اس کے ٹکڑے کر دوں گا۔ میں تمہارے لئے ایک اعلیٰ خاندان کا تعلیم یافتہ لڑکا تلاش کروں گا۔ وہ کوئی بہت بڑا انجینئر ہو گا۔ یا بڑا فوجی افسر ہو گا جو کچھ بھی ہو گا ہماری طرح ایک شریف خاندان کا ضرور ہو گا۔"

وہ بڑبڑا رہا تھا اور بڑی بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ رشتہ لانے والا اسے

احساس دلا گیا تھا کہ چور کا رشتہ ہمیشہ چوروں سے ہوتا ہے۔ وہ لاکھ چیختا چلاتا رہتا۔ کہنے والوں کو طمانچے مارتا رہتا۔ پھر بھی بہن کے لئے شریف خاندان کا کوئی رشتہ نہیں مل سکتا تھا کیونکہ خاندانی لوگ صرف لڑکی کے حسن و جمال کو نہیں دیکھتے۔ اس کے باپ بھائیوں کی ہسٹری شیٹ بھی دیکھتے ہیں۔

سجاد نے پہلے نہیں سوچا تھا۔ وہ بہن کو بڑی دھوم سے بیاہنے اور ڈھیر سارے جہیز کے ساتھ رخصت کرنے کے لئے خود کو غلط راستے پر لے آیا تھا۔ ساری دنیا اسے چور بدمعاش کہتی تو اسے اتنا بُرا نہ لگتا لیکن اس کی سدرہ کو چور کی بہن سمجھا جائے' یہ بات اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔

وہ اندر ہی اندر تلملا رہا تھا اور بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ اس کے قدموں کی دھمک سے بہن کا کلیجہ کانپ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر بھائی کا غصہ کم نہیں ہوا تو وہ یہاں سے جا کر رشتہ لانے والوں کی مرمت کرے گا۔ اس نے پریشان ہو کر کہا۔ "بھائی جان! غصہ تھوک دیں۔ آپ چور نہیں ہیں۔ اس کمبخت کے کہنے سے کیا ہوتا ہے یہ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں خود چور ہوتے ہیں اور اپنی طرح دوسروں کو بھی چور سمجھتے ہیں۔"

اس کے قدم رک گئے۔ اس نے اسے دیکھا مگر زیادہ دیر نظریں نہ ملا سکا۔ دوسری طرف منہ پھیر کر بولا۔ "ہم یہ محلّہ چھوڑ دیں گے۔ یہ شہر چھوڑ دیں گے۔ ایسی جگہ جا کر رہیں گے جہاں کوئی ہمیں جانتا نہ ہو۔"

"مگر ہم کیوں جائیں گے؟" سدرہ نے بحث کی۔ "ہم کیوں کسی سے منہ چھپائیں' ہم مجرم تو نہیں ہیں؟"

"فضول بحث نہ کرو۔" وہ جھلا کر بولا۔ پھر فوراً ہی اسے احساس ہوا کہ وہ اس طرح جھنجھلا کر اپنی کمزوری ظاہر کر رہا ہے۔ وہ اپنے طور پر ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کہ وہ جب مجرم نہیں ہیں تو کسی سے منہ کیوں چھپائیں۔ کیا ضرورت ہے کہ برسوں پُرانا مکان چھوڑ کر کسی اجنبی ماحول میں اجنبیوں کی طرح نئے سرے سے گھر بسائیں؟

سدرہ کے سوالات کا ایک بھی جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ جھنجھلا کر وہاں سے جانے لگا۔ بہن نے اسے آواز دی۔ مگر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ تیزی سے چلتا ہوا باہر آیا اور گلی کے دوراہے پر مڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ بڑی دیر تک دروازے پر کھڑی رہی۔ اس گلی کو دیکھتی رہی جو اس کے بھائی کے جاتے ہی ویران ہو گئی تھی۔ اس کا

دل بھی اسی طرح ویران ہو جاتا تھا۔ ہمیشہ ہنسنے بولنے والا بھائی اگر ناراض ہو کر چلا جاتا تو اسے یہ گھر خالی خالی لگتا۔ اسے اپنے بھائی جان پر غصہ آنے لگا۔ خواہ مخواہ ڈانٹ ڈپٹ کر چلے گئے۔ وہ اپنے بھائی کو غصہ نہیں دکھا سکتی تھی۔ اس لئے دروازے سے ٹیک لگا کر رونے لگی۔ بھائی آ کر سوجی ہوئی آنکھوں کو دیکھتا تو اسے خود ہی پتہ چل جاتا کہ اس کی لاڈلی بہن اس سے کس قدر ناراض ہے؟

دوپہر سے شام ہو گئی۔ شام سے رات ہو گئی۔ سدرہ نے کھانا نہیں کھایا۔ سجاد کے آنے جانے کا وقت مقرر نہیں تھا۔ کوئی دوسرا موقع ہوتا تو وہ کھانا کھا کر سو جاتی لیکن بھائی ناراض ہو کر گیا تھا۔ اس لئے اسے نہ بھوک لگ رہی تھی اور نہ نیند آ رہی تھی۔

آہستہ آہستہ رات گزرنے لگی۔ صبح کی اذان کے وقت اس نے تکئے پر سر رکھا تو آنکھیں بند ہونے لگیں۔ تھوڑی دیر تک وہ نیند سے لڑتی رہی پھر تھک کر سو گئی۔

صبح کی پہلی کرن کے ساتھ دروازے پر دستک ہونے لگی۔ پہلے آہستہ آہستہ دستک ہوتی رہی پھر کوئی دروازہ پیٹ کر بولا۔ "سدرہ! دروازہ کھولو.......... سدرہ!"

وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ اس کے پڑوسی کرم دین کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ باہر بوڑھے کرم دین کے ساتھ ایک اجنبی نوجوان کھڑا تھا۔ اس نے سدرہ کو دیکھتے ہی کہا۔ "تمہارے بھائی کو پولیس نے پکڑ لیا ہے۔"

اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

"یہ جھوٹ ہے۔" اس نے بے یقینی سے کہا۔

کرم دین نے کہا۔ "یہ نوجوان کہتا ہے کہ سجاد اچھرہ تھانے کی حوالات میں ہے اور وہاں تم سے ملنا چاہتا ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ شیدے اس کی ضمانت کے لئے گیا ہے۔"

وہ اپنی چارپائی کی طرف واپس آئی۔ اس نے چادر اٹھا کر اپنے جسم کے اطراف لپیٹی پھر اپنے سوٹ کیس کے پاس آئی' قدم ڈگمگا رہے تھے' دل رو رہا تھا' اس کے بھائی جان کو خواہ مخواہ ہی مجرم سمجھ کر پریشان کیا جاتا ہے۔ اس نے سوٹ کیس سے روپے نکال کر باندھ لئے۔ کھڑکیوں' دروازوں کو بند کیا۔ پھر بیرونی دروازے پر تالا ڈال کر کرم دین کے ساتھ تھانے جانے لگی۔

☆======☆======☆

اچھرہ کے علاقے میں شیدے کا زور نہیں چلتا تھا۔ وہاں بشیرے کا بول بالا تھا۔ وہ

دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور ایک بڑی سی میز کے پیچھے تھانیدار بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔

"شیدے! تمہارا آدمی ہمارے علاقے میں پکڑا گیا ہے۔ میں اس کی ضمانت منظور نہیں کروں گا' تم یہاں سے جاؤ۔"

شیدے نے عاجزی سے کہا۔ "تھانیدار صاحب! آپس کا جھگڑا ہے۔ آپس میں ہی نمٹ لیں تو بہتر ہے۔ سجاد نے آج بشیرے کے آدمی کو اپنے گھر سے مار کر باہر نکالا تھا۔ انصاف سے دیکھا جائے تو غلطی اس کی تھی۔ اس نے اپنی حیثیت نہیں دیکھی اور ایک شریف خاندان کی لڑکی کا رشتہ مانگنے چلا گیا۔"

"بڑا آیا شریف خاندان کا بچہ۔" بشیرے نے حقارت سے کہا۔ "اس نے اپنے علاقے میں میرے آدمی کو نقصان پہنچایا۔ میں نے اپنے علاقے میں اسے ہتھکڑی لگوا دی۔ حساب برابر ہو گیا۔ وہ چور ہے۔ پہلے بھی چوری کرتا تھا۔ کل رات بھی چوری کے مال کے ساتھ پکڑا گیا ہے۔"

شیدے نے بڑے ہی سرد لہجے میں کہا۔ "دیکھ بشیرے! بات نہ بڑھا۔ اس بریف کیس میں جو پچیس ہزار روپے ہیں وہ تمہارے ہیں۔ تمہارے آدمیوں نے سجاد کو شیش محل کی لابی میں دیکھ لیا تھا۔ جیسے ہی فلم شروع ہوئی تمہارا آدمی اس کے بازو والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں یہ بریف کیس تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس بریف کیس کو سجاد کے قدموں کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ تم نے یہاں تھانے میں آ کر چوری کی رپورٹ لکھوائی۔ سجاد کی نشاندہی کی اور انٹرول ہونے سے پہلے اس بے قصور آدمی کو بریف کیس کے ساتھ پکڑ لیا۔ میں ایسے ہتھکنڈوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ وہ پچیس ہزار روپے تمہارے ہیں۔ تمہیں واپس مل جائیں گے۔ تھانیدار صاحب کو بھی اچھا خاصا نذرانہ مل جائے گا۔ میں اس سے دوگنی رقم دینے کو تیار ہوں۔ تم لوگ اس کیس کو یہیں ختم کر دو۔"

تھانیدار نے ترچھی نظروں سے بشیرے کو دیکھا۔ اس کی نظریں پوچھ رہی تھیں' کیا خیال ہے؟ شیدے سے سودا کر لیا جائے؟

بشیرے نے کہا۔ "صرف دوگنی رقم دینے سے کام نہیں بنے گا۔ یہ معاملہ اس وقت تک ختم نہیں ہو گا جب تک سجاد اپنی بہن کا رشتہ میرے آدمی سے نہیں کرے گا۔"

شیدے نے گرج کر کہا۔ "اوئے بشیرے! تُو سجاد کو برا کہہ لے مگر اس کی شرافت کو

گالی نہ دے۔ بہت سے لوگ مجبور ہو کر برے بن جاتے ہیں۔ مگر اپنی خاندانی شرافت اور عزت پر کبھی برے لوگوں کا سایہ پڑنے نہیں دیتے۔"

بشیرے نے لاپرواہی سے کہا۔ "مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا تجھے منظور نہیں ہے تو بات ختم کر دے۔"

سدرہ کرم دین کے ساتھ ہانپتی کانپتی وہاں آئی۔ شیدے اسے دیکھتے ہی پریشان ہو گیا۔ آج تک اس نے بہن کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کا بھائی سزا کاٹنے جیل بھی جایا کرتا ہے۔ آج اسے گھر کی چاردیواری سے باہر تھانے میں دیکھ کر وہ بوکھلا گیا۔ پریشان ہو کر کہا۔ "تم .... تم! یہاں کیوں آئی ہو؟"

اس کے جواب دینے سے پہلے ہی بشیرے نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے اپنا آدمی بھیج کر بلایا ہے۔ تاکہ ایک شریف بہن ایک شریف بھائی کو حوالات میں دیکھ لے اور آئندہ کبھی اپنی خاندانی شرافت کا دعویٰ نہ کرے۔"

شیدے نے غرا کر بشیرے کو دیکھا۔ وہ تھانیدار کی موجودگی سے مجبور تھا۔ ورنہ ابھی اس سے دو دو ہاتھ کر لیتا۔ سدرہ نے بڑی بے قراری سے کہا۔ "بھائی جان کہاں ہیں؟ انہیں کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟ میں قسم کھا کر یقین دلاتی ہوں میرے بھائی جان بہت اچھے ہیں۔ وہ قانون کے خلاف کبھی کام نہیں کرتے۔"

تھانیدار نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "یہاں تمہارے جیسی بہت سی عورتیں آتی ہیں۔ کوئی چور کی ماں ہوتی ہے' کوئی چور کی بہن ہوتی ہے' کوئی بیوی ہوتی ہے۔ سب ہی مجھے یہ یقین دلانے کی کوشش کرتی ہیں کہ ان کا آدمی چور نہیں ہے اور ہم بے وقوف ہیں جو پولیس کی وردی پہنے بیٹھے ہیں۔ بی بی ہوش کی دوا کرو۔ تمہارا بھائی ایک عادی مجرم ہے۔ بھاٹی کے تھانے میں جا کر دیکھو۔ وہاں تمہارے بھائی کی مجرمانہ زندگی کا سارا ریکارڈ موجود ہے۔ وہ کئی بار جیل جا چکا ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ وہ جیل جاتا ہے اور تمہیں خبر نہیں ہوتی۔"

سدرہ نے حیران ہو کر شیدے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ اس سے نظریں چرانے لگا۔ کرم دین نے تھانیدار سے کہا۔ "حضور! ہم تو یہ جانتے ہیں کہ وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔ کوئی اچھا سا کاروبار کرتا ہے اور کاروبار ہی کے سلسلے میں ہفتے دو ہفتے یا کبھی مہینے دو مہینے کے لئے دوسرے شہر جاتا ہے۔"

کرم دین کی بات سن کر تھانیدار' بشیرے اور اس کے آدمی بے تحاشا قہقہے لگانے

گے۔ سدرہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہی تھی۔ بشیرے نے کہا۔ "بھئی کمال ہو گیا۔ بھائی جیل جاتا ہے اور سمجھانے والے اس کی بہن کو یہ سمجھا دیتے ہیں کہ وہ کاروبار کرنے گیا ہے۔"

سدرہ نے پھر شیدے کی طرف دیکھا۔ وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا اور اس سے نظریں ملانے سے کترا رہا تھا۔ اس کی خاموشی بتا رہی تھی کہ سجاد کی غیر موجودگی میں اس نے کاروبار کے متعلق جتنی بھی باتیں کی تھیں وہ سب جھوٹی تھیں۔ لوگ اس کے بھائی پر الزام لگا رہے تھے اور وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے جھوٹ کا اس سے واضح ثبوت اور کیا ہو سکتا تھا؟

سدرہ کا دل ڈوبنے لگا' بھائی پر جو اعتماد تھا وہ ڈگمگانے لگا۔ مارے شرم کے وہ زمین میں گڑی جا رہی تھی' آنکھیں نم ہو رہی تھیں' چہرے سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تھانیدار صاحب! م.......... مجھے.......... میرے بھائی سے ملا دیں۔"

تھانیدار نے سپاہی سے کہا۔ "اسے لے جاؤ' اس کے بھائی سے ملا دو۔"

وہ سپاہی کے ساتھ حوالات کی طرف جانے لگی۔

سجاد سلاخوں کے پیچھے کھڑا شیدے کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ ضمانت حاصل کر کے اسے یہاں سے لے جائے گا لیکن شیدے کے بجائے بہن کو دیکھ کر ایک ساعت کے لئے سانس رک گئی۔ اس نے جلدی سے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"بھائی جان!" اس نے سلاخوں کو تھام کر کہا۔

سجاد کے اندر اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ پلٹ کر اس کی طرف دیکھتا۔ بہن نے کہا۔ "بھائی جان! منہ ہزار بار چھپ جاتا ہے۔ چوری ہمیشہ نہیں چھپتی۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے.......... آپ ایسا کیوں کرتے رہے ہیں بھائی جان! ایسا کیوں کرتے رہے؟"

اس نے کانپتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"میں نے جو کچھ کیا ہے وہ میری بھول تھی۔ کل میں پچھتا رہا تھا۔ میں نے قسم کھائی تھی کہ مجرمانہ زندگی سے باز آ جاؤں گا۔ مگر آج دشمنوں نے مجھے چوری کے جھوٹے الزام میں پکڑوا دیا۔"

"آپ ہمیشہ چوری کرتے رہے پھر کون یقین کرے گا کہ آپ نے چوری نہیں کی تھی؟"

"میں تمہاری قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس بریف کیس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ یہاں تھانے میں اسے کھولنے کے بعد پتہ چلا کہ اس میں پچیس ہزار روپے تھے۔"

"بریف کیس.......... پچیس ہزار روپے۔" وہ بڑبڑانے لگی۔ "ابو کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ ان پر بھی چوری کا الزام لگایا گیا تھا۔ آپ بھی میری قسم کھا رہے ہیں۔ ابو نے بھی میری قسم کھا کر دادا جان کو یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔ مگر میں نے کہا نا.......... منہ چھپ جاتا ہے' چوری نہیں چھپتی۔ کیا آپ کو اس حوالات میں دیکھ کر یقین نہیں آ سکتا کہ ابو نے بھی چوری کی ہو گی..........؟"

وہ چیخ کر بولا۔ "تم ابو کے لئے ایسے الفاظ استعمال کر رہی ہو۔ میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

"میری زبان بند کر دینے سے سچائی نہیں بدل جائے گی۔ کہتے ہیں کہ انسان کا خون نسل در نسل اپنی فطرت دہراتا ہے.......... کیا یہ جھوٹ ہے؟"

"ہاں.......... یہ جھوٹ ہے۔ تم جاؤ یہاں سے' میں جلد ہی رہا ہو کر آ جاؤں گا۔"

اس نے بھیگی ہوئی نگاہوں سے بھائی کو دیکھا۔ اس کے دل کا درد اور کرب اس کی آنکھوں سے جھانک رہا تھا۔ وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "بھائی جان! دل میں ایک ٹوٹی ہوئی سی امید تھی کہ میں کبھی نہ کبھی دادا جان کے پاس جاؤں گی۔ انہیں یقین دلاؤں گی کہ ابو بے قصور تھے لیکن اب میں کچھ نہیں کہوں گی۔ میرا غرور خاک میں مل چکا ہے۔"

وہ منہ پھیر کر رونے لگی۔

سجاد نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ بہن اس کے سامنے ایسا سوال بن کر آ جاتی تھی کہ پھر ڈھونڈنے سے بھی جواب نہیں ملتا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے وہ یوں لڑکھڑاتی جا رہی تھی جیسے زندگی کے راستے پر چلتے چلتے تھک گئی ہو اور اب کسی وقت بھی گرنے والی ہو۔ سجاد نے جسے زندگی کی کڑی دھوپ سے بچائے رکھا' وہ حالات کے ایک ہی جھٹکے سے اس قدر کمزور ہو گئی کہ اس سے دیکھا نہیں گیا۔ اس نے سلاخوں پر سر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔

ایک ماہ کے بعد وہ سینٹرل جیل میں بھائی سے ملنے آئی تو پہلے جیسی نہیں تھی۔ اس کا چہرہ مرجھا گیا تھا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔ وہ باتیں کرتے وقت سینے پر ہاتھ رکھ کر کھانستی رہی تھی۔

"سدرہ! یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے؟ شیدے نے بتایا تھا کہ تم بیمار رہتی

ہو۔ لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قدر بیمار ہو۔ تم کسی اچھے ڈاکٹر سے علاج کراؤ۔"

"آپ میری فکر نہ کریں بھائی جان! میرا علاج ہو رہا ہے۔ میں اچھی ہو جاؤں گی۔ جب آپ آ جائیں گے تو ہم ایک نئی زندگی کی ابتدا کریں گے۔"

"ہاں! ہم یہ شہر چھوڑ دیں گے۔ میں تمہیں دادا جان کے پاس لے جاؤں گا۔"

سدرہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"نہیں .... ہم دادا جان کے پاس نہیں جائیں گے۔"

"کیوں نہیں جائیں گے؟ ضرور جائیں گے اور یہ کسی نہ کسی طرح ثابت کر دیں گے کہ ابو بے قصور تھے۔"

وہ اداسی سے مسکرانے لگی۔ اس کی مسکراہٹ میں کتنا طنز تھا۔ یہ وہی جانتا تھا۔ یہ طنزیہ مسکراہٹ اس کے لئے ایک چیلنج تھی کہ وہ اپنے باپ کی بے گناہی کبھی ثابت نہیں کر سکے گا۔

وہ تلملا کر رہ گیا۔ اگر آہنی سلاخوں کے باہر ہوتا تو اسی وقت دادا جان کے پاس جا کر ان دشمنوں کی تکا بوٹی کر دیتا جنہوں نے اس کے باپ پر چوری کا جھوٹا الزام لگایا تھا اور سدرہ پر بھی یہ ثابت کر دیتا کہ چوری کی یہ عادت اسے باپ سے ورثے میں نہیں ملی ہے بلکہ حالات نے اسے چور بنا دیا ہے۔

اس ملاقات کے بعد وہ پھر کبھی اس سے ملنے نہ آ سکی۔ شیدے سے خبر ملتی رہتی تھی کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ بیمار ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر نے اسے زیادہ چلنے پھرنے سے منع کیا ہے۔ پھر اسے خبر ملی کہ اس میں چارپائی سے بھی اٹھنے کی سکت نہیں رہی۔ سجاد اس سے ملنے' اسے ایک نظر دیکھنے کے لئے تڑپتا رہتا۔ جیلر سے ہاتھ جوڑ کر التجا کرتا رہتا کہ تھوڑی دیر کے لئے اسے بہن سے ملنے کی اجازت دے دی جائے۔ جیل سے باہر قیدیوں کے کتنے رشتے دار مرتے جیتے رہتے ہیں لیکن انہیں عیادت اور تعزیت کے لئے اجازت نہیں ملتی انہیں قیدی بنانے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام رشتوں سے کاٹ کر انہیں سزا کی میعاد تک الگ رکھا جائے۔

سجاد کو اجازت نہ ملی۔ چھ ماہ بعد یہ آنسوؤں بھری خبر ملی کہ سدرہ اللہ کو پیاری ہو گئی ہے۔ شیدے قبر کے سرہانے چراغ جلا رہا تھا۔ چراغ کی زرد روشنی میں کتبے کی تحریر نظر آ رہی تھی۔

سدرہ بنت شفاعت علی

تاریخ پیدائش 10 فروری 1984ء

تاریخ وفات 10 مارچ 2000ء

جب انسان کی کہانی مکمل ہو جاتی ہے تو اسے کتبے کا عنوان ملتا ہے۔ زندگی کے اور جتنے عنوان ہیں وہ جھوٹے اور عارضی ہوتے ہیں۔

وہ بہن کو اب اس کے چہرے سے نہیں' اس کے کتبے کے عنوان سے پہچان سکتا تھا۔ وہ ایسی جگہ سو رہی تھی جہاں جہیز کا لین دین نہیں ہوتا۔ کسی کو سہاگن بنانے کے لئے بھائی کو چوری نہیں کرنی پڑتی۔ یہاں صرف پچھتاوا ہوتا ہے۔ بہن کی قبر صرف ایک مطالبہ کرتی ہے۔ آنسوؤں کا مطالبہ اور وہ آنسو بہا رہا تھا۔

"میں رو رہا ہوں۔ میں بہت سنگدل ہوں۔ زندگی کا کوئی ظلم مجھے رلا نہیں سکتا تھا مگر تمہاری موت نے رُلا دیا اور وہ اس لئے کہ میں نے بھلائی کرنی چاہی تھی لیکن وہ تمہارے لئے بُرائی ہو گئی۔ میرے لئے یہ بھی شرم کی بات ہے کہ ابو کی پیشانی سے بدنامی کا داغ مٹانے کے بجائے میں نے اسے اور گہرا کر دیا ہے۔

تم یہی چاہتی تھیں ناں کہ ان کی بے گناہی ثابت ہو جائے' میں ثابت کروں گا۔ تمہاری قسم! میں تمہاری یہ دلی تمنا ضرور پوری کروں گا۔ کاش کہ تم میری واپسی کا انتظار کرتیں۔ میں تنہا دادا جان کے پاس کیسے جاؤں؟ وہ پوچھیں گے کہ سدرہ کہاں ہے؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟

"نہیں سدرہ! تمہاری قبر سے لپٹ کر بھی مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم اس قبر کی تاریکی میں سو رہی ہو۔ کیا اس قبر کا کتبہ جھوٹا نہیں ہو سکتا؟ کیا یہ کسی اجنبی لڑکی کی قبر نہیں ہو سکتی؟ میرا دل کہتا ہے کہ تم اتنی جلدی زندگی سے روٹھ کر نہیں جا سکتیں۔ تم کہیں چھپ گئی ہو اور مجھے میری غلطیوں کی سزا دے رہی ہو۔ جب میں جی بھر کر آنسو بہا لوں گا اور پچھتا لوں گا تو تم مسکراتی ہوئی میرے سامنے چلی آؤ گی۔"

شیدے نے قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے چونک کر کہا۔

"سدرہ!"

شیدے نے دکھ سے کہا۔ "وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ چلو بہت دیر ہو گئی ہے۔ کل صبح پھر آئیں گے۔"

وہ اُسے سمجھا منا کر گھر لے آیا۔ مگر وہ گھر قبرستان سے بھی زیادہ اجاڑ اور ویران تھا۔

یہاں آکر احساس ہوا کہ مکان کی دہلیز پر جو اس کا انتظار کرتی اس کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی ہیں۔ سریلے قہقہے' پیار بھری شکایتیں' دادا جان کے پاس جانے کی ضد اور بات بات پر روٹھنے کی ادائیں۔ سب کی سب مر گئی ہیں۔ اس کے گھر سے ہمیشہ کے لئے فنا ہو گئی ہیں۔

وہ بستر پر آکر گر پڑا اور تکئے کو اپنے سینے سے بھینچ کر کہنے لگا۔ "میں دادا جان کے پاس جاؤں گا۔ میں نے بہن کی زندگی میں اس کی آرزو پوری نہیں کی لیکن اس کا مقصد ضرور پورا کروں گا۔ میں کل ہی دادا جان کے پاس جاؤں گا..........."

شیدے بستر کے سرے پر آکر بیٹھ گیا۔ آہستگی سے کہنے لگا۔ "میں سمجھتا تھا کہ تم میرے دھندے سے لگ جاؤ گے اور کبھی مڑ کر نہیں دیکھو گے کہ تم کون تھے اور تمہارا خاندان کیا تھا؟ یہ میری بھول تھی۔ خاندانی شرافت' باپ دادا کی دی ہوئی تعلیم اور ماں کی تربیت انسان کو زیادہ عرصے تک بھٹکنے نہیں دیتی۔ بہن کی معصومیت اور اس کی نیکی تمہاری گمراہی کے راستے میں دیوار بن گئی ہے تو اب یہ دیوار گرنے نہ دو۔ ایک نیک مقصد لے کر دادا جان کے پاس جاؤ اور اپنے والد مرحوم پر لگائے گئے الزامات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرو۔"

پھر وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ "میں جاہل ہوں' بدمعاش ہوں' ہمیشہ جہالت اور بدمعاشی کی باتیں کرتا ہوں لیکن کبھی کبھی گندی کیچڑ سے بھی کنول کی خوشبو آ جاتی ہے۔ آج میں بھی ایک اچھی اور تجربے کی بات بتاتا ہوں اسے گرہ میں باندھ کر رکھنا کہ بعض شریف آدمی ہم جیسے بدمعاشوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ یہ میری زندگی کا سب سے تلخ تجربہ ہے۔ ہمیں بڑے سے بڑا بدمعاش نہیں مار سکتا مگر شرافت کے نام پر ہم مار کھا جاتے ہیں۔ کیونکہ بدمعاش اوپر سے بھی بدمعاش ہوتا ہے۔ اس کی ہر چال سمجھ میں آ جاتی ہے مگر خدا کی قسم' شریف آدمی کی چال سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ اپنی شرافت سے بلاتا ہے اور کمینگی سے اندر ہی اندر کمزور اور بے بس بنا کر چھوڑ دیتا ہے۔"

پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "اور تم جس ماحول میں جا رہے ہو وہاں ایسے ہی شریف انسان بستے ہیں.........."

سجاد کو اس کی بات بری لگی۔ اس نے ناگواری سے پوچھا۔ "کیا تم میرے خاندان کے لوگوں کو گالی دے رہے ہو؟"

"نہیں سجاد! تم جو بات بھول گئے ہو وہ یاد دلا رہا ہوں۔ اگر وہاں سب ہی شریف

ہوتے تو تمہارے ابو پر جھوٹا الزام کوئی نہ لگاتا' کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

سجاد ایک گہری سانس لے کر خاموش رہ گیا۔ یہ بات وہ بھی جانتا تھا کہ وہاں شرافت کے پردے میں چھپے ہوئے بدمعاش ہیں لیکن شیدے کی زبان سے خون کے رشتوں کی برائی سن کر اسے برا لگا تھا۔ سچائی ہمیشہ کڑوی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ مجبوراً اس کڑواہٹ کو پی گیا۔

شیدے اسے بہت کچھ کہتا رہا۔ بہت کچھ سمجھاتا رہا۔ پھر سونے کے لئے چلا گیا۔

تنہائی ملتے ہی رات کے اندھیرے میں اس کی آنکھوں کے سامنے شطرنج کی بساط بچھ گئی۔ اس بساط پر بہت سے مُہرے تھے۔

شاہ.......... دادا جان' اپنی دولت کی بدولت سب سے اونچے مقام پر تھے۔

وزیر.......... کبریٰ بیگم' زہریلے داؤ پیچ کی ماہر تھی اور خود آگے بڑھنے کے بجائے دوسروں کو اپنے مشوروں سے آگے بڑھاتی تھی۔

گھوڑا.......... نفاست علی اپنی بیگم کے مشوروں پر ہمیشہ ڈھائی پینترے چلنے کا عادی تھا اور خود بھی کچھ کم نہیں تھا۔ طرح طرح کی چالیں چلنا اس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

فیل.......... ہاتھی کے سینگ نہیں ہوتے لیکن مراد ایسے سر جھکا کر سیدھی دوڑ لگاتا تھا جیسے دشمن کو سینگ مار رہا ہو۔

ان کے علاوہ اور دوسرے مُہرے تھے۔ حسرت' زیبی' اسد اور سعیدہ پھوپھی' ان کے متعلق سجاد کچھ نہیں جانتا تھا۔ شفاعت علی نے صرف اتنا بتایا تھا کہ ان دنوں وہ بہت چھوٹے تھے۔ حسرت چھ برس کا تھا' زیبی چار برس کی تھی اور اسد دو برس کا تھا۔

وہ خیال ہی خیال میں دادا جان کے سامنے پہنچ گیا۔ انہوں نے پوچھا۔ "ہمارا شفاعت کہاں ہے؟"

"ان کا انتقال ہو گیا۔"

"ہماری بہو جمیلہ بیگم کہاں ہے؟"

"وہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔"

"ہماری پوتی.......... آنکھوں کا نور سدرہ کہاں ہے؟"

"وہ بھی.........."

سجاد بوکھلا گیا۔ وہ کس زبان سے کہتا کہ اس کی ضد اور گمراہی نے بہن کو مار ڈالا ہے اور اس کا جنازہ اس طرح اٹھا کہ کسی رشتے کا کاندھا بھی نصیب نہیں ہوا۔

وہ تکئے میں منہ چھپا کر رونے لگا۔

ایک نادیدہ ضمیر ہوتا ہے جو پچھتاوے کی گھڑیوں میں انسان کے دل کو کچلتا ہے اور اس کے احساسات کو بے دردی سے جھنجھوڑتا رہتا ہے۔ ایسے وقت آنسو ہی دل و دماغ کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔

وہ رو رہا تھا۔ تاریکی اس کے آنسو چھپا رہی تھی اور نصف شب کی خنک ہوائیں اسے تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ بعض اوقات رونے اور سونے کا وقت گڈمڈ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انسان روتے روتے سو جاتا ہے اور سوتے سوتے بھی روتا رہتا ہے۔ آنسو کہیں پیچھا نہیں چھوڑتے۔ نیند کے چور دروازے سے بھی چلے آتے ہیں۔

وہ سدرہ کو یاد کرتے کرتے سو گیا تھا۔ اس لئے خواب میں بھی اسے وہی نظر آئی۔ وہ رنگ برنگے پھولوں کی انجمن میں ایک پھول کی طرح مسکرا رہی تھی۔ مخملی سبزے پر سبک روی سے چل رہی تھی۔ اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ عرش کو چھو رہے تھے اور حیا سے جھکی ہوئی پلکیں فرش کو چھو رہی تھیں۔ پھر وہ سات رنگ والی تتلی کے پیچھے بھاگتی بھاگتی اپنے بھائی کے سامنے آ کر رک گئی۔

"بھائی جان!............ آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"دادا جان کے پاس............" سجاد نے جواب دیا۔

"میں بھی جاؤں گی۔ آپ تنہا جائیں گے تو دادا جان آپ سے ناراض ہو جائیں گے۔"

"تو پھر چلو میرے ساتھ۔"

"ذرا دیر ٹھہر جائیے' میں اس تتلی کو پکڑ کر ابھی آتی ہوں۔"

وہ تتلی کے پیچھے بھاگنے لگی۔ سجاد نے کہا۔ "رک جاؤ۔ تتلی کے پیچھے جاؤ گی تو واپس نہیں آ سکو گی۔"

وہ دور بہت دور بھاگتی جا رہی تھی اور چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ "میں آؤں گی' میرا انتظار کیجئے گا بھائی جان! مجھے چھوڑ کر مت جائیے۔ میں آؤں گی۔ ورنہ میرے نام لکھی ہوئی جائیداد دشمنوں کے حصے میں چلی جائے گی۔ میں آؤں گی' ضرور واپس آؤں گی۔"

یک بیک سجاد کی آنکھ کھل گئی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے ابھی وہ اس کے قریب آئی

تھی اور اس کے آس پاس کہیں سے آواز دے کر کہہ رہی تھی کہ وہ تنہا دادا جان کے پاس نہ جائے۔ اسے بھی ساتھ لے کر جائے۔ وہ واپس آئے گی اور ضرور آئے گی۔

وہ نیم خواب اور نیم بیداری کے عالم میں تھا۔ چشمِ تصور میں اپنی بہن کو دیکھ رہا اور اس کے جانے پہچانے لہجے کو سن رہا تھا۔

☆======☆======☆

کبریٰ نے مراد کے غصے کو کسی حد تک ٹھنڈا کر دیا تھا۔ وہ حسرت کو سمجھانے مراد کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی آئی۔ اسے دولت حاصل کرنے کے ہیر پھیر سمجھانے لگی۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے مقصد کی طرف آنا چاہتی تھی۔ مراد بے چین سا ہو کر ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

وہ بول رہی تھی۔ ”حسرت! تم میرے بیٹے ہو' میری بات مانو گے۔ میں تمہاری ماں ہوں' اپنی باتیں تم سے منوانے کا حق رکھتی ہوں۔“

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”مائیں اچھی باتیں منواتی ہیں۔ آپ تو جھوٹ اور فراڈ کا ساتھ دینے کے لئے کہہ رہی ہیں۔“

”یہ جھوٹ' یہ فریب کس کے لئے ہے؟ تم تینوں بھائیوں کے لئے ہے۔ یہ دولت اور یہ جائیداد کیا میں اپنے ساتھ قبر میں لے جاؤں گی؟“

مراد سے صبر نہیں ہوا' وہ مداخلت کرتے ہوئے بولا۔ ”ہم ہمیشہ جھوٹ نہیں بولتے۔ مگر بہت کچھ حاصل کرنے کے لئے بولنا ہی پڑتا ہے۔ پھر یہ دیکھو کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس سے دادا جان کو نقصان نہیں پہنچ رہا ہے۔ ہم تو محکمہ اوقاف میں ڈوبنے والی رقم بچا رہے ہیں۔“

حسرت ان کی باتیں سن کر گہری سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ ”یہاں سب آپس میں گہرا رشتہ رکھنے کے باوجود ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ چھپا رہے ہیں۔ دادا جان چھپا رہے ہیں کہ فہمی سے میرا رشتہ جڑتے ہی ٹوٹ چکا ہے۔ ڈیڈی دادا جان سے فراز' سدرہ اور سجاد کو چھپا رہے ہیں۔ زیبی ڈیڈی سے فراز کی اصلیت چھپا رہی ہے۔ اسے اپنا شریکِ زندگی بنانے کے لئے اسے کینسر کا مریض بنا کر پیش کر رہی ہے اور ڈیڈی تو تقریباً بیس برس سے اپنی دوسری بیوی اور بیٹی کو چھپاتے رہے ہیں۔ ہماری دنیا میں یہی ہوتا ہے' اپنی بہتری کے لئے سب ہی ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ چھپاتے رہتے ہیں۔“

کبریٰ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ ”کیا سوچ رہے ہو؟“

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ ”سوچ رہا ہوں ایسا صرف ہمارے گھر میں ہی نہیں ہوتا جہاں کچھ منافع حاصل کرنے کی بات ہوتی ہے' وہاں ہم مصلحتاً جھوٹ بولتے ہیں۔ میری بھی کوئی مصلحت ہے' میری بھی ایک آرزو پوری ہو جائے تو میں بھی ڈیڈی کا ساتھ دوں۔“

کبریٰ نے کہا۔ ”ایک نہیں ہزار آرزوئیں پوری ہوں گی' جو چاہو گے وہ ملے گا۔ بولو............ کیا چاہتے ہو؟“

اس نے ایک نظر مراد پر ڈالی پھر بولا۔ ”میں سدرہ کو چاہتا ہوں۔“

مراد نے گھور کر اسے دیکھا' وہ بولا۔ ”میں اسے آج سے نہیں' بہت پہلے سے چاہتا ہوں۔ میری یہی آرزو ہے کہ وہ میری شریکِ زندگی بن جائے۔“

وہ غصے سے چلایا۔ ”یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟“

کبریٰ نے کہا۔ ”تم جانتے ہو' وہ مراد سے منسوب ہو چکی ہے۔“

وہ بولا۔ ”منسوب ہوئی ہے' شادی تو نہیں ہوئی۔“

مراد تلملا کر بولا۔ ”مگر تمہاری شادی تو ہو چکی ہے۔ کیا پاگل ہوئے ہو' دوسری شادی کرنا چاہتے ہو؟“

وہ بولا۔ ”دوسری شادی کرنا جرم تو نہیں ہے۔“

کبریٰ نے کہا۔ ”عقلمندی بھی نہیں ہے۔ کیا باپ کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے ہو؟“

مراد اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”یہ میرا بھائی نہیں' دشمن ہے۔ پہلے فہمی کے معاملے میں جھگڑا کرتا رہا اب سدرہ کے معاملے میں پرابلم پیدا کر رہا ہے۔“

کبریٰ جھنجلا کر بولی۔ ”حسرت! کیوں ہمیں پریشان کرتے رہتے ہو؟ سدرہ کی بات نہ کرو۔ اس کی شادی مراد سے ہی ہو گی۔“

وہ کندھے اچکا کر لاپرواہی سے بولا۔ ”اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں ڈیڈی کا ساتھ دوں تو آپ کو میرا ساتھ دینا ہو گا۔ میں مزید بحث نہیں کروں گا۔“

اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ مراد اور کبریٰ پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اس کی ضد دھمکی بن گئی تھی اور دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔ کبریٰ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”تم فکر نہ کرو۔ میں کچھ کرتی ہوں۔“

وہ غصے سے پیر پٹختا ہوا چلا گیا۔ وہ پریشان ہو کر دونوں بیٹوں کے بارے میں سوچنے لگی۔

☆======☆======☆

سجاد دستاویزات کو بڑی توجہ سے پڑھ رہا تھا۔ پہلے بھی وہ کئی بار ان دستاویزات کو سرسری نظروں سے دیکھ چکا تھا لیکن اب ایک نئی لگن سے پڑھ رہا تھا۔ اس میں سدرہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ جہاں کہیں اسے سدرہ کی کوئی چیز نظر آتی تھی وہ گھنٹوں اسے ہاتھوں میں لئے بیٹھا رہتا تھا اور سوچتا رہتا تھا اور اس کی باتیں یاد کر کے اس چیز کی اہمیت کو محسوس کرتا رہتا تھا۔

پہلے ان دستاویزات کی اہمیت نہیں تھی لیکن اب سدرہ کانوں میں آ کر پوچھتی تھی۔ "کہاں ہیں میرے آم کے باغات؟ ابو کہا کرتے تھے کہ ان باغات سے ہر سال لاکھوں روپے کی آمدنی ہوتی ہے۔

کیا ہمارے لئے وہ منافع صرف سوچنے اور خوابوں میں دیکھنے کے لئے ہے؟

بھائی جان! اس گھر سے کوئی میرے پاؤں کی جوتی بھی چرا کر لے جانا چاہے تو آپ اس کی گردن توڑ دیں گے لیکن میرے باغات سے ہر سال لاکھوں روپے چرائے جاتے ہیں۔ دشمن میری دولت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور آپ کچھ نہیں کرتے۔ آپ کیوں نہیں سوچتے کہ قانونی طور پر میں ان باغات کی مالک ہوں۔ ان کی آمدنی پر میرا حق ہے۔"

بہن اب اس دنیا میں نہیں تھی لیکن سجاد کو اب اس کی باتیں اہم اور مستحکم نظر آ رہی تھیں۔

"بھائی جان! ہم دادا جان کے پاس جا کر خیرات نہیں مانگنا چاہتے۔ ابو نے برسوں ان کی خدمت کی ہے۔ ان کی ٹیکسٹائل ملز میں اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے۔ ان کے کاروبار کو ہمیشہ آگے بڑھایا ہے۔ کیا ہم ابو کی محنتوں کا معاوضہ طلب نہیں کر سکتے؟"

سدرہ کی باتیں دل و دماغ میں گونج رہی تھیں۔ دادا جان کے پاس واپس نہ جانے کی ضد فضول سی لگ رہی تھی۔ اس ضد کی وجہ سے بہن آم کے باغات کا سپنا دیکھتے دیکھتے مر گئی تھی۔

سجاد نے ان دستاویزات کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ کاغذات اس کے سینے پر لگے یوں پھڑپھڑا رہے تھے جیسے بہن دھڑکتے ہوئے دل سے لگی تڑپ رہی ہو۔

شیدے اس سے ملنے کے لئے آ رہا تھا۔ وہ دروازے پر ہی رک گیا اور اس کی محویت کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ پھر بہن کی یادوں میں گم ہو گیا ہے۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"سجاد! میں تمہیں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ دراصل تمہیں بہن کی یاد اتنی نہیں ستاتی ہے جتنی کہ تمہاری غلطی تمہیں پریشان کرتی ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ تمہاری غلطیوں کی وجہ سے سدرہ گھل گھل کر مر گئی ہے .... نہیں .... تمہارا یہ سوچنا غلط ہے۔ موت ہزار بہانوں سے آتی ہے اور جب آتی ہے تو مرنے والے واپس نہیں آتے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ تم اسے خوابوں میں دیکھتے ہو اور بیداری میں اس کا انتظار کرتے ہو کہ وہ آئے گی .... یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے؟"

وہ چونک کر بولا۔ "ہاں یہ مضحکہ خیز بات ہے۔ کسی چاہنے والی کی موت کا غم تازہ ہوتا ہے تو اس وقت دل و دماغ میں یہی بات سما جاتی ہے کہ اسے موت نہیں آئی۔ وہ صرف نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئی ہے اور کسی دن اچانک ہی آ کر گلے سے لگ جائے گی۔ میں تنہائیوں میں اکثر یہی سوچتا ہوں۔"

"تمہیں تنہا نہیں رہنا چاہئے۔ تنہائی میں انسان اسی طرح کی الٹی سیدھی باتیں سوچتا ہے۔ تمہیں کوئی کام نہیں ہوتا ہے تو اس کی تصویریں دیکھنے کے لئے البم ہی نکال لیتے ہو اور یہ کاغذات کیسے ہیں؟ ذرا دیکھوں تو........."

اس نے دستاویزات کو سجاد کے ہاتھوں سے لے لیا۔ اس نے کہا۔ "یہ زمین کے کاغذات ہیں سدرہ کے نام لکھے گئے تھے۔"

"ہاں! ایک بار تم نے ذکر کیا تھا کہ وہ بہت بڑے باغات کی مالک ہے اور ان سے لاکھوں کی آمدنی ہوتی ہے۔"

"ہاں! یہ وہی کاغذات ہیں۔ وہ ہمیشہ مجھ سے لڑتی رہتی تھی۔ مجھے دادا جان کے پاس چلنے کے لئے کہتی تھی۔ اسے اس بات کا دکھ تھا کہ جن لوگوں نے ابو کو گھر سے نکلنے پر مجبور کیا تھا وہی اس کے باغات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔"

شیدے نے کہا۔ "وہ ٹھیک ہی سوچتی تھی۔"

"مگر ابو وہاں دوبارہ نہیں جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے آم کے باغات حاصل کرنے کا ارادہ کبھی ظاہر نہیں کیا۔"

"ٹھیک ہے انہوں نے ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا لیکن وہ چاہتے تھے کہ کبھی نہ کبھی وہ باغات سدرہ کو واپس مل جائیں۔ سوچنے کی بات ہے سجاد! اگر وہ نہیں چاہتے تو ان کاغذات کو کبھی سنبھال کر نہ رکھتے۔ انہیں فضول سی چیز سمجھ کر ضائع کر دیتے۔"

سجاد اس کی دلیل سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ شیدے نے کہا۔ "سجاد! میری بات مان

بہن کی موت کا سوگ منانے کے بجائے اس کا چھنا ہوا حق حاصل کر اور اس کی روح کو سکون پہنچا۔"

پھر وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ "اگر تم اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو گے تو زندگی میں کچھ نہیں کر سکو گے۔ نہ باپ پر لگائے گئے الزام کو جھوٹا ثابت کر سکو گے اور نہ ہی اپنا مستقبل بنا سکو گے۔

سدرہ نے مرنے سے پہلے جو آرزو کی تھی اسے تم اس کی موت کے بعد پورا کر سکتے ہو۔ یہ سچ ہے کہ باغات حاصل کرنے کے بعد ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے وہ اس دنیا میں نہیں ہے لیکن بہن کو نہ سہی' بھائی کو تو فائدہ پہنچنا چاہئے۔"

سجاد نے کہا۔ "مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ لڑکی کے نام لکھی ہوئی جائیداد خاندان کی کسی دوسری لڑکی کو ہی ملے گی۔"

"اور وہ دوسری لڑکی تمہارے دشمنوں کی اولاد میں سے ہو گی؟"

"میں کیا کروں میں نے تو جیل میں ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ رہائی پاتے ہی سدرہ کو لے کر دادا جان کے پاس جاؤں گا' ابو پر لگے ہوئے الزام کو مٹانے کی کوشش کروں گا اور سدرہ کے حقوق کا مطالبہ کروں گا لیکن تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ مجھ سے روٹھ کر ہمیشہ کی نیند سو گئی۔ اب میں کسے بہن بنا کر لے جاؤں؟ میری زندگی میں جو ایک بہن کی کمی پیدا ہو گئی ہے .... اسے کیسے پورا کروں؟"

اس سوال پر شیدے نے اسے چونک کر دیکھا۔ بہن کی کمی .... بھائی کی محرومیاں .... کسی چیز کی کمی کو پورا کرنا ناممکن تو نہیں ہے۔

شیدے نے جوشیلے انداز میں کہا۔ "سجاد! تمہارے غموں اور مسائل کا علاج ہو سکتا ہے۔ سدرہ پھر سے زندہ ہو سکتی ہے۔ تم کسی شریف لڑکی کو اپنی بہن بنا لو۔"

سجاد کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "نہیں شیدے! وہ میری ایسی بہن تھی جس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں سدرہ کی صرف صورت سے پیار تھا .... سیرت سے نہیں؟"

"تم کیسی باتیں کرتے ہو؟ میں نے کب کہا ہے کہ مجھے بہن کی سیرت سے پیار نہیں تھا۔ یہ اس کی محبت اور سیرت ہی ہے جو مجھے ہر لمحہ یاد آتی رہتی ہے۔"

شیدے نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "دنیا میں جتنے بھائی ہیں ان کی

بہنوں کی سیرت بھی سدرہ جیسی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس رشتے میں اتنی پاکیزگی ہوتی ہے کہ کوئی چھوٹا موٹا سا عیب ہو تو وہ نظر نہیں آتا .... بہن صرف بہن ہوتی ہے۔ اس کے کردار پر کسی قسم کی تنقید نہیں ہو سکتی۔

تم کسی شریف زادی کو بہن بنا کر دیکھو۔ جب وہ تمہیں پیار سے بھائی جان کہے گی تو سدرہ کے لہجے کی مٹھاس تمہارے دل میں اتر جائے گی۔ زندگی کے تمام سُر سنگیت بدل جاتے ہیں مگر بہنوں کی زبان کی نغمگی نہیں بدلتی۔" وہ ذرا ٹھہر کر بولا۔ "جب وہ کسی بات کی ضد کرے گی' تم سے جھگڑا کرے گی' تمہاری جھڑکیاں سن کر ناراض ہو جائے گی اپنے سامنے کھانے کی پلیٹیں رکھ کر' بھوکی رہ کر تمہاری واپسی کا انتظار کرے گی تو تم تسلیم کر لو گے کہ سدرہ زندہ ہے۔ ہر بہن سدرہ ہوتی ہے۔ ایک کے بعد دوسری سدرہ زندہ ہو جاتی ہے اگر اسے محبت سے اپنایا جائے۔"

شیدے کہہ رہا تھا اور سجاد چشم تصور میں کسی بہن کو دیکھ رہا تھا۔ اس بہن کا چہرہ بدل گیا تھا مگر عادتیں وہی تھیں۔ وہی قد و قامت' وہی چال ڈھال' وہی لہجے کی مٹھاس' کبھی قہقہے' کبھی آنسو' کبھی روٹھ جانا' کبھی مان جانا' کبھی بھائی کے دل و دماغ میں ذمہ داری کا احساس بھر دینا کہ میری شادی کی فکر کرو۔ تنکا تنکا میرے جہیز کے لئے جمع کرو۔ نہیں کر سکتے تو چوری نہ کرو۔ مجھے دادا جان کے پاس لے چلو۔ میں اپنا حق حاصل کروں گی۔ میں بیٹی ہوں۔ میں باپ سے' بھائی سے اور دادا جان سے لڑنے کا حق رکھتی ہوں۔

تمام بہنیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ اپنی ضد منوا کر ہی رہتی ہیں۔ شیدے ٹھیک ہی کہتا ہے۔ زخم پر لگانے کا ایک مرہم ختم ہو جائے تو دوسرا مرہم لگایا جا سکتا ہے۔ مرہم بدل سکتا ہے مگر اس کی خاصیت نہیں بدلتی۔ بہنوں کی صورتیں بدل سکتی ہیں لیکن ان کے پیار کی ادائیں' ان کی پارسائی اور رشتے کی پاکیزگی نہیں بدلتی۔ سجاد نے سر جھکا کر کہا۔ "ہاں .... بہن صرف بہن ہوتی ہے۔ اگر اسے پیار سے اپنایا جائے۔ تم نے عجیب سا مشورہ دیا ہے۔ میں اسے دادا جان کے پاس لے جاؤں گا۔ جب وہ میری بہن بنے گی تو میرے تمام رشتے داروں کی زبان سے بھی میری بہن کہلائے گی۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ البم اور دستاویزات کو سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے بولا۔ "چلو .... ذرا محلے کا چکر لگائیں' ہو سکتا ہے کہ آج ہی مجھے ایک بہن کا پیار نصیب ہو جائے۔"

وہ دونوں مکان سے باہر آئے۔ سجاد دروازے پر تالا لگانے لگا۔ اس کا پڑوسی کرم

دین اپنے گھر کے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔ قریب آتے ہوئے کہنے لگا۔ "پتر! دروازے پر تالا دیکھتا ہوں تو سدرہ یاد آ جاتی ہے۔ اس کی موجودگی میں کبھی دروازے پر تالا نہیں پڑتا تھا۔"

سجاد نے ایک سرد آہ بھر کے پوچھا۔ "چاچا! کیا میری بہن واپس نہیں آ سکتی؟"

"صبر کر پتر! رب کی یہی مرضی تھی۔ اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گی۔"

"وہ نہیں آئے گی مگر میں کسی کو بہن بنا کر اس کی کمی تو پوری کر سکتا ہوں۔ تمہاری نظر میں کوئی شریف لڑکی ہو تو بتاؤ۔ میں اسے بہن بنا کر اپنے ساتھ رکھوں گا۔"

"خدا تمہیں نیکی دے۔ اس زمانے میں کون پرائی بیٹیوں کو بہن سمجھتا ہے؟ تم نے یہ بات کہہ کر اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے۔"

شیدے نے پوچھا۔ "چاچا! کیا تمہاری نظر میں کوئی لڑکی ہے؟"

کرم دین سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ہاں' وہ دوسری گلی میں فضل مستری کی ایک لڑکی ہے۔ سدرہ کی طرح نیک اور سمجھدار ہے۔ اس کے لئے کئی رشتے آتے ہیں لیکن باپ کی غریبی دیکھ کر واپس چلے جاتے ہیں۔ بیچارہ دن رات محنت کرتا ہے لیکن بیٹی کے لئے جہیز کا سامان نہیں جوڑ سکتا۔"

شیدے نے کہا۔ "ہمیں وہاں لے چلو چاچا! تم بزرگ ہو۔ فضل مستری کو اچھی طرح سمجھا سکتے ہو کہ اس کی بیٹی سجاد کی بہن بن کر رہے گی تو ایک دن شہزادیوں کی طرح ڈولی میں بیٹھ کر رخصت ہو گی۔"

"ہاں! یہ تو نیک کام ہے۔ میں ضرور کروں گا۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔"

وہ تینوں ایک گلی سے نکل کر دوسری گلی میں آئے۔ فضل مستری اپنے مکان کے سامنے گھوڑے کی نعل بنا رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی اس نے چارپائی بچھائی اور اپنی بیٹی کو آواز دے کر کہا۔ "نی ریشماں! تیرا دینو چاچا آیا ہے۔ ذرا حقہ تازہ کر کے لے آ۔"

کرم دین نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فضلو! تیرے دروازے پر لوگ آج تک بیٹی کا رشتہ مانگنے آتے رہے لیکن آج میں بہن کا رشتہ مانگنے آیا ہوں۔"

"کیا کہہ رہا ہے دینو! ذرا کھل کر بات کر۔"

"تو سجاد کو اچھی طرح جانتا ہے۔ جب سے اس کی بہن مری ہے' اس کا گھر ویران ہو گیا ہے۔ یہ تیری ریشماں کو اپنی بہن بنا کر اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے۔"

فضل مستری نے حیرت سے سجاد کو دیکھا۔ پھر ذرا پریشان ہو کر بولا۔ "کیسی بات کر

رہا ہے دینو! باپ بیٹی کو ہمیشہ دلہن بنا کر رخصت کرتا ہے۔ کبھی تو نے کسی بیٹی کو کسی نوجوان کی بہن بن کر باپ کے گھر سے رخصت ہوتے دیکھا ہے؟ میں سجاد کے نیک جذبے کی قدر کرتا ہوں مگر دنیا والے کسی کی نیکی کو نہیں سمجھتے۔ دستور کے خلاف جو بھی کام ہو گا لوگ اس پر انگلیاں اٹھائیں گے۔"

فضل مستری کی بات معقول تھی۔ سجاد نے محض ایک بھائی کے دل سے سوچا تھا۔ اس نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا کہ ایک نوجوان لڑکی ایک نوجوان لڑکے کے ہاں آ کر رہے گی تو دنیا ان کے متعلق کیا سوچے گی۔

کرم دین بھی اس بات پر قائل ہو گیا۔ پھر یہ بات آگے نہ بڑھ سکی۔ ریشماں حقہ لے کر ان کے قریب آئی اور اسے کرم دین کے سامنے رکھ کر پھونکیں مارنے لگی۔

سجاد نے اسے دیکھا۔ ہاں وہ ایک بیٹی تھی اور اپنے باپ کے گھر سے صرف دلہن بن کر ہی رخصت ہو سکتی تھی۔

وہ ایک باپ کا گھر تھا۔ سماجی قانون نے اس گھر کی دہلیز پر صرف مول تول کی اجازت دی تھی۔ جہیز کتنا ہو گا؟ مہر کی رقم کتنی ہو گی بیٹی خوبصورت ہے یا نہیں؟ جسم پر کتنا گوشت ہے؟ چال کیسی ہے؟ انداز کیسا ہے؟ مول تول کے وقت ہر چیز ٹھونک بجا کر خریدی جاتی ہے۔ ارے او بے وقوف بھائی۔ اس دنیا میں دو ایسے دروازے ہیں .... دو دروازے .... ایک چکلے کا دروازہ اور دوسرا شریف سماج کا دروازہ .... جہاں سے تم کسی کو بہن بنا کر نہیں لا سکتے۔

☆======☆======☆

بات کبریٰ کے بس سے باہر ہوتی جا رہی تھی۔ حسرت کا رویہ اندیشوں میں مبتلا کر رہا تھا۔ کبریٰ نے یہ مسئلہ آخر کو شوہر کے سامنے رکھ دیا۔ مراد غصے میں آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ جھنجلا رہا تھا۔ "آپ نے اس گھر میں میرا بھائی نہیں دشمن پیدا کیا ہے۔ آج وہ گھر میں میرا رقیب بن رہا ہے۔ کل کاروبار میں میرا حریف بنتا رہے گا۔ مجھے .... غصہ آئے گا تو میں .... میں کچھ کر بیٹھوں گا۔"

نفاست نے کہا۔ "کیا کرو گے؟ کیا انتقامی کارروائی کرو گے؟ اور زیادہ مسائل پیدا کرو گے۔"

"آپ مجھے روکتے ہیں' کیا اسے بدمعاشیوں سے نہیں روک سکتے؟"

وہ بولا۔ "تم دیکھ رہے ہو' ہم اسے قابو میں کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔

مشکل یہ ہے کہ وہ گھر کا بھیدی ہے۔ ہم زیادہ سختی کریں گے تو وہ ابا جان کے سامنے سارے بھید کھول دے گا۔"

کبریٰ پریشان ہو کر ان کی باتیں سن رہی تھی۔ ناگواری سے بولی۔ "نہ جانے کس منحوس گھڑی میں پیدا ہوا تھا؟ جب دیکھو' ہماری جان جلاتا رہتا ہے۔ زندگی عذاب کر دی ہے۔"

نفاست نے کہا۔ "ہم آپس میں متحد رہ کر اپنے مقاصد حاصل کر رہے ہیں۔ ایک یہی ہے جو قابو میں نہیں آ رہا ہے۔"

کبریٰ نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "بھلا یہ بھی کوئی ضد ہے؟ کہتا ہے دوسری شادی کرے گا۔ سراسر مراد سے دشمنی کر رہا ہے۔"

مراد ہاتھ مسلتے ہوئے بولا۔ "دادا جان چاہیں تو ایک دن میں دو شادیاں ہو سکتی ہیں۔ نہ جانے وہ ایک دن میں دو شادیوں کے کیوں خلاف ہیں؟"

وہ بے زاری سے بولی۔ "نہ جانے ایسی کون سی مصلحت ہے؟ دونوں شادیاں ایک ہی دن نہ سہی' دوسری شادی دوسرے دن تو ہو سکتی ہے؟"

وہ بولا۔ "ایسا ہو جائے تو کوئی آفت نہیں آ جائے گی لیکن دادا جان جانے انجانے میں حسرت کو ہماری مخالفت کا موقع دے رہے ہیں۔"

نفاست کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے خاموش دیکھ کر کبریٰ نے پوچھا۔ "آپ کیوں چپ ہیں' کچھ بولتے کیوں نہیں؟"

وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں ابھی جاؤں گا' ابا جان سے بات کروں گا۔"

وہ کمرے سے باہر جانے لگا۔ مراد نے کبریٰ کو اشارہ کیا کہ وہ بھی ساتھ چلی جائے۔ وہ بیٹے کا اشارہ سمجھتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر نفاست کے ساتھ عبادت علی کے کمرے میں آ گئی۔ وہ کسی کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھے۔ انہوں نے چشمے سے جھانک کر انہیں دیکھا۔ نفاست نے کہا۔ "آپ مصروف ہیں' ہم بعد میں آ جائیں گے۔"

وہ کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے بولے۔ "ایسی کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے۔ آؤ بیٹھو۔"..........

وہ دونوں ان کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ نفاست سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے

کبریٰ نے ٹھوکا دیا' وہ بولا۔ "میں نے مراد سے کہا' آؤ ابا جان کے پاس چلتے ہیں

لیکن اس نے انکار کر دیا۔ وہ آپ کے سامنے آنے سے انکار کر رہا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولے۔ "ہم اپنے پوتے کو خوب جانتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے وہ پھر ناراض ہو گیا ہے۔"

کبریٰ مکھن لگانے کے انداز میں بولی۔ "وہ اچھی طرح جانتا ہے' ناراض ہو گا تو آپ خود اسے منانے پہنچ جائیں گے۔"

"یہ تو معلوم ہو کہ وہ کس بات پر ناراض ہے؟"

وہ بولی۔ "کہتا ہے' ایک ہی دن میں دو شادیاں ہو سکتی ہیں لیکن آپ اسے نظرانداز کر رہے ہیں۔"

وہ نظریں چرانے لگے۔ نفاست نے کہا۔ "وہ سمجھ رہا ہے کہ آپ اس کی شادی نہیں چاہتے۔ خدانخواستہ آپ کی .... محبت میں کمی آ گئی ہے۔"

"ہم اسے کتنا چاہتے ہیں؟ وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ اسے سمجھاؤ' ہم نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی اس کی شادی ملتوی کی ہے۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ نفاست نے پوچھا۔ "آخر مصلحت کیا ہے؟ کیا آپ ہمیں بتانا چاہیں گے؟"

وہ انہیں سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ اندر سے الجھے ہوئے تھے ایسے سوالات انہیں مزید الجھا رہے تھے۔ وہ بولے۔ "بتائیں گے' ضرور بتائیں گے۔ ذرا صبر کرو۔ تمہاری امی کے وکیل نے کہا ہے ایک ہفتے کے اندر پچاس کروڑ روپے فہمی کے نام ٹرانسفر ہو جائیں گے۔ یہ رقم ہاتھ میں آنے دو۔ اس کے بعد ہم مراد کی شادی کے سلسلے میں بات کریں گے۔"

نفاست نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "فہمی کو حاصل ہونے والی رقم سے مراد کا کیا تعلق ہے؟"

"تعلق ہے' ہم کہہ رہے ہیں' صبر کرو' جو حقیقت ہے' سامنے آ جائے گی۔"

☆=====☆=====☆

فراز کے ماں باپ شہر آ چکے تھے۔ وہ زیبی کو ان سے ملوانے لے آیا۔ ماں اسے دیکھتے ہی خوش ہو کر بولی۔ "ماشاء اللہ' ہماری بہو تو لاکھوں میں ایک ہے۔"

باپ نے کہا۔ "تُو بہو ڈھونڈتی رہی' بیٹا لے بھی آیا۔ تُو چراغ لے کر بھی ڈھونڈتی تو ایسی بہو نہ ملتی۔ یہ تو حور ہے' ہاتھ لگانے سے میلی ہو جائے گی۔"

زیبی اپنی اس قدر تعریفیں سن کر جھینپ سی گئی۔ فراز نے کہا۔ "ابھی یہ بہو نہیں ہے۔ میں دکھانے لایا ہوں۔ نکاح بھی جلد ہی ہو جائے گا۔"

ماں نے چونک کر پوچھا۔ "ہائیں .... کیا شہر میں نکاح سے پہلے ہی بیوی لے آتے ہیں؟"

زیبی اس کی معصومیت پر منہ دبا کر ہنسنے لگی۔ وہ زندگی میں پہلی بار غریب گھرانے کے معصوم افراد سے مل رہی تھی۔ باپ نے کہا۔ "اری نیک بخت! کہہ تو رہا ہے' ہمیں دکھانے لایا ہے۔ یہ چلی جائے گی۔ پھر دلہن بن کر آئے گی۔"

ماں نے زیبی سے پوچھا۔ "بیٹی! تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟"

اس سے پہلے فراز بول پڑا۔ "ماں باپ نہیں ہیں۔"

زیبی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سنبھل کر بولا۔ "میرا مطلب ہے .... ہیں .... ماں باپ ہیں .... مگر نہیں ہیں۔"

ماں نے الجھ کر پوچھا۔ "ارے کیا اول فول کہہ رہا ہے؟"

"وہ .... مطلب یہ ہے کہ وہ بیٹی کی شادی میں نہیں آئیں گے۔ آپ دلہن کی ماں بنیں گی اور ابا میرے باپ بنیں گے۔"

باپ نے پوچھا۔ "بنیں گے' کیا مطلب؟ کیا میں ابھی تمہارا باپ نہیں ہوں؟"

زیبی فراز کی حالت پر مسکرا رہی تھی۔ وہ بولا۔ "ہیں .... مگر شادی کے وقت آپ اور اماں دولہا دلہن والے ہوں گے۔ آپ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھائیں۔"

اماں نے پوچھا۔ "ارے .... یہ لڑکا دیوانہ ہو گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا' کیا کہہ رہا ہے؟"

خوشی زیادہ مل جائے تو انسان یونہی بوکھلا جاتا ہے۔ وہ بولا۔ "آپ کھانے سے فارغ ہو جائیں' میں تسلی سے پوری بات بتاؤں گا۔"

من چاہی مراد ملے تو لہجے میں لڑکھڑاہٹ اور بوکھلاہٹ آ ہی جاتی ہے۔ خوشی کے مارے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا ہے۔

☆======☆======☆

شیدے نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "یار! یہ تیری بہت بری عادت ہے کہ تُو شراب نہیں پیتا' نہیں پیئے گا تو غم غلط کیسے کرے گا؟"

سجاد نے آگے جھک کر میز پر دونوں کہنیاں ٹیک دیں۔ پھر آہستگی سے بولا۔ "پہلے

سدرہ کی ناراضگی کے خیال سے نہیں پیتا تھا۔ اب ایک دوسری سدرہ کی تلاش ہے اس لئے نہیں پیتا۔ کیا تُو نے کبھی کسی بھائی کو ہاتھ میں شراب کی بوتل لے کر بہن کی تلاش میں نکلتے دیکھا ہے؟"

شیدے نے سر جھکا لیا۔ پھر ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "تُو ٹھیک کہتا ہے۔ میں بھی آج سے نہیں پیوں گا۔ رب دی سونہہ' جب تک تجھے ایک بہن نہیں مل جائے گی' میں بوتل کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

"مگر وہ بہن کہاں ملے گی' کب ملے گی؟ اب ایک بہن کی تلاش میں اس حقیقت کا پتہ چل رہا ہے کہ اس دنیا میں نیکی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔"

"کیوں نہیں ملتی؟ ضرور ملتی ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ نیکی ذرا کم ہے۔ آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اس لئے مشکل سے ملتی ہے۔ چل اٹھ' آج ہم کہیں نہ کہیں ضرور تلاش کر لیں گے۔"

وہ دونوں میز چھوڑ کر اٹھ گئے۔

اپنے اڈے سے باہر آ کر شیدے نے کہا۔ "پہلے شاہی محلے کی طرف چلو۔ بلقیس بائی کی طرف میری رقم پھنسی ہوئی ہے۔ ہم کچھ نہ کچھ وصول کر کے لاری اڈے جائیں گے۔ بعض اوقات دوسرے شہروں سے بھاگ کر آنے والی لڑکیاں وہاں مل جاتی ہیں۔"

"کیسی بات کرتے ہو شیدے! گھر سے بھاگ کر آنے والی لڑکیاں شریف نہیں ہوتیں۔ میں ایسی کسی لڑکی کو بہن نہیں بناؤں گا۔"

"گھر سے بھاگنے والی ہر لڑکی آوارہ اور بدچلن نہیں ہوتی۔ بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں جو انہیں گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ تم چلو تو سہی۔ ہو سکتا ہے کسی لڑکی میں تمہیں بہن کی معصومیت نظر آ جائے؟"

مجبوریاں ظاہر اور باطن کو الگ کر دیتی ہیں۔ سجاد نے بھی مجبور ہو کر چوریاں کی تھیں۔ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ وہ چور ہے لیکن باطن میں جو ایک ایماندار آدمی تھا اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ اپنے گریبان میں جھانکنے سے سجاد کو یقین ہو گیا کہ بظاہر آوارہ' بدچلن نظر آنے والی لڑکیاں بہت مجبور ہو کر اپنے گھر سے ٹوٹ جاتی ہیں۔ کوئی سوتیلی ماں کے ظلم سے' کوئی شرابی باپ کی لاپرواہی سے اور کوئی محبت کا فریب کھا کر منہ چھپانے کی غرض سے برسوں کے رشتے توڑ کر آ جاتی ہیں۔ وہ غلطیاں کرتی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے اندر کی عورت نہیں مرتی۔

چلتے چلتے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ہپیوں کا ایک گروہ ان کے پیچھے آ رہا تھا۔ ان میں دیسی ہپی بھی تھے اور بدیسی بھی۔ لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ شیدے اس کے ساتھ رک گیا اور ان میں سے ایک لڑکی کو دیکھنے لگا۔ وہ اسی دیس کی تھی' اسی شہر کی تھی۔ پنجاب کی بیٹی تھی اور بھٹکی ہوئی نسل کا جیتا جاگتا اشتہار تھی۔

وہ کچھ بھی تھی۔ اسے دیکھ کر سدرہ یاد آ گئی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلتی ہوئی ان کے قریب آئی۔ پھر اس نے خوشامدانہ مسکراہٹ سے کہا۔ "یہ ہمارے غیر ملکی مہمان ہیں۔ ان کا نشہ ٹوٹ رہا ہے' یہاں کوئی اڈہ ہو تو بتا دو۔"

سجاد نے اسے مایوسی سے دیکھ کر پوچھا۔ "کیا تمہارا نشہ بھی ٹوٹ رہا ہے؟"

"ہاں..........!"

سجاد نے کہا کہ میں تمہیں ایک بھائی کی نظروں سے دیکھ رہا ہوں۔ تمہیں اڈے کا پتہ نہیں بتا سکتا۔"

لڑکی نے اپنے ساتھیوں کی طرف گھوم کر انگریزی میں کہا۔ "یہ پتہ نہیں بتائے گا۔ مجھے بہن سمجھتا ہے۔ اسے پتہ نہیں ہے کہ یہ مجھے کتنی بڑی گالی دے رہا ہے۔ اونہہ ہمارا کوئی باپ نہیں ہے۔ بھائی کہاں سے آ جائے گا؟"

وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔ اس کے ساتھی اس کے پیچھے جانے لگے۔ آگے جا کے ایک گلی مٰیں مڑنے سے پہلے وہ چند لمحوں کے لئے رک گئی اور پلٹ کر سجاد کو دیکھنے لگی۔

ان چند لمحوں میں سجاد نے اس کی آنکھوں کو اس کے ہپی مزاج سے بالکل مختلف پایا۔ ان آنکھوں میں ایسی اداسی' ایسا کرب تھا جیسے کوئی اس کے اندر بیٹھا اس کے دل کو کچل رہا ہو۔ اس لڑکی کا جسم ایک بے حیا لڑکی کا جسم تھا۔ مگر چند لمحوں کے لئے اس کی آنکھوں میں سدرہ آ کر بیٹھ گئی تھی۔

پھر سدرہ مر گئی۔ وہ بڑی لاپرواہی سے سر جھٹک کر گلی میں مڑ گئی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

نہیں ملتی۔ بہن نہیں ملتی۔ بیٹی نہیں ملتی۔ ملتی بھی ہیں تو مایوسی اور بے حسی کے دبیز خول میں چھپی ہوتی ہیں۔ اندر سے پہچانی نہیں جاتیں۔

سجاد نے کسی حد تک پہچانا تھا لیکن جتنی دیر میں وہ اس پہچان کا تجزیہ کرتا وہ ایک ہوا کے جھونکے کی طرح آ کر گزر گئی تھی۔

وہ دونوں پھر آگے بڑھ گئے۔ جس گلی میں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلی گئی تھی وہ گلی اب اس کے وجود سے خالی ہو چکی تھی نہ جانے وہ تمام بھٹکے ہوئے راہی کس طرف چلے گئے تھے؟

سجاد نے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کہا۔ "شیدے! اب ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ بہن کیوں نہیں ملتی؟ اس لئے کہ میں نے' تم نے' ہم سب لوگوں نے عورت کا چہرہ بگاڑ دیا ہے۔ اسے اوپر سے کھنڈر بنا دیا ہے۔ ہمیں بہن بنانے سے پہلے اس کھنڈر کو سمجھنا ہو گا ورنہ بہن کبھی نہیں ملے گی۔

دیکھونا' جب وہ زندہ تھی تو اس وقت اسے کوئی اپنی بہن بنا کر فخر نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ میرے کردار نے اس کی پیشانی پر لکھ دیا تھا کہ وہ ایک چور کی بہن ہے۔

عورت کی پیشانی پر ہم مختلف قسم کے لیبل لگاتے ہیں۔

لیبل کچھ ہوتا ہے' حقیقت کچھ اور ہوتی ہے اور اس دنیا کے بازار کی ہر چیز صرف لیبل سے ہی پہچانی جاتی ہے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟ جب تک ہم عورت کو نہیں سمجھیں گے اس وقت تک کسی بہن کو نہیں پہچان سکیں گے۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔" شیدے نے تائید کی۔

وہ امام باڑے کے پاس آ کر رک گئے۔ لاہور کی ہیرا منڈی کے دو طرف مذہب کی مضبوط فصیل ہے۔ ایک طرف شاہی مسجد ہے' دوسری طرف امام باڑہ ہے۔ اس کے بعد ہیروں کی جگمگاتی ہوئی منڈی شروع ہو جاتی ہے۔

شیدے نے پان کی دکان سے میٹھے مصالحے کے دو پان خریدے۔ ایک خود کھایا' دوسرا سجاد کو کھلایا۔ پھر وہ پان چباتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

رات کے نو بجے تھے۔ ہیرا منڈی جاگ رہی تھی۔ سڑک کے اطراف دکانیں کھل گئی تھیں۔ رنگ برنگے ریشمی لباس جھلملانے لگے تھے۔ طبلوں پر تھاپیں پڑ رہی تھیں۔ گھنگرو چیخ رہے تھے۔ قہقہے گونج رہے تھے' کچھ لوگ شراب کے نشے میں لڑکھڑا رہے تھے۔ کچھ لوگ دولت کے نشے میں سینہ تان کر چل رہے تھے۔ یہ ایسی نفرت انگیز جگہ تھی جہاں لوگ پیسے دے کر محبت کی خیرات حاصل کرتے تھے۔ بڑی عجیب جگہ تھی۔

وہ دونوں ایک تپلی سی گلی میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی وہی رونق تھی' وہی ہنگامے تھے۔ شیدے نے ایک کوٹھے کی بالکونی کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ سجاد نے کہا۔ "تم اوپر جاؤ' میں یہیں رہوں گا۔ یہاں کے ہنگاموں سے سر میں درد ہونے لگا ہے۔"

شیدے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "چلو یار! ہم گانا سننے نہیں جا رہے ہیں۔ بلقیس بائی سے اپنی رقم وصول کریں گے اور چلے آئیں گے۔ میں جانتا ہوں تجھے اب ان ہنگاموں سے دلچسپی نہیں رہی۔"

وہ جبراً اسے ساتھ لے کر زینے پر چڑھنے لگا۔

اوپر خاموشی تھی۔ شاید ابھی تک کوئی گاہک بھٹک کر اِدھر نہیں آیا تھا۔

شیدے نے پردہ اٹھا کر کمرے میں دیکھا۔ بلقیس بائی گاہکوں کی آہٹ پاتے ہی کِھل گئی تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے بجھ گئی۔ اس نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا۔ "آ جا شیدے! میں تو سمجھی تھی کوئی گاہک آیا ہے۔"

بلقیس بائی کے قریب ایک نوجوان لڑکی دو زانو بیٹھی ہوئی ایک رسالہ دیکھ رہی تھی۔ پہلے اس نے بھی گاہک سمجھ کر رسالہ رکھ دیا تھا اور ان کے استقبال کے لئے اٹھنے والی تھی۔ پھر بلقیس بائی کی بات سن کر اس نے دوبارہ رسالہ اٹھا لیا اور پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔

شیدے باتیں کرتا ہوا بلقیس بائی کے پاندان کے قریب جا کر بیٹھ گیا تھا لیکن سجاد کے قدم دروازے پر ہی رک گئے تھے۔ وہ بڑی محویت سے لڑکی کو دیکھے جا رہا تھا۔

وہ مطالعے میں مصروف تھی۔ اس کی لانبی پلکوں کے سائے گلابی رخساروں پر لرز رہے تھے' بالوں کی ایک لٹ پیشانی پر اِدھر سے اُدھر تھرکتی ہوئی شوخیاں کر رہی تھی۔ لبوں پر دھیما دھیما سا تبسم تھا۔ بازار میں بیٹھنے والی مسکرا رہی تھی لیکن وہ مسکراہٹ بازار سے نہیں کتاب کے صفحے سے اٹھ رہی تھی۔ ایک ستھری کتاب قاری کے لبوں پر ایک ستھرا اور پاکیزہ تبسم لاتی ہے۔

اس نے سنگھار کیا تھا.......... گاہک کے لئے۔

ہونٹوں پر سرخی جمائی تھی .... للچانے کے لئے

شیدے بائی کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کیوں .... مجھے دیکھتے ہی مسکراہٹ غائب ہو گئی؟ مال لیتے وقت تو بہت چہک رہی تھی' وعدہ کیا تھا ایک مہینے میں رقم لوٹا دوں گی لیکن چار ماہ ہو چکے ہیں۔"

وہ خوشامدانہ انداز میں مسکرا کر بولی۔ "تم تو آتے ہی سود خور پٹھان بن جاتے ہو۔ ذرا دم .... کچھ ٹھنڈا گرم پیئو۔"

"گرم نہیں پیئوں گا' اس لئے کہ دماغ گرم ہے اور ٹھنڈا پی کر ٹھنڈا نہیں ہونا

چاہتا۔ رقم کی بات کرو۔"

سجاد بھی ان دونوں کے قریب آ کر بیٹھ گیا تھا اور بڑی محویت سے اس سہمی ہوئی سی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کی نگاہیں بتا رہی تھیں کہ یہاں کا ماحول اس کے لئے انجانا ہے۔

بلقیس نے شیدے سے کہا۔ "تم یقین نہیں کرو گے۔ پچھلے چار مہینوں سے ایک پیسے کی بھی آمدنی نہیں ہوئی ہے۔ یہ لڑکی نئی ہے' کسی شریف گھرانے کی لگتی ہے پچھلے ایک مہینے سے اس کے آگے سر پھوڑ رہی ہوں مگر یہ آلاپ سے آگے نہیں بڑھ رہی ہے۔"

سجاد بلقیس بائی کی بات سن کر چونک گیا۔ شیدے کی طرف جھک کر بولا۔ "کیا یہ لڑکی شریف گھرانے کی ہے؟"

وہ بولا۔ "یہاں کبھی کبھی شریف گھرانوں کی لڑکیاں بھٹک کر آ جاتی ہیں' یا انہیں بھٹکا کر لایا جاتا ہے۔"

بلقیس بائی پہلو میں بیٹھی ہوئی اس لڑکی کو دیکھ کر ناگواری سے بولی۔ "میں تو اس سے بے زار ہو گئی ہوں۔ نہ یہ کچھ سیکھے گی اور نہ چار پیسے کما کر ہمیں دے گی۔ میں تو اسے یہاں بٹھا کر پچھتا رہی ہوں۔"

سجاد بار بار اسے دیکھ رہا تھا۔ شیدے نے دھیمی آواز میں کہا۔ "بلقیس کی بے زاری بتا رہی ہے' یہ سچ مچ کسی شریف گھرانے کی ہے۔ پھر بولو .... کیا خیال ہے؟"

سجاد شیدے کے پاس سے اٹھ کر اس لڑکی کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ وہ خود میں سمٹنے لگی۔ شیدے نے بلقیس سے کہا۔ "مجھے اپنے ستر ہزار وصول کرنے ہیں۔"

وہ بولی۔ "میں اپنا دکھڑا رو رہی ہوں مگر تجھ پر اثر نہیں ہو رہا۔"

شیدے نے ایک نظر سجاد پر اور اس لڑکی پر ڈالی پھر بائی سے کہا۔ "سمجھ لے کہ تُو نے ستر ہزار دے دیئے۔ یہ لڑکی تیرے لئے کھوٹا سکہ ہے۔ میں ستر ہزار کے بدلے یہ کھوٹا سکہ لے جاؤں گا۔"

سجاد نے لڑکی سے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "اس بازار میں آ کر نام بدل جاتے ہیں۔ کل جو نام تھا وہ آج نہیں ہے اور جو آج ہے' وہ شاید کل نہ رہے۔"

اس کے لہجے میں عجیب سی اداسی تھی۔ جو سجاد کے دل میں اترتی چلی گئی۔ وہ بولی۔ "ہو سکتا ہے' اب آپ میرا نام بدل دیں۔"

وہ اسے گاہک سمجھ رہی تھی۔ وہ تڑپ کر بولا۔ ''ہاں .... میں تمہارا نام بدل سکتا ہوں۔ مگر وہ نام ایک بہن کا ہوگا۔''

اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر تعجب سے کہا۔ ''بہن کا نام.........!''

بلقیس بائی شیدے سے باتوں میں مصروف تھی۔ کنکھیوں سے ان دونوں کو بھی دیکھ رہی تھی۔ بہن کا لفظ اس نے بھی سنا تھا مگر یہ بات اسے اپنے کانوں کا دھوکہ معلوم ہوئی تھی۔ اس نے آہستگی سے آگے جھک کر شیدے سے پوچھا۔ ''یہ تمہارا دوست اس سے کیا کہہ رہا ہے؟''

وہ بولا۔ ''بہت مشکل لفظ کہہ رہا ہے۔''

لڑکی نے سجاد سے کہا۔ ''یہاں بہنیں نہیں ملتیں۔''

بلقیس اب ان کی باتیں غور سے سن رہی تھی۔ سجاد نے کہا۔ ''کیچڑ میں کنول اور گدڑی میں لعل ملتا ہے۔ پھر ایک بہن کیوں نہیں ملے گی؟''

بلقیس نے حیران ہو کر شیدے سے پوچھا۔ ''کیا یہ اسے اپنی بہن بنانا چاہتا ہے؟''

''ہاں۔''

وہ چونک کر بولی۔ ''کیا......... مجھے یقین نہیں آ رہا؟ پھر ایک بار بولو۔''

''بولنا کیا ہے، لکھ کر دے دوں؟ اور پھر تجھے اس سے کیا ہے؟ تو لین دین کی بات کر۔''

وہ لڑکی سجاد سے کہہ رہی تھی۔ ''میں نے بہت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ تقدیر نے قدم قدم پر میرا مذاق اڑایا ہے۔ کیا آپ بھی میرا مذاق اڑانے آئے ہیں؟''

وہ بولا۔ ''کسی کا بھی مذاق اڑایا جا سکتا ہے، مگر بہن کا مذاق نہیں اڑایا جاتا۔ میری سدرہ اللہ کو پیاری ہو گئی ہے۔ کیا تم میری سدرہ بنو گی؟''

وہ لڑکی اسے حیرت سے تک رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تشکر کے سائے لہرا رہے تھے لیکن یہ ڈر بھی سمایا ہوا تھا کہ شاید بلقیس بائی یہ منظور نہ کرے۔ اس نے نظریں گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ شیدے سے کہہ رہی تھی۔ ''میں مانتی ہوں، ستر ہزار کا قرض اتر جائے گا۔ تم اسے لے جاؤ گے لیکن میں تو خالی ہاتھ رہ جاؤں گی ناں!''

شیدے نے کہا۔ ''تمہیں کچھ دے دوں گا۔''

''تیس ہزار لوں گی۔''

وہ بھڑک کر بولا۔ ''ہماری ضرورت دیکھ کر پھیل رہی ہو؟''

وہ لاپرواہی سے بولی۔ ''یہ بات نہیں ہے، مجھے آگے جا کر خریداری کرنی ہے۔''

''یہ تمہارا معاملہ ہے۔ میں مزید دس ہزار دوں گا۔ منظور ہو تو بولو۔ نہیں تو میرے ستر ہزار بھی یہاں رکھ دو۔''

اس نے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ دھندے کا وقت تھا، وہ اس سے الجھ کر گاہک خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یوں بھی وہ لڑکی اس کے لئے ناکارہ ثابت ہو رہی تھی۔ نرم پڑتے ہوئے بولی۔ ''کیوں اتنی اکڑ دکھا رہے ہو، مجھے منظور ہے۔ لاؤ......... دس ہزار دو اور اسے لے جاؤ۔''

لڑکی نے خوش ہو کر سجاد کی طرف دیکھا۔ سجاد نے آگے بڑھ کر اس کے سر کو آنچل سے ڈھانپ دیا۔ بہن کو بھائی کا تحفظ بھرا ساتھ مل گیا۔

☆======☆======☆

کبریٰ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ بار بار پریشان ہو کر دیوار گیر گھڑی کو دیکھ رہی تھی۔ نفاست نے بے زار ہو کر کہا۔ ''یوں کب تک ٹہلتی رہو گی؟ بیٹھ جاؤ۔''

وہ اس کے قریب ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ مراد نے بے قراری سے کہا۔ ''پتہ نہیں دادا جان کب تک واپس آئیں گے؟''

کبریٰ نے دھیمی آواز میں نفاست سے پوچھا۔ ''وہ پچاس کروڑ آج ہی مل جائیں گے نا؟''

وہ بولا۔ ''تم تو ایسی بے چین ہو جیسے وہ بہت بڑے صندوق میں رقم بھر کر لانے والے ہوں۔''

وہ تنک کر بولی۔ ''اونہہ .... میں جاہل نہیں ہوں۔ جانتی ہوں۔ وہ بہت بڑی رقم ہے، کرنسی کی صورت میں نہیں ملے گی۔''

مراد نے کہا۔ ''وہاں کاغذی کارروائیاں ہو رہی ہوں گی۔ اسی لئے دادا جان فہمی اور حسرت کو ساتھ لے گئے ہیں۔''

نفاست نے کہا۔ ''ہاں .... آج اہم دستاویزات ملیں گی اور وہ رقم فہمی کے نام ٹرانسفر کی جائے گی۔ حسرت شوہر کی حیثیت سے اس رقم کے تحفظ کی ضمانت دے گا اور ابا جان نانا کی حیثیت سے اس کے سرپرست رہیں گے۔''

وہ بولی۔ ''ابا جان آپ کو بھی ساتھ لے جاتے تو کیا ہو جاتا؟ مجھے اطمینان رہتا کہ کام ہماری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔''

"ہوں۔" وہ تائید میں بولا۔ "میں رشتے میں فہمی کا ماموں بھی ہوں اور سسر بھی۔ میں سمجھ رہا تھا ابا جان اتنی بڑی رقم کے سلسلے میں مجھے سرپرست بنائیں گے۔ وہ میری بہو ہے لیکن ابا جان خود سرپرست بننے گئے ہیں۔"

مراد نے کہا۔ "رقم بہت بڑی ہے' وہ آپ پر بھی بھروسہ نہیں کر رہے ہیں۔"

نفاست کچھ پریشان ہو کر بولا۔ "بس .... دل میں ایک اندیشہ ہے۔"

کبریٰ نے گھبرا کر پوچھا۔ "کیسا اندیشہ؟"

"اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو پچاس کروڑ میں سے ہمیں پچاس روپے بھی نہیں ملیں گے۔"

"خدا نہ کرے۔ حسرت ہمارا بیٹا ہے۔ میں اس سے کچھ نہ کچھ ضرور وصول کروں گی۔ آپ دیکھتے رہیں۔"

"بیٹے کے پاس بیوی کی دولت ہو گی۔ وہ بیوی کی دولت میں سے حصہ نہیں دے گا۔ ہاں' خیرات کے طور پر کچھ دے سکتا ہے۔"

مراد منہ دبا کر ہنسنے لگا۔ کبریٰ نے ناگواری سے نفاست کی طرف دیکھا۔ پھر منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ بے قراری سے وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد عبادت علی' حسرت اور فہمی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ مراد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "دادا جان! ہم صبح سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ نفاست کے قریب ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ وہ بولا۔ "میں آفس میں تھا۔ کبریٰ نے فون پر بتایا کہ آپ فہمی اور حسرت کے ساتھ گئے ہیں۔ یہ عدالتی معاملات تھکا ڈالتے ہیں۔ آپ تو اس بھاگ دوڑ میں پریشان ہو گئے ہوں گے؟"

وہ مسکرا کر بولے۔ "بیٹے! دولت حاصل ہو رہی ہو تو نہ بڑھاپا یاد رہتا ہے اور نہ تھکن محسوس ہوتی ہے۔"

مراد آگے بڑھ کر بولا۔ "آپ کم از کم مجھے ساتھ لے جاتے۔ میں دھوپ میں سایہ بن کر رہتا۔"

ارمانہ نے وہاں آتے ہوئے کہا۔ "دھوپ نہ ہو تو سایہ ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ ایسی ہی خدمت گزاری کا شوق ہے تو دادا جان کے لئے ٹھنڈا میٹھا جوس لاؤ۔"

اس نے ناگواری سے اسے دیکھا پھر بولا۔ "کیوں نہیں' میں ابھی جوس لے کر آتا ہوں۔" وہ اٹھ کر بن کو آوازیں دیتا ہوا کچن کی طرف چلا گیا۔

حسرت نے مسکرا کر ارمانہ کو دیکھا۔ عبادت علی نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے' وقار النساء

کے وکیل نے اپنے فرائض بخوبی ادا کئے ہیں۔ پچاس کروڑ فہمی کے نام ٹرانسفر ہو چکے ہیں۔"

حسرت نے کہا۔ "دادا جان! آج آپ نے بڑی بھاگ دوڑ کی ہے۔ آئندہ آپ ایسا نہیں کریں گے۔"

مراد نے آ کر جوس کا گلاس انہیں تھماتے ہوئے کہا۔ "میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

نفاست نے کہا۔ "میرے ہوتے ہوئے آپ کو تنہا نہیں جانا چاہئے تھا۔ آئندہ سدرہ اور سجاد کو جو رقم ملنے والی ہے' آپ اس سلسلے میں وکیل کے پاس نہیں جائیں گے۔ یہ میرا فرض ہے۔ آپ مجھے اپنا فرض ادا کرنے دیں۔"

وہ مسکرا کر بولے۔ "اچھا .... اچھا .... آئندہ تم ہی یہ معاملات سنبھالو گے۔"

کبریٰ خوش ہو گئی۔ پھر بولی۔ "فہمی تو معصوم ہے' بے زبان ہے' میرا خیال ہے اتنی بڑی رقم پر حسرت کا ہی اختیار رہے گا۔"

نفاست اور مراد انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ بولے۔ "اس رقم کو خرچ کرنے اور اسے محفوظ رکھنے کے اختیارات ہمارے پاس ہیں۔"

ان تینوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ حسرت زیر لب مسکرا رہا تھا۔ نفاست نے اسے دیکھتے ہوئے عبادت علی سے پوچھا۔ "ابا جان! اختیارات تو شوہر کو حاصل ہوتے ہیں؟"

حسرت اور عبادت علی کی نظریں ملیں۔ وہ دونوں زیر لب مسکرانے لگے۔ پھر انہوں نے کھنکارتے ہوئے کہا۔ "ہم آج ایک حقیقت سے پردہ اٹھانا چاہتے ہیں۔"

انہوں نے ایک نظر ان تینوں کے سوالیہ چہروں پر ڈالی پھر بولے۔ "فہمی اور حسرت .... میاں بیوی نہیں ہیں۔"

ان تینوں نے بے ساختہ کہا۔ "کیا؟"

وہ بولے۔ "ہم سب جانتے ہیں' فہمی شادی کے قابل نہیں ہے لیکن شادی ضروری تھی۔ اگر وہ دکھاوے کی شادی نہ کی جاتی تو آج یہ پچاس کروڑ حاصل نہ ہوتے۔ ہم نے وقار النساء کے وکیل کو دکھانے کے لئے باقاعدہ فہمی اور حسرت کا نکاح پڑھوایا تھا۔"

نفاست نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ "یہ .... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اتنی

دھوم دھام سے شادی کرائی گئی' کیا وہ نمائشی تھی؟"

وہ سر ہلا کر بولے۔ "ہاں .... نکاح کے بعد ہی حسرت نے فہمی کو طلاق دے دی تھی۔ اس طلاق نامے پر ہم نے گواہ کے طور پر دستخط کئے ہیں۔"

کبریٰ اور نفاست منہ پھاڑے حیرت سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ صدمہ پہنچ رہا تھا کہ اتنا بڑا راز ان سے چھپایا جاتا رہا ہے۔ عبادت علی نے کہا۔ "تم سب ہمیں جان سے زیادہ عزیز ہو لیکن ہم پچاس کروڑ حاصل کرنے تک کسی کو رازدار نہیں بنانا چاہتے تھے۔ یہ اندیشہ تھا کہ اس وکیل کو ہماری حکمت عملی کا پتہ چلے گا تو وہ ہمیں اس رقم سے محروم کر دے گا۔"

ارمانہ اور حسرت ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ مراد ان کی مسکراہٹ کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔ وہ غصے سے انہیں گھورتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ کبریٰ کو ایک ہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ اب حسرت کو ارمانہ کے حصول سے باز رکھنے کی ایک ٹھوس دلیل ختم ہو چکی تھی۔

☆======☆======☆

زیبی اور فراز نے ایک دو روز بعد ہی والدین کی سرپرستی میں ایک دوسرے کو شرعی طور پر قبول کر لیا۔ زیبی پہلے فراز کی محبت تھی' اب عزت بن گئی تھی۔ سہاگ رات کو جب اس نے زیبی کا گھونگھٹ اٹھایا تو اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ خوابوں کی تعبیریں بھی مل سکتی ہے۔

وہ خوش تھا' اس کے ماں باپ خوش تھے۔ مگر زیبی اپنے بزرگوں کے بارے میں سوچ کر ذرا بجھ سی گئی تھی لیکن فراز کی قربت نے اسے سب کچھ بھول جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

شادی کے بعد وہ دونوں دن بھر ماں باپ کے پاس رہتے پھر کوٹھی میں واپس چلے جاتے۔ آخر کار فراز کی ماں نے مجبور ہو کر کہا۔ "بیٹے! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ بہو یہاں دن کو آتی ہے' دو چار گھنٹے رہتی ہے پھر چلی جاتی ہے۔"

شوہر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "تجھے تو مجبوری معلوم ہے۔ وہ یہاں ہماری بہو ہے لیکن ہمارا بیٹا وہاں داماد نہیں ہے۔ چھپ چھپا کر شادی ہوئی ہے۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی شکایت کر رہی ہے۔"

فراز سر جھکائے ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ زیبی یہاں

بیوی بن کر رہے۔ ہمیشہ بیوی ہی بن کر رہتی رہے لیکن مجبوراً کوٹھی میں جا کر ایک دوسرے کے لئے غیر بننا پڑتا تھا۔ ان کے درمیان آنکھ مچولی ہو رہی تھی۔

ماں نے بے بسی سے کہا۔ "کیا کروں' دل نہیں مانتا۔ ایسی چاند جیسی بہو ہے کہ سامنے بٹھا کر دیکھتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ آخر وہ کب تک یوں آتی جاتی رہے گی؟"

فراز نے کہا۔ "ہمیشہ ایسا نہیں ہو گا۔ تم ابا کے ساتھ گاؤں واپس جاؤ' ہمیں کاروبار کے سلسلے میں ملک سے باہر جانا ہے۔"

وہ بولی۔ "تم جاؤ .... بہو کو بھی لے جاؤ لیکن واپس تو آؤ گے۔ میں گاؤں نہیں جاؤں گی۔ یہاں رہ کر بہو کا انتظار کروں گی۔"

وہ سمجھانے کے انداز میں بولا۔ "اماں! یہاں اپنا مکان نہیں ہے۔ زیبی کرائے کے اس چھوٹے سے مکان میں آنا نہیں چاہتی۔ میں واپس آ کر ایک نئی کوٹھی خریدوں گا پھر تمہیں اور ابا کو بلاؤں گا۔"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن شوہر نے شانہ تھپک کر اسے خاموش کر دیا۔ تسلی دیتے ہوئے بولا۔ "تُو فکر کیوں کرتی ہے؟ ہمارا بیٹا سیانا ہے۔ وقت اور حالات کے مطابق ہی تو کام کرے گا۔ چل اٹھ' گاؤں چلنے کی تیاری کر۔"

وہ شوہر اور بیٹے کے سمجھانے پر خاموش ہو گئی۔

☆======☆======☆

سجاد لوگوں کی سوالیہ نظروں سے بچنے کے لئے اس لڑکی کو شیدے کے گھر لے آیا۔ وہاں شیدے کی ماں اور بیوی نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ شیدے کی بیوی نے کہا۔

"ربا! یہ تو سدرہ جیسی ہی بھولی بھالی سی ہے۔ ویسے یہ ہے کون؟"

شیدے نے کہا۔ "سجاد کی بہن ہے' تجھ سے کہا تھا نا' جب بھی ایک بہن ملے گی تو اسے اسی گھر میں لائیں گے۔"

ماں نے کہا۔ "سو بسم اللہ' اچھا کیا جو اسے یہاں لے آئے۔ سجاد وہاں اکیلا رہتا ہے۔ اسے بہن بنا کر اپنے ساتھ وہاں رکھے گا تو دنیا والے باتیں بنائیں گے۔"

سجاد نے کہا۔ "میں یہاں زیادہ دنوں تک نہیں رہوں گا۔ میری ایک غلطی نے مجھے بُری طرح بدنام کر دیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس بدنامی کا سایہ میری سدرہ پر بھی پڑے۔"

شیدے نے اپنی رائے پیش کی۔ "جب اپنے دادا جان کے پاس تجھے جانا ہی ہے تو

پھر اس علاقے سے جلد چلے جانا چاہئے۔"

وہ بولا۔ "ابھی سدرہ کو اپنے تمام حالات بتانے ہیں۔ جہاں ہمیں جانا ہے وہاں شاید ہی کوئی اپنا ہو' جبکہ خون کے رشتے سے سب ہی اپنے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی اسے بہت کچھ سمجھانا ہے۔"

ماں نے کہا۔ "سمجھاتے رہنا' بچی کو ذرا دم تو لینے دو' کچھ کھا پی کر آرام کرنے دو۔ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔"

لڑکی نے ماں سے کہا۔ "ماں جی! سب سے پہلے میں خدا کے سامنے سجدۂ شکر ادا کرنا چاہوں گی۔ میں نے پچھلے چند دن بڑی آزمائشوں میں گزارے ہیں۔ خدا کا شکر ہے' میرا دامن آج بھی پاک ہے۔ قدم قدم پر خدا نے میری حفاظت کی ہے۔ میں شکرانے کے نوافل ادا کرنا چاہتی ہوں۔"

ماں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "جیتی رہو بیٹی! رب کا جتنا بھی شکر ادا کرو' کم ہے۔ سجاد تمہیں سگے بھائیوں سے بڑھ کر محبت دے گا۔"

پھر اس نے شیدے کی بیوی سے کہا۔ "سکینہ! اسے اندر لے جا۔"

سجاد اسے بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بالکل سدرہ جیسی دکھائی دے رہی تھی' نیک اور پاکیزہ۔

وہ وقت اور حالات کی تلخیاں برداشت کرتی ہوئی سجاد تک پہنچی تھی۔ وہ خوش نصیب تھی اور اپنی خوش نصیبی پر جتنا بھی شکرا ادا کرتی' وہ کم ہوتا۔ ایسے زمانے میں جب عورت کی طرف اٹھنے والی ہر نظر میں ہوس ہوتی ہے اور ہر بڑھنے والا ہاتھ اس کی عزت و آبرو کی دھجیاں بکھیر دینا چاہتا ہے اسے ایک بھائی کا مضبوط سہارا مل گیا تھا۔ اس نے نوافل ادا کر کے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے۔

وہ دل ہی دل میں دعا مانگنا چاہتی تھی لیکن الفاظ بے اختیار دل سے نکل کر زبان پر پھسلتے جا رہے تھے۔ "یااللہ! میں تیرا جتنا بھی شکرا ادا کروں' کم ہے۔ میں ایک ایسے جہنم میں تھی جہاں سے لڑکیاں عزت و آبرو کے ساتھ واپس نہیں آتیں۔ تُو نے میرے لئے ایک رحمت کا فرشتہ بھیج دیا۔ ایسے بازار سے کوئی کسی کو بہن بنا کر نہیں لاتا۔ اگر تیری اجازت ہوتی تو میں اس فرشتے کو سجدہ کرتی رہتی۔ یا میرے اللہ! مجھے اتنی توفیق عطا کر کہ میں ایک اچھی اور سچی بہن ہونے کے فرائض ادا کرتی رہوں۔ مجھے کوئی ایسا موقع دے کہ میں اپنے اس بھائی پر اپنی جان قربان کر سکوں۔ آمین!"

وہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر اٹھ گئی۔ جائے نماز تہہ کرتے ہوئے سوچنے لگی۔ "اس زندگی میں کیسے کیسے تماشے ہوتے ہیں؟ ایک میرے ابو تھے۔ ان سے نہ ٹوٹنے والا خون کا رشتہ تھا لیکن وہ اسے توڑنے کی فکر میں رہے۔ انہوں نے کبھی میرے نام کے ساتھ اپنا نام لکھنے کی اجازت نہیں دی۔ میں امی سے کہتی تھی کہ آپ اپنے حقوق کے لئے کیوں نہیں لڑتیں؟ وہ مجھے سمجھاتی تھیں' بیٹی! صبر کرو انہوں نے ہمارے لئے کوٹھی خریدی ہے۔ میرے بینک اکاؤنٹ میں اچھی خاصی رقمیں جمع کرتے رہتے ہیں۔"

وہ بڑے دکھ سے سوچ رہی تھی۔ ماں کی یاد آئی تو آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ ہمیشہ اپنے شوہر کی حمایت میں بولتی تھیں۔ اسے پھر یاد آنے لگا۔ "میں ہمیشہ امی سے کہتی تھی' ابو ہمیں یہ سب کچھ نہ دیں صرف اپنا نام دے دیں۔ میں باپ کے نام کے بغیر ایک گالی بن جاؤں گی۔"

اس نے ایک سرد آہ بھر کر زیر لب کہا۔ "پھر میں ایک گالی بن گئی۔ وہ لوگ زبردستی مجھے اٹھا کر لے گئے۔"

گزرے ہوئے دنوں کے منظر اس کی نگاہوں میں گھومنے لگے۔ وہ کالج سے گھر واپس آ رہی تھی کہ اچانک ایک ویگن اس کے سامنے آ کر رکی۔ وہ گھبرا گئی۔ اس سے پہلے کہ خود کو سنبھالتی۔ ایک مضبوط جسامت کے غنڈے نما شخص نے تیزی سے دروازہ کھول کر' لپک کر اُسے دبوچ لیا۔ پھر کھینچتا ہوا گاڑی کے اندر لے آیا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی لیکن اس کے پتھر جیسے ہاتھ نے اس کے نازک چہرے کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس کی سخت انگلیاں اس کے چہرے میں پیوست ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

بلیک شیشوں کی اس گاڑی کو بڑی تیزی سے ڈرائیو کیا جا رہا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ ایک جھٹکے سے رک گئی۔ اس غنڈے نے گاڑی کا دروازہ کھولا پھر اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا۔ وہ چیخ رہی تھی۔ "چھوڑ دو مجھے .... چھوڑ دو' کون ہو تم لوگ؟ مجھ سے کیا دشمنی ہے؟ مجھے جانے دو .... خدا کے لئے' کوئی ہے .... بچاؤ۔"

وہ چلا رہی تھی' گڑگڑا رہی تھی۔ مدد کے لئے پکار رہی تھی لیکن اس ویران اور سنسان جگہ کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ساحلی علاقے کا کوئی ویران حصہ لگ رہا تھا۔ سامنے ہی شکستہ سا ہٹ نما مکان دکھائی دے رہا تھا۔

گاڑی ڈرائیو کرنے والا بھی اتر کر ان کے پاس آ گیا تھا۔ پھر وہ دونوں اسے زبردستی

گھسیٹتے ہوئے ہٹ کے اندر لے گئے۔ وہ اب بھی چیخ رہی تھی۔ ”کوئی ہے‘ خدا کے لئے مجھے بچاؤ۔“

ایک غنڈے نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔ وہ چیخ مار کر لڑکھڑاتی ہوئی ایک کمرے میں آ کر گر پڑی۔ اس غنڈے نے کہا۔ ”تو یہاں چیخ چیخ کر مر جائے گی لیکن کوئی تجھے بچانے نہیں آئے گا۔“

اس نے بڑے کرب سے سر اٹھا کر کمرے میں دیکھا۔ وہاں ایک جوان لڑکی زنجیروں میں بندھی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے اور ہاتھوں پر جابجا نیل پڑے ہوئے تھے یہ منظر دیکھتے ہی وہ کانپ کر رہ گئی۔ اس غنڈے نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ”اسے بھی زنجیروں میں جکڑ دو۔“

وہ دونوں ان کی حالت پر قہقہے لگا رہے تھے۔ ایک اور غنڈے نے آ کر کہا۔ ”استاد! بھولو کہہ رہا تھا‘ پولیس موبائل ادھر سے گزر کر گئی تھی۔ انہیں یہاں رکھنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔“

ان میں سے ایک نے کہا۔ ”رات کو لانچ آئے گی۔ انہیں بھیج دیا جائے گا۔“

پھر وہ تینوں اس کمرے کے شکستہ سے دروازے کو بند کر کے باہر چلے گئے۔ وہ سہمی ہوئی سی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ چاروں طرف دیکھنے لگی۔ کہیں کوئی کھڑکی نظر نہیں آ رہی تھی۔ لکڑی سے بنی ہوئی دیواروں کی ریخوں سے دن کی روشنی چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی۔

زنجیروں سے بندھی ہوئی لڑکی نے نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔ ”یہاں سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ ظالم درندے بھاگنے والیوں کو گولی مار دیتے ہیں۔“

اس نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ”وہ کہہ رہا تھا‘ رات کو لانچ آنے والی ہے‘ یہ ہمیں کہاں بھیجنا چاہتے ہیں؟“

وہ بولی۔ ”یہ ہمیں جہاں بھی بھیجیں گے وہ جگہ جہنم سے کم نہیں ہو گی۔ یہ لوگ مجھ سے خوفزدہ ہیں۔ میں ان میں سے دو آدمیوں کو جانتی ہوں۔ وہ میرے محلے میں رہتے ہیں اور مجھے جلد سے جلد سمندر پار بھیجنا چاہتے ہیں۔“

وہ دونوں باتیں کر رہی تھیں‘ ایسے ہی وقت شکستہ دروازہ کھلا ایک آدمی اندر آیا۔ اس کے ہاتھوں میں لوہے کی زنجیریں تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ”بہت اچھل رہی تھی‘ بھاگنے کے لئے مچل رہی تھی۔ تیرا باپ بھی تجھے یہاں سے نہیں لے جا سکے گا۔“

وہ مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر اچانک ہی رک گیا۔ دور کہیں پولیس کی گاڑیوں کے سائرن سنائی دے رہے تھے۔ جو قریب آتے جا رہے تھے۔ اس آدمی نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا پھر حواس باختہ سا ہو کر زنجیریں پھینک کر دروازے سے باہر نکل گیا۔ دروازے کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ سامنے کوریڈور ویران دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اٹھ کر دروازے کے پاس آئی۔

زنجیروں میں جکڑی ہوئی لڑکی نے کہا۔ ”بھاگ جاؤ .... شاید اپنی جان کے ساتھ اپنی عزت بھی بچا سکو .... جاؤ .... بھاگ جاؤ۔“

اس نے پلٹ کر دیکھا کہا۔ ”لیکن تم؟“

وہ بے بسی سے بولی۔ ”میری زنجیریں تم نہیں کھول سکو گی۔ خدارا! خود کو بچاؤ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو .... جاؤ۔“

اس نے ایک نظر اس مظلوم لڑکی پر ڈالی۔ پھر جبراً دروازے سے باہر آ گئی۔ پورے مکان میں نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ چھپتی چھپاتی بیرونی دروازے کے پاس آئی۔ ایسے وقت اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ قدم اسی کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں سے وہ فرار ہو کر آئی تھی۔ وہ ایک دیوار کی اوٹ میں دبک گئی۔ پھر کچھ دیر بعد وہاں سے اٹھ کر کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکلتی چلی گئی۔ شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔ وہ باہر آ کر جھاڑیوں کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئی۔ دوسری طرف سے فائرنگ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ چند سائے اِدھر سے اُدھر دوڑتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ کچھ فائرنگ کی زد میں آ کر زمین بوس ہو رہے تھے۔ ایسے وقت اسے یاد آیا کہ اس کا پرس اس کمرے میں رہ گیا ہے لیکن اتنی ہمت نہ تھی کہ واپس جاتی۔ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ وہ سہمی ہوئی جھاڑیوں میں چھپی بیٹھی رہی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ پولیس وین واپس جا رہی تھی۔ اس کی ہیڈ لائٹس کی روشنی دور تک پھیلی سڑک کو روشن کر رہی تھیں۔ اس نے ایک نظر اس شکستہ مکان پر ڈالی۔ گہرا سناٹا بتا رہا تھا کہ اب وہاں اور کوئی نہیں ہے۔ اس نے اس ویران علاقے سے شہر تک کا راستہ کیسے طے کیا؟ یہ سوچ کر ہی اُسے جھرجھری آ گئی۔

اس نے خیالوں سے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ ایک بھائی کی دی ہوئی مضبوط اور محبت بھری پناہ گاہ میں تھی۔ پھر سر جھٹک کر سوچنے لگی۔ ”میں ایک جہنم سے نکل کر دوسرے جہنم میں پہنچ گئی تھی۔“

ایک تنہا لڑکی گھر کی چاردیواری سے باہر محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔ شہر پہنچی تو ایک

بوڑھے نے اس سے ہمدردی کی‘ بیٹی بنا کر اپنے گھر لے گیا۔ پھر دھوکے سے اُسے بلقیس بائی کے کوٹھے میں پہنچا دیا۔

وہ بڑے دکھ سے سوچنے لگی۔ ”آہ .... ابو! آپ بہت عزت دار ہیں‘ اچھا ہوتا اگر آپ میری بے عزتی کا تماشہ دیکھتے۔ شاید آپ کا خون جوش مارتا؟ شاید سویا ہوا ضمیر آپ کو جھنجوڑتا؟ میں ایک بار صرف ایک بار آپ کا سر شرم سے جھکتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔ صرف ایک بار..........“

دروازہ کھلا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ سجاد اندر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک اٹیچی تھا۔

وہ چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”سدرہ! یہاں آؤ .... میں اپنے خاندان کے بارے میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں گا۔“

وہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اٹیچی کھول کر ایک البم اور چند فائلیں نکالتے ہوئے کہا۔ ”یہ بہت اہم دستاویزات ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے ابو سید عبادت علی شاہ کے بڑے بیٹے ہیں اور ان کی کئی ٹیکسٹائل ملز ہیں‘ ابو کے شیئرز ہیں۔“

اس نے چونک کر سجاد کو دیکھا۔ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ ”سید عبادت علی شاہ .... یہ تو میرے دادا کا نام ہے۔ ان کی بھی ٹیکسٹائل ملز ہیں۔“

سجاد نے ایک فائل کھول کر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ تمہارے آم کے باغات کی فائل ہے۔ جسے تم اطمینان سے پڑھو گی۔“

پھر وہ البم کو کھولتے ہوئے بولا۔ ”پہلے تم یہ البم دیکھو۔ اپنے دادا جان اور تمام رشتے داروں کو ان کے چہروں سے پہچانو۔“

وہ عبادت علی کی تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے بولا۔ ”یہ ہیں ہمارے دادا جان‘ بیس برس پہلے کی تصویر ہے۔ اب تو اچھے خاصے بوڑھے ہو گئے ہوں گے۔“

پھر اس نے اپنی ماں کی تصویریں دکھائیں تو وہ جمیلہ بیگم کی تصویر کو چوم کر بولی۔ ”یہ میری سب سے عظیم امی ہیں۔ انہوں نے میرے لئے آپ جیسا بھائی پیدا کیا ہے۔“

وہ بڑی محبت سے اسے دیکھ رہا تھا‘ پھر بولا۔ ”یہ تمہارے نئے والدین ہیں۔ میں ان کے بارے میں تمہیں بہت کچھ بتاتا رہوں گا۔ تم بھی مجھے اپنے والدین کے بارے میں بتاؤ گی۔“

وہ ایک دم سے سنجیدہ ہو گئی۔ سوچوں میں گم ہو گئی۔ سجاد نے پوچھا۔ ”سدرہ! کیا ہوا؟“

وہ چونکتے ہوئے بولی۔ ”بھائی جان! میں اپنا ماضی بھول جانا چاہتی ہوں۔ پلیز‘ مجھے کچھ یاد نہ دلائیں۔ سب کچھ بھول جانے دیں۔“

”جو ماضی خوف کے آنسو رلاتا ہو‘ اسے بھول جانا چاہئے لیکن اپنے پیدا کرنے والے ماں باپ کو کیسے بھولو گی؟“

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ”وہ .... وہ اب اس دنیا میں .... نہیں رہے۔“

یہ کہتے ہی اس کا سر جھک گیا تھا۔ سجاد گہری نظروں سے اسے ٹٹول رہا تھا۔ محسوس کر رہا تھا کہ اس کا سر دکھ سے نہیں شاید شرم سے جھکا ہوا ہے۔ اس نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا .... سچ کہہ رہی ہو؟“

وہ اس کا سوال سنتے ہی بوکھلا گئی‘ نظریں چرانے لگی۔ پھر اٹکتے ہوئے بولی۔ ”اگر .... وہ زندہ ہیں تو میں کس منہ سے ان کے سامنے جاؤں گی؟“

وہ بولا۔ ”جب دادا جان کی سرپرستی میں تمہیں عزت ملے گی‘ بلند مرتبہ ملے گا‘ تب جانا چاہو گی؟“

وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ ”عزت اور بلند مرتبہ تو سدرہ کو ملے گا۔ میں تو خاک میں مل چکی ہوں‘ آپ مجھے خاک میں ہی رہنے دیں۔ مجھ پر اتنی مٹی ڈال دیں کہ میرا وجود ہمیشہ کے لئے گم ہو جائے۔ میں اپنے والدین سے کبھی نہیں ملوں گی۔“

اس کی آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔ وہ باپ سے نفرت کرتی تھی لیکن ماں کو ٹوٹ کر چاہتی تھی۔ آج بھی اس کی آغوش میں پناہ لینے کے لئے بے چین تھی مگر جانتی تھی کہ جو کچھ اس پر بیت چکی ہے وہ روداد سنتے ہی اس کی پاکباز ماں صدمے سے مر جائے گی۔ شوہر کی بے اعتنائی اسے تقریباً موت کے قریب لے آئی تھی۔ اس پر بیٹی کی در بدری اس کی زندگی کے تابوت کی آخری کیل ثابت ہو گی۔ بیٹی نے دل پر صبر کی سِل رکھ کر ماں سے نہ ملنے کی قسم کھالی تھی۔

اس کے آنسو آنکھوں سے ڈھلک کر رخساروں پر آ گئے۔ سجاد نے کہا۔ ”ارے تم تو رونے لگیں؟ چلو .... آنسو پونچھو .... آئندہ میں تمہیں رلانے والی کوئی بات نہیں کروں گا۔“

وہ اپنے آنچل میں آنسوؤں کو جذب کرنے لگی۔ سجاد نے البم کا دوسرا صفحہ کھولا۔ پھر کہا۔ ”اب پیاری بہن کی طرح مسکراؤ .... چلو۔“

وہ مسکرانے لگی۔ بھائی کی فرمائش پوری کر کے اسے انجانی سی خوشی مل رہی تھی۔
وہ بھی مسکرانے لگا۔ پھر البم میں لگی ایک تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے بولا۔
"یہ دیکھو، ہمارے دشمن کی تصویر۔"
وہ تصویر کو دیکھتے ہی چونک گئی۔ مسکراتے ہوئے ہونٹ دانتوں تلے دب گئے۔ سجاد کہہ رہا تھا۔ "اس شخص نے ہمارے ابو پر جھوٹے الزامات لگائے، ہمیں گھر سے نکلنے پر مجبور کیا، ہم اس کی وجہ سے مفلسی اور محتاجی کی زندگی گزارتے رہے ہیں۔"
اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا تھا لیکن دل بے اختیار چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "یہ .... یہ تو میرے ابو ہیں؟ سید نفاست علی شاہ۔"
ہاں .... یہ لڑکی کوئی اور نہیں سید عبادت علی کے شجرے سے پھوٹ کر ٹوٹ جانے والی چور شاخ تھی۔ اسی اعلیٰ خاندان کی چشم و چراغ تھی جو لہو سید عبادت علی شاہ کی رگوں میں گردش کر رہا تھا یہ بھی اسی لہو کے قطرے کی پیداوار تھی۔ مان، مرتبے اور شان و شوکت والے عبادت علی کی پوتی دربدری کی زندگی گزار رہی تھی۔ یہ ثمینہ تھی۔ حسرت جسے مردہ سمجھ کر صبر کر چکا تھا اس کی وہ بہن زندہ تھی۔ زرینہ خاتون کی بیٹی ثمینہ زندہ سلامت تھی۔
ثمینہ کی نظریں تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔ سجاد نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ بڑی توجہ سے دیکھ رہی ہو؟ کیا سوچ رہی ہو؟"
وہ چونک گئی پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "کچھ نہیں .... کچھ بھی تو نہیں .... مَیں بھلا کیا سوچوں گی؟"
وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ "سدرہ بھی ایسی ہی تھی، تمہاری طرح جھوٹ بولتی تھی۔"
وہ جبراً مسکرا کر بولی۔ "چلیں .... میری ایک عادت تو سدرہ سے مل رہی ہے۔"
"تو تم مان رہی ہو کہ ابھی جھوٹ بول رہی تھیں؟ اب سچ بتاؤ، اس تصویر کو دیکھ کر کیا سوچ رہی تھیں؟"
وہ چور نظروں سے نفاست علی کی تصویر کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "اس تصویر کو دیکھ کر مجھے اپنے ابو یاد آ رہے ہیں۔"
"اس تصویر میں ایسی کیا بات ہے جو تمہیں اپنے ابو یاد آ رہے ہیں؟"
وہ تصویر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "میرے ابو کچھ ایسے ہی ہیں۔"

تصویر دیکھتے ہی دل میں چھپی باپ کی نفرت نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ اس کی بات سن کر سجاد نے چونک کر پوچھا۔ "ہیں، یعنی تمہارے ابو زندہ ہیں؟ تم ان کے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتیں۔ ان سے ملنا نہیں چاہتیں لیکن انہیں بھلا بھی نہیں سکتیں۔ یوں کشمکش میں رہنے سے زندگی نہیں گزرے گی۔"
"یہ کشمکش ہمیشہ نہیں رہے گی۔ جب آپ دادا جان کے پاس جائیں گے تو میں ابو سے دور رہ کر بھی دور نہیں رہوں گی۔"
وہ تصویر کو دیکھ کر حقارت سے بولا۔ "یہ ہمارے چچا جان ہیں، ہمارے بدترین دشمن ہیں اور تم ان کی صورت میں اپنے ابو کی صورت دیکھ رہی ہو؟"
وہ باپ کی برائی برداشت نہ کر پائی تڑپ کر بولی۔ "اتنے شفیق اور مہربان دکھائی دینے والے دشمن کیسے ہو سکتے ہیں؟"
وہ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "تصویر اتارتے وقت انسان خود کو معصوم اور مہربان بنا لیتا ہے۔ تم نہیں جانتیں .... یہی وہ دشمن ہیں جنہوں نے ہمارے ابو پر چوری کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ ان کی بدولت ہمیں گھر سے بے گھر ہونا پڑا تھا۔ یہ آستین کے سانپ ہیں۔ انہوں نے ہماری زندگی میں زہر بھر دیا ہے۔"
وہ بڑی محبت سے نفاست کی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ سجاد کی باتیں اسے ناگوار گزر رہی تھیں۔ وہ بولا۔ "میں جو کہہ رہا ہوں اس سے تم اندازہ کر سکتی ہو کہ یہ کتنے مکار ہیں؟"
وہ پھر تڑپ کر بولی۔ "خدا کے لئے انہیں مکار تو نہ کہیں۔"
وہ حیران ہو کر بولا۔ "انہوں نے ہم پر ظلم کی انتہا کی ہے اور تم کہتی ہو، انہیں مکار نہ کہا جائے؟"
اسے ایک دم سے احساس ہوا کہ وہ اُن کی حمایت میں کچھ زیادہ بول رہی ہے۔ اس نے ذرا سنبھلتے ہوئے بات بنائی۔ "یہ جیسے بھی ہیں، ہمارے چچا جان ہیں، ہمارے بزرگ ہیں۔ ہمیں گستاخی نہیں کرنی چاہئے۔ گستاخ اور بے ادب نہیں ہونا چاہئے۔"
وہ حیران پریشان سا ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر بولا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیسی باتیں کر رہی ہو؟ انہوں نے ابو سے گستاخی کی تھی۔ ذرا سوچو، ہمارے ابو کی توہین کی تھی۔"
"لیکن ہمارے ابو نے پلٹ کر ان کی توہین نہیں کی، ان سے انتقام نہیں لیا۔ آپ

وہاں جا کر اپنے حقوق ضرور حاصل کریں لیکن انتقامی جذبے کو دل سے نکال دیں۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ دل میں تشویش اور اندیشے سر ابھار رہے تھے۔ وہ سوچنے لگا اگر اس کی جگہ سدرہ ہوتی تو کیا وہ بھی یہی مشورہ دیتی؟ وہ الجھ گیا تھا۔ ثمینہ کی دلی کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ بہن ہونے کا دعویٰ کرنے والی' بھائی کے دشمن کے لئے ہمدردی کا جذبہ ظاہر کر رہی تھی۔

اس نے پوچھا۔ "کیا میں یہ سمجھوں کہ تم بہن بن کر اس آگ کو نہیں سمجھ رہی ہو جو میرے اندر لگی ہوئی ہے؟"

وہ تصویر کو دیکھ رہی تھی' سجاد کے سوال پر چونک گئی۔ پریشان ہو کر کبھی اسے اور کبھی تصویر کو دیکھنے لگی۔ ایک طرف وہ باپ تھا جس نے کبھی اسے ولدیت میں اپنا نام لکھنے کا حق نہیں دیا تھا اور دوسری طرف ایک ایسا بھائی تھا جو اُسے اس گندی دنیا سے نکال لایا تھا۔ جہاں رشتوں کی نہیں جسموں کی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ الجھ گئی' سمجھ نہیں پائی کہ کس کی حمایت کرے اور کس کو نظرانداز کر دے۔ فی الحال ایک بھائی کی محبت جیت گئی۔ وہ بولی۔ "وہ بہن ہی کیا' جو بھائی کو جلتا ہوا دیکھے اور آگ نہ بجھا سکے؟"

وہ اٹھ کر پریشانی سے ٹہلنے لگا۔ ثمینہ کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ اس وقت بڑی عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔ نہ تصویر کو بھرپور انداز سے دیکھ رہی تھی اور نہ ہی سجاد سے نظریں ملا پا رہی تھی۔ اس کی نظریں فرش پر یوں ٹکی ہوئی تھیں جیسے گھٹا ایک جگہ ٹھہر جاتی ہے۔ پھر برس پڑتی ہے' دھرتی کے دامن کو جل تھل کر دیتی ہے۔ شاید وہ بھی برسنا چاہتی تھی۔ دل کا غبار آنسوؤں سے دھو ڈالنا چاہتی تھی لیکن سجاد کی موجودگی میں ضبط کر رہی تھی۔ آنسوؤں کا گولہ حلق میں پھنس گیا تھا۔ وہ اسے پریشانی سے دیکھتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆======☆======☆

حسرت اور فہمی کی طلاق کے بارے میں سن کر مراد پریشان ہو گیا تھا۔ حسرت کو ارمانہ کے راستے سے ہٹانے کا اچھا خاصا جواز ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ وہ انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ پورے گھر میں خود کو کمتر اور کم حیثیت سمجھ رہا تھا۔ یہی احساسِ کمتری اسے عبادت علی کے کمرے میں لے گیا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آیا پھر ذرا ناراضگی سے بولا۔ "دادا جان! میں آپ سے لڑنے آیا ہوں۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "ہم جانتے ہیں' تم کس بات پر لڑو گے؟"

وہ دانت پیس کر بولا۔ "حسرت نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ دوسری بار شادی کرے گا اور سدرہ سے کرے گا۔ اب پتہ چلا کہ وہ ایسا دعویٰ کیوں کر رہا تھا؟ فہمی سے تو شادی ہی نہیں ہوئی تھی۔"

انہوں نے نظریں چراتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں شکایت کیا ہے؟"

وہ بولا۔ "سدرہ بہت پہلے ہی مجھ سے منسوب ہو چکی ہے اور حسرت نے ممی کے سامنے چیلنج کیا ہے کہ وہ سدرہ سے شادی کرے گا۔ کیا آپ اس چیلنج کو پورا ہونے دیں گے؟"

پوتے کے سوال نے انہیں الجھن میں مبتلا کر دیا۔ وہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دونوں ہی پوتے انہیں عزیز تھے۔ وہ بولے۔ "یہاں آؤ' ہمارے پاس بیٹھو۔"

وہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے کہا۔ "تم دونوں ہمارے پوتے ہو۔ ہم کسی سے ناانصافی نہیں کریں گے۔ نکاح تمام عمر ساتھ رہنے کا ایگری منٹ ہوتا ہے۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "نکاح .... حسرت اور فہمی کا بھی تو نکاح ہوا تھا؟"

"ہم بحث نہیں کریں گے۔ تم ہماری حکمت عملی کو نہیں سمجھ سکتے۔ رہا سدرہ کا معاملہ تو اتنا بڑا فیصلہ ہم نہیں کریں گے۔"

وہ خاموش ہو گئے۔ وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ ذرا توقف کے بعد بولے۔ "یہ فیصلہ سدرہ کرے گی کہ وہ کس کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہے؟"

یہ سنتے ہی وہ ایک دم سے بھڑک گیا۔ "وہ سدرہ کو میرے خلاف بہکا رہا ہے۔ وہ اسی کے حق میں فیصلہ سنائے گی۔"

"سدرہ نادان نہیں ہے' بہت سمجھدار ہے۔ وہ سوچ سمجھ کر فیصلہ سنائے گی۔"

وہ بھنا کر بولا۔ "اور اس کے حق میں سنائے گی۔"

انہوں نے پوچھا۔ "جب تم یہ بات جانتے ہو تو کیوں اس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟ ہم کسی ہم پلہ خاندان سے تمہاری دلہن لائیں گے۔"

وہ بولا۔ "میں اُسے چاہتا ہوں۔ شادی کرنے کے لئے ہی اسے یہاں لایا ہوں۔"

انہوں نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔ "کیا.......... اُسے تم یہاں لائے ہو؟"

اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا سنبھلتے ہوئے بولا۔ "مم .... میرا مطلب ہے' وہ دراصل میں کہنا چاہتا ہوں' آپ سب نے اسے مجھ سے منسوب کیا تھا' میں یہی سمجھ رہا تھا

کہ وہ میرے لئے یہاں آ رہی ہے۔ دادا جان! اس کی شادی‘ مجھ سے ہونی چاہئے۔“

انہوں نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم کہہ چکے ہیں‘ ان حالات میں لڑکی کا فیصلہ سنا جائے گا۔“

وہ شدید طیش میں آ گیا تھا‘ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ”آپ صاف کیوں نہیں کہتے‘ مجھے چھوٹے بھائی سے کمتر بنا رہے ہیں؟ مجھے سدرہ کی نظروں سے گرا رہے ہیں‘ اس گھر میں میری حیثیت ہی کیا ہے؟ جب میری کوئی قدر و قیمت نہیں ہے تو مجھے یہاں نہیں رہنا چاہئے۔“

وہ پیر پٹختا ہوا‘ پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔ عبادت علی تشویش بھری نظروں سے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سرپرست ہونے کے ناطے وہ فیصلے کرنے کا حق رکھتے تھے لیکن پہلی بار پوتوں کے درمیان خود کو کشمکش میں مبتلا دیکھ رہے تھے۔

مراد اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ الماری سے کپڑے نکال کر ایک اٹیچی میں رکھ رہا تھا۔ کبریٰ نے وہاں آ کر حیرت سے پوچھا۔ ”کہاں جا رہے ہو؟“

”یہاں میری کوئی حیثیت نہیں ہے اور جہاں قدر نہ ہو‘ وہاں سے چلے جانا بہتر ہے۔“

وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر پریشان ہو کر بولی۔ ”آخر پتہ تو چلے‘ بات کیا ہے؟“

”ارمانہ کو میں یہاں لایا تھا اور مجھے ہی اس کے حصول سے باز رکھا جا رہا ہے۔ دادا جان فرما رہے ہیں‘ آخری فیصلہ لڑکی کا سنا جائے گا۔ یہ .... یہ کھلی ناانصافی ہے۔ سب ہی جانتے ہیں کہ وہ حسرت کے حق میں فیصلہ سنائے گی لیکن میں اس کا فیصلہ سننے سے پہلے یہ گھر چھوڑ دوں گا۔“

وہ غصے سے بولی۔ ”یہ کیا پاگل پن ہے؟ جو سدرہ بن کر آئی ہے‘ اس کی اہمیت ہی کیا ہے؟ تم ایک ماڈل گرل کی خاطر یہ گھر چھوڑ کر جا رہے ہو؟“

”یہاں وہ ماڈل گرل نہیں ہے‘ سدرہ ہے۔ اس کے پیچھے بیس کروڑ روپے ہیں۔ پہلے میں پچاس کروڑ کے لئے فہمی سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن حسرت میرے راستے کی دیوار بن گیا اور اب.........“

وہ اس کی بات کاٹ کر ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔ ”کچھ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب جانتی ہوں۔ یہ سارے تماشے تمہارے دادا جان دکھا رہے ہیں وہ چاہتے تو فہمی کی شادی تم سے کرا دیتے۔“

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”نہیں بھئی‘ وہ تو معصوم ہرنی ہے‘ نادان ہے‘ شادی کو نہیں سمجھتی ہے۔ آپ نے دیکھا تھا‘ دلہن بن کر کیسے خوش ہو رہی تھی؟ حسرت کے کمرے میں اسے پہنچایا گیا تو وہ ذرا نہیں گھبرائی تھی۔“

وہ ناگواری سے بولی۔ ”ارے‘ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ وہ شادی اور ازدواجی رشتے کو نہیں سمجھتی‘ میں خوب سمجھتی ہوں ابا جان حسرت کو الگ کمرے میں لے گئے تھے۔ اس سے وعدہ کیا ہو گا کہ وہ پچاس کروڑ کے لئے فہمی سے شادی کر لے گا تو بعد میں سدرہ سے اس کی شادی کرا دی جائے گی۔“

وہ بولا۔ ”یہاں تو وہی ہو گا جو دادا جان چاہتے ہیں۔ میں جو چاہوں گا وہ کبھی نہیں ہو گا۔ پھر میں یہاں کس لئے رہوں؟“

”تم یہاں سے جا کر کیا حاصل کر لو گے؟“

”لیکن یہاں رہ کر اپنی انسلٹ بھی تو برداشت نہیں کر سکتا۔“

”تمہیں میدان چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے۔“

”میرا ہتھیار چھوٹ گیا ہے۔ جنگ لڑنے کے لئے ہتھیار ضروری ہوتا ہے۔ میں خالی ہاتھ کیسے لڑتا رہوں؟“

وہ بولی۔ ”سپاہی کا ایک ہتھیار ناکارہ ہو جائے تو وہ دوسرے ہتھیار سے لڑتا ہے‘ دوسری تدبیریں آزماتا ہے۔“

وہ لاپرواہی سے بولا۔ ”یہاں کوئی دوسری تدبیر کام نہیں آئے گی۔“

”اوہو .... میں جو کہہ رہی ہوں‘ وہ سنو۔“

وہ بیزار ہو کر سننے لگا۔ وہ بولی۔ ”فہمی پہلے کی طرح تم سے نہیں ڈرتی ہے۔ تم سے دور نہیں بھاگتی ہے۔“

”یہاں فہمی کا ذکر کہاں سے آ گیا؟“

اس نے گھور کر اسے دیکھا پھر کہا۔ ”خاموشی سے میری بات سنو۔ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ تم کوشش کرو گے تو وہ تمہارے قریب آنے لگے گی‘ تمہارے پاس بیٹھنے لگے گی۔ اسے بڑے پیار سے پچکارتے رہو‘ وہ تم سے مانوس ہوتی رہے گی۔“

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی منصوبہ بندی کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”تم میری بات سمجھ رہے ہو؟“

وہ قائل ہو کر بولا۔ ”ہاں‘ اگر میں دادا جان کے سامنے یہ ثابت کر دوں کہ فہمی

میری طرف مائل ہو چکی ہے' میرے ساتھ کھانے پینے اور گھومنے پھرنے لگی ہے تو وہ اس کی شادی مجھ سے کرا سکتے ہیں۔ آخر وہ کبھی نہ کبھی اس کی شادی ضرور کرائیں گے۔"

وہ ذرا سر اٹھا کر فخر سے بولی۔ "کیوں؟ مانتے ہو اپنی ماں کی سمجھداری کو؟"

وہ اس سے لپٹ کر بولا۔ "یو آر جینئس ممی!"

وہ خوش ہو کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم جلد از جلد فہمی کا دل جیت لو۔"

ماں بیٹے نے مل کر ایک اور چال چلنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اس بار بھی دولت کی اہمیت تھی۔ سدرہ کو حاصل کر کے صرف بیس کروڑ ملتے۔ فہمی کو پا کر پورے پچاس کروڑ روپے کا منافع ہونے والا تھا۔ لہٰذا مراد نے فوراً ہی پٹڑی بدل لی۔

☆======☆======☆

فراز ہاتھ میں کار کی چابی پکڑے ہوئے ڈرائنگ روم سے گزر رہا تھا' نفاست کی آواز سن کر ٹھٹک گیا۔ وہ سر سے پاؤں تک اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہاں آ کر تو تمہارا حلیہ ہی بدل گیا ہے' خوب عیش کر رہے ہو' بہت خوش ہو .... ہیں؟"

"آپ خوشیاں دے رہے ہیں' میں خوش ہو رہا ہوں۔"

وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "لیکن تم بھول رہے ہو کہ میں یہ خوشیاں چھین بھی سکتا ہوں۔ تمہاری حیثیت یاد دلا سکتا ہوں۔"

وہ ایک دم سے چونک گیا۔ ایک لمحے میں ایسا لگا جیسے نفاست نے ان دونوں کی چوری پکڑ لی ہے اور اب تفتیش کر رہا ہے۔ وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔ "آپ ناراض ہیں؟"

"تم میرے حکم کی تعمیل نہیں کرو گے تو کیا میں خوش رہوں گا؟"

وہ چونک کر بولا۔ "میں تو آپ کی ہر بات مانتا ہوں۔"

"میں نے کہا تھا' ابا جان سے فائیو اسٹار ہوٹل کی بات کرو' کیا تم نے میری بات پر عمل کیا ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "وہ .... یوں سمجھیں' میں بات کر چکا ہوں۔ میں دادا جان کو منا لوں گا۔"

اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "یعنی اپنی بات منوائی نہیں ہے؟"

"ذرا انتظار کرنا ہو گا۔ میں کوئی مناسب وقت دیکھ کر بات کروں گا۔"

اس نے بے چین ہو کر پوچھا۔ "آخر وہ مناسب وقت کب آئے گا؟"

وہ سوچنے لگا۔ پھر چونک کر بولا۔ "وہ .... ایسا ہو گا کہ میری شادی کے دن دادا جان پوچھیں گے' بولو کیا چاہتے ہو؟ تب میں کہوں گا' فائیو اسٹار ہوٹل۔ وہ ایسے وقت کبھی انکار نہیں کریں گے۔"

وہ اس کی بات سن کر خوش ہو گیا۔ قائل ہونے کے انداز میں بولا۔ "واقعی وہ اس

روز تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کریں گے۔ شاباش! تم بہت چالاک ہو۔"

وہ بڑے مؤدبانہ انداز میں سر جھکا کر بولا۔ "یہ چالاکیاں آپ ہی سے سیکھ رہا ہوں۔"

زیبی وہاں آتے ہوئے بولی۔ "سوری فراز! میں ذرا لیٹ ہو گئی۔"

پھر نفاست کو دیکھ کر بولی۔ "ڈیڈ! ہم امریکن لائبریری جا رہے ہیں۔"

وہ دونوں خدا حافظ کہتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ مراد کوریڈور سے گزر کر ڈرائنگ روم میں آ رہا تھا۔ فراز کو دیکھ کر نفاست کے قریب آتے ہوئے بولا۔ "ڈیڈ! یہ کہیں سے مریض نہیں لگتا۔ کیا کینسر کے مریض ایسے تندرست اور پھرتیلے ہوتے ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "اچھی خوراک ایسے ہی کمالات دکھاتی ہے۔ یہ اسد کے کمرے میں رہتا ہے۔ ایک رات اس پر دورہ بھی پڑ چکا ہے۔ یہ اسد کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جاتا رہتا ہے۔"

"شادی جلد سے جلد ہو جانی چاہئے ایسا نہ ہو کہ ڈاکٹر کے پاس جانے کے بجائے یہ شادی سے پہلے خدا کے پاس پہنچ جائے۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹے کو دیکھنے لگا۔ تاریخ طے ہو چکی تھی۔ اب تو بس اس دن کے آنے کا بے چینی سے انتظار کیا جا رہا تھا۔

☆======☆======☆

دل کا غبار ڈھل چکا تھا۔ بوجھ کچھ کم ہو گیا تھا۔ اب اسے خیال آیا کہ سجاد شاید اس سے ناراض ہو کر گیا ہے۔ رات گہری ہو چکی تھی اور وہ اب تک واپس نہیں آیا تھا۔ وہ بیرونی دروازے سے جھانک کر باہر گلی میں دیکھ رہی تھی۔ پریشان تھی۔ اپنی نادانی سے شفیق بھائی کو خفا کر بیٹھی تھی۔ شیدے کی ماں بڑی محبت سے اس کی بے چینی دیکھ رہی تھی۔ وہ صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی' اسے مخاطب کر کے بولی۔ "دھی سدرہ! یہاں آ کر بیٹھ جا.......... کھانے کا وقت ہو رہا ہے' وہ شیدے کے ساتھ آتا ہی ہو گا۔"

برتن دھوتی ہوئی شیدے کی بیوی نے کہا۔ "یہ دونوں دوست بس ایسے ہی ہیں۔ پتہ نہیں' کہاں مارے مارے پھرتے ہیں؟"

ماں ان کی حمایت میں بولی۔ "وہ باہر کچھ بھی کرتے ہوں' چار پیسے کما کر تو لاتے ہیں۔"

ثمینہ پلٹ کر اس کے پاس آ کر چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "بھائی جان کھانا کھانے بھی نہیں آئے۔ رات کے بارہ بج رہے ہیں' اب تو آ جانا چاہئے؟"

ماں نے کہا۔ "اس نے کہیں کھا لیا ہو گا۔ شیدے اسے بھوکا نہیں رہنے دے گا۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔"

وہ دروازے کی طرف دیکھ کر بڑی محبت سے بولی۔ "اماں! بھائی جان بہت اچھے ہیں۔"

ماں نے کہا۔ "بیٹی! وہ تو ہیرا ہے' اب تک مٹی میں رُل رہا تھا۔ اپنے دادا کے پاس جائے گا تو اس کی قدر ہو گی۔"

ایسے ہی وقت وہ شیدے کے ساتھ گھر میں داخل ہوا۔ ماں نے ثمینہ سے کہا۔ "یہ لو.......... تمہارا بھائی آ گیا۔ بار بار دروازے پر جا رہی ہے۔ تم بھوکے چلے گئے تھے۔ یہ پریشان ہو رہی تھی۔"

شیدے کی بیوی نے کہا۔ "میں سالن گرم کرتی ہوں' تم تندور سے روٹیاں لے آؤ۔"

سجاد نے کہا۔ "ہم روٹی کھا کر آئے ہیں۔"

ثمینہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ ماں نے کہا۔ "میں نے کیا کہا تھا؟ یہ دونوں باہر جا کر بھوکے نہیں رہتے۔ سدرہ! تم نے ہمارے ساتھ روٹی نہیں کھائی' بھائی کا انتظار کرتی رہیں۔ اٹھو.......... اب تو روٹی کھا لو۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔" یہ کہہ کر کمرے میں چلی گئی۔

سجاد اس سے ناراض تھا لیکن ماں کی بات سنتے ہی اسے ثمینہ پر بے اختیار پیار آنے لگا۔ وہ واقعی سدرہ جیسی تھی۔ وہ بھی اسی طرح بھوکی رہ کر اس کا انتظار کیا کرتی تھی اور اگر ناراض ہو جاتی تو کھانا نہیں کھاتی تھی۔ وہ اسے سمجھا منا کر کھلایا کرتا تھا۔ پھر اس سدرہ کیسے بھوکا اور ناراض رہنے دیتا؟

اس نے شیدے سے اور اس کی بیوی سے کہا۔ "شیدے! تندور سے روٹیاں لے آؤ۔ بھابی! سالن گرم کرو۔ باہر سے کھا کر آؤ تو بہنیں ناراض ہو جاتی ہیں۔ میں ابھی اسے راضی کرتا ہوں۔"

وہ بھی کمرے میں آ گیا۔ ثمینہ سر جھکائے چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اس کے قریب آ کر بولا۔ "ناراض ہو؟ ویسے ناراض تو مجھے ہونا چاہئے۔ تم میرے دشمن چچا کی

طرف داری کر رہی تھیں۔"

"میں آپ سے ناراض نہیں ہوں' اپنے آپ کو سزا دے رہی ہوں۔"

"خود کو کیوں سزا دے رہی ہو؟"

اس نے سر اٹھا کر سجاد کو دیکھا پھر کہا۔ "میں نے اپنی باتوں سے آپ کو ناراض کیا ہے۔ مجھے میری غلطی کی سزا ملنی چاہئے۔"

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اگر میں ناراض ہوں تو مجھے منانا چاہئے۔"

"آپ نہیں تھے' کیسے مناتی؟"

ایسے ہی وقت شیدے کی بیوی کھانے کی ٹرے لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ پھر بولی۔ "میں نے کہا تھا نا یہ سدرہ جیسی ہے۔ اس کی عادتیں بھی ویسی ہی ہیں۔ تم باہر کھانا کھاتے وقت یہ بھول گئے تھے کہ سدرہ دوبارہ آ چکی ہے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "واقعی .... میں بھول گیا تھا۔"

وہ ثمینہ کے سامنے ایک میز پر ٹرے رکھتے ہوئے بولی۔ "کھانا ٹھنڈا ہونے سے پہلے ناراضگی ختم ہو جانی چاہئے۔"

یہ کہہ کر وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ بولا۔ "میں ناراض تھا' گھر سے چلا گیا تھا لیکن اب تو آ گیا ہوں۔ مجھے منانا چاہتی ہو تو ابھی کھانا کھاؤ۔"

اس نے ایک نوالہ بنا کر اس کی طرف بڑھایا۔ ایسے وقت سدرہ کی یاد شدت اختیار کر گئی۔ دل بوجھل سا ہو گیا مگر ثمینہ کی مسکراہٹ نے پھر سے اس کے اندر توانائی بھر دی۔

وہ کچھ دیر بعد بولی۔ "آپ نے میرے والدین کے متعلق پوچھا تھا۔ میں بتانا چاہتی ہوں' آپ سنیں گے؟"

ثمینہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سجاد کو حقیقت سے آگاہ کر دے گی اور اسے مجبور کرے گی کہ وہ اس کے باپ سے گستاخی نہ کرے' کوئی انتقامی کارروائی نہ کرے۔

وہ بولا۔ "ہاں بتاؤ' مجھے خوشی ہو گی' میں تمہیں ان کے پاس لے جاؤں گا۔ ہم دونوں انہیں تلاش کریں گے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "بہت سے بچھڑے ہوئے تلاش کئے بغیر ہی مل جاتے ہیں لیکن ہم انہیں دوبارہ نہیں اپنا سکتے۔"

"کیا وہ تمہیں اپنانے سے انکار کریں گے؟"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "کچھ ایسی ہی بات ہے' میرے ابو کا تعلق ایک اعلیٰ خاندان سے ہے۔ وہ بہت دولت مند ہیں۔ انہوں نے اپنے خاندان والوں سے چھپ کر میری امی سے شادی کی تھی۔ میں پیدا ہوئی تو انہوں نے باپ ہونے کا فرض نبھایا' میری تعلیم اور پرورش کے لئے روپوں پیسوں کی کمی نہیں کی مگر مجھے اپنا نام نہ دے سکے۔ سختی سے منع کر دیا کہ میں کبھی صحیح ولدیت ظاہر نہ کروں۔"

وہ بولا۔ "یہ تو ظلم ہے۔ مرد پہلی کے بعد دوسری شادی کرنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں' مگر بچوں کے حقوق پورے نہیں کر پاتے۔"

اسے باپ سے ہمیشہ یہ شکایت رہی تھی وہ ماں سے کہتی رہتی تھی کہ میں ان کی ناجائز اولاد نہیں ہوں۔ مجھے ان کی ولدیت ملنی چاہئے۔ اگر نام نہیں دینا تھا تو پیدا کیوں کیا تھا لیکن آج کسی دوسرے کے منہ سے باپ کی برائی سن کر وہ تڑپ گئی۔ باپ کی حمایت میں بولی۔ "یہ ظلم نہیں تھا' ان کی مجبوری تھی۔"

"باپ بیٹی کے رشتے میں مجبوری کیسی؟"

"وہ بہت عزت دار ہیں' بہت دولتمند ہیں۔ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ دوسری شادی کا راز کھلے گا تو ان کے ابا جان انہیں اپنی دولت اور جائیداد سے محروم کر دیں گے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو مجھے سب سے زیادہ دکھ ہوتا۔"

اس نے حیرانی سے کہا۔ "تعجب ہے' انہوں نے تمہیں باپ کے نام سے محروم کر دیا اور تم ان سے محبت کرتی ہو؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میں نے ان سے کبھی شکایت نہیں کی ہمیشہ امی سے جھگڑتی رہی۔ کچھ دیر پہلے میرے دل نے چاہا تھا کہ میں ایک بار صرف ایک بار ابو کا سر اپنے سامنے شرم سے جھکتا ہوا دیکھوں لیکن جلدی ہی مجھے اپنی سوچ پر ندامت محسوس ہونے لگی۔ کوئی بیٹی یہ نہیں چاہتی کہ باپ اپنی بلندی سے نیچے گرے۔"

وہ اس کے جذبوں کو سمجھ رہا تھا۔ بڑی محبت سے اور عقیدت سے ایک پاکیزہ بہن اور ایک فرمانبردار بیٹی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "ہم اپنے بزرگوں کو سزا نہیں دے سکتے۔ زیادہ سے زیادہ انہیں سمجھا سکتے ہیں۔"

اس نے سر اٹھا کر سجاد کو دیکھا پھر پوچھا۔ "اگر میرے ابو سے سامنا ہو گا تو آپ انہیں سمجھائیں گے یا سزا دیں گے؟"

"تم کہتی ہو تو انہیں سمجھاؤں گا۔"

وہ آئندہ کے راستے ہموار کر رہی تھی۔ باپ کی بے عزتی نہیں چاہتی تھی۔ بولی۔ "آپ ان سے کبھی گستاخی نہیں کریں گے۔ اپنی ذہانت سے اور تدبیر سے میرے حقوق حاصل کریں گے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "تم جو چاہو گی وہ کروں گا لیکن اپنے ابو کا نام اور پتہ تو بتاؤ۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "میرے پاس ان کی تصویر ہے۔"

اُس نے تکیئے کے نیچے سے نفاست کی تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے چونک کر شدید حیرانی سے کہا۔ "یہ .... یہ تو چچا جان ہیں۔"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "یہی میرے ابو ہیں۔"

اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "یہ تمہارے ابو ہیں؟"

وہ حیرت سے کبھی تصویر کو اور کبھی ثمینہ کو دیکھ رہا تھا۔ دنیا اتفاقات سے بھری پڑی ہے لیکن جب یہ اتفاقات سامنے آتے ہیں تو انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ یقین نہیں کر پاتا۔ اس کی نگاہوں میں بھی بے یقینی نمایاں تھی۔ وہ بولا۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا۔ عجیب بات ہے۔ میں نے تمہیں ایک مظلوم اور لاوارث لڑکی سمجھ کر بہن بنایا۔ بلقیس بائی کے کوٹھے سے لا کر نیکی کی۔ سچ ہے' کسی کے ساتھ نیکی کرو تو اس کا انعام ضرور ملتا ہے۔ میری اپنی ہی بہن دلدل میں تھی' جسے میں نکال لایا ہوں۔ ہم سگے نہیں ہیں لیکن ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"ہمیں اس طرح ملانے میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہے۔ آپ سچ بتائیں کیا مجھ سے نفرت کریں گے؟"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میں تم سے نفرت کیوں کروں گا؟"

"میں آپ کے دشمن کی بیٹی ہوں۔"

وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے تمہیں بہن بنایا ہے۔ سگی بہن .... تم میری سدرہ ہو۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر خوش ہو کر بولی۔ "میں آپ کی سدرہ ہوں۔ ہمیشہ سدرہ ہی رہوں گی۔ آج تک میری زبان پر ابو کا نام نہیں آیا یہ اچھا ہی ہوا۔ سدرہ بننے کے بعد بھی ان کا نام زبان پر نہیں آئے گا۔ میں انہیں چچا جان کہہ کر پکاروں گی۔"

"یہ تمہارے صبر کا امتحان ہو گا۔ وہ تمہاری دوسری بہن زیبی کو لاڈ پیار دیتے رہیں گے۔ تم یہ ناانصافی کیسے برداشت کر سکو گی؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "میں آج تک ان کی ناانصافی برداشت کرتی آ رہی ہوں۔ اب تو عادی ہو گئی ہوں۔ انہوں نے آپ سب کو دادا جان کی سرپرستی اور ان کی دولت و جائیداد سے محروم کیا ہے۔ مجھے تو ولدیت سے ہی محروم کر دیا۔ باپ کے نام کے بغیر یہ وجود شرمناک بن گیا ہے۔"

وہ قدرے ناگواری سے بولا۔ "چچا جان نے انتہا کر دی ہے۔ ایک بیٹی کو کلیجے سے لگا کر رکھا' دوسری کو پان کی پیک کی طرح تھوک دیا ہے۔"

"اس کے باوجود میں ان سے نفرت نہیں کر رہی ہوں۔ آپ سے بھی یہی چاہتی ہوں۔ وہ ہمارے بزرگ ہیں۔ ہمیں ان سے نفرت نہیں کرنی چاہئے' کوئی گستاخی نہیں کرنی چاہئے۔ ہم ان کی عزت کرتے ہوئے بھی اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "اب میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ اگر میں کہوں کہ دشمن کو معاف نہیں کیا جاتا تو تمہیں صدمہ پہنچے گا۔ میں تمہیں صدمہ پہنچانے والا کوئی کام نہیں کروں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "بھائی جان! آپ بہت اچھے ہیں۔ ابو کی وجہ سے آپ لوگوں پر قیامت گزر چکی ہے' پھر بھی آپ میری بات مان رہے ہیں۔ اب وعدہ کریں کہ وہاں جا کر غصہ نہیں دکھائیں گے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں ہم تہذیب کے دائرے میں رہ کر اپنے حقوق حاصل کریں گے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں' اگر وہ محبت سے پیش آئے تو مجھ سے بھی انہیں محبتیں ملیں گی۔ یہ تو دستور ہے' پتھر مارو تو پتھر ملتا ہے' پھول مارو تو پھول۔"

وہ مطمئن ہو کر بولی۔ "ہم یہاں سے پہلے امی کے پاس جائیں گے۔ پتہ نہیں میری جدائی میں وہ کیسے کیسے صدمات اٹھا رہی ہوں گی؟"

وہ ماں سے ملنے کے لئے بے چین ہو گئی۔ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ صدمات اٹھاتے اٹھاتے اس دنیا سے منہ موڑ چکی ہے۔

☆======☆======☆

زیبی فہمی کے کمرے میں اس کی شادی کی البم دیکھ رہی تھی۔ وہ نادان خوش ہو کر اپنی تصویریں دکھا رہی تھی۔ زیبی نے مسکرا کر کہا۔ "تم کتنی معصوم ہو' تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ تم نہیں جانتیں۔ نہ جانے تمہارے مقدر میں کیا لکھا ہے؟ مجھے تو نہیں لگتا کہ تم کبھی سچ مچ دلہن بن سکو گی۔"

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی' سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے؟ ایسے ہی وقت اسد اور فراز دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ فراز نے کہا۔ "زیبی! تم یہاں ہو ہم پوری کوٹھی میں تمہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

اسد نے ایک لفافہ اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ "تمہارے نکاح کی تصویریں ہیں۔ دیکھو گی تو خوش ہو کر دیکھتی ہی رہ جاؤ گی۔"

اس نے خوش ہو کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لاؤ.......... مجھے دکھاؤ۔"

وہ لفافہ لے کر کھولنے لگی فراز نے وہ لفافہ اس سے چھینتے ہوئے پوچھا۔ "کیا فہمی کے سامنے دیکھو گی؟"

وہ بولی۔ "تو کیا ہوا؟ یہ بے چاری کس سے بولنے جائے گی؟"

زیبی اس کے ہاتھ سے لفافہ چھین کر ایک تصویر نکال کر دیکھنے لگی۔ اس تصویر میں وہ دلہن بنی بیٹھی تھی۔ فہمی بھی جھک کر دیکھنے لگی پھر اشاروں میں کہنے لگی کہ تم بھی میری طرح دلہن بنی ہوئی ہو۔ بہت اچھی لگ رہی ہو۔

فراز نے پریشان ہو کر کہا۔ "زیبی! دوسری تصویریں نہ نکالو۔ یہاں دیکھنا مناسب نہیں ہے۔ پلیز.......... اپنے کمرے میں چلو۔"

فراز نے اس کے ہاتھوں سے لفافہ لے لیا۔ ایسے ہی وقت مراد کمرے میں آتے ہوئے بولا۔ "آج تو فہمی کے پاس بھیڑ لگی ہے۔ کیا ہو رہا ہے؟"

زیبی کے ہاتھوں میں تصویر تھی۔ اس نے مراد کو دیکھتے ہی اپنا ہاتھ کمر کے پیچھے کر لیا۔ اس سے تصویر چھپانے لگی۔ فہمی نے اشاروں میں کہا کہ وہ دلہن والی تصویر مراد کو بھی دکھائے۔

زیبی پیچھے ہٹتے ہوئے اشاروں سے اسے منع کرتے ہوئے بولی۔ "اسے رہنے دو۔ تم بھائی جان سے باتیں کرو۔ ہم جا رہے ہیں۔"

فہمی نے آگے بڑھ کر' اس کے ہاتھ سے تصویر چھین کر مراد کو تھما دی۔ وہ تینوں پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ مراد نے حیرت سے کہا۔ "زیبی! یہ تو تمہاری تصویر ہے' تم دلہن بنی ہوئی ہو؟"

زیبی نے گھبرا کر اسد کو دیکھا۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "بھائی جان! یہ میرا کمال ہے۔ ہم سب نے سوچا' یہ سولہ تاریخ کو دلہن بننے والی ہے تو کیوں نہ پہلے سے اسے دلہن بنا کر تصویر اتاری جائے؟ ذرا بتائیں' یہ کیسی لگ رہی ہے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "میری بہن بہت پیاری لگ رہی ہے۔ جب ہم دلہن بنائیں گے تو یہ اس سے بھی زیادہ خوبصورت لگے گی۔"

زیبی شرما کر اس کے ہاتھوں سے تصویر لیتے ہوئے بولی۔ "میں تو آپ کے لئے سوچتی ہوں' آپ کی دلہن کب آئے گی؟"

وہ فہمی کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا پھر بولا۔ "بہت جلد آئے گی۔ میں کوشش کر رہا ہوں۔"

کبریٰ نے بیٹے کی سوچ بدل دی تھی۔ وہ ارمانہ سے محبت نہیں کرتا تھا۔ صرف اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کسی کو فتح کرنے کا مزہ تب دوبالا ہو جاتا ہے جب اس کی ذات سے کوئی فائدہ بھی حاصل ہو رہا ہو۔ مراد کو اس کی ذات سے صرف بیس کروڑ کا منافع ملنے والا تھا لہٰذا وہ پچاس کروڑ کے لالچ میں فہمی کی طرف جھکنے لگا۔

دوسری طرف حسرت جب بھی خود غرض چہروں اور دنیا کے ہنگاموں سے عاجز آ جاتا تو زرینہ خاتون کی کوٹھی کا رخ کر لیتا۔ گھنٹوں وہاں بیٹھ کر ان کی تصویر سے باتیں کرتا رہتا۔ اس کوٹھی کی ایک چابی نفاست کے پاس تھی اور دوسری چابی حسرت کے پاس تھی۔ جسے زرینہ خاتون نے اس کے حوالے کیا تھا۔

آج بھی وہ ان کی تصویر کے سامنے بیٹھا بول رہا تھا۔ "ہماری دنیا میں کیسے کیسے بدنصیب پیدا ہوتے ہیں؟ آپ بھی بہت بدنصیب تھیں۔ آپ کو خوشیاں ایسے ملتی رہیں' جیسے خیرات مل رہی ہو۔ آپ اپنی زندگی گزارنے کے لئے پیدا ہوئی تھیں لیکن ساری زندگی ڈیڈی کے رحم و کرم پر گزار دی۔"

باپ کا ذکر کرتے ہوئے اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ "ڈیڈی اسی طرح رحم و کرم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپ کا معاملہ اب راز میں نہیں رہا۔ ڈیڈی نے آپ سے شادی کر کے غلطی کی تھی۔ دادا جان اس غلطی کو معاف کر چکے ہیں کیونکہ اب معافی نہ دینے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا ہے۔ ڈیڈی نے کاروبار میں اپنا رازدار بنانے کے لئے یہ کوٹھی مجھے رشوت کے طور پر دی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ سدرہ اور سجاد کے معاملے میں بھی میں ان کا رازدار رہوں۔ وہ مجھے رشوت کے طور پر یہ کوٹھی ہی نہیں بلکہ اور بہت کچھ دیں گے۔"

وہ گہری سانس لے کر ایک ذرا توقف کے بعد بولا۔ "میں یہاں رہوں یا نہ رہوں' آپ کی تصویر یہاں رہا کرے گی۔ مجھے افسوس ہے' میں آپ کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ ایک بیٹے اور بھائی کا فرض نہ نبھاہ سکا۔"

وہ سر جھکا کر بڑے دکھ سے سوچنے لگا۔ ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ اس نے چونک کر حیرت سے فون کی طرف دیکھا۔ پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو؟"

دوسری طرف سے نسوانی آواز سنائی دی۔ "ہیلو .... امی!"

اس نے حیرت سے پوچھا۔ "امی؟"

دوسری طرف ثمینہ ایک پی سی او میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھی تھی۔ ماں کی آواز سننے کے بجائے ایک مردانہ آواز سن کر پریشان ہو گئی۔ ذرا سنبھلتے ہوئے بولی۔ "جی .... وہ میں اپنی آنٹی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"آنٹی کا کوئی نام ہے؟"

"ان کا نام زرینہ خاتون ہے۔"

"یعنی میری امی سے بات کرنا چاہتی ہو؟"

فون پر انکوائری کرنے والا اس کی ماں کو اپنی امی کہہ رہا تھا۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ خود کو بیٹا کیوں کہہ رہے ہو؟"

"ان کی کوئی بھانجی نہیں تھی، تم انہیں آنٹی کیوں کہہ رہی ہو؟"

وہ الجھ کر بولی۔ "ابھی معلوم ہو جائے گا۔ ریسیور آنٹی کو دو۔"

وہ صدمے سے بولا۔ "سوری .... وہ نہیں ہیں۔ اپنی بیٹی کی تلاش میں بہت دور چلی گئی ہیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "یا خدا! وہ کہاں بھٹک رہی ہیں؟ ان کے پاس موبائل فون بھی نہیں ہے۔ میں انہیں کیسے مخاطب کروں؟ وہ کب تک واپس آئیں گی؟"

وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اب کبھی واپس نہیں آئیں گی لیکن مصلحتاً خاموش ہو گیا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "تمہاری بے چینی سے پتہ چلتا ہے کہ تم واقعی ان کی عزیزہ ہو۔ ان سے ملنا چاہتی ہو تو یہاں آ جاؤ۔"

"آؤں گی .... مجھے تو آنا ہی ہو گا۔"

وہ ماں کے پاس پہنچنے سے پہلے اسے مطلع کرنا چاہتی تھی لیکن مردانہ آواز سن کر ذرا پریشان ہو گئی تھی۔ دوسری طرف سے حسرت سوچ رہا تھا کہ امی کی کوئی عزیزہ نہیں تھی پھر یہ کون ہے؟ وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اسے حقیقت سے آگاہ نہیں کیا تھا۔

☆======☆======☆

مراد کی نگاہیں اب صرف فہمی کو ڈھونڈتی رہتی تھیں۔ وہ جہاں کہیں نظر آ جاتی تو اس کی طرف یوں لپکتا جیسے شکاری شکار کی طرف بڑھتا ہے۔ وہ کوٹھی کے لان میں بیٹھی پھولوں کا گلدستہ بنا رہی تھی۔ مراد ایک انگریزی میگزین اور چاکلیٹ کا پیکٹ تھامے اس کے قریب چلا آیا۔ وہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ وہ چاکلیٹ کا پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "پلیز .... مجھ سے خوفزدہ مت ہو۔ دیکھو، یہ چاکلیٹ ہے۔ میں تمہارے لئے لایا ہوں۔"

پھر وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ "لو .... اسے کھاؤ۔ تم تو بڑے شوق سے کھاتی ہو۔"

فہمی نے جبراً مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے پیکٹ لے لیا۔ وہ اشاروں میں سمجھاتے ہوئے بولا۔ "اسے کھول کر کھاؤ .... لاؤ میں کھولتا ہوں۔"

اس نے پیکٹ اس کے ہاتھ سے لے کر کھولا۔ پھر چاکلیٹ کا ایک ٹکڑا توڑ کر اس کے منہ کے قریب لاتے ہوئے بولا۔ "تم کیسی محبوبہ ہو جس کے ساتھ بچوں جیسا سلوک کرنا پڑ رہا ہے۔"

فہمی ہاتھ بڑھا کر وہ ٹکڑا اس کے ہاتھ سے لینا چاہتی تھی لیکن وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں .... میں کھلاؤں گا۔ آ کرو .... منہ کھولو .... شاباش۔"

اس نے اپنا منہ کھول کر اسے سمجھایا۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے منہ کھول دیا۔ وہ چاکلیٹ کا ٹکڑا کھلاتے ہوئے ہنس رہا تھا۔ وہ بھی معصوم بچوں کی طرح خوشی سے مسکرانے لگی۔ وہ بولا۔ "ہنسی تو پھنسی۔"

پھر اس نے فیشن میگزین کھول کر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو .... کتنی اچھی اچھی تصویریں ہیں۔"

وہ ورق الٹ الٹ کر اسے دکھا رہا تھا۔ اس انگریزی فیشن میگزین میں مردوں اور عورتوں کی نیم عریاں تصویریں دیکھ کر فہمی خوش بھی ہو رہی تھی اور حیران بھی۔ وہ ایک تصویر پر انگلی رکھ کر اسے اشاروں میں سمجھاتے ہوئے بولا۔ "یہ دیکھو .... یہ اپنے ساتھی کو سیب کھلا رہی ہے۔ تم مجھے یہ چاکلیٹ کھلاؤ۔"

مراد نے ایک چاکلیٹ کا ٹکڑا اسے دیا پھر منہ کھول کر اشارہ کرنے لگا۔ "مجھے کھلاؤ۔" فہمی نے ہاتھ بڑھا کر چاکلیٹ کا ٹکڑا اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ پھر ذرا ہچکچاتے ہوئے اس کے منہ میں رکھ دیا۔ وہ مسکرانے لگا۔ وہ بھی اس کی تائید میں مسکرانے لگی۔

عبادت علی نے وہاں آتے ہوئے خوش ہو کر کہا۔ "اب یہ تم سے ڈرتی نہیں ہے۔ یہ بڑی اچھی بات ہے۔ تم نے اس کے دل سے ڈر نکال دیا ہے۔"

وہ بولا۔ "دادا جان! یہ مجھے بہت چاہتی ہے۔ میرے پیچھے پیچھے گھومنے لگی ہے۔"

فہمی عبادت علی کے قریب آ کر انہیں وہ انگریزی میگزین دکھانے لگی۔ اشاروں میں بتانے لگی کہ یہ رسالہ مراد لایا ہے۔ مجھے تصویریں دکھا رہا ہے۔

رسالہ دیکھتے ہی ان کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ خوشی کے بجائے غصے نے ڈیرے جما لیئے۔ مراد پریشان ہو کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ تیز لہجے میں بولے۔ "لا حول ولا قوۃ، تم ایسی بے ہودہ تصویریں اس معصوم کو دکھا رہے ہو۔ تمہیں شرم آنی چاہئے۔"

انہوں نے غصے سے وہ رسالہ مراد کے منہ پر دے مارا اور فہمی کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ وہاں سے کوٹھی کے اندر چلے گئے۔ مراد نے پریشان ہو کر زیر لب کہا۔ "او گاڈ! یہ کیا ہو گیا؟"

اسے یہ فکر ہو گئی تھی کہ نہ جانے اب دادا جان اسے فہمی کے نزدیک جانے دیں گے یا نہیں؟

☆======☆======☆

ثمینہ اور سجاد کی آج کراچی روانگی تھی۔ سامان باندھا جا چکا تھا اور شیدے کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ وہ اسٹیشن تک جانے کے لئے تانگہ لینے گیا ہوا تھا۔ ماں نے ایک بڑی سی ٹوکری سجاد کے ہاتھوں تھما دی۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔ "اماں! یہ اتنی بڑی ٹوکری' اس میں کیا ہے؟"

وہ بولی۔ "کھانا ہے' راستے بھر کھانا نہیں کھاؤ گے؟ لمبا سفر ہے۔ پتہ نہیں کب کراچی پہنچو گے؟"

سجاد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہم کل وہاں پہنچیں گے۔ آپ نے تو مہینے بھر کا راشن باندھ دیا ہے۔"

"ارے بیٹا! کھانا زیادہ ہو جائے تو خیر ہے پر کم نہیں ہونا چاہئے۔"

شیدے نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "چلو .... جلدی کرو .... ٹرین کا ٹائم ہو رہا ہے۔ تانگہ آ گیا ہے۔"

وہ سامان اٹھا کر باہر چلا گیا۔ ثمینہ' شیدے کی بیوی کے گلے لگ کر بولی۔ "اچھا' چلتی ہوں۔ آپ لوگوں کے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا ہے۔ میں پھر ضرور آؤں گی۔"

"خیری جاؤ' خیری آؤ .... جا کر آنا نہ بھولنا۔"

ماں نے اس کے سر پر اور سجاد کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! جاتے ہی خیریت کا خط ضرور لکھ دینا۔ میں بے چینی سے انتظار کروں گی۔ جب تک خیریت کی خبر نہیں ملے گی۔ میں پریشان رہوں گی۔ خدا کرے جس کام سے جا رہے ہو اس میں کامیابی ہو۔ اچھا بچو! رب راکھا۔"

باہر سے شیدے کی آواز سنائی دی۔ "اوئے سجاد! کیا کر رہے ہو؟ کیا ٹرین چھٹنے کے بعد جاؤ گے؟"

وہ دونوں ماں کو سلام کر کے باہر آ گئے۔ تانگے میں بیٹھ کر اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ ثمینہ سوچ رہی تھی کہ نہ جانے آئندہ کیسے حالات کا سامنا کرنا ہے؟ میں سجاد بھائی کے ساتھ جس مقصد سے جا رہی ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ امی انکار کر دیں۔ اگر ایسا ہوا تو بھائی جان کیا کریں گے؟

نفاست کی ایک بیٹی دربدر ہو رہی تھی اور وہ اپنی عالیشان کوٹھی میں بڑے سکون سے دن گزار رہا تھا۔ دوسری بیٹی کی شادی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کبریٰ آئینے کے سامنے بیٹھی ایک نیکلس پہن رہی تھی۔ پھر نفاست سے پوچھنے لگی۔ "دیکھیں کیسا لگ رہا ہے؟"

وہ بڑے رومانٹک انداز میں بولا۔ "ہار کو نہ پوچھو .... یہ پوچھو' کیسی لگ رہی ہوں؟"

وہ شرما کر مسکرانے لگی۔ وہ بولا۔ "سچ تو یہ ہے کہ تم ہار پہنتی ہو تو میں سب کچھ ہار جاتا ہوں۔ ویسے یہ نیکلس کب بنوایا؟"

وہ ہار اتارتے ہوئے بولی۔ "بنوانا کیا ہے؟ زیبی کی شادی کے لئے روز ہی نئے ڈیزائن کے زیورات آ رہے ہیں۔ مجھے یہ پسند آ رہا ہے۔ اگر آپ کہیں تو رکھ لوں؟"

"پوچھتی کیا ہو؟ یہاں کوئی تمہارا ہاتھ روکنے والا نہیں ہے۔ لگتا ہے' شادی کے سلسلے میں خوب شاپنگ ہو رہی ہے؟"

"ہونے کو تو بہت کچھ ہو رہا ہے مگر شادی کی چہل پہل نہیں ہے۔" وہ گہری سانس لے کر ذرا توقف کے بعد بولی۔ "ہماری ایک ہی بیٹی ہے۔ سوچا تھا' دل کے سارے ارمان نکالوں گی۔ بڑی دھوم دھام سے شادی کروں گی۔ مگر یہ تو شادی والا گھر ہی نہیں لگ رہا ہے۔"

"دراصل ابا جان کی طرف سے خاموشی ہے۔ وہ زیادہ دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔"

"کیا انہیں خوشی نہیں ہے؟ حسرت کی شادی پر تو بڑی دھوم دھام کی تھی؟"

"سمجھا کرو.......... وہ فہمی کی رقم حاصل کرنے میں مصروف تھے۔"

"اب تو رقم مل چکی ہے۔"

وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے بولا۔ "ہاں .... دیکھیں اب کیا کرتے ہیں؟ ویسے زیادہ دھوم دھام نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔"

"ہائیں .... کیا آپ بیٹی کی شادی پر خوشیاں نہیں منانا چاہتے؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "کس بات کی خوشیاں مناؤں؟ یہی کہ اسے ایک کینسر کے مریض کی دلہن بنایا جا رہا ہے؟"

وہ بھی اداس ہو کر بولی۔ "ہاں .... خوش تو میں بھی نہیں ہوں لیکن دنیا کو دکھانے کے لئے خوش ہونا پڑتا ہے۔ شادی کے گھروں میں کتنے ہنگامے ہوتے ہیں' سہاگ کے گیت گائے جاتے ہیں۔ بھڑکیلے لباس پہنے جاتے ہیں' زیورات کی چمک دمک ہوتی ہے' دلہن کو مہندی لگائی جاتی ہے' طرح طرح کی رسمیں ہوتی ہیں۔ مگر یہاں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔"

"ہم یہ تمام خوشیاں اور ارمان پورے کریں گے۔"

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ذرا جھک کر بولا۔ "اس مریض کی موت کے بعد زیبی ایک بار پھر دلہن بنے گی۔"

وہ قائل ہو کر سر ہلانے لگی۔ دونوں مفاد پرستی سے سوچ رہے تھے۔ دولت حاصل کرنے کی دھن میں بچوں کے جذبوں کو نظرانداز کر رہے تھے۔

حسرت زرینہ خاتون کی کوٹھی سے واپس آیا تو ارمانہ کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس نے پوچھا۔ "کہاں سے آ رہے ہو؟"

"امی مرحومہ کی کوٹھی میں گیا تھا۔"

"تمہارے ڈیڈی ان کی زندگی میں وہاں کم کم جایا کرتے تھے اور ایک تم ہو .... ان کے انتقال کے بعد بھی اکثر وہاں پہنچ جاتے ہو۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ کر بولا۔ "ڈیڈی بھی خوب ہیں۔ انہوں نے دوسری شادی کرتے وقت اس کے نتائج کی پرواہ نہیں کی۔ وہ ماں بیٹی ان پر قربان ہو گئیں لیکن ڈیڈی کے لئے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ وہ عیش کر رہے ہیں۔ یہ سراسر خودغرضی ہے۔"

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ "لیکن آپ یہ بات اپنے دماغ میں اچھی طرح

ٹھونس لیں کہ میں آپ کو کبھی دوسری شادی نہیں کرنے دوں گی۔"

"یہ میری شادی کا ذکر کہاں سے آ گیا؟"

"تم ان کے بیٹے ہو۔ ان کے نقشِ قدم پر ہی چلو گے لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "بھئی دوسری شادی چھپ کر کی جائے تو غلط ہے۔ میں ڈیڈی کی طرح چھپ کر نہیں کروں گا۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا مطلب؟ تم .... تم' میں تمہیں شوٹ کر دوں گی۔"

"تم مجھے گولی مارو گی؟ شادی نہیں کرو گی؟ فہمی سے میرا نکاح ہو چکا ہے۔ دوسری شادی تو تم سے ہی ہو گی نا؟ تم نہیں چاہتیں تو رہنے دو۔"

اس نے گھور کر اسے دیکھا۔ پھر ہنستے ہوئے بولی۔ "تم بھی کیا یاد کرو گے؟ جاؤ میں نے تمہیں دوسری شادی کی اجازت دی۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ پھر حسرت نے ذرا سنجیدہ ہو کر کہا۔ "امی مرحومہ کے گھر کا سناٹا اور ویرانی دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔"

"تم وہاں اکیلے جاتے ہو' مجھے کیوں نہیں لے جاتے؟"

حسرت سوچتے ہوئے بولا۔ "وہاں ایک لڑکی آنے والی ہے۔"

ارمانہ نے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "لڑکی .... کون لڑکی؟"

"پتہ نہیں وہ کون ہے' اس کا فون آیا تھا وہ امی مرحومہ کو آنٹی کہہ رہی تھی' ان سے باتیں کرنا چاہ رہی تھی۔"

"تم نے بتایا نہیں کہ وہ وفات پا چکی ہیں؟"

"نہیں .... میں چاہتا ہوں' وہ وہاں آئے۔ امی مرحومہ کی کوئی بہن نہیں تھی' کوئی بھانجی نہیں تھی۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں وہ کون ہے؟"

"وہ کب آئے گی؟"

"اس نے دن تو نہیں بتایا' ہو سکتا ہے کل آ جائے یا پرسوں۔"

"اگر وہاں تالہ ہوا تو تمہاری ملاقات کیسے ہو گی' کیا وہ یہاں آئے گی؟"

"نہیں .... میں اور تم سارا دن وہاں گزارا کریں گے۔ رات کو واپس آ جایا کریں گے۔ تاکہ وہ دن میں وہاں آئے تو کوٹھی بند نہ ہو۔"

وہ تائید میں بولی۔ "ہاں .... یہ آئیڈیا اچھا ہے۔"

حسرت نے جب سے فون پر ثمینہ کی آواز سنی تھی' تب سے وہ کچھ پریشان تھا۔ لڑکی کی آواز میں تڑپ اور دکھ تھا۔ وہ ان کی کوئی بہت قریبی عزیزہ لگ رہی تھی۔ حسرت اس لئے پریشان تھا کہ زرینہ خاتون نے کبھی اپنی کسی عزیزہ کا ذکر نہیں کیا تھا پھر وہ لڑکی کون تھی؟

☆======☆======☆

اسد کاروبار میں دلچسپی لے رہا تھا۔ آج بھی آفس میں بیٹھا ایک پروڈکشن فائل پر سرسری نگاہ ڈال رہا تھا۔ میز کے دوسری طرف کھڑے ہوئے مینجر نے کہا۔ "آپ اس فائل کی اسٹڈی کریں گے تو آپ کو پروڈکشن کی تفصیل معلوم ہوتی رہے گی۔"

"ہوں۔" وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "مجھے اندازہ ہو رہا ہے' ونٹر سیزن کے لئے جو کپڑے تیار ہوتے ہیں' وہ سمر سیزن سے مختلف ہوتے ہیں۔"

"جی ہاں .... ان کا میٹیریل اور ان کی ڈیزائننگ موسم کے مطابق ہوتی ہے۔ ان کا پبلسٹی بجٹ بھی بڑھ جاتا ہے۔ ٹھیک ہے .... آپ جائیں میں اسٹڈی کر رہا ہوں۔"

مینجر دروازہ کھول کر آفس روم سے باہر چلا گیا۔ وہ سر جھکا کر فائل کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔ ایسے وقت عالیہ نے اندر آ کر کہا۔ "ہائے .... بڑی محنت ہو رہی ہے؟ وزیٹرز کے لئے وقت نکالتے ہو یا نہیں؟"

اس نے سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہاری جیسی وزیٹر آئے تو میں کام کرنا ہی بھول جاؤں گا۔ میں نے کہا تھا' آفس نہ آنا' ڈیڈی مائنڈ کریں گے۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "صاف کیوں نہیں کہتے کہ میں یہاں سے چلی جاؤں؟"

"بھئی میں ڈیڈی کی بات کر رہا ہوں۔ وہ اپنے اصول سمجھائیں گے' یہ آفس ہے .... لو اسپاٹ نہیں ہے۔"

وہ بیزار ہو کر بولی۔ "گھر میں ممی کا ڈر' باہر ڈیڈی کا ڈر۔ ہماری زندگی کیسے گزرے گی؟ تم ان کے ڈر سے کبھی ہماری شادی کی بات نہیں کر سکو گے۔ بات کرو گے تو بات نہیں بنے گی۔ اس خاندان میں کاروباری شادیاں ہوتی ہیں۔ مجھ لاوارث کو بہو نہیں بنایا جائے گا۔"

وہ سر جھکا کر اس کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہمیں اپنا انجام معلوم ہے۔ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں' شادی نہ ہوئی تو بغاوت ہو گی۔ دادا جان زیادہ سے زیادہ کیا کریں گے؟ گھر سے نکال دیں گے۔"

وہ بڑی محبت سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بڑے جذبوں سے بولا۔ "میں ساری دنیا چھوڑ سکتا ہوں لیکن تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔"

عبادت علی نے جس آشیانے کو تنکا تنکا جمع کر کے تیار کیا تھا۔ وہ آشیانہ شفاعت علی کے جانے کے بعد سے اندر ہی اندر بکھرتا جا رہا تھا۔ ہر ایک اپنا مفاد چاہتا تھا۔ یہی مفاد پرستی اس آشیانے کے افراد کو ایک دوسرے سے متنفر کرتی جا رہی تھی۔ ان کے جوان پوتے اور پوتی اپنی محبت حاصل کرنے کے لئے جھوٹ اور فریب کے راستوں پر چل رہے تھے۔ اس گھر میں ہونے والا ہر نیا رشتہ فراڈ کو بنیاد بنا کر کیا جا رہا تھا۔

حسرت دوسرے دن ارمانہ کو ساتھ لے کر زرینہ خاتون کی کوٹھی میں پہنچ گیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں لگی ہوئی ان کی بڑی سی تصویر کو دیکھ کر ارمانہ نے کہا۔ "اچھا .... یہی تمہاری دوسری امی ہیں۔"

وہ بڑے دکھ سے بولا۔ "ہیں نہیں .... تھیں۔"

"آں .... ہاں .... اب وہ اس دنیا میں نہیں رہیں۔"

وہ ان کی تصویر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "اچھا ہوا گزر گئیں۔ عذاب سہنے سے تو بہتر ہے' ہمیشہ کے لئے سکون کی نیند حاصل ہو جائے۔"

وہ بولی۔ "ٹھیک کہتے ہو۔ ان کی زندگی میں رہ ہی کیا گیا تھا' تمہارے ڈیڈی ایک مسافر کی طرح یہاں آتے تھے۔ انہیں شوہر کی محبت اور توجہ نہیں ملتی تھی۔ ایک بیٹی کا سہارا تھا' وہ بھی بے موت ماری گئی۔"

"میں اس کوٹھی کو بند رکھوں گا۔ یہاں امی مرحومہ کا تمام سامان اور ان کی یہ تصویر رہے گی۔ میں ان کے لئے کچھ نہ کر سکا لیکن ان کی وفات کے بعد ان کی یادیں تو محفوظ رکھ سکتا ہوں۔"

وہ اس کے شانے پر سر رکھ کر بڑی محبت سے بولی۔ "تم بہت اچھے ہو۔ ایک سوتیلی ماں کے لئے بھی کتنے اچھے جذبات رکھتے ہو۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم میرے دل کے شاہجہاں ہو۔ میرے بعد میری تصویر کو بھی اسی طرح دل کے فریم میں سجا کر رکھو گے۔"

وہ چونک کر بولا۔ "یہ آپ کیا فرما رہی ہیں؟ جلدی کوچ کرنے کا ارادہ ہے' کہو تو

تاج محل بنوانے کا آرڈر دے دوں؟

وہ مسکرانے لگی۔ تنہائی ہو' محبوبہ کی مسکراہٹ ہو تو کم بخت دل قابو میں کب رہتا ہے؟ اس نے ایک جھٹکے سے اسے اپنے قریب کر لیا۔ وہ اتنے قریب ہو گئے کہ سانسیں الجھنے لگیں۔ دل و دماغ پر خمار سا چھانے لگا۔ اس نے اس کے کان میں خمار آلود سرگوشی کی۔ "پلیز .... مرنے کی بات نہ کیا کرو۔ میں تم سے جدا ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

اس کی خمار آلود سرگوشی ارمانہ کو مدہوش بنا رہی تھی۔ وہ دھیرے سے اس کے ساحری وجود سے الگ ہو کر بولی۔ "یہ ضروری تو نہیں کہ موت کے بعد جدائی ہو۔ ہم زندگی میں بھی جدا ہو سکتے ہیں۔ یہ بھید کھل سکتا ہے کہ میں سدرہ نہیں ہوں۔"

وہ اس کی تائید میں بولا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ایسا ہوا تو دادا جان تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہیں کریں گے۔"

وہ تڑپ کر اس کے سینے سے لگ گئی۔ پھر بولی۔ "کبھی کبھی یہ سوچ کر پریشان ہو جاتی ہوں۔ خدا نہ کرے کہ ایسا وقت آئے۔"

وہ اسے اپنے مضبوط بازوؤں کے حصار میں جکڑتے ہوئے بولا۔ "ہم سوچتے ہیں' دعا کرتے ہیں پھر سمجھتے ہیں کہ برا وقت نہیں آئے گا لیکن ایسا وقت آ جاتا ہے اور جب آ جاتا ہے تو حالات سے نمٹنا بھی آ جاتا ہے۔"

اور برا وقت آنے والا تھا۔ جو سچ تھا وہ ظاہر ہونے والا تھا۔ نفاست کی منصوبہ بندی خاک میں ملنے والی تھی۔

سجاد اپنی سدرہ کو لے کر آ رہا تھا۔ وہ بھی اسی خاندان کے لہو کی ایک بوند تھا۔ فراڈ کرنے کے خاندانی جراثیم اس کے لہو میں بھی گردش کر رہے تھے۔ وہ ایک فرضی بہن لا رہا تھا کہ ایک بھائی کو اس کی حقیقی بہن مل جائے گی۔ ایک حیرت انگیز انکشاف سے پردہ اٹھنے والا تھا جو سب ہی کے لئے تعجب کا باعث تھا۔

کال بیل کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ حسرت نے کوٹھی کا بیرونی دروازہ کھولا تو حیران رہ گیا۔ کھلے ہوئے دروازے سے زیبی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔ "زیبی! تم اور یہاں؟"

وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں اجنبیت بھی تھی اور حیرانی بھی۔ ارمانہ ڈرائنگ روم میں تھی' زیبی کا نام سن کر وہاں چلی آئی۔ باہر زیبی کھڑی

ہوئی تھی لیکن وہ زیبی نہیں تھی۔ ایک تصویر کے دو رخ تھے' ایک لہو کے دو رنگ تھے۔ وہ بھی نفاست علی شاہ کی بیٹی تھی' عبادت علی شاہ کی پوتی تھی۔ مگر زیبی نہیں تھی۔ اس خاندانی شجرے کی وہ چور شاخ تھی جسے مردہ جان کر اس خاندان کے سرپرست مطمئن ہو چکے تھے۔ ظالم کو سزا دینے کے لئے قدرت نے یہ کرشمہ دکھایا تھا کہ ثمینہ اور زیبی علیحدہ علیحدہ کوکھ سے جنم لینے کے باوجود ہم شکل تھیں۔ یہی وہ حیرت انگیز انکشاف تھا جو حسرت اور ارمانہ پر ظاہر ہو رہا تھا۔

ثمینہ نے کہا۔ "میرا نام زیبی نہیں ہے۔"

سجاد ٹیکسی سے سامان اتار کر اس کے قریب آ کر بولا۔ "کیا بات ہے؟"

ثمینہ نے ان دونوں کو دیکھ کر اس سے کہا۔ "یہ مجھے زیبی کہہ رہے ہیں۔"

وہ دونوں حیران تھے کہ زیبی کو کیا ہو گیا ہے؟ ثمینہ نے ارمانہ سے کہا۔ "یہ تو زرینہ خاتون کا گھر ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "بس کرو .... بہت اچھی ایکٹنگ کر رہی ہو۔ آؤ .... اندر آؤ۔"

وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے تعجب سے انہیں دیکھتی ہوئی اندر آ گئی۔ سجاد بھی الجھ رہا تھا۔ ثمینہ نے بتایا تھا کہ یہاں صرف اس کی امی رہتی ہیں تو پھر یہ دونوں کون ہیں؟ جو ثمینہ کو زیبی کہہ رہے ہیں؟

ثمینہ نے ڈرائنگ روم میں آتے ہی ماں کی تصویر کو دیکھا۔ پھر متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ حسرت نے اس کے قریب آتے ہوئے پوچھا۔ "تم انہیں کیوں پوچھ رہی ہو؟ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم یہاں آؤ گی۔"

پھر اس نے سجاد سے پوچھا۔ "آپ کی تعریف؟"

وہ مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میرا نام سجاد علی ہے اور یہ میری بہن ہیں۔"

ارمانہ اور حسرت نے چونک کر اسے دیکھا۔ حسرت نے حیرت سے کہا۔ "آپ کی بہن .... یہ .... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو زیبی ہے .... میری بہن ہے۔"

وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ معاملہ کیا ہے؟ حسرت اور ارمانہ کو ان کی باتیں الجھا رہی تھیں تو دوسری طرف سجاد اور ثمینہ کو ان کے سوالات پریشان کر رہے تھے۔

ثمینہ نے پلٹ کر حسرت سے پوچھا۔ "امی کہاں ہیں؟"

پھر تصویر کو دیکھ کر بولی۔ "میں جانتی ہوں۔ یہ میری تلاش میں بھٹک رہی ہوں گی۔"

وہ شدید حیرانی سے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ارمانہ نے آگے بڑھ کر ثمینہ سے پوچھا۔ "تمہارا نام زیبی نہیں ہے؟"

وہ پلٹ کر بولی۔ "نہیں .... میں ثمینہ ہوں۔ زرینہ خاتون کی بیٹی ہوں۔"

حسرت کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ وہ بے یقینی سے بولا۔ "تم .... تم .... ثمینہ ہو؟ مگر وہ تو .... میرا مطلب ہے' ہم نے اخبار میں پڑھا تھا کہ ثمینہ کو اغوا کر کے قتل کر دیا گیا ہے۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "میں نے بھی اخبارات میں یہی پڑھا تھا۔ یہ خبر پڑھ کر روتی رہی تھی اور سوچتی رہتی تھی کہ امی کو صدمہ پہنچ رہا ہو گا۔ نہ جانے وہ یہ صدمہ کیسے برداشت کر رہی ہوں گی؟"

اس نے پوچھا۔ "تم زندہ ہو پھر یہ خبر کیسے شائع ہو گئی؟"

ثمینہ کے بجائے سجاد نے جواب دیا۔ "صاف سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ پولیس اور اخبار والے مرحومہ کا چہرہ نہ پہچان سکے۔ صرف اس کے پاس پڑی ہوئی چیزوں سے نشاندہی کر کے خبر شائع کر دی گئی کہ ثمینہ نامی لڑکی کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

ثمینہ نے کہا۔ "مجھے جہاں قید کیا گیا تھا وہاں ایک اور مظلوم لڑکی بھی تھی۔ میرا پرس اس کے پاس رہ گیا تھا۔ اسی لئے اس کے قتل کی خبر میرے نام سے شائع ہوئی تھی۔"

ارمانہ اور حسرت ابھی تک یقینی اور بے یقینی کی کیفیت سے دوچار تھے۔ قدرتی کرشمے پر حیران تھے۔ پھر حسرت نے قائل ہو کر کہا۔ "ہاں .... تم ثمینہ ہو .... ایک ہی خون کی دو تصویریں ہو اور یہ دونوں تصویریں ایک جیسی ہیں۔"

ثمینہ نے پوچھا۔ "آپ بتاتے کیوں نہیں' میری امی کہاں ہیں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بڑے دکھ سے بولا۔ "قدرت کے بھی عجیب تماشے ہیں۔ جسے ہم مردہ سمجھ رہے تھے' وہ زندہ ہے اور جنہیں تم زندہ سمجھ کر آئی ہو وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی پھر انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں .... آپ .... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

وہ سر جھکا کر بولا۔ "تمہاری امی .... اللہ کو پیاری ہو چکی ہیں۔"

"نہیں .... نہیں .... یہ نہیں ہو سکتا .... وہ مجھے تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتیں' نہیں .... امی! خدارا .... کہہ دیں .... یہ سب جھوٹ ہے۔"

وہ دھاڑیں مار کر روتے ہوئے زرینہ خاتون کی تصویر سے لپٹ گئی۔ ماں بیٹی ہی ایک دوسرے کا سہارا تھیں۔ قدرت نے ثمینہ سے یہ سہارا چھین لیا تھا۔ وہ شکوہ کر رہی تھی کہ خدا نے اس کی ماں کو چھین کر اسے تنہا کر دیا ہے' بے سہارا کر دیا ہے لیکن خدا کے بھید وہی جانتا ہے۔ خدا نے اس مظلوم سے ایک سہارا چھین لیا تھا لیکن اسے دو بھائیوں کے مضبوط سہارے عطا کر دیئے تھے۔

وہ دونوں بھائی اسے شانوں سے تھام کر تسلیاں دینے لگے۔ ارمانہ اسے ایک صوفے پر بٹھا کر دلاسہ دیتے ہوئے بولی۔ "چپ ہو جاؤ .... خود کو سنبھالو۔"

وہ اس کے شانے سے لگی بلک بلک کر روئے چلی جا رہی تھی۔ صدمے کے باعث دل و دماغ پر دھند سی چھا گئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اب جینے کے لئے کچھ بھی باقی نہیں رہا ہے۔ ارمانہ نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ "آئندہ حالات سے لڑنے کے لئے ایک لمبی عمر پڑی ہے۔ تمہیں آنسوؤں سے نہیں' حوصلے سے حالات کا سامنا کرنا ہو گا۔"

حسرت نے کہا۔ "ثمینہ! تم اکیلی نہیں ہو۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ ہر قدم پر تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا۔"

سجاد نے چونک کر حسرت کو دیکھا پھر کہا۔ "جہاں تک میں جانتا ہوں' ثمینہ کا کوئی بھائی نہیں ہے۔"

سجاد نے چونک کر حسرت کو دیکھا پھر کہا۔ "جہاں تک میں جانتا ہوں' ثمینہ کا کوئی بھائی نہیں ہے۔"

اس نے ثمینہ کو دیکھ کر کہا۔ "یہ مجھے نہیں جانتیں' کیونکہ ان کی والدہ کا نام زرینہ خاتون ہے اور میری والدہ کا نام کبریٰ بیگم ہے۔"

سجاد کو کچھ سمجھ نہیں پایا۔ حسرت نے کہا۔ "ہماری مائیں دو ہیں لیکن باپ ایک ہے .... سید نفاست علی شاہ۔"

سجاد نے چونک کر اسے دیکھا۔ ثمینہ کی طرح یہ بھی اس کے دشمن چچا کا بیٹا ہے۔

ثمینہ نے آنسو پونچھتے ہوئے حسرت سے پوچھا۔ "آپ .... آپ میرے ابو کے بیٹے ہیں؟ میرے بھائی ہیں؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔ ابو یہاں آنے سے کتراتے ہیں' پھر آپ .... یہاں کیسے؟"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ "ہماری رگوں میں ایک ہی خون دوڑ رہا ہے۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ میرا نام حسرت علی شاہ ہے۔"

ثمینہ نے سر گھما کر ماں کی تصویر کو دیکھ کر کہا۔ "میں بہت کچھ کھو رہی ہوں اور بہت کچھ پا رہی ہوں۔ میرے سر سے ماں کا سایہ اٹھ گیا ہے لیکن ایک بھائی کی محبت مل گئی ہے۔"

پھر ثمینہ نے اپنے برابر بیٹھی ہوئی ارمانہ سے پوچھا۔ "آپ .... آپ سے بھی میرا کوئی رشتہ ہے؟"

ارمانہ نے حسرت کی طرف دیکھا اس نے کہا۔ "ہم سب ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔ یہ میرے بڑے ابو سید شفاعت علی شاہ کی صاحبزادی ہیں۔"

سجاد نے شدید حیرانی سے حسرت کو دیکھا۔ پھر سوالیہ نظروں سے ارمانہ کو دیکھنے لگا۔
حسرت نے کہا۔ "ان کا نام سدرہ ہے۔"

ثمینہ اور سجاد نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ انہوں نے بیک وقت حیران ہو کر کہا۔ "سدرہ.........!"

ثمینہ نے پوچھا۔ "آپ سدرہ ہیں' شفاعت علی کی بیٹی؟"

ارمانہ نے گھبرا کر حسرت کو دیکھا پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "آں......... ہاں......... مگر آپ دونوں حیران کیوں ہو رہے ہیں؟"

ثمینہ نے سجاد کو دیکھ کر کہا۔ "وہ......... بات یہ ہے کہ امی نے بتایا تھا' بڑے ابو برسوں پہلے گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ان کے دو ہی بچے تھے۔"

وہ بولی۔ "ہاں......... میں اور سجاد۔ اس وقت ہم بہت چھوٹے تھے۔"

سجاد اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "تمہارے ساتھ سجاد بھائی بھی ہوں گے اور والدین بھی؟"

ارمانہ چہرے پر غم کے اثرات نمایاں کر کے سر جھکا کر بولی۔ "امی ابو کا انتقال ہو چکا ہے۔ میں سجاد بھائی کے ساتھ دادا جان کے پاس آئی ہوں۔"

حسرت بولا۔ "دادا جان زیبی کی شادی سجاد سے کر رہے ہیں۔ شادی سولہ تاریخ کو ہے۔"

سجاد نے پوچھا۔ "پھر تو سدرہ کی شادی آپ سے ہو گی؟"

ارمانہ نے حسرت کو مسکرا کر دیکھا پھر شرما کر سر جھکا لیا۔ سجاد طنزیہ لہجے میں بولا۔

"فلموں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ بیس برس کے بچھڑے ہوئے اچانک مل جاتے ہیں۔ پھر شادیاں بھی ہونے لگتی ہیں۔ ویسے دادا جان نے کیسے یقین کر لیا کہ تم سدرہ ہو اور وہ تمہارے ساتھ آنے والا سجاد ہے؟"

ارمانہ نے سر اٹھا کر حسرت کو دیکھا۔ سجاد کا تفتیشی انداز اسے اندیشوں میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ ذرا گھبرا گئی تھی۔ حسرت نے سجاد سے کہا۔ "انہوں نے دادا جان کو اپنے امی ابو کی تصویریں دکھائی تھیں' برتھ سرٹیفکیٹ' اسکول اور کالج کے سرٹیفکیٹ اور شناختی کارڈ دکھائے تھے۔ ان اہم دستاویزات کو دیکھ کر ہم سب ہی مطمئن ہو گئے ہیں۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ یہی ہمارے بچھڑے ہوئے کزنز ہیں۔"

ارمانہ نے لقمہ دیا۔ "ویسے بھی خون کو خون کی کشش کھینچتی ہے۔ دادا جان نے ہمیں دیکھتے ہی گلے سے لگا لیا تھا۔"

ثمینہ اور سجاد نے ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھا۔ پھر زیر لب مسکرانے لگے۔ ان کا یہ انداز ارمانہ اور حسرت کو الجھن میں ڈال رہا تھا۔ حسرت نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

ثمینہ موضوع بدلتے ہوئے بولی۔ "کچھ نہیں .... میرا خیال ہے' بھائی جان کو بھوک لگی ہے۔"

حسرت ایک دم سے چونک کر بولا۔ "اوہ! سو' سوری .... مجھے پہلے ہی پوچھنا چاہئے تھا۔ سفر سے تھکے ہوئے آئے ہو یقیناً بھوک لگ رہی ہو گی۔"

ارمانہ نے کہا۔ "لیکن یہاں تو کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "کچھ نہیں ہے تو ہو جائے گا۔ میں ابھی ہوٹل سے بہترین کھانا لے آتا ہوں۔"

پھر اس نے سجاد اور ثمینہ سے کہا۔ "تب تک آپ فریش ہو جائیں۔ میں ابھی گیا اور ابھی آیا۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا بیرونی دروازے سے باہر چلا گیا۔ ثمینہ اٹھ کر ہاتھ منہ دھونے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سجاد گہری نظروں سے ارمانہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی نگاہوں سے بچنے کے لئے کچن میں آ گئی۔ کھانے کے برتن صاف کر کے ٹرالی میں رکھنے لگی۔

ثمینہ فریش ہو کر سجاد کے پاس آ گئی۔ "آپ بھی منہ ہاتھ دھو لیں۔ یہ سامنے میرا

کمرہ ہے۔"

وہ بولا۔ "اس وقت حسرت نہیں ہے۔ ہمیں اس لڑکی کا محاسبہ کرنا چاہئے۔ یہ ان لوگوں کو دھوکہ دے رہی ہے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ اور اس کا ساتھی دادا جان کی دولت اور جائیداد ہتھیانا چاہتے ہیں۔"

پھر اس نے کچن کی طرف دیکھ کر اسے آواز دی۔ "سدرہ! یہاں آؤ .... ہمارے پاس بیٹھو۔"

"ابھی آئی۔" وہ ایک ٹرالی میں پلیٹیں رکھ کر ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ سدرہ کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔ "کافی عرصے سے یہاں کی چیزیں زیر استعمال نہیں ہیں۔ میں نے سوچا' جب تک حسرت کھانا لائیں میں برتن صاف کرلوں۔"

سجاد نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے پوچھا۔ "تم .... سدرہ ہو؟"

وہ اس سوال پر چونک گئی۔ پریشان ہو کر بولی۔ "ہاں۔"

"شفاعت علی کی بیٹی ہو؟"

اس نے گھبرا کر انہیں دیکھا' جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔ وہ ہچکچاتے ہوئے نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "یہ آپ پہلے بھی پوچھ چکے ہیں۔ بار بار کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

وہ بولا۔ "تم نے دادا جان کو سدرہ کے نام کا برتھ سرٹیفکیٹ دکھایا۔ اسکول اور کالج کے سرٹیفکیٹ بھی دکھائے ہیں۔ بڑے بڑے نوٹوں کی گڈیاں پھینکی جائیں تو ایسی دستاویزات حاصل کی جا سکتی ہیں۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "آپ .... آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔؟"

ثمینہ نے مداخلت کی۔ "وہی جو تم سمجھ رہی ہو۔ تمہارے تمام سرٹیفکیٹ جعلی ہیں۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "یہ .... یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ مجھے فراڈ کہہ رہے ہیں؟"

سجاد نے کہا۔ "ہاں .... تم کسی فراڈ سجاد کے ساتھ اس خاندان میں آئی ہو اور دادا جان کو دھوکہ دے رہی ہو۔ میں اس سجاد سے بھی ملنا چاہوں گا۔"

نہ جانے یہ کون تھا جو اُن کی اصلیت اور منصوبہ بندی کو سمجھ چکا تھا۔ وہ پریشان ہو کر دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "دیکھیں .... آپ مجھے الزام دے رہے ہیں۔"

ایسے ہی وقت حسرت ہاتھوں میں کھانے کے پیکٹ اٹھائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ ارمانہ اسے دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "حسرت! یہ .... یہ مجھے فراڈ کہہ رہے ہیں۔ کہتے ہیں' میں سدرہ نہیں ہوں۔"

حسرت نے پریشان ہو کر اُسے دیکھا پھر سجاد کو دیکھنے لگا۔ ارمانہ نے کہا۔ "یہ کہہ رہے ہیں' میرا برتھ سرٹیفکیٹ اور دوسرے تمام سرٹیفکیٹ جعلی ہیں۔ میں دادا جان کو اور تم سب کو دھوکہ دے رہی ہوں۔"

سجاد نے آگے بڑھ کر کہا۔ "مسٹر حسرت! آپ پریشان ہو رہے ہیں لیکن میرا یقین کریں۔ آپ اس لڑکی سے دھوکا کھا رہے ہیں۔"

حسرت اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ فراڈ ہیں؟ سدرہ نہیں کوئی اور ہیں۔"

"ہاں .... ثابت کر سکتا ہوں۔ اس کے لئے دادا جان کے پاس چلنا ہوگا۔"

ارمانہ نے پریشان ہو کر حسرت کو دیکھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا ان کے پاس جانا ضروری ہے؟"

"ہاں .... میں ان کے سامنے ٹھوس دستاویزی ثبوت پیش کروں گا۔ ان کاغذات کو دیکھتے ہی وہ مجھے سجاد کہہ کر گلے لگا لیں گے۔"

حسرت نے چونک کر پوچھا۔ "سجاد .... آپ خود کو سجاد کہہ رہے ہیں' آپ کے والد کا کیا نام ہے؟"

"سید شفاعت علی شاہ .... ولد سید عبادت علی شاہ .... میری امی اور ابو کا انتقال ہو چکا ہے۔"

پھر اس نے جیب سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر حسرت کی طرف بڑھایا۔ وہ شدید حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا' بے یقینی بھی تھی۔ بیس برسوں کے بچھڑے ہوئے واقعی ڈرامائی انداز میں مل رہے تھے۔ اس نے شناختی کارڈ لے کر دیکھا۔ سجاد نے کہا۔ "ایسا ہی شناختی کارڈ اس کے پاس بھی ہو گا جو سجاد بن کر دادا جان کے پاس پہنچا ہوا ہے۔"

ارمانہ بھی پریشان تھی۔ حسرت نے پوچھا۔ "کیا یہی ایک ثبوت ہے؟"

"نہیں .... میرے پاس وہ تمام اہم دستاویزات موجود ہیں جو نقلی سدرہ اور سجاد کے چہروں سے نقاب الٹ دیں گے۔"

انہوں نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ حسرت نے آنکھوں ہی آنکھوں میں

گھبرائی ہوئی ارمانہ کو دلاسہ دیا۔ پھر سجاد سے پوچھا۔ ”کیا آپ اپنے ڈوکومنٹس دکھائیں گے؟“

وہ کندھے اچکا کر بولا۔ ”سوری .... میرے پاس جو کچھ ہے‘ میں اسے دادا جان کے سامنے پیش کروں گا۔“

وہ الجھ رہا تھا۔ یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ اصلی سجاد نظروں کے سامنے موجود ہے۔

اس نے ثمینہ کے پاس آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ”ثمینہ! ہمارے خاندان کا کوئی فرد کبھی یہاں نہیں آیا۔ صرف میں تمہاری امی کی دلجوئی کرنے آتا تھا۔ ان کا بیٹا بن کر یہاں رہتا تھا۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ سچ بتاؤ‘ کیا مسٹر سجاد ہمارے بڑے ابو کے بیٹے ہیں؟“

”جی ہاں .... یہی سجاد علی ولد شفاعت علی ہیں۔ ہمارے بڑے ابو کے بیٹے۔ ہم اتنی اہم دستاویزات لائے ہیں کہ جھوٹ بولنے والے بے نقاب ہو جائیں گے۔“

حسرت سر جھکا کر سوچنے لگا۔ ثمینہ کے لہجے اور باتوں سے سچائی ظاہر ہو رہی تھی۔

ارمانہ نے حسرت کے قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا‘ جیسے خاموشی کی زبان میں سمجھا رہی ہو کہ سچ سامنے آ چکا ہے۔ اب حقیقت سے نظریں چرانا بے سود ہے۔

ثمینہ نے حسرت سے کہا۔ ”آپ میری ماں کو اپنی ماں کہتے رہے‘ مجھے بہن کہہ رہے ہیں۔ بہن کا اعتبار کریں‘ یہ سدرہ نہیں ہے۔“

وہ قائل ہونے کے انداز میں بولا۔ ”تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔“

سجاد نے کہا۔ ”تم نے میری بہن پر بھروسہ کیا ہے۔ میں تمہیں ڈوکومنٹس ضرور دکھاؤں گا۔“

اس نے اپنے اٹیچی میں سے چند فائلیں نکالیں۔ حسرت اور ارمانہ ایک صوفے پر بیٹھ کر کاغذات دیکھنے لگے۔ سجاد انہیں تمام دستاویزات دکھا رہا تھا۔ ان میں سدرہ کے نام آم کے باغات کی فائل بھی موجود تھی۔

ان تمام شواہد کو دیکھنے کے بعد حسرت نے کہا۔ ”بلاشبہ یہ ٹھوس دلائل ہیں۔ ان دستاویزات کو دیکھنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ ہی سجاد بھائی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں‘ دادا جان جب یہ کاغذات دیکھیں گے تو انہیں بھی یقین آ جائے گا۔“

”ہاں .... لیکن تمہارے ڈیڈی یعنی میرے چچا جان کو اس بات سے بہت صدمہ پہنچے گا۔“

”کیوں .... انہیں کیوں صدمہ پہنچے گا؟“

”کیونکہ میں ان کے دشمن کا بیٹا ہوں اور کاروبار میں حصے کا دعوے دار۔“

ثمینہ نے چونک کر سجاد کو دیکھا پھر کہا۔ ”سجاد بھائی! آپ نے وعدہ کیا تھا‘ یہاں آ کر دشمنی بھلا دیں گے۔“

سجاد جیسے ایک دم سے چونک گیا۔ سر جھکا کر بولا۔ ”سوری .... مجھے بھول جانا چاہئے کہ ہم ان کی وجہ سے بیس برس تک خانہ بدوش رہے۔“

حسرت نے ثمینہ سے کہا۔ ”ثمینہ! سجاد بھائی کے جذبات اپنی جگہ درست ہیں۔“

ثمینہ نے چونک کر حیرت سے حسرت کو دیکھا وہ بولا۔ ”ہمارے ڈیڈی نے بڑے ابو اور ان کی فیملی کو بہت دکھ پہنچائے ہیں۔ انہوں نے بڑے ابو پر چوری کے الزامات لگائے تھے۔ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ بڑے ابو نے ایسا کیا تھا یا نہیں .... لیکن ہمارے ڈیڈی تو چوری اور ڈکیتی سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔“

سجاد نے چونک کر حسرت کو دیکھا۔ جو کھلے لفظوں میں اپنے باپ کی برائی کر رہا تھا لیکن ثمینہ کو اس کی باتیں صدمہ پہنچا رہی تھیں۔ وہ بڑے تحمل سے باپ کی برائی سن رہی تھی۔ اندر ہی اندر بے یقینی میں مبتلا تھی۔

وہ بول رہا تھا۔ ”ڈیڈی کاروبار میں لاکھوں کروڑوں کی ہیرا پھیری کرتے رہتے ہیں۔ دادا جان کو دھوکا دیتے رہتے ہیں۔“

سجاد حیرت سے سن رہا تھا۔ ثمینہ اس سے زیادہ برداشت نہ کر پائی۔ تڑپ کر بولی۔ ”حسرت بھائی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اپنے ابو کے لئے اتنا زہر ہے آپ کے دل میں۔“

وہ بولا۔ ”میں جھوٹ اور فریب برداشت نہیں کرتا‘ اس لئے کڑوا بولتا ہوں۔“

سجاد اس کے جواب پر خوش ہو کر بولا۔ ”تم چچا جان سے بالکل مختلف ہو۔“

ارمانہ نے شوخ نظروں سے حسرت کو دیکھا پھر سجاد سے کہا۔ ”یہ ہمیشہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کہتے ہیں۔“

سجاد مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”پھر تو میری اور تمہاری دوستی ہو سکتی ہے۔“

حسرت نے بھی مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ہاں .... ہاں‘ کیوں نہیں؟“

سجاد نے ارمانہ کو معنی خیز نظروں سے دیکھ کر حسرت سے پوچھا۔ ”مجھ سے ہاتھ ملا

رہے ہو۔ شاید ان سے دل ملا چکے ہو؟"

ارمانہ کی نظریں جھک گئیں۔ حسرت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

سجاد نے پوچھا۔ "یہ سدرہ بننے کا کیا تماشہ ہے؟"

"ڈیڈی یہ تماشہ کر رہے ہیں۔ میں آپ کو سناتا ہوں' سن کر مزہ آ جائے گا۔"

"مزہ تو کھانا کھا کر ہی آئے گا۔ کھانے کے ساتھ ساتھ باتیں ہوں تو بہتر رہے گا۔"

ارمانہ کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ "میں کھانا گرم کرتی ہوں۔ آپ رام کہانی سنیں۔" وہ پیکٹ اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔ حسرت انہیں تمام صورت حال تفصیل سے سنانے لگا۔

☆======☆======☆

عبادت علی کی کوٹھی میں زیبی کی شادی کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ کبریٰ اور نفاست زیبی کے لئے زیورات اور ملبوسات خرید رہے تھے اور زیبی تو جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ کبریٰ نے نفاست سے کہا۔ "میں زیبی کو بلا کر یہ زیورات دکھاتی ہوں۔ دیکھئے گا میری اور اس کی پسند ایک ہو گی۔"

"تم نے اُسے سرپرائز دینے کے لئے یہ جیولری خریدی ہے۔ اگر اس نے انہیں ناپسند کر دیا تو؟"

"اوّل تو میری پسند بُری نہیں ہے اور اگر وہ ناپسند کرے گی تو تبدیل کرا لیں گے۔ ایک فون کال پر جیولر اپنی جیولری شاپ سمیت یہاں چلا آئے گا۔"

"جب یہی سب کچھ کرنا تھا تو زیبی کی پسند سے ہی زیورات خریدتیں۔"

"اوہو .... آپ کچھ سمجھتے نہیں ہیں' مگر بولتے ضرور ہیں۔ میں ابھی اسے بلاتی ہوں۔"

وہ بیڈ سے اتر کر کمرے سے چلی گئی۔ وہ اسے جاتے دیکھ کر زیر لب بڑبڑایا۔ "یہ عورتیں بھی خوب ہوتی ہیں۔ ہر بات کو سرپرائز بنا دیتی ہیں۔ پوچھا جائے' کیا پکایا گیا ہے؟ تو بڑے انداز سے بولیں گی' ٹیبل پر آ جائیں خود ہی پتہ چل جائے گا۔ اب جب تک شوہر بذات خود ڈش کا ڈھکن اٹھا کر نہ دیکھے تب تک پتہ نہیں چل سکتا کہ کون سا سالن پکایا گیا ہے؟"

کچھ دیر بعد وہ زیبی کے ساتھ کمرے میں آئی۔ پھر اُسے بیڈ پر پڑے ہوئے ایک

ایک جیولری باکس دکھانے لگی۔ زیبی تقریباً ہر جیولری سیٹ کو پسند کر رہی تھی پھر سونے کی چوڑیوں کو دیکھ کر بولی۔ "یہ تو بہت ہی خوبصورت ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "تمہارے ڈیڈی تو انہیں ریجیکٹ کر رہے تھے مگر میں نے کہا یہ پہنچی تمہارے ہاتھوں میں بہت خوبصورت لگیں گی۔"

وہ حیران ہو کر بولی۔ "پہنچی .... کیا پہنچی؟"

نفاست نے کہا۔ "آسان زبان بولو۔ بچی کے سر سے گزر رہی ہے۔"

وہ بولی۔ "ہماری زبان میں چوڑی کو پہنچی کہا جاتا تھا۔ مگر اب ہماری تہذیب اور زبان وہ نہیں رہی جو پہلے تھی۔ بہت سے الفاظ گم ہوتے جا رہے ہیں۔"

نفاست بیزار ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے زیبی سے پوچھا۔ "زیبی! تم اس شادی سے خوش ہو نا' تمہیں کوئی شکایت تو نہیں ہے؟"

اس نے شرما کر سر جھکا لیا۔ کبریٰ نے کہا۔ "اسے کیا شکایت ہو گی؟ آپ ہی نے تو بتایا تھا کہ یہ فراز کو بہت پہلے سے جانتی ہے۔ ان کی آپس میں اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔"

وہ بولا۔ "ہاں .... میرے دل پر بوجھ نہیں ہے۔ یہ شادی جبراً نہیں ہو رہی ہے۔ میری بیٹی کی پسند سے ہو رہی ہے۔"

زیبی سونے کی چوڑیاں اٹھاتے ہوئے بولی۔ "یہ باتیں رہنے دیں۔ ممی! آپ ان چوڑیوں کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں' انہیں پہنچی کیوں کہتے تھے؟"

اس نے بولنے کے لئے منہ کھولا تو نفاست نے بیزار ہو کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "یہ شروع ہوں گی تو رکنے کا نام نہیں لیں گی۔ میں ابا جان کے کمرے میں جا رہا ہوں۔"

کبریٰ نے ناگواری سے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر زیبی سے کہنے لگی۔ "ہماری کلائی سے کہنی تک جو حصہ ہے۔ اسے ہمارے بزرگ پہنچا کہتے تھے۔ یہاں جو چوڑیاں پہنی جاتی ہیں انہیں پہنچی کہتے تھے۔"

"اچھا .... تو یہ پہنچی ہیں۔ بڑا عجیب سا نام ہے نا؟"

وہ بولی۔ "ہاں .... اس پہنچی پر دلچسپ لطیفہ ہے۔"

"اچھا؟ پلیز وہ لطیفہ سنائیں۔"

"سناتی ہوں ایک میاں بیوی تھے۔ میاں پردیس جانے لگا تو بیوی نے کہا۔ آپ وہاں سے میرے لئے پہنچی ضرور بھیجئے گا۔ میاں وعدہ کر کے چلا گیا۔ پھر جانتی ہو کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟"

"میاں نے کچھ دنوں بعد بیوی کو خط لکھا۔

جو پہنچی ہم نے بھیجی تھی
وہ پہنچی یا نہیں پہنچی؟
اگر پہنچی ہو وہ پہنچی
تو لکھ بھیجو کہ ہاں پہنچی۔"

زیبی یہ سن کر ہنسنے لگی۔ کبریٰ نے کہا۔ "آگے تو سنو .... بیوی بھی شاعرہ تھی۔ اس نے جواب میں لکھا۔

پہنچی کے پہنچنے سے خوشی مجھ کو نہیں پہنچی
اگر پہنچی تو کیا پہنچی کہ پہنچے تک نہیں پہنچی
اٹھا رکھی تھی وہ پہنچی، کوئی کم بخت آ پہنچی
اٹھا پہنچی اور لے پہنچی خدا جانے کہاں پہنچی؟"

زیبی کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔ وہ بمشکل ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "افسوس ڈیڈی یہ مزیدار لطیفہ سننے سے محروم رہ گئے۔"

وہ ذرا ناگواری سے بولی۔ "انہیں تو بس بزنس سے لگاؤ ہے۔"

نفاست وہاں سے اٹھ کر عبادت علی کے کمرے میں آ گیا تھا۔ سدرہ کا ذکر چل نکلا تھا۔ وہ بولے۔ "سدرہ کے آنے سے اس گھر میں بڑی رونق آ گئی ہے۔ وہ جب ننھی سی گود میں تھی تب ہم سے جدا ہوئی تھی۔ آج ایک کھلے ہوئے گلاب کی طرح ہمارے گلشن میں آئی ہے۔ ہم اسے دیکھتے رہتے ہیں۔ پھر بھی جی نہیں بھرتا۔"

وہ بولا۔ "آپ نے سدرہ کو مراد سے منسوب کیا تھا۔ وہ بڑا خوش تھا۔ بڑی آس لگائے ہوئے تھا۔"

وہ تائیدانہ انداز میں گردن ہلا کر بولے۔ "ہم تمہاری بات سمجھ رہے ہیں لیکن تم یہ بات اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ گھر ہو یا کاروباری دنیا ہو۔ ہم بدلتے ہوئے حالات کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں اور مراد کو بھی یہی سمجھایا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولے۔ "وہ ہم سے ناراض ہو کر گیا تھا۔ گھر چھوڑ کر جانے کی دھمکیاں دے رہا تھا۔"

"وہ ایسی بچگانہ باتیں آپ ہی سے کرتا ہے اور آپ اسے سر پر چڑھاتے رہتے

ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولے۔ "وہ ہمارا پوتا ہے۔ ہماری طرح ہارنا نہیں جانتا۔ اگر ایک بازی ہارتا ہے تو دوسری ضرور جیت لیتا ہے۔ تمہیں پتہ ہے، وہ فہمی کا دل جیت رہا ہے؟"

اس نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا واقعی؟"

"ہاں .... فہمی اس سے ڈرتی تھی۔ اس کے سائے سے بھی دور بھاگتی تھی۔"

"جی، یہ تو سب ہی جانتے ہیں۔"

"مگر اب تو اس کے ساتھ کھاتی پیتی ہے۔ بہت خوش رہتی ہے۔ ایک نہ ایک دن تو فہمی کی شادی کرنی ہی ہے۔"

وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا اور ان کی بات سمجھ رہا تھا۔ وہ بولے۔ "ہمارا یہ پوتا پچاس کروڑ کی بازی جیتنے والا ہے۔"

نفاست کو مراد کی اس کارکردگی کا علم نہیں تھا۔ اسے یہ اندازہ تو تھا کہ بیٹا بہت جینئس ہے لیکن یہ اندازہ نہیں تھا، وہ اس قدر دور اندیش بھی ہو گا۔ پیار و محبت کے جذبوں کو ٹھکرا کر منافع کی بات سوچے گا۔ اس وقت وہ اپنے بیٹے پر فخر کرتا تو کچھ غلط نہ تھا۔

کبریٰ اپنے کمرے سے نکل کر عالیہ کے کمرے میں آئی۔ وہ فلور کشن پر بیٹھی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔ کبریٰ اندر آ کر اس کے قریب اوپر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"ارے .... خالہ امی! آپ میرے کمرے میں؟"

وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "کیا میرا یہاں آنا تمہیں برا لگا؟"

وہ کتاب ایک طرف رکھ کر اس کے زانو پر سر رکھ کر بولی۔ "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ مجھے تو بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

"میں تم سے ایک ضروری بات کرنے آئی ہوں، اوپر بیٹھو۔"

"نہیں .... مجھے آپ کے قدموں میں بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے۔ ماں کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے۔ آپ مجھے محروم نہ کریں۔ آپ کہیں، میں سن رہی ہوں۔"

وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ "کیا میرے قدموں کی جنت میں امی یاد آ رہی ہیں؟"

"میں بہت چھوٹی سی تھی جب امی کا انتقال ہوا۔ ان کی دھندلی سی یادیں رہ گئی ہیں اور وہ یادیں آپ کی محبتوں میں گم ہو جاتی ہیں۔"

کبریٰ نے موقع غنیمت جان کر بات چھیڑی۔ "امریکہ جا کر مجھے یاد کرو گی؟"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "میں امریکہ کیوں جاؤں گی؟"

"میں یہی بات کہنے آئی ہوں۔ تمہارے دل میں بڑے ارمان تھے کہ کسی گرین کارڈ ہولڈر سے شادی کرو گی۔ تمہارا یہ ارمان پورا ہونے والا ہے۔"

وہ ذرا پریشان ہو کر جبراً مسکرا کر بولی۔ "وہ تو بس میں یونہی کہا کرتی تھی۔"

"دل سے کوئی خواہش کی جائے تو وہ ضرور پوری ہوتی ہے۔ تمہارے لئے ایک رشتہ آیا ہے۔ لڑکا امریکہ میں رہتا ہے۔ وہاں کی شہریت ہے۔"

عالیہ نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن کبریٰ بولے تو بولتی ہی چلی جاتی تھی۔ "شادی تو تمہاری کرنی ہی ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ تمہاری مرضی کے مطابق رشتہ آیا ہے۔ وہ لوگ زیبی کی شادی کے بعد آنا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں آج ہی بلایا ہے۔ کل تو زیبی کی شادی کے ہنگامے ہوتے رہیں گے۔"

غالیہ پریشان ہو کر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ انکار میں سر ہلا کر سوچنے لگی۔ کبریٰ اس کی ذہنی کیفیت کو سمجھے بغیر مسلسل بول رہی تھی۔ "تمہارے انکل معلومات حاصل کر رہے ہیں۔ اگر خاندان اچھا ہو گا اور لڑکا تمہارے قابل ہو گا تو ہم بات آگے بڑھائیں گے۔ یوں تو وہ تمہارے انکل کے دوست کا بیٹا ہے مگر اپنے طور پر تسلی تو ضروری ہے نا۔"

وہ اس سے زیادہ برداشت نہ کر پائی۔ تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر جانے لگی۔ کبریٰ نے مسکرا کر کہا۔ "ایسے وقت لڑکیاں اسی طرح شرما کر بھاگتی ہیں۔"

وہ دروازے پر رک گئی۔ پلٹ کر کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہ سکی تیزی سے کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ اسد سے دور رہنے کے لئے گرین کارڈ ہولڈر کی خواہش ظاہر کرتی رہتی تھی لیکن کبھی یہ خواہش اس کے دل سے نہیں ابھری تھی۔ پھر بھی پوری ہو رہی تھی۔

☆======☆======☆

کھانے کے بعد چائے کا دور چل رہا تھا۔ رام کہانی مکمل ہو چکی تھی۔ ثمینہ کو نفاست کی ذہنیت اور منصوبہ بندیوں پر افسوس ہو رہا تھا۔ مگر اتنا سب کچھ جاننے کے باوجود باپ کی محبت اپنی جگہ قائم تھی۔ وہ خود نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ اس کی شدید نفرت محبت میں کیسے بدل گئی ہے؟ باپ کے لئے اس کے دل میں اس قدر نرم جذبہ کیوں پیدا ہو گیا ہے؟ جس شخص نے اس کی ماں کو شوہر کی توجہ اور محبت سے محروم رکھا۔ بیٹی کو ولدیت

سے محروم رکھا ایسے ظالم کے لئے وہ اتنی محبت سے کیوں سوچنے لگی ہے؟

سجاد نے چائے کی ایک چسکی لے کر کہا۔ "اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ نقلی سدرہ اور سجاد کا ڈرامہ کیوں پلے کیا جا رہا ہے؟ ویسے یہ مسٹر فراز کون ہیں؟ جو میری جگہ سجاد بنے ہوئے ہیں۔"

حسرت نے کہا۔ "وہ بہت ہی شریف اور ایماندار ہے۔ وہ بھی حالات سے مجبور ہو کر ایسا کر رہا ہے۔"

ارمانہ نے کہا۔ "میں حسرت کی خاطر سدرہ بن گئی اور وہ زیبی کی خاطر سجاد بنا ہوا ہے۔ کل ان دونوں کی شادی ہے۔"

حسرت نے مسکرا کر کہا۔ "اسی کو کہتے ہیں' عشق نچائے تھیا تھیا۔"

ثمینہ نے کہا۔ "یعنی' ابو اپنے ابا جان کو دھوکا دے رہے ہیں اور تم سب اپنے ڈیڈی کو دھوکا دے رہے ہو؟"

"جو بزرگوں سے سیکھ رہے ہیں' وہی انہیں لوٹا رہے ہیں۔"

زیبی کے معاملے میں ثمینہ ذرا دکھی ہو گئی تھی۔ باپ کی طرف سے ذرا بددل ہو گئی تھی۔ اس نے حسرت سے کہا۔ "ابو دادا جان کو دھوکا دے رہے ہیں یہ ایک الگ سی بات ہے لیکن یہ تو لالچ کی انتہا ہے کہ وہ دولت کی خاطر اپنی بیٹی کو ایک کینسر کے مریض سے منسوب کر رہے ہیں۔"

"فراز کینسر کا مریض نہیں ہے۔"

"لیکن ابو تو یہی سمجھ رہے ہیں۔ ایک باپ کا دل کیسے گوارہ کر رہا ہے کہ بیٹی شادی کے بعد بیوہ ہو جائے؟"

"وہ دولت کی خاطر سب کچھ کر سکتے ہیں۔"

وہ افسردہ سی ہو کر سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ "اگر ایسی ہی باتیں سامنے آتی رہیں گی تو سجاد بھائی کے جس انتقامی جذبے کو میں نے دبایا ہے وہ پھر سے سر ابھارنے لگے گا۔"

سجاد نے کہا۔ "دادا جان نے اپنی ساری زندگی بچوں کے لئے وقف کر دی۔ ان کے لئے جائیداد بنانے اور انہیں اونچے مقام تک پہنچانے میں عمر گزار دی۔ چچا جان انہیں بھی دھوکا دے رہے ہیں۔"

حسرت نے مسکرا کر کہا۔ "ڈیڈی کی لوجک نرالی ہے۔ ان کا خیال ہے' وہ دادا جان کو

دھوکا نہیں دے رہے ہیں بلکہ جو رقم محکمہ اوقاف میں جانے والی ہے اسے بچا رہے ہیں۔ ان کے خیال میں نقلی سدرہ اور سجاد کو پیش کرنا دھوکے بازی نہیں ہے۔"

سجاد نے کہا۔ "دادا جان نے کتنی سادگی سے یہ دھوکا کھایا ہے؟"

حسرت نے کہا۔ "وہ برسوں سے اپنی پوتی اور پوتے کے لئے تڑپ رہے تھے۔ سدرہ اور سجاد کو پا کر بہت خوش ہیں۔ وہ بے چارے کیا سوچیں گے کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔"

سجاد نے ثمینہ سے کہا۔ "تم سن رہی ہو' تمہارے ابو کیسی کیسی حرکتیں کر رہے ہیں؟ اب ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

اس نے سر اٹھا کر سجاد کو دیکھا پھر کہا۔ "باپ جیسا بھی ہو' باپ ہی ہوتا ہے۔ جو بات بگڑ رہی ہے' اسے بنانا ہمارا فرض ہے۔"

حسرت اور ارمانہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ سجاد اس کے جذبوں کو سمجھتے ہوئے بڑی محبت سے بولا۔ "میری سدرہ بھی ایسی تھی۔"

حسرت نے چونک کر پوچھا۔ "ارے ہاں .... مجھے یاد ہی نہیں رہا' سدرہ کہاں ہے؟"

سجاد نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "وہ امی ابو کے پاس چلی گئی ہے۔"

ارمانہ اور حسرت نے بیک وقت حیران ہو کر کہا۔ "کیا؟"

ثمینہ نے کہا۔ "ہاں' وہ انہیں تنہا چھوڑ گئی ہے۔"

حسرت نے بڑے دکھ سے کہا۔ "ہمیں بہت افسوس ہے کہ ہم سدرہ سے نہ مل پائے۔"

سجاد نے چونک کر حسرت کو دیکھا پھر ثمینہ کو دیکھ کر بولا۔ "تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟ سدرہ تو میرے ساتھ ہے۔"

ارمانہ اور حسرت نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر حسرت نے تعجب سے پوچھا۔ "ساتھ ہے .... کہاں ہے؟"

سجاد نے مسکرا کر حسرت کی طرف دیکھا۔ پھر ثمینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے۔"

حسرت اور ارمانہ نے چونک کر ثمینہ کو دیکھا۔ وہ دونوں الجھ رہے تھے۔ سجاد نے کہا۔ "میں اسے سدرہ بنا کر یہاں لایا ہوں۔ سدرہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ خدا نے ثمینہ کو میرے

پاس پہنچا دیا۔"

حسرت نے ثمینہ سے کہا۔ "میں تم سے پوچھنے ہی والا تھا کہ اغوا ہونے کے بعد کہاں بھٹکتی رہی ہو؟"

ثمینہ نے مسکرا کر سجاد کی طرف دیکھا۔ وہ بولا۔ "خدا کا شکر ہے یہ بھٹکنے سے پہلے ہی مجھے مل گئی۔ اسی وقت میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ دادا جان کے پاس سدرہ بن کر جائے گی۔"

حسرت خوش ہو کر بولا۔ "اگر یہ تمہارا فیصلہ ہے تو میرا بھی یہی فیصلہ ہے۔ میری ثمینہ کو وہاں سدرہ بن کر جانا چاہئے۔ جانتے ہو کیوں؟"

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس نے کہا۔ "دادا جان کی ایک ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ وہ اپنے سے کمتر لوگوں کا رشتہ پسند نہیں کرتے۔ انہوں نے ہمارے پھوپھا جمال ہمدانی کو کبھی اپنے خاندان کا فرد نہیں سمجھا۔ انہوں نے ثمینہ کی امی کو اپنی بہو تسلیم نہیں کیا۔ ڈیڈی بھی ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ انہوں نے ثمینہ کو باپ کا نام نہیں دیا۔"

سجاد نے ثمینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اسے سدرہ بنا کر لے جاؤں گا تو اس کی ساری محرومیاں ختم ہو جائیں گی۔ دادا جان اسے کمتر نہیں سمجھیں گے' اپنے کلیجے سے لگا کر رکھیں گے۔"

ثمینہ نے کہا۔ "میں ابو کے نام سے محروم ہوتی رہی۔ سدرہ بن کر مجھے دادا جان کا بھی نام ملے گا۔"

ارمانہ بڑی دیر سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ پریشان ہو کر بولی۔ "ایک سدرہ میں بھی بیٹھی ہوں۔ میرا کیا بنے گا؟"

حسرت نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ثمینہ نے پوچھا۔ "ارے ہاں .... ان کا کیا بنے گا؟ یہ بھی سدرہ ہیں۔"

حسرت نے کہا۔ "یہ ارمانہ ہے' ارمانہ رہے گی۔"

"کیا مطلب؟ میں اس نام سے وہاں نہیں رہ سکتی۔ کوئی مجھے قبول نہیں کرے گا اور خاص طور پر دادا جان۔"

"میں نے سوچ لیا ہے۔ تم وہاں نہیں' یہاں اسی کوٹھی میں رہو گی۔"

وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ سجاد حسرت کی تائید میں بولا۔ "ہاں ارمانہ!

حسرت درست کہہ رہا ہے۔ میرے وہاں جانے کے بعد تم پر اور فراز پر دادا جان کا قہر نازل ہو گا۔ تمہیں اسی کوٹھی میں رہنا چاہئے۔"

ارمانہ نے پوچھا۔ "مگر فراز کا کیا ہو گا۔ وہ بہت اچھا ہے۔ مجھے اپنی سگی بہن کی طرح چاہتا ہے۔"

سجاد نے کہا۔ "وہ اچھا ہے تو اس کے ساتھ اچھا ہی سلوک کیا جائے گا۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

حسرت نے کہا۔ "آج رات کے کھانے پر وہ یہاں ہمارے ساتھ ہو گا۔"

پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "تم آرام کرو۔ میں گھر جا کر حالات کا جائزہ لیتا ہوں۔ کل زیبی کی شادی ہے۔ مہندی وغیرہ کی رسم تو نہیں ہو گی مگر کچھ نہ کچھ تو ہنگامہ ہو گا۔ فراز کو وہاں سے نکال کر لانا ہے۔ میں چلتا ہوں۔"

شادی پر ہنگامہ تو کیا ہونا تھا بس خریداریاں کی جا رہی تھیں۔ فرض نبھایا جا رہا تھا۔ زیادہ دھوم دھام اور ہلہ گلہ نہیں تھا۔ مگر زیبی اور فراز کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ انہیں کوئی شکایت بھی نہیں تھی۔ فراز نفاست سے رقم لے کر زیبی پر لٹا رہا تھا۔ دونوں خوب انجوائے کر رہے تھے۔

نفاست اپنے کمرے میں تھا۔ فراز اس کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ نفاست نے ایک چیک پر دستخط کرتے ہوئے پوچھا۔ "تم مجھ سے بڑی بڑی رقمیں لے کر جاتے ہو' انہیں کہاں خرچ کر رہے ہو؟"

"میری ساری رقم زیبی کی شاپنگ میں چلی جاتی ہے۔"

وہ چیک اسے تھماتے ہوئے بولا۔ "اپنے لئے کچھ نہیں بچاتے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "میں وہ مریض ہوں جو اپنی سانسیں نہیں بچا سکتا' رقمیں کیا بچاؤں گا؟"

نفاست نے چونک کر کہا۔ "اوہ .... میں تمہاری ٹریجڈی بھول جاتا ہوں۔ ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہو نا؟"

"جی ہاں .... عالیہ مجھے وقت پر دوائیں دیتی رہتی ہے اور اسد مجھے باقاعدگی سے ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہے۔"

"دیکھو' میرے بچے تمہارا کتنا خیال رکھتے ہیں؟"

"مجھے تو ایسا لگتا ہے آپ مجھے جنت میں لے آئے ہیں۔"

ایسے ہی وقت نفاست کے فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو۔"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ "ہیلو .... میرے پیارے چچا جان! میں سجاد بول رہا ہوں۔"

آواز کیا تھی؟ بم کا دھماکہ تھا۔ جس نے نفاست کو بھونچکا کر دیا۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔ "سجاد ....!"

فراز نے سر اٹھا کر کہا۔ "جی!"

وہ بولا۔ "میں تم سے نہیں کہہ رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "پھر کس سے کہہ رہے ہیں؟"

نفاست جھنجلا کر بولا۔ "میں تم سے پوچھ رہا ہوں' تم کون ہو؟"

دوسری طرف سجاد ریسیور کان سے لگائے بیٹھا تھا۔ اسے زرینہ خاتون کے فون کی ڈائری میں نفاست علی کا نمبر مل گیا تھا۔ ثمینہ اور ارمانہ دوسرے کمرے میں تھیں۔ اس نے فون پر کہا۔ "میں سید سجاد علی شاہ ولد سید شفاعت علی شاہ .... میں آ گیا۔ کل سولہ تاریخ ہے۔ زیبی کی شادی سجاد سے ہو گی لیکن کس سجاد سے؟ دو سجاد ہیں۔ دو دولہے ہیں۔ کل میں بھی بارات لے کر آؤں گا۔"

دوسری طرف نفاست پریشان تھا۔ سوچ رہا تھا' یہ کون ہے جو اسے بلیک میل کر رہا ہے؟ اس سے پہلے کہ وہ اس سے مزید سوالات کرتا دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ اس نے پریشان ہو کر ریسیور کو دیکھا۔ فراز نے اس کے چہرے پر پھیلی شکنوں کو دیکھ کر پوچھا۔ "آپ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔ کس کا فون ہے؟"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے فون کو دیکھ رہا تھا۔ چونک کر بولا۔ "کسی کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں جو سدرہ اور سجاد ہیں .... وہ فراڈ ہیں یہ فون کرنے والا خود کو سجاد کہہ رہا تھا۔"

فراز نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "یہ کون ہو سکتا ہے؟"

"پتہ نہیں .... یہ کون تھا؟ بڑے اعتماد سے کہہ رہا تھا کہ کل زیبی کا دولہا بن کر بارات لے کر آئے گا۔"

فراز نے چونک کر اسے دیکھا پھر فکر مندی سے سوچنے لگا' اگر بھید کھل گیا تو دادا جان اسے ایک پل بھی اس کوٹھی میں برداشت نہیں کریں گے۔ اسے زیبی سے جدا کر دیا

جائے گا۔ اپنوں کو تو وہ شاید معاف کر دیں لیکن مجھے فراڈ کے الزام میں گرفتار کرا سکتے ہیں۔

وہ پریشان ہو کر کمرے سے باہر آیا۔ اس کا ارادہ زیبی کے پاس جانے کا تھا لیکن سامنے سے آتے ہوئے حسرت نے اسے مخاطب کیا۔ ”سجاد! میں تمہیں ہی تلاش کر رہا تھا۔ میرے ساتھ چلو۔“

”لیکن کہاں جانا ہے؟“

”میں تمہیں اپنے رشتہ داروں سے ملانا چاہتا ہوں۔“

”پلیز حسرت! اس وقت میں بہت پریشان ہوں۔“

”کیوں .... کیا ہوا؟ خیریت تو ہے نا؟“

”خیریت ہو تو پریشانی نہیں ہوتی۔ میں انکل کے پاس تھا۔ وہاں کسی نے فون پر کہا ہے کہ وہ سجاد ہے۔ کسی کو ہمارا راز معلوم ہو چکا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں سجاد نہیں ہوں‘ فراڈ ہوں۔“

حسرت نے پریشان ہو کر اسے دیکھا پھر سوچنے لگا۔ ”سجاد نے ہی ڈیڈی کو فون کیا ہو گا۔ ایک اور سجاد کی موجودگی سے ڈیڈی بھی پریشان ہو رہے ہوں گے۔ بُری طرح الجھ رہے ہوں گے۔“

پھر اس نے فراز سے پوچھا۔ ”وہ فون پر کیا کہہ رہا تھا؟“

”وہ کہہ رہا تھا‘ کل ہماری شادی کے وقت وہ زیبی کا دولہا بن کر آئے گا۔“

حسرت اسے بازو سے پکڑ کر پورچ میں لاتے ہوئے لاپرواہی سے بولا۔ ”چھوڑو اسے .... وہ ضرور کوئی مسخرہ ہو گا۔“

اس نے حیرت سے پوچھا۔ ”تم اسے مذاق سمجھ رہے ہو؟“

”تم میرے رشتہ داروں سے ملو گے تو ساری الجھنیں ختم ہو جائیں گی۔“

وہ اس کی باتیں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ”کہاں ہیں تمہارے رشتہ دار؟“

”گاڑی میں بیٹھو .... ہم وہیں جا رہے ہیں۔“

فراز کار کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”تم خواہ مخواہ سسپنس پیدا کر رہے ہو۔“

حسرت نے کار اسٹارٹ کر کے کوٹھی سے باہر نکالی اور اسے زرینہ خاتون کی کوٹھی کی طرف بڑھانے لگا۔

☆======☆======☆

ایک کار کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئی۔ ڈرائیور نے اگلی سیٹ سے اتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ حافظ درانی اپنی نک ٹائی درست کرتے ہوئے کار سے باہر آئے۔ ڈرائیور نے انہیں دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔ ”سر! آپ کی پتلون کہاں ہے؟“

انہوں نے سر جھکا کر دیکھا۔ وہ پتلون کے بجائے ایک نیکر پہنے ہوئے تھے جس کا ازاربند ان کے گھٹنے کو چوم رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولے۔ ”ارے .... پتلون پہنی تو تھی پھر کہاں رہ گئی؟“

ڈرائیور نے بیزار ہو کر کہا۔ ”لگتا ہے .... آپ گھر میں چھوڑ آئے ہیں۔“

وہ انکار میں سر ہلا کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولے۔ ”ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے پہنی تھی۔ معلوم ہوتا ہے‘ کہیں گر گئی ہے؟ گاڑی لے جاؤ۔ دیکھو کہیں راستے میں پڑی ہو گی۔“

نفاست مراد کو تلاش کرتا ہوا کوٹھی کے احاطے میں آیا۔ حافظ درانی کو دیکھ کر اسے یاد آیا کہ انہیں عالیہ کے رشتے کے سلسلے میں آج آنا تھا۔ وہ ان کی طرف بڑھتے ہوئے چونک گیا۔ ان کا حلیہ دیکھ کر بولا۔ ”آپ ضرور کچھ نہ کچھ بھولتے ہیں۔“

انہوں نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک ڈائری نکالی پھر اسے کھول کر پڑھتے ہوئے بولے۔ ”اس میں لکھا ہے۔ میں اپنے دوست نفاست علی سے ملنے آیا ہوں۔“

نفاست ہنستے ہوئے بولا۔ ”بڑی مشکل ہے۔ اپنے دوست کو بھی بھول جاتے ہیں۔ میں ہی نفاست علی ہوں۔“

انہوں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تم نفاست ہو؟ تم تو میری طرح بوڑھے تھے‘ جوان کیسے ہو گئے؟“

حافظ درانی‘ نفاست کے پرانے دوستوں میں سے ایک تھے۔ آج اپنے بیٹے کے لئے عالیہ کا ہاتھ مانگنے آئے تھے۔ یادداشت کمزور تھی۔ ذرا دیر پہلے ہونے والی بات بھی بھول جایا کرتے تھے۔ نفاست اس فون کال کے باعث پریشان تھا مگر دوسروں کے سامنے اس بات کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا اسی لئے دنیا کو دکھاوے کے لئے مسکرا رہا تھا۔ شادی کے باعث چند قریبی رشتہ دار مہمان بھی آنا شروع ہو گئے تھے۔ وہ مراد کو ڈھونڈ رہا تھا لیکن حافظ درانی مل گئے۔ وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ پھر ان کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”بھابی آپ کو تنہا نکلنے نہیں دیتیں۔ پھر آج اکیلے یہاں تک کیسے پہنچ

گئے؟"

انہوں نے پوچھا۔ "کس بھابی کی بات کر رہے ہو؟"

"بھئی میں آپ کی بیوی شاہینہ بیگم کی بات کر رہا ہوں۔"

وہ چونک کر بولے۔ "اوہ .... شاہینہ .... اچھا تو یہ میری بیوی کا نام ہے؟"

"آپ چوبیس گھنٹے ساتھ رہنے والی بیگم کو بھی بھول جاتے ہیں؟"

"بیگم .... اب یہ بیگم کون ہیں؟"

نفاست بیزار ہو کر بولا۔ "میں آپ کی بیوی شاہینہ بیگم کا پوچھ رہا ہوں۔ کیا آپ انہیں بھی بھول گئے ہیں؟"

وہ کالر درست کرتے ہوئے بولے۔ "میں بھولتا نہیں ہوں' مجھے یاد آ رہا ہے۔ وہ میرے ساتھ آ رہی تھیں۔ نہ جانے پیچھے کہاں رہ گئیں؟"

"خدا ان پر رحم کرے۔ کیا انہیں راستے میں چھوڑ آئے ہیں؟ اپنی ڈائری پڑھیں' شاید آپ کو کچھ یاد آ جائے؟"

وہ اپنی ڈائری کھول کر پڑھنے لگے۔ "ہاں .... لکھا ہے میں یہاں شادی کے لئے آیا ہوں۔"

نفاست نے چونک کر پوچھا۔ "کیا .... آپ اور شادی؟"

وہ گڑبڑا کر بولے۔ "نہیں .... ٹھہرو' یہاں لکھا ہے۔ میں شادی کے لئے رشتہ مانگنے آیا ہوں۔ میری وائف نے لکھا ہے۔"

وہ پڑھتے پڑھتے خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں نے نفاست سے پوچھا۔ "یہ میری وائف کون ہیں؟"

نفاست دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بیٹھ گیا۔ پھر تقریباً چیخ کر بولا۔ "وائف بیوی کو ہی کہتے ہیں۔ آگے پڑھیں۔"

وہ مسکرا کر بولے۔ "اچھا .... اچھا' ہاں تو انہوں نے لکھا ہے۔ اس گھر میں تین لڑکیاں ہیں۔ ہم اپنے بیٹے جواد کے لئے کسی ایک لڑکی کا رشتہ مانگیں گے۔"

نفاست نے پوچھا۔ "جواد امریکہ سے کب آ رہا ہے؟"

انہوں نے چونک کر پوچھا۔ "جواد .... کون جواد؟"

نفاست نے گھور کر انہیں دیکھا۔ ایسے ہی وقت کبریٰ نے وہاں آ کر انہیں سلام کیا۔

"السلام علیکم بھائی صاحب!"

وہ اسے دیکھ کر بولے۔ "وعلیکم السلام خوش رہو۔"

پھر انہوں نے نفاست سے پوچھا۔ "یہ .... تمہاری بڑی بیٹی ہے؟"

نفاست بھنا کر بولا۔ "کیوں ہمارے رشتے کی ایسی تیسی کر رہے ہیں؟"

کبریٰ خوش ہو کر اپنی ساڑھی درست کرتے ہوئے بولی۔ "وہ .... مسز ملک بھی یہی کہہ رہی تھیں۔ میں شادی شدہ نہیں لگتی۔ اور بھائی صاحب تو مجھے بیٹی سمجھ رہے ہیں۔"

نفاست نے کہا۔ "بہت خوش ہو رہی ہو' یاد ہے پچھلی بار انہوں نے تمہیں میری بڑی بہن کہا تھا؟"

کبریٰ ناگواری سے منہ بنا کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ شاہینہ بیگم دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک ہینگر تھا اس میں ایک پتلون لٹک رہی تھی۔ وہ ہانپتی ہوئی ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ "یااللہ! توبہ توبہ .... میری آدھی زندگی ان کا ہینگر اٹھاتے اٹھاتے گزر رہی ہے۔ آج یہ پتلون ہی چھوڑ کر چلے آئے۔"

کبریٰ نے چونک کر حافظ درانی کی طرف دیکھا پھر کہا۔ "ارے .... مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ بھائی صاحب پتلون کے بغیر ہی آئے ہیں؟"

حافظ درانی نے نفاست اور کبریٰ سے پوچھا۔ "مجھے سمجھ نہیں آتا' یہ کون ہیں جو ہر وقت میرے پیچھے ہینگر لئے گھومتی رہتی ہیں؟"

کبریٰ اور نفاست منہ دبا کر ہنسنے لگے۔ شاہینہ بیگم اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولیں۔ "یہ ہے میری قسمت .... میں بیٹے کا رشتہ مانگنے آئی ہوں۔ یہ اپنا ہی رشتہ بھول رہے ہیں۔"

ادھر رشتے کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ادھر عالیہ کی جان نکلی جا رہی تھی۔ وہ پریشان ہو کر اسد کے کمرے میں آئی۔ اسد نے پوچھا۔ "خیریت' تمہارے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں؟"

اس نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ لاکڈ کر دیا۔ اسد نے پریشان ہو کر کہا۔ "کیا بات ہے' کیا قیامت آنے والی ہے؟ جسے دروازہ بند کر کے روک رہی ہو۔"

وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "قیامت ہی سمجھو .... بہت برا ہونے والا ہے۔"

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو؟ اصل بات بتاؤ۔"

"تم تو جانتے ہو' میں تم سے دور دور رہنے کے لئے گرین کارڈ کا شوشہ چھوڑتی رہتی تھی۔"

"ہاں .... اس لئے دور بھاگتی تھیں کہ تمہیں میری محبت پر بھروسہ نہیں تھا۔ تم سمجھتی تھیں' میں ساری زندگی تمہارے ساتھ نہیں چل سکوں گا۔ بائی دا وے .... پھر یہ گرین کارڈ ہمارے درمیان کیوں آ رہا ہے؟"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "خالہ امی نے بتایا ہے' میرے لئے کسی گرین کارڈ ہولڈر کا رشتہ آیا ہے۔ رشتے والے نیچے ڈرائنگ روم میں آئے ہوئے ہیں۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "مبارک ہو .... آخر تمہاری زندگی میں گرین کارڈ آ ہی گیا۔"

وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔ "تم اسے مذاق سمجھ رہے ہو؟"

"مذاق تو تم کر رہی ہو۔ میری محبت کو مذاق سمجھ رہی ہو۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں' ہماری شادی نہ ہوئی تو میں گھر چھوڑ دوں گا۔"

وہ اسے بڑے پیار سے دیکھنے لگی۔ اس کا یہ کہنا اچھا لگ رہا تھا کہ وہ اس کی خاطر سب کو چھوڑ سکتا ہے۔ پھر بھی اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "تم میری خاطر اپنا گھر اور جائیداد چھوڑ دو گے؟ میری خاطر محتاجی اور مفلسی کی زندگی گزارو گے؟"

وہ اس کے ہاتھ کو تھام کر بڑے جذبوں سے بولا۔ "ہاں عالیہ! میں تمہیں پانے کے لئے سب کچھ کھو سکتا ہوں لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ صرف محبت کرنے سے زندگی نہیں گزرتی۔ بڑے مسائل کا سامنا ہو گا۔ کوئی بات نہیں دیکھا جائے گا۔"

وہ سر جھکا کر سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ ذمہ داری قبول کرنا الگ بات ہے اور اسے نبھانا دوسری بات .... عالیہ اس کی ذمہ داری تھی' محبت تھی۔ ایسی تنہا لڑکی تھی جس کا واحد سہارا اور پیار اسد تھا۔

عالیہ نے اسے سوچ میں ڈوبا ہوا دیکھ کر اس کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا۔ کسی کو اپنی خاطر پریشان ہوتا دیکھ کر انجانی سی خوشی اور فخر حاصل ہوتا ہے۔ محبت میں مزید شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ بڑے دھیمے انداز میں بولی۔ "اسد! تم بہت عیش و آرام سے پرورش پاتے رہے ہو۔ باہر کی دنیا میں جلتا ہوا سورج ہو گا اور قدموں تلے کانٹے بچھے ہوں گے۔ میں کانٹے چنتی رہوں گی اور اپنے آنچل سے سایہ کرتی رہوں گی۔"

"تمہارا ساتھ اور قربت نصیب ہو تو مجھے حالات کی پرواہ نہیں ہے۔"

وہ کافی دیر تک خاموشی سے ایک دوسرے سے لگے رہے۔ آنے والے وقت اور

حالات پر غور کرتے رہے۔ اچانک ہی اسد ہنسنے لگا۔ عالیہ نے چونک کر دور ہٹتے ہوئے پوچھا۔ "تم ہنس کیوں رہے ہو؟"

وہ بولا۔ "ہم کبھی سنجیدہ نہیں ہوتے' آج ہو رہے ہیں۔ ہمیں اپنی زندہ دلی قائم رکھنی چاہئے۔"

"کیا ہنستے رہنے سے مسائل حل ہو جائیں گے؟"

"بھئی میں بالکل ہی کنگال نہیں ہوں۔ دادا جان پوتی پوتوں کے نام لاکھوں کروڑوں کی جائیداد خریدتے رہتے ہیں۔ میرے نام ستر لاکھ روپے کی پراپرٹی ہے۔ میں اسے فروخت کروں گا۔ ہم اس شہر سے' اس ملک سے کہیں دور چلے جائیں گے۔"

وہ تڑپ کر اس کے سینے سے لگ گئی۔ آج اسد پر بے تحاشہ پیار آ رہا تھا۔ اس نے بھی اُسے بازوؤں کے گھیرے میں جکڑ لیا۔ وہ عالیہ کو اتنی محبتیں دے رہا تھا کہ وہ خوشی کے مارے رو پڑی۔ بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔ "تم میرے لئے اتنا بڑا قدم اٹھاؤ گے؟"

اس نے عالیہ کے چہرے کو ہاتھوں کے کٹورے میں تھام کر کہا۔ "تمہارے لئے دودھ کی نہر نہ نکالی تو پھر محبت کیا کی؟"

وہ ایک بار پھر اس کے سینے سے لگ کر سسک پڑی۔ انسان بھی خوب ہے۔ زیادتی غم میں بھی آنسو بہاتا ہے اور اگر توقع سے زیادہ خوشی مل جائے تب بھی آنکھوں کا جام چھلکانے لگتا ہے۔

☆======☆======☆

حسرت نے زرینہ خاتون کی کوٹھی کے سامنے کار روک دی۔ فراز نے پوچھا۔ "یہ کس کا گھر ہے؟"

وہ اترتے ہوئے بولا۔ "میرے رشتہ داروں کا........... آؤ۔"

وہ دونوں کار سے اتر کر کوٹھی کے احاطے میں آئے۔ فراز نے کہا۔ "وہاں کوٹھی میں ٹینشن پھیلی ہوگی اور تم مجھے یہاں لے آئے ہو۔"

وہ کوٹھی کا بیرونی دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم میں آئے۔ فراز نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں تو کوئی نہیں ہے۔"

"تم بیٹھو........... سب آجائیں گے۔ میں بلا کر لاتا ہوں۔"

وہ کوٹھی کے اندرونی حصے کی طرف چلا گیا۔ فراز زرینہ خاتون کی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ ایسے ہی وقت ایک طرف سے ثمینہ نمودار ہوئی۔ فراز نے اسے دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔ "تم........... تم........... یہاں؟"

"آپ کون ہیں؟"

وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "اچھا........... میں تم سے آپ ہو گیا؟ ویسے ایک مشرقی بیوی اپنے شوہر کو آپ جناب سے ہی مخاطب کرتی ہے۔"

وہ چونک کر بولی۔ "بیوی' شوہر' آپ........... بیوی کسے کہہ رہے ہیں؟"

وہ اس کا بازو پکڑ کر بولا۔ "تمہیں کہہ رہا ہوں' تم میری شریک حیات ہو' میری کل کائنات ہو۔"

وہ اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "چھوڑو مجھے........... بھائی جان! چھوڑو۔"

"تمہارے مراد بھائی جان کوٹھی میں ہیں۔ تم بھی وہیں تھیں۔ مجھ سے پہلے یہاں کیسے پہنچ گئیں؟"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "آخر تم کون ہو؟ اور یہ کیا بکواس کر رہے ہو چھوڑو مجھے

.... جانے دو........... بھائی جان........... بھائی جان!"

ارمانہ اور سجاد حسرت کے ساتھ وہاں آئے۔ انہیں دیکھ کر ہنسنے لگے۔ فراز انہیں حیرت سے دیکھنے لگا۔ ثمینہ اپنا بازو چھڑا کر دوڑتی ہوئی سجاد کے پاس آگئی۔ پھر بولی۔ "بھائی جان! یہ دیکھیں کون یہاں گھس آیا ہے؟ مجھے اپنی بیوی کہہ رہا ہے۔"

فراز الجھن میں تھا کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے زیبی کی یادداشت گم ہو چکی ہے۔ حسرت نے ثمینہ سے کہا۔ "یہ حضرت تمہیں اپنی ہونے والی بیوی کہہ رہے ہوں گے۔"

پھر اس نے فراز کے پاس آکر کہا۔ "یہ زیبی نہیں ہے۔"

فراز نے حیرت سے ثمینہ کو دیکھا پھر حسرت سے کہا۔ "کیا مذاق کر رہے ہو؟ زیبی کو زیبی نہیں کہہ رہے ہو؟"

ثمینہ نے کہا۔ "اوہ........... اب سمجھی یہ مسٹر فراز ہیں ناں........... مجھے زیبی سمجھ رہے ہیں۔"

فراز پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کے ساتھ یہ کیسا مذاق کیا جا رہا ہے۔ وہ زیبی ہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں اجنبیت تھی۔ سجاد نے ثمینہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فراز سے کہا۔ "یہ میری بہن ہے۔"

پھر حسرت نے سجاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فراز سے کہا۔ "اور یہ سجاد بھائی ہیں۔"

اس نے چونک کر سجاد کو دیکھا۔ "سجاد؟"

حسرت بولا۔ "ہاں........... دو سجاد آمنے سامنے کھڑے ہیں اور تم سمجھ سکتے ہو کہ سامنے والا اصلی ہے۔"

فراز نے آگے بڑھتے ہوئے حیرانی اور بے یقینی سے پوچھا۔ "آ........... آپ........... آپ سجاد ہیں؟ سید شفاعت علی کے بیٹے۔"

سجاد نے مسکرا کر تائید کی۔ فراز سوالیہ نظروں سے ارمانہ اور حسرت کو دیکھنے لگا۔ ارمانہ نے کہا۔ "میں بھی تمہاری طرح پریشان ہو گئی تھی۔ ویسے تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ ہم سب دوست ہیں۔"

حسرت نے فراز کو صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "ابھی تمام صورت حال واضح ہو جائے گی۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔"

وہ سب صوفوں پر بیٹھ گئے۔ حسرت اور سجاد اُسے حقیقت سے آگاہ کرنے لگے۔ وہ حیرت سے سن رہا تھا اور کچھ پریشان بھی ہو رہا تھا لیکن پھر مطمئن ہو کر بولا۔ "سجاد بھائی! ویسے آپ بھی خوب موقع پر آئے ہیں۔ کوٹھی میں شادی کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ مگر آپ تو اسے ماتم کدہ بنا دیں گے۔"

حسرت نے مسکرا کر کہا۔ "وہاں تو جو بھی ہو گا' قابلِ دید ہو گا۔"

ثمینہ نے پریشان ہو کر ان تینوں کو دیکھا پھر کہا۔ "مگر اچھا نہیں ہو گا۔ ابو سب کے سامنے شرمندہ ہوں گے۔ مجھ سے دیکھا نہیں جائے گا۔"

سجاد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "وہ ہمارے بزرگ ہیں۔ ہم انہیں شرمندہ نہیں کریں گے لیکن جو کچھ وہ کرتے آ رہے ہیں۔ اس کے لئے تو شرمندگی ہو گی۔"

ارمانہ نے کہا۔ "فراز! تمہاری شادی خانہ آبادی کا کیا ہو گا؟ کیا زیبی کی محبت سے باز آ جاؤ گے؟ وہ تمہاری دلہن نہیں بن سکے گی۔"

فراز نے سوچتی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھا پھر حسرت اور سجاد کو دیکھ کر کہا۔ "تم سب نے مجھے رازدار بنایا ہے۔ ایک راز میرا بھی ہے۔"

حسرت نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ "زیبی میری دلہن بن چکی ہے۔"

سب نے چونک کر پوچھا۔ "کیا.........؟"

وہ بولا۔ "کوٹھی میں زیبی سے میری شادی ہوتی تو سجاد کے نام سے نکاح پڑھوایا جاتا۔ مجھے یہ منظور نہیں تھا۔ میں زیبی کو دل و جان سے چاہتا ہوں۔ مگر اسلامی قوانین کا مذاق نہیں اڑا سکتا تھا۔ اس لئے میں نے شریعت کے مطابق اپنے نام سے نکاح پڑھوایا ہے۔ یہ نکاح میرے والدین کی موجودگی میں ہوا ہے۔ عالیہ اور اسد بھی موجود تھے۔"

ارمانہ نے کہا۔ "ہائیں......... تم تو چھپے رستم نکلے۔"

سجاد نے ثمینہ سے کہا۔ "دیکھو ثمینہ! بزرگوں کی غلطیوں کو اس طرح بھی درست کیا جاتا ہے۔ تمہارے ابو اپنی بیٹی کا نکاح غلط نام سے پڑھوانا چاہتے ہیں لیکن فراز نے شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نکاح پڑھوایا ہے۔"

حسرت بہت خوش تھا۔ بہن کی پسند پر فخر کر رہا تھا۔ پھر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔ "فراز! میں تمہیں اس شادی کی مبارکباد دیتا ہوں۔"

ارمانہ بولی۔ "میری طرف سے بھی مبارکباد قبول کرو۔"

وہ بولا۔ "شکریہ .... میری شادی تو ہو چکی ہے۔ تم دونوں کا کیا ہو گا؟"

حسرت نے ارمانہ کو دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔ "وہی ہو گا جو منظور خدا ہو گا۔ ابھی تو یہ مسئلہ ہے کہ تمہیں اور ارمانہ کو کوٹھی میں جانا چاہئے یا نہیں؟"

ارمانہ جلدی سے بولی۔ "میں تو وہاں قدم بھی نہیں رکھوں گی۔"

فراز نے کہا۔ "جب فراڈ ظاہر ہو گا تو ہم پر دادا جان کا قہر نازل ہو گا۔ میں زیبی کو فون کر کے بتا دوں گا کہ اس کے ڈیڈی کی تمام پلاننگ فیل ہو رہی ہے۔ میں اپنی گردن پھنسانے وہاں نہیں آؤں گا۔ وہ ہی میرے پاس چلی آئے۔"

حسرت اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "فراز! تم زیبی کو بہت چاہتے ہو لیکن میری بات کا بُرا نہ ماننا۔"

فراز سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ بولا۔ "زیبی تمہاری محبت سہی مگر وہ بھروسے کے قابل نہیں ہے۔"

فراز نے چونک کر پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں' ہم ثمینہ کو سدرہ بنا کر وہاں لے جا رہے ہیں۔ وہ اس سلسلے میں ہماری رازدار نہیں بنے گی۔"

وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "میں اسے رازدار بنا لوں گا۔"

وہ بولا۔ "تم اسے چند مہینوں سے جانتے ہو لیکن میں اُسے بچپن سے جانتا ہوں۔ وہ سدرہ کے آم کے باغات اور دوسری جائیداد اپنے نام کرانا چاہتی ہے۔"

ارمانہ نے کہا۔ "مراد نے مجھے سدرہ بنانے سے پہلے یہ معاملہ طے کیا تھا کہ میں سدرہ بن کر آم کے باغات کی آمدنی زیبی کو دیا کروں گی۔"

حسرت بولا۔ "تم سمجھ سکتے ہو جب ثمینہ اصلی سدرہ بن کر وہاں جائے گی تو زیبی اسے برداشت نہیں کرے گی اور تم اسے بتاؤ گے کہ یہ اصلی سدرہ نہیں ہے تو پھر وہ اس راز کو راز نہیں رہنے دے گی۔"

فراز سر جھکا کر سوچنے لگا۔ سجاد نے کہا۔ "میں ہر حال میں اسے اپنی بہن سدرہ بنا کر وہاں لے جاؤں گا اور یہ نہیں چاہوں گا کہ تم زیبی کو رازدار بناؤ۔"

حسرت نے کہا۔ "فراز! میری بات کا یقین کرو۔ زیبی اور مراد ممی ڈیڈی کی اندھی حمایت کرتے ہیں۔ عالیہ اور اسد بھی ان کے دباؤ میں رہتے ہیں۔ ان چاروں پر بھی

بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔"

سجاد بولا۔ "میں بیس برسوں کی ہاری ہوئی بازی جیتنے جا رہا ہوں۔ وعدہ کرو' میرا ساتھ دو گے۔ زیبی کو رازدار نہیں بناؤ گے۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ میں فون پر اس سے بات کروں گا۔"

اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔

☆======☆======☆

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نفاست کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے جیسے تیسے حافظ درانی کو ٹالا تھا۔ وہ اس وقت شدید ذہنی الجھن کا شکار تھا۔ کسی سے کلام نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن کوٹھی میں مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ عبادت علی کے کہنے پر کوٹھی کو رنگ برنگے قمقموں سے سجا دیا گیا تھا۔

نفاست پریشانی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ کبریٰ اور مراد کے چہرے سے بھی پریشانی جھلک رہی تھی۔ اس نے الجھ کر نفاست سے کہا۔ "کتنی دیر سے ٹہل رہے ہیں' اتنی دیر میں تو آپ حیدر آباد پہنچ جاتے۔ ہم بھی پریشان ہیں لیکن بیٹھے ہوئے تو ہیں۔ آپ بھی آرام سے بیٹھ کر سوچیں۔"

وہ ایک جگہ رک کر بولا۔ "آرام حرام ہو گیا ہے۔ اس فون کال نے سکون برباد کر دیا ہے۔ گھر میں شادی کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ میں ابا جان سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس شادی کو روک دیں۔"

کبریٰ نے کچھ سوچ کر کہا۔ "ہو سکتا ہے' وہ اصلی سجاد نہ ہو۔ اس نے یوں ہی ہمیں پریشان کرنے کے لئے فون کیا ہو؟"

مراد نے کہا۔ "لیکن یہ بات تو سمجھ میں آ رہی ہے کہ وہ فون کرنے والا ہمارے فراڈ کو اچھی طرح سمجھ رہا ہے۔"

کبریٰ قائل ہونے کے انداز میں سر ہلانے لگی۔ نفاست نے پریشان ہو کر کہا۔ "اگر وہ اصلی سجاد نہیں ہے تو ضرور کوئی بھیدی ہے۔ جو کل عین شادی کے موقع پر آ کر یہ بھید کھول دے گا اور ہمیں معزز مہمانوں کے سامنے ذلیل کرے گا۔"

مراد سر جھکا کر پریشانی سے سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "ڈیڈی! یہ شادی کسی نہ کسی طرح روکنی ہو گی۔ ورنہ دادا جان قیامت برپا کر دیں گے۔ ہمیں بھاگنے کا راستہ بھی نہیں ملے

گا۔"

نفاست نے کہا۔ "شادی کو روکنے سے وہ آنے والا دشمن نہیں رکے گا۔ ہمیں تو اسے روکنا چاہئے۔ اس سے سمجھوتا کرنا چاہئے۔ مگر ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے اور کہاں ہے؟"

مراد نے قائل ہو کر باپ کو دیکھا۔ وہ گہری سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ پھر چونک کر بولا۔ "فراز کہاں ہے؟"

مراد نے کہا۔ "وہ حسرت کے ساتھ کہیں گیا ہے۔"

نفاست نے کہا۔ "ایسے وقت فراز کو بیمار پڑنا چاہئے۔ وہ کینسر کا مریض ہے۔"

کبریٰ سر پر آنچل رکھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولی۔ "ہاں .... دعا کرو کہ اس پر دورہ پڑے۔"

نفاست بولا۔ "دورہ نہ پڑے تب بھی وہ ظاہر کر سکتا ہے کہ وہ شدید تکلیف میں مبتلا ہے۔ ہم اسے ہسپتال پہنچائیں گے۔ میں ابھی ڈاکٹر سے فون پر بات کرتا ہوں۔ وہ میری مرضی کے مطابق اسے سیریس کیس بنا کر ہسپتال میں ایڈمٹ کرے گا اور تاکید کرے گا کہ شادی روک دی جائے۔"

کبریٰ نے خوش ہو کر مراد کو دیکھا۔ ترکیب اچھی تھی' عمل کرنے سے بچاؤ ممکن تھا۔ مراد نے کہا۔ "یہ بہت اچھا آئیڈیا ہے۔ فراز کے پاس اپنی بیماری کی میڈیکل رپورٹس بھی ہیں۔ ان کی موجودگی میں دادا جان کو بھی یقین آ جائے گا کہ وہ واقعی سخت بیمار ہے۔"

نفاست نے کہا۔ "دیکھو .... فراز کہاں ہے؟ اسے بلا کر لاؤ۔"

مراد تیزی سے چلتا ہوا زیبی کے کمرے میں آیا۔ "زیبی! فراز کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں .... مگر آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟"

زیبی کو کچھ خبر نہیں تھی کہ گھر میں کیسی پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ مراد نے اسے تمام صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی فکرمند ہو گئی کہ آنے والا کل نہ جانے کیسے حالات سامنے لانے والا ہے۔ مراد' فراز کو ڈھونڈنے کے لئے وہاں سے اپنی کار میں بیٹھ کر باہر چلا گیا۔ زیبی پریشان ہو رہی تھی۔ فراز کی غیر موجودگی اسے مزید ٹینس کر رہی تھی۔ ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ وہ ریسیور اٹھا کر اسے کان سے لگاتے ہوئے بولی۔

"ہیلو!"

دوسری طرف سے فراز نے اسے مخاطب کیا۔ وہ بولی۔ "فراز! تم کہاں ہو؟ ڈیڈی

اور بھائی جان تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔ بہت پریشان ہیں۔"

وہ بولا۔ "میں اس وقت اسی گھر میں جا رہا ہوں جہاں ہماری شادی ہوئی تھی۔ ہو سکے تو ابھی وہاں چلی آؤ۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "تمہیں یہاں آنا چاہئے۔ شادی روکنے کے لئے تمہیں یہاں آ کر بیمار پڑنا ہے۔"

وہ چونک کر بولا۔ "اس کا مطلب ہے' مجھے بیمار بن کر ہسپتال میں رہنا ہو گا؟ مگر دادا جان کو جب معلوم ہو گا کہ میں نے تمہارے ڈیڈی کے ساتھ مل کر انہیں دھوکا دیا ہے تو وہ پولیس کو لے کر ہسپتال پہنچ جائیں گے۔"

وہ اسے سمجھانے لگی۔ "ایسا نہیں ہو گا۔ کسی نے اصلی سجاد بن کر ڈیڈی کو دھمکی دی ہے۔ اس کے پاس اصلی ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہو گا۔ ڈیڈی کل اس سے نمٹ لیں گے۔"

اس نے پوچھا۔ "جب نمٹ لیں گے تو شادی کیوں روک رہے ہیں؟ کیوں مجھے ہسپتال پہنچانا چاہ رہے ہیں؟ میں تمہاری معلومات کے لئے کہہ دوں کہ اصلی سجاد اور سدرہ آ پہنچے ہیں۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"درست کہہ رہا ہوں۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ فراڈ نہیں ہیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "تم یہ کیسے جانتے ہو کہ وہ فراڈ نہیں ہیں؟"

"میں نے اور ارمانہ نے ان کے تمام ڈاکومنٹس دیکھے ہیں۔ وہ ایسے ٹھوس ثبوت ہیں کہ انہیں دیکھتے ہی دادا جان ہمیں گولی مار دیں گے۔"

"کیا تم ان سے مل چکے ہو؟"

وہ بولا۔ "مل چکا ہوں اور تمام ثبوت بھی دیکھ چکا ہوں۔ اس لئے تم سے ملنے نہیں آ رہا ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "یہ .... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"ہاں .... اب ارمانہ بھی کوٹھی میں قدم نہیں رکھے گی۔"

وہ تیز لہجے میں بولی۔ "اس کا مطلب ہے تم میرا ساتھ چھوڑ رہے ہو؟"

"میں سب کو چھوڑ سکتا ہوں مگر تمہیں نہیں .... تم میری محبت ہو .... میری شریک حیات ہو۔ تمہارا ساتھ ہی تو میری زندگی ہے۔"

"پھر یہاں آنے سے انکار کیوں کر رہے ہو؟"

"سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہارے ڈیڈی تو شاید بچ جائیں گے مگر دادا جان مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ کیا تم مجھے سلاخوں کے پیچھے دیکھنا چاہتی ہو؟"

"نہیں .... ہرگز نہیں۔" پھر وہ ذرا سوچ کر بولی۔ "اچھا ٹھہرو .... میں ڈیڈی سے بات کرتی ہوں۔ پھر تمہیں کال بیک کرتی ہوں۔"

وہ فوراً بولا۔ "جسٹ اے منٹ .... تم انہیں یہ بتاؤ گی کہ مجھ سے ملنے آ رہی ہو تو وہ بھی تمہارے ساتھ چلے آئیں گے۔ میں تمہارے ڈیڈی کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ وہ مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبیں گے۔"

وہ ذرا ناگواری سے بولی۔ "ڈیڈی کے بارے میں ایسی باتیں نہ کرو' میں تمہیں ڈوبنے نہیں دوں گی۔"

"میں صرف ایک بات کہتا ہوں' ابھی اپنے ڈیڈی سے کچھ نہ کہو۔ فوراً میرے پاس چلی آؤ۔ میں اپنے اسی گھر میں جا کر تمہارا انتظار کروں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا' رابطہ منقطع ہو گیا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ ایک طرف محبوب کی چاہت تھی اور دوسری طرف والدین کی محبت تھی۔ دونوں جذبوں میں گہرائی تھی۔ ایک طرف چاہت کہہ رہی تھی کہ مجھے بچانا چاہتی ہو تو اس راز کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھو کہ میں اس وقت کہاں ہوں؟

دوسری طرف والدین کی محبت اسے الجھا رہی تھی کہ اگر اس نے صرف محبوب کا ساتھ دیا تو ہم پریشانیوں اور مصائب کا شکار ہو جائیں گے۔ ہماری عزت خاک میں مل جائے گی۔ ابا جان ہمیں جائیداد سے محروم کر دیں گے۔

وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بیٹھ گئی۔ "ممی اور ڈیڈی بہت پریشان ہیں۔ اصلی سجاد آ گیا ہے۔ میں یہ بات انہیں نہیں بتاؤں گی تو وہ بُری طرح پھنسیں گے اور اگر بتا دوں گی تو وہ اپنے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی تدبیر ضرور کر لیں گے۔ فراز کو بچانا بھی ضروری ہے۔ میں ڈیڈی کو یہ نہیں بتاؤں گی کہ وہ کہاں ہے؟"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ یہ ترکیب اچھی تھی۔ اس پر عمل کر کے وہ دونوں محبتوں کے فرائض کو سنبھال سکتی تھی۔

کبریٰ اور نفاست اپنے کمرے میں تھے۔ وہ ابھی تک ٹہل رہا تھا۔ بے چینی سے مراد کا انتظار کر رہا تھا۔ کبریٰ نے بیزار ہو کر کہا۔ "آپ کب تک پریشان ہوتے رہیں

گے؟"

"مراد سے کہا تھا فراز کو بلا کر لائے۔ پتہ نہیں وہ اسے ڈھونڈنے کہاں نکل گیا ہے؟ ایسے میں میری ذہنی حالت کیا ہو گی؟ یہ تم اچھی طرح سمجھ سکتی ہو۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر بے یقینی سے انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "نہیں .... وہ جو بھی ہے۔ ہمارا راز جانتا ہے۔ اس وقت فراز ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ وہ بیمار پڑے گا' شادی رکے گی' مہمانوں کا قافلہ یہاں سے رخصت ہو گا تو ہم اس آنے والے دشمن سے نمٹنے کی تدبیر کریں گے۔"

وہ اس کی تائید میں سر ہلانے لگی۔ وہ بولا۔ "میں فراز کو ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔"

"اب آپ بھی جا رہے ہیں؟ میں تنہا پریشان ہوتی رہوں گی۔"

وہ پلٹ کر دروازہ کھول کر باہر جانا چاہتا تھا مگر ٹھٹک گیا۔ کھلے ہوئے دروازے سے زیبی دکھائی دی۔ وہ بولی۔ "آپ کہیں جا رہے ہیں؟"

"ہاں .... فراز کو دیکھنے جا رہا ہوں۔ وہ کہاں ہے؟"

وہ اندر آتے ہوئے بولی۔ "وہ یہاں نہیں ہے۔"

کبریٰ اور نفاست نے چونک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ کبریٰ نے کہا۔ "کوئی دشمن سجاد بن کر ہمیں پریشان کر رہا ہے ایسے وقت فراز کو یہاں ہونا چاہئے تاکہ کوئی تدبیر نکالی جا سکے۔"

زیبی نے کہا۔ "میں آپ کو بتانے آئی ہوں' آپ کو فون کرنے والا دشمن واقعی سجاد ہے۔"

دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ نفاست نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "تم .... تم کیسے جانتی ہو؟"

"فراز نے مجھے فون پر بتایا ہے۔ سدرہ اور سجاد زندہ ہیں۔"

وہ دونوں بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی تھی کہ وہ جو کوئی بھی ہیں' اصلی ہیں۔ زیبی نے کہا۔ "ان کے پاس ایسے ٹھوس ثبوت ہیں جنہیں دیکھتے ہی دادا جان انہیں گلے لگا لیں گے۔"

نفاست نے کہا۔ "مجھے .... یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"فراز نے وہ تمام ڈاکومنٹس دیکھے ہیں۔ جو ثبوت کے طور پر پیش کئے جائیں گے اور اس گھر میں تباہی پھیلائیں گے۔"

نفاست نے پریشان ہو کر کہا۔ "فراز کہاں ہے؟ اسے فون کرو' ابھی اسی وقت اسے یہاں آنے کو کہو۔"

وہ دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "جب وہ سجاد یہاں آئے گا تو دادا جان اسے قبول کرتے ہی ارمانہ اور فراز کو پولیس کے حوالے کر دیں گے۔"

"میں سب سنبھال لوں گا۔ مگر ان دونوں کو یہاں ہونا چاہئے۔ ان کی غیر موجودگی نئے مسائل پیدا کر دے گی۔"

وہ بولی۔ "وہ دونوں پولیس کے ڈر سے روپوش ہو گئے ہیں۔"

کبریٰ نے پریشان ہو کر نفاست کو دیکھا۔ وہ بولا۔ "زیبی! کیا تم معلوم کر سکتی ہو' فراز کہاں ہے؟"

"جی ہاں .... میں اس سے جا کر مل سکتی ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے' ہم اسے یہاں بلانے کے بجائے وہیں جا کر مل لیتے ہیں۔"

"لیکن ابھی وہ آپ سے نہیں ملنا چاہتا۔"

کبریٰ بولی۔ "کیوں' وہ ملنا کیوں نہیں چاہتا' کہیں یہ اسی کا پھیلایا ہوا فساد تو نہیں ہے؟"

"نہیں ممی! ایسی بات نہیں ہے' وہ بہت سہما ہوا ہے۔"

نفاست کبریٰ کی بات پر غور کر رہا تھا پھر کچھ سوچ کر زیبی سے بولا۔ "وہ مجھ سے نہ ملے کوئی بات نہیں لیکن کیا تم اسے ایک کام کے لئے راضی کر سکتی ہو؟"

کبریٰ نے کہا۔ "ارے واہ! کیا اب ہماری بیٹی اس مریض کے سامنے التجائیں کرے گی۔ اپنی بات منوانے کے لئے اس کے نخرے اٹھائے گی؟"

نفاست بیزار ہو کر بولا۔ "اوہو .... تم تو چپ رہو۔ بات کو سمجھتی نہیں ہو۔ بس بولے چلی جاتی ہو۔ اپنے مطلب کے بندے کے سامنے جھکتے وقت عزت' بے عزتی کو نہیں' ضرورت کو دیکھا جاتا ہے۔ فراز اس وقت بہت اہم ہے۔ ہمیں اس کی ذات سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔"

زیبی نے پوچھا۔ "آپ بتائیں' کیا چاہتے ہیں؟"

"ابا جان مجھے فراڈ کے الزام میں اپنی تمام دولت اور جائیداد سے محروم کر سکتے ہیں۔ اگر فراز ابا جان سے فون پر یہ کہہ دے کہ اس نے سجاد بن کر مجھے بھی دھوکا دیا ہے تو ابا جان مجھے اس معاملے میں بے گناہ سمجھ کر معاف کر دیں گے۔"

کبریٰ نے خوش ہو کر کہا۔ "ہاں .... اس طرح ہماری ساری پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔"

زیبی نے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ میں اسے راضی کر لوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ فراز کو راضی کرنا تھا اور اسے پورا یقین تھا کہ اس کی محبت میں وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

وہ اس کے مکان میں داخل ہوئی تو کمرے کی لائٹ روشن دیکھ کر سمجھ گئی کہ وہ اس کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ دروازہ بند کر کے صحن سے گزرتی ہوئی کمرے میں آئی۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

زیبی نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ "یہاں چھپ کر بیٹھے ہو؟"

وہ چونک کر بولا۔ "یہ تمہارے ڈیڈی کا کارنامہ ہے۔ مجھے چھپنا پڑ رہا ہے۔"

"ڈیڈی نے ہماری بہتری کے لئے تمہیں سجاد بنایا تھا۔ کیا تم واقعی اصلی سجاد سے مل چکے ہو؟"

وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔ "تمہیں میری بات کا یقین کرنا چاہئے۔ میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟"

"تم اس سے کہاں ملے تھے؟"

فراز سوچنے لگا' کیا جواب دے؟ پھر بولا۔ "وہ .... وہ یہاں آیا تھا۔ اس نے اپنے والدین کے تمام اہم کاغذات دکھائے تھے۔ وہ تمہارے دادا جان کے کاروبار سے تعلق رکھنے والے کاغذات تھے' بیس برس پہلے کی بہت اہم تصویریں تھیں۔ دادا جان کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے خطوط تھے' دادی جان سے تعلق رکھنے والے بھی اہم کاغذات تھے۔ تم خود ہی سوچو' اتنا کچھ دیکھنے کے بعد دادا جان تو کیا عدالت بھی اسے شفاعت علی کا بیٹا سجاد ہی تسلیم کرے گی۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "یہ کم بخت کہاں سے مصیبت بن کر آ گیا؟ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ یہ باپ بیٹے کہیں مرکھپ گئے ہوں گے۔"

اس نے بڑے دکھ سے زیبی کو دیکھا۔ اس کا یہ انداز اسے ناگوار گزرا تھا۔ وہ بولا۔ "سوچنے سے یا بددعا دینے سے کسی کو موت نہیں آتی۔ تم بتاؤ' ان حالات میں تمہارے ڈیڈی کیا کریں گے؟"

"وہ کیا کر سکتے ہیں؟ یہ اتنا بڑا فراڈ ہے کہ دادا جان ان سے تمام کاروباری اختیارات

چھین لیں گے' انہیں گھر سے نکال دیں گے۔ اپنی ولدیت سے خارج کر دیں گے۔ وہ گھر سے نکل کر دادا جانا کا نام بھی استعمال نہیں کر سکیں گے۔"

اس نے پوچھا۔ "تمہارے ڈیڈی نے کچھ تو سوچا ہو گا۔ بچاؤ کی کوئی تدبیر نکالی ہو گی؟ وہ تو بہت جینئس ہیں۔"

زیبی نے اسے دیکھا پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "وہ .... وہ کہہ رہے تھے' اگر .... تم چاہو تو ان پر فراڈ کا الزام نہیں آئے گا۔"

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر مسکرا کر پوچھا۔ "میرے چاہنے سے کیا ہو گا؟"

"ڈیڈی کہہ رہے ہیں' دادا جان سے کہا جائے گا کہ تم سجاد بن کر کمپیوٹر کے ذریعے رابطہ کر رہے تھے' یقین دلا رہے تھے کہ تم ہی سجاد ہو۔ دادا جان کی طرح ڈیڈی بھی دھوکا کھا گئے۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ کر بولی۔ "یہ کہا جائے گا کہ تم ارمانہ کے ساتھ مل کر یہ فراڈ کر رہے تھے اور جب اصلی سجاد اور سدرہ آئے ہیں تو تم ارمانہ کے ساتھ فرار ہو گئے ہو' کہیں منہ چھپا رہے ہو۔"

وہ اس کی تائید میں بولا۔ "ہوں .... اچھی تدبیر ہے۔ دادا جان کو یقین ہو جائے گا کہ تمہارے ڈیڈی نقلی سدرہ اور سجاد کو نہیں لائے تھے۔ دادا جان پہلے کی طرح ان پر اندھا اعتماد کرتے رہیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "ہاں .... تم ہمارا ساتھ دو گے تو ڈیڈی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ دادا جان کے سامنے شرمندہ نہیں ہوں گے۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"تم ابھی دادا جان کو فون کرو۔ ان سے کہو کہ تم دولت حاصل کرنے کے لئے اپنی بہن کو سدرہ بنا کر اور خود سجاد بن کر آئے تھے۔"

اس نے چونک کر زیبی کو دیکھا' وہ کہہ رہی تھی۔ "اب تمہارا بھید کھلنے والا ہے۔ اصلی سجاد کل ان کے پاس آنے والا ہے۔ اس لئے تم اپنی بہن کے ساتھ کوٹھی چھوڑ کر اپنی دنیا میں واپس آ گئے ہو۔ تم نے صرف دادا جان کو ہی نہیں میرے ڈیڈی کو بھی کینسر کا مریض بن کر دھوکا دیا ہے۔"

فراز تیز لہجے میں بولا۔ "زیبی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے سجاد تمہارے ڈیڈی نے

بنایا۔ کینسر کا مریض تم نے بنایا۔ اب تم لوگ مجھے مجرم بنا رہے ہو۔ دادا جان پولیس میں رپورٹ درج کرائیں گے کہ میں دادی جان کی وصیت کے مطابق چالیس کروڑ روپے حاصل کرنے کے لئے آیا تھا۔ دادی جان کا وکیل بھی میرے خلاف گواہی دے گا۔ میرا انجام کیا ہو گا' یہ سوچا تم نے؟"

"میں تمہاری دشمن نہیں ہوں' ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ ڈیڈی........."

وہ اس کی بات کاٹ کر تیز لہجے میں بولا۔ "چپ رہو .... تمہارے ڈیڈی کی نئی چال سمجھ میں آ رہی ہے۔ میں فراڈ کے الزام میں دو چار برس قید بامشقت کاٹوں گا اور وہ آرام سے کوٹھی میں راج کریں گے۔ تم باپ کو بچانے کے لئے شوہر کو کہاں پہنچا رہی ہو؟"

وہ اس کے لہجے سے ذرا سہم گئی۔ سنبھلتے ہوئے بولی۔ "میں تمہیں سزا نہیں پانے دوں گی۔ ڈیڈی تمہیں بچا لیں گے۔"

اس نے کہا۔ "وہ دادا جان کا دل جیت رہے ہیں۔ ان کی مرضی کے خلاف مجھے کیسے بچائیں گے؟"

"بحث نہ کرو......... مجھ پر بھروسہ کرو۔"

وہ اس کے شانوں کو تھام کر بولا۔ "بیوی کی زبان سے بولو' بھروسہ کروں گا۔ تم تو بیٹی کی زبان سے بولنے آئی ہو۔ میری ایک بات کا جواب دو۔"

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس نے پوچھا۔ "جو خود مجرم ہے وہ اسی کیس میں دوسرے مجرم کو کیسے بچائے گا؟ تمہارے ڈیڈی بچ نکلنے کے بعد پھر اپنی گردن نہیں پھنسائیں گے۔ میں ہی غریب مارا جاؤں گا۔"

وہ اس کے ہاتھوں کو جھٹک کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ بہت دیر سے اپنی فطرت کے خلاف اس کے سامنے گڑگڑا رہی تھی' اسے سمجھانا چاہ رہی تھی لیکن اب حد ہو چکی تھی۔ وہ کسی طرح قائل نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ناگواری سے بولی۔ "تم بہت ضدی اور خودغرض ہو۔ میرے ڈیڈی پر برا وقت آیا ہے تو ساتھ چھوڑ رہے ہو؟ کیا اسی دن کے لئے مجھ سے محبت کے دعوے کرتے رہے تھے؟"

وہ بڑی محبت سے بولا۔ "میں تو تمہاری خاطر قربانی دے سکتا ہوں۔ تم بتاؤ .... محبت میں کیا کر سکتی ہو؟"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بڑی اپنائیت سے بولی۔ "تم جو کہو گے' وہ کروں گی۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس بار وہ اسے امتحان میں ڈالنا چاہتا تھا۔ وہ بولا۔ "میرے ساتھ تم بھی وہ گھر چھوڑ دو۔ ابھی دادا جان کو فون کرو کہ تم میرے فراڈ میں شریک ہو۔ مجھ سے شادی کرنے کے لئے مجھے سجاد بنا کر دادا جان تک پہنچایا تھا۔"

زیبی نے پریشان ہو کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا پھر نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "یہ .... تم کیا کہہ رہے ہو؟ دادا جان نے خاندان سے باہر شادی کرنے والی پھوپھی جان کو گھر سے نکال دیا تھا۔ مجھے بھی نکال دیں گے۔"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "کوئی بات نہیں' تمہیں میکے سے نکلنا ہی ہے۔ تم میری بیوی ہو۔ میرے ساتھ رہو گی۔"

وہ جھنجلا کر بولی۔ "تم سمجھتے کیوں نہیں؟ میں کروڑوں کی جائیداد سے محروم ہو جاؤں گی۔"

"تو کیا ہوا' میں تمہارے ڈیڈی کے لئے خود کو مجرم بناؤں گا۔ کیا تم اپنے باپ کے لئے قربانی نہیں دو گی؟"

اس نے غصے سے تلملا کر اسے دیکھا۔ اس کے سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ وہ جواب سے خالی ہو کر تیز لہجے میں بولی۔ "تم .... تم بکواس کر رہے ہو۔ کھل کر کیوں نہیں کہتے کہ ہمارا ساتھ چھوڑ رہے ہو؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "میں تو ساتھ دینے کو تیار ہوں لیکن تم کترا رہی ہو۔"

"تم .... تم خودغرض ہو' دھوکے باز ہو۔ مجھے محبت کا فریب دے کر شادی کی ہے۔ میں ایسی محبت اور شادی پر تھوکتی ہوں۔"

فراز نے ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر جڑ دیا۔ "زیبی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

وہ اپنا گال سہلاتے ہوئے غصے میں بولی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم پڑھے لکھے جاہل مرد ثابت ہو گے۔ جو عورت پر ہاتھ اٹھانے کو مردانگی سمجھتے ہیں۔ آج احساس ہو رہا ہے' میرا فیصلہ غلط تھا۔"

وہ اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے بولا۔ "پلیز زیبی! اپنے باپ کی بے جا حمایت میں اپنا گھر تباہ نہ کرو۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔ مجھے میرے مقام سے نیچے نہ گراؤ میری محبت کو اتنا نہ آزماؤ۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "محبت .... تمہاری محبت کے نشان میرے چہرے پر دکھائی دے رہے ہوں گے۔ ذرا غور سے دیکھو .... ان کی گہرائی سے اندازہ ہو گا کہ

تم مجھے کتنا چاہتے ہو؟ دیکھو .... دیکھو۔"

وہ اس کے قریب ہو کر بول رہی تھی۔ وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر بڑے پیار سے بولا۔ "سوری زیبی! پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا؟ سوری.........."

وہ اس کے ہاتھوں کو جھٹک کر حقارت سے بولی۔ "اب مجھے کچھ ہو گیا ہے میرا فیصلہ کان کھول کر سن لو۔ میں جا رہی ہوں' کل صبح تک اچھی طرح سوچ لو۔ ہمارا ساتھ دو گے تو واپس آؤں گی۔ ورنہ.........."

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "ورنہ..........؟"

"ورنہ .... طلاق .... لے لوں گی۔"

وہ شدید حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ پیر پٹختی ہوئی غصے سے پلٹ کر تنتناتی ہوئی چلی گئی۔ فراز کے کانوں میں حسرت کی باتیں گونج رہی تھیں۔ "فراز! میری بات کا یقین کرو۔ زیبی اور مراد ممی ڈیڈی کی اندھی حمایت کرتے ہیں۔ زیبی سدرہ کے آم کے باغات اور دوسری جائیداد اپنے نام کرنا چاہتی ہے.........."

کمرہ زیبی کے وجود سے خالی ہو چکا تھا۔ وہ بھی خالی خالی سا ایک کرسی پر ڈھے گیا۔

☆=====☆=====☆

حسرت' ثمینہ اور سجاد کو کوٹھی میں لے جانے سے پہلے انہیں پوری طرح تیار کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے وہ تمام رشتہ داروں کی تصویریں لے آیا تھا۔ سجاد کے پاس پرانی تصویریں تھیں۔ نوجوان رشتہ داروں کو ان کے چہروں سے پہچاننا ضروری تھا۔

حسرت نے ایک البم انہیں دکھاتے ہوئے کہا۔ "میں یہ تصویریں لایا ہوں۔ انہیں دیکھو اور اپنے تمام رشتہ داروں کو ان کے چہروں سے پہچانو۔"

پھر ایک تصویر پر انگلی رکھ کر بولا۔ "یہ ہمارے دادا جان ہیں۔"

سجاد نے کہا۔ "ان کی تصویر ہمارے پاس ہے مگر بیس برس پہلے والی ہے۔"

ثمینہ نے کہا۔ "اس تصویر میں تو یہ بہت بوڑھے دکھائی دے رہے ہیں؟"

سجاد نے مسکرا کر کہا۔ "کیا اتنے برسوں بعد بھی جوان دکھائی دیں گے؟"

ارمانہ نے دوسری تصویر ثمینہ کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "اپنے ابو کو دیکھو .... کیا زبردست پرسنالٹی ہے؟"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "کتنے خوش دکھائی دے رہے ہیں۔"

سجاد نے ٹھوکا دیا۔ "ایسا لگتا ہے' کسی کا خون چوس کر آ رہے ہیں؟"

ثمینہ نے اسے پیار سے گھور کر دیکھا۔ حسرت نے دوسری تصویر دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ .... میری ممی کو دیکھیں' کبریٰ بیگم۔"

ارمانہ نے مسکرا کر کہا۔ "ان سے ضرور ڈرنا چاہئے۔ ورنہ یہ خوابوں میں آ کر ڈراتی ہیں۔ میری ہونے والی ساس کسی کی بھی سانس روک سکتی ہیں۔"

حسرت نے گھور کر اسے دیکھا۔ پھر دوسری تصویر دکھاتے ہوئے بولا۔ "یہ ہے ہماری پھوپھی جان کی بیٹی' فہمی .... جس کے بارے میں' میں نے بتایا تھا۔"

سجاد نے تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا.......... یہی ہے وہ بے زبان لڑکی۔"

ثمینہ نے بڑے دکھ سے اس کی تصویر کو دیکھا پھر کہا۔ "آپ بتا رہے تھے کہ یہ سن بھی نہیں سکتی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "ہاں .... ایک تو یہ ٹریجڈی ہے اس کے ساتھ۔ اس پر یہ کہ بڑے عجیب حالات سے گزر رہی ہے۔"

ثمینہ نے تعجب سے پوچھا۔ "اچھا؟"

حسرت نے کہا۔ "یہ بہت ذہین ہے اور دلیر بھی ہے۔ ایک بار اسے اغوا کیا گیا تھا۔ یہ اغوا کرنے والوں کے بچے کو اغوا کر کے گھر لے آئی تھی۔"

ثمینہ اور سجاد ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ سجاد نے کہا۔ "پھر تو یہ زبردست ہے۔"

ارمانہ نے حسرت سے کہا۔ "اپنا قصہ بھی سناؤ۔"

وہ دونوں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ بولا۔ "میں کیا بتاؤں۔ یہ بے چاری نہیں جانتی کہ شادی کیا ہوتی ہے' ازدواجی زندگی کیسے گزاری جاتی ہے؟ مگر اس کے پچاس کروڑ حاصل کرنے کے لئے دادا جان نے اس کا نکاح مجھ سے پڑھوا دیا۔"

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر ثمینہ نے ارمانہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔ "کیا مطلب؟ ہم کچھ سمجھے نہیں۔"

ارمانہ کی مسکراہٹ انہیں الجھن میں ڈال رہی تھی۔ حسرت نے کہا۔ "فہمی میرے لئے بہت معصوم ہے۔ وہ دلہن بن کر میرے پاس آئی تو میں نے اسے طلاق دے دی۔"

وہ دونوں ایک بار پھر چونک گئے۔ سجاد نے حیرت سے پوچھا۔ "طلاق دے دی .... کیوں؟"

وہ بولا۔ "جو شادی اور ازدواجی رشتے کو نہ سمجھتی ہو' جو طلاق کو نہ سمجھتی ہو' جو اپنی

گونگی بہری دنیا میں جذبات سے خالی ہو‘ بالکل معصوم ہو‘ اسے معصوم ہی رہنا چاہئے۔“

پھر وہ فہمی کی تصویر پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیر کر بولا۔ ”یہ معصوم ہے‘ پاکیزہ ہے‘ اس کے آنچل پر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔“

سجاد اس کی باتوں سے متاثر ہو کر بڑے پیار سے فہمی کی تصویر کو دیکھنے لگا۔ معصوم سی ہنستی ہوئی فہمی اس کے دل میں اتر رہی تھی‘ اسے نئے جذبوں سے آشنا کر رہی تھی۔ ثمینہ میز پر بکھری ہوئی تصویروں میں سے نفاست کی تصویر کو اٹھا کر دیکھ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت دو آنسو کے قطرے اس کے رخساروں پر پھسل گئے۔ ارمانہ نے چونک کر پوچھا۔ ”ثمینہ! تم رو رہی ہو؟“

حسرت اور سجاد بھی اسے دیکھنے لگے۔ حسرت نے پوچھا۔ ”کیا ہوا؟“

وہ چہرہ پونچھ کر بولی۔ ”کچھ نہیں .... بس یہ سوچ رہی تھی کہ ابو بہت پریشان ہو رہے ہوں گے۔ میرا دل کہتا ہے آج انہیں نیند نہیں آئے گی۔ کل ان کے لئے قیامت کا دن ہے۔“

حسرت اس کے جذبات کو سمجھتے ہوئے بولا۔ ”تم ناحق پریشان ہو رہی ہو۔ انہوں نے جو کیا ہے‘ اس کا کوئی تو نتیجہ نکلنا ہی تھا۔“

سجاد نے کہا۔ ”ہم ان کے لئے افسوس کر سکتے ہیں لیکن انہیں ان کے انجام سے بچا نہیں سکتے۔ عین ممکن ہے‘ کل دادا جان ان سے تمام اختیارات چھین لیں!“

ثمینہ نے پریشان ہو کر حسرت کی طرف دیکھا۔ وہ سجاد کی تائید میں بولا۔ ”یہ بھی ممکن ہے کہ دادا جان انہیں گھر چھوڑ کر جانے کا حکم دے دیں۔ بیس برس پہلے ڈیڈی نے بڑے ابو کو گھر چھوڑ کر جانے پر مجبور کیا تھا۔ کل ان کے ساتھ بھی یہی ہو سکتا ہے۔“

وہ پریشان ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ کوئی ایسا راستہ سوچنے لگی جس کے باعث باپ کی کم سے کم بے عزتی ہوتی۔ پھر اس نے چونک کر حسرت سے پوچھا۔ ”بھائی! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ دادا جان بند کمرے میں ابو کا محاسبہ کریں۔ انہیں سزا دیں‘ جو چاہیں‘ کریں لیکن سب کے سامنے ابو کی توہین نہ کریں۔“

حسرت نے بڑے پیار سے اسے دیکھ کر کہا۔ ”کیوں ان کے لئے پریشان ہو رہی ہو؟ وہ بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ اپنے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی تدبیر کر چکے ہوں گے۔“

حسرت درست کہہ رہا تھا۔ وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر نکالنا چاہتا تھا۔ فراز ایسا مہرہ تھا جو ہاری ہوئی بازی اسے جتا سکتا تھا۔ مگر زیبی اس کے پاس سے نامراد واپس آئی تھی۔

وہ غصے میں تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں جا رہی تھی۔ نیچے لابی میں عالیہ نے آ کر اسے دیکھ کر کہا۔ ”زیبی! رکو۔“

وہ ٹھٹک گئی‘ اوپر جاتے جاتے رک گئی۔ ریلنگ پر جھک کر اسے دیکھنے لگی۔ عالیہ نے پوچھا۔ ”فراز سے ملاقات ہوئی؟“

وہ ذرا ناگواری سے بولی۔ ”ہاں .... شاید آخری ملاقات ہو!“

اسد نے وہاں آ کر پوچھا۔ ”کیا اس نے تمہاری بات مانی؟“

زیبی نے چونک کر سوالیہ نظروں سے عالیہ کو دیکھا۔ وہ جانے سے پہلے عالیہ کو یہ بتا کر گئی تھی کہ نفاست نے اسے کیا مشورہ دیا تھا اور وہ فراز سے یہی بات منوانے جا رہی ہے لیکن وہ عالیہ کو تاکید کر کے گئی تھی کہ اسد کو اس بات کا علم نہ ہو۔ وہ فراز کی حمایت میں ہی بولے گا۔

اسد نے ان دونوں کی نظروں کے مفہوم کو سمجھتے ہوئے کہا۔ ”یہ بات مجھ سے چھپا کر تمہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور بتا کر بھی نہیں ہو سکتا۔ اب تم یہ بتاؤ‘ اس نے تمہاری بات مانی یا نہیں؟“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ”نہیں۔“

اسد نے عالیہ سے کہا۔ ”میں نے کہا تھا نا کہ وہ سیدھی اور سچی باتیں مانتا ہے‘ وہ زیبی کی یہ بات نہیں مانے گا۔“

پھر اس نے زیبی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ڈیڈی نے‘ تم نے‘ ہم نے اسے سجاد بننے پر مجبور کیا تھا۔ اب وہ ڈیڈی کو بچانے کے لئے یہ کیوں کہے گا کہ ہم سب بے قصور ہیں اور وہ دادا جان کو دھوکا دینے والا جھوٹا فریبی ہے۔ ایسا کرنے سے اس کا مستقبل داؤ پر لگ جائے گا۔ جیل میں سزائیں بھگتتا رہے گا۔“

زیبی نے کہا۔ ”اگر وہ ہماری بات مان لے گا تو کیا ڈیڈی اسے سزا سے نہیں بچائیں گے؟“

عالیہ نے مداخلت کی۔ ”زیبی! برا نہ ماننا۔ انکل اسے صرف ایک مہرہ سمجھتے ہیں۔“

نفاست اپنے بیڈ روم سے نکل کر نیچے لابی میں آنا چاہتا تھا مگر عالیہ کی آواز سن کر ٹھٹک گیا۔ اس نے ریلنگ پر جھک کر نیچے کی طرف دیکھا تو وہ تینوں سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہو کر باتیں کر رہے تھے۔ وہ ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ وہاں رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ تا کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ وہ فون پر باتیں کر رہا

ہے۔

وہ عالیہ کی بات سن کر چونک گیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "انکل نہیں جانتے کہ فراز ان کا داماد بھی ہے۔ وہ ایک معمولی مہرے کو نہیں بچائیں گے۔ جب انہیں یہ معلوم ہو گا کہ تم اس سے شادی کر چکی ہو تو وہ مہرہ بننے والے ایک غریب داماد کو کبھی گلے نہیں لگائیں گے۔ اس کے مجرم بننے اور جیل جانے کا تماشہ دیکھیں گے۔"

زیبی نے غرا کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ تمہیں احساس ہے کہ تم ڈیڈی کے خلاف بول رہی ہو؟"

عالیہ نے جواباً کہا۔ "جب تمہیں معلوم ہوا تھا کہ وہ تمہیں کینسر کے مریض کے حوالے کرنا چاہتے ہیں تو تم بھی ان کے خلاف بول رہی تھیں۔ خلاف بولنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ان کی عزت نہیں کرتے ہیں۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ کبریٰ چند مہمان خواتین کے ساتھ وہاں سے گزر کر ڈرائنگ روم کی طرف جا رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر مسکرانے لگی ان تینوں نے بھی جواباً اسے مسکرا کر دیکھا۔ مہمان خواتین پر یہ تاثر قائم کرنا تھا کہ وہ سب خوش حال ہیں۔

وہ چلی گئیں تو اسد نے کہا۔ "عزت بے عزتی کی بحث میں الجھنے کے بجائے یہ بتاؤ' فراز کہاں ہے؟"

زیبی نے ناگواری سے کہا۔ "جہنم میں ہے۔"

عالیہ نے اسے ٹوکا۔ "زیبی! یہ کیا کہہ رہی ہو؟ وہ تمہارا شوہر ہے۔"

وہ حقارت سے بولی۔ "اونہہ .... شوہر .... میں نے صاف صاف کہہ دیا ہے۔ اگر اس نے صبح تک ہماری بات نہ مانی تو میں اُس سے طلاق لے لوں گی۔"

ان دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ اسد نے غصے سے پوچھا۔ "زیبی! تم ہوش میں تو ہو؟ یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں ہوش میں ہوں۔ کل ہمارے ڈیڈی تمام کاروباری اختیارات سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ فراز کی وجہ سے ہو گا۔ کروڑوں کی آمدنی کے ذرائع ڈیڈی سے چھین لئے جائیں گے۔ یہ فراز کی ضد اور خودغرضی سے ہو گا۔ کیا میں ایسے خودغرض کے ساتھ زندگی گزاروں گی؟ وہ خود تو مفلس اور کنگال ہے' ہمیں بھی کنگال بنانا چاہتا ہے .... شٹ۔"

ان دونوں نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر

اوپر جانے لگی۔ نفاست اس کے قدموں کی آہٹ سن کر تیزی سے اپنے بیڈ روم میں گھس گیا۔ زیبی کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ واقعی اس کی بیٹی ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔

کبریٰ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ چہرے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "مہمانوں سے باتیں بنا بنا کر میرا تو جبڑا دکھنے لگا ہے۔ جسے دیکھو یہی پوچھتا ہے' مہندی کی رسم نہیں ہو گی' مایوں کب بٹھاؤ گی؟ دولہا کہاں ہے؟ آج تو جاگتے جاگتے ہی رات گزر جائے گی۔"

مراد اندر داخل ہوا تو نفاست ٹہل رہا تھا۔ کبریٰ نے پوچھا۔ "آ گئے تم۔"

"جی' فراز کو میں نے ہر ممکن جگہ تلاش.........."

کبریٰ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "اب اسے تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھنے لگا۔ وہ اسے بتانے لگی۔ "فراز نے زیبی کو فون کیا تھا۔ وہ اس سے ملنے گئی تھی۔ ابھی آئی ہے۔ میں اس سے باتیں کرنے گئی تھی' وہ واش روم میں ہے۔"

نفاست ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ زیبی کی حقیقت انہیں بتائے یا نہیں؟ کبریٰ نے مراد سے پوچھا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ اصلی سجاد ہو گا؟"

وہ بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا' کسی نے ڈیڈی کو فون کیا۔ خود کو سجاد کہہ کر فون بند کر دیا۔"

کبریٰ بولی۔ "فراز نے زیبی کو فون پر بتایا ہے کہ اس سجاد کے پاس ٹھوس ثبوت ہیں۔ ارمانہ اور فراز یقین کرنے کے بعد ہی کہیں جا کر چھپ گئے ہیں۔"

وہ تعجب سے بولا۔ "اچھا .... پھر تو یقین کرنا ہی پڑے گا کہ اصلی سجاد آ چکا ہے۔"

وہ بولی۔ "تمہارے ڈیڈی نے اچھی تدبیر سوچی ہے۔ زیبی کے ذریعے فراز کو پیغام بھجوایا ہے کہ وہ ابا جان کو فون پر بتائے کہ اس نے ہی ہم سب کے ساتھ فراڈ کیا ہے۔ وہ دولت کے لالچ میں ہمیں بے وقوف بناتا رہا ہے اور اصلی سجاد کے آ جانے سے کہیں روپوش ہو گیا۔ فراز سارا الزام اپنے سر لے لے گا تو پھر تمہارے ڈیڈی پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

مراد نے خوش ہو کر نفاست کو دیکھا۔ پھر کبریٰ سے کہا۔ "وہ میری بہن ہے۔ اس

سے امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ فراز کو راضی کر لے گی۔"

نفاست ٹھٹک گیا۔ ایک جگہ رُک کر بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔ "وہ راضی نہیں ہے' زیبی مایوس ہو کر واپس آئی ہے۔"

دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ کبریٰ ناگواری سے بولی۔ "نمک حرام .... اتنے دنوں تک ہمارا نمک کھاتا رہا' یہاں عیش کرتا رہا' زیبی کے ساتھ لاکھوں روپے کی شاپنگ کرتا رہا۔ اب آزمائش کا وقت آیا ہے تو نمک حرامی دکھا رہا ہے۔"

نفاست ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ مراد دانت پیس کر بولا۔ "وہ ذلیل ذرا میرے سامنے تو آئے میں اس کی بچی ہوئی سانسوں کو ایک بار ہی نچوڑ ڈالوں گا۔"

نفاست تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ہماری بیٹی نے اسے بہت زیادہ سر پر چڑھا رکھا تھا۔ ہم اس کی شادی کرنے والے تھے لیکن وہ پہلے ہی اس سے چھپ کر شادی کر چکی ہے۔"

ان دونوں نے شدید حیرانی سے نفاست کو دیکھا۔ کبریٰ نے پوچھا۔ "یہ .... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ ایک مریض سے چھپ کر شادی کیوں کرلے گی؟ آپ کو ضرور کسی نے غلط اطلاع دی ہے۔ میں ابھی زیبیٰ سے پوچھتی ہوں۔"

وہ پلٹ کر جانا چاہتی تھی۔ نفاست نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو' یہ اطلاع غلط نہیں ہے۔ میں نے زیبی کی زبان سے سنا ہے۔"

مراد غصے سے بولا۔ "آپ نے اس کی زبان کیوں نہیں کھینچی؟"

نفاست نے کہا۔ "مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ وہ مجھ پر جان قربان کرنے والی بیٹی ہے۔"

کبریٰ ہاتھ نچا کر بولی۔ "شکایت کیوں نہیں ہے؟ اتنا بڑا کام ہم سے چھپ کر کیا ہے۔ وہ غلطی کرے گی تو کیا ہم چپ رہیں گے؟"

وہ اسے سمجھانے لگا۔ "غلطیاں ہم سے بھی ہوتی ہیں۔ وہ اپنی غلطی کو سمجھ رہی ہے۔ اگر فراز ہماری بات نہیں مانے گا' صبح ہونے تک تمام الزامات اپنے سر نہیں لے گا تو زیبی اس سے طلاق لے لے گی۔"

مراد نے اور کبریٰ نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ فخر سے گردن اٹھا کر بولا۔ "یہ ہے ہماری بیٹی .... باپ کی خاطر شوہر کو ٹھوکر مار سکتی ہے۔"

کبریٰ نے کہا۔ "اس کی بات کریں' جو ہماری بات ٹھکرا رہا ہے۔ اُسے کیسے راضی

کیا جائے گا؟"

نفاست نے کہا۔ "زیبی نے اسے طلاق لینے کی دھمکی دی ہے اور مجھے یقین ہے وہ طلاق نہیں دے گا۔ صبح تک ہماری بات مان جائے گا۔"

مراد نے کہا۔ "ڈیڈی! تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھنا چاہئے۔ اگر وہ راضی نہ ہوا تو؟"

نفاست نے مایوسی سے اسے اور کبریٰ کو دیکھا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "پھر تو مجھے بھی یہ گھر چھوڑ کر جانا ہوگا۔"

کبریٰ اور مراد نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ "مجھے روپوش رہنا ہوگا۔ جب تک اباجان معاف نہیں کریں گے میں یہاں واپس نہیں آسکوں گا۔"

کبریٰ حقارت سے بولی۔ "اس کم بخت سجاد کے آجانے سے یہ سب مسائل سامنے آرہے ہیں۔ خدا اسے اس گھر میں آنے سے پہلے اپنے گھر بلا لے۔"

نفاست ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "آج سے بیس برس پہلے ہم نے بھائی جان کو یہاں سے نکالا تھا۔ آج ان کا بیٹا مجھے یہاں سے نکل جانے پر مجبور کرنے آرہا ہے۔"

وہ تینوں پریشان تھے' راہِ فرار ڈھونڈ رہے تھے۔ ایسے وقت فون کی گھنٹی نے انہیں چونکا دیا۔ نفاست ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو۔"

دوسری طرف ایک نسوانی آواز نے بڑے دکھی لہجے میں پوچھا۔ "آپ .... آپ جاگ رہے ہیں؟"

نفاست نے تعجب سے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

کبریٰ اور مراد سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ دوسری طرف کی باتیں سن رہا تھا۔ پوچھا گیا۔ "آپ بہت پریشان ہیں؟"

نفاست نے چونک کر کبریٰ کو دیکھا پھر حیرانی سے فون پر کہا۔ "آں .... ہاں لیکن تم کیسے جانتی ہو؟"

دوسری طرف سے پریشانی سے کہا گیا۔ "میرے خدایا! میں آپ کے لئے کیا کروں؟"

نفاست نے حیران ہو کر اپنے ریسیور کو دیکھا۔ کبریٰ نے پوچھا۔ "کس کا فون ہے؟"

وہ ریسیور کان سے لگا کر بولا۔ "پتہ نہیں کون ہے؟ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے۔"

دوسری طرف ثمینہ ریسیور کان سے لگائے نفاست کی آواز سن کر رونے لگی تھی۔

پھر اس نے ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔

مراد نے نفاست سے کہا۔ "کوئی رانگ نمبر لگا ہو گا؟"

رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ وہ حیران بھی تھا اور پریشان بھی تھا۔ کبریٰ ہاتھ بڑھا کر بولی۔ "لائیں .... فون مجھے دیں۔"

وہ بولا۔ "فون بند ہو چکا ہے۔"

اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ گہری سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ فون کرنے والی کون تھی؟ وہ کون تھی جو اس کی پریشانی پر پریشان ہو رہی تھی۔ وہ جھنجلا کر بولا۔ "کتنی بار مراد سے کہا ہے' اس میں سی ایل آئی لگوائے۔ معلوم تو ہو کہ ہم کس کا فون اٹینڈ کر رہے ہیں؟"

مراد جھکائے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ نفاست نے پوچھا۔ "کیا سوچ رہے ہو؟ کیا تمہیں کسی پر شبہہ ہے؟"

وہ سر اٹھا کر بولا۔ "نہیں ڈیڈ! یہ اتنی اہم بات نہیں ہے۔ میں تو کچھ اور سوچ رہا ہوں۔"

کبریٰ اور نفاست نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا' وہ بولا۔ "ڈیڈی! آپ چاہتے ہیں کہ فراز دادا جان کو فون کرے اور انہیں یقین دلائے کہ وہ سجاد بن کر آپ کو بھی دھوکا دیتا رہا ہے' مگر آپ اس کے فراڈ سے بے خبر رہے ہیں؟"

وہ اس کی تائید میں بولا۔ "ہاں' فراز کو ابا جان سے یہ سب کچھ کہنا چاہئے۔"

وہ ان دونوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے۔"

وہ بغور سننے لگے۔ وہ بولا۔ "میں دادا جان کو فون کروں گا۔ فراز کی آواز بنا کر جھوٹ اور فراڈ کے بارے میں بتاؤں گا اور انہیں یقین دلاؤں گا کہ آپ اس فراڈ سے بے خبر ہیں۔ میں اور میری بہن آپ کو بھی دھوکا دے رہے ہیں۔"

کبریٰ تعریفی نظروں سے اپنے بیٹے کو دیکھنے لگی۔ نفاست کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "ہوں .... آئیڈیا اچھا ہے۔ تم یوں کرو' فراز بن کر نہیں' سجاد بن کر فون کرو۔"

اس نے پوچھا۔ "وہ کس لئے؟"

نفاست نے کہا۔ "ہاں .... وہ جو اصلی سجاد آیا ہے۔ ابا جان اس کی آواز نہیں پہچانتے۔ تم ان سے کہو کہ ان کے گھر میں نقلی سدرہ اور سجاد گھس آئے ہیں۔ آپ کی طرح آپ کا بیٹا نفاست علی بھی ان سے دھوکا کھا رہا ہے۔"

کبریٰ خوش ہو کر بولی۔ "ہاں .... یہ ٹھیک رہے گا۔"

مراد سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "دادا جان کے ٹیلی فون میں سی ایل آئی لگا ہوا ہے۔ میں باہر جا کر پی سی او سے فون کروں گا۔"

کبریٰ نے نفاست سے کہا۔ "یہ تدبیر آپ کے دماغ میں نہیں آئی تھی۔ خواہ مخواہ فراز کی خوش آمد کر رہے تھے۔ دیکھ لیں .... میرا بیٹا کتنا ذہین ہے؟ بالکل مجھ پر گیا ہے۔"

نفاست نے کہا۔ "اس وقت صبح کے چار بجے ہیں۔ ابھی وہ سو رہے ہوں گے۔ فی الحال انہیں پریشان کرنا مناسب نہیں ہے۔ ایک گھنٹے میں وہ اٹھ جائیں گے۔ تب تم انہیں کسی پی سی او سے فون کرنا۔"

کبریٰ نے کہا۔ "اگر پی سی او بند ہوا تو؟"

مراد نے کہا۔ "میں باہر جا کر دیکھتا ہوں۔ اگر دکانیں بند ہوئیں تو اپنے کسی دوست سے اس کا موبائل فون لے آؤں گا۔"

وہ اٹھ کر تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆======☆======☆

عبادت علی معمول کے مطابق صبح کاذب کے وقت اٹھ چکے تھے۔ فجر کی نماز پڑھنے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے لئے وضو کر رہے تھے۔ ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے چونک کر کمرے میں دیکھا۔ پھر وضو مکمل کر کے واش روم سے باہر آئے۔ ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر بولے۔ "ہیلو .... ہم ہیں عبادت علی شاہ۔"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ "اور میں ہوں آپ کا پوتا' سید سجاد علی شاہ۔"

وہ پریشان ہو کر بولے۔ "تم نے اتنی صبح فون کیا ہے؟ خیریت تو ہے؟"

دوسری طرف سجاد ریسیور کان سے لگائے بول رہا تھا۔ "میں وہ سجاد نہیں ہوں جو کل تک آپ کے گھر میں تھا' اب نہیں ہے۔ اپنی بہن کے ساتھ آپ کے گھر سے جا چکا ہے۔"

انہوں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو' تم کون ہو؟"

وہ بولا۔ "میں آپ کا اصلی پوتا ہوں۔ اب تک آپ کے سامنے جو سدرہ اور سجاد تھے' وہ نقلی تھے۔ نفاست چچا نے کمپیوٹر کے ذریعہ ان نقلی بہن بھائی کو اصلی بنا کر پیش کیا تھا۔ وہ آپ کو دھوکا دیتے رہے تھے۔ میرے یہاں آتے ہی وہ نقلی کردار جا چکے ہیں۔ یقین نہ ہو تو آپ پوری کوٹھی میں دیکھ لیں۔ وہ نظر نہیں آئیں گے۔"

عبادت علی حیرت سے اور بے یقینی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کیا جا رہا ہے۔ وہ بولے۔ ”ہم ابھی انہیں بلائیں گے۔ تم خود کو اصلی سجاد کہہ رہے ہو۔ اگر وہ پہلے دھوکے باز نکلے تو ہم دوسرے پر بھی بھروسہ نہیں کریں گے۔“

سجاد نے کہا۔ ”بیس برس پہلے میرے ابو آپ کے اہم کاغذات اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ وہ آپ کے کاروباری ڈاکومنٹس ہیں۔ سدرہ کے آم کے باغات کی دستاویزات ہیں۔ آپ نے لندن سے ابو کو کاروباری خطوط لکھے تھے۔ انہیں بھی میں اپنے ساتھ لاؤں گا۔“

وہ قائل ہو کر بولے۔ ”بے شک‘ یہ ٹھوس ثبوت ہیں۔ ہم دیکھنا چاہیں گے۔ تم ابھی ہمارے پاس چلے آؤ۔“

وہ بولا۔ ”میں دشمنوں کے بارہ بجانے کے لئے دن کے ٹھیک بارہ بجے آؤں گا۔ اس سے پہلے چاہتا ہوں‘ آپ چچا جان کا محاسبہ کریں۔ وہ نقلی سجاد کو پیش کر کے میرے حصے کی جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ آپ کے کاروبار میں میرے ابو کے شیئرز ہیں۔ وہ ان تمام شیئرز کو اپنے نام کرنا چاہتے تھے۔“

انہیں نفاست علی کی اصلیت کا پتہ چل رہا تھا۔ جسے سن کر انہیں حیرت بھی ہو رہی تھی اور غصہ بھی آ رہا تھا۔ سجاد بولا۔ ”میرے ابو نے معمولی چوری کا الزام اٹھایا تھا۔ آپ چچا جان کو کروڑوں روپے کی چوری کرنے کی کیا سزا دیں گے؟ میں آپ کا انصاف دیکھنا چاہتا ہوں۔ خدا حافظ!“

رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ وہ حیرت سے اپنے فون کو دیکھنے لگے۔ کچھ عجیب سی صورت حال سامنے آ رہی تھی۔ انہوں نے بڑے صدمے سے سوچا۔ ”فراڈ سدرہ اور سجاد؟ نفاست ہم سے فراڈ کر رہا ہے؟“

ایسے وقت اذان کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے جائے نماز بچھاتے ہوئے زیر لب کہا۔ ”یاخدا! ہم کس پر بھروسہ کریں؟ ہم تیرے سامنے دست بستہ آ رہے ہیں‘ ہمیں اندھیرے سے نکال .... ہمیں روشنی دے .... ہمیں پہچان دے۔“

یہ کہہ کر انہوں نے نیت باندھی اور ہاتھ بلند کر کے عبادت میں مشغول ہو گئے۔ سجاد‘ مراد سے بھی زیادہ تیز نکلا تھا۔ وہ چنگاری پھینک چکا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا آگ کیسے بھڑکتی ہے اور شعلے کس کی طرف لپکتے ہیں؟

مراد تیزی سے چلتا ہوا کبریٰ کے بیڈ روم میں آیا۔ اس نے پوچھا۔ ”کیا ہوا‘ فون کر کے آئے ہو؟“

مراد نے ایک موبائل فون انہیں دکھاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں .... یہ میں اپنے دوست سے لے کر آیا ہوں۔ دادا جان کے ٹیلیفون میں سی ایل آئی ہے۔ وہ اس موبائل کا نمبر پڑھ کر سمجھ نہیں پائیں گے کہ میں ان سے باتیں کر رہا ہوں۔“

نفاست نے زیبی سے کہا۔ ”زیبی! پہلے تم فراز سے معلوم کرو‘ وہ ہماری بات مان رہا ہے یا نہیں؟“

کبریٰ نے ناگواری سے کہا۔ ”اب اس سے رابطہ کرنا کیا ضروری ہے؟ لعنت بھیجیں اس کم بخت پر۔ آپ پہلے ابا جان کو فون کریں۔“

نفاست نے گھور کر اسے دیکھا پھر کہا۔ ”تم میری حکمت عملی نہیں سمجھ سکتیں تو خاموش رہا کرو۔ چلو زیبی! اس کا نمبر ملاؤ۔“

زیبی ریسیور کان سے لگا کر فراز کا موبائل نمبر پنچ کرنے لگی پھر رابطہ ہونے پر بولی۔ ”ہیلو .... میں زیبی بول رہی ہوں۔“

فراز اس کی آواز سن کر مسکرا کر بولا۔ ”تم ناراض ہو کر گئی تھیں؟ اتنی صبح فون کر رہی ہو‘ خیریت تو ہے؟“

”میں نے کہا تھا کہ تم میری بات مان لو گے‘ صبح تک دادا جان کو فون کرو گے اور ڈیڈی کو الزامات سے بچاؤ گے تو میں تم سے طلاق نہیں لوں گی۔“

وہ خوش ہو رہا تھا کہ شاید زیبی کے سر سے طلاق کا بھوت اتر چکا ہے۔ اس کی محبت نے اسے فون کرنے پر مجبور کیا ہے مگر اس کی باتوں نے فراز کے ہونٹوں پر آئی مسکراہٹ چھین لی۔ وہ مایوس ہو کر بولا۔ ”اوہ .... تم ابھی تک اسی بات پر اڑی ہوئی ہو۔“

”تم بولو .... ساتھ دو گے یا طلاق دو گے؟“

”شریف زادیوں کی زبان پر طلاق کا لفظ نہیں آتا اور تم بار بار طلاق لینے کی دھمکی دے رہی ہو۔ تم کیسی بیوی ہو‘ باپ کی ناجائز حمایت کر رہی ہو؟ فراڈ کے الزام میں پولیس کو میرے پیچھے لگانا چاہتی ہو۔ پلیز زیبی! ہوش میں رہ کر سوچو اور ایک اچھی ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے میرے پاس چلی آؤ۔“

وہ حقارت سے بولی۔ ”زیادہ باتیں نہ بناؤ‘ صرف اتنا بتا دو میری بات مان کر ابھی دادا جان سے فون پر بات کرو گے یا نہیں؟“

"نہیں۔"

زیبی غصے سے اور ناگواری سے بولی۔ "شٹ .... میں اس کام کے لئے تمہاری خوشامد نہیں کروں گی۔ تمہاری حیثیت ہی کیا ہے؟ میں دودھ کی مکھی کی طرح تمہیں اپنی زندگی سے نکال پھینکوں گی۔"

اس نے ناگواری سے ریسیور پٹخ دیا۔ نفاست اور کبریٰ خوش ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

مراد نے کہا۔ "بات سمجھ میں آ گئی ہے' وہ کم بخت ساتھ نہیں دے گا۔"

"تم ابا جان کو فون کرو۔"

وہ دوست کے موبائل فون پر عبادت علی کا نمبر پنچ کرنے لگا۔ پھر اُسے کان سے لگا کر رابطے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے نفاست سے کہا۔ "وہاں بیل جا رہی ہے دادا جان فون اٹینڈ نہیں کر رہے ہیں۔"

نفاست پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ عبادت علی کا فون اٹینڈ نہ کرنا اسے اندیشوں میں مبتلا کر رہا تھا۔ چور کی داڑھی میں تنکا ہل رہا تھا کہ شاید انہیں تمام کارروائی کا علم ہو چکا ہے۔ پھر اس نے چونک کر دیوار گیر گھڑی کو دیکھ کر ان تینوں سے کہا۔ "ہماری عقل کو کیا ہو گیا ہے؟ فون بند کرو۔ ہم بھول رہے ہیں کہ ابا جان اس وقت عبادت میں مصروف ہوں گے۔ آدھے گھنٹے بعد فون کرو۔"

اس نے موبائل فون میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی آیا۔"

زیبی' فراز کا انکار سن کر غصے سے کھول رہی تھی۔ وہ شوہروں والا رویہ اختیار کر رہا تھا۔ زیبی کو اپنی انسلٹ محسوس ہو رہی تھی۔ محبت کے رشتے میں انا کی دیوار حائل ہو جائے تو بنے بنائے گھر اور رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ وہ دل برداشتہ ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اسے تنہائی کی ضرورت تھی۔

عبادت علی ذہنی طور پر الجھے ہوئے تھے' پریشان تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگ رہے تھے۔ "اے پاک پروردگار! ہم سخت الجھن میں ہیں۔ اپنی پوتی اور پوتے کی پہچان مشکل ہو گئی ہے۔ ہمیں گمراہ کیا جا رہا ہے۔ تُو بڑا کارساز ہے۔ ہمیں سیدھے راستے پر لے جا' جہاں ہمارے خون کے سچے رشتے ہیں۔ ہمیں گمراہ کرنے والوں سے بچا۔ پروردگار! آمین ثم آمین!"

وہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر اٹھ گئے' جائے نماز ایک طرف رکھتے ہوئے فون کے قریب آئے۔ انہوں نے ریسیور اٹھا کر ایک بٹن دبایا۔ پھر نمبر پڑھ کر زیر لب بڑبڑائے۔ "یہ کس

کا موبائل نمبر ہے؟"

دوسری طرف نفاست واش روم میں تھا۔ کبریٰ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ زیبی کی حرکت کانٹے کی طرح دل میں چبھ رہی تھی۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ بیٹی یوں چھپ کر شادی کر لے گی۔ ایسے ہی وقت موبائل کا بزر سنائی دیا۔ یہ وہی موبائل فون تھا جسے مراد اپنے دوست سے لایا تھا۔ کبریٰ نے بے خیالی میں اسے آن کر کے کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو .... کون ہے؟"

عبادت علی ریسیور کان سے لگائے چونک کر بولے۔ "ہیلو .... تم .... بہو بیگم؟"

مراد دروازہ کھول کر اندر آیا۔ کبریٰ موبائل فون کان سے لگا کر کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے خوشی سے بولی۔ "ابا جان کا فون ہے .... یہ لو۔"

مراد نے تیزی سے آگے بڑھ کر فون آف کرتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔ "ممی! یہ آپ نے کیا کیا؟"

کبریٰ نے چونک کر فون کی طرف دیکھا۔ اسے اب اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولی۔ "پتہ نہیں .... میں کس خیال میں تھی؟ یہ تو گڑبڑ ہو گئی۔"

نفاست نے واش روم سے باہر آتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

کبریٰ نے پریشان ہو کر مراد کی طرف دیکھا۔ وہ بولا۔ "دادا جان نے کال بیک کی تھی۔ ممی نے بے خیالی میں انہیں اپنی آواز سنا دی۔"

نفاست نے جھنجلا کر کبریٰ کو گھورا۔ وہ سہم کر مراد کی آڑ میں چھپتے ہوئے بولی۔ "سوری .... غلطی ہو گئی۔"

وہ تیز لہجے میں بولا۔ "ایک غلطی اور کرو .... یہ موبائل میرے سر پر دے مارو۔ تقدیر تو پھوٹ ہی رہی ہے' سر بھی پھوڑ ڈالو۔"

پھر اس کی طرف بڑھتے ہوئے غرایا۔ "تم نے فون کو ہاتھ کیوں لگایا؟"

مراد اسے روکتے ہوئے بولا۔ "پلیز ڈیڈ! ممی نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہے۔"

ایسے ہی وقت عبادت علی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ ان تینوں نے چونک کر انہیں دیکھا۔ انہوں نے کبریٰ سے پوچھا۔ "نماز کے وقت فون کرنا ضروری تھا؟ تم ہمارے کمرے میں نہیں آ سکتی تھیں؟"

مراد جلدی سے بولا۔ "دادا جان! میں نے فون کیا تھا۔ مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ یہ نماز کا وقت ہے۔"

وہ بولے۔ "کبھی نماز پڑھو گے تو یاد رہے گا۔ کس لئے فون کیا تھا؟"

نفاست نے کبریٰ اور مراد کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ مراد نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"وہ .... یہ فون میں نے اپنے دوست سے لیا ہے۔ اسے آزما رہا تھا۔ یونہی آپ کا نمبر ڈائل کر دیا تھا۔"

عبادت علی نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے نفاست کو دیکھا۔ وہ نظریں چرا رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا۔ "سدرہ اور سجاد کہاں ہیں؟"

ان تینوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایک پل میں یوں لگا جیسے ڈھول کا پول کھل گیا ہے۔ نفاست نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "وہ .... اپنے .... کمرے میں ہوں گے۔"

عبادت علی نے مراد سے کہا۔ "مراد! جاؤ .... انہیں بلا کر لاؤ۔"

مراد نے سوالیہ نظروں سے باپ کو دیکھا۔ لگ رہا تھا' آج شامت آ گئی ہے۔ مراد کچھ سوچ کر بولا۔ "وہ .... دادا جان! وہ .... کمرے میں نہیں ہیں۔"

انہوں نے تعجب سے پوچھا۔ "تو پھر کہاں ہیں؟"

وہ بولا۔ "وہ روز صبح جوگنگ کے لئے جاتے ہیں۔"

کبریٰ لاجواب سی ہو کر اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بڑی ذہانت سے بگڑی ہوئی بات سنبھال رہا تھا۔ عبادت علی ایک ایک کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "ہم محبت میں اندھے ہو جاتے ہیں۔ تمہارا بھائی شفاعت علی یہاں سے اہم دستاویزات لے گیا تھا۔ سدرہ کے آم کے باغات کے کاغذات بھی تھے۔ ہمیں یہ سب کچھ سجاد سے طلب کرنا چاہئے تھا۔ تعجب ہے' تم نے بھی ٹھوس ثبوت کے بغیر انہیں سدرہ اور سجاد تسلیم کر لیا؟"

نفاست نے پریشان ہو کر کبریٰ کی طرف دیکھا۔ پھر اٹکتے ہوئے کہا۔ "میں .... میں نے سوچا .... بھائی جان اور بھابی جان کا انتقال ہو چکا ہے۔ بیس برس پرانے کاغذات ان کے پاس کہاں سے آئیں گے؟ یہ تو بیچارے باپ کے سائے سے محروم ہو کر آئے ہیں۔"

نفاست کو یوں محسوس ہو رہا تھا' جیسے عبادت علی اس کا محاسبہ کر رہے ہیں؟ تمام حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں اور اسی وقت اس سے تمام اختیارات چھیننے والے ہیں۔

مراد نے کہا۔ "دادا جان! آپ نے انہیں ٹھوس ثبوت کے بغیر گلے لگایا تو ہم نے بھی گلے لگا لیا۔"

وہ تیز لہجے میں بولے۔ "ہم اندھے کنوئیں میں کودنے جا رہے ہیں۔ ہمارے ساتھ چلو گے؟ ہم اور غلطیاں کرنے والے ہیں۔ ہمارے ساتھ غلطیاں کرو گے؟"

نفاست بوکھلا کر بولا۔ "وہ .... وہ دونوں ابھی آئیں گے تو میں ان کا سختی سے محاسبہ کروں گا۔"

وہ بولے۔ "وہ جیسے ہی آئیں' انہیں ہمارے پاس لاؤ۔"

یہ حکم دے کر وہ پلٹ کر چلے گئے۔ کبریٰ' نفاست اور مراد کے قریب آ کر رازدارانہ انداز میں بولی۔ "ابا جان سدرہ اور سجاد پر شبہہ کر رہے ہیں۔"

نفاست سوچتے ہوئے بولا۔ "معلوم ہوتا ہے' انہیں اصلی سجاد کے بارے میں کچھ معلوم ہو چکا ہے؟"

وہ اندازاً کہہ رہا تھا لیکن حقیقت میں انہیں کچھ نہیں' بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا۔

☆======☆======☆

فراز' زیبی کے رویے سے پریشان تھا۔ وہ ایک بے جا ضد پر اڑی ہوئی تھی۔ باپ کی اندھی حمایت میں اپنا گھر تباہ کرنے والی تھی' وہ اداس اداس سا زرینہ خاتون کی کوٹھی میں واپس آ گیا۔

ارمانہ ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ لگا رہی تھی۔ حسرت کہہ رہا تھا۔ "کل سے ہوٹل کا کھانا کھایا جا رہا ہے۔ یہ ناشتہ بھی ہوٹل کا ہے۔ اب گھر میں پکانے کا انتظام ہونا چاہئے۔"

ثمینہ نے وہاں آتے ہوئے کہا۔ "میں انتظام کر لوں گی۔"

ارمانہ نے صوفے پر بیٹھے ہوئے فراز اور سجاد کو آواز دی۔ "آ جائیں ناشتہ کر لیں۔"

وہ دونوں بھی کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ فراز کا بجھا ہوا چہرہ سب ہی کو تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔ ارمانہ نے سوالیہ نظروں سے حسرت کو دیکھا پھر فراز سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ بہت اداس دکھائی دے رہے ہو؟ زیبی سے ملاقات کیسی رہی؟"

سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ سجاد ناشتہ کر رہا تھا اور زیر لب مسکرا رہا تھا۔ فراز نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "حسرت نے ٹھیک کہا تھا۔ زیبی کو رازدار نہیں بنانا چاہئے۔ وہ بھروسے کے قابل نہیں ہے۔"

حسرت نے پوچھا۔ "کوئی بات ہو گئی؟"
وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "وہ کہہ رہی تھی' میں فراڈ کا سارا الزام اپنے سر لے لوں۔ اس طرح دادا جان کا اعتماد ڈیڈی پر قائم رہے گا۔"
حسرت نے چونک کر اسے دیکھا۔ ارمانہ نے پوچھا۔ "تم نے یہ نہیں کہا کہ دادا جان فراڈ کے الزام میں سخت سزا دلا سکتے ہیں؟"
وہ بولا۔ "اس کے ڈیڈی نے کہا ہے' مجھے بعد میں سزا سے بچا لیا جائے گا۔ جھوٹے وعدے' جھوٹے دلاسے' اس کے ڈیڈی کی نظروں میں میری حیثیت ہی کیا ہے؟ وہ مجھے الزام سے بچائیں گے تو دادا جان ان پر شبہہ کریں گے۔ وہ ایسی بے وقوفی نہیں کریں گے۔"
سجاد ان کی باتیں سن رہا تھا' ناشتہ کر رہا تھا اور مسکرا رہا تھا۔ حسرت نے فراز کی تائید میں کہا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو' وہ خود بچنے کے بعد تمہیں نہیں بچائیں گے۔"
ثمینہ نے فراز سے پوچھا۔ "آپ نے زیبی کی بات نہیں مانی۔ وہ ناراض ہو گی؟"
"ایسی ویسی ناراض؟ وہ مجھ سے طلاق لینا چاہتی ہے۔"
سب نے چونک کر شدید حیرانی سے فراز کو دیکھا۔ ارمانہ غصے سے بولی۔ "کیا وہ شادی کو کھیل تماشہ سمجھ رہی ہے؟"
وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "وہ مجھ جیسے غریب کے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔ اگر میں قربانی دیتا' اس کے ڈیڈی کی خاطر جیل چلا جاتا' تب میرا کیا بنتا؟ کیا وہ مجھے داماد تسلیم کر لیتے؟"
حسرت نے ثمینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میری بہن ہے' ہماری رگوں میں ایک ہی خون دوڑ رہا ہے۔ اس خاندان میں اسے کوئی بیٹی تسلیم نہیں کرے گا۔ تم تو پھر غیر ہو' تم سے کسی جائیداد کی امید بھی نہیں ہے۔"
سجاد نے پہلی بار مداخلت کی۔ "میری حکمت عملی سے پورا خاندان ثمینہ کو قبول کر لے گا۔ دادا جان اسے پوتی سمجھ کر اپنے کلیجے سے لگائیں گے۔"
فراز نے کہا۔ "میں بھی اس خاندان میں چور راستے سے داخل ہو رہا تھا۔ آپ کے آتے ہی ساری بازی الٹ گئی۔"
سجاد نے فراز سے کہا۔ "میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔ تم نے زیبی کی غلط بات تسلیم نہیں کی۔ اگر اس کی بات پر عمل کرتے تو ناکام رہتے۔ کیوں کہ میں دادا جان سے

فون پر بات کر چکا ہوں۔"
ثمینہ نے چونک کر پوچھا۔ "آپ نے ان سے کیا بات کی ہے؟"
"جو بھی کی ہے' اس کے نتیجے میں چچا جان کا محاسبہ ہو رہا ہو گا۔"
ثمینہ نے ناراضگی سے اسے دیکھا۔ پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس کا دل ڈوبنے لگا تھا کہ نہ جانے دادا جان اس کے ابو کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہوں گے؟ انہیں سب کے سامنے شرمندہ کر رہے ہوں گے۔ باپ کی توہین کا خیال آتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
وہ اپنے باپ کی شاطر دماغی کو نہیں سمجھتی تھی۔ اس نے عبادت علی کے تیور بھانپ لئے تھے۔ اب بچاؤ کا راستہ اختیار کر رہا تھا۔
مراد اس کے کمرے میں آیا تو کبریٰ کو اٹیچی میں کپڑے رکھتے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس نے ماں سے پوچھا۔ "کہاں کی تیاری ہے؟"
کبریٰ کے بجائے نفاست نے جواب دیا۔ "اس سے پہلے کہ ابا جان کا قہر نازل ہو میں اس گھر سے جا رہا ہوں۔"
مراد نے چونک کر سوالیہ نظروں سے پہلے نفاست کو اور پھر کبریٰ کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "ہاں بیٹا! یہ راستہ اختیار کرنا مجبوری بھی ہے اور عقلمندی بھی۔"
مراد نے نفاست سے کہا۔ "آپ اس طرح میدان چھوڑ کر جائیں گے تو دادا جان آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑیں گے۔"
"یہاں رہوں گا تو وہ سب کے سامنے مجھے ذلیل کریں گے۔ یہاں وہ سدرہ اور سجاد آئیں گے۔ میں اُن کے سامنے اپنی توہین برداشت نہیں کروں گا۔"
کبریٰ نے کہا۔ "تمہارے ڈیڈی صحیح کہہ رہے ہیں۔"
وہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔ نفاست نے اس سے کہا۔ "ائر لائن ایجنسی میں فون کرو۔ اسلام آباد جانے والی پہلی فلائٹ میں سیٹ حاصل کرو۔"
مراد ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ کبریٰ نے نفاست سے پوچھا۔ "آپ اسلام آباد میں رہیں گے؟"
"جہاں آرام اور سہولت ملتی رہے گی' وہاں جاتا رہوں گا۔ جب تک ابا جان کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو گا' تب تک یہاں نہیں آؤں گا۔"
مراد ایجنسی والوں سے رابطہ کر کے باتیں کر رہا تھا۔ کبریٰ نے ناگواری سے کہا۔

"پتہ نہیں بڑے میاں کب ٹھنڈے ہوں گے؟ آپ وعدہ کریں' صبح شام فون کرتے رہیں گے۔"

"کروں گا.......... مراد سے دن رات میرا رابطہ رہے گا۔ مجھے یہاں سے ایک ایک پل کی رپورٹ ملتی رہے گی۔"

مراد نے ریسیور رکھ کر پلٹ کر کہا۔ "ڈیڈی! شام پانچ بجے کی فلائٹ میں ایک سیٹ او کے کرائی ہے۔ اس سے پہلے کوئی فلائٹ نہیں ہے۔"

نفاست نے الجھ کر کہا۔ "کیا مصیبت ہے؟ شام تک مجھے کہیں وقت گزارنا ہو گا۔ مزید یہاں رکنا بے وقوفی ہو گی۔"

کبریٰ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "آپ شام تک کہاں رہیں گے؟"

وہ سوچ چکا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے؟ وہ بولا۔ "ایک جگہ ہے' وہاں وقت گزار سکتا ہوں۔"

پھر اس نے اٹیچی کیس اٹھاتے ہوئے مراد سے کہا۔ "تم فلائٹ کے وقت میرا سامان لے آنا۔ میں ابھی نکل رہا ہوں۔ ابا جان مجھے پکارنے ہی والے ہیں۔"

ایک طرف نفاست' عبادت علی کی کوٹھی سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا تو دوسری طرف سجاد اس کوٹھی میں آنے کی تیاری کر رہا تھا۔ فرق یہ تھا کہ نفاست چور راستے سے چوروں کی طرح منہ چھپا کر نکل رہا تھا جبکہ سجاد سینہ تان کر ڈنکے کی چوٹ پر آنے والا تھا۔

ثمینہ ناراض ہو کر گئی تھی۔ سجاد اسے منانے کے لئے اس کے کمرے میں آیا۔ وہ منہ پھیر کر آنسو پونچھنے لگی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ تم تیار نہیں ہوئیں۔ ہمیں بارہ بجے تک دادا جان کے پاس پہنچنا ہے۔"

"ابھی آٹھ بجے ہیں۔"

"ان چار گھنٹوں میں شاپنگ بھی کرنی ہے۔ سب تیار ہو چکے ہیں۔ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ چلو اٹھو۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بولی۔ "میں نہیں جاؤں گی۔ مجھے تنہا چھوڑ دیں۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ناراض ہو؟"

اس نے سر جھکا لیا۔ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میرے فون کرنے کے

بعد دادا جان تمہارے ابو کا محاسبہ کر رہے ہوں گے۔ یہ بات تمہیں تکلیف پہنچا رہی ہے؟"

وہ بولی۔ "دادا جان کو فون کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ ہم تو وہاں جا ہی رہے ہیں۔"

"دادا جان کو اپنی آمد کی اطلاع دینی تھی۔ کیا فون نہ کرتا؟"

اس نے خاموشی سے منہ پھیر لیا۔ "کیا موڈ ٹھیک نہیں کرو گی؟"

اس نے سر گھما کر شکایتی نظروں سے سجاد کو دیکھا پھر کہا۔ "آپ میرے اچھے بھائی جان ہیں' مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ آپ کے واپس آنے تک میرا موڈ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا تمہیں شاپنگ نہیں کرنی ہے؟"

"نہیں .... آپ جا رہے ہیں' ارمانہ بھی ہے۔ وہ میرے لئے شاپنگ کر لے گی۔ مجھے کسی خاص چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ بس میں کچھ دیر تنہا رہنا چاہتی ہوں۔"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ واپس آ کر تمہیں بالکل فریش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس لئے تمہاری بات مان رہا ہوں۔"

وہ اس کے شانے کو تھپکتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ دماغ میں یہ بات ہتھوڑے برسا رہی تھی کہ نہ جانے دادا جان ابو کے ساتھ کیسا برتاؤ کر رہے ہوں گے؟

وہ ایک محفوظ پناہ گاہ میں پہنچنا چاہتا تھا۔ ایک ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا آنے والے وقت کا تجزیہ کر رہا تھا۔ ٹیکسی بڑی تیزی سے مختلف شاہراہوں سے گزرتی چلی جا رہی تھی۔ وہ سوچوں میں گم تھا۔ ایسے ہی وقت اس کے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگا کر کہا۔ "ہاں .... بولو۔"

دوسری طرف سے مراد کی آواز سنائی دی۔ "دادا جان آپ کو پوچھ رہے ہیں۔ میں نے کہا ہے' آپ حیدر آباد کی ایک پارٹی سے رقم وصول کرنے گئے ہیں۔"

"اچھا.......... ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک نہیں ہے۔ ارمانہ اور فراز کل رات سے غائب ہیں۔ دادا جان انہیں پوچھ رہے ہیں اور میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ وہ غصے سے لال پیلے ہو رہے ہیں۔"

نفاست نے ناگواری سے کہا۔ "انہیں کچھ روز برداشت کرو۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان کا غصہ ہمیں کتنا نقصان پہنچائے گا؟ ہم اس نقصان سے بچنے کی کوشش کریں گے۔ میں ابھی

راستے میں ہوں۔ ایک جگہ پہنچنے کے بعد فون کروں گا۔"

اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ ٹیکسی زرینہ خاتون کی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ ایک شوہر جو بیوی کی زندگی میں اس کے گھر آنے سے کتراتا تھا۔ آج سر پر پڑی تو پناہ لینے مرحومہ بیوی کے گھر پہنچ گیا تھا۔ ماں' بیوی' بیٹی' بہن کے آنچل تلے ہمیشہ پناہ ملتی ہے لیکن زرینہ خاتون تو مرنے کے بعد بھی نفاست کے تحفظ کا انتظام کر رہی تھی۔ اگر نفاست نے دوسری شادی نہ کی ہوتی' زرینہ خاتون کو چھپا کر رکھنے کے لئے یہ کوٹھی نہ لی ہوتی تو آج اسے دربدر نہ بھٹکنا پڑتا۔

اس نے آہنی گیٹ سے اندر آ کر کوٹھی کے بیرونی دروازے کی کال بیل کا بٹن دبایا۔ دروازہ کھلا تو وہ ایک دم سے چونک گیا۔ حیرت سے بولا۔ "زیبی! تم یہاں..........؟"

کھلے ہوئے دروازے سے ثمینہ دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بھی نفاست کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "آپ.......... آپ اندر آئیں۔"

وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ نفاست نے اندر آ کر خالی ڈرائنگ روم کو دیکھ کر پوچھا۔ "حسرت کہاں ہے؟"

"وہ کسی کام سے گئے ہیں۔ ابھی آنے والے ہیں۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ سوالیہ نظروں سے کبھی نفاست کو اور کبھی اس کے اٹیچی کیس کو دیکھ رہی تھی۔ پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "آ.......... آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا مطلب! کیوں آیا ہوں؟ یہ میرا گھر ہے' حالات نے مجبور کیا ہے' ایک گھر چھوڑ کر دوسرے گھر میں آیا ہوں۔"

ثمینہ نے پوچھا۔ "کیا دادا جان آپ سے ناراض ہیں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "تم تو جانتی ہو' ہماری پلاننگ ناکام ہو چکی ہے۔ تمہارے دادا جان کا شبہہ یقین میں بدل رہا ہے کہ ہم ان سے فراڈ کر رہے ہیں۔ میں ایسے وقت ان کے سامنے نہیں رہنا چاہتا۔ کچھ عرصے تک ان سے دور رہوں گا۔ اگر سجاد واقعی آ گیا ہے تو ابا جان میرے خلاف سخت کارروائی کریں گے۔"

ثمینہ بڑے دکھ سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سجاد کی وجہ سے اس کا باپ گھر سے بے گھر ہو گیا تھا۔ وہ بڑے صدمے سے بولی۔ "آپ بہت پریشان ہیں۔ میں آپ کے لئے کیا کروں؟"

"تم فکر نہ کرو۔ میں کوئی تدبیر کروں گا۔ ابا جان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو انہیں منانے کی کوشش کروں گا۔"

ثمینہ پریشان تھی۔ وہ چاروں شاپنگ کرنے گئے تھے اور کسی بھی وقت آ سکتے تھے۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "آپ.......... آپ یہاں سے چلے جائیں۔"

اس نے سر اٹھا کر حیرت سے پوچھا۔ "کیوں؟"

اس نے دروازے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں کیا بتاؤں؟ آپ میری بات مان لیں۔ یہاں سے چلے جائیں۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "تمہیں ہوا کیا ہے؟ یہاں سے جانے کو کہہ رہی ہو؟ حسرت نے بتایا ہو گا یہ کوٹھی میری ہے۔ میں نے تمہاری سوتیلی بہن ثمینہ اور اس کی ماں کے لئے خریدی تھی۔"

اس نے پوچھا۔ "آپ ثمینہ کو یاد کرتے ہیں؟"

"میں اسے بھول جانا چاہتا ہوں لیکن تمہاری صورت دیکھ کر وہ یاد آ جاتی ہے۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "تصویریں اسی لئے ہوتی ہیں کہ جانے والے یاد آتے رہیں۔ میں بھی اس کی ایک تصویر ہوں۔"

پھر وہ بڑے صدمے سے زرینہ خاتون کی تصویر کو دیکھ کر بولی۔ "ان کا مقدر خراب تھا۔ اس نے انہیں جینے نہیں دیا۔"

نفاست نے ذرا ناگواری سے کہا۔ "سب اپنے مقدر سے آتے ہیں اور مقدر سے جاتے ہیں۔ کوئی دوسری بات کرو۔"

"بات بدل جاتی ہے' لوگ بدل جاتے ہیں مگر سچائی اپنی جگہ موجود رہتی ہے۔ جسے چھپایا تو جا سکتا ہے لیکن بدلا نہیں جا سکتا۔"

نفاست اس کی بات سمجھ نہیں پایا تھا۔ وہ اسے زیبی سمجھ رہا تھا مگر اس کا بدلا ہوا رویہ اسے الجھا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت کال بیل کی آواز سنائی دی۔ ثمینہ نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر وہ نفاست کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھاتے ہوئے بولی۔ "اٹھئے' چلئے یہاں سے۔"

وہ پریشان سا ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اٹھتے ہوئے بولا۔ "کہاں چلنے کو کہہ رہی ہو؟ دیکھو دروازے پر کوئی آیا ہے۔"

ثمینہ اس کا اٹیچی اٹھا کر نفاست کو کھینچ کر وہاں سے لے جاتے ہوئے بولی۔ "اسی

لئے تو میں آپ کو یہاں سے جانے کو کہہ رہی ہوں۔ چلیں............"

اس نے الجھ کر پوچھا۔ "مگر معلوم تو ہو' کون آیا ہے؟ تم .... تم اس قدر گھبرا کیوں رہی ہو؟"

کال بیل کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ وہ اسے کھینچتی ہوئی کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے بولی۔ "میں کیا کہوں؟ میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ پلیز' آپ کچھ نہ پوچھیں۔ ابھی یہاں سے جائیں۔"

وہ نفاست کا ہاتھ تھامے پچھلے دروازے سے باہر آئی۔ وہ غصے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولا۔ "کیا پاگل ہوئی ہو؟ بتاتی کیوں نہیں' کون آیا ہے؟" وہ اٹیچی اسے تھما کر تیزی سے پلٹ کر اندر آئی پھر دروازے بند کرتے ہوئے بولی۔ "سجاد بھائی جان آئے ہیں۔"

نفاست نے چونک کر بند دروازے کو دیکھا پھر تعجب سے زیر لب بڑبڑایا۔ "سجاد .... اور یہاں؟"

اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولنا چاہا لیکن وہ اندر سے لاک ہو چکا تھا۔ وہ پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر اٹیچی کیس اٹھا کر ایک راہداری کی طرف بڑھنے لگا۔

دوسری طرف ثمینہ نے بیرونی دروازہ کھولا تو سجاد نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ "ہم اتنی دیر سے بیل بجا رہے تھے' تم کہاں تھی' کیا کر رہی تھی؟"

وہ بوکھلائی ہوئی تھی۔ اٹکتے ہوئے بولی۔ "وہ .... میں .... میں واش روم میں تھی۔"

وہ سب اندر آ گئے۔ سجاد نے کہا۔ "گھڑی دیکھو اور اپنا حلیہ دیکھو۔ صرف دو گھنٹے رہ گئے ہیں۔ ہمیں بارہ بجے تک دادا جان کے پاس پہنچنا ہے۔"

ارمانہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "وقت کم تھا پھر بھی اچھی خاصی شاپنگ ہو گئی۔ تم بھی ساتھ چلتیں۔"

فراز نے ایک پیکٹ ثمینہ کو دیتے ہوئے کہا۔ "یہ سوٹ میں تمہارے لئے لایا ہوں۔ اسے دیکھو' اگر پسند آ جائے تو ابھی پہن کر دادا جان کے پاس جاؤ۔"

ثمینہ نے فراز سے پیکٹ لے کر اسے کھولا۔ نفاست ایک کھڑکی سے ڈرائنگ روم کا اندرونی منظر دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ لباس دیکھ رہی تھی۔ ارمانہ نے کہا۔ "واقعی .... یہ سوٹ تمہیں بہت سوٹ کرے گا۔ دادا جان کے پاس یہی پہن کر جاؤ۔"

حسرت نے کہا۔ "وقت کم ہے' جاؤ .... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

وہ لباس لے کر کوٹھی کے اندرونی حصے میں چلی گئی۔ نفاست ارمانہ اور فراز کو دیکھ کر سوچنے لگا۔ "یہ دونوں یہاں آ کر چھپے ہوئے ہیں۔ میرے ہی گھر میں پناہ لے رہے ہیں۔"

حسرت نے سجاد سے کہا۔ "سجاد بھائی! آپ بھی چینج کریں۔ وہاں دادا جان آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

نفاست نے چونک کر سجاد کو دیکھا۔ پھر زیر لب بڑبڑایا۔ "سجاد .... یہ وہی سجاد ہے' بھائی جان کا بیٹا۔ حسرت نے میرے دشمن کو میرے ہی گھر میں چھپا رکھا ہے؟ اب شبہے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ اصل حقدار آ پہنچا ہے۔"

وہ تیزی سے پلٹ کر بیرونی گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ پہلے تو یہ شبہہ تھا کہ شاید کوئی خود کو سجاد ظاہر کر کے نفاست اور مراد کو ذہنی اذیت پہنچا رہا ہے۔ کوئی دشمن ہے جو چھپ کر وار کر رہا ہے لیکن وہ تو عبادت علی کے روبرو ہونے والا تھا لیکن فی الحال تو مراد اور کبریٰ عبادت علی کے روبرو تھے۔ وہ آگ بگولہ ہو رہے تھے اور وہ دونوں سہمے ہوئے سر جھکائے خاموش کھڑے ہوئے تھے۔

وہ تیز لہجے میں بولے۔ "اس گھر میں ہماری حیثیت ہی کیا ہے' ہم ایک مجسمہ ہیں۔ ہمیں آثارِ قدیمہ سے لایا گیا ہے۔ ہمیں صرف سجاوٹ کے لئے یہاں رکھا گیا ہے۔ ہم گونگے ہیں' بہرے ہیں' عقل سے خالی ہیں۔ ہمیں بے وقوف بناتے رہو۔ ہم ایک مجسمے کی طرح چپ رہیں گے اور بے وقوف بنتے رہیں گے۔"

کبریٰ تو خوف کے مارے سر بھی نہیں اٹھا رہی تھی۔ مراد نے چور نظروں سے ماں کو دیکھا پھر ہچکچاتے ہوئے عبادت علی سے کہا۔ "وہ .... دادا جان! سدرہ اور سجاد جاگنگ کے لئے گئے ہیں۔ اب تک تو انہیں واپس آ جانا چاہئے تھا۔"

وہ گرج کر بولے۔ "بکواس مت کرو۔ ہم نے چوکیدار سے معلوم کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ دونوں کل شام کو یہاں سے گئے تھے۔ اس کے بعد اب تک واپس نہیں آئے۔"

کبریٰ نے معصوم سی صورت بنا کر کہا۔ "ہم تو یہی سمجھ رہے ہیں کہ وہ رات کو یہیں تھے۔ سجاد کو تو آنا چاہئے آج شام کو زیبی کے ساتھ نکاح پڑھایا جائے گا۔"

عبادت علی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "ایک بھگوڑے سے نکاح پڑھوانے کی بات کر رہی ہو؟"

وہ ایک دم سے سہم گئی۔ مراد دھیمی آواز میں سر جھکا کر بولا۔ "وہ .... سجاد تو

آپ کا پوتا ہے۔ وہ..........."

وہ اس کی بات کاٹ کر غصے سے دھاڑے۔ "وہ فراڈ ہے .... منہ چھپا رہا ہے' ہمیں پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ اس گھر میں کچھ ہو رہا ہے۔"

ماں' بیٹے نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ عبادت علی بولے۔ "ہم صبح ہی سے تمام دوست' احباب اور رشتہ داروں کو فون کر رہے ہیں' انہیں بتا رہے ہیں کہ آج اس گھر میں شادی نہیں ہوگی' ماتم ہوگا۔"

وہ ٹہل رہے تھے۔ گھر میں بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پوری کوٹھی اُن کی گرجدار آواز سے گونج رہی تھی۔ ملازم اور گھر کے باقی افراد اپنے اپنے کمروں میں دم سادھے بیٹھے ہوئے تھے۔

انہوں نے ٹہلتے ٹہلتے ایک جگہ رُک کر ان دونوں کو گھورا پھر غرا کر پوچھا۔ "نفاست کہاں ہے؟ ہمارا دایاں بازو' ہمارا جانشین؟ کیا وہ بھی منہ چھپا رہا ہے؟"

کبریٰ نے پریشان ہو کر مراد کو دیکھا۔ وہ بولا۔ "میں نے آپ کو بتایا تھا' ڈیڈی رقم کی وصولی کے لئے حیدر آباد گئے ہیں۔"

"ہم دودھ پیتے بچے ہیں؟ ہمیں جو سمجھاؤ گے' وہی سمجھ لیں گے؟ کیا رقم کی وصولی کے لئے ملازم نہیں ہیں؟ اسے فون کرو' ابھی ہم سے بات کراؤ۔"

مراد نے کبریٰ کو دیکھا پھر فون کے پاس آیا۔ ریسیور اٹھا کر نفاست کا موبائل فون نمبر پنچ کرنے لگا۔ پھر کچھ دیر ریسیور کان سے لگائے رکھنے کے بعد بولا۔ "وہ .... دادا جان ڈیڈی کا موبائل بند ہے۔"

کبریٰ نے سکون کی ایک گہری سانس لی۔ وہ طنزیہ لہجے میں بولے۔ "اسے جان بوجھ کر بند کیا گیا ہے۔ ہم خوب سمجھ رہے ہیں۔ یہاں کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے؟ اب ہمیں کیا کرنا ہے' یہ ہم جانتے ہیں۔"

وہ پیر پٹختے ہوئے اپنے کمرے سے چلے گئے۔ کبریٰ اور مراد نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ کبریٰ ایک صوفے پر ڈھے کر بولی۔ "خدا خیر ہی کرے۔ بڑے میاں تو کچھ زیادہ ہی آگ بگولہ ہو رہے ہیں۔ پتہ نہیں اب کیا کریں گے؟"

وہ بولا۔ "ڈیڈی کی حکمت عملی اب سمجھ میں آتی جا رہی ہے۔ یو آر جینئس ڈیڈی!"

زیبی اور عالیہ عبادت علی کی گرجدار آواز سن رہی تھیں۔ عالیہ نے پریشان ہو کر کہا۔ "پتہ نہیں .... ڈرائنگ روم میں کیا ہو رہا تھا؟"

زیبی نے کہا۔ "صاف سنائی دے رہا تھا' دادا جان گرج رہے تھے' خدا رحم کرے۔ وہ گرجتے ہیں تو برستے بھی ہیں۔ اچھا ہوا' ڈیڈی یہاں سے چلے گئے۔"

اسد دروازہ کھول کر اندر آیا۔ پھر اپنے کانوں کو پکڑتے ہوئے بولا۔ "توبہ توبہ .... دادا جان تو آتش فشاں بنے ہوئے ہیں' آگ اگل رہے ہیں۔"

زیبی نے متجسس ہو کر پوچھا۔ "کیا کہہ رہے ہیں؟"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "تمہاری شادی Post Pong یعنی کہ ملتوی .... یعنی کہ فلمی سین ہو گیا۔ دلہن کا باپ غصے سے کہتا ہے' رک جاؤ' یہ شادی نہیں ہو سکتی........."

عالیہ مسکرانے لگی۔ زیبی ناگواری سے بولی۔ "اونہہ' یہاں کسے پرواہ ہے؟ جو شادی ہو چکی ہے۔ میں اسے بھی ختم کرنے والی ہوں۔"

عالیہ نے کہا۔ "یہ کوئی عقلمندی نہیں ہے۔ تم اس لئے ناراض ہو کہ فراز نے تمہاری بات نہیں مانی' مان لیتا تو تمہارا کون سا بھلا ہو جاتا؟ دادا جان پہلے ہی بہت کچھ جان چکے ہیں۔"

اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "تم فراز کی وکالت کیوں کرنے لگتی ہو؟"

اسد نے مداخلت کی۔ "عالیہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ فراز تمہاری بات مان کر دادا جان سے فون پر بات کرتا' تب بھی بات نہیں بنتی' جو سچ ہے وہ سامنے آ رہا ہے۔"

وہ تنک کر بولی۔ "میں ایک ہی بات جانتی ہوں' فراز کو میری بات ماننی چاہئے تھی۔ کیا ایسی آزمائش کی گھڑی میں وہ میری بات نہیں مان سکتا تھا؟"

اسد نے کہا۔ "تمہاری بات جائز نہیں تھی۔ ڈیڈی کو اس سے کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں تھا۔ یہ تو اچھا ہی ہوا کہ اس نے فون نہیں کیا۔"

عالیہ بولی۔ "تمہیں تو صرف ایک ہی بات کا غصہ ہے کہ اس نے تمہاری بات نہیں مانی۔ اپنی گردن نہیں پھنسائی........."

وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں تم دونوں سے بحث نہیں کروں گی۔ جو بُرے وقت میں میری بات نہ مانے' جو میرے ڈیڈی کے کام نہ آئے۔ میں اس کے ساتھ کبھی زندگی نہیں گزاروں گی۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ عالیہ اور اسد پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ خودسر لڑکی تھی۔ اپنی بات منوانا جانتی تھی۔ فراز کا انکار

سن کر کھول رہی تھی اور غلط فیصلہ کر رہی تھی۔

سب اپنے اپنے فیصلے کر رہے تھے۔ نفاست نے گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا تھا' زیبی نے فراز سے تعلق توڑ لینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور عبادت علی نے کسی بھی خونی رشتے پر اعتبار نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انہوں نے اپنے وکیل کو بلا لیا تھا اور اس سے مشورے کر رہے تھے۔

اسے پوری صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ بولا۔ ''آپ نے تو کہا تھا' جو سدرہ اور سجاد آئے ہوئے ہیں' آپ ان سے مطمئن ہیں؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولے۔ ''مطمئن کیسے نہ ہوتے' کمپیوٹر سے بڑے فائدے ہیں لیکن ہمیں تو اس سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس کمپیوٹر نے ہماری مت مار دی ہے۔ وہ ای میل کے ذریعے ہم سے باتیں کرتا رہا' ہم بیس برسوں سے ان کی محبت میں اس قدر اندھے ہو چکے تھے کہ وہ دور بیٹھے ہمیں یقین دلاتے رہے اور ہم ان پر اندھا اعتماد کرتے رہے۔''

وکیل سر جھکائے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر بولا۔ ''انہوں نے یہاں آکر اپنے اسکول اور کالج کے سرٹیفکیٹ اور شناختی کارڈز دکھائے تھے۔ آپ کچھ اور ٹھوس ثبوت طلب کر لیتے تو اچھا ہوتا۔''

وہ دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ ''ہم نے آپ کو اسی لئے زحمت دی ہے' اب ہم دھوکا نہیں کھانا چاہتے۔ وہ آدھے گھنٹے بعد آنے والے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے' ان کے پاس اپنے بارے میں ٹھوس ثبوت ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ وہ تمام ثبوت دیکھیں' ہم تو محبت میں اندھے ہو جاتے ہیں۔ آپ جذبات سے بالاتر ہو کر ان کے اصلی ہونے کی تصدیق کر سکیں گے۔''

وکیل نے پوچھا۔ ''جو سدرہ اور سجاد آئے ہوئے تھے' وہ یہاں سے فرار ہو گئے ہیں۔ کیا آپ نے ان کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے؟''

انہوں نے ایک بار پھر دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ پھر کہا۔ ''ہم آنے والے سجاد کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ ہی ہمارا خون ہے' ہمارا اصلی پوتا ہے تو پھر ان فراڈ کرنے والوں کے خلاف کارروائی کرائیں گے۔''

ادھر آدھے گھنٹے بعد سجاد آنے والا تھا اور ادھر شام کی فلائٹ سے نفاست یہ شہر چھوڑنے والا تھا۔ مراد اور کبریٰ کو خبر نہ تھی کہ آدھے گھنٹے بعد کیا دھماکہ ہونے والا ہے؟

وہ دونوں اپنے کمرے میں تھے۔ مراد' نفاست کو سونپے گئے اہم کاغذات دیکھ رہا تھا۔

اس نے ایک فائل کبریٰ کو دکھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ دیکھیں .... دادا جان نے تمام کاغذات ڈیڈی کے حوالے کئے ہوئے ہیں۔''

کبریٰ نے فائل کھولتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ کیسے کاغذات ہیں؟''

''دادا جان نے تمام اختیارات ڈیڈی کو دیئے ہوئے ہیں۔ یہ اسی سلسلے کے کاغذات ہیں۔ ڈیڈی انہیں یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ میں ان کا سامان لے کر ائرپورٹ جاؤں گا تو یہ انہیں دے دوں گا۔''

وہ کبریٰ سے فائل لے کر اسے ایک بریف کیس میں رکھنے لگا۔ وہ بولی۔ ''وہ ہمیشہ کے لئے نہیں گئے ہیں۔ انہیں ایک دن واپس آنا ہے۔ یہ کاغذات مجھے دو' میں چھپا کر رکھوں گی۔''

اس نے مراد سے فائل لے کر الماری کے سیف میں رکھ دی۔ پھر وہ ناگواری سے بولی۔ ''پتہ نہیں یہ بھائی جان کا بیٹا کہاں سے مرنے آگیا؟ یہ گھر ہمارا ہے' یہ کاروبار ہمارا ہے' مگر اس کم بخت کی وجہ سے تمہارے باپ کو گھر سے بے گھر ہونا پڑ گیا۔''

فون کی گھنٹی نے ان دونوں کو چونکا دیا۔ مراد نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر کہا۔ ''ہیلو .... میں مراد بول رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے نفاست کی آواز سنائی دی۔ ''ہاں .... میں بول رہا ہوں۔''

کبریٰ نے مراد سے پوچھا۔ ''کس کا فون ہے؟''

وہ ریسیور پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''ڈیڈی کا فون ہے۔''

پھر اس نے ہاتھ ہٹا کر نفاست سے پوچھا۔ ''ڈیڈی! آپ کہاں ہیں؟''

وہ بولا۔ ''کیا بتاؤں' کہاں ہوں؟ مارا مارا پھر رہا ہوں۔ اپنے ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر گیا تھا۔ پتہ چلا اس گھر میں بھی میرے خلاف سازش ہو رہی ہے۔''

مراد نے حیرت سے پوچھا۔ ''دوسرا گھر .... اگر کوئی دوسرا گھر ہے تو وہاں کون سازش کر رہا ہے؟''

کبریٰ اس کی باتیں سن کر الجھ رہی تھی۔ معاملے کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر فون کے وائڈ اسپیکر کا بٹن دبایا۔ دوسری طرف سے نفاست کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''میں نے جو کوٹھی زرینہ کے لئے خریدی تھی وہ حسرت کو رہنے کے لئے دی تھی۔ ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرا بیٹا سچ مچ آستین کا سانپ ہے۔''

کبریٰ اور مراد نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ کبریٰ نے حیرت سے پوچھا۔
"آستین کا سانپ؟ آپ حسرت کو کہہ رہے ہیں؟ وہ وہاں کیا کر رہا ہے؟"

نفاست نے کہا۔ "بھائی جان کا بیٹا سجاد واقعی یہاں پہنچ چکا ہے۔ وہ حسرت کے ساتھ میرے اس گھر میں ہے۔"

وہ حیرت سے بولی۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ حسرت اور سجاد کا میل جول کیسے ہو گیا؟ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟"

"ہاں .... میری گناہگار آنکھوں نے اپنے ایک بیٹے کو باپ سے دشمنی کرتے دیکھا ہے اور صرف بیٹا ہی نہیں، بیٹی بھی یہی کر رہی ہے۔"

"بیٹی .... آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "کیا دس بیس بیٹیاں ہیں؟ میں زیبی کی بات کر رہا ہوں۔ وہ بھی ان کے ساتھ وہاں موجود ہے۔"

مراد نے تعجب سے پوچھا۔ "ڈیڈی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ زیبی تو یہاں اپنے کمرے میں ہے۔"

نفاست نے حیرت سے کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے ابھی دس منٹ پہلے اسے حسرت اور سجاد کے ساتھ دیکھا ہے۔ انہوں نے ارمانہ اور فراز کو بھی وہاں چھپا رکھا ہے۔"

کبریٰ نے کہا۔ "میں کبھی مان ہی نہیں سکتی۔" پھر وہ مراد سے بولی۔ "مراد! جاؤ زیبی کو بلا کر لاؤ۔"

مراد تیزی سے دروازہ کھول کر لابی میں آیا۔ نیچے ڈرائنگ روم میں دیکھا تو کچھ پریشان ہو گیا۔ عبادت علی اپنے وکیل کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ایسے وقت زیبی نے وہاں آ کر عبادت علی سے پوچھا۔ "دادا جان، آپ نے بلایا ہے؟"

وہ بولے۔ "ہاں .... یہاں صرف تم کو ہی نہیں سب کو موجود ہونا چاہئے۔ تمہاری ماں اور مراد کہاں ہے؟"

مراد اس سے آگے نہ سن سکا۔ تیزی سے پلٹ کر کمرے میں آیا۔ پھر بولا۔ "زیبی وہاں دادا جان کے پاس موجود ہے۔ وہ ہمیں بھی بلا رہے ہیں۔"

کبریٰ نے فون پر نفاست سے کہا۔ "سنا آپ نے؟ زیبی یہاں موجود ہے۔ مراد اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہے۔"

نفاست یہ سن کر حیران رہ گیا۔ سوچنے لگا۔ "زیبی وہاں ہے، پھر وہ!"

مراد نے فون پر کہا۔ "ڈیڈی! آپ فون بند کریں۔ میں موبائل پر آپ سے رابطہ کر رہا ہوں۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ مراد نے ریسیور رکھ کر کبریٰ سے کہا۔ "ممی! آپ نیچے جائیں، دادا جان پوچھ رہے ہیں۔"

وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔ مراد اپنے موبائل فون سے نفاست کے موبائل پر رابطہ کرنے لگا۔ کبریٰ سیڑھیاں اتر کر نیچے ڈرائنگ روم میں آ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت بیرونی دروازہ کھلا۔ سجاد ایک بریف کیس تھامے اندر داخل ہوا۔ سب ہی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

وہ عبادت علی اور وکیل کو سلام کرنے کے بعد بولا۔ "میرا نام سید سجاد علی شاہ ہے، میرے والد کا نام سید شفاعت علی شاہ ہے اور میرے دادا جان کا نام سید عبادت علی شاہ ہے۔"

عبادت علی شدت جذبات سے لرزتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کبریٰ سجاد کو ناگواری سے دیکھتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

عبادت علی نے سجاد سے کہا۔ "بیٹے! یہاں آؤ .... ہمیں افسوس ہے۔ ابھی ہم تمہیں گلے نہیں لگائیں گے۔"

پھر کبریٰ کی طرف دیکھ کر ناگواری سے بولے۔ "کیا کریں، مجبور ہیں، دودھ کے جلے ہیں، چھاچھ بھی پھونک کر پینا چاہتے ہیں۔"

کبریٰ نے چونک کر عبادت علی کو دیکھا۔ سجاد نے کہا۔ "بڑے افسوس کی بات ہے، آپ یہاں دودھ کے رشتوں سے جل رہے ہیں۔"

کبریٰ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "دادا جان! اب میں آپ کو جلنے نہیں دوں گا۔ اس بریف کیس میں ایسے ثبوت ہیں جنہیں عدالت بھی قبول کرے گی۔ مگر اس سے پہلے میں ایسا ثبوت پیش کرنا چاہتا ہوں جو اس دنیا میں آپ کے لہو سے آیا ہے۔"

کبریٰ، عبادت علی اور زیبی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ سجاد نے بیرونی دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "سدرہ! اندر آ جاؤ۔"

عبادت علی مضطرب سے ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ کچھ دیر بعد ثمینہ، حسرت کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ وہاں موجود تمام افراد شدید حیرانی سے

اسے دیکھنے لگے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ آئینے میں زیبی کا عکس دیکھ رہے ہیں۔ سب ہی کی نظریں کبھی ثمینہ کے اور کبھی زیبی کے چہرے پر بھٹک رہی تھیں۔ دونوں میں فرق صرف اتنا تھا کہ ایک کا انداز مشرقی تھا اور دوسری کے انداز میں مغربیت جھلک رہی تھی۔

عبادت علی خوشی اور بے یقینی سے لرزتے ہوئے ثمینہ کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ "یہ .... یہ تو بالکل زیبی ہے۔"

سجاد نے مسکرا کر کہا۔ "یہ زیبی نہیں' میری بہن سدرہ ہے۔"

وہ بولے۔ "ہاں سدرہ .... وکیل صاحب! قدرت کا کرشمہ دیکھیں اسے دیکھ کر یقین سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ ایک ہی شاخ کی دو کلیاں ہیں۔ ان کا ایک ہی شجرہ ہے' ایک ہی خون ہے' کیا آپ کو شبہہ ہے؟"

وکیل بھی تعجب سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بولا۔ "میں حیران ہوں' یہ ایسا قدرتی ثبوت ہے' جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔"

مراد' نفاست کو فون کرنا ہی بھول گیا تھا۔ اوپر لابی سے ڈرائنگ روم میں سدرہ اور زیبی کو دیکھ کر حیران پریشان سا کھڑا ہوا تھا۔ زیبی اور کبریٰ بھی سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ اسد اور عالیہ بھی وہاں آ گئے تھے۔ ان کی حالت بھی دوسروں سے مختلف نہیں تھی۔

عبادت علی ثمینہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر خوشی سے بولے۔ "ایسا جیتا جاگتا ثبوت تو جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی ہماری پوتی ہے' ہماری سدرہ ہے۔"

ثمینہ خوشی سے روتی ہوئی عبادت علی کے سینے سے لگ گئی۔ برسوں سے سنبھال کر رکھے ہوئے آنسو جنہیں وہ باپ کے سینے سے لگ کر بہانا چاہتی تھی آج دادا کے سینے سے لگ کر بہانے لگی۔ وہ اس خاندان میں ایک جھوٹ کا سہارا لے کر آئی تھی لیکن یہی اس کے اپنے تھے' سگے تھے۔ وہ اسی خاندان کے لہو کی ایک بوند تھی۔ اسی دادا کی پوتی تھی۔ یہ درست تھا کہ اسے چور راستے سے لایا گیا تھا۔

مراد کو جیسے ایک دم سے ہوش آ گیا۔ اس نے ایک ستون کی اوٹ میں آ کر موبائل پر نفاست کے نمبر پنچ کئے۔ پھر اسے کان سے لگا کر دھیمی آواز میں بولا۔ "ہیلو .... ڈیڈ! یہاں تو عجیب تماشہ ہو رہا ہے۔"

"کیسا تماشہ؟ تم نے اتنی دیر میں فون کیوں کیا ہے؟ کیا مسئلہ ہے؟"

"ہم سب ہی حیرت زدہ ہیں۔ یہاں سجاد کے ساتھ جو سدرہ آئی ہے وہ زیبی کی ہم

شکل ہے' سر سے پیر تک زیبی ہے۔ آپ نے اسی سدرہ کو دیکھا ہو گا۔ اسے دیکھ کر دھوکا کھا گئے .... اسے زیبی سمجھنے لگے۔"

مراد فون کے ذریعہ نفاست کو ڈرائنگ روم کی تمام صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا۔

نیچے سب افراد صوفوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ سجاد نے ہاتھ میں تھامے ہوئے بریف کیس کو سینٹر ٹیبل پر رکھا پھر اسے کھولتے ہوئے کہا۔ "دادا جان! سدرہ کو ثبوت بنا کر اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ اب آپ دنیاوی ثبوت بھی دیکھ لیں۔"

اس نے بریف کیس سے ایک فائل نکالتے ہوئے کہا۔ "جب سدرہ پیدا ہوئی تھی تو آپ نے اس کے نام آم کے باغات خریدے تھے۔ اس فائل میں خریداری کے کاغذات ہیں اور آپ کی تحریر ہے۔ آپ نے ابو کو سدرہ کی جائیداد کا ٹرسٹی بنایا تھا۔"

زیبی اور کبریٰ نے یہ سنتے ہی مایوسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ سجاد نے وہ فائل سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔ پھر دوسری فائل نکالتے ہوئے کہا۔ "اس میں آپ کے کاروبار سے تعلق رکھنے والے اہم ڈوکومنٹس ہیں۔ آپ نے ابو کو تمام کاروبار سنبھالنے کے اختیارات دیئے تھے۔ آپ کی وہ تحریر بھی اس میں موجود ہے۔"

عبادت علی ثمینہ کو اپنے بازوؤں میں لئے سینے سے لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے وکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب ہمیں کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ وکیل صاحب! پلیز آپ یہ تمام کاغذات دیکھیں اور اطمینان کر لیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم ایک کے بعد دوسرا دھوکا نہیں کھا رہے ہیں۔"

اوپر لابی میں مراد فون کان سے لگائے دھیمی آواز میں بولا۔ "سدرہ کے آم کے باغات' بیس برس پہلے کے کاروباری کاغذات اور ایسے ہی بہت سے اہم ثبوت پیش کر رہا ہے۔ یہ نامراد بڑی تیاریوں کے ساتھ آیا ہے۔"

دوسری طرف سے نفاست نے کہا۔ "مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے پاس ٹھوس ثبوت ہیں۔ اب وہ اپنا سکہ جما رہا ہے۔ اچھا ہوا' میں وہاں سے چلا آیا۔ تم یہ بتاؤ کہ ابا جان کا ردعمل کیا ہے؟"

اس نے نیچے ڈرائنگ روم میں جھانک کر کہا۔ "ابھی تو وہ بہت خوش نظر آ رہے ہیں۔ سدرہ کو اپنے کلیجے سے لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہماری زیبی کی طرف دیکھنا ہی بھول گئے ہیں۔"

وکیل سجاد کی دی ہوئی فائلوں کو پڑھ رہا تھا۔ وہ واقعی ٹھوس ثبوت لے کر آیا تھا۔

کچھ دیر بعد وکیل نے عبادت علی سے کہا۔ "یہ تمام کاغذات درست ہیں۔"

یہ سنتے ہی کبریٰ اور زیبی کے منہ لٹک گئے۔ وہ دونوں ہی سدرہ اور سجاد کو ناگواری سے دیکھ رہی تھیں۔ عبادت علی ایک کاغذ اٹھا کر پڑھنے لگے۔ جس میں انہوں نے سید شفاعت علی شاہ کو اپنے تمام کاروبار کا نگران ظاہر کیا تھا۔

وہ اس کاغذ کو وکیل کے حوالے کرتے ہوئے بولے۔ "یہ تحریر ہماری ہے دستخط بھی ہمارے ہیں۔ ہم نے بیس برس پہلے اپنا تمام کاروبار اپنے بڑے بیٹے کے حوالے کر دیا تھا۔"

مراد نے فوراً ہی نفاست کو تازہ صورت حال سے آگاہ کیا۔ "ڈیڈ! وکیل اور دادا جان تمام ثبوت دیکھ کر مطمئن ہو گئے ہیں۔"

نفاست نے پریشان ہو کر کہا۔ "اب تو ابا جان کی ساری محبتیں' ساری حمایتیں سدرہ اور سجاد کے لئے ہی ہوں گی۔ وہ برسوں پرانی دشمنی نکالے گا۔ ابا جان کو میرے خلاف بھڑکائے گا' کاروباری معاملات میں بھی مداخلت کرے گا' ہمارا محاسبہ کرائے گا۔ تو ابا جان کے سامنے ہمارا بہت سا فراڈ ظاہر ہو گا۔"

مراد بھی پریشان ہو رہا تھا۔ نہ جانے ان باپ بیٹے کا کیا انجام ہونے والا تھا؟ اس نے پوچھا۔ "اب کیا ہو گا ڈیڈ!"

"میں اپنے وکیل کے پاس جا رہا ہوں۔ ہمیں اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ نکالنا ہو گا۔ میں تھوڑی دیر بعد فون کروں گا۔"

رابطہ منقطع ہو گیا۔ مراد ستون کی آڑ سے نکل کر نیچے دیکھنے لگا۔ وکیل اٹھ کر عبادت علی سے مصافحہ کر کے کہہ رہا تھا۔ "مجھے اجازت دیں۔ میں آپ کی پوتی اور پوتے سے مطمئن ہوں۔ یہ اپنی دادی جان کی وصیت کے مطابق ساٹھ کروڑ روپے کے حقدار ہیں۔ جب ان کی شادی ہو گی تو وہ رقم انہیں ادا کر دی جائے گی۔"

مراد سیڑھیاں اتر کر ڈرائنگ روم میں آیا اور سجاد سے مصافحہ کر کے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ سجاد دیکھ رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ کوئی اپنا تعارف نہیں کرا رہا ہے۔ سب ہی کے چہروں پر ہلکی اور گہری ناگواری کی شکنیں ابھر رہی تھیں۔ وکیل رخصت ہو گیا۔

عبادت علی نے کبریٰ سے کہا۔ "اتنی دیر سے دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہو۔ ان کے لئے محبت کے دو بول نہیں بول سکتیں؟ کم سے کم مسکرا تو سکتی ہو؟"

عبادت علی کے کہتے ہی وہ منہ پھاڑ کر مسکرائی۔ زیبی نے ناگواری سے ماں کو دیکھا۔

وہ بولی۔ "میں تو سدرہ بیٹی کو کلیجے سے لگانے والی ہوں لیکن میری حیرانی ختم نہیں ہو رہی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ زیبی کی ہم شکل کیسے ہو گئی؟"

انہوں نے کہا۔ "یہ اپنی مرضی سے ہم شکل بن کر نہیں آئی ہے' یہ ہمارے دونوں بیٹوں کا خون ہے۔ اِدھر بھی یہی خون ہے' اُدھر بھی یہی خون ہے۔"

کبریٰ الجھ کر بولی۔ "لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک باپ کی دو بیٹیاں ہم شکل ہو سکتی ہیں لیکن دو بھائیوں کی دو بیٹیاں کبھی ہم شکل نہیں ہوتیں۔ ایسا کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔"

عبادت علی بولے۔ "آنکھوں سے دیکھ رہی ہو اور کہہ رہی ہو کہ ایسا دیکھنے میں نہیں آتا؟"

حسرت نے کبریٰ سے کہا۔ "ممی! اگر ایک باپ کی دو بیٹیاں ہم شکل ہو سکتی ہیں تو پھر آپ سدرہ کو ڈیڈی کی بیٹی تسلیم کر لیں۔"

تمام افراد نے چونک کر حسرت کو دیکھا۔ ثمینہ بھی ایک دم سے پریشان ہو گئی۔ اس نے روانی میں حقیقت اگل دی تھی۔ حسرت کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ بولا۔ "میرا مطلب ہے' آپ تھوڑی دیر کے لئے یہ مان لیں کہ زیبی اور سدرہ ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔"

سجاد نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "یوں مان لینے سے سدرہ کے لئے دل میں محبت پیدا ہو جائے گی؟ ویسے دادا جان! آپ کے گھر میں سب کچھ ہے صرف محبت کی کمی ہے۔"

وہ بولے۔ "ایسی بات نہ کہو بیٹے! یہاں تمہیں محبت ہی محبت ملے گی۔"

سجاد نے کبریٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ یہ خاتون کون ہیں؟ آپ نے بھی تعارف نہیں کرایا۔ کیا یہی سوچ کر کہ ہمیں ان سے محبت نہیں ملے گی؟"

عبادت علی نے ناگواری سے کبریٰ کو دیکھا اور گہری سنجیدگی سے کچھ سوچنے لگے پھر بڑے دکھ سے بولے۔ "یہ تمہاری چچی جان ہیں۔ ہماری بہو ہے۔ ہم اسے بہت چاہتے ہیں' اپنے بیٹے نفاست کو بھی چاہتے ہیں۔ اپنی پوتی اور پوتوں کو بھی چاہتے ہیں لیکن چاہت کے ان تمام رشتوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ نقلی سدرہ اور سجاد کو یہاں لا کر ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ ان کی محبت میں کھوٹ ہے۔ اسی لئے ہم نے ان سے تمہارا تعارف

نہیں کرایا ہے۔"

کبریٰ' زیبی' مراد' اسد اور عالیہ نے چور نظروں سے عبادت علی کو دیکھا۔ وہ سب سمجھ گئے تھے کہ وہ سجاد اور سدرہ سے ان کا تعارف نہیں کرائیں گے۔ بادل ناخواستہ مراد نے آگے بڑھ کر سجاد سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ میرا نام سید مراد علی شاہ ہے۔ میں تمہارے نفاست چچا کا بیٹا ہوں۔"

پھر مراد کے بعد اسد نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "سجاد بھائی! میرا نام سید اسد علی شاہ ہے۔ میں آپ کے چچا کا چھوٹا بیٹا ہوں۔"

عالیہ نے ثمینہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "میرا نام عالیہ ہے۔ میں تمہاری چچی جان کی بھانجی ہوں۔"

پھر عالیہ نے زیبی سے کہا۔ "زیبی! یہاں آؤ۔ تم سدرہ سے نہیں ملو گی؟"

زیبی نے سوالیہ نظروں سے کبریٰ کو دیکھا۔ کبریٰ نے عبادت علی سے کہا۔ "میں نے اور میرے بچوں نے کوئی دھوکا نہیں کیا ہے۔ آپ سدرہ اور سجاد کے سامنے ہماری توہین کر رہے ہیں۔ اگر ہم محبت کے قابل نہیں تو یہی سہی.........."

وہ غصے سے تنتناتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ زیبی نے بھی ماں کی تقلید کی۔ عبادت علی اپنی بہو اور پوتی کے جانے کے بعد سجاد سے بولے۔ "یہ ہے' ہمارے اعلیٰ خاندان کی بہو بیگم اور وہ ہے ہمارا بیٹا جو ہم سے منہ چھپا رہا ہے۔ کیا یہ اس قابل ہیں کہ تمام رشتوں کو محبت سے سمیٹ کر ہمارا نام قائم کر سکیں؟ کیا وہ بیٹا اس قابل ہے کہ ہمارے بعد یہاں سرپرست بن کر رہ سکے؟"

جس بیٹے کے بھڑکانے سے انہوں نے اپنے شجرے کی ایک شاخ کاٹ ڈالی تھی۔ جو بیٹا ہمیشہ ان کے لئے راحت و سکون کا باعث بنتا رہا تھا۔ آج منہ چھپا رہا تھا۔ اس نے اپنے وکیل سے رابطہ کیا تھا اور اس وقت ایک ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا اس کے آفس کی طرف جا رہا تھا۔ مراد کے انکشاف نے اسے ذہنی طور پر الجھا دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ "بھائی جان کی بیٹی زیبی کی ہم شکل کیوں ہو گئی؟"

وہ یہ سوچ سکتا تھا لیکن حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اگر صرف مراد کے ذریعہ سنا ہوتا تو شاید یقین نہ کرتا' اس نے تو سدرہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ دونوں میں اتنی مشابہت تھی کہ وہ باپ ہوتے ہوئے بھی دھوکا کھا گیا تھا۔ سدرہ کو زیبی سمجھ رہا تھا۔

اس کے کانوں میں ثمینہ کی آواز گونجی۔ "کیا آپ ثمینہ کو یاد کرتے ہیں؟"

وہ بولا۔ "میں اسے بھول جانا چاہتا ہوں لیکن تمہاری صورت دیکھ کر وہ یاد آ جاتی ہے۔"

وہ بولی۔ "تصویریں اسی لئے ہوتی ہیں کہ جانے والے یاد آتے رہیں۔ میں بھی اس کی ایک تصویر ہوں۔"

وہ ایک دم سے چونک گیا' سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور وہ گہری سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچنے لگا۔

ایک وہ ہی نہیں' گھر کے تمام افراد بھی پریشان تھے۔ خاص طور پر زیبی اور کبریٰ۔ وہ ماں کے کمرے میں ٹہل رہی تھی' الجھی ہوئی تھی۔ ایک جگہ رک کر کبریٰ سے بولی۔ "آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں آ رہا۔ وہ تو بڑے ابو کی بیٹی ہے پھر میری ہم شکل کیسے ہو گئی؟"

کبریٰ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر بولی۔ "یہی سوچ سوچ کر تو میرا سر گھوم رہا ہے۔ میں سمجھ رہی تھی کہ یہ آنے والا سجاد بھی جھوٹا ہو گا' مکار ہو گا مگر وہ تمہاری ہم شکل کو پیش کر کے اپنی سچائی کی مُہر لگا چکا ہے۔"

وہ پیر پٹخ کر بولی۔ "ممی! میری بات کا جواب دیں۔ وہ میری ہمشکل کیسے بن گئی؟ وہ دادا جان کی جائیداد میں سے اپنا حصہ چھیننے والی ہے لیکن اس سے پہلے میرا چہرہ بھی چرا لائی ہے۔ دادا جان کہتے ہیں' میرے جیسی خوبصورت پوتی کسی کی نہیں ہو گی لیکن وہ برابری کرنے آ گئی ہے۔"

کبریٰ گہری سنجیدگی سے سوچ رہی تھی' پھر بولی۔ "حسرت کی باتیں میرے دماغ میں چبھ رہی ہیں۔"

"کون سی باتیں؟"

"وہ کہہ رہا تھا کہ مجھے تھوڑی دیر کے لئے مان لینا چاہئے کہ زیبی اور سدرہ ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "حسرت کو تو بکواس کرنے کی عادت ہے۔ سدرہ میرے ڈیڈی کی بیٹی کیسے ہو سکتی ہے؟ کیا ہم جڑواں ہیں؟ کیا آپ نے اسے بھی جنم دیا ہے؟"

وہ تنک کر بولی۔ "اسے میں نے نہیں' میری سوکن نے جنم دیا ہے' وہاں تمہارے ڈیڈی کی دوسری بیٹی تھی۔"

"بیٹی تھی .... اب نہیں رہی .... غنڈوں کے ہاتھوں حرام موت مر چکی

ہے۔ اخباروں میں تصویر کے ساتھ اس کی خبر شائع ہوئی تھی۔"

کبریٰ نے قائل ہوتے ہوئے کہا۔ "ہاں .... وہ دونوں ماں بیٹی تو مر چکی ہیں لیکن ہم نے تمہارے ڈیڈی سے ایک بات نہیں پوچھی.........."

"کون سی بات؟"

"وہاں .... ان سے جو دوسری بیٹی ہوئی تھی اس کی صورت شکل کیسی تھی؟ تمہارے ڈیڈی کے پاس اس کی کوئی تصویر ہونی چاہئے۔"

"ڈیڈی واپس آئیں گے تو ان سے تصویر مانگی جائے گی۔ وہ بتائیں گے کہ ان کی وہ بیٹی میری ہمشکل تھی یا نہیں؟"

وہ بولتے بولتے رک گئی پھر ایک دم سے الجھ کر بولی۔ "ممی! آپ بھی مجھے کہاں الجھا رہی ہیں؟ وہ میری ہمشکل تھی یا نہیں تھی' اس بحث کا فائدہ کیا ہے؟ وہ تو مر چکی ہے۔"

"ہاں .... وہ تو مر چکی ہے۔ ہم خواہ مخواہ بحث کر رہے ہیں۔ اے .... لعنت بھیجو اس پر' جہنم میں گئی اس کی صورت۔"

زیبی نے چونک کر کہا۔ "آپ میری صورت کو جہنم میں بھیج رہی ہیں؟"

کبریٰ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ اسے پچکارتے ہوئے بولی۔ "نہیں میری بچی' میری جان! بھلا میں تمہیں جہنم میں بھیج سکتی ہوں؟ میں تو سدرہ کو کہہ رہی تھی۔"

"اب یہی ہو گا۔ ہمارے درمیان غلط فہمیاں ہوا کریں گی۔ خدا کے لئے آپ احتیاط کیجئے گا۔ کہیں اسے زیبی سمجھ کر اہم باتیں نہ بتانے بیٹھ جایئے گا۔"

"اب میں ایسی کوڑھ مغز بھی نہیں ہوں۔ کیا اپنی بیٹی کو پہچان نہیں سکوں گی؟"

واقعی وہ بھی اس کی بیٹی تھی' چاہے سوتیلی ہی سہی لیکن تھی تو اسی خاندان کا خون۔

عبادت علی بہت خوش تھے لیکن ایک بیٹے کا جھوٹ اور دوسرے بیٹے کا سچ سمجھ میں آ جانے کے بعد کچھ رنجیدہ ہو گئے تھے۔

وہ ثمینہ اور سجاد کو اپنے بیڈ روم میں لے آئے تھے اور بڑے صدمے سے بول رہے تھے۔ "آج نفاست کا جھوٹ اور فریب کھل رہا ہے تو تمہارے باپ کی سچائی اور ایمانداری سمجھ میں آ رہی ہے۔"

سجاد سر جھکائے خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کی بے گناہی ثابت کرنے آیا تھا اور اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب بھی ہو رہا تھا۔ ایسے وقت اسے اپنی سگی بہن سدرہ شدت سے یاد آ رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ "سدرہ! میں

تمہارا گناہگار بھائی ہوں لیکن ابو کی کھوئی ہوئی عزت دوبارہ پانے میں کامیاب ہو رہا ہوں۔"

عبادت علی نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "ہمارا بڑا بیٹا شفاعت علی بہت خوددار تھا۔ جھوٹا الزام برداشت نہ کر سکا' ایسا گیا کہ آخری وقت میں بھی اپنی صورت نہیں دکھائی۔ ہم نے اس پر بڑا ظلم کیا ہے۔ ہم اس کے مجرم ہیں۔ خدا ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ثمینہ کی آنکھوں کے گوشے بھی نم ہو گئے۔ وہ ان کے قریب آ کر اپنے آنچل سے ان کے چہرے کو پونچھتے ہوئے بولی۔ "دادا جان! آپ نے ہمارے ابو پر ظلم نہیں کیا ہے۔ ان کے خلاف سازش کی گئی تھی اور آپ دھوکا کھا گئے تھے۔ آپ نے انجانے میں ابو کو گھر سے نکالا تھا لیکن یہ بھی ایک سچ ہے کہ آپ آج تک انہیں دل سے نہ نکال سکے۔"

سجاد کرسی سے اٹھ کر ان کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "دادا جان! اب ابو ہمارے درمیان نہیں رہے۔ ہم ان کی طرف سے کہتے ہیں کہ ہمیں آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

ثمینہ نے کہا۔ "ابو ہوتے تو آپ کی خدمت کرتے۔ ہم ان سے بھی زیادہ آپ کی خدمت کریں گے۔ آپ وعدہ کریں' خود کو مجرم نہیں سمجھیں گے۔"

انہوں نے تڑپ کر اپنے پوتے پوتی کو بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ ثمینہ دل ہی دل میں سجاد کا شکریہ ادا کر رہی تھی کیونکہ آج وہ اسی کی وجہ سے اپنوں میں تھی۔ اپنے دادا جان کے سینے سے لگی سچی خوشیاں اور محبت پا رہی تھی۔

دوسری طرف باپ پریشان تھا۔ وکیل کے پاس پہنچا ہوا تھا۔ اپنا دکھڑا سنا رہا تھا۔ وکیل نے تمام صورت حال سننے کے بعد کہا۔ "ہوں .... تو بات اس قدر بگڑ چکی ہے؟ آپ کا خیال ہے' عبادت علی صاحب آپ سے تمام کاروباری اختیارات چھین لیں گے؟"

وہ بولا۔ "یہ صرف خیال نہیں ہے' مجھے یقین ہے وہ ایسا ضرور کریں گے۔ آپ مشورہ دیں کہ انہیں ایسا کرنے سے کیسے روکا جا سکتا ہے؟"

"عبادت علی صاحب تمام کاروبار کے تنہا مالک و مختار ہیں۔ وہ جب چاہیں آپ کو کاروبار سے بے دخل کر سکتے ہیں اور جب چاہیں آپ کو دوبارہ اختیارات دے سکتے ہیں۔"

نفاست سر جھکا کر سوچ میں گم ہو گیا۔ وہ وکیل کے پاس کسی حل کی توقع لے کر آیا

تھا لیکن اس کے اردگرد پھیلی مشکلات کا حل تو صرف عبادت علی کے پاس ہی تھا۔ وہ سوچتے سوچتے ایک دم سے چونک گیا۔ سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اگر میں کاروباری معاملات میں الجھنیں پیدا کر دوں تو وہ مجھے فوری طور پر بے دخل نہیں کریں گے۔"

وکیل نے کہا۔ "اس صورت میں آپ پر یہ الزام آئے گا کہ آپ نے کاروبار کو نقصان پہنچانے والی الجھنیں پیدا کی ہیں۔"

وہ الجھ کر بولا۔ "تو پھر آپ ہی کچھ سوچیں' کچھ بتائیں' مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہئے؟"

"ایک ہی صورت ہے۔"

"کیسی صورت؟"

"آپ کسی طرح ان کی ناراضگی دور کر دیں۔ ان سے اپنی غلطی کی معافی مانگ لیں۔ میرا خیال ہے یہی مناسب رہے گا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "جب تک ان کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو گا تب تک وہ میری کوئی بات نہیں سنیں گے۔"

"آپ کسی طرح ان کا غصہ ٹھنڈا کریں۔ وہ اپنے پوتی پوتوں کو بہت چاہتے ہیں ان کے ذریعے ناراضگی ختم کرنے کی کوشش کریں۔"

وہ بولا۔ "بھائی جان کے بچے برسوں بعد واپس آئے ہیں۔ ابھی ابا جان پر ان کا جادو چل رہا ہے۔ میرے بچے انہیں میری طرف مائل نہیں کر سکیں گے۔"

وکیل سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ نفاست پُرامید نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سر اٹھا کر بولا۔ "مسٹر نفاست! آپ بہت زیادہ پریشان ہو رہے ہیں۔ آپ کو برسوں سے کاروبار کا تجربہ ہے' وہ ہمیشہ کے لئے آپ سے اختیارات نہیں چھینیں گے' آپ کو عارضی طور پر سزا دیں گے۔ آخر باپ ہیں۔ محبت سے معاف کر سکتے ہیں۔"

وکیل کی بات دل کو لگی تھی۔ وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ نفاست نے ایک ذرا مطمئن ہو کر سوچا۔ "میں نے ابا جان کے کاروبار کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے؟ شاید یہ خیال دل میں آئے تو وہ مجھے معاف کر دیں اور عین ممکن ہے کہ زیبی اور مراد ہی کوئی حل نکال لیں۔"

وہ وکیل کے دفتر سے نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ہوٹل کی طرف جانے لگا۔

☆======☆======☆

ارمانہ اور فراز' زرینہ خاتون کی کوٹھی میں تھے۔ سجاد ان سے کہہ کر گیا تھا کہ فون

کے ذریعے وہاں کی صورت حال سے انہیں آگاہ کرے گا لیکن کافی دیر گزر جانے کے باوجود اس کا فون نہیں آیا تھا۔

فراز نے چائے کی ایک چسکی لینے کے بعد کہا۔ "سجاد نے اب تک فون نہیں کیا۔ پتہ نہیں وہاں کیا صورت حال ہے؟"

ارمانہ نے کہا۔ "ہاں .... سدرہ یا سجاد بھائی کو بتانا چاہئے کہ دادا جان نے انہیں گلے سے لگایا ہے یا نہیں؟"

وہ بولا۔ "سدرہ کا ہم شکل ہونا اتنا بڑا ثبوت ہے کہ دادا جان نے دیکھتے ہی انہیں گلے سے لگا لیا ہو گا۔"

"زیبی اور اس کی ممی تو انگاروں پر لوٹ رہی ہوں گی۔"

زیبی کا ذکر آتے ہی فراز اداس ہو گیا۔ پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔ "انہوں نے کروڑوں روپے حاصل کرنے کا بہت بڑا منصوبہ بنایا تھا۔ اب ناکامی اور ذلت ان کا مقدر بن گئی ہے۔"

"دادا جان سب کے سامنے انہیں باتیں سنا رہے ہوں گے۔"

فراز نے کہا۔ "وہ صرف باتیں نہیں سنائیں گے۔ زیبی کے ڈیڈی کو سزائیں بھی دیں گے۔ آئندہ ان پر کبھی بھروسہ نہیں کریں گے۔"

ارمانہ نے کہا۔ "میں سوچ رہی ہوں' اپنی امی کے پاس واپس چلی جاؤں۔"

"تمہاری امی کا اپنا کوئی گھر نہیں ہے۔ انہیں یہاں بلا لو۔ حسرت تمہیں دل و جان سے چاہتا ہے' تمہیں یہاں سے جانے نہیں دے گا۔"

حسرت کے بارے میں سوچ کر ارمانہ کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "حسرت میں بڑا حوصلہ ہے۔ وہ میری خاطر اپنے بزرگوں سے بغاوت بھی کر لیں گے۔ مجھے تمہاری فکر ہے۔ زیبی تمہارا ساتھ چھوڑنا چاہ رہی ہے۔ تم نے پھر اس سے بات نہیں کی؟"

"ایک تو وہ ویسے ہی مجھ سے ناراض ہے پھر سدرہ اور سجاد کے آ جانے کے بعد بُری طرح الجھی ہوئی ہو گی۔"

"یہی تو وقت ہے' اس سے باتیں کرنے کا .... اسے احساس دلاؤ' وہ اپنے ڈیڈی کے ساتھ غلطی پر تھی۔ تم سے بھی ایک غلطی کی توقع رکھتی تھی۔ اس کا بُرا نتیجہ ابھی اس کے سامنے ہے۔ اس وقت تمہاری باتیں اس کی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔"

وہ قائل ہو کر بولا۔ ”تم ٹھیک کہتی ہو۔ لوہا گرم ہے۔ چوٹ شاید کچھ اثر کر جائے۔“

اس نے ریسیور اٹھا کر زیبی کے موبائل نمبر پنچ کئے۔ پھر کچھ دیر بعد ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ ”زیبی کا موبائل بند ہے۔“

وہ بولی۔ ”اس کے گھر کا نمبر ملاؤ۔“

اس نے کوٹھی کا فون نمبر پنچ کیا۔ پھر ریسیور کان سے لگائے انتظار کرتا رہا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے ارمانہ سے کہا۔ ”کوٹھی میں گھنٹی بج رہی ہے مگر کوئی فون اٹینڈ نہیں کر رہا ہے۔“

وہ بولی۔ ”بڑے لوگ ہیں، آرام سے فون ریسیو کریں گے۔“

کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں گھنٹی بج رہی تھی۔ وہاں فہمی صوفے پر بیٹھی ایک کاپی پر قلم سے کچھ لکھ رہی تھی۔ فون چیخ رہا تھا مگر اسے کچھ علم نہ تھا۔ ایسے ہی وقت عبادت علی، سدرہ اور سجاد کے ساتھ وہاں آئے۔ انہوں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ”ہیلو .... ہم ہیں عبادت علی شاہ۔“

دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ انہوں نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ ”شاید کسی کو ہماری آواز اچھی نہیں لگی۔“

پھر انہوں نے فہمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سدرہ اور سجاد سے کہا۔ ”یہ ہے فہمی .... تمہاری پھوپھی مرحومہ کی بیٹی۔“

فہمی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ سوالیہ نظروں سے کبھی ان دونوں کو اور کبھی عبادت علی کو دیکھنے لگی۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے کاپی لی اور لکھا۔ ”He Sajjad...“ پھر کاپی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اشاروں میں بولے۔ ”یہ ہمارے بڑے بیٹے شفاعت علی کے بچے ہیں۔ سدرہ اور سجاد۔“

فہمی نے ان کی تحریر پڑھی۔ پھر سجاد کے نام پر انگلی رکھ کر انکار میں سر ہلانے لگی۔ ثمینہ اور سجاد سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس نے سجاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انکار میں سر ہلایا۔ اشاروں کی زبان میں اپنے نانا جان کو سمجھانے لگی کہ یہ سجاد نہیں ہے۔ سجاد کوٹھی کے اندر ہو گا۔

عبادت علی کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرے۔ وہ اشاروں میں اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ ”وہ فریبی یہاں نہیں ہے۔ وہ فراڈ تھا۔ اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں

ہے۔ یہ ہی اصلی سجاد اور سدرہ ہیں۔ تم ان سے ملو۔“

ثمینہ کو اس کی معصومیت پر بڑا پیار آ رہا تھا۔ سجاد بھی اسے بڑی اپنائیت سے دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ نے فہمی کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس نے اپنے نانا جان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولے۔ ”یہ تمہاری کزن ہے۔ ہاتھ ملاؤ۔“

فہمی معصوم تھی۔ اسے مسکراتے اور محبت سے دمکتے چہروں کی پہچان تھی۔ ثمینہ اور سجاد کے چہروں پر بھی اس کے لئے اپنائیت بکھری ہوئی تھی۔ اس نے فوراً ہی ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا۔ ثمینہ سے ہاتھ ملانے کے بعد اس نے سجاد کی طرف ہاتھ بڑھایا تو سجاد نے جھجکتے ہوئے عبادت علی کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے، ان کا انداز بتا رہا تھا کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

سجاد نے مصافحے کے لئے اس کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ فہمی اچانک ہی چونک گئی۔ کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں کبھی اپنے ہاتھ کو اور کبھی سجاد کے ہاتھ کو دیکھنے لگی۔ دل پہلی بار انجانے انداز میں دھڑک رہا تھا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ نہ جانے وہ سانس تھی یا ایک ”آہ“ تھی۔

☆======☆======☆

عالیہ گھر کے ماحول سے گھبرا گئی تھی۔ سب ہی ایک دوسرے سے کترا رہے تھے۔ محبت ڈھونڈے سے نہیں مل رہی تھی۔ وہ اسد کے ساتھ ایک گارڈن میں آؤٹنگ کے لئے آگئی تھی۔ پھولوں بھرا خوشبوئیں لٹاتا ہوا ماحول اسے اچھا لگ رہا تھا۔

وہ گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ "یہاں کھلی فضا میں اچھا لگ رہا ہے۔ گھر کے ماحول میں گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔"

اسد اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ وہ بولا۔ "ہمارا گھر' گھر نہیں' میدانِ جنگ بن چکا ہے۔ ایک طرف سے دادا جان کا قہر نازل ہو رہا ہے' دوسری طرف سے ڈیڈی میدان چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے؟"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "یہ سوچو' ہمارا کیا ہو گا؟ تم نے کہا تھا' خالہ امی سے بات کرو گے۔"

"ہاں .... کہا تھا لیکن یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے۔ انکل درانی اپنے بیٹے کے لئے تمہارا رشتہ مانگنے آئے تھے۔ ممی اور ڈیڈی نے انہیں ٹال دیا ہے۔ میں ممی سے بات کروں گا تو وہ میری بات کو اہمیت نہیں دیں گی۔ ہمیں ڈیڈی کی واپسی تک انتظار کرنا ہو گا۔"

وہ سوچتے ہوئے بولی۔ "آثار بتا رہے ہیں کہ یہ جنگ ایک لمبی مدت تک جاری رہے گی۔ ہم کب تک انتظار کریں گے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ ابھی تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ موجودہ حالات میں ہماری بات کوئی نہیں سمجھے گا۔"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "حالات جیسے بھی ہوں میں یہ اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ مجھے بہو کی حیثیت سے کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔"

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "تم خواہ مخواہ مایوس ہو جاتی ہو۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں' ہمارے بزرگ تمہیں قبول نہیں کریں گے تو میں بغاوت کروں گا۔ شاعر نے

کیا خوب کہا ہے:

تم میں ہمت ہے تو دنیا سے بغاوت کر لو
ورنہ ماں باپ جہاں کہتے ہیں شادی کر لو۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ اسد نے ایک پھول توڑ کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "اور میری شادی ہو گی تو تم سے ہی ہو گی۔ کیا تمہیں یقین ہے؟"

اس نے پھول لیتے ہوئے کہا۔ "اس بھری دنیا میں ایک تم ہی ہو جو میرے اپنے ہو۔ میں تم پر بھروسہ نہیں کروں گی تو کس پر کروں گی؟ بس گھر والوں کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا ہے۔ نہ جانے ہمیں کیسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا؟"

وہ دونوں ایک دوسرے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔

☆======☆======☆

عبادت علی اپنے کمرے میں تھے۔ یہ یقین آ جانے کے بعد کہ سجاد اور سدرہ اصلی ہیں' ان کا اپنا خون ہیں' کوئی فراڈ نہیں ہیں۔ وہ مطمئن ہو گئے تھے۔ اب انہیں بہت سے اہم فیصلے کرنے تھے۔ وہ کمرے میں تنہا بیٹھے مستقبل بینی میں گم تھے کہ فون کی گھنٹی نے انہیں چونکا دیا۔ انہوں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ پھر کہا۔ "ہیلو .... ہم بول رہے ہیں' سید عبادت علی شاہ۔"

وہ کچھ دیر جواب کا انتظار کرتے رہے لیکن دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ انہوں نے پوچھا۔ "ہیلو .... کون ہو تم؟ چپ کیوں ہو؟"

دوسری طرف سے ہچکچائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "وہ .... وہ .... السلام علیکم!"

وہ بولے۔ "وعلیکم السلام۔"

پھر ایک دم سے ٹھٹک گئے۔ ناگواری سے بولے۔ "تم .... تم ہو آستین کے سانپ! ڈسنے کے بعد فون کر رہے ہو؟ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ تمہارے زہر سے ہماری کمر ٹوٹ چکی ہے یا نہیں؟"

دوسری طرف نفاست تھا۔ وہ وکیل کے مشورے پر عمل کر رہا تھا۔ عبادت علی سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک پی سی او سے رابطہ کیا تھا۔ اس نے فون پر کہا۔ "ابا جان! میں شرمندہ ہوں۔ آپ مجھے گالیاں دیں' مجھے سزائیں دیں' مگر میں آپ سے دور نہیں رہوں گا۔ میں آپ کے قدموں کی خاک ہوں' آپ کے قدموں میں ہی رہنا چاہتا

ہوں۔"

وہ حقارت سے بولے۔ "تم ہمارے قدموں کی خاک نہیں ہو۔ زمین کا ایک ٹکڑا ہو۔ ہمارے پاؤں تلے سے کھسک گئے ہو تاکہ ہم اوندھے منہ گر پڑیں' پھر کبھی نہ اٹھ سکیں............"

وہ جلدی سے بولا۔ "ابا جان ایسی باتیں نہ کریں۔ خدا آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ انسان خطا کا پتلا ہے' مجھ سے پہلی بار یہ غلطی ہوئی ہے۔ اگر آپ مجھے معاف نہیں کریں گے تو خدا بھی مجھے معاف نہیں کرے گا۔"

انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔ "معافی نہ مانگو.......... ہمارا بڑا بیٹا بہت خوددار تھا۔ اس نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ اس نے کبھی ہم سے معافی نہیں مانگی۔ وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا پھر کبھی واپس نہیں آیا۔ تم بھی گھر چھوڑ کر گئے ہو' تم بھی خوددار بنو' واپس نہ آؤ۔ یہ تمہاری سزا بھی ہے تمہاری خودداری کا امتحان بھی۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور پٹخ دیا۔ دل ہی دل میں نفاست کو برا بھلا کہنے لگے۔ ان کے کمرے کے باہر کوریڈور میں کبریٰ اور زیبی کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ ہر صورت نفاست کو واپس لانا چاہتی تھیں۔ کبریٰ عبادت علی کی کمزوری جانتی تھی۔ اس نے انہیں جذباتی چوٹ دینے کے لئے ان کی عزیز اور لاڈلی پوتی زیبی کو آلہ کار بنایا تھا۔ مگر وہ اپنے دادا جان کے سامنے جانے سے کترا رہی تھی۔ کبریٰ نے سرگوشی میں تاکید کی۔ "جو سمجھایا ہے' وہی کہنا۔"

زیبی نے کہا۔ "آپ بھی چلیں۔"

اس نے ناگواری سے کہا۔ "وہ تو مجھے دیکھتے ہی غصے سے تلملانے لگتے ہیں۔ وہ تمہیں چاہتے ہیں' تم سے ٹھنڈے ہو کر بات کریں گے۔"

زیبی نے ایک نظر ماں پر ڈالی پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی دروازے کے قریب آئی۔ ہینڈل گھمانے سے پہلے ایک بار پھر اس نے پلٹ کر کبریٰ کو دیکھا اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اندر جانے کو کہا۔ اس نے تھوک نگلتے ہوئے ہینڈل کو گھمایا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اس نے اندر آ کر دیکھا عبادت علی کسی فائل کا مطالعہ کر رہے تھے۔ وہ دروازہ بند کر کے آہستہ آہستہ خاموشی سے ان کی طرف بڑھنے لگی۔

وہ بظاہر فائل کے مطالعے میں مصروف تھے لیکن عینک کے پیچھے چور نظروں سے پوتی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ چلتی ہوئی آ کر ان کے قدموں میں گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی۔ ان کی

نظریں فائل پر جمی ہوئی تھیں۔

وہ ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "دادا جان!؟"

انہوں نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر کہا۔ "اوپر بیٹھو۔"

وہ سہمی ہوئی تھی۔ ان کے گھٹنے پر سر رکھ کر بولی۔ "آپ مجھ سے بھی ناراض ہیں؟"

انہوں نے بے نیازی سے کہا۔ "دور ہٹو.......... اور بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھو۔"

وہ سر اٹھا کر بولی۔ "میں آپ کے قدموں میں رہوں گی۔"

انہوں نے غصے سے فائل بند کر کے سینٹر ٹیبل پر پٹخ دی۔ پھر ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا باپ بھی ہمارے قدموں میں رہتا تھا۔ ہمیں یہ سبق سکھا گیا ہے کہ اپنے سگوں کو قدموں میں نہ بٹھاؤ۔ موقع پاتے ہی ٹانگ کھینچ لیتے ہیں۔"

وہ ان کے لہجے سے مزید سہم گئی تھی۔ فرش پر سے اٹھتے ہوئے بڑی معصومیت سے بولی۔ "لیکن دادا جان! میں نے تو ایسا نہیں کیا ہے؟"

"ایسے ہی وقت محبتوں کی آزمائش ہوتی ہے۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس سے محبت ہو رہی ہے اور کسی سے عداوت کی جا رہی ہے؟ کسے سنبھالا جا رہا ہے اور کسے گرایا جا رہا ہے؟ تمہارا باپ ہمیں گرا رہا تھا۔ تم نے باپ کا ساتھ دیا اور دادا کو گرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ یہ ہے تمہاری محبت؟"

اس سوال پر اس کا سر جھک گیا۔ وہ نظریں چرانے لگی۔ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا جواب دے؟ انہوں نے بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "اب تم ہمارے پاس کس منہ سے آئی ہو؟"

وہ تذبذب میں مبتلا ہو گئی کہ کیا جواب دے۔ کچھ دیر بعد بولی۔ "میں ڈیڈی سے محبت کرتی ہوں۔ آپ سے بھی محبت کرتی ہوں۔ محبت کرنے کے باوجود مجھ سے ایک غلطی ہو گئی۔ آپ ڈیڈی سے برتر ہیں۔ خدا کے بعد آپ ہی ہمارے سرپرست ہیں۔ خدا غلطیاں معاف کر دیتا ہے۔ آپ بھی ہماری غلطیاں معاف کر دیں۔"

وہ ماں کے رٹائے ہوئے جملے بول رہی تھی۔ عبادت علی نے گھور کر اسے دیکھا۔ پھر بولے۔ "آج نہیں تو کل معاف کرنا ہی ہے۔ ہم تمہاری غلطی معاف کر دیں گے' یہ سوچ کر کہ تم نادان بچی ہو۔"

اس نے چونک کر انہیں دیکھا پھر کہا۔ "یہ تو میں جانتی ہوں' آپ مجھے دل و جان

سے چاہتے ہیں۔ مجھے معاف کر دیں گے لیکن میں تو.........."

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ ذرا توقف کے بعد ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "میں ڈیڈی کی.........."

وہ نفاست کا ذکر سنتے ہی آگ بگولہ ہو گئے۔ گرج کر بولے۔ "آگے کچھ نہ کہنا۔ اپنے باپ کی وکالت نہ کرنا' ہمارے بڑے بیٹے نے ایک ناکردہ جرم کی سزا پائی تھی۔ تمہارے باپ نے تو ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا جرم کیا ہے۔ اسے تو ضرور سزا ملے گی۔ جاؤ.......... اپنے باپ سے کہو' سزا سے بچنے کے لئے ہم سے منہ چھپاتا رہے۔"

زیبی ان کی گرجدار آواز سے اندر ہی اندر کانپ کر رہ گئی تھی۔ سہمی ہوئی تھی۔ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کھڑی رہے یا کمرے سے چلی جائے؟ ایسے ہی وقت عبادت علی نے اس کی مشکل حل کر دی۔ انہوں نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "جاؤ.......... ہماری نماز کا وقت ہو رہا ہے۔"

جیسے ہی دروازہ پوری طرح سے ملا تو وہ باہر کھڑی کبریٰ کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ وہ بھی ایک دم سے گھبرا گئی تھی پھر کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولی۔ "وہ.......... میں.......... میں تو یہاں سے گزر رہی تھی۔"

عبادت علی نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ زیبی کمرے سے باہر آ گئی کبریٰ نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "ارے زیبی! تم یہاں تھیں؟ میں تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم اپنے دادا جان کی خدمت کرنے کے لئے ان کے کمرے میں ہو؟"

زیبی نے گھور کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "ممی! چلیں.........."

وہ بیٹی کی آنکھوں کو سمجھ گئی تھی اسی لئے مسکراتی ہوئی اپنے بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔ زیبی بھی اس کے پیچھے تھی۔

☆======☆======☆

شام ہو رہی تھی۔ مراد نفاست کا کچھ ضروری سامان لے کر ایئرپورٹ پہنچ گیا تھا۔ وہ دونوں وزیٹرز لابی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مراد نے پوچھا۔ "آپ وکیل کے پاس گئے تھے؟"

"ہاں.......... وہ ہمارے کسی کام نہیں آئے گا۔ ایک ہی مشورہ دیتا ہے کہ کسی طرح بھی ابا جان کی ناراضگی دور کی جائے۔"

"ممی اور زیبی کوشش کر رہی ہیں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "کچھ حاصل نہیں ہو گا۔"

"ان سے بات کی جائے گی تو کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔"

"میں ابا جان سے بات کر چکا ہوں۔ وہ مجھے کسی قیمت پر معاف نہیں کریں گے۔ یہ ان کا فیصلہ ہے۔"

مراد سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ باپ کے چہرے سے ناامیدی اور مایوسی صاف جھلک رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا دادا جان کے فیصلے میں رد و بدل کی کوئی گنجائش نہیں تھی؟"

"ان کا ہر فیصلہ پتھر پر لکیر کی طرح ہوتا ہے۔"

مراد الجھ کر بولا۔ "ایک تو دادا جان پہلے ہی آگ بگولہ ہو رہے ہیں۔ اوپر سے سجاد تیل چھڑکتا رہے گا۔ وہ ٹھنڈے بھی ہونا چاہیں گے تو وہ انہیں بھڑکاتا رہے گا۔ اسے ہمارے خلاف بہت کچھ کرتے رہنے کا موقع ملے گا۔"

نفاست نے گہری سنجیدگی سے سوچتے ہوئے کہا۔ "میں ابا جان کو خوب سمجھتا ہوں۔ وہ سب سے پہلے مجھے کاروبار سے بے دخل کریں گے۔ وکیل اور مشیروں کو بلا کر پورے سیٹ اَپ میں تبدیلیاں کرائیں گے۔ مجھ سے تمام اختیارات چھین لیں گے۔"

مراد حقارت سے بولا۔ "میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ سجاد پورے کاروبار میں اپنے پنجے گاڑ دے گا۔"

نفاست نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے بھائی جان کے ساتھ جو کیا تھا' وہ اس سے زیادہ میرے خلاف کرے گا۔ اپنے باپ کی ذلتوں اور محرومیوں کا بدلہ ضرور لے گا۔"

مراد پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ بچپن سے دولت میں کھیلنے والے کو یوں لگ رہا تھا' جیسے وہ بہت غریب ہوتا چلا جا رہا ہے۔ عبادت علی کے کاروبار کے کچھ اختیارات اس کے پاس بھی تھے۔ گو کہ وہ معمولی تھے لیکن اب غیر معمولی لگ رہے تھے۔ اس نے باپ سے پوچھا۔ "ڈیڈ! کیا دادا جان مجھے بھی کاروباری معاملات سے دور کر دیں گے؟"

"تم میرے بیٹے ہو' ان کے پوتے ہو' مگر سدرہ اور سجاد کے فراڈ میں تم نے باپ کا ساتھ دیا ہے۔ اس لئے وہ تمہیں بھی سزا دیں گے لیکن شاید تمہاری سزا لمبی نہ ہو۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "اس کم بخت نے آ کر ہماری ساری پلاننگ پر پانی پھیر دیا ہے۔ جی چاہتا ہے' اسے شوٹ کر دوں۔"

"جذباتی باتیں مت کرو۔ میں جلدبازی میں ایک غلط فیصلہ کر چکا ہوں۔ میرے گھر

چھوڑ دینے سے اسے خالی میدان مل گیا ہے۔ وہ وہاں من مانی کرتا رہے گا۔"

"پھر ہماری آستین کا سانپ حسرت اس کے ساتھ ہے۔ اسے ہماری تمام ہسٹری اور ہماری کمزوریاں بتاتا رہے گا۔"

دونوں باپ بیٹا سر جھکا کر پریشان ہو کر سوچنے لگے۔ مراد نے سر اٹھا کر کہا۔ "ڈیڈ! میں تو کہتا ہوں' گھر واپس چلیں۔ اس طرح آپ سجاد کو بہت سی انتقامی کارروائیوں سے روک سکیں گے۔ وہ آپ کے سامنے بچہ ہے' آپ اس کے بہت سے داؤ پیچ کا توڑ کر سکیں گے۔"

نفاست نے قائل ہو کر اسے دیکھا' پھر کہا۔ "ہوں' میں ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی کر رہا ہوں۔ گھر چھوڑنے اور منہ چھپانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ دشمن کو شہ ملتی رہے گی اور میں نقصان اٹھاتا رہوں گا۔"

مراد خوش ہو کر بولا۔ "تو پھر آپ واپس چل رہے ہیں؟"

"میں آج کی رات کسی ہوٹل میں گزاروں گا۔"

"کیوں .... ہوٹل میں کیوں رہیں گے؟"

"مجھے گھر واپس جا کر کیا کرنا ہے' اس کے لئے ٹھوس پلاننگ کرنی ہو گی۔"

"اس کے لئے تو آپ اپنی دوسری کوٹھی میں بھی رہ سکتے ہیں۔"

"تم جانتے ہو' حسرت ارمانہ کو پسند کرتا ہے۔ اس نے ارمانہ اور فراز کو وہاں پناہ دے رکھی ہے۔ سجاد بھی وہیں تھا اور سدرہ بھی.........."

سدرہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ ایک دم سے چپ ہو گیا۔ کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے مراد سے پوچھا۔ "کیا وہ بالکل زیبی جیسی ہے؟"

"سر سے پاؤں تک زیبی ہے۔ ایک کو چھپاؤ' دوسری کو نکالو۔ بال برابر کا بھی فرق نہیں ہے۔"

"اسی لئے میں بھی دھوکا کھا گیا تھا۔ اسے زیبی سمجھ رہا تھا۔"

پھر اسے یاد آنے لگا کہ اس نے اسے کسی طرح سجاد کا سامنا ہونے سے بچایا تھا۔ یہ بھی ایک طرح کی ہمدردی تھی جو اب اُس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔

وہ بولا۔ "تعجب ہے .... وہ دشمن کی بیٹی مجھ سے محبت کر رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس گھر میں اس کے بھائی سجاد سے میرا سامنا ہو۔ وہ شاید نہیں چاہتی تھی کہ سجاد وہاں مجھ سے بدتمیزی کرے؟"

وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ سدرہ کی محبت کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ پھر اس نے چونک کر مراد سے پوچھا۔ "اسے مجھ سے ہمدردی کیوں تھی؟"

وہ دونوں ایک دوسرے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ مراد نے پوچھا۔ "ڈیڈ! آپ کی وہ دوسری بیٹی بھی ویسی تھی .... زیبی کی ہم شکل؟"

نفاست نے چونک کر مراد کو دیکھا۔ اس کے سوال نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

☆======☆======☆

فہمی اپنے کمرے میں تھی۔ وہ جب سے سجاد سے ملی تھی' تب سے کچھ پریشان تھی۔ اپنے احساسات کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بار بار اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ سوچ رہی تھی' اس نے اس ہاتھ کو فون کے ریسیور کی طرح اپنے کان سے لگایا۔ پھر کچھ دیر بعد اسے کان سے ہٹا کر الجھ کر دیکھنے لگی۔ یہ ایک ایسی الجھن تھی جسے وہ سلجھا نہیں سکتی تھی۔ ایسے جذبے تھے جنہیں وہ نادان سمجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ محبت کی صرف ایک ہی صورت سے آشنا تھی۔ ہیر' رانجھا اور لیلیٰ مجنوں کی محبتوں سے ناواقف تھی۔

ثمینہ' سجاد اور حسرت ایک میز کے اطراف بیٹھے رات کے کھانے میں مشغول تھے۔ وہاں فہمی کا ذکر ہو رہا تھا۔ سجاد نے حسرت سے پوچھا۔ "تمہاری منطق میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ وہ بے چاری بے زبان لڑکی دلہن بن کر تمہارے پاس آئی اور تم نے اسے طلاق دے دی؟"

"میں ہمیشہ اس کا محافظ بن کر رہا ہوں۔ میں نے کبھی اسے نقصان نہیں پہنچنے دیا۔ پہلے یہ سمجھ لو کہ شادی کیوں کی؟"

ثمینہ اور سجاد توجہ سے سننے لگے' وہ بولا۔ "اگر میں فہمی سے شادی نہ کرتا تو وہ مراد بھائی کے پلے باندھ دی جاتی۔ میں نے اس پر مراد بھائی کا سایہ بھی نہیں پڑنے دیا۔"

"جب تم اس کے محافظ ہو تو شوہر بن کر بھی تو اسے تحفظ دے سکتے تھے؟"

وہ بولا۔ "وہ اتنی معصوم اور اتنی نادان ہے کہ اس کے ساتھ ازدواجی زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ میں نے دادا جان سے کہہ دیا تھا کہ میں اس کا محافظ بن کر رہ سکتا ہوں لیکن مجازی خدا بن کر نہیں رہ سکوں گا۔"

ثمینہ نے کہا۔ "جب طلاق دینی تھی تو شادی کیوں کی؟ آپ شادی ہی نہ کرتے۔"

سجاد نے ثمینہ سے کہا۔ "حسرت کی بات سمجھو .... مراد فہمی کے پیچھے پڑا ہوا تھا'

اس لئے اس نے دکھاوے کی شادی کی تھی۔"

حسرت نے ان دونوں کو مسکرا کر دیکھا پھر کہا۔ "اس شادی کی ایک اور اہم وجہ ہے۔"

ثمینہ نے پوچھا۔ "وہ کیا؟"

"دادی جان کی وصیت کے مطابق فہمی کو شادی کے بعد پچاس کروڑ روپے ملنے والے تھے اور مجھ سے شادی ہونے کے بعد وہ پچاس کروڑ فہمی کے کھاتے میں جمع ہو چکے ہیں اور دادا جان اس کے ٹرسٹی ہیں۔"

سجاد سن رہا تھا اور سوچ بھی رہا تھا کہ یہاں دولت کی ہیرا پھیری کیسے کی جاتی ہے اور کس طرح گھما پھرا کر دولت کو اپنے قبضے میں کیا جاتا ہے؟

ثمینہ نے حسرت سے کہا۔ "دادا جان کے پاس بے حساب دولت ہے۔ انہیں پچاس کروڑ کے لئے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

وہ بولا۔ "تم ابھی آئی ہو' تمہیں رفتہ رفتہ معلوم ہو گا۔ اس گھرانے میں شادیاں خالص کاروباری انداز میں ہوتی ہیں۔ یہاں پہلے سے طے ہو چکا ہے کہ گھر کی دولت گھر سے باہر نہیں جائے گی۔ سجاد بھائی کی شادی زیبی یا فہمی سے ہو گی اور تمہاری شادی مراد سے یا مجھ سے ہو گی۔"

سجاد نے مسکرا کر کہا۔ "اب تو یہ پلاننگ دھری کی دھری رہ جائے گی۔ کسی دن یہ دھماکہ ہو گا کہ یہ سدرہ تمہارے ڈیڈی کا خون ہے۔"

ثمینہ نے پریشان ہو کر سجاد کو دیکھا۔ ایسے ہی وقت فہمی وہاں پہنچ گئی۔ حسرت نے اسے اشاروں میں کہا۔ "آؤ .... ہمارے ساتھ کھاؤ۔"

وہ اپنے سیدھے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے دبائے ہوئے تھی۔ اس کی نظریں سجاد پر ٹھہر گئیں۔ حسرت اسے بیٹھنے کا اشارہ کر رہا تھا مگر وہ نہ جانے کہاں گم تھی۔ ثمینہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے بازو سے پکڑ کر ایک کرسی کی طرف لانے کی کوشش کی تو اس نے ایک دم سے چونک کر ثمینہ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ حسرت فہمی کو بغور دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر پھیلی الجھن کو بھی محسوس کر رہا تھا۔

ثمینہ نے حسرت سے کہا۔ "یہ شاید ہم سے مل کر خوش نہیں ہے؟"

وہ بولا۔ "نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ یہ دل کی بہت اچھی ہے۔ ابھی کچھ پریشان لگ رہی ہے۔"

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی حسرت کے قریب آئی۔ حسرت نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اشارے سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

اس نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ حسرت کچھ سمجھ نہیں پایا۔ مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔ "تمہیں کوئی پریشانی ہے؟"

وہ کچھ محسوس کرنا چاہتی تھی۔ حسرت سے مصافحہ کرنے پر اس کے اندر کوئی انجانا جذبہ نہیں گدگدایا تھا۔ وہی عام سی بات تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ پھر پریشان ہو کر کبھی حسرت کو اور کبھی اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگی۔ وہ تینوں خاموشی سے اس کی اندرونی کیفیت سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

پھر اچانک اس نے اپنے ہاتھ کو مصافحہ کے لئے سجاد کی طرف بڑھا دیا۔ سجاد نے حسرت کو دیکھا۔ وہ بولا۔ "میں اس کی پریشانی سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔"

سجاد نے اس سے مصافحہ کیا تو وہ ایک دم سے چونک گئی۔ وہی انجانا جذبہ اندر ہی اندر اسے گدگدانے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ہاتھ سے ہاتھ کا یہ ربط اچھا لگ رہا تھا۔ بہت سے نئے جذبے سر ابھار رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ چشم تصور میں نظر آنے والی کھلتی ہوئی کلیاں ایک دم سے غائب ہو گئیں۔ اس نے مسکرا کر سجاد کو دیکھا پھر تیزی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر پلٹ کر وہاں سے چلی گئی۔

وہ تینوں ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ حسرت گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ فہمی کا سراپا ایک سوال دکھائی دے رہا تھا۔

☆======☆======☆

نفاست نے ایک ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لے لیا تھا۔ وہ دونوں کمرے میں آئے تو ایک پورٹر وہاں نفاست کا سامان رکھ رہا تھا۔ مراد نے اسے ٹپ دیتے ہوئے کہا۔ "دو کپ کافی لے آؤ۔"

وہ سلام کر کے چلا گیا۔ نفاست ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اسے سدرہ اور زیبی کا ہمشکل ہونا الجھا رہا تھا۔ ایک ہی باپ کی دو بیٹیاں ہمشکل ہو سکتی ہیں مگر دو بھائیوں کی بیٹیاں کیسے ایک جیسی ہو گئیں؟ تین ہم شکل لڑکیوں کا تذکرہ کبھی سننے میں نہیں آیا۔

مراد نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ڈیڈ! میری عقل تسلیم نہیں کرتی' نہ میں نے کبھی دیکھا نہ کبھی سنا۔ آج تک کسی خاندان میں کبھی تین ہمشکل لڑکیاں پیدا ہی نہیں ہوئیں۔"

"میری بھی عقل تسلیم نہیں کر رہی ہے۔ بھائی جان کی بیٹی میری دو بیٹیوں کی ہم شکل کیسے ہو گئی؟"

نفاست دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بیٹھ گیا۔ مراد نے کہا۔ "ہمارا **اصل مسئلہ** دادا جان ہیں۔ ہم پھر دوسرے معاملات میں الجھ رہے ہیں۔"

نفاست کسی سوچ میں گم تھا۔ چونک کر بولا۔ "وہ صرف زیبی کی ہم شکل ہی نہیں ہے' میری ہمدرد بھی ہے۔ مجھے یاد آ رہا ہے' وہ مجھے پریشان دیکھ کر خود بھی پریشان ہو گئی تھی۔"

مراد اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ نفاست کے دل کے کسی کونے سے آواز ابھری۔ "ایسا لگتا ہے' جیسے ثمینہ زندہ ہے۔ یا اس کی روح سدرہ کے اندر سما گئی ہے۔"

مراد نے پوچھا۔ "ڈیڈ! کیا سوچ رہے ہیں؟"

اس نے چونک کر مراد کو دیکھا پھر الجھ کر کہا۔ "بھائی جان کی بیٹی نے مجھے الجھا دیا ہے۔ مجھے پھر ایک بار اس سے ملنا چاہئے۔"

"کل آپ کوٹھی میں واپس آئیں گے تو اس سے ملاقات ہو گی۔"

"کل بہت دور ہے۔ میں سوچ رہا ہوں' اگر یہ لڑکی میری ہمدرد ہے تو مجھے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ تم کوٹھی کے نمبر پر رابطہ کرو۔ میں کسی طرح سدرہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

مراد نے ہوٹل کے فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کوٹھی کے نمبر پنچ کر کے انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد دوسری طرف سے ببن نے فون ریسیو کیا۔ مراد نے کہا۔ "ہیلو .... میں مراد بول رہا ہوں۔ ڈیڈی سے بات کرو۔"

نفاست سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس کی طرف ریسیور بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کا وفادار ببن ہے۔"

نفاست نے ریسیور کو کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو .... میں بول رہا ہوں۔ میری بات غور سے سنو۔ وہاں سدرہ بی بی آئی ہوئی ہیں۔ تم ان سے چپ چاپ جا کر کہو کہ میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ اسے میرا موبائل نمبر بتا دو۔ یاد رکھو' کسی کو معلوم نہ ہو کہ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر نفاست نے ریسیور رکھ دیا۔ مراد نے کہا۔ "آپ سدرہ کے معاملے میں

الجھ رہے ہیں۔ **اصل معاملے** پر توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ دادا جان کوئی سخت قدم اٹھائیں۔ آپ کو اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لینی چاہئے۔"

"میں یہی کر رہا ہوں۔"

"کیا کر رہے ہیں؟"

وہ صوفے سے اٹھ کر خلا میں تکتے ہوئے بولا۔ "میں اپنی زندگی کے بہت اہم موڑ پر آ گیا ہوں۔ یہاں میرے لئے تخت بھی ہو سکتا ہے اور میرا تختہ الٹ بھی سکتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے' ایسے بُرے وقت میں یہی ایک لڑکی میرے کام آئے گی۔"

ایسے ہی وقت نفاست کے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ اس نے نمبر پڑھ کر اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو .... میں بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف ثمینہ ریسیور کان سے لگائے کھڑی تھی۔ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ باپ نے سدرہ کے رشتے سے ہی سہی اسے مخاطب تو کیا۔ وہ بولی۔ "ہیلو .... میں .... آپ کو آواز سے پہچان رہی ہوں۔ آپ نے مجھے یاد کیا ہے؟"

نفاست نے کہا۔ "ہاں .... بیٹی سمجھ کر یاد کیا ہے۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "بیٹی ....؟"

"ہاں .... کیا میں تمہیں بیٹی نہیں کہہ سکتا؟"

وہ خوش ہو رہی تھی۔ واقعی سجاد کی حکمت عملی نے اسے اس کے اصلی مقام پر پہنچا دیا تھا۔ سب اسے اسی خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے قبول کر رہے تھے اور اب نفاست نے اسے بیٹی کہہ کر مخاطب کیا تھا تو اس کے اندر ہلچل سی مچ گئی تھی۔ وہ بولی۔ "ہاں .... ہاں آپ مجھے بیٹی کہہ سکتے ہیں۔ آپ میرے چچا جان ہیں۔ میرے ابو کی جگہ ہیں۔"

وہ بولا۔ "تم نے سنا ہو گا' میں نے تمہارے ابو سے عداوت کی تھی؟ تمہیں تو مجھ سے نفرت کرنی چاہئے۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ میں مر تو سکتی ہوں مگر کبھی آپ سے نفرت نہیں کر سکتی۔"

نفاست نے چونک کر مراد کو دیکھا۔ وہ سدرہ کے لہجے کی اپنائیت سے حیرت میں مبتلا ہو رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "تمہارے لہجے میں اتنی محبت' اتنی مٹھاس ہے' ایسا لگ رہا ہے' جیسے میری بیٹی پھر سے زندہ ہو گئی ہے۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ جس رشتے سے باپ' ماں کی زندگی میں منہ پھیرتا رہا تھا' آج اسی رشتے کا حوالہ دے رہا تھا۔ ریسیور سے نفاست کی آواز ابھری۔ "میں نے اپنی ثمینہ کی قدر نہیں کی۔ شاید اس کی آہیں مجھے بلندی سے پستی کی طرف پھینک رہی ہیں؟"

وہ تڑپ کر بولی۔ "ایسا نہ کہیں۔ بیٹیوں کی آہیں بھی عرش تک پہنچتے پہنچتے دعاؤں میں بدل جاتی ہیں۔"

نفاست اس کی باتوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ وہ بولا۔ "تم میری ثمینہ کا دوسرا روپ ہو۔ تمہیں ایک بار دیکھا ہے' ایک بار پھر دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھ سے ملنا چاہو گی؟"

وہ خوشی سے کھل کر بولی۔ "آپ ایک بار بلائیں گے' میں بار بار آؤں گی۔ آپ کہاں ہیں؟"

وہ خوشی اور بیٹی کے جذبوں میں ڈول رہی تھی' یہ بھول رہی تھی کہ وہ شخص اس کے بھائی جان سجاد اور اس کی فیملی کا دشمن ہے۔ نفاست نے بتایا۔ "میں ہوٹل پرل کے روم نمبر ستاون میں ہوں۔ کیا ابھی آ رہی ہو؟"

"ہاں .... بس میں ابھی آ رہی ہوں۔"

رابطہ منقطع ہو گیا۔ اس نے موبائل آف کرتے ہوئے مراد سے کہا۔ "وہ آ رہی ہے۔"

مراد نے مسکرا کر کہا۔ "آپ بیٹی کے جذبات سے کھیل رہے تھے۔"

نفاست نے اسے دیکھ کر گہری سنجیدگی سے کہا۔ "نہیں .... میں نے پہلی بار محسوس کیا ہے کہ میں زبان سے نہیں دل سے بول رہا تھا۔ پتہ نہیں .... میں اس لڑکی سے متاثر کیوں ہو رہا ہوں؟"

مراد اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے باپ کی باتیں سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ آتیں بھی کیسے جبکہ نفاست بھی اپنے احساسات کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ الجھا ہوا تھا۔ سدرہ سے مل کر ان الجھنوں سے نکلنا چاہتا تھا۔

اس نے مراد سے کہا۔ "تم ابھی جاؤ' میں اس سے تنہائی میں باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ممی سے کیا کہوں؟"

"کہہ دینا' میں میدان چھوڑ کر نہیں جا رہا ہوں۔ کل واپس آنے والا ہوں۔"

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ نفاست نے پھر اسے مخاطب کر کے کہا۔ "سنو' میری اور سدرہ

کی ملاقات کا ذکر اپنی ممی سے نہ کرنا۔"

میدانِ جنگ میں دشمن حاوی ہو رہا ہو تو مصلحتاً پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ چھپ کر وار کرنا پڑتا ہے۔ منہ چھپا کر جوابی حملوں کی تیاری کرنی پڑتی ہے۔ اسے جنگی حکمتِ عملی کہتے ہیں۔

☆======☆======☆

سجاد اس کے جوابی حملے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں تھا۔ اس کے سامنے ایک البم کھلی ہوئی تھی۔ وہ نفاست کی تصویر کو دیکھ کر طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیوں حضرت! کس بل میں چھپ گئے؟ یہ بلی چوہے کا کھیل کب تک چلے گا؟ کبھی تو سامنا ہو گا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مجھے ایک قصہ یاد آ رہا ہے۔ میں آپ کو سناتا ہوں۔"

وہ ایسے بول رہا تھا' جیسے نفاست اس کے روبرو ہے۔ وہ قصہ سنانے لگا۔ "قصہ کچھ یوں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں مکھیوں نے حاضر ہو کر کہا۔ حضور! ہوا ہم پر بہت ظلم کرتی ہے۔ ہم جہاں بیٹھتی ہیں' وہاں آ کر ہمیں اڑا دیتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا' ہوا کو حاضر کیا جائے۔ مکھیوں کی شکایت دور کی جائے گی۔ حکم کے مطابق ہوا کو حاضر کیا گیا۔ اس کے آتے ہی تمام مکھیاں اڑ گئیں۔"

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگا۔ پھر نفاست کی تصویر سے بولا۔ "کیوں چچا جان آپ کو بھی شکایت ہے کہ میرے ابو نے دادا جان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ آج میں ابو کی طرف سے آپ کی شکایت دور کرنے آیا ہوں۔ مگر آپ تو مکھی کی طرح اڑ گئے ہیں۔"

اس نے ہنستے ہوئے البم کا ورق الٹ دیا۔ کبریٰ کی تصویر نظروں کے سامنے آ گئی۔ اس نے طنزیہ انداز میں اس تصویر سے کہا۔ "چچی جان! آپ بھی مجھ سے منہ چھپا رہی ہیں۔ جب سے آیا ہوں' صرف ایک بار سامنا ہوا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ زیرِ لب مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔ "آپ دونوں آخر کب تک چھپتے رہیں گے؟ اب میں آ گیا ہوں۔ آپ سے بھی سامنا ہو جائے گا اور آپ کے شوہرِ نامدار سے بھی........."

اس نے ایک اور ورق الٹا۔ فہمی کی معصومیت بھری تصویر دکھائی دی۔ وہ گہری سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ اس تصویر میں کہیں کھو سا گیا تھا۔ اس کے ذہن میں حسرت کی آواز گونجی۔ "وہ اتنی معصوم' اتنی نادان ہے کہ اس کے ساتھ ازدواجی زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔"

وہ اس کی تصویر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے زیر لب بولا۔ "واقعی تم بہت معصوم' بہت پُرکشش ہو۔"

ایسے وقت اسے فہمی کے ہاتھ کا لمس یاد آنے لگا۔ شاید اس ذرا دیر کے مصافحے نے فہمی کے اندر بھی ہلچل پیدا کر دی تھی۔ تب ہی وہ اس سے دوبارہ ہاتھ ملانے آئی تھی۔

یہ خیال آتے ہی اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھا۔ پھر بڑی محبت سے سوچنے لگا۔ "واقعی محبت گونگی اور معصوم ہوتی ہے لیکن یہ ہاتھ کی لکیریں بدل دیتی ہے۔"

اس نے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھتے ہوئے مٹھی بند کر لی۔

☆======☆======☆

نفاست ہوٹل کے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ سدرہ سے ملنے کے لئے اس کی صورت دیکھنے کے لئے اتنا بے چین کیوں ہو رہا ہے؟

بیرونی دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے کھولا۔ کھلے ہوئے دروازے سے ثمینہ کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ ایک لمحے کو وہ فیصلہ نہیں کر پایا کہ اسے "زیبی" کہے' "سدرہ" کہے یا "ثمینہ" کہے۔ اس نے سلام کیا۔ وہ چونک کر سلام کا جواب دے کر ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ اندر آئی تو نفاست نے دروازہ بند کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اکیلی آئی ہو؟"

"جی .... آپ نے مجھے فون کیا .... میں بتا نہیں سکتی کہ مجھے کتنی خوشی ہوئی؟ میں آپ کے بلانے پر اڑی چلی آئی۔"

وہ ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "آؤ بیٹھو۔"

وہ بیٹھ گئی۔ نفاست اس کے چہرے میں نہ جانے کسے تلاش کرنے لگا۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بولی۔ "آپ بھی بیٹھیں۔"

وہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ بڑی محبت بھری مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگی۔ اس نے پوچھا۔ "میں نے تمہارے ابو سے اتنی بڑی عداوت کی۔ تم سب میری وجہ سے بیس برسوں تک خانہ بدوشوں کی طرح زندگی گزارتے رہے۔ بے گھر اور بے یار و مددگار رہے۔ صرف میری وجہ سے .... پھر بھی .... پھر بھی تم میرا خیال رکھتی ہو؟ تمہیں مجھ سے شکایت کیوں نہیں ہے؟ تم کیوں میری پریشانی سے پریشان ہوتی ہو؟"

وہ اسے محبت سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے سوالوں پر چونک گئی۔ بیٹی چاہے باپ سے چور محبت کرے' چھپ کر کرے' مگر یہ سچی محبت چھپانے کے باوجود نہیں چھپتی۔ وہ اسے

خاموش دیکھ کر بولا۔ "جواب نہیں دو گی تو میں الجھتا رہوں گا۔"

اس نے کہا۔ "میں ایک بات جانتی ہوں' خطائیں بزرگوں سے بھی ہو جاتی ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان سے نفرت کرنے لگیں۔"

وہ بول رہی تھی۔ نفاست اس کے لہجے کی اپنائیت سے خوش تھا مگر اپنے اندر ایک بے چینی اور گھبراہٹ بھی محسوس کر رہا تھا۔ وہ بولی۔ "بزرگ بہرحال محترم ہوتے ہیں۔ ہم ان کی خطا پر ان سے شکایت تو کر سکتے ہیں لیکن انہیں شرمندہ نہیں کر سکتے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ آپ میرے سامنے شرمندہ ہوں۔"

نفاست نے چونک کر حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر حیرت سے پوچھا۔ "میں کسی وجہ سے بھی کسی کے سامنے شرمندہ ہو جاؤں تو کیا یہ تمہیں گوارہ نہیں ہو گا؟"

وہ انکار میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "کبھی نہیں۔"

"لیکن جب میں نے غلطی کی ہے تو اس کا خمیازہ بھی بھگتنا ہو گا۔"

اس نے تڑپ کر باپ کو دیکھا۔ وہ بولا۔ "تم چاہے مجھے شرمندہ نہ کرو لیکن جب میں کوٹھی میں جاؤں گا تو ابا جان سب کے سامنے مجھے ذلیل کریں گے اور ہو سکتا ہے' وہ غصے میں مجھے گھر سے بھی نکال دیں۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر جلدی سے بولی۔ "میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔"

وہ اس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھتے ہوئے ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "تم شاید گھر میں مجھے شرمندگی سے بچا لو۔ مگر میں کاروباری دنیا میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ ابا جان مجھ سے تمام کاروباری اختیارات چھین لیں گے۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ گھر میں باپ کو شرمندگی سے بچا سکتی تھی مگر گھر سے باہر وہ اس کی محافظ نہیں بن سکتی تھی۔

اس نے سر اٹھا کر باپ کو دیکھا پھر پوچھا۔ "آپ نے دادا جان کے اعتماد کو ٹھیس کیوں پہنچائی تھی؟ آپ ان سے معافی مانگ لیں۔ مجھے یقین ہے وہ آپ کو معاف کر دیں گے۔"

"مجھ سے غلطی ہو گئی لیکن خدا جانتا ہے' اس غلطی کے پیچھے ہم سب کے فائدے کی بات تھی۔ میں نے تو محکمہ اوقاف میں جانے والی رقم کو بچانا چاہا تھا۔ اگر تمہارے دادا جان میری اس غلطی کو معاف کر دیں تو میں تمہارے سر کی قسم کھا کر کہتا ہوں' آئندہ کبھی

انہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

اس نے ثمینہ کے سر پر ہاتھ رکھا تو شدتِ جذبات سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ باپ کا شفقت بھرا ہاتھ اسے سکون پہنچا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی پناہ گاہ کے سائے میں آ گئی ہے۔

وہ بولا۔ "میں نے تمہارے ابو کو بہت بڑا نقصان پہنچایا تھا لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ "آپ میری قسم کھا رہے ہیں۔ میں دادا جان سے بات کروں گی' انہیں آپ کے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے نہیں دوں گی۔"

نفاست اپنی اندرونی کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے بے اختیار اتنی اہمیت کیوں دے رہا ہے۔ وہ بولا۔ "بیٹی! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

اس نے بیٹی کے نام پر ایک دم سے چونک کر باپ کو دیکھا' جی چاہ رہا تھا کہ ابھی اس کے سینے سے لپٹ جائے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ مگر مجبوری تھی۔ سجاد کا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ وہ نہ تو بھائی کو شرمندہ دیکھنا چاہتی تھی اور نہ ہی باپ کو۔

☆======☆======☆

مراد ہوٹل سے گھر آیا تو کبریٰ کو کوٹھی میں تلاش کرتا ہوا اس کے کمرے میں آیا تو وہ الماری میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر بولی۔ "اتنی دیر کہاں لگا دی؟ فلائٹ تو کب کی جا چکی ہو گی؟ تم کہاں تھے؟"

"میں ڈیڈی کے پاس تھا۔ ابھی وہیں سے آ رہا ہوں۔"

اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "کیا .... وہ اب تک یہیں ہیں؟ اسلام آباد نہیں گئے۔"

وہ بیڈ کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہم نے سوچا ہے کہ گھر چھوڑ کر جانا دانشمندی نہیں ہے۔ اگر وہ یہاں سے چلے جائیں گے تو سجاد پورے بزنس پر چھا جائے گا۔ اسے تو کھلا میدان مل جائے گا۔"

اس نے پوچھا۔ "تمہارے ڈیڈی کہاں ہیں؟"

"انہوں نے ہوٹل میں کمرہ لیا ہے۔ آج رات وہ اچھی طرح سوچنے کے بعد کل یہاں دادا جان سے ملنے آئیں گے۔ ہو سکتا ہے' کل تک دادا جان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "وہ ایک بار آگ اگلنا شروع کر دیں تو مشکل سے ہی ٹھنڈے ہوتے ہیں۔"

مراد نے الماری سے نکلے ہوئے کاغذات اور دوسری بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھ کر کبریٰ سے پوچھا۔ "آپ ڈیڈی کی الماری میں کیا تلاش کر رہی ہیں؟"

اس نے کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "سدرہ زیبی کی ہمشکل ہے۔ ایک باپ کی دو بیٹیاں تو ہمشکل ہو سکتی ہیں لیکن یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی کہ دو بھائیوں کی اولادیں ایک جیسی ہوں۔ میں تمہارے ڈیڈی کے ان کاغذات میں دیکھ رہی ہوں' شاید تمہاری سوتیلی بہن کی کوئی تصویر ان میں موجود ہو۔"

"مگر اس سے کیا فائدہ حاصل ہو گا؟"

"پتہ نہیں کیوں مجھے یہ شک ہے کہ وہ سدرہ تمہارے ڈیڈی کی بیٹی ہے۔"

وہ قائل ہو کر بولا۔ "ہو سکتا ہے' ایسا ہی ہو۔ ابھی ڈیڈی نے مجھے بتایا ہے کہ آپ کی سوتیلی بیٹی زیبی کی ہمشکل تھی۔"

کبریٰ نے چونک کر شدید حیرانی سے اسے دیکھا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "یہ بات انہوں نے پہلے کبھی نہیں بتائی۔"

"اب بتا رہے ہیں۔"

وہ ہاتھ نچا کر دانت پیستے ہوئے بولی۔ "ارے .... مجھے تو پہلے ہی شک تھا' میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے لیکن اب پتہ چلا کہ یہاں تو پوری دال ہی کالی ہے۔ مجھے تو یقین ہو گیا ہے کہ یہ سدرہ تمہاری سوتیلی بہن ہی ہے۔"

مراد نے چونک کر کبریٰ کو دیکھا۔ اس کی یہ بات کسی حد تک دل کو لگ رہی تھی۔ کیونکہ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ان دونوں کا ایک دوسرے کی طرف انجانا کھچاؤ اور غیر معمولی کشش دیکھ کر آیا تھا۔ نہ صرف سدرہ نفاست کے لئے ہمدردی اور محبت کا جذبہ دکھا رہی تھی بلکہ نفاست بھی کسی حد تک اس کی طرف جھک رہا تھا اور دھیرے دھیرے اس سے متاثر ہو رہا تھا۔ نئی الجھنوں کو نئے طریقے سے سلجھایا جاتا ہے۔ مگر کبریٰ اور مراد ابھی سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ الجھی ہوئی ڈور کے ایسے کس سرے کو ہاتھ میں لیں جو پوری گتھی سلجھاتا چلا جائے۔

☆======☆======☆

زیبی اور فراز کا اب تک ایک دوسرے سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔ فراز نے ارمانہ

کے کہنے پر اسے فون کیا بھی تھا تو عبادت علی نے ریسیو کیا تھا اور اس نے خاموشی سے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ زیبی کو شاید اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس لئے وہ خاموش تھی۔ اس سے کوئی رابطہ نہیں کر رہی تھی۔

فراز سر جھکائے گہری سوچ میں گم تھا۔ ارمانہ نے وہاں آ کر کہا۔ ”کھانا لگا دیا ہے‘ آ جائیں۔“

فراز نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔ ”کیا بات ہے؟ کیا سوچ رہے ہیں؟“

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”کچھ نہیں۔“

وہ اس کے برابر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ ”کیا زیبی یاد آ رہی ہے؟“

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ ”نہیں .... مجھے تو اس کے فیصلے پر افسوس ہے‘ پتا نہیں وہ ایسی نادانی کیوں کرنا چاہتی ہے؟“

”وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ موڈی لڑکی ہے۔ کیا پتا وہ اپنا فیصلہ بدل دے۔ اس کے موڈ کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔“

”اسے فون تو کرنا چاہئے تھا؟“

”آپ کو معلوم ہے‘ وہاں اس وقت کس قدر ٹینشن پھیلی ہوئی ہے؟ پھر ایسے وقت وہ آپ کو کیسے فون کر سکتی ہے؟ آپ دوبارہ فون کریں‘ شاید زیبی سے بات ہو جائے؟“

”کہیں اس بار بھی دادا جان فون اٹینڈ نہ کر لیں۔“

”قسمت آزمانے میں کیا حرج ہے۔ پہلے موبائل پر رابطہ کریں۔“

اس نے کچھ سوچتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔ پھر ارمانہ سے کہا۔ ”میری وجہ سے تمہیں بھی کھانے میں دیر ہو گی۔ ایسا کرو‘ تم کھانا کھا لو۔ میں فون کرنے کے بعد کھا لوں گا۔“

”آپ اطمینان سے بات کریں۔ بعد میں ہم مل کر کھائیں گے۔“

ارمانہ یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ فراز نے ریسیور کان سے لگا کر کوٹھی کے نمبر پنچ کئے۔ پھر رابطے کا انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف ثمینہ نفاست سے ملاقات کرنے کے بعد واپس آ گئی تھی۔ ڈرائنگ روم سے گزر رہی تھی۔ ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی سنائی دی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا کوئی فون اٹینڈ کرنے والا موجود نہ تھا۔ وہ فون کی طرف بڑھی تو دوسری طرف سے زیبی

وہاں پہنچ گئی۔ ثمینہ ریسیور اٹھا چکی تھی۔ زیبی جہاں تھی وہیں رک گئی۔

ثمینہ نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔ ”ہیلو .... کون؟“

دوسری طرف فراز اس کی آواز پہچان کر بولا۔ ”ہیلو .... مجھے پہچان رہی ہو؟“

ثمینہ ذرا ٹھٹکی پھر فراز کی آواز پہچان کر بولی۔ ”اچھا .... تو یہ آپ ہیں؟ کس لئے فون کیا ہے؟“

زیبی اسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ سمجھنا چاہتی تھی کہ وہ کس سے باتیں کر رہی ہے؟ فراز نے فون پر کہا۔ ”تم نے تو پلٹ کر ہمیں پوچھا ہی نہیں‘ کیا اپنوں سے مل کر ہمیں بھول گئی ہو؟“

ثمینہ اس کی بات سن کر مسکرانے لگی۔ پھر بولی۔ ”ہم اپنوں میں آ گئے ہیں لیکن آپ بھی ہمارے اپنے ہی ہیں۔“

زیبی کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ بغور اس کی باتیں سن رہی تھی۔ دوسری طرف فراز ثمینہ سے کہہ رہا تھا۔ ”تم بہت اچھی سوچ رکھتی ہو۔ کاش زیبی تمہاری ہمشکل ہونے کے ساتھ ساتھ تمہاری ہم مزاج بھی ہوتی۔“

وہ بولی۔ ”محبت مزاج بدل دیتی ہے۔ آپ کوشش کریں گے تو یہ بدل جائے گی۔“

اس نے پوچھا۔ ”وہ محترمہ ہیں کہاں؟“

ثمینہ نے سر گھما کر زیبی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہیں ہیں .... آپ بات کریں۔“

ثمینہ ریسیور کو ایک طرف رکھتے ہوئے زیبی سے بولی۔ ”سوری .... رانگ نمبر .... یہ کال تمہارے لئے ہے۔“

وہ پلٹ کر جانے لگی تو زیبی نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔ ”اگر یہ کال میری ہے تو تم کیوں اٹینڈ کر رہی تھیں؟“

اس نے پلٹ کر زیبی کو دیکھا۔ پھر کندھے اچکا کر کہا۔ ”وہ فون کرنے والا بھٹک کر اِدھر آ گیا تھا۔ نہ جانے ہماری صورتیں کتنے رانگ نمبرز لگاتی رہیں گی؟“

وہ فون کے قریب آتے ہوئے ناگواری سے بولی۔ ”لگتا ہے‘ رانگ نمبرز لگانے کا کافی تجربہ ہے تمہیں؟“

ثمینہ مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ ”ہیلو؟“

”میں ہوں .... فراز۔“

اس نے ناگواری سے کہا۔ ”کس لئے فون کیا ہے؟“

"تم سے بات کرنے کے لئے میں نے فون کیا ہے۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "مجھ سے یا میری ہمشکل سے؟"

"میں نے سدرہ سے بات کی' تمہیں برا لگا؟"

وہ لاپرواہی سے بولی۔ "میں برا ماننے والی کون ہوتی ہوں؟"

"کسی دوسری سے بات کرو تو بیویاں یونہی جیلس ہو جاتی ہیں۔"

وہ تیز لہجے میں بولی۔ "مت کہو مجھے بیوی .... تم سے شادی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے اور میں اس غلطی کو بھول جانا چاہتی ہوں۔ بہتر یہی ہے' ہم علیحدہ ہو جائیں۔"

فراز نے بڑے دکھ سے پوچھا۔ "تم اب بھی اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہو؟"

"یہ ضد نہیں .... میرا فیصلہ ہے اور میں اپنے کئے ہوئے فیصلے نہیں بدلتی۔"

"طلاق ہو جانے کے بعد تمہاری زندگی پر کیا اثر ہو گا؟ اس کے بارے میں سوچا ہے؟"

"ہاں .... تم جیسے خودغرض سے نجات مل جائے گی۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ تمہیں مجھ سے نجات ملنے کا اتنا فائدہ نہیں جتنا نقصان ہو گا۔ لوگ تم پر انگلیاں اٹھائیں گے کہ پہلے چھپ کر شادی کی اور پھر طلاق لے لی۔"

یہ حقیقت تھی کہ اس نے اس بارے میں سوچا ہی نہ تھا۔ وہ الجھ کر بولی۔ "تم مجھے الجھا رہے ہو۔ باتیں بنانے سے بہتر ہے' طلاق کے کاغذات تیار کرو۔"

"شادی کوئی کھیل نہیں ہے کہ ہارنے لگے تو کھیل چھوڑ دیا۔ ہم بہت اچھے لائف پارٹنر بن سکتے ہیں۔ پلیز زیبی! اپنے فیصلے کو بدل دو۔ اسی میں ہماری بہتری ہے۔"

وہ تنک کر بولی۔ "میری بہتری صرف تم سے طلاق لینے میں ہے۔"

وہ کسی طرح بھی اس کی بات نہیں سمجھ رہی تھی۔ ایک ضد پر اڑی ہوئی تھی۔

فراز نے غصے سے کہا۔ "زیبی! میری ایک بات یاد رکھو۔ تم جب بہت مجبور کرو گی تو میں تمہارے بزرگوں کے سامنے تمہیں طلاق دوں گا۔ ابھی تو تمہارے ڈیڈی دادا جان کی نظروں میں گرے ہیں۔ طلاق لیتے وقت تم بھی دادا جان کی نظروں میں دو کوڑی کی ہو جاؤ گی۔ طلاق کی گہری کھائی میں گرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ میں پھر فون کروں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ اسے پریشان ہونے اور سوچنے سمجھنے کے

لئے تنہا چھوڑ دیا۔

☆======☆======☆

دوسرے دن مراد حسب معمول آفس پہنچا۔ اس کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا اپنے آفس روم کے سامنے آیا۔ وہاں کھڑے ہوئے چپڑاسی نے اسے دیکھ کر سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے دروازے کے ہینڈل کو گھمایا' دروازہ نہیں کھلا۔ اس نے دوبارہ کوشش کی لیکن وہ لاکڈ تھا۔

چپڑاسی نے کہا۔ "سر! دروازہ لاک ہے۔ یہ نہیں کھلے گا۔"

"چابی کہاں ہے؟"

"چابی تو بڑے صاحب کے پاس ہے۔"

مراد نے حیران ہو کر پوچھا۔ "کیا .... چابی دادا جان کے پاس ہے؟ کیا دادا جان آئے ہیں؟"

"جی .... سر!"

"کیا وہ ڈیڈی کے آفس میں ہیں؟"

"نہیں سر! وہ کانفرنس ہال میں ہیں۔"

مراد ایک چپڑاسی کے سامنے شرمندہ ہو رہا تھا۔ وہ تیزی سے پلٹ کر آفس کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا کانفرنس ہال کے سامنے آیا۔ وہاں ایک سیکورٹی گارڈ گن لئے کھڑا تھا۔ مراد کانفرنس ہال کا دروازہ کھولنے آگے بڑھا تو گارڈ نے کہا۔ "سر! یہ اندر سے بند ہے' کوئی خفیہ میٹنگ ہو رہی ہے۔"

مراد کو ایک بار یہاں بھی شرمندہ ہونا پڑا۔ وہ غصے سے مٹھیاں بھینچتا ہوا کاؤنٹر پر آیا۔ لیڈی سیکرٹری سے بولا۔ "دادا جان سے بات کرائیں۔"

وہ بولی۔ "سر! ان کا آرڈر ہے کہ میٹنگ کے دوران ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ آپ پیغام دے دیں۔"

وہ غصے سے غرایا۔ "میں کوئی ایرا غیرا نہیں ہوں۔ سید عبادت علی شاہ کا پوتا مراد علی ہوں۔ میرے لئے کوئی پابندی نہیں ہے۔"

وہ ذرا سہم کر بولی۔ "سر! میں مجبور ہوں۔ وہ ناراض ہو جائیں گے اور مجھے ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔"

وہ غصے سے میز پر گھونسہ مارتے ہوئے بولا۔ "جہنم میں گئی تمہاری ملازمت ...."

فوراً میری ان سے بات کراؤ۔"

سیکرٹری پہلے ہی کچھ سہم گئی تھی۔ اسے شدید غصے میں دیکھ کر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔ پھر رابطہ ہونے پر بولی۔ "سوری سر! مسٹر مراد نے مجبور کیا ہے۔ اس لئے ڈسٹرب کر رہی ہوں۔"

اس نے دوسری طرف کی بات سن کر ریسیور کو مراد کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو .... دادا جان!"

دوسری طرف سے ان کی بارعب آواز سنائی دی۔ "مراد! گھر جاؤ جب تک ہم حکم نہ دیں' دفتر مت آنا۔ تمہارے لئے اور تمہارے باپ کے لئے یہاں کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔"

"لیکن دادا جان..........!"

"ہم کوئی بحث نہیں سنیں گے۔ تم واپس چلے جاؤ۔"

وہ ہیلو .... ہیلو کرتا رہا۔ انہوں نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر ریسیور کو دیکھا۔ بھرپور نظروں سے لیڈی سیکرٹری کو دیکھتا ہوا ریسیور کریڈل پر پنخ کر وہاں سے باہر آ گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ جب عبادت علی آفس سے باہر آئیں گے تو وہ یہاں ان سے ملاقات کرے گا۔

دوسری طرف نفاست' کوٹھی میں پہنچا تو سیکورٹی گارڈ نے آہنی گیٹ کھولنے سے انکار کر دیا۔ "سوری سر! بڑے صاحب نے منع کیا ہے۔"

اس نے شدید حیرت اور غصے سے کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میرے لئے دروازہ نہیں کھولو گے؟"

وہ بولا۔ "سر! معافی چاہتا ہوں۔ میں تو حکم کا بندہ ہوں۔ بڑے صاحب نے حکم دیا ہے آپ کے لئے دروازہ نہ کھولا جائے۔"

اس نے غصے سے تلملاتے ہوئے پوچھا "صاحب اندر ہیں؟"

"وہ کہیں باہر گئے ہیں۔"

اس نے ایک نظر کوٹھی پر ڈالی۔ پھر کچھ سوچ کر اپنے لباس سے موبائل فون نکالا اور اس پر نمبر پنچ کرنے لگا۔ اسے کان سے لگا کر رابطہ ہونے پر بولا۔ "ہیلو .... کبریٰ! میں بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے کبریٰ کی آواز سنائی دی۔ "ارے آپ! آپ تو یہاں آنے

والے تھے' کہاں سے بول رہے ہیں؟"

نفاست نے آہنی گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے ہی گھر کے دروازے پر سر پھوڑ رہا ہوں۔"

پھر اس نے گارڈ سے دور جاتے ہوئے کہا۔ "ابا جان نے یہاں حکم دے رکھا ہے کہ میں یہاں آؤں تو دروازے نہ کھولے جائیں۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"باہر آ کر دیکھو۔ میں دھوپ میں جل رہا ہوں۔ اب میری یہ اوقات رہ گئی ہے کہ اندر آنے کے لئے ملازموں کا منہ دیکھنا ہو گا۔"

"ملازموں کی کیا مجال ہے کہ آپ کو روکیں۔ آپ اندر آئیں۔"

"یہ سیکورٹی گارڈز حکم کے پابند ہوتے ہیں۔ ابھی یہ مجھے زبان سے روک رہا ہے' سینہ تان کر روکے گا تو میری کیا عزت رہ جائے گی؟"

"آپ وہاں رکیں .... میں ابھی آ رہی ہوں۔"

وہ ریسیور کو کریڈل پر پنخ کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہاں آ کر زیبی' حسرت اور اسد کو آوازیں دینے لگی۔ "زیبی' حسرت' اسد! کہاں ہو؟ یہاں آؤ۔ باہر جا کر اپنے باپ کو دیکھو' ہماری کیا اوقات رہ گئی ہے؟ یہاں اب ملازموں کی حکومت قائم ہو گئی ہے۔ تمہارے اداد جان جو کریں وہ کم ہے۔"

حسرت نے وہاں آ کر پوچھا۔ "ممی! کیا ہوا' کیوں چیخ رہی ہیں؟"

زیبی بھی اس کی چیخ و پکار سن کر وہاں آ گئی اور ماں سے پوچھنے لگی۔ "کیا بات ہے ممی! کسے غصہ دکھا رہی ہیں؟"

وہ بولی۔ "ارے .... اب ہماری حیثیت ہی کیا رہ گئی ہے؟ اب تو ہم اپنے ملازموں کو بھی غصہ نہیں دکھا سکتے۔"

وہ چیخ چیخ کر بول رہی تھی۔ ثمینہ اور سجاد بھی وہاں آ گئے۔ وہ ہاتھ نچا نچا کر کہہ رہی تھی۔ "تمہارے دادا جان نے ملازموں کو سر پر چڑھا دیا ہے۔ پیر کی جوتی' منہ کو آ رہی ہے۔ وہ باہر سیکورٹی گارڈ تمہارے باپ کو اندر آنے سے روک رہا ہے۔"

ثمینہ نے چونک کر پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ حسرت نے پوچھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

کبریٰ نے کھا جانے والی نظروں سے ثمینہ اور سجاد کو دیکھا۔ پھر حسرت سے کہا۔ "یہ

ہو رہا ہے۔ تمہارے دادا جان کو تمہارے باپ کے خلاف بھڑکایا گیا ہے۔ انہوں نے ملازموں کو حکم دیا ہے کہ وہ تمہارے ڈیڈی کو اندر نہ آنے دیں۔ وہ بے چارے باہر دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں اور ہم اندر ایئرکنڈیشنر کی ہواؤں کے مزے لے رہے ہیں۔"

ثمینہ نے تڑپ کر سجاد سے کہا۔ "پلیز بھائی جان! آپ جائیں انہیں اندر لے آئیں۔"

کبریٰ نے حقارت سے اسے دیکھا پھر زیبی سے کہا۔ "سن لیا تم نے .... اب ہمارا نہیں' نئے آنے والوں کا حکم چلے گا۔ ان کے آنے سے پہلے ہی وہ بے گھر ہو گئے تھے۔ اب اندر آنے کے لئے بھی ان کا ہی منہ دیکھنا ہو گا؟"

سجاد برداشت نہ کر سکا وہ بولا۔ "گندم کا بیج زمین میں جائے تو گندم ہی اُگے گی۔ چچا جان نے کانٹوں کی فصل بوئی تھی۔ اب اسے کاٹتے ہوئے ان کے ہاتھ زخمی ہو رہے ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟"

کبریٰ نے گھور کر اسے دیکھا۔ زیبی نے کہا۔ "ممی! میں گارڈ سے جا کر بات کرتی ہوں۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "ارے وہ تمہاری نہیں سنے گا۔ جو ابا جان کے لاڈلے ہیں ان ہی کا حکم مانے گا۔"

حسرت نے کہا۔ "ممی! یہ طعنے دینے اور لڑنے جھگڑنے کا وقت نہیں ہے۔"

وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔ "کیا کہا تم نے؟ میں طعنے دے رہی ہوں' لڑ جھگڑ رہی ہوں؟ میرا شوہر باہر کھڑا دھوپ میں جل رہا ہے۔ کیا میرے پاس اتنی فرصت ہے کہ میں کسی سے جھگڑا کروں؟"

ثمینہ نے بیزار ہو کر سجاد اور حسرت سے کہا۔ "پلیز .... آپ کچھ کریں' ورنہ میں خود جا رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ کبریٰ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ پھر زیبی سے کہا۔ "اب اس گھر میں نئی سازشیں شروع ہو گئی ہیں۔ اس لئے کہتی ہوں' سامان سمیٹو' ہماری باری بھی آنے والی ہے۔"

سجاد نے مسکرا کر کہا۔ "ویسے چچی جان! آپ بہت ذہین ہیں یہ تو میں جانتا تھا مگر آپ علمِ نجوم بھی جانتی ہیں یہ آج پتہ چلا۔"

کبریٰ نے غرا کر اسے دیکھا۔ زیبی نے سجاد کو گھورتے ہوئے ماں سے کہا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ دادا جان ایرے غیرے کی باتوں میں آ کر ڈیڈی کے لئے گھر کے دروازے بند کر دیں گے۔"

حسرت نے سجاد سے کہا۔ "کیا کیا جائے؟ وہ گارڈ دادا جان کا تابعدار ہے۔"

سجاد نے کہا۔ "چلو .... ہم خود ہی دروازہ کھولیں گے۔"

"مشکل ہے۔"

"تم چلو تو سہی۔"

وہ دونوں بیرونی دروازے سے باہر چلے گئے۔ کبریٰ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "واہ .... کیا سیاست ہے؟ پہلے دروازہ بند کروایا۔ اب کھولنے جا رہا ہے۔ مان گئی' یہ اسی خاندان کا خون ہے۔"

زیبی نے چونک کر اسے دیکھا۔ ثمینہ آہنی گیٹ سے باہر آ کر سیکورٹی گارڈ سے بولی۔ "انہیں اندر آنے دو۔"

وہ بولا۔ "بی بی جی! ہماری ڈیوٹی کو سمجھیں' جب تک یہاں میری ڈیوٹی ہے' یہ اندر نہیں جا سکیں گے۔"

دور کھڑا نفاست اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔ وہ خوش ہو کر بولا۔ "اب تک میں غصے میں تھا۔ تمہیں دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں۔ سب سے پہلے تم میرے پاس آئی ہو۔"

وہ بولی۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ آپ بتائیں مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

حسرت اور سجاد بھی کوٹھی سے باہر آ گئے۔ نفاست نے ثمینہ سے کہا۔ "تم میری خاطر ملازموں کے منہ نہ لگو۔"

سجاد نے ایک نظر ان دونوں پر ڈالی پھر سیکورٹی گارڈ سے کہا۔ "تم اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہو۔ ہم سب اس گھر کے اہم افراد ہیں' ہم اس بات کی ضمانت دیتے ہیں' دروازہ کھولو گے تو تم پر کوئی بات نہیں آئے گی۔ تمہاری ملازمت بحال رہے گی۔"

کبریٰ اور زیبی بھی باہر آ گئیں۔ زیبی باپ کے پاس جانا چاہتی تھی لیکن وہاں ثمینہ کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ کبریٰ نے تیز نظروں سے ثمینہ کو گھورا۔ پھر زیبی کے کان میں سرگوشی کی۔ "اسے دیکھ رہی ہو' کیسی محبت جتا رہی ہے؟ کیا کوئی بھتیجی اپنے دشمن چچا سے اتنی محبت کرے گی؟ یہ صرف جائیداد میں حصہ نہیں بانٹے گی' تمہاری محبت بھی بانٹ لے

گی۔"

وہ غصے سے بولی۔ "میرا تو جی چاہتا ہے اسے شوٹ کر دوں۔"

وہ بولی۔ "ناں .... ناں .... تمہارے ڈیڈی کو صدمہ پہنچے گا۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھا۔ کبریٰ نے حسرت سے کہا۔ "حسرت! گارڈ سے کہو' تمہارے باپ کا راستہ نہ روکے۔"

گارڈ نے کہا۔ "سر! یہ کوئی پرابلم نہیں ہے۔ آپ بڑے صاحب کو ابھی فون کریں' وہ حکم دیں گے تو میں راستے سے ہٹ جاؤں گا۔"

کبریٰ نے کہا۔ "حسرت! ابھی اپنے دادا جان کو فون کرو۔ اس بڑھاپے میں ان کا دماغ چل گیا ہے۔ ہمیں گھر کے باہر تماشہ بنا رہے ہیں۔"

حسرت نے موبائل فون پر عبادت علی کے ہیڈ آفس کے نمبر پنچ کئے پھر اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ رابطہ ہونے پر کہا۔ "ہیلو .... میں حسرت علی بول رہا ہوں۔ دادا جان سے بات کرائیں۔"

دوسری طرف سے لیڈی سیکرٹری کی آواز سنائی دی۔ "سر! وہ میٹنگ میں مصروف ہیں۔"

"آپ انہیں انفارم کریں۔ مجھے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"سوری سر! ان سے رابطہ ممکن نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے تمام فون بند کر رکھے ہیں۔"

حسرت نے مایوسی سے موبائل آف کر دیا۔ پھر کبریٰ سے کہا۔ "دادا جان میٹنگ میں مصروف ہیں۔ انہوں نے اپنے تمام فون بند کر رکھے ہیں۔"

کبریٰ ناگواری سے بولی۔ "بڑے میاں سٹھیا گئے ہیں۔"

ثمینہ نے ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نفاست سے کہا۔ "چچا جان! آپ وہاں درخت کے سائے میں آ جائیں۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے چھاؤں میں لے آئی۔ کبریٰ نے تنک کر کہا۔ "ہائے چچا جان .... جان .... اپنے سگے اسی طرح جان لے کر چھاؤں میں ڈالتے ہیں۔ عالیشان کوٹھی سے نکلوا کر غربت کی چھاؤں میں ڈال کر کیسی محبت دکھا رہی ہے؟ ارے .... یہ چھاؤں تو فقیروں کو بھی با آسانی مل جاتی ہے۔"

سجاد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "چچی جان! ذرا خود پر غور کریں۔ اس وقت آپ کو تو

غریبوں کی یہ چھاؤں بھی نصیب نہیں ہے۔"

اس نے چونک کر سجاد کو دیکھا۔ ایسے ہی وقت نفاست کے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ اسے آن کر کے کان سے لگا کر بولا۔ "ہاں میں بول رہا ہوں۔ تم کہاں ہو؟"

دوسری طرف سے مراد نے کہا۔ "ڈیڈ! میری بہت بے عزتی ہو رہی ہے۔ میں اپنے ہی آفس کے باہر کھڑا ہوں۔"

"تم باہر کیوں کھڑے ہو؟"

"اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ مجھے دادا جان سے اس رویے کی توقع نہیں تھی۔ آفس اسٹاف' چپڑاسی' سیکورٹی گارڈ سب کے سامنے میں ذلیل ہو رہا ہوں۔"

نفاست نے ناگواری سے کہا۔ "میری کیا کم بے عزتی ہو رہی ہے؟ میں اپنے ہی گھر کے باہر کھڑا ہوں۔"

دوسری طرف سے کچھ کہا گیا۔ وہ سجاد کو دیکھ کر فون پر بولا۔ "ابا جان مجھے کاروبار سے بے دخل کرنے سے پہلے گھر سے بے دخل کر چکے ہیں۔ تمہاری ممی وغیرہ سب ہی پریشان ہیں۔ تم کسی بھی طرح اپنے دادا جان سے ملو۔"

"کیسے ملوں؟ مجھے اندر جانے کی اجازت نہیں ہے اور وہ باہر نہیں آ رہے ہیں۔ میں ان کے انتظار میں ہوں۔ پتہ نہیں وہ کب نکلیں گے؟"

اس نے غصے سے فون بند کر دیا۔ کبریٰ اور زیبی اس کے قریب آ گئیں۔ کبریٰ نے پوچھا۔ "مراد تھا' کیا کہہ رہا تھا؟"

"ابا جان نے اسے آفس سے نکال دیا ہے۔ ہم باپ بیٹے کے لئے وہاں کے دروازے بھی بند ہو گئے ہیں۔"

ثمینہ نے پریشان ہو کر نفاست کو دیکھا۔ زیبی نے ثمینہ کو حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "دادا جان تو دشمنوں سے بھی بڑھ کر دشمنی کر رہے ہیں۔"

کبریٰ نے کہا۔ "دشمنوں کے کلیجے تو ٹھنڈے ہو رہے ہیں نا!"

ثمینہ نے تڑپ کر نفاست کو دیکھا پھر حسرت سے کہا۔ "حسرت بھائی! آپ گاڑی نکالیں' ہم دادا جان کے پاس جائیں گے۔"

سجاد نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ حسرت سجاد کو دیکھتا ہوا کوٹھی کے اندر چلا گیا۔ سجاد سمجھ گیا تھا کہ وہ ایک محبت کرنے والی کے دل سے اس کے باپ کی

محبت کو نہیں نوچ سکے گا۔

☆=====☆=====☆
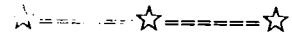
اسد کے لئے آفس کے دروازے بند نہیں کئے گئے تھے۔ عبادت علی کو حسرت کے ذریعہ یہ معلومات حاصل ہوتی رہی تھیں کہ کون ان سے عداوت کر رہا ہے اور کون ان سے مخلص ہے۔

اسد اپنے آفس میں تھا۔ عالیہ اس سے ملنے وہاں آئی ہوئی تھی۔ وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ وہ بولی۔

"میں جب سے آئی ہوں تم مجھ سے باتیں ہی کئے جا رہے ہو۔ یہاں آ کر کچھ کام بھی کرتے ہو یا نہیں؟"

"کام تو بہت کرتا ہوں۔ اور یہ دور تک پھیلا ہوا بزنس ہے۔ اسے سمجھنے میں مہینوں لگیں گے۔ یہ کاروباری معاملات بڑے پیچیدہ ہوتے ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "اسی طرح باتیں بناتے رہو گے تو کاروبار کو سمجھنے میں برسوں لگ جائیں گے۔"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "آج تو باتیں ہی کروں گا کام نہیں ہو سکے گا۔"

"کیوں نہیں ہو سکے گا؟"

"تم جو آئی ہو۔"

"تو میں چلی جاتی ہوں۔"

"میں جانے دوں گا تو جاؤ گی نا۔"

پھر وہ اس کا ہاتھ تھام کر بڑی محبت سے بولا۔ "تم سامنے آتی ہو تو میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔"

عالیہ نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔ ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی نے انہیں چونکا دیا۔ اسد نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہم یہ بھول گئے تھے کہ اس وقت آفس میں ہیں۔"

وہ اس کی بات سن کر ذرا شرما کر مسکرانے لگی۔ اس نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔

"ہاں .... کہو۔"

اس نے کچھ دیر دوسری طرف کی باتیں سن کر ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے سے

پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔ عالیہ نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

وہ بولا۔ "ایک عرصے بعد دادا جان آفس میں آئے ہیں اور انہوں نے آتے ہی کرفیو لگا دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔"

"ابھی آپریٹر نے بتایا ہے' انہوں نے مراد بھائی کو یہاں سے نکال دیا ہے۔ یہاں ان کی اور ڈیڈی کی انٹری بند ہو چکی ہے۔"

اس نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ تو بہت برا ہوا لیکن تم پر یہ پابندی کیوں نہیں لگائی گئی؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "حسرت بھائی بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ وہ دادا جان کو بتا چکے ہوں گے کہ کتنوں نے ان سے فراڈ کیا ہے اور کتنے ان سے مخلص ہیں؟"

"میں نے محسوس کیا ہے' دادا جان ان پر بہت بھروسہ کرتے ہیں۔"

"ہاں .... انہوں نے میری حمایت کی ہو گی۔ اسی لئے یہاں کے دروازے میرے لئے بند نہیں ہیں۔"

فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

"ہیلو .... میں اسد بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ "میں مراد بول رہا ہوں۔"

"ارے مراد بھائی! آپ کہاں ہیں؟ مجھے اطلاع ملی ہے' آپ یہاں آئے تھے' دادا جان آپ سے ناراض ہو گئے ہیں۔"

وہ بولا۔ "تمہیں یہ تو معلوم ہے کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ ڈیڈی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟"

"وہ گھر واپس آئے ہیں لیکن اس گھر کے دروازے ان پر بند کر دیئے گئے ہیں۔"

"یہ .... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ دادا جان کے حکم کے مطابق وہ گھر کے اندر نہیں جا سکتے۔ باہر دھوپ میں جل رہے ہیں۔"

"او گاڈ .... دادا جان تو بڑے ظالمانہ اقدامات کر رہے ہیں۔ ویسے آپ کہاں ہیں؟"

"میں یہیں دفتر کے باہر ہوں۔ دادا جان کا انتظار کر رہا ہوں۔ تم ذرا معلوم کرو' میٹنگ کب ختم ہو گی' وہ کب باہر آئیں گے؟"

"میں ابھی جا کر معلوم کرتا ہوں۔"

اس نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ عالیہ اس کے پریشان چہرے کو دیکھ کر پریشانی میں مبتلا ہو رہی تھی۔ اس کے پوچھنے پر اسد اسے تمام صورت حال بتانے لگا۔ وہ تمام باتیں سن کر بولی۔ "مجھے تو اب دادا جان سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"کیوں .... تم کیوں خوفزدہ ہو رہی ہو؟"

"میں نہ تو ان کی پوتی ہوں' نہ نواسی ہوں۔ میرا تعلق تو خالہ امی کے گھرانے سے ہے۔ وہ اپنے بیٹے اور پوتے کو خاطر میں نہیں لا رہے ہیں۔ گھر کی صفائی کرتے ہوئے کہیں مجھے فالتو سامان کی طرح اٹھا کر باہر نہ پھینک دیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ میں نے کہا نا وہ صرف فراڈ کرنے والوں کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں۔"

پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "چلو .... ذرا دادا جان کو دیکھیں کہ وہ کہاں ہیں؟ کم آن.........."

وہ دونوں کمرے سے نکل کر کانفرنس ہال کی طرف جانے لگے۔

☆======☆======☆

ثمینہ حسرت کے ساتھ آفس کی طرف آ رہی تھی۔ حسرت کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی بولی۔ "میں مانتی ہوں' دادا جان کو غصہ آنا چاہئے لیکن اتنا سخت قدم تو نہیں اٹھانا چاہئے؟"

"دادا جان نے جو کیا' وہ اتنا غلط بھی نہیں ہے۔"

اس نے چونک کر حسرت کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"تصویر کے دونوں رخ دیکھو' ڈیڈی اور مراد بھائی نے جو کیا ہے اس کی سزا تو انہیں ملنی ہی تھی' سو مل رہی ہے۔"

"یہ درست ہے مگر دادا جان کو اتنا تو سوچنا چاہئے کہ ابو ہمارے بزرگ ہیں۔ ہم بچوں کے سامنے ان کی انسلٹ نہیں کرنی چاہئے۔"

"یہ بات ڈیڈی کو فراڈ کرنے سے پہلے سوچنی چاہئے تھی کہ ڈھول کا پول کھلے گا تو انہیں سب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔"

"انہوں نے ایسا کچھ غلط بھی نہیں کیا تھا۔ محکمہ اوقاف میں جانے والی رقم کو بچانے کی خاطر دادا جان کو دھوکا دیا تھا۔ یہ ان کے ہی فائدے کی بات تھی۔"

"اگر یہ دادا جان کے فائدے کی بات تھی تو ان سے یہ بات کیوں چھپائی گئی؟ انہیں دھوکے میں رکھ کر ان کے جذبات سے کیوں کھیلا گیا؟"

وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے بولی۔ "غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔"

اس نے ذرا پریشان ہو کر ثمینہ کو دیکھا پھر کہا۔ "تم ڈیڈی کے لئے ایسی محبت ظاہر کرو گی تو سب ہی کو شبہ ہو گا۔ تم دوسروں کو یہ سوچنے پر مجبور کر رہی ہو کہ تم سدرہ نہیں .... ثمینہ ہو۔"

وہ الجھ کر بولی۔ "میں جان بوجھ کر ایسا نہیں کر رہی ہوں۔ ابو کو دھوپ لگے اور میں سایہ نہ بنوں' یہ ہو ہی نہیں سکتا۔"

"ہمارے بزرگ غلطیاں کرتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ ان کی وجہ سے ہمیں کتنی شرمندگی ہوتی ہے؟ ڈیڈی کبھی نہیں سمجھ پائیں گے کہ ان کی ایک بیٹی محبت کے کربلا میں پیاسی بھٹک رہی ہے۔"

کچھ دیر بعد ان کی کار آفس کی عمارت میں داخل ہوئی۔ حسرت کار کو ایک جگہ پارک کر کے باہر آیا۔ تو مراد اس کی طرف آتے ہوئے غصے سے بولا۔ "دادا جان کو ہمارے خلاف بھڑکانے میں کوئی کسر رہ گئی تھی؟ وہ پوری کرنے آئے ہو؟"

ثمینہ بھی کار سے اتر کر حسرت کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ حسرت نے مراد سے پوچھا۔ "بائی دا وے .... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ جو بویا تھا' اس کی فصل کاٹ رہے ہیں؟"

مراد نے غصے سے تلملا کر کہا۔ "کیا یہی بات ڈیڈ سے کہہ سکتے ہو؟ وہ بھی اپنے گھر کے سامنے بے گھر ہوئے کھڑے ہیں۔"

وہ بولا۔ "وہ بزرگ ہیں' ان کا احترام لازمی ہے۔ ہم اُن کے لئے رحم کی درخواست کرنے آئے ہیں۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "جو آگ تم نے لگائی ہے وہ عاجزی کے ننھے چھینٹوں سے نہیں بجھے گی۔ معافی مانگنے کا جو خواب لے کر آئے ہو وہ شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔"

"ڈیڈی کو معافی دلانا ہماری ذمہ داری ہے۔ مگر تمہیں معافی نہیں ملے گی۔ تم اسی طرح راستے میں پڑے رہو گے۔"

وہ حسرت کے طنزیہ جملوں سے اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ پھر بھی غصے پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "میرا ایک راستہ بند ہو تو میں دوسرے راستے ہموار کرلیتا ہوں۔"

پھر اس نے ثمینہ کو گھور کر دیکھا وہ اسے زیبی سمجھ رہا تھا۔ بولا۔ "تم اس کے ساتھ کیوں آئی ہو؟ کیا یہ سمجھتی ہو کہ اس کے ساتھ دادا جان کے پاس جاؤ گی تو وہ ہمیں معاف کردیں گے؟"

وہ بولی۔ "وہ معاف کریں یا نہ کریں' ہمیں آپس میں نہیں لڑنا چاہئے۔"

مراد نے کہا۔ "تم اس فساد برپا کرنے والے کے ساتھ آئی ہو اور کہتی ہو' لڑنا نہیں چاہئے' کیا تم نہیں سمجھ رہی ہو کہ اسی کی وجہ سے ہم پر یہ تمام مصیبتیں آرہی ہیں؟"

وہ بولی۔ "ایسی بات نہیں ہے۔ میں دادا جان کے پاس جاؤں گی۔ ابھی تمام مصیبتیں ختم ہو جائیں گی۔"

وہ بولا۔ "یہ خوش فہمی ختم کر دو کہ تم ان کی لاڈلی پوتی ہو اور وہ تمہاری بات مان لیں گے؟"

اس نے چونک کر مراد کو دیکھا۔ حسرت زیر لب مسکرا رہا تھا۔ وہ مراد کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ مراد نے ثمینہ سے کہا۔ "اب وہ سدرہ آگئی ہے۔ وہ تم سے زیادہ ان کی لاڈلی بن رہی ہے۔ یہاں تمہارا نہیں' اس کا جادو چلے گا۔"

ثمینہ نے ایک گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ اس کی سمجھ میں اب آرہا تھا کہ مراد اس کی صورت سے دھوکا کھا کر اسے زیبی سمجھ رہا تھا۔ حسرت نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ مراد نے اسے گھور کر پوچھا۔ "کیوں ہنس رہے ہو؟"

وہ ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "کچھ نہیں۔"

پھر ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر آفس کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ "آؤ سدرہ! ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

مراد نے چونک کر زیر لب کہا۔ "سدرہ.........!"

اسے اپنی بے وقوفی سمجھ میں آگئی تھی۔ اس نے غصے سے کار کی باڈی پر ایک گھونسا مارتے ہوئے کہا۔ "شٹ۔"

آفس کے اندر عالیہ اور اسد لیڈی سیکرٹری کے کاؤنٹر کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ کانفرنس ہال کے اندر اب تک میٹنگ ختم نہیں ہوئی تھی۔ اسد عبادت علی کا انتظار کر رہا تھا۔ بیزاری سے بولا۔ "نہ جانے یہ میٹنگ کب ختم ہو گی؟ کب تک چلتی رہے گی؟"

لیڈی سیکرٹری نے کہا۔ "بڑے صاحب تقریباً ایک برس بعد آئے ہیں۔ یہاں کے تمام شعبوں کا محاسبہ کر رہے ہوں گے۔ دیر تو ہو گی۔"

عالیہ نے اسد سے کہا۔ "باہر مراد بھائی انتظار کر رہے ہیں انہیں فون پر بتاؤ' ابھی میٹنگ جاری ہے۔"

وہ بولا۔ "پہلے ڈیڈی کو فون کرنا چاہئے۔ وہ گھر کے باہر پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

وہ کاؤنٹر کے ایک فون سیٹ کا ریسیور اٹھا کر نفاست کے موبائل نمبر پنچ کرنے لگا۔

ثمینہ اور حسرت آفس کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے کانفرنس ہال کے دروازے پر آئے۔ وہاں گن مین کو دیکھ کر حسرت نے ثمینہ سے کہا۔ "کوٹھی کے دروازے پر بھی گن مین ہے' یہاں بھی گن مین ہے۔ دادا جان فوجی کارروائی کر رہے ہیں۔"

ثمینہ نے آگے بڑھ کر اس گن مین سے پوچھا۔ "کیا ہم اندر جا سکتے ہیں؟"

وہ بولا۔ "سوری .... دروازہ اندر سے بند ہے۔ یہ بڑے صاحب کے حکم سے کھلے گا۔"

ثمینہ مایوسی سے پلٹ کر حسرت کے قریب آئی وہ بولا۔ "یہ میٹنگ ختم ہو گی' تب ہی دادا جان سے ملاقات ہو گی۔"

وہ بولی۔ "ہم فون پر بات کر سکتے ہیں۔"

"سیکرٹری نے بتایا تھا کہ ان سے رابطے کے تمام فون بند کر دیئے گئے ہیں۔ ہمیں میٹنگ ختم ہونے کا انتظار کرنا ہو گا۔"

اسد اور عالیہ انہیں دیکھ کر ان کے پاس چلے آئے۔ حسرت نے اسد سے پوچھا۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"دادا جان کا انتظار۔"

عالیہ نے کہا۔ "آپ بھی دادا جان سے ملاقات کرنے آئے ہوں گے؟"

ثمینہ بے چینی سے کبھی کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھ رہی تھی اور کبھی کانفرنس ہال کے دروازے کو دیکھنے لگتی تھی۔ ایسے ہی وقت کاؤنٹر پر لیڈی سیکرٹری نے ایک کال اٹینڈ کرنے کے بعد اسد سے کہا۔ "سر! میٹنگ ختم ہو چکی ہے۔"

یہ سنتے ہی وہ چاروں تیزی سے چلتے ہوئے کانفرنس ہال کے دروازے کے سامنے آ گئے۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ وہاں سے وکیل' مشیر' جنرل منیجر' چیف اکاؤنٹینٹ اور آفس کے

دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے اہم افراد باہر آ رہے تھے۔

وہ چاروں ان سب افراد کے جانے کے بعد اندر آئے۔ وہاں ایک لانبی سی میز ہال کے وسط میں رکھی ہوئی تھی۔ اس کے آس پاس کی تمام کرسیاں خالی تھیں۔ اس میز کے آخری سرے کی خالی ریوالونگ چیئر کو دیکھ کر وہ سب ایک دم سے ٹھٹک گئے۔ عبادت علی کی کرسی خالی تھی۔ دھیرے دھیرے گھوم کر یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کچھ دیر پہلے ہی وہاں سے اٹھ کر گئے ہیں۔

ثمینہ نے پریشان ہو کر حسرت سے پوچھا۔ "دادا جان کہاں ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "وہ ہمارے دادا جان ہیں' ہمیں سمجھتے ہیں' وہ جانتے تھے کہ یہاں سے باہر نکلیں گے تو ہم انہیں گھیر لیں گے۔ اس لئے شاید وہ اُس پچھلے دروازے سے چلے گئے ہیں۔"

وہ بولی۔ "ہو سکتا ہے' وہ واش روم میں ہوں؟"

اسد نے واش روم کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا پھر کہا۔ "یہ خالی ہے۔"

ایسے ہی وقت اسد کے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے مراد کی آواز سنائی دی۔ "اسد! تم کہاں ہو؟ ابھی دادا جان کار ڈرائیو کرتے ہوئے یہاں سے گئے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان کی کار عمارت کے پچھلے حصے سے نکلی تھی۔"

"ہاں .... وہ جا چکے ہیں' ہم سے کترا رہے ہیں۔"

"پھر تو مجھے ڈیڈی کے پاس جانا چاہئے۔"

اس نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا اور تیزی سے کار ڈرائیو کرتا ہوا چلا گیا۔ دوسری طرف حسرت اور ثمینہ بھی کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ حسرت نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

عبادت علی کار ڈرائیو کرتے ہوئے کوٹھی کے سامنے آئے۔ وہاں نفاست' کبریٰ اور زیبی کھڑے ہوئے تھے۔ سیکورٹی گارڈ نے عبادت علی کو دیکھ کر آہنی گیٹ پر ایک ہاتھ مارا پھر درباں سے کہا۔ "گیٹ کھولو' بڑے صاحب آئے ہیں۔"

دربان نے کوٹھی کے بڑے سے آہنی گیٹ کو کھول دیا۔ عبادت علی کار کو کوٹھی کے احاطے میں لے جانا چاہتے تھے مگر نفاست جلدی سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

انہوں نے حقارت سے اس کی طرف دیکھ کر کار روک دی۔ کبریٰ نے تیزی سے آگے بڑھ کر کار کی کھڑکی پر جھک کر کہا۔ "ابا جان! ہم صبح سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اپنے بیٹے کی حالت دیکھیں' کیسی کڑی دھوپ میں جل رہے ہیں؟"

"تم اس کی وکالت نہ کرو' اس سے کہو راستے سے ہٹ جائے۔"

نفاست آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب آ کر بولا۔ "ابا جان! مجھے اندر جانے دیں۔ باہر بہت بے عزتی ہو چکی ہے۔"

انہوں نے حقارت سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "بے عزتی کا اتنا ہی خیال تھا تو ایسی حرکتیں کیوں کی تھیں؟ جب غلطی کی ہے تو سزا بھی بھگتو۔"

وہ بولا۔ "مجھے جتنی سزائیں دینی ہیں گھر کی چار دیواری میں دیں لیکن گھر سے باہر ملازموں کے سامنے مجھے ذلیل نہ کریں۔"

وہ بولے۔ "ہم تمہیں سزا دے چکے ہیں۔"

کبریٰ نے مداخلت کی۔ "یہ .... یہ آپ سے معافی مانگنا چاہتے ہیں۔ انہیں اندر جانے کی اجازت دے دیں۔"

وہ بولے۔ "گھر کے دروازے اس کے لئے بند ہو چکے ہیں۔ یہ جبراً آنا چاہے گا تو بے عزتی ہو گی۔"

نفاست اور کبریٰ نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ نفاست نے کہا۔ "لیکن ابا جان! دنیا کے ہر مجرم کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ آپ مجھے ایک موقع دیں۔ صرف ایک موقع۔ میں اپنا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں گا۔"

"زیادہ ڈائیلاگز نہ بولو۔ ہم کہہ چکے ہیں۔ ہمارے بڑے بیٹے کی طرح غیرتمند بنو۔ وہ گھر چھوڑ کر گیا تھا پھر واپس نہیں آیا۔ تمہیں بھی واپس نہیں آنا چاہئے۔ تمہاری وجہ سے ہم اپنے بیٹے کے آخری دیدار سے بھی محروم رہے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ایک جھٹکے سے کار اسٹارٹ کی۔ پھر تیزی سے اسے ڈرائیو کرتے ہوئے کوٹھی کے اندر چلے گئے۔ دربان نے فوراً ہی آگے بڑھ کر کوٹھی کے گیٹ کو بند کر دیا۔

زیبی' کبریٰ اور نفاست مایوسی سے بند ہوتے گیٹ کو دیکھتے رہے۔ عبادت علی نے پورچ میں آ کر کار روک دی۔ ایک ملازم کو چند ہدایتیں دے کر ڈرائنگ روم میں آئے۔ وہاں سجاد بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر بولا۔ "آپ .... آپ آ گئے؟ گھر

کے سب ہی افراد آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولے۔ "اور ہم انہیں مل کر بھی نہیں مل رہے ہیں۔ ان کے اعمال نے ہمیں گم کر دیا ہے۔ اب وہ تلاش کرتے رہیں گے۔ سدرہ کہاں ہے؟"

"وہ تو باؤلی ہے۔ چچا جان کی محبت میں آپ کے پاس دوڑتی ہوئی گئی تھی۔"

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر ایک صوفے پر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگے۔ سجاد نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا سوچ رہے ہیں؟"

"آں .... ہاں .... ہم سوچ رہے ہیں کہ تم اپنے چچا جان کے بارے میں کچھ نہیں کہو گے؟ ان کی حمایت نہیں کرو گے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "نہیں، نہ تو میں ان کی حمایت کروں گا اور نہ ہی ان کی مخالفت میں کچھ کہوں گا۔"

انہوں نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "نیوٹرل رہو گے؟"

"یہ آپ بزرگوں کے معاملات ہیں۔ آپ بہتر سمجھتے ہیں، کہ کس کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے اور کس کے ساتھ ناانصافی؟ میں تو بس ایک بات جانتا ہوں کہ میرے ابو کے ساتھ ناانصافی ہوئی تھی۔"

شفاعت علی کا ذکر سنتے ہی انہوں نے ایک سرد آہ بھری پھر کہا۔ "وہ اس دنیا میں ہوتا تو ہم اس سے معافی مانگ لیتے۔ تمہارے آنے کی اطلاع ملی تھی۔ تب ہم نے سوچا تھا کہ شاید شفاعت کے انتقال کی خبر بھی ایک فراڈ ہو مگر نہیں .... خدا نے ہمیں ہمارے غلط فیصلے کی سزا دینی تھی۔ ہم نے شفاعت کے ساتھ ناانصافی کی تھی۔ اب اس کی تلافی کر رہے ہیں۔"

"جی ہاں .... میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

پھر وہ دل ہی دل میں اپنی سگی بہن سدرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "سدرہ میں ابو پر لگائے گئے تمام الزامات دھو رہا ہوں۔ تم دیکھ رہی ہو نا .... ہمارے ابو بے قصور تھے۔"

بیس برس پہلے نفاست علی نے شفاعت علی پر جھوٹا الزام لگایا تھا اور اُس بے قصور کو اس کی فیملی کے ساتھ جس کوٹھی سے نکلوایا تھا آج وہ خود اس کوٹھی کے دروازے پر بے بسی کی تصویر بنا کھڑا تھا اور بے عزت ہو رہا تھا۔

اس نے زیبی اور کبریٰ سے کہا۔ "کیوں میرے ساتھ دھوپ میں جل رہی ہو؟ جاؤ

.... اندر چلی جاؤ۔"

زیبی انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں ڈیڈ! میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

کبریٰ نے کہا۔ "ارے .... حسرت اور سدرہ ابا جان سے ملنے آفس گئے تھے۔ اب تک نہیں لوٹے۔ ابا جان تو آ چکے ہیں، سدرہ تو بڑی تیزی سے گئی تھی۔ یوں جیسے ابھی آپ کو اندر پہنچانے کے انتظامات کر کے آئے گی۔"

زیبی نے ناگواری سے کہا۔ "سب دکھاوا ہے۔"

نفاست نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ نہ جانے کیوں وہ سدرہ کی برائی برداشت نہیں کر سکا۔ اس نے ان دونوں سے کہا۔ "تم اندر جاؤ .... میں یہاں رہ کر حسرت اور مراد کا انتظار کر رہا ہوں۔ پھر فیصلہ کروں گا کہ مجھے کیا کرنا ہے اور کہاں جانا ہے؟"

زیبی نے کہا۔ "نہیں ڈیڈ! آپ جہاں جائیں گے، وہاں میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔"

کبریٰ نے للچائی ہوئی نظروں سے کوٹھی پر ایک نظر ڈالی۔ پھر ذرا بے دلی سے کہا۔ "میں کس دل سے اس ایئر کنڈیشنڈ کوٹھی میں رہوں گی۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔"

نفاست نے کہا۔ "سجاد تو یہی چاہے گا کہ یہاں سے ہم سب چلے جائیں اور وہ یہاں حکمرانی کرے، عیش و عشرت سے زندگی گزارے، کیا تم اسے اپنے ارادوں میں کامیاب ہونے دو گی؟"

زیبی نے الجھ کر کہا۔ "کیا مصیبت ہے؟ نہ ہم آگے جا سکتے ہیں، نہ پیچھے رہ سکتے ہیں۔"

کبریٰ نے جلدی سے کہا۔ "تمہارے ڈیڈی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہمیں میدان خالی چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔ ہمیں یہاں رہ کر اس کے منصوبوں کو ناکام بنانا ہو گا۔"

وہ بولا۔ "میرے پیچھے تم سب کو یہاں رہنا ہے۔ میں نے ہار نہیں مانی ہے۔ میں اپنے تمام حقوق حاصل کر کے رہوں گا۔"

کبریٰ نے پوچھا۔ "آپ کیا کریں گے؟"

"یہ آنے والا وقت ...."

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ مراد نے ان تینوں کے قریب آ کر کار روک دی۔ پھر باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔ "دادا جان آ گئے؟"

کبریٰ ناگواری سے بولی۔ "ہاں .... آ گئے۔ اندر اے سی میں جنت کی ہوا کھا رہے ہیں۔"

زیبی نے کہا۔ "وہ پتھر بن گئے ہیں۔ ڈیڈی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔"

مراد نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "پھر ڈیڈ! اب کیا ہو گا؟"

وہ بولا۔ "میں اپنے حقوق حاصل کرنے کے ہتھکنڈے جانتا ہوں۔ مگر ابا جان سے عداوت مول لینا نہیں چاہتا۔"

مراد سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ نفاست بھی کسی نئے منصوبے میں الجھنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک دم سے چونک کر کہا۔ "ڈیڈ! میں نے سوچ لیا ہے' ہمیں کیا کرنا ہے؟"

کبریٰ اور زیبی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ اس نے دونوں سے کہا۔ "ممی! آپ اندر جائیں۔ زیبی! تم بھی جاؤ۔"

کبریٰ نے کہا۔ "پہلے یہ تو بتاؤ کہ تم نے کیا سوچا ہے؟"

"وہ میں ڈیڈی کو بتاؤں گا۔ آپ اندر جائیں۔"

کبریٰ نے پریشان ہو کر نفاست کو دیکھا۔ وہ بولا۔ "ہاں .... تم دونوں اندر جاؤ۔ ہم یہاں کب تک تماشہ بنتے رہیں گے۔ میں مراد کے ساتھ ابھی ہوٹل جا رہا ہوں۔ وہاں ہم جو پلاننگ کریں گے اس کا علم تمہیں بھی ہو جائے گا۔ بے فکر رہو۔"

کبریٰ نے بے بسی سے ان دونوں کو دیکھا پھر زیبی سے کہا۔ "چلو .... ہم بھی اندر جا کر کوئی تدبیر کرتے ہیں۔"

وہ دونوں اندر چلی گئیں۔ ایسے ہی وقت حسرت کی کار کوٹھی کے سامنے آ کر رکی۔ مراد نے ثمینہ اور حسرت کو دیکھ کر ناگواری سے کہا۔ "یہ دونوں خواہ مخواہ ایسی بھاگ دوڑ کر رہے ہیں جیسے ابھی یہ قلعہ فتح کر لیں گے۔"

نفاست نے کہا۔ "ایسی بات نہیں ہے۔ سدرہ میرے لئے سنجیدہ اور پُرخلوص ہے۔ اس سے نرم رویہ اختیار کرو۔"

اس نے چونک کر باپ کو دیکھا۔ ثمینہ اور حسرت کار سے اتر کر ان کے قریب آئے۔ ثمینہ نے نفاست سے پوچھا۔ "دادا جان آ گئے؟"

وہ بولا۔ "ہاں .... وہ اندر ہیں اور میں باہر ہی رہوں گا۔ بیٹی! تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ وہ پتھر ہیں' تمہاری محبت انہیں پگھلا نہیں سکے گی۔"

وہ دل ہی دل میں سجاد کی ممنون تھی جس نے اسے سدرہ بنا کر اس اعلیٰ خاندان میں عزت دلوائی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس باپ نے آج تک اسے اپنی شفقت سے محروم رکھا تھا اب وہ جانے انجانے اسے بار بار بیٹی کہہ کر پکار رہا تھا۔

اس نے بڑی محبت سے باپ کو دیکھا پھر کہا۔ "اگر میں پتھر کو نہ پگھلا سکی تو اُسی پتھر سے اپنا سر پھوڑ لوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ مراد اسے حیرت سے' حسرت اُسے پریشانی سے اور نفاست اسے بڑی محبت سے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

کوٹھی کے اندر کبریٰ اور زیبی دونوں عبادت علی کے سامنے سر جھکا کر کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ جیسے بھی ممکن ہو نفاست کو کوٹھی کے اندر لانا چاہتی تھیں۔ وہ بولے۔ "ہمارے سامنے یوں فریادی بن کر کیوں کھڑی ہو' کیا یہ چاہتی ہو کہ ہم اپنے کمرے میں جا کر بند ہو جائیں؟ نہ کسی سے سامنا ہو' نہ ایسی فریادی صورتیں نظر آئیں۔"

زیبی نے بے عزتی محسوس کرتے ہوئے چور نظروں سے سجاد کو دیکھا۔ وہ عبادت علی کے برابر سر جھکا خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا۔ زیبی نے کہا۔ "دادا جان! بڑی سے بڑی سزا کی بھی ایک حد ہوتی ہے' آپ یہ تو بتا دیں کہ ڈیڈی کو ملنے والی سزا کی انتہا کیا ہے؟"

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "ابھی تو ابتدا ہوئی ہے اور تم انتہا پوچھ رہی ہو؟ بزرگوں کے معاملات میں بچوں کو نہیں بولنا چاہئے۔"

وہ بولی۔ "میں مانتی ہوں کہ بزرگوں کے معاملات میں ہم بچوں کو نہیں بولنا چاہئے لیکن ڈیڈی کی بے عزتی ہم کیسے برداشت کریں؟"

"یہ اس کی بے عزتی نہیں' سزا ہے۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

زیبی نے ماں کی طرف دیکھا۔ اس نے آنکھ کے اشارے سے اسے جانے کو کہا۔ وہ سجاد کو گھورتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ کبریٰ نے عبادت علی سے کہا۔ "سزا تو نقلی سدرہ اور سجاد کو ملنی چاہئے۔ انہوں نے بھی آپ کو دھوکا دیا ہے مگر آپ انہیں نظرانداز کر رہے ہیں۔"

انہوں نے گھور کر کبریٰ کو دیکھا پھر کہا۔ "وہ پرائے تھے' انہوں نے دھوکا دیا لیکن نیکی بھی کی۔ سدرہ اور سجاد کو انہوں نے ہی ہمارے پاس پہنچایا ہے۔"

اس نے چونک کر عبادت علی کو دیکھا۔ سجاد نے انہیں یہی بتایا تھا کہ اسے اور سدرہ کو اس کوٹھی تک فراڈ سدرہ سجاد نے ہی پہنچایا ہے۔ ثمینہ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر

اندر آئی۔ سجاد نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اندر آتے ہی عبادت علی سے بولی۔ ”دادا جان! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ آپ چچا جان کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دے رہے ہیں؟“

سجاد کو اس کا لہجہ اور رویہ پریشان کر رہا تھا۔ کبریٰ بھی ذرا حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عبادت علی نے کہا۔ ”پہلے اپنے باپ کے بے گھر اور بے در ہونے کا حساب کرو‘ پھر اپنے چچا جان کی بات کرو۔“

ثمینہ نے چور نظروں سے سجاد کی طرف دیکھا پھر کہا۔ ”میں نے اپنے ابو کے ساتھ زیادتی کرنے والوں کو معاف کیا۔ آپ بھی انہیں معاف کر دیں۔“

کبریٰ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ سجاد نے چونک کر کہا۔ ”تم کون ہوتی ہو انہیں معاف کرنے والی؟“

وہ یہ کہتے ہی فوراً خاموش ہو گیا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ پھر وہ جلدی سے بات بناتے ہوئے بولا۔ ”یہ ہمارے بزرگوں کے معاملات ہیں‘ ہمیں ان کے درمیان نہیں بولنا چاہئے۔“

کبریٰ نے سجاد کو گھور کر دیکھا۔ ثمینہ نے کہا۔ ”ٹھیک ہے‘ میں ان کے معاملات میں نہیں بولوں گی لیکن اپنے کسی بزرگ کی توہین برداشت نہیں کروں گی۔“

پھر وہ عبادت علی کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”دادا جان! میں آپ کے کمرے میں جا رہی ہوں۔ آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔“

وہ کوئی جواب سنے بغیر تیزی سے ان کے کمرے میں چلی گئی۔ سجاد پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ نہ جانے وہ دادا جان سے کیا کہنا چاہتی ہے۔

کبریٰ بھی کچھ پریشان ہو گئی تھی۔ عبادت علی کبھی اپنے کمرے کی طرف اور کبھی سجاد کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔ سجاد پریشان تھا مگر پھر کچھ سوچ کر مطمئن ہو گیا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئے تو وہ بستر کی شکنیں درست کر رہی تھی۔ وہ بولے۔ ”رہنے دو بیٹی! یہ ملازموں کا کام ہے۔“

وہ کمبل تہہ کرتے ہوئے بولی۔ ”مجھے بے ترتیبی پسند نہیں ہے۔ ہماری زندگی میں ترتیب نہ ہو تو رشتے بکھر جاتے ہیں۔“

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ ”بیس برس پہلے آپ نے رشتوں کا ٹوٹنا

اور بکھرنا دیکھا تھا۔ پھوپھی جان بے گھر ہو گئی تھیں۔ ہم ابو کے ساتھ خانہ بدوشوں کی زندگی گزارتے رہے۔“

وہ بولتی جا رہی تھی اور بک شیلف کی بکھری ہوئی کتابوں کو درست کرتی جا رہی تھی۔ وہ اُسے گہری سنجیدگی سے دیکھ رہے تھے۔ پوتی کی باتوں میں جو گہرائی تھی وہ اسے سمجھ رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب آئے۔ پھر انہوں نے بک شیلف سے ایک کتاب اٹھا کر اسے دوسری دراز میں رکھتے ہوئے کہا۔ ”اسے یہاں رکھو۔ کلام پاک کے پاس صرف دینی کتابیں رکھنی چاہئیں۔ ترتیب کا ایک سلیقہ ہوتا ہے۔“

پھر انہوں نے سینٹر ٹیبل پر رکھی ہوئی ایک کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”وہ دیکھو .... وہ ایک کتاب ہم نے ادھر رکھی ہے۔ وہ ہمارے مزاج اور ہمارے نظریات کے خلاف ہے۔ اسے کسی کباڑیے کو دے دیا جائے گا۔ ہم اُسے گھر سے نکال دیں گے۔ کیونکہ وہ ہمارے مزاج پر گراں گزرتی ہے۔“

وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں اسے قائل کرنا چاہتے تھے۔ اپنی بات سمجھانا چاہتے تھے۔ وہ بھی ان کی پوتی تھی۔ اس نے وہ کتاب اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ایک ناول تھا۔ اس نے کتاب کو کھولتے ہوئے عبادت علی سے کہا۔ ”یہ ایک بہت مشہور ناول ہے۔ اس کی ڈرامہ سیریل بھی مشہور ہوئی تھی۔“

اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا پھر پوچھا۔ ”کیا آپ کو ناولوں اور ڈراموں سے دلچسپی نہیں ہے؟“

وہ ناگواری سے بولے۔ ”نہیں .... ہمیں یہ سب پسند نہیں ہے۔“

وہ بولی۔ ”مگر یہ ہم سب کی پسند ہے۔ کیا آپ اسے گھر سے نکالتے وقت ہماری پسند کا اور ہماری خوشیوں کا خیال نہیں کریں گے؟“

وہ اپنی پوتی کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ بھی ان ہی کی طرح ڈھکے چھپے لفظوں میں انہیں قائل کرنا چاہ رہی تھی۔ وہ بولی۔ ”ایک سرپرست کا ہاتھ دینے والا ہوتا ہے۔ وہ خوشیاں دیتا رہتا ہے‘ چھینتا نہیں ہے۔“

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ وہ ان کے برابر بیٹھ گئی۔ وہ بولے۔ ”ایک سرپرست انصاف کے تقاضے بھی پورے کرتا ہے‘ فیصلے کرتا ہے‘ کیا صحیح ہے‘ کیا غلط ہے۔ جو صحیح ہے اسے گلے لگاتا ہے اور جو غلط ہے اسے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیتا ہے۔“

وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولی۔ ”میں آپ کے سامنے بچی ہوں‘ مگر اتنا تو سمجھتی ہوں کہ

غلطی مٹائی جاتی ہے۔ غلطی کرنے والے کو نہیں مٹایا جاتا۔ اس کی اصلاح کی جاتی ہے۔"

وہ اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ بڑی ذہانت سے اور دانشوری سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ اندر ہی اندر لاجواب سے ہو رہے تھے لیکن ہتھیار ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں کہا۔ "مجرموں کی اصلاح کرنے کے لئے انہیں سزائیں دی جاتی ہیں۔"

"آپ سزا دیتے وقت یہ بھول رہے ہیں کہ آپ تمام بچوں کے سامنے ایک بزرگ کی توہین کر رہے ہیں۔"

"توہین کا احساس تمہیں نہیں' اُسے ہونا چاہئے۔ جو شرمندہ ہو جاتا ہے' سچے دل سے توبہ کرلیتا ہے اس کی سزا ختم کردی جاتی ہے۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "میں یقین دلاتی ہوں' وہ شرمندہ ہیں' پچھتا رہے ہیں۔ آئندہ کبھی آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے۔ آپ ان کی سزائیں ختم کر دیں۔ پلیز .... دادا جان! پلیز۔"

وہ اس کی التجا پر الجھ گئے۔ سمجھ نہیں پائے کہ اسے کیسے سمجھائیں۔ پھر وہ کچھ سوچ کر بولے۔ "جلدی نہ کرو .... ابھی ہم کاروباری معاملات میں اس کا محاسبہ کر رہے ہیں۔ پچھلے ایک برس کا حساب کتاب دیکھا جا رہا ہے۔ اگر اس نے وہاں کوئی گڑبڑ نہیں کی ہو گی تو ہم تمہاری سفارش پر اُسے معاف کر دیں گے۔"

وہ جھنجھلا کر بولی۔ "پتہ نہیں یہ کاروباری معاملات کب تک نمٹائے جائیں گے اور نہ جانے آپ کی عدالت میں یہ مقدمہ کب تک چلتا رہے گا؟ میں اپنا فیصلہ سناتی ہوں۔"

انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ "جب تک آپ چچا جان کو معاف نہیں کریں گے' انہیں گھر میں آنے کی اجازت نہیں دیں گے' تب تک میں ایک دانہ منہ میں نہیں رکھوں گی' ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پیوں گی۔"

وہ محبت کی ماری' ایک ظالم باپ کو توہین سے بچانے کے ہر ممکن راستے پر چل رہی تھی۔ بات ایک طرف سے نہیں بن رہی تھی تو اس نے دوسرا راستہ اختیار کرلیا۔

لیکن کبریٰ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ کبھی وہ سجاد کو دیکھ رہی تھی اور کبھی عبادت علی کے کمرے کو دیکھنے لگتی تھی۔ سجاد اور حسرت ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حسرت نے سجاد کے کان میں سرگوشی کی۔ "ثمینہ ڈیڈی کے لئے پاگل ہو رہی ہے۔ اس کے پاگل جذبوں سے باپ بیٹی کا رشتہ ظاہر ہو گا تو خود اس کے حق میں برا ہو گا۔ ایک تو آپ پر الزام آئے گا کہ آپ اُسے سدرہ بنا کر لائے ہیں پھر یہ کہ اپنا خون ہونے کے

باوجود دادا جان اُسے اپنی پوتی تسلیم نہیں کریں گے۔ دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیں گے۔"

وہ بھی سرگوشی میں بولا۔ "وہ مجھے جان سے زیادہ چاہتی ہے۔ مجھے دادا جان کی نظروں سے نہیں گرائے گی۔"

کبریٰ ان کی طرف دیکھ رہی تھی مگر ان کی باتیں اسے سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔ وہ تو اپنی ہی سوچوں میں گھری ہوئی تھی کہ پتہ نہیں وہ ابا جان کو کیا پٹی پڑھا رہی ہے۔ تنہائی میں کیا بول رہی ہو گی۔ جو بولنا ہے' یہاں نہیں بول سکتی تھی۔ یہاں تو سب اپنی اپنی چالیں چل رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کروں۔

پھر وہ کچھ سوچ کر ایک جگہ ٹھٹک گئی۔ وہ وہاں سے جانا چاہتی تھی لیکن ثمینہ کو وہاں آتا دیکھ کر رک گئی۔ ثمینہ ڈرائنگ روم سے گزر کر اپنے بیڈ روم کی طرف جا رہی تھی۔ ایسے ہی وقت سجاد نے اسے پکارا۔ "سدرہ!"

وہ رُک گئی۔ سجاد صوفے پر سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "دادا جان کو اس طرح الگ لے جا کر باتیں کرنا مناسب نہیں تھا۔"

کبریٰ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بولی۔ "میں نے مجبوراً ایسا کیا ہے۔ میں آپ کی سدرہ ہوں۔ آپ کے مزاج کے خلاف میں نے کوئی بات نہیں کی ہے۔"

عبادت علی وہاں آتے ہوئے بولے۔ "مگر ہمارے فیصلے کے خلاف بات کی ہے۔ کہتی ہے' جب تک ہم اس نالائق بیٹے کو معاف نہیں کریں گے' یہ بھوکی پیاسی رہے گی۔"

کبریٰ نے چونک کر ثمینہ کو دیکھا۔ عبادت علی نے سجاد سے کہا۔ "سجاد! اسے سمجھاؤ' ہم اپنا فیصلہ کبھی نہیں بدلتے۔"

سجاد اور حسرت پریشان تھے۔ اس کی محبت کی دیوانگی باپ بیٹی کا رشتہ ظاہر کر رہی تھی۔ ثمینہ نے عبادت علی سے کہا۔ "میں بھی آپ کی پوتی ہوں۔ اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گی۔ اگر آپ چچا جان کو معاف نہیں کریں گے' وہ اس گھر میں نہیں آئیں گے تو یہاں سے میری لاش باہر جائے گی۔"

سب نے ہی اسے چونک کر شدید حیرانی سے دیکھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔

زیبی اپنے کمرے میں تھی۔ موجودہ صورت حال سے پریشان تھی۔ ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی سنائی دی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کہا۔ "ہیلو..........."

دوسری طرف مراد کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو زیبی! تھوڑی دیر پہلے ممی کو فون کیا تھا۔ انہوں نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔ شاید وہ اپنے کمرے میں نہیں ہیں؟"

وہ بولی۔ "ممی ڈرائنگ روم میں ہیں۔ وہاں جو تماشہ دادا جان دکھا رہے ہیں' اس کا اختتام کہاں ہو گا یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔"

"ہم بھی جانتے ہیں۔ کل اس کا اختتام ہو جائے گا۔ ہم ایسی چال چل رہے ہیں کہ دادا جان سر کے بل ڈیڈی کے پاس آئیں گے اور انہیں معاف کر دیں گے۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "بھائی جان! آپ ایسی کیا تدبیر کر رہے ہیں؟ کیا واقعی دادا جان ہتھیار ڈال دیں گے؟"

ایسے ہی وقت کبریٰ کمرے میں داخل ہوئی۔ زیبی نے فون پر کہا۔ "یہ لیں ممی آ گئیں' آپ ان سے بات کریں۔"

اس نے ریسیور کبریٰ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بھائی جان ہیں۔"

کبریٰ نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "مراد! تم باپ بیٹے کہاں ہو؟"

زیبی نے ٹیلی فون سیٹ کا وائڈ اسپیکر آن کر دیا تھا۔ دوسری طرف سے مراد کی آواز سنائی دی۔ "ڈیڈی ایک ہوٹل میں آرام سے ہیں۔ اگر ہمارا منصوبہ کامیاب ہو جائے گا تو وہ گھر آ جائیں گے۔ دادا جان خود انہیں گھر میں لائیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

زیبی نے پوچھا۔ "مگر منصوبہ کیا ہے؟"

"کل سب پر ظاہر ہو جائے گا۔"

"آپ تو سسپنس میں مبتلا کر رہے ہیں۔"

کبریٰ نے زیبی سے کہا۔ "تم ذرا چپ رہو۔ مجھے مراد سے بات کرنے دو۔" پھر وہ فون کی طرف جھک کر بولی۔ "مراد! ایک عجیب سی بات سنو۔ سدرہ نے تو مجھے حیران کر دیا ہے۔ وہ تو زیبی سے بھی زیادہ تمہارے ڈیڈی کی حمایت کر رہی ہے۔ انہیں گھر میں لانے کے لئے اباجان سے لڑ رہی ہے۔"

زیبی حیرت سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا وہ سچ مچ ایسا کر

رہی ہے؟"

دوسری طرف مراد خاموشی سے ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ کبریٰ زیبی سے کہہ رہی تھی۔ "سدرہ نے اعلان کیا ہے کہ جب تک تمہارے ڈیڈی کو معاف نہیں کیا جائے گا اور وہ گھر میں نہیں آئیں گے تب تک' وہ بھوکی پیاسی رہے گی۔"

"میں نہیں مانتی .... وہ کیوں ایسا کر رہی ہے۔ میں ڈیڈی کی بیٹی ہوں میں ان کے لئے فائٹ کروں گی۔"

کبریٰ نے چونک کر کہا۔ "تم نے مجھے باتوں میں الجھا دیا۔ ذرا خاموش رہو' مراد سے بات کرنے دو۔"

پھر وہ فون کی طرف جھک کر بولی۔ "سنو بیٹے! مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے ثمینہ کی روح سدرہ کے اندر سما گئی ہے۔ تم نے کہا تھا' ثمینہ زیبی کی ہمشکل تھی۔ اس وقت مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہ ہمشکل سدرہ نہیں ثمینہ ہے۔"

مراد کی آواز سنائی دی۔ "آپ کے ایسا کہنے سے ثمینہ واپس نہیں آئے گی۔ وہ حرام موت مر چکی ہے۔ پولیس والے اس کے گواہ ہیں۔"

"پھر وہ اتنی محبت کیوں جتا رہی ہے؟ دشمن چچا کی حمایت کیوں کر رہی ہے؟"

"دراصل سدرہ اپنے باپ اور بھائی سے مختلف ہے۔ وہ بہت محبت کرنے والی اور بزرگوں کی عزت کرنے والی لڑکی ہے۔"

زیبی ناگواری سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ بولی۔ اونہہ .... جسے دیکھو وہ اس کی تعریف کر رہا ہے۔"

وہ بولا۔ "ڈیڈی نے کہا ہے' ہمیں سدرہ کے ساتھ اپنائیت سے پیش آنا چاہئے۔ ممی! اسے سمجھائیں' جب وہ ہماری حمایت کر رہی ہے تو ہمیں اس کی محبت اور حمایت سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اس سے محبت سے پیش آنا چاہئے۔ اچھا .... میں پھر کسی وقت فون کروں گا۔ خدا حافظ!"

رابطہ ختم ہو گیا۔ کبریٰ نے ریسیور رکھ دیا۔ زیبی غصے سے بھری بیٹھی تھی۔ ایک دم سے پھٹ پڑی۔ "کیا ہم اب اس کے آگے پیچھے ہاتھ جوڑ کر پھریں گے؟ جو میرے ہاتھ آنے والی دولت کو چھیننے آئی ہے اور اس سے پہلے میری شکل چرا لائی ہے۔ ڈیڈی ہمیں اس سے محبت کرنے کو کہہ رہے ہیں؟ میں سید نفاست علی شاہ کی بیٹی' سید عبادت علی شاہ کی پوتی کسی ایرے غیرے کے سامنے نہیں جھکوں گی۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔"

کبریٰ نے دانت پیس کر کہا۔ "زیادہ غصہ نہ دکھاؤ' اپنے باپ کی مجبوری کو سمجھو۔ ویسے بھی وہ کوئی ایری غیری نہیں ہے' وہ بھی تمہارے ہی دادا جان کی پوتی ہے۔ اسی خاندان کا خون ہے۔ تم سکون سے ٹھنڈے دل و دماغ سے بیٹھ کر میری بات سنو۔"

پھر وہ بیٹی کو اپنے برابر بٹھا کر سمجھانے لگی۔

☆======☆======☆

دوسری طرف سجاد ثمینہ کے رویے سے پریشان تھا۔ اس نے بھوک ہڑتال کی دھمکی دی تھی۔ عبادت علی نے سجاد سے کہا۔ "جاؤ بیٹے! اُسے سمجھاؤ۔ خطادار کی توہین کی جائے تب ہی اسے عقل آتی ہے۔ ہم جو کر رہے ہیں اپنے تجربات کے مطابق ٹھیک کر رہے ہیں۔"

سجاد ان کے کہنے پر ثمینہ کے کمرے میں آیا۔ وہ بیڈ پر سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ شاید رو رہی تھی۔ آہٹ پاتے ہی اس نے سر اٹھا کر سجاد کو دیکھا تو جلدی سے اپنے چہرے کو آنچل سے صاف کرنے لگی۔ پھر جبراً مسکرا کر کہا۔ "آئیں.......... بیٹھیں۔"

وہ دروازہ بند کر کے بیڈ کے سرے پر آ کر بیٹھ گیا۔ وہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "تم رو رہی تھیں؟"

ثمینہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر دھیمے لہجے میں کہا۔ "میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔ مجھے اپنی قسمت پر رونا آ رہا ہے۔ اس دنیا میں میرا کوئی بھائی نہیں تھا' میری کوئی بہن نہیں تھی لیکن آپ کی صورت میں مجھے ایک محبت کرنے والا بھائی مل گیا۔ اسی طرح میں باپ کی محبت اور شفقت سے محروم تھی اب وہ مل رہے ہیں تو دوری کی دیوار نہیں گر رہی ہے اور مشکل تو یہ ہے کہ یہ دیوار اٹھانے والے میرے دشمن نہیں ہیں' غیر نہیں ہیں جن کے سامنے میں لڑنے کے لئے تن کر کھڑی ہو جاؤں۔ وہ میرے دادا جان ہیں' میرے بزرگ ہیں۔ میں ان کی توہین نہیں کر سکتی مگر اتنا تو کر سکتی ہوں کہ ایک بزرگ کو شرمندگی سے بچانے کے لئے بھوکی پیاسی رہ لوں۔ شاید اس طرح دادا جان میری بات مان جائیں؟"

"تمہارے جذبات اپنی جگہ درست ہیں لیکن یہ بھی تو سوچو کہ تمہاری ایسی اندھی حمایت اور محبت اصل رشتے کو پوشیدہ نہیں رہنے دے گی۔"

وہ الجھ کر بولی۔ "پھر میں کیا کروں؟ مجھ سے ابو کی توہین برداشت نہیں ہو رہی ہے۔ میں نے دادا جان سے کہا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور شرمندہ ہیں لیکن

وہ.........."

وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "دادا جان جو کر رہے ہیں' درست کر رہے ہیں۔ اگر ایسا کرنے سے تمہارے ابو کی توہین ہو رہی ہے تو یہ ہو گی۔ ہر سزا پانے والے کی توہین ہوتی ہے۔ سزا اسی لئے دی جاتی ہے کہ خطاوار کو شرم آئے اور وہ آئندہ کوئی غلطی نہ کرے۔"

"یہ ضروری نہیں ہے کہ ابو کو شرمندہ کرنے کے لئے سزائیں دی جائیں۔ بے شک انہوں نے غلطی کی ہے۔ دادا جان انہیں گھر میں بلا کر بند کمرے میں ان کا محاسبہ کر سکتے تھے۔ انہیں بڑی سے بڑی سزا دے سکتے تھے' اس طرح گھر کی بات گھر میں ہی رہتی' باہر نہ جاتی۔ باہر صرف ابو کا سر نہیں جھک رہا ہے' ہم بھی شرمندہ ہو رہے ہیں۔"

پھر وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "آپ نے مجھے بہن بنایا ہے تو بہن کے درد کو سمجھیں کہ میں ابو کے لئے کس قدر پریشان ہوں؟"

وہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی محبت اور اپنائیت سے بولا۔ "تم محبت کا سمندر ہو۔ اس بھائی کو بھی جان سے زیادہ چاہتی ہو اور اس باپ کے لئے بھی تڑپ رہی ہو لیکن تم مجھے سمجھنے کی بھی کوشش کرو۔ میں تمہارے ابو کی حمایت کرنے سے تمہیں نہیں روک رہا ہوں۔ صرف اتنا سمجھا رہا ہوں کہ اپنی بات منوانے کا دوسرا راستہ اختیار کرو۔ یہ بھوک ہڑتال کی دھمکی نہ دو۔"

"تعجب ہے' آپ اسے دھمکی سمجھ رہے ہیں؟"

"جب تک عمل نہ کرو' تب تک یہ دھمکی ہے اور میں تمہیں عمل کرنے سے پہلے ہی سمجھا رہا ہوں' ایسا نہ کرو۔"

"ایسا کرنے سے ہی یہ مسئلہ حل ہو گا۔ پلیز' آپ مجھے مجبور نہ کریں۔ اپنے ابو کو توہین سے بچانے کے لئے میرے پاس یہی ایک راستہ ہے پلیز بھائی جان!"

"بھائی کہہ رہی ہو مگر بھائی کے دل کو نہیں سمجھ رہی ہو۔ تم بھوکی رہو گی تو کیا مجھ سے کچھ کھایا جا سکے گا؟ میں تو پانی بھی نہیں پی سکوں گا۔"

اس نے چونک کر بڑی محبت سے سجاد کو دیکھا پھر الجھ کر کہا۔ "آپ مجھے مشکل میں نہ ڈالیں۔ مجھے ابو کے لئے کچھ کرنے دیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا۔ "میں کہہ چکا ہوں' دادا جان سے اپنی بات منوانے کا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرو۔ تم بھوکی پیاسی رہو گی تو میں بھی کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں

گا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ وہ اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی لیکن روک نہ سکی۔ باپ کی محبت نے اسے بے بس بنایا ہوا تھا۔

عبادت علی ڈائننگ ہال میں پہنچے تو ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا ہوا تھا مگر کرسیاں خالی تھیں۔ انہوں نے دیوار گیر گھڑی کو دیکھا پھر اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ کر ببن کو آواز دی۔

"ببن .... ببن میاں!"

وہ کچن سے نکل کر ان کے پاس آ کر بولا۔ "جی حضور!"

انہوں نے خالی کرسیوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "سب کہاں ہیں؟ کھانے کا وقت ہو چکا ہے۔ کیا انہیں دعوت نامے بھیجے جائیں گے؟"

"میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

وہ پلٹ کر چلا گیا۔ انہوں نے ایک بار پھر ناگواری سے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ ایسے ہی وقت سجاد اور حسرت سیڑھیاں اتر کر ان کے پاس آ گئے۔ انہوں نے پوچھا۔ "بیٹے! کہاں ہو؟ کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ آؤ .... کھانا کھاؤ۔"

سجاد نے کہا۔ "دادا جان! میں سدرہ کے بغیر نہیں کھاتا اور وہ کھانے سے انکار کر رہی ہے۔"

انہوں نے پریشان ہو کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "ہوں .... تو وہ اپنی دھمکی پر عمل کر رہی ہے' ہمیں مشکل میں ڈال رہی ہے۔"

حسرت نے کہا۔ "مشکل میں ہم بھی ہیں۔ وہ بھوکی رہے گی تو کیا ہم کھا سکیں گے؟"

انہوں نے حسرت سے کہا۔ "اس سے جا کر کہو' ہم نے بھی کھانا چھوڑ دیا ہے' سب نے چھوڑ دیا ہے۔ اس سے پوچھو' کیا وہ اپنے دادا جان کو بھوکا پیاسا رکھنا چاہتی ہے؟"

حسرت جانے کے لئے پلٹا۔ سجاد نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ "حسرت رک جاؤ۔ تمہارے جانے سے بات نہیں بنے گی۔ اس وقت وہ میری بات بھی نہیں مان رہی ہے۔"

پھر اس نے عبادت علی سے کہا۔ "دادا جان! یہی باتیں آپ جا کر اسے سمجھائیں گے تو وہ متاثر ہو گی۔ پلیز.......... آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔"

انہوں نے سوچتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھا پھر اٹھتے ہوئے کہا۔ "چلو۔"

وہ تینوں ثمینہ کے بیڈ روم کی طرف جانے لگے۔ کبریٰ اور زیبی کھانے کے لئے وہاں آ رہی تھیں۔ ان تینوں کو ثمینہ کے بیڈ روم کی طرف جاتا دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔ ایک

ستون کی آڑ لے کر کھڑی ہو گئیں۔ جب وہ تینوں کمرے کے اندر چلے گئے تو وہ دونوں دبے قدموں چلتی ہوئی دروازے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں اور کان لگا کر کمرے میں ہونے والی باتیں سننے لگیں۔

اندر ثمینہ ایک صوفے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ عبادت علی اس کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھے، بول رہے تھے۔ "سدرہ! تم جو کچھ کر رہی ہو' یہ مناسب نہیں ہے۔"

وہ بولی۔ "اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہم جو کر رہے ہیں' وہ نامناسب ہے تو ہم کبھی نہ کریں۔ مناسب اور نامناسب کو اگر میں نہیں سمجھ رہی ہوں تو آپ بھی نہیں سمجھ رہے ہیں۔"

"ہم تم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ہم نے تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے۔"

"آپ ساری دنیا دیکھ سکتے ہیں مگر ساری دنیا کو سمجھ نہیں سکتے۔ دیکھنے کے بعد سمجھنے کے لئے بہت کچھ رہ جاتا ہے۔"

سجاد کچھ کہنا چاہتا تھا مگر عبادت علی نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے خاموش رہنے کو کہا۔ پھر وہ ثمینہ سے بولے۔ "تمہیں یہ شکایت ہے کہ ہم تمہارے چچا جان کی توہین کر رہے ہیں' جبکہ وہ خود اپنی توہین کرا رہا ہے۔ ہم نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ یہاں نہ آئے' اگر وہ چپ چاپ سزا قبول کر لیتا' یہاں نہ آتا اور ایک ملازم اس کا راستہ نہ روکتا تو اس کی توہین نہ ہوتی۔ کیا اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے؟"

وہ بولی۔ "ہو سکتا ہے وہ یہ سوچ کر آئے ہوں کہ باپ کے دل میں رحم آ جائے۔"

حسرت نے کہا۔ "ڈیڈی یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ دادا جان کا حکم پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔ وہ یہاں نہ آتے' فون کے ذریعہ یا ہمارے ذریعہ اپنی صفائی پیش کرتے تو دروازے کے باہر ان کی انسلٹ نہ ہوتی۔"

سجاد نے کہا۔ "سدرہ! ان باتوں کو سمجھو' دادا جان نے انہیں صرف سزا دی ہے۔ ان کی اپنی غلطی سے ان کی توہین ہو رہی ہے۔"

ثمینہ نے سر اٹھا کر سجاد کو دیکھا۔ باہر کھڑی کبریٰ نے ناگواری سے سرگوشی میں کہا۔ "اس کا بولنا بہت ضروری ہے۔ اونہہ.........."

ثمینہ نے سجاد سے کہا۔ "چچا جان یہاں اپنی بے عزتی کرانے نہیں' دادا جان کے قدموں میں جھکنے آئے تھے۔ یہ ہمارے گھر کے معاملات ہیں۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ذاتی معاملات میں کیچڑ اچھالنے کے لئے ملازموں کو استعمال کیا جائے گا۔"

کبریٰ ثمینہ سے متاثر ہو رہی تھی۔ وہ دونوں پیچھے ہٹ کر ذرا دور آ گئیں۔ کبریٰ نے زیبی سے کہا۔ "اس لڑکی کو تو وکیل یا بیرسٹر ہونا چاہئے۔ یہ تمہارے ڈیڈی کے لئے بڑے زبردست دلائل کے ساتھ لڑ رہی ہے۔"

وہ بولی۔ "ممی! مجھے تو یقین ہوتا جا رہا ہے کہ یہ سدرہ نہیں ہے۔"

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "چلو.......... اپنے ڈیڈی کو فون کرو اور یہاں کے حالات بتاؤ۔"

وہ دونوں بیڈ روم میں آ گئیں۔ زیبی نے ریسیور اٹھا کر نفاست کے موبائل نمبر پنچ کئے پھر رابطے کا انتظار کرنے کے بعد بولی۔ "ہیلو ڈیڈ! آپ نے کہا تھا کہ یہاں کے حالات سے آپ کو باخبر رکھا جائے۔ تو تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ آپ کی وہ لاڈلی آپ کے لئے بھوک ہڑتال کر رہی ہے' دادا جان' سجاد اور حسرت سب ہی اسے منا رہے ہیں لیکن وہ نہیں مان رہی ہے۔"

دوسری طرف نفاست ہوٹل کے کمرے میں موبائل فون کان سے لگائے بیٹھا تھا۔ زیبی کی بات سن کر خوش ہو کر بولا۔ "خدا نے اُسے ہماری مشکل کشائی کے لئے بھیجا ہے۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "اسے خدا نے نہیں بھیجا ہے' یہ آپ کی مہربانی سے اس دنیا میں آئی ہے' میں یقین سے کہتی ہوں' ثمینہ مردہ نہیں' زندہ ہے۔"

وہ تیز لہجے میں بولا۔ "بہت بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو۔ تمہیں میری مشکلات کو سمجھنا چاہئے۔ مگر ایسے وقت فضول باتیں کر رہی ہو۔ فون اپنی ممی کو دو۔"

اس نے ریسیور ماں کی طرف بڑھا دیا۔ کبریٰ اسے کان سے لگا کر بولی۔ "یہ لڑکی تو ابا جان کو ناکوں چنے چبوا رہی ہے۔ اس کی ایک ہی ضد ہے کہ آپ جب تک یہاں نہیں آئیں گے' تب تک نہ تو وہ کھانا کھائے گی اور نہ ہی پانی پئے گی۔"

وہ بولا۔ "سدرہ میری اپنی بیٹی کی طرح میرے لئے فائٹ کر رہی ہے۔"

"یہ ہے ہی آپ کی بیٹی۔ مجھے تو اب کوئی شبہ نہیں رہا۔"

زیبی نے ہاتھ بڑھا کر ٹیلی فون کا وائڈ اسپیکر آن کر دیا۔ نفاست کی آواز سنائی دی۔ "یہ فضول باتوں کا وقت نہیں ہے۔ کیا تم نہیں چاہتیں کہ وہ میرے لئے فائٹ کرے؟"

"چاہتی ہوں۔"

"وہ مجھ سے محبت کر رہی ہے' کیا تم اس سے محبت نہیں کرو گی؟"

وہ بڑے مؤدبانہ لہجے میں بولی۔ "کروں گی۔"

زیبی نے چونک کر ماں کو دیکھا۔ نفاست کی آواز سنائی دی۔ "وہ دشمن ہوتے ہوئے بھی ہماری بھلائی کر رہی ہے۔"

"میں نے اس بات سے انکار تو نہیں کیا ہے' وہ آپ کی حمایت میں لڑ رہی ہے' میرا دا جیت رہی ہے۔ آپ بتائیں' میں اس کے لئے کیا کروں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ اسے محبت کے جواب میں محبت دو اور ہماری محبت یہ ہونی چاہئے کہ ہم اُسے بھوکی پیاسی نہیں دیکھ سکتے۔ تم کھانا لے جا کر اُسے اپنے ہاتھ سے کھلاؤ۔"

وہ بولی۔ "وہ اپنے دادا کے اور بھائی کے سمجھانے منانے سے نہیں کھا رہی ہے' میرے کہنے سے کیا کھائے گی؟"

"تم اس کے پاس کھانا لے جاؤ۔ پھر مجھ سے فون پر بات کراؤ' وہ میری بات ضرور مانے گی' میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔"

اس نے موبائل آف کر کے رابطہ منقطع کر دیا اور گہری سنجیدگی سے ثمینہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کی محبت دل میں مزید مستحکم ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی وجہ صرف یہ نہیں تھی کہ وہ اس کی حمایت کر رہی تھی۔ بلکہ وہ اس کے لئے اپنے دل میں انجانی سی کشش بھی محسوس کر رہی تھی۔

مراد دروازہ کھول کر کمرے میں آیا تو وہ چونک گیا۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ڈیڈ! صبح کا سارا انتظام ہو گیا ہے۔ شامیانے' قناتیں' چھوٹے بڑے بینرز اور نعرے لگانے والے سب ہی کی تیاری مکمل کر دی گئی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہمارا یہ منصوبہ کامیاب رہے گا۔"

وہ تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "تمہیں نعرے لگانے کے لئے افراد کہاں سے مل گئے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "ارے ڈیڈ! غربت میں دو پیسے کی چمک سب کچھ کروا دیتی ہے۔ ایک پسماندہ علاقے سے سو افراد ملے ہیں۔ فی بندہ دو سو روپے پر وہ سب راضی ہیں۔ آپ دیکھئے گا' وہ کیسے حلق پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگائیں گے؟"

پھر وہ اٹھ کر ٹیلی فون کے پاس آتے ہوئے بولا۔ "میں کھانے کا آرڈر دے رہا ہوں۔ آپ نے بھی کھانا نہیں کھایا ہو گا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "کیسے کھا لوں؟"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیوں؟ .... میں سمجھا نہیں۔"

"ابھی تمہاری ممی نے بتایا ہے کہ سدرہ میری خاطر بھوکی ہے۔"

"اس میں شبہ نہیں ہے کہ وہ آپ کے لئے بڑے مؤثر انداز میں فائٹ کر رہی ہے۔"

وہ بڑی محبت سے بولا۔ "خدا اُسے لمبی عمر دے۔ میں تمام عمر اسے بیٹی کی طرح دل سے لگائے رکھوں گا۔"

مراد اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "ڈیڈ! مجھے تو وہ آپ کی بیٹی ہی لگتی ہے۔"

اس نے چونک کر بیٹے کو دیکھا۔ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا پھر کہا۔ "وہ میری بیٹی ہے یا نہیں' وہ جو بھی ہے' میرے دل میں سما گئی ہے۔"

پھر وہ اپنے سینے پر دل کی جگہ ہاتھ رکھ کر بولا۔ "اب وہ ہمیشہ یہیں رہے گی۔"

یہاں باپ قدرتی جذبے سے مجبور ہو کر اسے بیٹی کہہ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ جسے بیٹی سمجھ رہا ہے وہ واقعی اس کا خون ہے' اسی کی بیٹی ہے۔

دوسری طرف بیٹی حقیقت سے آشنا تھی۔ وہ باپ کی محبت سے مجبور ہو کر اپنا فیصلہ سنا چکی تھی۔ دادا جان کی محبت بھی اسے اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹا پا رہی تھی۔ عبادت علی ہر طرح سے منانے کے بعد آخر بیزار ہو کر بولے۔ "بس بہت ہو چکا۔ تمہاری ضد سے یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ ہماری بات نہیں مانو گی اور یہ سراسر ہم سے گستاخی ہو گی۔"

بن میاں ایک ٹرالی میں کھانا لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ سجاد نے عبادت علی سے کہا۔ "سنیں دادا جان! میری سدرہ بہت سمجھدار ہے۔ یہ آپ سے گستاخی نہیں کرے گی۔"

حسرت نے ایک پلیٹ میں کھانا نکال کر عبادت علی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنے ہاتھ سے کھلائیں۔ یہ انکار نہیں کرے گی۔"

ثمینہ پریشان ہو کر انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ ثمینہ نے کہا۔ "دادا جان! خدا کے لئے مجھے مجبور نہ کریں۔ میں ایک لقمہ بھی کھاؤں گی تو مر جاؤں گی۔"

وہ نوالہ بناتے ہوئے بولے۔ "کھانے سے کوئی نہیں مرتا۔"

ایسے ہی وقت کبریٰ موبائل فون پر نمبر پنچ کرتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ پھر اس فون کو ثمینہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "بیٹی! اسے تو.......... اپنے چچا جان سے بات کرو۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ ثمینہ نے ایک نظر سجاد پر ڈالی پھر ہچکچاتے ہوئے کبریٰ سے فون لے کر اسے کان سے لگا کر کہا۔ "جی.......... میں بول رہی ہوں۔"

عبادت علی ناگواری سے کبریٰ کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بڑے فخریہ انداز سے مسکرا رہی تھی۔ اس کا فاتحانہ انداز سجاد کو زہر لگ رہا تھا۔

ثمینہ فون کان سے لگائے دوسری طرف کی باتیں سن رہی تھی۔ نفاست بول رہا تھا۔ "بیٹی! میری جان! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے جان سے زیادہ چاہنے والی ایک بیٹی ملے گی۔ بیٹی! بھوکی نہ رہو۔ تمہاری بھوک اور پیاس مجھے تڑپا رہی ہے۔"

وہ اس کے لئے پریشان ہو رہا تھا۔ وہ مسرتوں سے اور جذبوں سے نہال ہو کر بولی۔ "آپ میرے لئے پریشان نہ ہوں۔ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ میں نے انصاف حاصل کرنے کے لئے یہ جنگ شروع کی ہے۔ آپ مجھے فیصلہ کن جنگ لڑنے دیں۔"

وہ بولا۔ "جنگ لڑنے کے لئے میں ابھی زندہ ہوں۔ اس وقت تمہیں کھانا چاہئے۔ ورنہ میں بھی کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "پلیز.......... آپ یہ کہہ کر مجھے مجبور نہ کریں آپ کھانا کھائیں گے' ضرور کھائیں گے۔"

عبادت علی ایک نوالہ انگلیوں میں دبائے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی پلیٹ کو سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا۔ ثمینہ نفاست کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تم نہیں کھاؤ گی تو میں بھی بھوکا پیاسا رہوں گا۔ تمہیں کھانا ہو گا۔ تمہاری چچی جان مجھے بتائیں گی کہ تم کھا رہی ہو تب میں کھانا شروع کروں گا۔"

وہ بے بسی سے بولی۔ "آپ ایسا کہہ رہے ہیں تو مجھے آپ کی خاطر کھانا ہی ہو گا۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

عبادت علی' سجاد اور حسرت نے چونک کر اسے دیکھا۔ عبادت علی کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ کر گر گیا۔ کبریٰ نے مسکراتے ہوئے سینٹر ٹیبل پر رکھی ہوئی پلیٹ کو اٹھایا اور ایک لقمہ بنا کر ثمینہ کی طرف بڑھایا۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کھانے کے لئے منہ کھولا۔ کبریٰ نے اپنے ہاتھوں سے نوالہ اس کے منہ میں ڈال دیا۔

عبادت علی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ کبریٰ اب بھی فاتحانہ انداز میں مسکرا کر انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔ سجاد اور حسرت بھی ان کے پیچھے باہر چلے گئے۔ ثمینہ بے بسی سے انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

کبریٰ نے خوش ہو کر دوسرا نوالہ اسے کھلاتے ہوئے کہا۔ "ہائے بیٹی! تم نے تو کمال کر دیا۔ ابا جان کو چاروں شانے چت کر دیا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "نہیں چچی جان! میں شکست کھا چکی ہوں۔ اگر میں کھانا نہ کھاتی تو دادا جان اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو جاتے اور چچا جان صبح تک یہاں آ جاتے۔"

"تم ان کی فکر نہ کرو۔ وہ کل تک ضرور اس گھر میں آ جائیں گے۔"

"میں ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔"

"میں ابھی ان سے تمہاری بات کراتی ہوں۔"

اس نے موبائل فون پر نفاست کے نمبر پنچ کئے۔ پھر رابطہ ہونے پر کہا۔ "ہیلو.......... میں بول رہی ہوں۔ ہماری سدرہ نے تو ہمارا سر فخر سے اونچا کر دیا ہے۔ اس نے ابا جان کے ہاتھ سے نہیں کھایا میرے ہاتھ سے کھا رہی ہے۔ آپ اس سے بات کریں۔"

اس نے فون ثمینہ کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولی۔ "میں کھانا کھا رہی ہوں' اب آپ کھائیں گے نا؟"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "تم نے ابا جان کی بات نہیں مانی' میری مان لی۔ میں تمہارا پیار اور تمہارے جذبات دیکھ رہا ہوں۔ میری بچی! تم مجھے اتنی محبتیں دینے کے لئے کہاں سے آ گئی ہو؟"

اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے لیکن وہ صرف لرز کر رہ گئے۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر خاموش رہنے پر مجبور تھی پھر وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "باتیں پھر ہوتی رہیں گی' پہلے آپ کھانا کھائیں۔"

دوسری طرف نفاست نے ایک نوالہ بناتے ہوئے کہا۔ "یہ لو.......... میں کھا رہا ہوں۔"

وہ بولی۔ "آپ نے میری جنگ مجھے لڑنے نہیں دی۔ میں دادا جان سے اپنی بات ضرور منوا لیتی۔"

"تم بھوکی پیاسی رہتیں' یہ مجھ سے برداشت نہ ہوتا۔ تم میری فکر نہ کرو۔ ابا جان کل تک اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو جائیں۔ اللہ نے چاہا تو میں کل تمہارے پاس آ جاؤں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "میں دعا کروں گی کہ آپ آ جائیں۔ اگر آپ نہ آئے تو کل میری دوسری جنگ شروع ہو گی۔"

کبریٰ نے چونک کر اسے دیکھا۔ دوسری طرف سے نفاست نے کہا۔ "نہیں بیٹی! دادا جان کو ناراض نہ کرو۔ دادا جان کی ناراضگی نامناسب ہو گی۔"

"جو آپ کے ساتھ ہو رہا ہے وہ میں برداشت نہیں کروں گی۔ اگر آپ یہاں نہ آئے تو کل میں اس گھر سے چلی جاؤں گی۔"

کبریٰ نے شدید حیرانی سے اسے دیکھا۔ نفاست نے ایک دم سے چونک کر کہا۔ "نہیں .... تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ میرے وہاں آنے تک تم اس گھر سے قدم نہیں نکالو گی۔"

"میں نے آپ کی ایک بات مان لی' کھانا کھا لیا لیکن اس کے بعد آپ مجھے مجبور نہ کریں۔ میں آپ کی بات نہیں مانوں گی۔ کل یہاں سے نکل کر آپ کے پاس آ جاؤں گی' یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے موبائل آف کر دیا۔ کبریٰ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

☆======☆======☆

عبادت علی اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔ وہ ایزی چیئر پر سر جھکا کر بیٹھے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سجاد اور حسرت دروازہ کھول کر اندر آئے۔ انہوں نے چونک کر انہیں دیکھا پھر سر جھکا لیا۔ سجاد نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "میں شرمندہ ہوں' سدرہ آپ کو پریشان کر رہی ہے۔"

وہ اس کی تائید میں بولے۔ "ہوں .... وہ ہماری بات نہیں مان رہی تھی۔ اس نے فون پر صرف ایک بار کہا اور اس نے کھانا شروع کر دیا۔"

سجاد کا سر جھکا ہوا تھا۔ انہوں نے اسے دیکھ کر کہا۔ "ہم چاہتے تھے کہ وہ بھوکی نہ رہے' ہم اس بات سے مطمئن ہیں کہ وہ کھا رہی ہے۔ مگر یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے۔"

حسرت نے پوچھا۔ "کون سی بات دادا جان!"

وہ بولے۔ "یہی کہ اسے نفاست سے اتنی محبت کیوں ہو گئی ہے؟ اُسے یہاں آئے ہوئے دو دن ہی ہوئے ہیں مگر وہ نفاست سے ایسے محبت جتا رہی ہے جیسے اسے برسوں سے جانتی ہے۔"

سجاد اور حسرت نے پریشان ہو کر انہیں دیکھا۔ ان کے دل میں چھپے ہوئے اندیشے حقیقت میں بدل رہے تھے۔ سجاد نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "وہ .... دادا جان! بات یہ ہے کہ وہ بچپن ہی میں ابو کی محبت اور شفقت سے محروم ہو گئی تھی۔ اکثر کہا کرتی تھی کہ دادا جان کے پاس جاؤں گی تو وہاں مجھے بزرگوں کا پیار ملتا رہے گا۔"

انہوں نے قائل ہو کر کہا۔ "ہاں .... یہ باپ سے محرومی کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے ابو کی تمام محبتیں اپنے چچا کو دے رہی ہے۔"

وہ دونوں ذرا مطمئن ہوئے۔ حسرت نے کہا۔ "یہ سدرہ بہت محبت کرنے والی لڑکی ہے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی ہے کہ اس کی یہ محبت آپ کو پریشان کر رہی ہے۔"

"نہیں .... اب ہم پریشان نہیں ہیں۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ وہ اپنے چچا کو باپ سمجھ رہی ہے۔"

سجاد اور حسرت نے خوش ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ عبادت علی نے سجاد کو دیکھ کر کہا۔ "ہمیں اندیشہ تھا کہ تمہارے دلوں میں اپنے چچا کے لئے کدورت ہو گی مگر ہماری پوتی تو یہاں محبتیں بانٹنے آئی ہے۔ وہ سب ہی کے دل جیت لے گی۔"

وہ واقعی سب کے دل جیت رہی تھی اور اس فتح میں کوئی فریب نہیں تھا۔ مگر زیبی اس کی محبت کو چاپلوسی سمجھ رہی تھی۔ اس کے دماغ میں صرف یہی ایک بات پھنسی ہوئی تھی کہ اب نفاست اُسے اس کے تمام حقوق دلائے گا اور اس کی حمایت میں بولے گا۔

وہ اپنے کمرے میں تھی۔ غصے کے مارے ٹہل رہی تھی۔ کسی ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھ رہی تھی۔ مراد دروازہ کھول کر اندر آیا۔ پھر بولا۔ "ممی اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔ تمہیں پتہ ہے' وہ کہاں ہیں؟"

وہ غصے سے اور ناگواری سے بولی۔ "اسی لیڈر گرل کے کمرے میں ہیں' جس نے یہاں آتے ہی سیاست شروع کر دی ہے۔ وہ بھوک ہڑتال کر کے ڈیڈی کے دل میں گھسی جا رہی ہے اور ممی اس سے محبت جتانے اس کے کمرے میں گھسی ہوئی ہیں۔"

وہ بولا۔ "غصہ نہ کرو ٹھنڈے دماغ سے سوچو' وہ ہمارے ڈیڈی کے لئے لڑ رہی ہے'

دادا جان کو جھکانا چاہتی ہے۔ اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔"

وہ غصے سے بل کھا کر بولی۔ "آپ میرا نقصان نہیں سمجھ رہے ہیں۔ وہ ڈیڈی کی نظروں میں مجھ سے زیادہ اہم ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں جو بھی حقوق حاصل کرنے ہوں گے۔ ڈیڈ اس کے حقوق کی بھرپور حمایت کرتے رہیں گے۔ اب وہ ہمارے لئے برابری کی باتیں کریں گے۔ چالاکی اور ہیرا پھیری سے مجھے زیادہ حصہ نہیں دیں گے۔"

مراد اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی تائید میں بولا۔ "ہاں .... ڈیڈی اس سے بہت زیادہ متاثر ہو چکے ہیں۔ وہ تم سے ناانصافی تو نہیں کریں گے مگر تمہاری ایک غلطی تمہیں سدرہ سے کمتر کرتی رہے گی۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "میں نے کیا غلطی کی ہے؟"

"تم نے فراز سے چھپ کر شادی کی ہے۔ ڈیڈی کا سر جھکا دیا ہے۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ یہ بات دادا جان تک پہنچے گی تو یہاں کیسی قیامت آئے گی؟"

اس نے پریشان ہو کر مراد کو دیکھا پھر کہا۔ "میں چپ چاپ اس سے طلاق لینے کی کوشش کر رہی ہوں۔ جب طلاق حاصل کر لوں گی تو پھر یہ بات دادا جان تک نہیں پہنچے گی۔"

"اس کوٹھی میں سجاد فراز وغیرہ کے ساتھ رہ کر یہاں آیا ہے۔ کیا فراز نے تمہاری اور اپنی شادی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہو گا؟"

وہ پریشانی سے سوچنے لگی۔ مراد صحیح کہہ رہا تھا۔ وہاں یہ ذکر ضرور ہوا ہو گا کہ وہ اور فراز شادی کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ پھر وہ ذرا چونک کر بولی۔ "میرا خیال ہے' فراز نے انہیں کچھ نہیں بتایا ہو گا؟"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"اگر سجاد اور سدرہ کو یہ بات معلوم ہوتی تو وہ اب تک دادا جان سے کہہ چکے ہوتے۔"

وہ قائل ہو کر بولا۔ "پھر تو تمہیں جلد سے جلد فراز سے ملنا چاہئے' اس سے طلاق حاصل کرنی چاہئے۔ تمہیں سدرہ سے کمتر نہیں رہنا ہے۔ اس سے برتری حاصل کرنی ہے۔"

مراد کی بات سن کر وہ سنجیدگی سے سوچنے لگی۔

☆======☆======☆

عبادت علی فجر کی نماز اور قرآن پاک کی تلاوت سے فارغ ہو کر ہاتھ میں تسبیح تھامے کوٹھی کے باغیچے میں آئے۔ چوکیدار وہاں کی لائٹس کو آف کر رہا تھا۔ وہ تسبیح پڑھتے پڑھتے چونک گئے۔ باہر احاطے کی دیوار کے ساتھ شامیانہ لگا دکھائی دے رہا تھا۔ انہوں نے تعجب سے سوچا پھر چوکیدار کو آواز دی۔ "چوکیدار! .... یہاں آؤ۔"

وہ دوڑتا ہوا ان کے قریب آیا پھر بولا۔ "جی حضور!"

وہ احاطے کے پار لگے شامیانے کی طرف اشارہ کر کے بولے۔ "یہ ہماری کوٹھی کے سامنے شامیانہ کس نے لگایا ہے' یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

وہ بولا۔ "حضور! پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے؟ یہ شامیانہ مراد بابا نے لگوایا ہے۔"

وہ تعجب سے زیر لب بڑبڑائے۔ "مراد نے............!"

پھر تیزی سے پلٹ کر کوٹھی کے اندر آئے۔ تقریباً تمام ہی افراد اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے۔ سوائے فہمی کے' وہ ڈرائنگ روم کے گلدانوں میں پھول سجا رہی تھی۔ عبادت علی کی طرف دیکھتے ہی اشاروں کی زبان میں انہیں پھول دکھا کر سمجھانے لگی کہ وہ انہیں کوٹھی کے باغیچے سے لائی ہے۔ نانا جان ہمیشہ ہی اس کی بات کا جواب مسکرا کر دیتے تھے مگر آج کچھ پریشان دکھائی دے رہے تھے۔

وہ اسے نظرانداز کرتے ہوئے مراد کو آوازیں دینے لگے۔ "مراد .... مراد!"

بن تیزی سے چلتا ہوا ان کے قریب آ کر بولا۔ "جی حضور!"

انہوں نے ناگواری سے پوچھا۔ "تمہارا نام مراد ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر چلا گیا۔ انہوں پھر گرج کر اسے پکارا۔ "مراد!"

کبریٰ اپنے کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کے قریب آ کر بولی۔ "ابا جان! وہ اپنے کمرے میں ہے' سو رہا ہے' میں ابھی جا کر جگاتی ہوں۔"

"اس نے باہر شامیانہ کیوں لگوایا ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "وہ .... وہ شامیانہ' ہاں .... شامیانہ۔ میں ابھی جا کر اس سے پوچھتی ہوں۔"

وہ پلٹ کر چلی گئی۔ ایسے ہی وقت چوکیدار گھبرایا ہوا اندر آیا۔ پھر بولا۔ "حضور! باہر ایک بہت بڑا جلوس آیا ہے۔"

عبادت علی نے حیرت سے پوچھا۔ "جلوس آیا ہے؟ کیا یہاں کوئی سیاسی جلسہ ہونے والا ہے؟"

باہر سے نعروں کی آوازیں سنائی دیں۔ "بیٹا مظلوم ہے' انصاف کرو......... انصاف کرو۔"

ایک شخص کی آواز سنائی دی۔ "عزت مآب سید عبادت علی شاہ!"

"انصاف کرو......... انصاف کرو۔"

انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ......... یہ کیا ہو رہا ہے؟"

عبادت علی تیزی سے چلتے ہوئے بیرونی دروازے سے کوٹھی کے احاطے میں آئے۔ باہر مسلسل نعرے لگائے جا رہے تھے۔ "ابا جان! ہائے ہائے......... دادا جان! ہائے ہائے۔"

اس اچانک حملے نے انہیں بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ محلے اور سوسائٹی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ایک معتبر اور معزز شخصیت کہلائے جاتے تھے۔ اپنے نام کے ساتھ "ہائے ہائے" سن کر وہ شدید غصے میں کوٹھی سے باہر آئے۔

باہر شامیانے میں بے شمار لوگ کرسیوں پر بیٹھے نعرے لگا رہے تھے۔ مراد اور نفاست ایک بڑے سے اسٹیج پر بیٹھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی گردن میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے تھے۔ عبادت علی شدید غصے سے اور حیرت سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ وہاں بڑے بڑے بینرز پر "دادا جان! ہائے ہائے" اور "ابا جان! ہائے ہائے" کے نعرے لکھے ہوئے تھے۔

یہ آوازیں سن کر کوٹھی کے سب ہی افراد جاگ چکے تھے۔ ثمینہ اور سجاد ٹیرس سے باہر کا منظر دیکھ رہے تھے۔ نفاست نے دونوں ہاتھ اٹھا کر نعرے لگانے والوں کو خاموش کرایا۔ پھر بلند آواز میں کہا۔ "میرے بزرگو! اور میرے بھائیو! میں اپنے والد محترم سے انصاف مانگنے کے لئے بھوک ہڑتال کر رہا ہوں۔"

مراد نے چلا کر کہا۔ "کہو دادا جان!"

نعرے بلند ہوئے۔ "ہائے......... ہائے۔"

نفاست نے پھر کسی لیڈر کی طرح انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کر کے کہا۔ "جب تک مجھے انصاف نہیں ملے گا' میں یہاں بھوکا پیاسا رہوں گا۔ ابا جان کو یہ گونج سنائی دیتی رہے گی۔"

پھر اس نے ایک مکا فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔ "بولو......... ابا جان!"

نعرے بلند ہوئے۔ "ہائے......... ہائے۔"

یہ سب کچھ عبادت علی کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے نفاست کے قریب آئے پھر گرج کر بولے۔ "یہ کیا تماشہ کر رہے ہو؟"

وہ بولا۔ "آپ نے تماشہ بنایا ہے اور میں تماشہ بن رہا ہوں۔ آپ چاہتے تو گھر کی چاردیواری میں میرا محاسبہ کر سکتے تھے' مجھے سزائیں دے سکتے تھے مگر آپ نے مجھے دنیا والوں کے سامنے آ کر انصاف مانگنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

وہ غصے سے دھاڑے۔ "بکواس مت کرو' یہ تان توبڑا سمیٹو اور جاؤ یہاں سے........."

کبریٰ ایک پھولوں کا ہار ہاتھوں میں تھام کر وہاں آئی پھر اسے نفاست کی گردن میں ڈالتے ہوئے بولی۔ "انصاف مل جائے گا' انہیں گھر کے اندر جانے کی اجازت دے دی جائے گی تو یہ تمام حضرات یہاں سے چلے جائیں گے۔ یہ سب ایک مظلوم بیٹے کو انصاف دلانے یہاں جمع ہوئے ہیں۔"

انہوں نے گھور کر کبریٰ کو دیکھا۔ وہ سہم کر نفاست کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔

نفاست نے عبادت علی سے کہا۔ "میں یہاں دھرنا دے چکا ہوں۔ اٹھوں گا تو گھر کے اندر جاؤں گا یا پھر میری لاش یہاں سے اٹھائی جائے گی۔"

ٹیرس پر کھڑی ثمینہ اس کے یہ الفاظ سن کر پریشان ہو گئی۔ عبادت علی نے کہا۔ "تم سمجھتے ہو کہ ایسی حرکتوں سے ہمارا فیصلہ بدل دو گے؟"

"آپ کو مجبوراً ایسا کرنا ہی ہو گا۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولے۔ "ابھی ایک فون کرتے ہی پولیس والے آئیں گے اور تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "میں اچھی طرح جانتا ہوں' آپ پولیس والوں کو نہیں بلائیں گے' بات اتنی نہیں بڑھائیں گے کہ پریس رپورٹرز تک یہ بات پہنچ جائے۔ کل کے اخبار میں آپ کی تصویر کے نیچے لکھا ہو گا' ہائے ہائے۔"

انہوں نے تلملا کر اسے دیکھا۔ مراد نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے' آج کسی وقت اخبار والے یہاں پہنچ جائیں۔ پھر آپ کو بیان دینا ہو گا۔ جو بات گھر کے اندر رہنے والی ہے وہ آپ کی زبان سے باہر آ جائے گی۔"

عبادت علی نے بے بسی اور غصے سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر تلملاتے ہوئے وہاں سے پلٹ کر کوٹھی کے اندر چلے گئے۔ نعرے ایک بار پھر بلند ہو رہے تھے۔ "سید عبادت علی

شاہ! انصاف کرو' معاف کرو۔"

سجاد نے ثمینہ سے کہا۔ "دادا جان گھر کے معاملات کو گھر ہی میں رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر چچا جان ان معاملات کو دنیا والوں کے سامنے لا رہے ہیں۔"

وہ بولی۔ "اگر انہیں گھر کے دروازے پر نہ روکا جاتا' ان کی انسلٹ نہ کی جاتی تو پھر وہ یہ تماشہ نہ کرتے۔"

"وہ سزا سننے کے بعد یہاں نہ آتے تو ان کی انسلٹ نہ ہوتی۔"

"آپ یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ وہ اپنے ابا جان سے معافی مانگنے آئے تھے مگر انہیں دھتکار دیا گیا تھا۔"

سجاد نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔ "ان کی غلط حمایت نہ کرو۔ معافی مانگنے کے اور بھی طریقے ہیں۔ پہلے وہ دادا جان کا غصہ ٹھنڈا کرتے پھر یہاں آتے۔"

وہ قائل ہو رہی تھی۔ باپ کی غلطی سمجھ میں آ رہی تھی۔ مگر تسلیم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سجاد نے شامیانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ جلسہ دیکھ رہی ہو' وہ اپنے ہی باپ کے خلاف نعرے لگا رہے ہیں۔ سب کے سامنے دادا جان کی توہین کر رہے ہیں۔ یہ کوئی دانشمندی ہے؟ دادا جان بزرگ ہیں' اس وقت تمہیں ان کی توہین کا احساس نہیں ہو رہا ہے؟"

وہ گہری سنجیدگی سے باہر شامیانے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

عبادت علی غصے سے بپھرے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئے۔ وہاں حسرت اور اسد موجود تھے۔ وہ ان دونوں کو دیکھ کر بولے۔ "دیکھ رہے ہو' تمہارا باپ کیا کر رہا ہے؟ وہ سڑکوں پر ہماری عزت اچھال رہا ہے۔"

وہ دونوں شرمندگی سے سر جھکا کر کھڑے ہوئے تھے۔ باپ جو تماشہ کر رہا تھا اس پر نادم تھے۔ عبادت علی بے چینی سے ٹہلتے جا رہے تھے اور بولتے جا رہے تھے۔ "اس تماشے کے باعث یہاں پولیس آ سکتی ہے' اخبار والے آ سکتے ہیں نہ جانے وہ ہم سے کیسے کیسے سوالات کریں گے؟ کیا ہم انہیں یہ بتائیں گے کہ بیٹا چور ہے' بے ایمان ہے؟ ہم اسے معاف نہیں کرنا چاہتے اور وہ .... وہ.........."

ان کی بات ادھوری رہ گئی۔ حلق خشک ہو گیا تھا۔ وہ کھانسنے لگے۔ حسرت نے انہیں سنبھالتے ہوئے کہا۔ "دادا جان! آپ بیٹھ جائیں۔ پلیز.......... غصے پر قابو پائیں۔ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

اسد گلاس میں پانی لے آیا تھا۔ وہ خشک حلق میں دو گھونٹ اتارنے کے بعد بولے۔ "باہر ہماری عزت اچھالی جا رہی ہے اور ہم غصہ نہ دکھائیں؟ وہ .... وہ معافی مانگنے کے بازاری اور سیاسی ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے۔ پولیس ہمارا بیان لے گی' گھر کی بات تھانے اور اخبارات تک پہنچے گی۔ ہماری تمام عزت اور شان و شوکت خاک میں مل جائے گی۔ یہ نعرے ہمارا سر جھکا رہے ہیں۔"

پھر وہ حسرت کا ہاتھ جھٹک کر بولے۔ "تم دونوں بھی اپنے باپ کے پاس جاؤ' ہمارے خلاف نعرے لگاؤ' ہمیں خاک میں ملانے سے پہلے ہماری عزت کو خاک میں ملاؤ۔ جاؤ.........."

اسد ان کے قدموں میں دو زانو ہو کر بولا۔ "پلیز دادا جان! ایسی باتیں نہ کریں۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ ہم ایسے نہیں ہیں۔"

وہ ایک ذرا کھانسنے کے بعد بولے۔ "ہم جانتے ہیں' پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں' مگر لقمہ اٹھاتے وقت برابر ہو جاتی ہیں۔ ہمیں اس طرح چباتے اور نگلتے وقت سب برابر ہو جاتے ہیں۔"

ثمینہ اور سجاد بھی وہاں آ گئے۔ ان کی بات سن کر ثمینہ نے کہا۔ "بے شک.......... چچا جان نے آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم بھی ایسے ہی ہیں۔"

وہ اسے دیکھ کر بولے۔ "تم تو خاموش ہی رہو' دادی اماں! تم نے تو آتے ہی ثابت کر دیا ہے کہ وہ چچا ہی تمہارے لئے سب کچھ ہے اور یہ دادا کچھ بھی نہیں ہے۔"

وہ ان کے قریب آ کر بڑی محبت سے بولی۔ "نہیں دادا جان! پہلے آپ ہیں پھر دوسرے ہیں۔ وہ گھر کی بات سرِ عام لا کر اچھا نہیں کر رہے ہیں۔ اپنی بات منوانے کے لئے یہ نہیں سمجھ رہے ہیں کہ باہر آپ کی عزت اچھال رہے ہیں۔"

وہ ناگواری سے بولے۔ "اب عزت اچھالنے کے لئے کیا باقی رہ گیا ہے؟ بیٹا' بہو اور پوتا ہمارے خلاف نعرے لگوا رہے ہیں۔ کیا یہ اپنی ایسی اوچھی حرکتوں سے باز آئیں گے؟"

وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ "باز آئیں گے۔ باہر جو کچھ ہو رہا ہے' وہ نہیں ہو گا۔ میں ابھی یہ تماشہ ختم کر دوں گی۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بڑے اعتماد سے پلٹ کر بیرونی دروازے سے باہر

چلی گئی۔ وہ چاروں بھی اس کے پیچھے چلتے ہوئے کوٹھی سے باہر آ گئے۔ کبریٰ نے انہیں دیکھتے ہی ہاتھ اٹھا کر تمام حاضرین سے کہا۔ "کہو' ابا جان!"

نعرے بلند ہوئے۔ "ہائے .... ہائے .... ہائے .... ہائے۔"

ثمینہ نعرے لگانے والوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی نفاست' مراد اور کبریٰ کے قریب آئی پھر بولی۔ "خدا کے لئے' یہ نعرے بند کر دیں۔ اس طرح صرف دادا جان کی ہی نہیں ہم سب کی عزت خاک میں مل رہی ہے۔"

نفاست نے ہاتھ اٹھ کر تمام حاضرین کو چپ کرایا۔ ثمینہ نے اس سے کہا۔ "چچا جان! یہ اچھا نہیں ہو رہا ہے۔ اگر دادا جان کی عزت نہ رہی تو ہم کہاں ہوں گے' کہاں سر اٹھا کر چلیں گے؟"

وہ اس سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔ "میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"مگر میرے سامنے راستہ ہے۔"

ان تینوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا آپ مجھ پر بھروسہ کریں گے؟"

نفاست نے کہا۔ "اتنا بھروسہ ہے کہ میں اپنی بیٹی کے ساتھ اس کا ہاتھ تھام کر کانٹوں پر بھی چل سکتا ہوں۔"

ثمینہ نے اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ تمام افراد انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ خاص طور پر حسرت اور سجاد ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھ رہے تھے۔

ثمینہ نے نفاست کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "میں دادا جان سے بات منواؤں گی۔ آپ اس گھر میں عزت سے آئیں گے۔ آپ ابھی میرے ساتھ چلیں اور یہ تماشہ ختم کریں۔"

نفاست نے سوچتی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھا۔ کبریٰ ان دونوں کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر نفاست نے مراد سے کہا۔ "سدرہ کو یہ پسند نہیں ہے' تم ان سب کی چھٹی کرو۔ شامیانہ اور قناتیں اکھاڑ دو۔"

مراد نے پریشان ہو کر کبریٰ کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ایک بار پھر میدان چھوڑ کر جا رہے ہیں۔"

"جنگ کے دوران میں کبھی کبھی الٹی چالیں بھی چلنی پڑتی ہیں۔ آگے بڑھنے کے لئے کبھی پیچھے بھی ہٹنا پڑتا ہے۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر مجمع کے درمیان سے گزرتے ہوئے عبادت

علی کے قریب آئے۔ ثمینہ نے ان سے کہا۔ "دادا جان! میں چچا جان کے ساتھ جا رہی ہوں۔ جب تک آپ انہیں معاف نہیں کریں گے' میں واپس نہیں آؤں گی۔"

سجاد نے آگے بڑھ کر کہا۔ "سدرہ! یہ کیا کر رہی ہو؟"

"میں جو کر رہی ہوں وہ اس گھر کے لئے اور ہمارے بزرگوں کے لئے باعثِ توہین نہیں ہے۔ میں آپ کی بہن ہوں' بھائی کا مان نہیں توڑوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ نفاست کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔+ سب ہی حیران پریشان سے انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ زیبی اوپر بالکونی سے شامیانے کا منظر دیکھ رہی تھی۔ نفاست کو ثمینہ کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ وہ پلٹ کر تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی باہر آئی۔

اس نے کبریٰ اور مراد کے قریب آ کر پوچھا۔ "وہ ڈیڈی کو کہاں لے گئی ہے؟"

کبریٰ مطمئن تھی' وہ بولی۔ "وہ جہاں بھی گئی ہے واپسی میں تمہارے ڈیڈی کو گھر کے اندر ہی لائے گی۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "یہ تو ڈیڈی سے کچھ زیادہ ہی محبت جتا رہی ہے۔ اتنے لوگوں کے سامنے ان کا ہاتھ پکڑ کر لے گئی جیسے اپنے باپ کو لے جا رہی ہو؟ کیا اس طرح دادا جان کا فیصلہ بدل جائے گا؟"

مراد نے نعرے لگانے والوں کو رخصت کر دیا۔ پھر دانت پیس کر بولا۔ "ڈیڈی نے میری پلاننگ کی بھی ایسی تیسی کر دی۔"

پھر وہ کبریٰ کو مخاطب کر کے بولا۔ "آپ دیکھ رہی تھیں' دادا جان کی عزت پر بن آئی تھی۔ اخباری رپورٹرز کے آنے سے پہلے وہ ہماری بات مان لینے والے تھے۔"

ان سے ذرا دور عبادت علی' سجاد اور حسرت کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ان تینوں کو دیکھ کر ناگواری سے بولے۔ "سجاد! دیکھا تم نے ان لوگوں نے ہمارا سر جھکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

مراد نے چند آدمیوں سے وہاں کے بینرز اور شامیانے اتروائے۔ تھوڑی دیر پہلے جہاں "ہائے ہائے" کے نعرے بلند ہو رہے تھے' لوگ ایک جلوس کی صورت میں جمع تھے' اب وہاں ویرانی چھا گئی تھی۔

عبادت علی نے سجاد اور حسرت سے کہا۔ "ہم سب کے سامنے انہیں ایسی حرکتوں سے باز نہیں رکھ سکتے تھے لیکن ہماری پوتی نے واقعی کمال کیا ہے۔ اس نے ہمارا سر نہیں

جھکنے دیا۔ پلک جھپکتے ہی ہمارے تمام مخالفین کو ٹھنڈا کر دیا۔"

سجاد نے کہا۔ "مگر اسے گھر چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے تھا۔"

وہ بولے۔ "جانے دو بیٹے! وہ کسی غیر کے ساتھ نہیں اپنے چچا جان کے ساتھ گئی ہے۔"

حسرت نے سجاد کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ڈیڈی کا یہ اسٹیج ڈرامہ ختم کرنے کے لئے سدرہ کا جانا ضروری تھا۔ وہ بہت سمجھدار ہے' بہت سوچ سمجھ کر گئی ہے۔"

دوسری طرف زیبی نے حسرت کی بات سن کر کبریٰ کے کان میں سرگوشی کی۔ "ممی! وہ بہت مکار ہے۔ بھائی جان کا یہ منصوبہ کامیاب ہونے والا تھا۔ مگر اس نے ناکام بنا دیا ہے۔"

عبادت علی' سجاد' حسرت اور اسد کوٹھی کے اندر چلے گئے۔ مراد نے کبریٰ کے قریب آ کر کہا۔ "دادا جان سب کے سامنے شرمندہ ہونے والے تھے' پولیس اور پریس رپورٹرز کے سامنے گھر کی بات زبان پر نہیں لا سکتے تھے' ڈیڈی کی بھوک ہڑتال ختم کرانے کے لئے انہیں ہم سے سمجھوتا کرنا ہی پڑتا مگر بات بڑھنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ اس نے چلنے کو کہا اور ڈیڈی خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے۔"

کبریٰ نے کہا۔ "تمہارے ڈیڈی کوئی نادان بچے نہیں ہیں' وہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی تمہارے منصوبے کو ادھورا چھوڑ کر گئے ہیں۔"

مراد نے ذرا سوچتے ہوئے کہا۔ "نہیں ممی! میرا تو شبہ یقین میں بدل رہا ہے۔"

کبریٰ نے چونک کر پوچھا۔ "کون سا شبہ؟"

"وہ سدرہ نہیں ہے۔"

ماں بیٹی نے چونک کر اُسے دیکھا۔ پھر زیبی نے قائل ہونے کے انداز میں کہا۔ "میں بھی یہی کہتی ہوں۔"

کبریٰ نے اسے کہنی مارتے ہوئے کہا۔ "کیوں میرا دل دہلا رہی ہو؟ وہ سوتیلی تو مر چکی ہے۔"

مراد نے کہا۔ "پولیس والوں کو جو لاش ملی تھی اس کا چہرہ ناقابلِ شناخت تھا۔"

کبریٰ نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "چہرہ پہچانا نہ جائے تو کیا وہ زندہ ہو کر یہاں آ جائے گی؟ لاش کے ساتھ اس کی چیزیں بھی ملی تھیں۔ اس کے کالج کا

فیس کارڈ بھی تھا۔"

مراد اور زیبی ایک دوسرے کو گہری سنجیدگی سے دیکھ رہے تھے۔ کبریٰ نے ان سے کہا۔ "دیکھو .... تم دونوں ایسی باتیں نہ کرو۔ میرا کھانا پینا اور جینا حرام ہو جائے گا۔ مراد! مجھے بتاؤ وہ کس ہوٹل میں ہیں؟ میں ان سے ملنے جاؤں گی۔"

"پتہ نہیں وہ ابھی کہاں گئے ہیں؟ میں تھوڑی دیر کے بعد معلوم کروں گا۔ میں نے ابھی رابطہ کرنا چاہا تھا مگر ان کا موبائل شاید بند ہے۔"

وہ تینوں بھی کوٹھی کے اندر چلے گئے۔ کبریٰ اور مراد کو اب نفاست سے رابطے کا انتظار تھا۔

☆======☆======☆

ارمانہ اور فراز زرینہ خاتون کی کوٹھی میں تھے۔ انہیں خبر نہ تھی کہ عبادت علی کی کوٹھی میں کیسے کیسے تماشے ہو رہے ہیں؟ فراز زیبی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا اور یہی بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ وہ اپنے باپ کی اندھی حمایت میں ایک غلط فیصلہ کرنا چاہتی ہے۔ مگر فراز نے بھی اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ بزرگوں کے سامنے طلاق دینے کی دھمکی پر زیبی ذرا چونک گئی تھی۔ اسے اندازہ بھی نہ تھا کہ فراز ایسی کوئی شرط سامنے لا سکتا ہے۔

ارمانہ اور فراز لاؤنج میں تھے۔ ٹیلی ویژن آن تھا مگر فراز کی نظریں اسکرین پر نہیں تھیں۔ وہ سوچوں اور مختلف قسم کے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ ارمانہ نے اسے گم صم بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔ "کہاں پہنچے ہوئے ہیں؟"

وہ چونک کر بولا۔ "آں .... کہیں نہیں۔ بھلا میں کہاں پہنچوں گا؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "زیبی کے پاس' کیا آپ دونوں کہیں ملاقات کر کے اس معاملے کو سلجھا نہیں سکتے؟"

"اس سے باتیں کرنے کے لئے ایک فون ہی رہ گیا ہے۔ میں وہاں جا نہیں سکتا اور وہ بہت مغرور ہے' یہاں نہیں آئے گی۔"

وہ بولی۔ "اس کی سوئی تو طلاق پر اٹکی ہوئی ہے۔"

"میں نے بھی اسے اٹکا دیا ہے۔"

"ہاں .... بزرگوں کے سامنے طلاق دینے کی شرط نے اسے چونکا دیا ہو گا۔"

"ہاں شاید .... ابھی تو وہ خاموش ہے۔"

"اس شرط نے اسے کمزور بنا دیا ہے۔ وہ بدنام نہیں ہونا چاہے گی۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "وہ کیا بدنامی سے ڈرے گی؟ اس کے ممی ڈیڈی کو اور اس کے بھائیوں کو سارا قصہ معلوم ہو چکا ہے۔"

"یہ درست ہے مگر اصل مسئلہ تو دادا جان ہیں۔ انہیں معلوم ہو گا تو قیامت آ جائے گی اور وہ اوپر تک بات نہیں پہنچانا چاہے گی۔"

"مگر میں تو پہنچانا چاہوں گا۔ اگر وہ ضدی ہے تو میں بھی ضدی ہوں' آسانی سے طلاق نہیں دوں گا۔"

"اگر وہ الجھتی رہے گی تو عین ممکن ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے عقل آ جائے اور وہ طلاق کے مطالبے سے باز آ جائے۔"

وہ اس کی تائید کرتے ہوئے بولا۔ "میں یہی دعا مانگتا رہتا ہوں کہ اسے عقل آ جائے۔"

کال بیل کی آواز سنائی دی۔ فراز نے دروازہ کھولا' حسرت نے اندر داخل ہو کر اس سے مصافحہ کر کے ارمانہ سے پوچھا۔ "اور سناؤ کیا ہو رہا ہے؟"

ارمانہ نے مسکرا کر کہا۔ "ہونا کیا ہے' یہ بیچارے ٹی وی سے دل بہلا رہے ہیں۔ تمہارا نام حسرت ہے مگر یہ حسرت کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ آہ' حسرت ان غنچوں پر جو بن کھلے مرجھا گئے۔"

ارمانہ اور حسرت فراز کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اڑا لو میرا مذاق .... اگر تم دونوں بچھڑ جاتے تب دیکھتا منہ پر ہنسی کیسے آتی ہے؟"

ارمانہ نے اپنی ہنسی پا قابو پاتے ہوئے حسرت سے پوچھا۔ "تم سناؤ کوٹھی مین کیا ہو رہا ہے؟"

وہ بولا۔ "وہاں گھمسان کی جنگ جاری ہے۔ ثمینہ تو بڑے دھماکے کر رہی ہے۔ ڈیڈی کی سزا ختم کرانے کے لئے اس نے بھوک ہڑتال کر دی تھی۔"

فراز نے بے یقینی سے پوچھا۔ "کیا واقعی .... وہ ان کے لئے بھوکی ہے؟"

"اب تو نہیں ہے۔ دادا جان نے کھانے کو کہا تو نہیں کھایا لیکن ڈیڈی نے اسے فون پر سمجھایا تو مان گئی۔"

ارمانہ نے ذرا فکرمندی سے کہا۔ "وہ اپنے ابو سے ایسی محبتیں جتائے گی تو بھید کھل جائے گا۔ سب ہی شبہ کرنے لگیں گے کہ یہ باپ بیٹی ہیں۔"

حسرت نے مسکرا کر کہا۔ "وہ بہت سمجھدار ہے۔ اس نے توازن قائم رکھا ہے۔ آج اس نے دادا جان کی حمایت کی ہے اور ڈیڈی کے منصوبے کو ناکام بنا دیا ہے۔"

فراز نے تعجب سے پوچھا۔ "اچھا .... وہ کیسے؟"

"ڈیڈی اور مراد بھائی نے بہت غلط پلاننگ کی تھی۔ ایک مجمع لگا کر دادا جان کے خلاف نعرے لگوا رہے تھے۔ ثمینہ ڈیڈی کو کھینچتی ہوئی وہاں سے لے گئی اور وہ بھی اس کے ساتھ چلے گئے۔"

ارمانہ حیرت سے سن رہی تھی پھر بولی۔ "امیر گھرانوں میں کیسے کیسے تماشے ہوتے ہیں؟ بیٹا باپ کے رشتے کو بھول کر اس کے خلاف نعرے لگواتا ہے۔ یہ تو بہت ہی شرمندگی کا مقام ہے۔"

فراز نے حسرت سے پوچھا۔ "پھر اس جلوس کا کیا ہوا؟"

"جب دولہا چلا گیا تو بارات کیسے رہتی؟ سب تتر بتر ہو گئے۔"

فراز نے خوش ہو کر کہا۔ "ثمینہ تو کمال کر رہی ہے۔"

حسرت نے کہا۔ "ہاں .... وہ بہت عقلمند اور بزرگوں کی عزت کرنے والی لڑکی ہے۔"

فراز نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "کاش! زیبی اس کی ہمشکل ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی ہم عقل بھی ہوتی۔"

تمنا کرنا انسان کے اختیار میں ہوتا ہے لیکن ہر تمنا پوری نہیں ہوتی۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ زیبی ثمینہ کی طرح سوچنے سمجھنے لگتی۔ وہ نازوں کی پلی حالات کے تھپیڑوں سے ناآشنا تھی۔ اس نے دنیا میں آنکھ کھولتے ہی کئی پیار بھری آنکھوں کو اور پیار بھرے ہاتھوں کے لمس کو اپنے اطراف پایا تھا۔ وہ بچپن سے آج تک اس گھرانے کی تین پوتیوں کا پیار تنہا ہی سمیٹتی آ رہی تھی۔ حد سے زیادہ پیار محبت نے اسے مغرور اور خودسر بنا دیا تھا۔

اس کے برعکس ثمینہ ایسی لڑکی تھی جسے بچپن سے جوانی تک صرف اور صرف ماں کی محبت ملتی رہی تھی۔ وہ دوسرے رشتہ داروں کی محبت سے تو کیا اپنے سگے باپ کی محبت سے بھی محروم رہتی آئی تھی۔ اس محرومی نے اسے حالات سے سمجھوتہ کرنا سکھا دیا تھا۔ وہ بڑی دانشمندی سے سوچنے سمجھنے لگی تھی۔ اب بھی اس نے بڑی عقلمندی سے ایک بزرگ کو توہین سے بچا لیا تھا۔

نفاست اس کے ساتھ اسی ہوٹل کے کمرے میں آ گیا تھا۔ اس نے ثمینہ سے کہا۔ "اگر میں وہاں سے نہ آتا' تمہاری بات نہ مانتا تو تمہیں شرمندگی ہوتی۔ مگر تم نے ایسا کیوں کیا؟ جانتی ہو؟ میں وہاں شام تک بھوکا رہتا تو ابا جان کسی کو منہ دکھانے کے لئے باہر نہ آتے۔ وہ میری غلطیاں معاف کرنے پر مجبور ہو جاتے۔"

وہ بولی۔ "یہ معافی مانگنے اور سزا ختم کرانے کا کون سا طریقہ ہے؟"

"احتجاج کرنے کے لئے ایسے ہی راستے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔"

"مگر یہ تو سوچیں کہ آپ دادا جان کے خلاف نعرے لگوا کر ان کی توہین کر رہے تھے۔"

"کیا تم بھول رہی ہو' انہوں نے میری توہین کی ہے' وہ بھی ملازموں کے ذریعے؟"

ثمینہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ ان سے انتقام لے رہے ہیں؟"

وہ نظریں چرانے لگا۔

☆======☆======☆

(اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات چوتھے حصے میں ملاحظہ فرمائیں)

سرپرست
محی الدین نواب
4

ثمینہ نے کہا۔ "آپ جواباً دادا جان کی توہین بھی کر رہے ہیں اور معافی بھی مانگتے جا رہے ہیں۔ کیا باپ کی بے عزتی کرنے والا بیٹا قابلِ معافی ہوتا ہے؟"

نفاست نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اتنی سمجھداری کی بات کر رہی تھی کہ وہ لاجواب سا ہو گیا۔ بڑی محبت سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ "ہم آپ کے بچے ہیں۔ آپ بزرگوں کا احترام کرنے والی مثالیں پیش کریں۔ پھر آپ کی اولاد بھی آپ کی عزت کرے گی۔"

وہ اس کی تائید میں بولا۔ "ہاں .... تم ٹھیک کہتی ہو۔ ہم اپنی جنگ میں بچوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔"

نفاست کے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ اس نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھ کر اسے کان سے لگا کر کہا۔ "ہاں .... بولو۔"

دوسری طرف سے مراد کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو ڈیڈ! میں کافی دیر سے رابطہ کر رہا تھا لیکن آپ کا موبائل فون آف تھا۔ ممی آپ کے جانے کے بعد سے پریشان ہیں۔"

وہ بولا۔ "پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں یہاں آرام سے ہوں۔"

"آپ اس وقت کہاں ہیں؟ کیا اسی ہوٹل میں ہیں؟"

"ہاں .... اُسی روم میں ہوں۔"

مراد' کبریٰ اور زیبی وائڈ اسپیکر کے ذریعے نفاست کی باتیں سن رہے تھے۔ مراد نے پوچھا۔ "آپ یہاں سے چلے گئے' کیا آپ نے یہ اچھا کیا ہے؟"

"تم نے میرا سر اونچا رکھنے کے لئے بہت بڑی پلاننگ کی تھی لیکن میں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ یہ بات تمہیں تکلیف پہنچا رہی ہے۔"

"آپ نے ایسا کیوں کیا؟ جبکہ آپ یہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ دادا جان اپنے خلاف نعرے برداشت نہیں کریں گے۔ ہمارے آگے جھک جائیں گے۔ پھر بھی آپ جیتنے والی بازی ہار کر چلے گئے؟"

نفاست نے ذرا سنجیدگی سے پوچھا۔ "مراد! اگر میرے خلاف نعرے لگائے جائیں تو تم برداشت کرو گے؟"

"کوئی آپ کے خلاف بولے تو میں اس کا منہ توڑ دوں گا۔"

"یعنی تمہیں بُرا لگے گا؟ میرے ابا جان کے خلاف نعرے لگائے جا رہے تھے۔ کیا مجھے بُرا نہیں لگنا چاہئے؟"

"آپ نے پلاننگ کرتے ہوئے کیوں نہیں سوچا تھا؟"

"غلطی کا احساس بعد میں ہوتا ہے۔"

کبریٰ نے کہا۔ "واہ......... یہ آپ نے خوب کہی۔"

مراد نے کہا۔ "لیکن ڈیڈ! جب آپ نے غلطی کر ہی لی تھی تو پھر پیچھے ہٹ جانا بے وقوفی تھی۔"

"یہ بے وقوفی نہیں، دوراندیشی ہے۔ آج میں ابا جان کے ساتھ جو کروں گا، کل وہی تم میرے ساتھ کر سکتے ہو۔ اگر تم نہیں کرو گے تو کوئی دوسرا بیٹا کرے گا۔ ہمیں غلط مثالیں قائم نہیں کرنی چاہئیں۔"

ثمینہ خوش ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے خوشی تھی کہ اس کی باتیں باپ کے دل پر اثر کر گئی تھیں۔ دوسری طرف سے کبریٰ نے نفاست سے کہا۔ "سدرہ آپ کی لگتی کون ہے؟ وہ جیسے نچا رہی ہے، آپ ناچ رہے ہیں۔ آپ کبھی اپنی بیٹی کی باتوں پر اس طرح نہیں چلتے۔"

زیبی نے پوچھا۔ "ڈیڈ! آپ اس کے ساتھ کیوں گئے؟ آپ ہم سے چھپا رہے ہیں۔ وہ آپ کی دوسری بیٹی ہے۔ اسی لئے مجھ سے زیادہ اسے چاہتے ہیں۔"

نفاست نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔ "فضول باتیں نہ کرو۔ میری وہ بیٹی مر چکی ہے۔"

ثمینہ نے چونک کر ذرا صدمے سے اسے دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ بھائی جان کی بیٹی ہے۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ یہ میرے لئے فائٹ کر رہی ہے۔"

زیبی نے کہا۔ "آپ نہیں سمجھ رہے ہیں، وہ آپ کو ہم سے دور کرنے کی چالیں چل رہی ہے۔"

نفاست نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "کیا تم مجھ سے پہلے پیدا ہوئی ہو؟ کیا مجھ سے زیادہ جانتی ہو؟ تم نہ بولو تو بہتر ہے۔"

کبریٰ نے تلملا کر کہا۔ "وہاں آپ کی لاڈلی بیٹھی ہے۔ اس کے سامنے اپنی بیٹی کو

ڈانٹ رہے ہیں۔ آپ کی یہ اندھی حمایت ہمیں سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ وہ مردہ نہیں زندہ ہے۔"

نفاست نے جھنجلا کر کہا۔ "تم ماں بیٹی کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مراد کہاں ہے؟ ریسیور اسے دو۔"

مراد نے کہا۔ "یس ڈیڈ!"

نفاست نے کہا۔ "ان ماں بیٹی کو سمجھاؤ۔ یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے۔ اگر انہوں نے سدرہ کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کیں تو میں ابا جان کے بلانے پر بھی گھر نہیں آؤں گا۔ اگر اسے میری بیٹی سمجھا جا رہا ہے تو یہی سہی، میں اسی کے ساتھ رہوں گا۔"

اس نے ان تینوں کو حیران پریشان سا چھوڑ کر فون بند کر دیا۔ ثمینہ اسے محبت سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ جذبہ سچا ہو تو کامیابی مل ہی جاتی ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ باپ اسے بیٹی کہہ کر پکارے، چاہے بھائی کی بیٹی سمجھ کر ہی سہی۔ مگر وہ تو اسے اپنی ثمینہ سمجھنے سے بھی انکار نہیں کر رہا تھا۔

نفاست نے موبائل فون ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔ "ان ماں بیٹی کا دماغ خراب ہو گیا ہے، کہتی ہیں تم ثمینہ ہو۔ اگر تم ثمینہ ہو تو پھر بھائی جان کی بیٹی سدرہ کہاں ہے؟ تمہارے ہمشکل ہونے کے باعث وہ ایسی بکواس کر رہی ہیں۔"

وہ آنکھوں کے نم گوشوں کو دوپٹے سے پونچھتے ہوئے بولی۔ "میں صرف ہمشکل نہیں ہوں، میرے پیار کی جو شدت آپ کے لئے ہے، وہ انہیں الجھا رہی ہے۔"

نفاست اسے غور سے دیکھتے ہوئے ذرا سنجیدگی سے بولا۔ "سچ تو یہ ہے کہ میں بھی الجھنے لگا ہوں۔ تم ثمینہ ہی ثمینہ دکھائی دیتی ہو۔"

"آپ مجھے ثمینہ ہی سمجھیں۔ ثمینہ ہو یا سدرہ، نام بدلنے سے محبت نہیں بدلے گی۔ آپ بیٹی کو چاہے کسی نام سے پکاریں، وہ بیٹی ہی رہے گی۔"

وہ گہری سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بات بدلنے کے انداز میں بولی۔ "پتہ نہیں میرے اس طرح چلے آنے سے دادا جان پر کیا اثر ہو رہا ہو گا؟"

"وہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ تم ان کی نظروں سے دور رہو۔ تم دونوں سے مل کر وہ مسرتوں سے نہال ہو رہے ہیں۔ اب تمہارا ان کی نظروں سے دور رہنا انہیں بے چین کر رہا ہو گا۔"

"یہ بات تو درست ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے آپ کے ساتھ آنے سے روکیں

گے۔ مگر وہ میری توقع کے خلاف خاموش رہے۔"

"ان کے خلاف نعرے لگائے جا رہے تھے' وہ تمہاری مداخلت سے بند ہو گئے۔ تم ان پر آئی ایک بہت بڑی مصیبت کو ٹال رہی تھیں۔ اسی لئے انہوں نے تمہیں یہاں آنے سے نہیں روکا۔ وہ تمہاری واپسی کے منتظر رہیں گے۔"

"مجھے ان سے کہہ دینا چاہئے کہ وہ میرا انتظار نہ کریں۔ میں آپ کو چھوڑ کر واپس نہیں جاؤں گی۔"

"یہ بات تو تم وہاں کہہ کر آئی ہو۔"

وہ ذرا سوچنے کے بعد بولی۔ "یہ بات مجھے پھر کہنی چاہئے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ آپ گھر چھوڑ کر یہاں رہیں۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "جو تمہارے جی میں آئے' وہ کرو۔ مجھے تم پر بھروسہ ہے کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گی مگر کیا ہی اچھا ہو کہ پہلے کھانا کھا لیا جائے۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ پھر نمبر پنچ کر کے کھانے کا آرڈر دینے لگا۔ ثمینہ سنجیدگی سے سجاد کے بارے میں سوچنے لگی۔

☆======☆======☆

ثمینہ نے جو قدم اٹھایا تھا عبادت علی اس پر بہت خوش تھے۔ انہیں انجانا سا فخر حاصل ہو رہا تھا کہ ان کی پوتی بہت سمجھدار اور عقلمند ہے۔ وہ اپنے کمرے میں سجاد کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "ہماری پوتی نے ہمیں خوش کر دیا ہے۔ وہ سب سے برابر محبت کر رہی ہے۔ نہ کسی سے کم' نہ کسی سے زیادہ۔ کل اس نے اپنے چچا جان کی حمایت کی اور ہم سے جھگڑا کیا۔ آج اس نے ہماری حمایت کی ہے۔ جو فساد کی جڑ تھا' اسے پنڈال سے اٹھا کر لے گئی۔"

سجاد نے کہا۔ "اس نے تنہا اتنا بڑا فیصلہ کر ڈالا۔"

وہ مسکرا کر بولے۔ "وہ خود بہت عقلمند ہے۔ حالات کو سمجھ کر اٹل فیصلے کرتی ہے اور فوراً عمل کرتی ہے۔ اس نے تو ہمیں اپنا گرویدہ بنا ڈالا ہے۔ کیا وہ بچپن سے ایسی ہے؟"

سجاد نے چونک کر انہیں دیکھا پھر جھجکتے ہوئے کہا۔ "آں .... بچپن سے .... جی وہ بچپن سے ایسی ہی ہے۔ کبھی میرے لئے ابو سے لڑتی تھی اور کبھی ابو کی حمایت میں مجھ سے جھگڑا کرتی تھی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولے۔ "بیٹیاں ایسی ہی ہوتی ہیں' کسی سے ناانصافی برداشت نہیں کرتیں۔ ہر رشتے کی عظمت کو سمجھتی ہیں۔"

"بیٹیوں سے نادانیاں بھی ہوتی ہیں۔"

انہوں نے پوچھا۔ "کیا تم سدرہ کے اٹھائے ہوئے اس قدم کو نادانی کہہ رہے ہو؟ اس نے ہمیں توہین سے بچایا ہے۔"

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ مگر وہ چاہتی ہے آپ چچا جان کو ایسی سزا دیں کہ ہمارے سامنے ان کی توہین نہ ہو۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن غلطیاں کوئی بھی کرے اس کا محاسبہ ضرور کرنا چاہئے۔"

وہ اس کی تائید میں بولے۔ "ہوں .... تم دیکھ ہی رہے ہو' ہم اس کا محاسبہ بھی کر رہے ہیں اور سزائیں بھی دے رہے ہیں۔"

سجاد نے ذرا فکرمندی سے کہا۔ "لیکن یہ سزائیں قائم نہیں رہیں گی۔ آپ سدرہ کو نہیں جانتے۔ وہ آپ دونوں کے درمیان مصالحت کے راستے ہموار کر رہی ہے۔"

عبادت علی سر جھکا کر سوچنے لگے۔ سجاد انہیں ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر بولا۔ "وہ چچا جان کا بے گھر ہونا پسند نہیں کرے گی۔"

وہ سر اٹھا کر بولے۔ "بس ایک یہ ہی بات ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ جس نے تم سب کو بے گھر کیا تھا۔ آج وہ اسے بے گھر ہوتا دیکھ کر اتنا کیوں تڑپ رہی ہے؟"

"دادا جان! وہ اس صدمے کو بھول چکی ہے کہ ان ہی چچا جان کی وجہ سے ہم بیس برس تک بے گھر اور بے یار و مددگار رہے۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولے۔ "مگر ہم نہیں بھولے' اسی لئے اسے سزائیں دے رہے ہیں۔ ہمارے بڑے بیٹے کی طرح اسے بھی در بدر رہنا چاہئے۔"

"آپ اس کا نتیجہ دیکھ رہے ہیں۔ وہ بھی چچا جان کے لئے بے گھر ہو گئی ہے۔ کیا آپ اپنی پوتی کو نظروں سے دور رہنے دیں گے؟"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی سنائی دی۔ سجاد نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کہا۔ "ہیلو۔"

دوسری طرف سے ثمینہ کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو .... بھائی جان! میں سدرہ بات کر رہی ہوں۔"

"تم کہاں ہو؟"

ثمینہ ریسیور کان سے لگائے نفاست کو دیکھ کر بولی۔ ”میں چچا جان کے پاس ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ دادا جان کے خلاف ہونے والے ہنگامے ختم ہو چکے ہوں گے؟“

وہ بولا۔ ”تم مخالف فوج کے سپہ سالار کو لے گئی ہو تو جنگ کیسے جاری رہتی۔ سب ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ یہ بتاؤ‘ تم کب آ رہی ہو؟“

”جب دادا جان بلائیں گے‘ چلی آؤں گی اور وہ جانتے ہیں کہ میں اکیلی نہیں آؤں گی۔“

سجاد نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔ ”ایسی بات نہ کہو۔ میں نے تمہیں سمجھایا ہے کہ بزرگوں کے معاملے میں مداخلت نہ کرو۔“

عبادت علی اس کی باتیں سن رہے تھے پھر ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولے۔ ”لاؤ ہمیں بات کرنے دو۔“

سجاد نے ریسیور ان کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولے۔ ”بیٹے! تم اپنے چچا جان کو اچانک ایسے لے گئیں کہ ہم کچھ کہہ نہیں پائے۔ تم کہاں ہو؟ اب تمہیں آ جانا چاہئے۔“

ثمینہ نے کہا۔ ”دادا جان! ایک بات پوچھوں؟“

”پوچھو بیٹے!“

وہ نفاست کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ”اگر کوئی اپنا بے گھر ہو جائے تو کیا اسے تنہا چھوڑ دینا چاہئے؟“

انہوں نے چونک کر سجاد کو دیکھا پھر فون پر کہا۔ ”سزا پانے والے کو تنہا چھوڑ دینا چاہئے تاکہ دوسرے اس سے عبرت حاصل کریں۔“

”کچھ لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں‘ کچھ باغی ہو جاتے ہیں اور کچھ سزا پانے والے کے ساتھ سزا پاتے ہیں۔“

وہ گہری سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ کسی دانشور کی طرح بول رہی تھی۔ ”دادا جان! میں چچا جان کے بے گھر ہونے کی سزا پاتی رہوں گی آپ چاہیں تو انہیں گھر بلا کر خاموشی سے یہ سزا دے سکتے ہیں۔“

وہ جھنجلا کر بولے۔ ”یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ خاموشی سے کیسے سزا دی جاتی ہے؟“

”آپ چچا جان کو گھر بلا کر بند کمرے میں ان کا محاسبہ کر سکتے ہیں‘ اس طرح ہم بچوں

کے سامنے ایک بزرگ کا سر نہیں جھکے گا۔“

عبادت علی سوچ میں پڑ گئے۔ پوتی ایسی گہری بات کہہ جاتی تھی کہ وہ اسی کے انداز میں سوچنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ وہ خاموش تھے اور یہ خاموشی ثمینہ کو سمجھا رہی تھی کہ لوہا گرم ہو چکا ہے۔ وہ بولی۔ ”ذرا سوچئے دادا جان! آپ نے غصہ میں بیٹے کی توہین کی‘ چچا جان بھی یہی کرنے والے تھے۔ کیا بزرگوں کو یہ زیب دیتا ہے؟ ہمیں آپ سے بہت کچھ سیکھنا ہے اور ہم یہ نہیں سیکھنا چاہتے جو ہو رہا ہے۔“

عبادت علی نے قائل ہونے کے انداز میں سجاد کو دیکھا‘ پھر ایک گہری سانس لے کر فون پر کہا۔ ”تم اپنے چچا جان کے ساتھ آ سکتی ہو۔“

سجاد نے چونک کر انہیں دیکھا پھر ذرا ناگواری سے سر جھکا لیا۔ انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر سجاد کو دیکھ کر بولے۔ ”بیٹے سجاد! کیا ہم نے غلط کہا؟“

وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ ”ناانصافی کرنے کے بعد آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ آپ کا فیصلہ غلط ہے یا صحیح ہے؟“

”نہیں بیٹے! ایسی بات نہیں ہے۔ ہم تم سے ناانصافی نہیں کر رہے ہیں۔ اسے آنے دو۔ ہم اس کا محاسبہ کریں گے۔“

”یہی تو بات ہے۔ آپ نے انہیں گھر میں آنے کی اجازت دے دی۔ گویا سزا ختم کر دی۔ ایک دن سزا دی اور دوسرے ہی دن ختم کر دی اور میرے ابو یہی سزا پاتے پاتے اس دنیا سے گزر گئے۔“

وہ بڑے دکھ سے بولے۔ ”ہمارا وہ بدنصیب بیٹا اپنے قدموں کے نشان نہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ ورنہ ہم اس کے پیچھے جاتے اور اسے منا کر لے آتے۔ ہم پر بھروسہ کرو۔ تم سے ناانصافی نہیں ہو گی۔ ہم اس کا محاسبہ ضرور کریں گے۔“

سجاد نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ”کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ آپ کے کاروبار سے اب تک کتنے شیئرز کا منافع اور کتنی جائیداد اپنے نام کر چکے ہیں؟“

”ہم نے ہیڈ آفس جا کر بہت کچھ معلوم کیا ہے اور بہت کچھ معلوم ہونے والا ہے۔“

”آپ اتنی آسانی سے ساری معلومات حاصل نہیں کر سکیں گے۔ انہوں نے یہ سب کچھ بڑی رازداری سے کیا ہے۔“

”ہاں .... تم درست کہہ رہے ہو۔ اکاؤنٹ کا ایک ایسا کھاتہ ہے جسے اس نے

پاس ورڈز کے ذریعہ لاک کر رکھا ہے۔ ہم اسے کھلوالیں گے۔"

"یہ تو کاروباری معاملات ہیں۔ اس گھر میں آپ کے ساتھ کیا ہو رہا ہے' آپ جانتے ہیں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولے۔ "جو ہو رہا تھا' وہ سامنے آچکا ہے۔ وہ فراڈ سدرہ اور سجاد کو پیش کر کے ہمارے اعتماد کو دھوکا دیتا رہا' اس کی سزا اُسے ضرور ملے گی۔"

"میں چاہوں گا' آپ حسرت سے بات کریں وہ یہاں کے بہت سے اندرونی راز جانتا ہے۔ دادا جان! یہاں آپ کے جاننے کے لئے بہت کچھ رہ گیا ہے۔"

سجاد کو نفاست کی آمد زہر لگ رہی تھی لیکن دوسری طرف ثمینہ فتح یاب ہوئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ نفاست نے کہا۔ "وہ ماننے والے نہیں تھے مگر تم نے منوالیا ہے۔"

"میں جو دروازہ کھلوا رہی ہوں' اس کے بعد ایک دوسرے کی توہین کے لئے کوئی دروازہ نہیں کھلے گا۔"

"بے شک ہم نفرت سے لڑتے رہے اور معاملات کو الجھاتے رہے مگر تم ان معاملات کو بڑی محبت سے سلجھا رہی ہو۔"

وہ معنی خیز انداز میں بولی۔ "میرا ایمان ہے' محبت میں بلا کی طاقت ہوتی ہے۔ یہ اپنے آگے چٹانوں کو جھکا دیتی ہے۔ کیا میں ایک چٹان کو جھکا سکوں گی؟"

نفاست نے چونک کر کہا۔ "کیا کہہ رہی ہو' تم تو بہت بڑی چٹان کو جھکا رہی ہو۔"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ کر مسکرائی پھر بولی۔ "ابھی پیار کے امتحان اور بھی ہیں۔ یہ پیار مجھے کہاں سے کہاں لے آیا ہے؟"

وہ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر کر بولا۔ "یہ پیار تمہیں کامیابی کی منزل تک لے آیا ہے بیٹی! تم اپنی محبت سے ساری دنیا کو جیت لوگی۔"

وہ اسے دیکھ کر بڑی حسرت سے بولی۔ "میں صرف ایک چھوٹی سی دنیا جیتنا چاہتی ہوں۔"

"میری دعا ہے' تم جسے چاہو' اسے جیت لو۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ آج سے میں تمہیں بھتیجی نہیں بیٹی مانتا رہوں گا۔"

اس نے چونک کر' خوش ہو کر نفاست کو دیکھا۔ وہ بڑی محبت سے بولا۔ "تم میرے دل کی گہرائیوں سے میری بیٹی بن کر رہو گی۔"

وہ مارے خوشی کے اس کے سینے سے لگ گئی۔ وہ بڑی شفقت سے اس کے سر پر

ہاتھ پھیرنے لگا۔

☆======☆======☆

ارمانہ' زرینہ خاتون کی کوٹھی میں بند رہتے رہتے اکتا گئی تھی۔ اس نے حسرت سے کہا۔ "پلیز حسرت میں کچھ دیر کھلی فضا میں وقت گزارنا چاہتی ہوں۔ یہاں بند رہ کر جی گھبرا گیا ہے۔"

حسرت نے فراز سے کہا۔ "تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ کچھ دیر باہر وقت گزاریں گے' انجوائے کریں گے۔"

وہ افسردگی سے بولا۔ "ایک نامراد کیا انجوائے کرے گا؟ مجھے ساتھ لے کر جاؤ گے تو تمہاری بھی تفریح غارت ہو جائے گی۔ مجھے یہاں تنہا رہنے دو۔"

ارمانہ نے مسکرا کر کہا۔ "بیچارے' اسی خوش فہمی میں ہیں کہ وہ آئیں گی۔ ہائے' آہٹ پہ کان در پہ نظر تھی کہ ناگہاں:

آئی صدا کہ پاؤں میں مہندی لگی وہاں
بس خون ٹپک پڑا نگہ انتظار سے۔"

حسرت نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ "کیوں اسے خون کے آنسو رُلا رہی ہو۔"

ارمانہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ فراز اور حسرت بھی مسکرا رہے تھے۔ اچانک ہی تینوں کی ہنسی رک گئی۔ کھلے ہوئے بیرونی دروازے پر زیبی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ تینوں ہی الجھ گئے تھے کہ وہ زیبی ہے یا ثمینہ ہے؟ ارمانہ نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "تم .... سدرہ..........؟"

فراز اُسے معنی خیز انداز میں مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ آنے والی کوئی غیر نہیں اس کی شریکِ حیات ہے۔ وہی کتاب ہے جسے اس نے حرف بہ حرف پڑھا ہے۔ جو خلوت میں کھلے ہوئے پھول کی طرح اور جلوت میں بند کلی کی طرح رہتی ہے۔

زیبی نے فراز کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "جسے پہچاننا چاہئے' وہ پہچان رہا ہے۔"

ارمانہ نے تعجب سے اُسے دیکھا پھر فراز کو دیکھ کر ذرا شوخی سے بولی۔ "ونڈر فل .... فراز بھائی! آپ کی آہوں میں بڑا دم ہے۔ اب نہ کوئی صدمہ ہے' نہ کوئی غم ہے۔ ہم تو چلے .... کم آن حسرت!"

حسرت اور ارمانہ زیبی کے قریب سے گزرتے ہوئے باہر چل گئے۔ وہ خاموش کھڑی فراز کو دیکھ رہی تھی۔ فراز نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آؤ

..........بیٹھو۔"

"میں بیٹھنے نہیں آئی ہوں۔"

"بیٹھ کر بات کرو گی تو مجھے سنائی دے گا؟"

"میں تم سے اپنا مطالبہ منوانے آئی ہوں۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "تم شاید کچھ کہہ رہی ہو؟ میں نے کہا نا.......... بیٹھ کر بولو گی تو مجھے سنائی دے گا۔"

وہ سمجھ گئی' اگر اس کی بات نہیں مانے گی تو بات نہیں بنے گی۔ وہ ناگواری سے اس کے سامنے آکر ایک صوفے پر بیٹھ کر تیز آواز میں بولی۔ "کیا اب سنائی دے رہا ہے؟"

"میں بہرہ نہیں ہوں۔ ذرا دھیمے لہجے میں بولو۔"

وہ جھنجلا کر بولی۔ "دیکھو.......... سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہم ایک ساتھ زندگی نہیں گزار سکیں گے۔ تمہاری حیثیت.........." وہ بولتے بولتے ذرا ٹھٹکی پھر بولی۔ "میرا مطلب ہے' ہماری حیثیت برابر کی نہیں ہے۔"

"میں نے اپنے برابر لانے کے لئے ہی تمہیں شریک حیات بنایا ہے۔ اب تو تم میری حیثیت سے پہچانی جاؤ گی۔"

"ایسا نہیں ہو گا۔ میں کہہ چکی ہوں' مجھے آزاد کر دو۔ میں اپنے نام کے ساتھ تمہارا نام نہیں چاہتی۔"

وہ بڑے دکھ سے اپنی محبت کو دیکھ رہا تھا جو ایک دم سے بیگانی سی لگنے لگی تھی۔ وہ بولا۔ "جب نام مل رہا ہو تو بدنام ہونے کے راستے پر نہیں چلنا چاہئے۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "نصیحت نہ کرو۔ میں جو چاہتی ہوں' وہ کرو۔"

"تم شادی اور طلاق کو مذاق سمجھ رہی ہو۔ طلاق لے کر اپنی زندگی کو مذاق بنانا چاہتی ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔"

وہ تیز لہجے میں بولا۔ "زیبی! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ تم عقل سے پیدل ہو چکی ہو' مگر میں ابھی ہوشمند ہوں۔ تم صرف اس لئے علیحدگی چاہتی ہو کہ میں تمہارے آگے گھٹنے نہیں ٹیکتا۔ میں یس میڈم کہنے والا شوہر نہیں ہوں۔"

"میں بس اتنا جانتی ہوں' ہم دونوں کا گزارہ مشکل ہے۔ میں تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزاروں گی۔ ابھی طلاق کے کاغذات لے کر جاؤں گی۔"

وہ بڑے دکھ سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم میرے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتیں۔ یہ کہہ کر میری نظروں سے مجھے گرا رہی ہو۔ میں بھی تمہیں نظروں سے گرا سکتا ہوں مگر اس سے پہلے سمجھانے کے فرائض ادا کر رہا ہوں۔ شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات.........."

"شاعری نہ بگھارو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ میں بچپن سے ضدی ہوں۔ اپنے فیصلے کبھی نہیں بدلتی۔ یہ فیصلہ بھی نہیں بدلے گا۔"

وہ کسی طرح راضی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ذرا سخت لہجے میں بولا۔ "بے شک تم ضدی ہو۔ مگر یہ بھی سوچو کہ تمہارا مجازی خدا کتنا ضدی ہو گا؟"

زیبی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ "تم ابھی جاؤ۔ میں چوبیس گھنٹے بعد تمہارا مطالبہ پورا کروں گا۔"

"چوبیس گھنٹے بعد کیوں' ابھی کیوں نہیں؟"

"میں کل اس وقت تک تمہیں سوچنے سمجھنے کی مہلت دے رہا ہوں۔ اگر تمہارا یہی مطالبہ رہا تو میں تمہارے دادا جان کے سامنے آکر تمہیں طلاق دے دوں گا۔"

وہ ایک دم سے چونک کر بولی۔ "تم وہاں نہیں' یہاں طلاق دو گے۔"

"شادی کے وقت میرے گھر والے شریک تھے۔ اب طلاق کے وقت تمہارے گھر کے افراد شریک ہوں گے۔ میں نے شادی چھپ کر کی ہے مگر طلاق چھپ کر نہیں دوں گا۔ ڈنکے کی چوٹ پر سب کو بتاؤں گا کہ میں اس اعلیٰ خاندان میں داماد رہ چکا ہوں اور سید عبادت علی شاہ کی پوتی مشغلے کے طور پر شادی کرتی ہے اور دو ہی ہفتوں میں طلاق بھی لے لیتی ہے۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر بولی۔ "تم وہاں نہیں آؤ گے۔"

وہ شانے اچکا کر بولا۔ "چلو.......... نہیں آؤں گا۔ اپنے باپ دادا کو یہاں لے آؤ۔"

"وہ بھی یہاں نہیں آئیں گے۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں بھری عدالت میں طلاق دے دوں گا۔"

"تم.......... تم میری مجبوریوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔ بولو.......... کتنی رقم چاہتے ہو؟ پانچ لاکھ.......... دس لاکھ.......... پچاس لاکھ.......... اپنی اوقات بتاؤ۔"

وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔ "پہلے اپنی اوقات سمجھو اور تمہاری اوقات یہ

ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے ایک زوردار طمانچہ زیبی کے منہ پر رسید کیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے جاکر صوفے پر گر پڑی۔ اس کا سر گھوم رہا تھا۔ فراز دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے دوسری بار فراز کو ہاتھ اٹھانے پر مجبور کیا تھا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اسے صرف اتنا یاد رہا کہ فراز نے قریب آکر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔ اس کے بعد وہ تاریکیوں میں ڈوبتی چلی گئی۔

☆======☆======☆

کبریٰ سدرہ کی طرف سے بے چین سی تھی۔ نفاست کا اس سے یوں محبت جتانا، اسے بیٹی کہنا اور اس کے لئے سب کو چھوڑ دینے کی دھمکی دینا، کبریٰ کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ مراد سے کچھ کہتی تھی تو وہ اس کی کیفیت سمجھنے کے بجائے، باپ کی حمایت میں بولنے لگتا تھا۔ زیبی گھر پر موجود نہیں تھی۔ اس نے سوچا، کیوں نہ اسد کے سامنے دل کا بوجھ ہلکا کیا جائے۔

اس نے بن میاں کو بلا کر کہا۔ "اسد اپنے کمرے ہو گا۔ اس سے کہو، میں بلا رہی ہوں۔ فوراً میرے کمرے میں چلا آئے۔"

وہ "جی .... بہتر۔" کہہ کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ہی اسد دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے بولا۔ "ممی! آپ نے مجھے بلایا؟"

"ہاں بیٹا! آؤ .... یہاں میرے پاس بیٹھو۔"

وہ اپنی نک ٹائی درست کرتے ہوئے بولا۔ "نہیں مجھے دیر ہو رہی ہے۔ جلدی بولیں۔ کیا کام ہے؟"

"تم تو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے ہو۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے؟"

"آپ تو جانتی ہیں، ہیڈ آفس کی ساری ذمہ داریاں میرے سر پر آ پڑی ہیں۔ ڈیڈی اور مراد بھائی کا داخلہ وہاں ممنوع ہے۔ دادا جان یہاں کے معاملات میں الجھے ہوئے ہیں اور حسرت بھائی تو من موجی ہیں۔ کبھی آفس آتے ہیں، کبھی نہیں آتے۔ آپ خود ہی سمجھ لیں کہ میں کتنی ذمہ داریاں سنبھال رہا ہوں؟"

"بیٹے! ایک کانٹا میرے دل میں چبھ رہا ہے۔ میں اسے نکالنا چاہتی تھی مگر تمہیں تو فرصت ہی نہیں ہے۔"

"میں ایسا بھی ظالم نہیں ہوں کہ آپ تکلیف میں مبتلا ہوں اور میں کانٹا نکالے بغیر

چلا جاؤں۔"

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ "بائی داوے .... آپ کی پریشانی بتا رہی ہے کہ کانٹا بہت زہریلا ہے۔"

"تم نے سدرہ کو دیکھا ہے؟"

وہ مسکرا کر انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں .... سدرہ کو دیکھتا ہوں تو وہ زیبی لگتی ہے اور زیبی کو دیکھتا ہوں تو سدرہ کا دھوکا ہوتا ہے۔ میں تو آنکھیں بند کر لیتا ہوں۔ دیکھتا ہی نہیں ہوں۔"

"تمہیں پتہ ہے، تمہارے ڈیڈی کی دوسری بیٹی بھی زیبی کی ہمشکل تھی؟"

"ہاں......... وہ بیچاری تو مر چکی ہے۔"

"ارے یہی کانٹا تو چبھ رہا ہے کہ وہ مری نہیں، زندہ ہے۔"

اسد نے چونک کر پوچھا۔ "کیا .... یہ .... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"ہاں بیٹا! یہ بات مجھے بری طرح کھٹک رہی ہے کہ مرنے والی کا چہرہ قابلِ شناخت نہیں تھا۔ صرف وہ سامان ثمینہ کا تھا جو لاش کے پاس پایا گیا تھا۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "اسد! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کی جگہ کوئی دوسری ماری گئی ہو؟"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگا پھر ماں کو دیکھا کر بولا۔ "ممی! آپ پریشان نہ ہوں۔ پولیس والوں نے جہاں چھاپہ مارا تھا، وہاں صرف وہی ایک تھی، کوئی دوسری نہیں تھی۔ آپ خواہ مخواہ الجھ رہی ہیں۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ اسد کی بات کچھ کچھ درست لگ رہی تھی مگر نفاست کا رویہ یاد آتے ہی وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں .... میرا دل نہیں مانتا۔ وہ سگی بیٹی کی طرح تمہارے ڈیڈی سے چپکی ہوئی ہے اور وہ بھی اسے کلیجے سے لگا رہے ہیں۔ انہوں نے پہلے بھی ہم سے بہت کچھ چھپایا تھا۔ اب بھی ضرور کچھ نہ کچھ چھپا رہے ہیں۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔ ایسے ہی وقت فون کی بیل بج اٹھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا پھر اسے کان سے لگا کر بولا۔ "ہیلو؟"

دوسری طرف سے نفاست کی آواز سنائی دی۔ "اسد بیٹے! کیسے ہو؟"

"او ڈیڈی! یہاں آپ ہی کا ذکر ہو رہا ہے۔"

"تمہاری ممی ہیں؟"

"جی .... یہ میرے قریب ہی بیٹھی ہوئی ہیں۔"

"انہیں فون دو۔"

اسد نے ریسیور کبریٰ کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولی۔ "جی میں بول رہی ہوں۔"

"ہاں کبریٰ! ایک خوشخبری سنو۔"

وہ ذرا اداس اداس لہجے میں بولی۔ "میرے نصیب میں خوشخبری کہاں ہے؟ آپ کو ابا جان نے ہم سب سے جدا نہیں کیا ہے' اس لڑکی نے کیا ہے۔"

وہ غصے سے بولا۔ "تم ایسی بکواس کرو گی تو میں گھر نہیں آؤں گا۔ جبکہ ابھی آ سکتا ہوں۔"

کبریٰ جیسے نیند میں چونک گئی۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا.......... ابھی آ سکتے ہیں؟ آپ' ابھی یہاں آ سکتے ہیں؟ مگر کیسے؟"

اسد بھی بے یقینی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ نفاست نے کہا۔ "ابا جان نے اجازت دے دی ہے۔"

"کیا.......... سچ؟"

کبریٰ نے خوش ہو کر اسد سے کہا۔ "تمہارے دادا جان نے انہیں گھر آنے کی اجازت دے دی ہے۔"

پھر اس نے فون پر پوچھا۔ "کیا آپ نے ابا جان سے بات کی تھی؟"

"نہیں .... سدرہ نے بات کی تھی۔ جسے تم دشمن سمجھتی ہو۔ اسی نے میرے لئے یہ بازی جیتی ہے۔ ہم برسوں کوششیں کرتے رہتے' تب بھی کامیاب نہ ہوتے۔ سدرہ نے ایک ہی دن میں دروازے کھلوا دیئے ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "اللہ اسے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ اگر وہ زندہ ہوتی تو ابا جان نہ اُس کے لئے دروازے کھولتے اور نہ ہی آپ کے لئے۔"

نفاست نے چونک کر پوچھا۔ "یہ کیا بک رہی ہو' کس کی بات کر رہی ہو؟"

"میں ثمینہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اگر وہ زندہ ہوتی تو یہ سدرہ نہ ہوتی۔ یہ سدرہ ہے' اس لئے ثمینہ نہیں ہے۔ اگر یہ ثمینہ ہے تو بھائی جان کی بیٹی سدرہ نہیں ہے۔ ایک ہی لڑکی سدرہ اور ثمینہ نہیں ہو سکتی۔ ایک لڑکی کے دو نام ہو سکتے ہیں۔ مگر دو لڑکیوں کا ایک نام نہیں ہو سکتا۔"

اسد تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ نہ جانے کیا اول فول بولے چلی جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد کبریٰ نے ریسیور کو چونک کر دیکھا پھر کہا۔ "ارے .... انہوں نے فون کیوں بند کر دیا؟"

اسد نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کریڈل پر رکھتے ہوئے کہا۔ "ممی! اب تو آپ کے دل میں کوئی کانٹا نہیں چبھ رہا ہو گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "نہیں .... اب تو میں بس تمہارے ڈیڈی اور سدرہ کی منتظر ہوں۔ وہ آ جائیں تو میں منت کے مطابق دس دیگوں کا لنگر کراؤں گی۔"

وہ مسکراتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ یہ سب ہی کے لئے خوشی کی بات تھی کہ نفاست واپس آ رہا تھا لیکن سجاد کو ناگوار گزر رہا تھا۔ جس دشمن نے اس کی فیملی کے قیمتی بیس بائیس برس ضائع کئے تھے اسے پھر سے عزت ملنے والی تھی۔

کوٹھی میں یہ خبر جلد ہی پھیلتی چلی گئی۔ کبریٰ اور مراد بالکونی میں کھڑے نفاست کا انتظار کر رہے تھے۔ عبادت علی سجاد کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حقے کی نے ان کے ہونٹوں میں دبی ہوئی تھی۔

کال بیل کی آواز سنائی دی۔ بن میاں نے آ کر کوٹھی کا اندرونی دروازہ کھولا۔ کھلے ہوئے دروازے پر نفاست اور ثمینہ کھڑے ہوئے تھے۔ بن انہیں سلام کر کے ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ دونوں دھیرے دھیرے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ سجاد نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔ کبریٰ اور مراد بھی وہاں آ گئے تھے۔ عبادت علی نے ثمینہ کو دیکھ کر نفاست سے کہا۔ "ہماری پوتی کا احسان مانو۔ اس کے طفیل تمہارے لئے اس گھر کے دروازے کھل رہے ہیں۔ تم سمجھ رہے تھے' ہماری آنکھوں میں دھول جھونکتے رہو گے اور ہم اندھے بنتے رہیں گے؟"

نفاست نے چور نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ عبادت علی نے کہا۔ "جھوٹ کے پاؤں لمبے نہیں ہوتے' یہ زیادہ دور تک اور زیادہ دیر تک نہیں چلتا۔ پھر بھی تم ہم سے برابر جھوٹ بولتے رہے۔"

ثمینہ نے عبادت علی کے قریب آ کر کہا۔ "دادا جان! آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ آپ چچا جان سے بند کمرے میں گفتگو کریں گے۔"

عبادت علی نے قائل ہو کر اسے دیکھا۔ سجاد نے ثمینہ سے کہا۔ "سدرہ! تم نے اپنی بات منوا لی۔ اب یہاں سے جاؤ۔ بزرگوں کو اپنے معاملات سے خود نمٹنے دو۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ یہ بزرگوں کے معاملات ہیں' بچوں کو دور رہنا چاہئے۔ ہمیں یہاں سے جانا چاہئے یا دادا جان جو بہتر سمجھیں۔"

عبادت علی نے سجاد کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "بیٹے! ہم زبان دے چکے ہیں۔ تم اطمینان رکھو' ہم بند کمرے میں بھی انصاف کے تقاضے پورے کریں گے۔"

وہ جانے کے لئے اٹھ کر کھڑے ہو گئے تو سجاد نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "کیا انصاف کرتے وقت کسی گواہ کی' کسی ثبوت کی ضرورت نہیں پڑتی؟"

عبادت علی نے نفاست کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "ثبوت بے شمار ہیں۔ ہمارا بڑا بیٹا مرتے دم تک خانہ بدوشی کی زندگی گزارتا رہا۔ وہ اپنی موت کے بعد بھی ہمارے اندر گواہی دے رہا ہے۔"

عبادت علی یہ کہہ کر وہاں سے جانا چاہتے تھے مگر ٹھٹک گئے۔ ایک وہ کیا سب ہی چونک کر دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کھلے ہوئے دروازے میں زیبی کھڑی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ خالی خالی نظروں سے ایک ایک کے چہرے کو تک رہی تھی۔ اس کی حالت عجیب سی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ ہینڈ بیگ شانے کی بجائے ہاتھ میں جھول رہا تھا۔ کبریٰ گھبرا کر اس کے قریب آئی۔ عبادت علی نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"زیبی! یہ تمہاری کیا حالت بنی ہوئی ہے' کہاں سے آ رہی ہو؟"

کبریٰ اسے شانے سے تھام کر ان کے قریب لے آئی۔ زیبی کو تو جیسے چپ سی لگ گئی تھی۔ کبریٰ نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "زیبی! تمہارے دادا جان کچھ پوچھ رہے ہیں۔"

نفاست نے کہا۔ "آخر اسے ہوا کیا ہے؟"

اس سے پہلے کہ کبریٰ اسے دوبارہ جھنجھوڑتی وہ اپنے سر کو تھامتی ہوئی صوفے پر گر پڑی۔ سب ہی افراد لپک کر اس کی طرف بڑھے۔ کبریٰ پریشان ہو کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ "زیبی .... زیبی .... میری بچی! تجھے کیا ہو گیا؟ ارے کوئی ڈاکٹر کو بلائے۔ جلدی کرو ہائے میری بچی!"

فون کے ذریعے ایک لیڈی ڈاکٹر کو بلوایا گیا۔ اس وقت تک زیبی کو اس کے بیڈ روم میں پہنچا دیا گیا تھا۔ کبریٰ اور لیڈی ڈاکٹر کمرے میں تھیں۔ عبادت علی اور نفاست دروازے کے باہر پریشان کھڑے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے زیبی کا مکمل چیک اپ کرنے کے بعد کہا۔ "آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ یہ تو خوشی کا موقع ہے۔"

کبریٰ نے خوش ہو کر زیبی کو دیکھا۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "آپ کی صاحبزادی اُمید سے ہیں۔"

کبریٰ نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ باہر نفاست اور عبادت علی بھی پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ عبادت علی کا چہرہ قہر آلود دکھائی دے رہا تھا۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ ماں بننے والی ہیں۔"

عبادت علی نے گرجتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا بکواس ہے؟ نفاست! یہ ڈاکٹر .... کیا کہہ رہی ہیں؟ یہ علاج کرنے آئی ہیں یا ہم پر کیچڑ اچھالنے؟"

نفاست تو خود اس اچانک افتاد سے بوکھلا گیا تھا۔ اس کی بیٹی نے گناہ نہیں کیا تھا۔ مگر دادا کے سامنے گناہگار اور مجرم بن گئی تھی۔ وہ انہیں سمجھانے کے انداز میں بولا۔ "ابا جان! آ .... آپ غصہ نہ کریں۔ لیڈی ڈاکٹر سے بھول ہو رہی ہے۔"

کبریٰ نے کمرے سے باہر عبادت علی کو گرجتے دیکھا تو لیڈی ڈاکٹر سے کہا۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔ پلیز اچھی طرح معائنہ کریں۔ شاید آپ سے غلطی ہوئی ہے؟"

"میڈم! میری بیس برس کی ٹریننگ ہے۔ میں اناڑی نہیں ہوں۔ کسی بھی مریض کو دیکھ کر اس کی کمزوریاں معلوم کر لیتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ کبریٰ نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔ "پلیز .... آپ ایک بار پھر اچھی طرح معائنہ کریں۔ ہماری تسلی ہو جائے گی۔"

وہ دروازے کے قریب آ کر رُک گئی۔ عبادت علی اسے گھور کر دیکھ رہے تھے۔ وہ پلٹ کر بولی۔ "جو سچ ہے' وہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ آپ کسی بھی ڈاکٹر سے تصدیق کرا سکتی ہیں۔"

اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر آئی۔ پھر نفاست اور عبادت علی کے درمیان سے گزرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ عبادت علی نے نفاست سے کہا۔ "یہ ہمیں کیسے جوتے مار کر جا رہی ہے؟ ذلت کی پستیوں میں گرانے کو کیا یہی باقی رہ گیا تھا؟ ہمیں مارنے سے پہلے اس گھر سے شرم وحیا کا جنازہ نکال رہے ہو؟"

نفاست سر جھکائے شرمندگی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ کبریٰ زیبی کے قریب بیڈ کے سرے پر پریشان بیٹھی ہوئی تھی۔ پوری کوٹھی میں عبادت علی کی قہر آلود آواز گونج رہی تھی۔ وہ نفاست کی طرف تنبیہہ کے انداز میں انگلی اٹھا اٹھا کر کہہ رہے تھے۔ "تم .... تم اپنے بچوں کے ساتھ بے غیرتی کی زندگی گزار رہے ہو اور ہمیں بھی بے غیرت

بنا رہے ہو۔ ہم یہ بے حیائی برداشت نہیں کریں گے۔ اس سے پہلے کہ یہ بدنامی گھر سے باہر جائے اسے گولی مار دو۔"

ایسا کہتے ہوئے انہوں نے کمرے میں لیٹی ہوئی زیبی کو گھور کر دیکھا۔ وہ سہم کر اٹھ بیٹھی۔ پریشان ہو کر ماں کو دیکھنے لگی۔ وہ بھی سہمی ہوئی تھی۔ انہوں نے نفاست سے کہا۔ "اُسے گولی مارنے کے بعد خود کو بھی ختم کر لینا تاکہ ہم دنیا والوں سے یہ تو کہہ سکیں کہ ہمارا بیٹا غیرت مند تھا۔ بے حیائی برداشت نہ کر سکا۔ ہمارے دامن سے داغ دھو کر چلا گیا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف چلے گئے۔ نفاست غصے سے تلملاتا ہوا زیبی کے کمرے میں آیا۔ پھر دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد غرایا۔ "سن رہی ہو' یہ قہر تم پر نہیں' مجھ پر نازل ہو رہا ہے۔ بولو .... میں کیا جواب دوں؟"

دونوں ماں بیٹی سہم کر بیڈ سے اتر گئیں۔ وہ انہیں گھورتے ہوئے بولا۔ "ابھی کچھ دیر پہلے ابا جان مجھ پر مہربان ہوئے تھے۔ ایک وہ بیٹی ہے' جس نے میرے لئے دروازے کھلوا دیئے اور ایک تم ہو' پھر سے دروازے بند کر رہی ہو۔ تم نے مجھے کیا بنا دیا ہے؟ اس گھر کا کچرا......... پھر مجھے باہر پھینک دیا جائے گا۔"

زیبی نے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "وہ ڈاکٹر آسمان سے تو نہیں اتری۔ ہو سکتا ہے' اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہو؟"

"وہ اپنی رپورٹ پر بیس سالہ تجربے کی مہر لگا کر گئی ہے اور کہہ کر گئی ہے کہ ہم چاہیں تو کسی دوسرے ڈاکٹر سے بھی اس مصیبت کی تصدیق کرا سکتے ہیں۔ ہماری اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے جس کے باعث وہ غلط رپورٹ دے کر چلی گئی ہے۔"

زیبی نے دھیمی آواز میں کہا۔ "پلیز ڈیڈ! تصدیق کے بغیر یقین نہ کریں۔"

اس نے گھور کر بیٹی کو دیکھا۔ وہ سہم کر ماں کے پیچھے چلی گئی۔ کبریٰ نے نفاست سے کہا۔ "دیکھیں غصہ نہ کریں' کوئی راستہ نکالیں۔ اوّل تو وہ ڈاکٹر غلط رپورٹ دے گئی ہے اور اگر ایسا ہو بھی گیا ہے تو میری بچی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ یہ بدنامی کی بات نہیں ہے۔ اس نے شادی کی ہے۔"

وہ دانت پیس کر بولا۔ "یہ صرف ہمیں معلوم ہے۔ ابا جان اور دنیا والے اس چور رشتے سے بے خبر ہیں۔"

"تو انہیں بتا دیں۔"

"کیا بتا دوں؟ یہی کہ ان کی پوتی اپنی پھوپھی سعیدہ کے نقشِ قدم پر چل رہی ہے۔ پھر اس کا انجام سوچا ہے تم نے؟ انہوں نے اپنی بیٹی کو اس گھر سے نکال دیا تھا اسے جائیداد سے بھی محروم کر دیا تھا۔ کیا تم زیبی کا بھی یہی انجام دیکھنا چاہتی ہو؟"

وہ بیٹی کو سینے سے لگا کر تڑپ کر بولی۔ "خدا نہ کرے۔"

دوسری طرف عبادت علی گرجتے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچے۔ سب ہی افراد سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ وہ سب کی طرف دیکھ کر بولے۔ "کہنے کو تو ہم اس خاندان کے بزرگ ہیں' سرپرست ہیں۔ مگر یہاں ہماری آنکھوں پر پٹی باندھی جاتی ہے۔ ہمیں دھوکے پر دھوکے دیئے جاتے ہیں۔ ہمیں سرپرستی کے تخت پر بٹھا کر یہاں کانٹوں پر گھسیٹا جا رہا ہے۔"

پھر وہ ثمینہ کو دیکھ کر بولے۔ "ایک تم ہو اور ایک وہ ہے۔ بے غیرت باپ کی بے غیرت بیٹی۔ تم یہاں آتے ہی پھول کھلا رہی ہو اور وہ کانٹے۔ یہاں سیاہ کیا ہے' سفید کیا ہے؟ صاف دکھائی دے رہا ہے۔ ہمارے ایک بیٹے نے اپنی اولاد کی کتنی اچھی تربیت دی ہے اور یہ دوسرا بیٹا کیا کر رہا ہے؟ اپنی اولاد کو سکھا رہا ہے کہ کس طرح دادا جان کے منہ پر کالک پوتنا چاہیے۔"

کبریٰ ان کی باتیں سن کر ناگواری سے بولی۔ "یہ آپ کی تربیت کو غلط کہہ رہے ہیں۔ اگر یہ آپ کی کوتاہی کے باعث بہکی ہے تو سعیدہ بھی ان کی کوتاہی کے باعث ہی بہکی ہو گی؟ اس نے بھی چھپ کر شادی کی تھی۔ کیا انہوں نے اُسے ایسے رشتے قائم کرنا سکھایا تھا؟ نہیں .... ہرگز نہیں .... ماں باپ اپنی اولادوں کو ایسی تربیت نہیں دیتے۔ بچے کبھی کبھی بہک جاتے ہیں' نادانی کر بیٹھتے ہیں۔ اگر زیبی سے کوئی نادانی ہو گئی ہے تو ابا جان اس کی پردہ پوشی کرنے کے بجائے شور مچا مچا کر سب کو بتا رہے ہیں۔"

نفاست نے الجھ کر کہا۔ "مصیبت پر مصیبت سامنے آتی جا رہی ہے۔ سجاد کے سامنے ہماری حیثیت کمتر ہوتی جا رہی ہے اور ہمارا یوں کمتر ہونا اسے از خود ابا جان کی نظروں میں برتر بناتا جا رہا ہے۔ ایک سدرہ ہی ہے جو ہم گرنے والوں کو سنبھال رہی ہے لیکن اتنا بڑا مسئلہ ہے کہ شاید اس بار وہ ہمیں سنبھال نہ پائے۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ ڈرائنگ روم سے ثمینہ کی آواز سنائی دی۔ وہ عبادت علی کو سمجھا رہی تھی۔ "دادا جان! پلیز آپ غصہ نہ کریں۔"

وہ بولے۔ ”ہمیں تم پر غصہ آ رہا ہے۔ تم ایسے شخص کی وکالت کر رہی تھیں۔ جاؤ‘ اس سے جا کر پوچھو کیا ہماری عزت کو خاک میں ملانے کے لئے باقی کچھ رہ گیا ہے؟ جاؤ .... اور جا کر اس سے کہو‘ وہ اس بدنامی کو فوراً مٹائے یا خود ہمیشہ کے لئے مٹ جائے۔“

وہ یہ کہہ کر غصے سے لرزتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ سجاد نے مراد کو زیر لب مسکرا کر دیکھا پھر ثمینہ سے پوچھا۔ ”تم کتنے گناہ معاف کراؤ گی؟ جس میں عیب ہی عیب ہوں‘ تم اسے حسنِ کارکردگی کا تمغہ نہیں دلا سکو گی۔“

مراد نے گھور کر سجاد کو دیکھا۔ پھر ثمینہ سے کہا۔ ”تم ڈیڈی کے لئے فائٹ کر رہی ہو۔ اس لئے صفائی پیش کر رہا ہوں۔ میری بہن بے حیا نہیں ہے۔“

وہ بولی۔ ”میں جانتی ہوں‘ زیبی فراز بھائی کی شریکِ حیات ہے۔“

مراد نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ ”زیبی نے چھپ کر شادی کی اور مصیبت چچا جان پر آ رہی ہے۔“

مراد نے سجاد کو حقارت سے دیکھا پھر ثمینہ سے کہا۔ ”ہم ڈیڈی پر مصیبت نہیں آنے دیں گے۔ انہیں معافی ملنے والی ہے۔ ہم دادا جان کو بتائیں گے کہ زیبی منکوحہ ہے۔ شریعت کے مطابق اس کا نکاح پڑھایا گیا ہے۔ پھر دادا جان کے لئے یہ بات قابلِ قبول ہو گی۔“

ثمینہ نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ ”آپ شاید بھول رہے ہیں؟ دادا جان خاندان سے باہر کسی کا رشتہ قبول نہیں کرتے۔ انہوں نے ہمارے پھوپھا کو قبول نہیں کیا تھا۔ وہ فراز بھائی کو بھی قبول نہیں کریں گے۔“

مراد نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ کبریٰ اور نفاست کے درمیان بھی یہی مسئلہ زیر بحث تھا۔ کبریٰ نے نفاست سے کہا۔ ”ابا جان بات بے بات پر گرم پانی کی طرح ابل پڑتے ہیں۔ جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ جب انہیں معلوم ہو گا کہ نکاح ہو چکا ہے تو شاید ٹھنڈے پڑ جائیں اور جہاں تک سعیدہ کا معاملہ ہے تو وہ دور گزر گیا ہے۔ جب بیٹیوں کو پابندیوں میں رکھا جاتا تھا۔ یہ اکیسویں صدی ہے۔ اس دور کے بیٹے‘ بیٹیاں اپنی زندگی کے فیصلے خود کرتے ہیں۔ بس زیبی سے ایک ذرا نادانی ہو گئی کہ اس نے ایک کم حیثیت کے شخص کو اپنا لیا۔“

وہ بولا۔ ”سعیدہ نے بھی یہی نادانی کی تھی۔ جمال ہمدانی کی طرح فراز کا تعلق بھی

ایک نچلے طبقے کے خاندان سے ہے۔ ابا جان اسے کبھی قبول نہیں کریں گے۔“

وہ بولی۔ ”وہ قبول کریں یا نہ کریں لیکن سچ کہہ دینے سے ہم بے غیرتی کے طعنوں سے تو بچے رہیں گے۔“

”اس طرح ایک نیا فراڈ ان کے سامنے آئے گا۔ مجھ پر یہ الزام آئے گا کہ میں نے ان سے چھپ کر ان کے اعتماد کو دھوکا دے کر ان کی پوتی کی شادی کرائی ہے۔“

زیبی نے کہا۔ ”میں دادا جان سے جا کر کہہ دوں گی‘ اس سارے معاملے میں آپ کی کوئی غلطی نہیں ہے۔“

”پھر بھی الزام مجھ پر آئے گا۔ تم نے جس سے شادی کی ہے اسے میں ہی سجاد بنا کر یہاں لایا تھا۔“

کبریٰ نے جھنجلا کر زیبی سے کہا۔ ”تم نے ہمیں دھوکا دیا‘ اس سے چھپ کر شادی کی۔ تمہیں ہم سے زیادہ اس چھوٹی ذات والے پر بھروسہ تھا۔ اب دیکھ لو تمہارا ایک غلط فیصلہ کیسے مسائل کھڑے کر رہا ہے؟“

نفاست نے زیبی سے کہا۔ ”تم اپنی ایک بات بھی اس سے نہ منوا سکیں اگر وہ ابا جان سے صرف اتنا کہہ دیتا کہ وہ فراڈ سجاد بن کر خود یہاں آیا تھا اور میں اس فریب میں شامل نہیں تھا‘ تو آج میں ابا جان کی نظروں سے یوں نہ گرتا۔“

زیبی نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ اس وقت اُسے فراز پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ وہ ناگواری سے بولی۔ ”پلیز .... آپ اس کا ذکر نہ کریں۔ نہ جانے میں کیسے اس کے فریب میں آ گئی؟ اب تو آنکھیں کھل گئی ہیں۔ آئندہ میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں رہے گا۔ میں لیڈی ڈاکٹر کی بات نہیں مانتی۔ میں بیمار ضرور ہوں لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے جو وہ کہہ گئی ہے۔“

کبریٰ نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر نفاست سے کہا۔ ”میرا دل بھی نہیں مان رہا ہے۔ ڈاکٹر سے غلطی ہو سکتی ہے۔ ہمیں کسی اور ڈاکٹر کو بلانا چاہیئے۔“

نفاست نے قائل ہو کر اسے دیکھا۔ زیبی فراز کے مارے ہوئے طمانچے کو بھول کر قدرت کے مارے گئے طمانچے میں الجھ گئی تھی۔ وہ پہلے طمانچے کے درد کو بھول گئی تھی مگر قدرت کے طمانچے کی تکلیف پوری زندگی کا روگ بننے والی تھی۔

سجاد‘ ثمینہ اور مراد کو سوچوں میں الجھتا ہوا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ اس بار ثمینہ اپنے ابو کو نہیں بچا پائے گی۔ وہ آئینے میں اپنا عکس

دیکھ کر زیرِ لب بڑبڑایا۔ "جھوٹ اور فریب کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ چچا جان کا ایک ایک جھوٹ' ایک ایک فریب سامنے آ رہا ہے۔ چھپانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں مگر وہ پردہ پھاڑ کر آ رہا ہے۔ چچا جان اب نانا جان بننے والے ہیں۔"

سجاد کو نفاست کی آمد بری طرح کھٹک رہی تھی۔ مگر اب اس کا ایک اور فریب سامنے آتا دیکھ کر وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ ذرا توقف کے بعد زیرِ لب مسکرا کر بڑبڑایا۔ "چچا جان کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میری جگہ آنے والا سجاد یہ گل کھلا کر جائے گا۔ واہ میرے یار فراز .... جیو اور جب تک چاہو جیو۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر نمبر پنچ کئے۔ پھر رابطہ ہونے پر بولا۔ "ہیلو .... فراز! میں سجاد بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے فراز کی آواز سنائی دی۔ "ہاں .... سجاد بھائی! کیسے ہیں؟ بڑے انتظار کے بعد آپ نے یاد کیا۔ آپ تو وہاں جا کر ہمیں بھول ہی گئے۔"

"اس شہر میں آتے ہی تم جیسے مخلص دوست مل گئے۔ میں تمہیں کیسے بھلا سکتا ہوں؟ ابھی تمہیں ایک خوشخبری سنانے کے لئے فون کیا ہے۔ اندازہ کرو' وہ خوشخبری کیا ہو سکتی ہے؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "میری زندگی کی تو ایک ہی خوشی ہے اور وہ ہے زیبی .... میری ایک ہی دعا ہے کہ وہ غصہ اور غرور بھول جائے۔"

"بھول جائے گی۔ سب کچھ بھول جائے گی۔ کیونکہ اب وہ صرف بیوی نہیں رہی' تمہارے ہونے والے بچے کی ماں بھی ہے۔"

فراز ریسیور کان سے لگائے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ سجاد کی بات سنتے ہی خوشی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ بے یقینی سے پوچھنے لگا۔ "کیا .... کیا؟ پھر سے کہیں .... مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "مگر یہاں تو سب کو یقین آ گیا ہے۔ ایک لیڈی ڈاکٹر نے ایسا دھماکہ کیا ہے کہ دھماکوں پر دھماکے ہو رہے ہیں۔ ایک عزت دار گھرانے کی بنیادیں ہل رہی ہیں۔"

"بنیادیں کیوں ہلیں گی؟ ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ میں ابھی زیبی سے بات کروں گا۔ وہ مجھ سے طلاق مانگ رہی تھی اور اب زندگی کا سب سے خوبصورت تحفہ دے رہی ہے۔ فوراً بتائیں' وہ گھر میں ہے یا کسی ہسپتال میں؟"

"وہ گھر میں ہے۔ تم اس سے بات کرو' اسے بلاؤ' اسے قائل کرو کہ وہ طلاق کی ضد چھوڑ کر تمہارے ساتھ زندگی گزارے۔ میرا بھرپور تعاون تمہارے ساتھ رہے گا۔"

سجاد نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ ایسے ہی وقت فہمی دروازہ کھول کر اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی۔ سجاد نے اشارے سے پوچھا۔ "اس میں کیا ہے؟"

فہمی نے مسکراتے ہوئے وہ پلیٹ اس کی طرف بڑھا دی۔ سجاد نے اسے دیکھ کر کہا۔ "او .... یہ تو فرنی ہے۔"

فہمی نے خوشی ہو کر ہاں کے انداز میں گردن ہلائی۔ پھر پلیٹ میں رکھے چمچ کی طرف اشارہ کر کے سمجھانے لگی کہ اسے کھاؤ۔

سجاد نے اشاروں میں پوچھا۔ "یہ کس نے بنائی ہے؟"

اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اشاروں میں سمجھایا' میں نے بنائی ہے' اسے کھاؤ۔

سجاد نے چمچ اٹھا کر منہ میں رکھا۔ فرنی بہت مزیدار تھی۔ وہ مزے لے لے کر کھانے لگا اور یہ ظاہر کرنے لگا کہ اس نے بہت مزیدار فرنی بنائی ہے۔ وہ اس کے اشاروں کو سمجھ رہی تھی اور خوشی ہو رہی تھی۔

پھر سجاد نے وہ چمچ فہمی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم بھی کھاؤ۔"

وہ خوش ہو رہی تھی' ایک دم سے شرما گئی۔ سجاد نے پھر کہا۔ "کھاؤ .... منہ کھولو۔"

اس نے جھجکتے ہوئے اپنے ہونٹ وا کئے۔ سجاد نے مسکراتے ہوئے اسے فرنی کھلائی۔ اچانک ہی دروازہ کھلا۔ سجاد نے چونک کر ادھر دیکھا تو ایک دم سے بوکھلا گیا۔ کھلے ہوئے دروازے پر عبادت علی کھڑے ہوئے تھے۔ مگر ان کے چہرے سے غصے کے بجائے خوشی کے تاثرات جھلک رہے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے اندر آئے۔ فہمی نے انہیں پلیٹ دکھاتے ہوئے اشاروں میں سمجھایا کہ یہ فرنی اس نے خود بنائی ہے۔

وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ "ببن میاں سے کہہ دیتیں وہ تیار کر دیتا۔"

پھر انہوں نے اشاروں کی زبان میں پوچھا۔ "اسے تم نے کیوں تیار کیا ہے؟"

فہمی نے ذرا شرما کر سجاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سمجھایا کہ اس نے یہ فرنی سجاد کے لئے بنائی ہے۔

سجاد اس کا اشارہ سمجھ کر ایک دم سے جھینپ گیا۔ عبادت علی سے نظریں چرانے لگا۔ وہ مسکرا کر بولے۔ "یاخدا! وہاں وہ ہمیں ذلت کی پستیوں میں گرا کر مار ڈالنا چاہتے ہیں اور یہاں ہمیں نئی زندگی کی شروعات دکھائی دے رہی ہیں۔"

وہ بڑی محبت سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔ سجاد ان کی بات سمجھ رہا تھا۔ وہ خود بھی محسوس کر رہا تھا کہ فہمی اسے اپنی طرف مائل کر رہی ہے۔ اس کے اندر ایک انجانی کشش تھی جو سجاد کو کھینچ کر اس کے قریب لا رہی تھی۔

☆======☆======☆

ارمانہ اور حسرت ایک پلے لینڈ میں آ گئے تھے۔ حسرت اسے چرخی کی طرح اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر جانے والے جھولے کے پاس لے آیا۔ وہ گھبرا کر بولی۔ "نہیں حسرت! میں اس جھولے میں نہیں بیٹھوں گی۔"

وہ ٹکٹ خریدتے ہوئے بولا۔ "تمہیں تنہا تو نہیں بٹھا رہا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گا پھر کیوں گھبرا رہی ہو؟"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے جھولے کے قریب لے آیا۔ جھولے والے نے ایک کیبن کا دروازہ کھولا۔ حسرت نے ارمانہ سے کہا۔ "چلو بیٹھو۔"

وہ بولی۔ "کیوں زبردستی کر رہے ہو؟ مجھے ڈر لگے گا۔"

"جہاں ڈر لگے گا کیا وہاں ساتھ چھوڑ دو گی؟ چلو .... بیٹھو۔"

وہ بیزاری ظاہر کرتے ہوئے کیبن کے اندر بیٹھ گئی۔ حسرت اس کے برابر آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ہی جھولا اسٹارٹ ہو گیا۔ ارمانہ سہم کر اس کے بازو سے لگ گئی۔ اس کا سر حسرت کے شانے پر تھا۔ جھولا مزید تیز ہوا تو اس نے خوف کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ ہونٹوں کو دانتوں تلے دبا رکھا تھا تاکہ چیخ نہ نکلے۔

حسرت اس کی حالت پر ہنس رہا تھا۔ پھر بولا۔ "تم تو بہت ہی ڈرپوک ہو۔ اسے محض جھولا نہیں زندگی سمجھو۔ زندگی اسی طرح نیچے سے اوپر لے جاتی ہے پھر اوپر سے نیچے پہنچا دیتی ہے اور یہ تم نے آنکھیں کیوں بند کر لی ہیں؟"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"خوف سے آنکھیں چراؤ گی تو اور زیادہ خوفزدہ ہوتی رہو گی۔ آنکھیں کھول کر ہر طرح کے حالات کا سامنا کرنا چاہئے۔"

وہ جھنجلا کر بولی۔ "پلیز چپ رہو .... جب ڈر لگ رہا ہو تو کوئی فلسفہ سمجھ میں

نہیں آتا۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "مائی ڈیئر! نہ سمجھنے کے باوجود حقیقت اپنی جگہ رہے گی۔ یہ جھولا گردش کرتا رہے گا۔ تم ڈرتی رہو گی اور زندگی تمہیں ڈراتی رہے گی۔"

حسرت کے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو فراز! اس وقت ہم پبلک پلیس پر ہیں۔ یہاں بہت زیادہ شور ہے۔ میں کسی پُرسکون جگہ پہنچ کر تمہیں کال کروں گا۔ او کے۔"

اس نے ایک بٹن دبا کر فون آف کر دیا۔ ارمانہ ابھی تک سہمی ہوئی اس سے لگی بیٹھی تھی۔ کچھ دیر بعد جھولا آہستہ آہستہ رکنے لگا۔ جھولے والے نے کیبن کا دروازہ کھول دیا۔ وہ اور حسرت باہر آ گئے۔ ارما اب بھی اس کے بازو کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی۔ وہ بولا۔ "اب کیوں ڈر رہی ہو؟ ہم جھولے سے اتر گئے ہیں۔"

"جانتی ہوں۔ میں نے تمہیں اس لئے تھام رکھا ہے کہ میرا سر چکرا رہا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "اسے گردشِ حالات کہتے ہیں۔ جھولے کی گردش نے تمہیں مجھ سے قریب تر کر دیا ہے۔"

ارمانہ نے بڑے میٹھے انداز میں اسے گھورا۔ پھر اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔ "کسی اسنیک بار میں چلو۔"

وہ ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اس طرف ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ ہے وہاں چلتے ہیں۔ وہیں فراز سے رابطہ بھی کر لیں گے۔"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے ریسٹورنٹ کے سامنے آ گئے۔ اس طرف لوگوں کی آمدورفت کم تھی۔ حسرت نے ایک طرف جا کر موبائل فون نکالا پھر نمبرز پنچ کرنے لگا۔ ارمانہ بھی اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ فون کان سے لگا کر رابطہ ہونے پر بولا۔ "ہاں .... اب بولو۔"

دوسری طرف سے فراز کی آواز سنائی دی۔ "کہاں ہو .... بڑی لمبی تفریح ہو رہی ہے؟"

"ہم زیبی کو تمہارے پاس چھوڑ کر آئے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ کہیں باہر جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔ کوٹھی کی دوسری چابیاں ہمارے پاس ہیں۔"

"زیبی تو جا چکی ہے۔ میں تمہیں ایک خوشخبری سنانا چاہتا ہوں۔"

"وہ تمہیں چھوڑ کر چلی گئی' یہ کوئی خوشخبری ہے؟"

"پوری بات تو سنو۔ میں .... باپ بننے والا ہوں اور تم ماموں جان۔"

حسرت نے چونک کر ارمانہ کو دیکھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

حسرت نے فراز سے پوچھا۔ "کیا واقعی..........! مجھے تو یقین نہیں آ رہا ہے۔"

ارمانہ نے پوچھا۔ "مجھے بھی تو کچھ بتاؤ۔"

اس نے ارمانہ سے کہا۔ "فراز بتا رہا ہے' زیبی ماں بننے والی ہے اور میں ماموں بننے والا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "واؤ .... فراز بھائی نے تو بازی مار لی۔ اب وہ طلاق نہیں مانگے گی۔"

حسرت نے فون پر پوچھا۔ "کیا خیال ہے؟ فراز! اب زیبی کا ارادہ بدل جائے گا؟"

"ارادہ معلوم کرنے کے لئے اسے فون کر رہا ہوں مگر رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ تمہیں اسی لئے فون کیا ہے۔ اگر کسی اور نمبر پر رابطہ ہو سکتا ہے تو مجھے بتاؤ۔ یار! اتنی بڑی خوشخبری مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی ہے۔ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

حسرت ذرا الجھ کر بولا۔ "میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ جب وہ تمہارے پاس آئی تھی اور اس نے یہ خوشخبری سنائی تھی' تب اس سے کھل کر باتیں کیوں نہیں کیں؟"

"یہ خبر مجھے بعد میں ملی ہے۔ سجاد بھائی نے مجھے بتایا ہے کہ زیبی کے ماں بننے پر وہاں بڑے ہنگامے ہو رہے ہیں۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "ایک نہ ایک دن یہ ہنگامے تو ہونے ہی تھے۔ میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ وہیں زیبی سے تمہاری بات کراؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے موبائل فون آف کر دیا۔ ارمانہ نے پوچھا۔ "کیا یہاں سے گھر جاؤ گے؟"

"ہاں .... وہاں بڑے ہنگامے ہو رہے ہیں۔ میرا جانا ضروری ہے۔ آؤ چلیں .... تمہیں ڈراپ بھی کرنا ہے۔"

وہ دونوں کار میں بیٹھ کر زرینہ خاتون کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس دوران میں فراز نے کئی بار زیبی سے رابطہ کرنا چاہا تھا مگر مسلسل ناکامی ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد حسرت کی کار کا ہارن سنائی دیا۔ اس نے کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر دیکھا۔ وہ دونوں کار میں بیٹھے دکھائی دیئے۔

ارمانہ نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے حسرت سے پوچھا۔ "اندر نہیں آؤ

گے؟"

"میں نے کہا تو ہے' پہلے گھر جاؤں گا۔"

"فراز سے تو ملاقات کر لو۔"

"اسی کے کام سے جا رہا ہوں۔ زیبی سے اس کی بات کراؤں گا۔ پتہ نہیں اُس نے اپنا موبائل فون کیوں بند کر رکھا ہے؟"

وہ بولی۔ "میرا خیال ہے' اندر چلو' فراز کو باپ بننے کی مبارکباد دو۔ اس کے مسائل معلوم کرو۔ آخر زیبی اس سے رابطہ کیوں نہیں کر رہی ہے؟"

فراز کوٹھی کا بیرونی دروازہ کھول کر باہر آیا۔ کار کی کھڑکی پر جھک کر بولا۔ "کیا باہر ہی رہنے کا ارادہ ہے' اندر نہیں آؤ گے؟"

حسرت نے کہا۔ "بھئی! تمہارے ہی کام سے جا رہا ہوں۔ زیبی سے تمہاری بات بھی تو کرانی ہے۔ کیا اس نے اب تک تم سے رابطہ نہیں کیا؟"

فراز نے مایوسی سے کہا۔ "نہیں۔"

ارمانہ نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے' زیبی کے لئے یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے؟"

وہ بولا۔ "میں یہی سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں۔ اگر وہ خوش ہوتی تو میرے پاس دوڑی چلی آتی۔ یا کم از کم فون ضرور کرتی۔"

ارمانہ کار سے اتر گئی۔ حسرت نے کہا۔ "وہ فون کرے گی' ضرور کرے گی۔ میں وہاں جا رہا ہوں۔ تم انتظار کرو۔"

یہ کہہ کر اس نے کار اسٹارٹ کی۔ پھر اسے ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھی سے باہر چلا گیا۔

☆======☆======☆

عبادت علی ایک صوفے پر بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ حقہ پیش (ُ) ہو کر گُڑگُڑاتا ہے اور حالات زیر (ِ) ہو کر گڑگڑاتے ہیں۔ زیبی نے جو حالات پیدا کر دیئے تھے ان کے باعث نیک نامی گڑگڑا رہی تھی کہ اسے کسی طرح بحال رکھا جائے۔ بدنامی جو سر ابھار رہی ہے اُسے دبایا جائے۔

انہوں نے حقے کا ایک کش لے کر سجاد کی طرف دیکھا۔ ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ پھر انہوں نے کہا۔ "تعجب ہے' سدرہ اپنے چچا کی حمایت میں بول رہی ہے اور تم زیبی کی حمایت میں بول رہے ہو؟"

"میں اس کی حمایت نہیں کر رہا ہوں۔ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ اس نے آپ کا

سر نہیں جھکایا ہے۔"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس نے غلطی نہیں کی ہے۔ اس نے ہمارا سر نہیں جھکایا ہے؟"

سجاد نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر انہیں دیکھا پھر کہا۔ "میں یقین سے کہتا ہوں۔ آپ کی پوتی بے حیا نہیں ہے۔ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔"

وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ "زیبی نے شادی کی ہے' باقاعدہ نکاح پڑھوایا ہے۔"

وہ ایک دم سے چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر غصے سے بولے۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہماری پوتی کی شادی ہو گئی اور ہم بے خبر رہیں گے۔"

وہ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا کہ یہاں آپ کے جاننے کے لئے ابھی بہت کچھ رہ گیا ہے۔"

انہوں نے سوچتی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھا پھر الجھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں یقین نہیں آ رہا ہے کہ ہمارا بیٹا' ہماری پوتی کی شادی ہم سے چھپ کر کیوں کرائے گا؟"

"جب وہ آپ سے چھپ کر چور راستے سے ایک سجاد کو لا سکتے ہیں تو کیا اسی چور راستے سے اس سجاد کو اپنا داماد نہیں بنا سکتے؟"

عبادت علی کشمکش میں مبتلا تھے۔ بے یقینی کی کیفیت سے دوچار تھے۔ سجاد نے انہیں سوچوں میں گم دیکھ کر کہا۔ "آپ شاید زرینہ خاتون کو بھول گئے ہیں۔"

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ "اگر آپ نے اس وقت چچا جان کا سختی سے محاسبہ کیا ہوتا تو چور رشتے کا سلسلہ یہاں تک نہ پہنچتا۔ جب وہ خود چوری سے شادی کر سکتے ہیں' الگ گھر آباد کر سکتے ہیں' تو پھر چوری سے بیٹی کی شادی خانہ آبادی کیوں نہیں کرا سکتے؟"

وہ الجھ رہے تھے۔ پھر انکار میں سر ہلا کر بولے۔ "نہیں .... بیٹے نہیں! نفاست اتنی بڑی غلطی نہیں کرے گا۔ کسی دھوکے باز سجاد کو اپنا داماد نہیں بنائے گا۔ زرینہ کا معاملہ اور تھا۔ نفاست نادانی پر نادانی نہیں کر سکتا۔ تم نے کہیں سے غلط سنا ہے۔ کسی نے تمہیں ان کے خلاف بھڑکایا ہے۔"

"پرانی کہاوت ہے۔ سانچ کو آنچ کیا؟ آپ ابھی چچا جان سے پوچھ سکتے ہیں۔ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔"

انہوں نے قائل ہونے کے انداز میں اسے دیکھا۔ پھر حقے کی نے ہونٹوں میں دبا کر گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ بے خیالی میں کش لگایا تو حقہ گڑگڑانے لگا۔ حالات پھر گڑگڑانے لگے۔

کبریٰ اور نفاست اپنے کمرے میں تھے۔ وہ آنے والے حالات سے نمٹنے کے لئے راستہ ہموار کر رہے تھے۔ کبریٰ ریسیور کان سے ہٹا کر بیزاری سے بولی۔ "کب سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں لیکن نمبر انگیج ہی مل رہا ہے۔"

نفاست نے جھنجلا کر کہا۔ "شہر میں سینکڑوں لیڈی ڈاکٹرز ہیں۔ تم ایک ہی کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہو؟"

"اس سے اچھی خاصی جان پہچان ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں' یہ بہت لالچی ہے۔ رشوت لے کر ابا جان سے وہی کہے گی جو ہم چاہتے ہیں۔"

نفاست نے تعجب سے پوچھا۔ "تم چاہتی کیا ہو؟ ہماری بیٹی حقیقتاً ماں بننے والی ہو گی کیا تب بھی تم یہ بات چھپاؤ گی؟ تم نے تو قیاس آرائی کی تھی کہ اس لیڈی ڈاکٹر سے غلطی ہوئی ہے؟"

"آپ بھی بڑے بھولے ہیں۔ ابا جان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے میں نے یہ قیاس آرائی کی تھی۔ آپ کو بھی یہی باور کرایا تھا کہ ڈاکٹر غلط رپورٹ دے کر گئی ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔ ذرا ابا جان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔ اس کے بعد ہم یہ قصہ ہی ختم کر دیں ہے۔"

نفاست نے ناگواری سے منہ پھیر کر کہا۔ "کیسی بے حیائی سے بول رہی ہو؟ میں شرم سے مرا جا رہا ہوں' جھوٹ پر جھوٹ بولتا رہا ہوں۔ میں نے بڑے فراڈ کئے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ بیٹی کے معاملے میں کبھی یوں بے غیرت بننا پڑے گا۔ یاخدا! میں کہاں جا کر منہ چھپاؤں؟"

کبریٰ نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "شرمندہ ہونے سے یا منہ چھپانے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ ہمیں حکمتِ عملی سے کام لینا ہو گا۔"

ایسے ہی وقت عبادت علی نے نفاست کو پکارا۔ "نفاست..........!"

دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر وہ دروازہ کھول کر باہر آئے۔ عبادت علی قہر آلود نگاہوں سے نفاست کو گھورتے ہوئے بولے۔ "کیا تم نے ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ کر اپنی بیٹی کی شادی کرائی ہے؟"

کبریٰ اور نفاست نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر نفاست نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "بیٹی .... کی شش .... شادی .... یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟"

وہ گرج کر بولے۔ "تم جسے فراڈ سجاد بنا کر لائے تھے کیا اس سے زیبی کی شادی نہیں کرائی گئی ہے؟"

ان دونوں نے چونک کر انہیں دیکھا۔ پٹاری کھل چکی تھی۔ سانپ باہر آ چکا تھا۔ اب اس کے زہر سے بچنا ممکن نہ تھا مگر نفاست ہار نہیں ماننا چاہتا تھا۔ وہ بولا۔ "ابا جان! کسی نے آپ کے کان بھرے ہیں۔ کیا میں کسی فراڈ کو اپنا داماد بناؤں گا اور وہ بھی آپ سے چھپ کر؟ میری بیٹی کے لئے ایک سے بڑھ کر ایک اعلیٰ خاندان کے رشتے پڑے ہیں۔ پھر میں کسی کم حیثیت والے شخص کو اپنا داماد کیوں بناؤں گا؟ شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ہم آپ کی مرضی کے بغیر اتنا بڑا کام کیسے کر سکتے ہیں؟"

وہ طنزیہ لہجے میں بولے۔ "تم ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ کر بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیتے آئے ہو۔ یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔"

کبریٰ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "ابا جان! آپ خود سوچیں۔ جب آپ اس فراڈ کو اپنا پوتا سمجھ کر زیبی کی شادی اس سے کر رہے تھے تو پھر ہم چھپ کر اسی سے زیبی کی شادی کیوں کرائیں گے؟"

عبادت علی نے قائل ہو کر بہو کو دیکھا پھر جھنجھلا کر بولے۔ "تم اس فراڈ کو یہاں کیوں لائے تھے؟"

نفاست نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "آپ غصہ تھوک دیں۔ تحمل سے میری بات سنیں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ ساٹھ کروڑ روپے محکمہ اوقاف میں چلے جائیں۔ اتنی بڑی رقم حاصل کرنے کے لئے میں ایک نقلی سدرہ اور سجاد کو عارضی طور پر یہاں لے آیا تھا۔ رقم حاصل ہوتے ہی میں ان دونوں کو یہاں سے بھگا دیتا۔"

وہ بیٹے کی منصوبہ بندی کو سن کر ذرا نرم پڑ گئے۔ پھر بولے۔ "لیکن تم ہمیں اعتماد میں لے کر بھی تو یہ کام کر سکتے تھے۔"

وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔ "معاف کیجئے گا ابا جان! آپ نے فہمی کے پچاس کروڑ حاصل کرنے کے لئے ہمیں اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ صرف حسرت پر بھروسہ کیا۔ اس سے فہمی کی شادی کرائی اور درپردہ طلاق بھی کرا دی۔ دنیا کا ہر بچہ اپنے باپ سے سیکھتا ہے۔ ہم آپ سے جو سیکھتے ہیں' وہی کرتے ہیں۔ آپ ہمارے بزرگ ہیں' سرپرست ہیں۔ کوئی

آپ کو الزام نہیں دے گا اور اگر یہی خطا ہم کرتے ہیں تو خطا وار کہلاتے ہیں۔"

عبادت علی لاجواب سے ہو کر اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر بات بدلنے کے انداز میں بولے۔ "تم باتیں خوب بناتے ہو۔ اگر زیبی کی شادی نہیں کرائی گئی ہے تو وہ لیڈی ڈاکٹر کیا بکواس کر رہی تھی؟"

نفاست نے کہا۔ "آپ یقین کریں۔ اس نے واقعی بکواس کی ہے۔ وہ ہم پر کیچڑ اچھال کر چلی گئی اور ہم کچھ نہ کر سکے۔"

کبریٰ نے کہا۔ "میں ایک تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر کو بلا رہی ہوں۔ وہ سچ بتائے گی کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ میری بیٹی نے آپ کا سر نہیں جھکایا ہے۔"

عبادت علی نے چونک کر پوچھا۔ "کیا ایک ڈاکٹر کے بعد دوسری ڈاکٹر آئے گی؟ تم گھر کی بات باہر پہنچانا چاہتی ہو' ہمیں تماشا بنانا چاہتی ہو؟ یوں کرو' تمام شہر کی لیڈی ڈاکٹرز کو بلا لو تاکہ ان کے ذریعہ سب کو علم ہو جائے کہ ہماری پوتی نے صرف ہمارا سر نہیں جھکایا ہے' ہمارے جھکے ہوئے سر کے ساتھ ہمیں زندہ درگور بھی کر رہی ہے۔"

نفاست نے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے ابا جان! ہم اپنی نیک نامی قائم رکھنے کے لئے جھوٹ کو جھوٹ ثابت کریں گے۔"

عبادت علی نے ناگواری سے پوچھا۔ "کیسے کریں گے؟ سفید پوشی پر سیاہی کا ایک نقطہ بھی پڑ جائے تو وہ آسانی سے نہیں دھلتا۔ اسے دھونا چاہو تو سیاہی پھیلتی چلی جاتی ہے۔"

وہ دونوں ہاتھ پیچھے باندھ کر اِدھر سے اُدھر ٹہلنے کے انداز میں گئے پھر اُدھر سے دھر آ کر بولے۔ "اس لیڈی ڈاکٹر نے الجھا کر رکھ دیا ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے؟"

نفاست نے ایک قدم آگے بڑھ کر انہیں قائل کرنے کے انداز میں کہا۔ "یہی تو ما کہہ رہا ہوں۔ ایک مستند لیڈی ڈاکٹر کی رپورٹ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ نامی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ایک مستند تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر کبریٰ کی سہیلی ہے۔ ہم ابھی ے فون کر کے بلائیں گے تو........."

عبادت علی نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "نہیں .... ڈاکٹر کو تم ں بلاؤ گے۔ ہم بلائیں گے۔"

کبریٰ اور نفاست نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ عبادت علی نے کہا۔

"اب ہم کسی پر بھروسہ نہیں کریں گے۔ ہمیں جس پر اعتماد ہے' وہی ڈاکٹر یہاں آئے گی۔"

پھر انہوں نے نفاست کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اور وہی ہمیں صحیح رپورٹ دے گی۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرے گی۔"

وہ پلٹ کر تیزی سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔ وہ دونوں جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ تقدیر کے آگے آدمی کی تدبیر نہیں چلتی۔ تدبیر کرنے والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ عبادت علی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے کے لئے اپنے اعتماد کی لیڈی ڈاکٹر کو بلائیں گے۔

دودھ کو دودھ ہی رہنا چاہئے' پانی نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ایسا ہو تو غلطیاں کرنے والے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔

☆======☆======☆

سجاد نے جب سے ہوش سنبھالا تھا' اپنے ماں باپ کو دکھ اور پریشانیوں میں دیکھتا آیا تھا۔ اس کے والد شفاعت علی دن رات محنت کرتے تھے تب عزت آبرو سے تین وقت روٹیاں کھانے کو ملتی تھیں۔ اس کی امی کہا کرتی تھیں کہ اس کے دادا ارب پتی ہیں۔ ان کے پاس اتنی دولت ہے کہ باہر کے کئی ممالک کے بینکوں میں ان کے چیک کیش ہوتے رہتے ہیں۔

سجاد جوان ہوتا گیا' سمجھدار ہوتا گیا تو اسے یہ معلوم ہونے لگا کہ اس کے چچا نفاست علی نے اور چچی کبریٰ بیگم نے ان کے خلاف سازش کی تھی۔ اس کے ابو شفاعت علی پر چوری کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ وہ شریف اور دیانتدار تھے' یہ الزام برداشت نہ کر سکے' باپ کی تمام دولت کو ٹھکرا کر چلے آئے۔

یہ حقیقت معلوم ہونے کے بعد سجاد کے اندر نفاست علی کے خلاف لاوا پکتا رہا تھا۔ پہلے تو وہ اپنے باپ کی طرح غیرت مند بن کر اپنے دادا جان سے دور رہنا چاہتا تھا لیکن سدرہ دادا جان سے ملنے کے لئے مچلتی رہتی تھی۔ وہ اس کرب میں مبتلا رہ کر مرگئی کہ ابو پر تو چوری کا الزام تھا ہی اب بھائی نے چور بن کر اس الزام پر سچائی کی مہر لگا دی ہے۔

وہ اپنی بہن کی اس آخری بات پر تڑپ گیا تھا۔ اس نے اگرچہ مجبور ہو کر چوری کی تھی لیکن چوری بہرحال چوری ہی ہوتی ہے۔ اگر اس کے دادا جان کو اور اس کے دشمن چچا کو معلوم ہو جاتا کہ وہ ایک بار چوری کے الزام میں گرفتار ہو چکا ہے تو اس کے دادا جان کو یقین ہو جاتا کہ اس کے ابو پر جھوٹا الزام نہیں لگایا گیا تھا۔ باپ چور تھا اس لئے بیٹا بھی ایک بار چوری کرتا ہوا پکڑا گیا تھا۔

ان حالات میں سجاد نے قسم کھائی کہ اپنے ابو پر سے چوری کا الزام مٹائے گا۔ سدرہ دادا جان سے ملنے کی ضد کرتی رہتی تھی' اب وہ نہیں رہی پھر بھی وہ وہاں جائے گا اور اپنے ابو کی بے گناہی ثابت کر کے سدرہ کی روح کو سکون پہنچائے گا۔

سجاد کے اندر جو لاوا پک رہا تھا وہ یہاں آ کر پھٹ رہا تھا۔ وہ نفاست علی کو ہر پہلو

سے جھوٹا اور فریبی ثابت کرنے کی کوششوں میں مصروف رہنے لگا تھا۔ خود نفاست علی کے اعمال ایسے تھے کہ اس کے خلاف خود بخود ثبوت فراہم ہو رہے تھے۔ اس کے دادا جان جو اپنے بیٹے نفاست علی پر اندھا اعتماد کرتے تھے اب اس کی حقیقت جان چکے تھے۔ انہوں نے اس کے لئے اپنے گھر کے دروازے بند کر دیئے تھے۔ مگر ثمینہ کی ضد نے بند دروازے کھلوا دیئے تھے۔

اب نفاست علی اور اس کی بیٹی زیبی کا نیا فریب ظاہر ہو رہا تھا۔ زیبی نے چھپ کر فراز سے شادی کی تھی اور نفاست علی بیٹی کی چوری چھپے ہونے والی شادی کی سرپرستی کر رہا تھا اور اپنے باپ عبادت علی سے اتنی بڑی حقیقت چھپا رہا تھا۔ ایک لیڈی ڈاکٹر نے یہ دھماکہ کیا تھا کہ زیبی ماں بننے والی ہے۔ عبادت علی یہ سنتے ہی بھنا گئے تھے۔ اتنے بڑے شریف گھرانے کی کنواری بیٹی ماں بننے والی ہے۔ یہ ایسی بات تھی جو ان کی عزت شہرت اور خاندانی شرافت خاک میں ملانے والی تھی۔ ایسے وقت سجاد نے انہیں یہ کہہ کر بھڑکایا کہ زیبی کنواری ماں نہیں بن رہی ہے بلکہ وہ شادی شدہ ہے' اس کے باپ نے چوری چھپے اس کی شادی کرائی ہے۔ خاندان کے بزرگ کو' سرپرست کو اتنا بڑا دھوکا دیا ہے کہ ان کی مرضی اور مشورے کے بغیر چوروں کی طرح اپنی بیٹی کو سہاگن بنا دیا۔

ادھر نفاست علی اس حقیقت سے انکار کر رہے تھے۔ بڑی ڈھٹائی سے جھوٹ بول رہے تھے کہ نہ انہوں نے بیٹی کی شادی کی ہے اور نہ ہی ان کی بیٹی ماں بننے والی ہے۔ لیڈی ڈاکٹر اناڑی ہے یا اس نے سطحی طور پر معائنہ کر کے خواہ مخواہ یہ شوشہ چھوڑ دیا ہے کہ ایک کنواری شریف زادی ماں بننے والی ہے۔

کبریٰ اور نفاست علی نے اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے بڑے دعوے سے کہا کہ وہ دوسری لیڈی ڈاکٹر کو بلائیں گے۔ اس سے زیبی کا معائنہ کرائیں گے پھر یہ سچ سامنے آ جائے گا کہ زیبی معصوم ہے اور کنواری ہے۔

اس مرحلے پر عبادت علی نے انہیں یہ کہہ کر چونکا دیا کہ اب وہ نفاست علی اور کبریٰ پر بھروسہ نہیں کریں گے۔ ان دونوں کی بلائی ہوئی لیڈی ڈاکٹر بھی معتبر نہیں ہو گی۔ لہٰذا وہ خود اپنے اعتماد کی لیڈی ڈاکٹر کو بلا کر اپنی پوتی کا سچ اور جھوٹ معلوم کریں گے۔

ان کے اس فیصلے نے کبریٰ اور نفاست علی کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر زبردست پلاننگ کی تھی کہ کسی دوسری لیڈی ڈاکٹر کو بھاری رشوت دے کر

جھوٹی رپورٹ حاصل کریں گے اور اپنے سرپرست کو مطمئن کر دیں گے کہ ان کی پوتی پارسا ہے لیکن اب اس سرپرست کے اعتماد والی لیڈی ڈاکٹر کے ذریعہ معائنہ ہونے والا تھا۔ اب بجلی گرنے والی تھی' نشیمن جلنے والا تھا۔ وہ بڑے بے آبرو ہو کر اس گھر سے نکلنے والے تھے۔

کبریٰ جھنجلا کر کہہ رہی تھی۔ "یہ سب سجاد کا کیا دھرا ہے۔ وہ ابا جان کو ہمارے خلاف بھڑکا رہا ہے۔"

نفاست نے بے بسی سے کہا۔ "اسے ہماری کمزوریاں معلوم ہو گئی ہیں۔ وہ اپنے باپ کا انتقام ہم سے لے رہا ہے۔"

کبریٰ نے حیرانی سے کہا۔ "تعجب ہے' سدرہ اس کی سگی بہن ہے لیکن وہ اپنے باپ کا انتقام نہیں لے رہی ہے بلکہ آپ کو باپ کا درجہ دے رہی ہے۔"

نفاست نے چونک کر کبریٰ کو دیکھا پھر کہا۔ "ہمارے بچاؤ کا ایک ہی راستہ ہے۔ میں سدرہ سے بات کرتا ہوں۔ میں نہیں جانتا' وہ کیا کر سکے گی؟ مگر اتنا یقین ہے کہ مجھے ابا جان کے عتاب سے بچا لے گی۔"

وہ وہاں سے پلٹ کر دروازہ کھولتا ہوا کمرے سے باہر آیا۔ پھر بالکونی سے گزر کر زینے سے اترتا ہوا ڈرائنگ روم میں پہنچا تو سجاد کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ ایک دروازے سے ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں' نفاست نے غصے اور ناگواری سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "تم نے ابا جان کو میرے خلاف بھڑکایا ہے۔"

وہ لاپرواہی سے شانے اچکا کر بولا۔ "مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے کوئی بھڑکانے والی بات ان سے کی ہے؟"

نفاست نے تلملا کر پوچھا۔ "کیا تم نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ زیبی چھپ کر شادی کر چکی ہے؟"

سجاد نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "کیا یہ سچ نہیں ہے؟"

نفاست نے گھور کر اسے دیکھا پھر ذرا سخت لہجے میں کہا۔ "جس سچائی سے اپنے ایک بزرگ کو تکلیف پہنچتی ہو اسے چھپانا بہتر ہوتا ہے۔"

وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "آپ کیسے بزرگ ہیں؟ جو سچائی کو چھپانے اور جھوٹ بولنے کا سبق پڑھا رہے ہیں۔ جب سے یہاں آیا ہوں یہی دیکھ رہا ہوں۔ یہاں جھوٹ اور فریب کا بول بالا ہو رہا ہے۔"

نفاست نے سوچتی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھا پھر ذرا نرم پڑتے ہوئے کہا۔ "میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ صرف یہ چاہوں گا کہ سدرہ کی طرح تم بھی مجھ سے تعاون کرو۔"

سجاد نے گہری نظروں سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "سدرہ نادان ہے' آپ دھوپ ہیں اور وہ چھاؤں سمجھ کر آپ کے سائے میں چل رہی ہے۔"

نفاست کوئی جواب نہ دے سکا۔ سجاد نے کہا۔ "میرے ابو نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ ایک چھوٹی سی غلطی بھی نہیں کی تھی۔ مگر پھر بھی وہ ایک طویل مدت تک سزا پاتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد بھی ایسا لگتا ہے' جیسے وہ اب بھی سزا پا رہے ہوں۔"

نفاست اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کرب اور غصے کے تاثرات ابھر رہے تھے۔ وہ ذرا توقف کے بعد نفاست کو گھورتے ہوئے بولا۔ "آپ نے تو غلطیوں پر غلطیاں کی ہیں۔ ذرا حساب کریں' آپ کو تو قیامت تک سزا ملتی رہنی چاہیے۔"

یہ کہہ کر اس نے حقارت سے نفاست کو دیکھا پھر منہ پھیر کر بیرونی دروازہ کھولتے ہوئے باغیچے میں آ گیا۔ وہاں فہمی گھاس پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک البم میں بڑے انہماک سے تصویریں دیکھ رہی تھی اور زیرِلب مسکرا رہی تھی۔ پھر اس کی نظریں ایک تصویر پر جیسے جم گئیں۔ وہ دھیرے دھیرے بڑی محبت سے اس تصویر کو اپنے ہاتھ سے سہلانے لگی۔ سجاد کو تجسس ہوا کہ آخر وہ کس کی تصویر ہے جسے فہمی اتنی محو ہو کر دیکھ رہی ہے؟

وہ ایک قدم ہی آگے بڑھا پھر ٹھٹک گیا۔ اس سے پہلے دوسری طرف سے مراد فہمی کے پاس پہنچ گیا تھا۔ سجاد ایک درخت کی آڑ لے کر اسے دیکھنے لگا۔ اس نے فہمی سے البم لیتے ہوئے کہا۔ "اوہو .... جمال ہمدانی صاحب کی تصویر دیکھ رہی ہو؟"

فہمی اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور تصویر پر انگلی رکھ کر خوش ہو کر اشاروں کی زبان میں کچھ کہہ رہی تھی۔ مراد نے اس تصویر کو ناگواری سے دیکھ کر فہمی سے کہا۔ "تم تو بہت ہی بور لڑکی ہو۔ اس عمر میں بوڑھوں کی تصویریں نہیں دیکھی جاتیں۔"

پھر اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک تصویر نکالی اور اسے فہمی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "دل کے البم میں ایسے گبھرو جوان کی تصویر رکھی جاتی ہے۔"

مراد نے اسے اپنی تصویر دی تھی۔ فہمی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ مراد نے اشاروں میں سمجھایا کہ اس تصویر کو البم میں لگاؤ۔ اس نے ایک نظر تصویر پر ڈالی پھر انکار میں سر ہلاتے ہوئے اسے واپس کرنے لگی۔ مراد نے اشاروں میں اسے کہا۔ "اسے

واپس نہ کرو' یہاں سے اس بڈھے کی تصویر ہٹاؤ اور میری لگاؤ۔"

سجاد چھپ کر مراد کی حرکت دیکھ رہا تھا اور سن رہا تھا۔ فہمی اس سے بیزاری ظاہر کر رہی تھی۔ مراد اس کے انکار پر بھڑک گیا اور زبردستی اس البم میں سے جمال ہمدانی کی تصویر ہٹانے لگا۔ فہمی اس کے ہاتھ کو جھٹک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ مراد نے گھور کر اسے دیکھا۔ فہمی نے ناگواری سے اس کی تصویر زمین پر پھینک دی۔

وہ غرا کر بولا۔ "یہ کیا حرکت ہے؟ اتنے دنوں سے بہلا پھسلا رہا ہوں قابو میں ہی نہیں آ رہی ہو۔ چلو .... جو میں کہہ رہا ہوں' وہ کرو۔"

پھر اس نے گھاس پر پڑی ہوئی تصویر کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کم آن .... اسے اٹھاؤ .... اور وہاں البم میں لگاؤ .... چلو۔"

وہ پلٹ کر جانا چاہتی تھی لیکن مراد نے اس کی کلائی کو جکڑ لیا۔ سجاد اس سے زیادہ برداشت نہ کر سکا۔ تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب آ کر بولا۔ "جب وہ نہیں چاہتی تو تم زبردستی کیوں کر رہے ہو؟"

مراد نے اسے سر سے پاؤں تک گھور کر دیکھا پھر ناگواری سے کہا۔ "یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ تم بیچ میں نہ آؤ۔"

اس نے پوچھا۔ "اچھا .... یہ تمہارا ذاتی معاملہ کیسے ہو گیا؟"

"یہ مجھ سے منسوب ہو چکی ہے۔"

"اس نے تمہاری تصویر زمین پر پھینک دی ہے۔ اس نے اپنی زبان سے نہیں' اپنے عمل سے کہہ دیا ہے کہ یہ تم سے منسوب نہیں رہنا چاہتی۔"

مراد نے اس کی کلائی چھوڑ کر اپنی تصویر کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ابھی یہ میری تصویر اسی البم میں لگائے گی۔"

سجاد نے مراد کے ہاتھ سے اس کی تصویر چھین کر اس کے دو چار ٹکڑے کر ڈالے پھر ان ٹکڑوں کو اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "تم جلد ہی اس البم میں میری تصویر دیکھو گے۔"

مراد نے شدید غصے سے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ "میں .... میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ تم نے تو صرف میری تصویر کے ٹکڑے کئے ہیں۔ مگر میں تمہارے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے کروں گا۔"

وہ اسے حقارت بھری نگاہوں سے گھورتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

فہمی نے خوش ہو کر سجاد کو دیکھا۔ ایسے ہی وقت حسرت کی کار کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئی۔ اسے فراز کے ذریعہ علم ہوا تھا کہ زیبی ماں بننے والی ہے۔ وہ ارمانہ کو زرینہ خاتون کی کوٹھی میں چھوڑ کر یہاں کے حالات جاننے آیا تھا اور اس نے فراز سے وعدہ کیا تھا کہ وہ زیبی سے اس کی بات کرائے گا۔

وہ کار کا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ باغیچے میں فہمی اور سجاد کو دیکھ کر ان کے قریب آتے ہوئے بولا۔ "سجاد بھائی! یہ آپ سے بہت مانوس ہو گئی ہے۔ کیا میں اسے نائیس پیئر کہہ سکتا ہوں؟"

سجاد نے مسکرا کر فہمی کی طرف دیکھا۔ وہ نادان حسرت کی بات کو کیا سمجھتی؟ عام طور پر لڑکیاں ایسے حالات میں شرماتی ہیں' نظریں جھکا لیتی ہیں' حیا کا بوجھ پلکوں کی چلمن کو اٹھنے نہیں دیتا۔ مگر فہمی اس بوجھ سے ناآشنا تھی۔ اس کی معصوم مسکراہٹ سجاد کے دل میں اتر جاتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔

سجاد نے حسرت سے کہا۔ "میں بھی محسوس کر رہا ہوں کہ یہ میری طرف مائل ہو رہی ہے۔ ویسے تمہیں مبارک ہو' تم ماموں جان بننے والے ہو۔"

"فراز مجھے یہ خوشخبری سنا چکا ہے۔"

"اسے میں نے ہی فون پر بتایا تھا۔ یہاں پہلے ہی الجھنیں کم نہیں تھیں اب مزید بڑھ گئی ہیں۔"

"دادا جان کا ری ایکشن کیا ہے؟"

"اندر ان کا قہر کوٹھی کے در و دیوار ہلا رہا ہے۔ وہ تو لیڈی ڈاکٹر کے سامنے ہی بھڑک اٹھے تھے' غصہ دکھانے لگے تھے۔"

حسرت نے متجسس ہو کر کہا۔ "میں اندر جا کر دیکھتا ہوں' کیسی کیسی آندھیاں چل رہی ہیں؟"

"آندھیاں نہیں' طوفان اٹھ رہے ہیں۔ ذرا سنبھل کر جانا۔"

وہ مسکراتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ زیبی حقیقت سے نظریں چرا رہی تھی۔ قدرت نے اسے زندگی کے ایک نئے موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ دولت و جائیداد کی ہوس نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ مگر فراز کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ وہ اپنی اہمیت منوا رہا تھا۔ "میں نے اپنے برابر لانے کے لئے تمہیں شریکِ حیات بنایا ہے۔ اب تو تم میری حیثیت سے پہچانی جاؤ گی .... اب تو تم میری حیثیت

سے پہچانی جاؤ گی........."

ایسے ہی وقت ایک نوزائیدہ بچے کے رونے کی آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ زیبی نے گھبرا کر اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لئے۔ بچے کی آواز آنا بند ہو گئی لیکن فراز کی آواز ایک بار پھر اس کے دل و دماغ پر ہتھوڑے برسانے لگی۔

"جب نام مل رہا ہو تو بدنام ہونے کے راستے پر نہیں چلنا چاہئے۔ تم شادی اور طلاق کو مذاق سمجھ رہی ہو۔ طلاق لے کر اپنی زندگی کو مذاق بنانا چاہتی ہو؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے .... تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

اچانک ہی دروازہ کھلنے کی آواز پر زیبی نے گھبرا کر اس طرف دیکھا اس کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھری ہوئی تھیں۔ کھلے ہوئے دروازے پر حسرت کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ "زیبی! تم ٹھیک تو ہو؟"

وہ ذرا سنبھل کر بولی۔ "آں .... ہاں' مجھے کیا ہونا ہے؟"

"پھر یہ چہرے پر پسینہ کیوں آیا ہوا ہے؟ اور تم کچھ گھبرائی ہوئی بھی دکھائی دے رہی ہو؟ کوئی پریشانی ہے؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "انسان کی ایک ذرا سی کوتاہی اُسے کیسے کیسے مسائل میں الجھا دیتی ہے؟"

"میں خوشخبری سن کر آیا ہوں اور تم پریشان دکھائی دے رہی ہو۔"

اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ حسرت کس خوشخبری کا ذکر کر رہا ہے۔ پھر بھی اس نے انجان بن کر پوچھا۔ "کیسی خوشخبری؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "تم ماں بننے والی ہو' میں ماموں جان بننے والا ہوں۔"

وہ حقارت سے بولی۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"وہی جو سب کہہ رہے ہیں' لیڈی ڈاکٹر کہہ رہی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے' وہ لیڈی ڈاکٹر جھوٹ بول کر گئی ہے۔"

حسرت نے تعجب سے پوچھا۔ "وہ جھوٹ کیوں بولے گی؟"

وہ اس سوال پر نظریں چرانے لگی۔ پھر دوسری طرف منہ پھیر کر بولی۔ "میں نہیں جانتی مگر اس کی رپورٹ غلط ہے۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "زیبی! تمہارا جھگڑا فراز سے ہے' بچے سے تو انکار نہ کرو۔ تم سب سے لڑ سکتی ہو مگر قدرت سے نہیں لڑ سکتیں۔ یہ سمجھنے کی بات

ہے' یہ بچہ تم دونوں کے درمیان صلح کرانے آیا ہے۔"

وہ پلٹ کر تیز لہجے میں بولی۔ "پلیز حسرت بھائی! میں کہہ چکی ہوں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پلیز.......... مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔"

"کیوں نہ کروں' تم نے ایسی کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ جس سے بھائی کا سر جھک جائے۔ بچے کے وجود سے انکار نہ کرو۔ لیڈی ڈاکٹر کو جھٹلانے کے بجائے یہ سمجھنے کی کوشش کروں کہ ان حالات میں ایک فراز ہی ایسا ہے جو ہمارے بزرگوں کو نکاح نامہ دکھا کر تمہیں بے حیائی کے الزام سے بچا سکتا ہے۔"

زیبی نے الجھ کر اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ "ایسی باتیں ممی ڈیڈی کو سمجھانی چاہئیں۔ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"آپ ان ہی سے جا کر پوچھیں۔"

"ان سے تو مجھے پوچھنا ہی ہے مگر تم اپنا فیصلہ بتاؤ۔"

"میرا ایک ہی فیصلہ ہے۔ میں فراز کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ مجھے اس سے نفرت ہے۔"

اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "قدرتی حالات سے کیسے نمٹو گی؟ تم جس رشتے کو توڑنا چاہ رہی ہو اسے مزید مضبوط کرنے والا آ رہا ہے۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "میں فراز کے سامنے کبھی نہیں جھکوں گی۔"

"تمہارا یہ غرور تمہیں توڑ کر رکھ دے گا۔"

وہ پیر پٹختا ہوا پلٹ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ دوسری طرف نفاست ثمینہ سے بات کرنے جا رہا تھا مگر سجاد سے سامنا ہو گیا تھا۔ وہ وہاں سے پلٹ کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

کبریٰ نے کہا۔ "آپ کو سجاد کے منہ نہیں لگنا چاہئے تھا۔ سدرہ کی طرح اس کے دل میں محبت اور مروت نہیں ہے۔ اس کے اندر ہمارے خلاف دشمنی بھری ہے۔"

"میں نے سوچا تھا' سدرہ سے پہلے اس سے بات کر لوں شاید یہ کسی سمجھوتے پر آمادہ ہو جائے۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "آپ یہ تو بھول جائیں کہ وہ کبھی ہم سے سمجھوتہ کرے گا۔ سدرہ جتنی آپ سے محبت کرتی ہے' سجاد اتنی ہی نفرت کرتا ہے۔ وہ کبھی آپ کی حمایت میں نہیں بولے گا۔"

وہ پریشان ہو کر اِدھر سے اُدھر ٹہلنے کے انداز میں گیا پھر ذرا رک کر بولا۔ "ابا جان کا غصہ ٹھنڈا کرنا میرے لئے مشکل نہیں ہے لیکن وہ پیچھے سے بھڑکا رہا ہے۔"

پھر وہ ذرا سوچنے کے بعد بولا۔ "دیکھا جائے تو ہم اسے دشمنی کا موقع دے رہے ہیں۔ ہماری ایک کمزوری اس کے سامنے آ رہی ہے اور وہ فائدہ اٹھا رہا ہے۔"

کبریٰ نے الجھ کر اسے دیکھا پھر جھنجلا کر کہا۔ "ابھی اس پر مٹی ڈالیں' جو اہم معاملہ ہے پہلے ہمیں اس سے نمٹنا چاہئے۔ نہ جانے ابا جان کس لیڈی ڈاکٹر کو بلانے والے ہیں؟ وہ تو وہی کہے گی' جو سچ ہو گا۔"

وہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر ایک صوفے پر ڈھے گیا پھر پریشان ہو کر بولا۔ "میرے سر پر کوئی ایک مصیبت ہے؟ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ ابا جان کو سنبھالنا ہے' سجاد سے محتاط رہنا ہے' خفیہ شادی کے معاملے کو رازداری سے ختم کرنا ہے اور اب یہ لیڈی ڈاکٹر مصیبت بن کر آنے والی ہے۔ میں تو چکرا کر رہ گیا ہوں۔"

کبریٰ اس کے قریب بیٹھ کر بڑی اپنائیت سے بولی۔ "میں آپ کی پریشانی سمجھ رہی ہوں۔ ہم سب پر مصیبتیں آ رہی ہیں مگر آپ کو تنہا ہمارے لئے لڑنا پڑ رہا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں اس لیڈی ڈاکٹر سے نمٹنے کی کوشش کروں گی۔"

وہ الجھ کر بولا۔ "مجھے بچوں کی طرح تسلیاں نہ دو۔ وہ ہماری باتوں میں نہیں آئے گی۔"

وہ بڑے اعتماد بھرے لہجے میں بولی۔ "میں آپ کو جھوٹی تسلیاں نہیں دے رہی ہوں۔"

نفاست نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ "میں نے اچھی طرح سوچ لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے؟"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "تم کیا کرو گی؟"

وہ مزید اس کے قریب ہو کر بڑی رازداری سے بولی۔ "جس لیڈی ڈاکٹر کو ہم بلانا چاہتے ہیں' اس کا راستہ ابا جان نے روک دیا ہے مگر میں تو زیبی کو چپ چاپ وہاں لے جا سکتی ہوں۔"

نفاست نے قائل ہو کر اسے دیکھا۔ ایسے ہی وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔

نفاست نے کہا۔ "کم اِن۔"

حسرت دروازہ کھول کر اندر آیا۔ پھر کبریٰ کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "ممی! یہ

زیبی کو کیا ہو گیا ہے؟ اتنی ضد' اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا۔ اسے اپنے حالات کے مطابق بدلنا چاہئے۔ فراز سے سمجھوتا کرنا چاہئے۔"

نفاست نے تیز لہجے میں کہا۔ "کیا بکواس کر رہے ہو؟ کیا ہمارے خاندان میں اسے داماد کی حیثیت سے قبول کر لیا جائے گا؟"

وہ بولا۔ "آپ کو دادا جان کی فکر ہے۔ وہ اسے قبول کریں یا نہ کریں' ان کا باقاعدہ نکاح ہوا ہے۔"

کبریٰ نے مداخلت کی۔ "نکاح ہو چکا ہے تو طلاق بھی ہو سکتی ہے۔"

حسرت نے شدید حیرت سے ماں کو دیکھا۔ پھر بڑے صدمے سے کہا۔ "آپ نانی بننے والی ہیں اور طلاق کی بات کر رہی ہیں؟"

وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "میں کوئی نانی وانی نہیں بن رہی ہوں۔ اس لیڈی ڈاکٹر کی بکواس تو ہمارے لئے مصیبت بن گئی ہے۔"

حسرت نے الجھ کر ان دونوں کو دیکھا پھر پوچھا۔ "زیبی بھی یہی کہہ رہی ہے' آپ بھی یہی کہہ رہی ہیں۔ کیا کسی مستند لیڈی ڈاکٹر کو نہیں بلایا گیا تھا؟"

وہ بولی۔ "ہم سے یہی غلطی ہو گئی۔ اب دوسری آئے گی تو وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دے گی۔ نہ وہ ماں بن رہی ہے اور نہ میں نانی' یہ سب بکواس ہے۔"

حسرت نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ ماں بیٹی دونوں ہی لیڈی ڈاکٹر کو جھٹلانے پر تلی ہوئی تھیں۔ کبریٰ نے ایک راہِ نجات ڈھونڈ لی تھی۔ اب وہ مطمئن تھی۔

مگر زیبی عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔ اس کا ذہن کسی ایک جگہ نہیں ٹک رہا تھا' الجھنیں تھیں کہ بڑھتی ہی چلی جا رہی تھیں۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا۔ فراز سے شادی کر کے وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ایک پنجرے میں قید ہو گئی ہے۔ وہ اس قید سے رہائی حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن دل کے کسی کونے میں ایک انجانا سا جذبہ سر ابھار رہا تھا جسے وہ لاکھ کوشش کے باوجود سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موند کر گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ایسے ہی وقت عالیہ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ عالیہ اسد کے ساتھ کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ اندر آ کر بولی۔

"تم یہاں چھپی بیٹھی ہو' کیا ہم سے ملنا بھی گوارہ نہیں ہے؟"

وہ بیزاری سے بولی۔ "میں بہت اپ سیٹ ہوں' سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟"

عالیہ اس کے قریب بیڈ کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "تم ماں بننے والی ہو۔ ایک مضبوط عورت بن کر فیصلہ کرو۔"

وہ جھنجھلا کر بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا' کتنوں کو سمجھاؤں؟ کتنوں کی زبانیں بند کروں؟ میں ماں نہیں بن رہی ہوں .... نہیں بن رہی ہوں۔ تم دونوں میرے رازدار ہو۔ تمہیں میرا یقین کرنا چاہئے۔"

اسد اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینے کے انداز میں بولا۔ "او کے .... او کے .... ہم دوسروں سے زیادہ تم پر بھروسہ کرتے ہیں۔ تم بھی ہم پر بھروسہ کرو۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے اسد کو دیکھا۔ وہ بولا۔ "ہم پہلے بھی تمہیں سمجھا چکے ہیں' تم فراز سے سمجھوتہ کر لو۔"

وہ اسد کی بات سن کر تنتنا کر بولی۔ "میں تم دونوں کو دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ یہی بکواس کرنے آئے ہو۔ کیا کسی دوسرے موضوع پر بات نہیں ہو سکتی؟"

وہ بولا۔ "ہمیشہ اسی مسئلے پر گفتگو کی جاتی ہے جو سب سے اہم ہوتا ہے اور اس وقت تمہارا اور فراز کا مسئلہ پورے گھر میں گردش کر رہا ہے۔"

"جب میں نے یہ کہہ دیا کہ میں اس کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تو پھر یہ کوئی مسئلہ نہیں رہا ہے۔"

عالیہ نے پریشان ہو کر اسد کو دیکھا پھر زیبی سے کہا۔ "تم نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ دادا جان کے سامنے تمہیں طلاق دینا چاہتا ہے' ایسے وقت تمہاری حیثیت کیا رہ جائے گی؟"

زیبی نے پریشان ہو کر اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر کہا۔ "وہ میری کمزوری سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ خواہ مخواہ اس بات کو طول دے رہا ہے۔"

وہ ذرا خاموش ہو گئی' پھر ان دونوں کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولی۔ "تم دونوں میرے کام آ سکتے ہو۔ اسے سمجھا سکتے ہو۔"

ان دونوں نے بیزار ہو کر اسے دیکھا۔ اسد نے کہا۔ "زیبی! بات اسے سمجھانے کی نہیں ہے' تمہارے سمجھنے کی ہے اور تم سمجھنا نہیں چاہتیں۔"

وہ بولی۔ "تم بہن کا ساتھ دینے کے بجائے اُس شخص کی حمایت کر رہے ہو جس نے مشکل وقت میں ہمارے ڈیڈی کا ساتھ نہیں دیا' میری بات نہیں مانی۔"

"اس نے ایک ناجائز بات سے انکار کر دیا ہے تو تم نے اس کے انکار کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ پلیز زیبی! ہوش کے ناخن لو۔ ایک ذرا سی بات پر پوری زندگی کو تباہ نہ کرو۔ شادی بیاہ کھیل نہیں ہے۔ بعد میں پچھتاؤ گی تو بہت صدمہ پہنچے گا۔ میں تمہارا بھائی ہوں' مجھ پر بھروسہ کرو۔ میں تمہیں کوئی غلط مشورہ نہیں دے رہا ہوں۔ فراز جیسا کھرا آدمی تمہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔"

عالیہ نے اسے قائل کرنے کے انداز میں کہا۔ "ہاں زیبی! ایک ضد کی وجہ سے فراز کی سچی محبت کو نہ ٹھکراؤ۔ تم خوش قسمت ہو' جسے چاہا اسے پا لیا۔ اس خوش قسمتی کو بدقسمتی میں نہ بدلو۔ اپنے دل کو کھنگالو۔ میں یقین سے کہتی ہوں اس کا پیار اب بھی تمہارے دل میں موجود ہے۔"

اس نے چونک کر عالیہ کو دیکھا۔ ایسے ہی وقت اسد کے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو .... میں اسد بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے فراز کی آواز سنائی دی۔ "میں فراز بول رہا ہوں۔ زیبی سے بات کرنا چاہتا ہوں لیکن اس کا موبائل فون بند ہے۔ پی ٹی سی ایل پر بھی رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ حسرت نے کہا تھا' میں انتظار کروں۔ وہ جلد ہی رابطہ کرائے گا اور میں اب تک انتظار ہی کر رہا ہوں۔ کیا تم کچھ کر سکتے ہو؟"

وہ ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا تھا۔ اسد اس کے احساسات سمجھ رہا تھا۔ اس نے زیبی کو دیکھتے ہوئے فون پر کہا۔ "میں ابھی زیبی کے کمرے میں ہوں ذرا ٹھہرو۔ میں اس سے تمہاری بات کراتا ہوں۔"

زیبی نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ فراز اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔ اسد نے موبائل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ لو .... فراز سے بات کرو۔ وہ تم سے باتیں کرنا چاہتا ہے اور تم نے اپنا موبائل فون آف کر رکھا ہے۔"

وہ دوسری طرف منہ پھیر کر حقارت سے بولی۔ "مجھے جو کہنا تھا اس سے کہہ چکی ہوں۔ اب وہ میری بات مانے گا تو اس سے بات کروں گی۔"

اسد نے پریشان ہو کر عالیہ کو دیکھا پھر زیبی سے کہا۔ "اتنا تو ہم جانتے ہیں کہ وہ جائز باتیں مان لیتا ہے۔ یہ فون رکھا ہے' غصہ تھوک کر اس سے باتیں کرو .... ہم جا رہے ہیں۔"

اس نے موبائل کو بیڈ پر زیبی کے قریب رکھ دیا پھر پلٹ کر جاتے ہوئے عالیہ سے

کہا۔ "کم آن عالیہ!"

عالیہ زیبی کا شانہ تھپکتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر اسد کے ساتھ باہر چلی گئی۔ موبائل سے فراز کی آواز ابھر رہی تھی۔ "ہیلو .... زیبی .... زیبی!"

اس نے ایک نظر فون پر ڈالی پھر منہ پھیر لیا۔ فراز کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ "زیبی! میں نے ابھی سنا ہے' اسد تمہارے پاس یہ فون چھوڑ کر گیا ہے۔ ہیلو .... زیبی! تم میری آواز سن رہی ہو؟ پلیز فون ریسیو کرو۔ میں نے بہت بڑی خوشخبری سنی ہے۔ کم از کم ہمارے بچے ہی کی کوئی بات کرو۔"

اس نے سر گھما کر موبائل فون کو گھورا' فراز کی بات پتھر کی طرح لگی تھی۔ وہ بولا۔ "تم رشتہ توڑنا چاہتی تھیں یہ بچہ تمہیں مجھ سے جوڑنے آ رہا ہے۔ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔"

زیبی نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا۔ فراز کی باریک سی آواز فون سے ابھر رہی تھی اور اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی تھی' وہ بولا۔ "ان حالات کو سمجھو۔ تم مجھ سے لڑ سکتی ہو مگر اپنے مقدر سے نہیں لڑ سکو گی۔ کچھ تو بولو۔ آخر کب تک خاموش رہو گی؟ زیبی .... ہیلو..........."

زیبی نے تیزی سے فون کو ہاتھ میں اٹھا لیا۔ کچھ دیر اسے خالی خالی نظروں سے گھورتی رہی۔ پھر اس کا ایک بٹن پنچ کر کے اسے بند کر دیا۔ فراز کی ہتھوڑے برسانے والی آواز بند ہو گئی۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر آنکھیں موند کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت نہیں چھپتی۔ کبریٰ اس حقیقت کو چھپانا نہیں چاہتی تھی بلکہ مٹا دینا چاہتی تھی۔ وہ عبادت علی کی لیڈی ڈاکٹر کے آنے سے پہلے ہی زیبی پر آئے ہوئے الزام کو دھو ڈالنا چاہتی تھی۔ وہ عبادت علی کو دھوکا دے کر کوٹھی سے نکل سکتی تھی مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ سجاد ان دونوں ماں بیٹی پر کڑی نظریں رکھے ہوئے ہے۔

وہ اس وقت فہمی کے ساتھ باغیچے کے ایک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایسے ہی وقت کبریٰ اور زیبی کوٹھی کا بیرونی دروازہ کھول کر باہر آئیں۔ سجاد نے چونک کر انہیں دیکھا۔ وہ دونوں پورچ میں آ کر ایک کار میں بیٹھ گئیں۔ سجاد زیرِ لب بڑبڑاتا ہوا اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ "یہ محترمہ اپنی صاحبزادی کو کہاں لے جا رہی ہیں؟"

زیبی کار کو ڈرائیو کرتی ہوئی کوٹھی سے باہر چلی گئی۔ سجاد کی چھٹی حس نے الارم بجایا۔ اس نے فہمی کو اشارے سے سمجھایا۔ "میں ابھی آتا ہوں' تم اندر جاؤ۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا دوسری کار کی طرف آیا۔ پھراس کی اسٹیئرنگ سیٹ سنبھال کر اسے تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھی سے باہر چلا گیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے موبائل فون پر نمبر پنچ کر رہا تھا۔ اس نے اپنی کار زیبی کی کار سے ذرا فاصلے پر رکھی تھی۔

رابطہ ہونے پر اس نے فون کو کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو .... میں سجاد بول رہا ہوں۔ بھئی کچھ ہونے والا ہے۔ زیبی اپنی ممی کے ساتھ کہیں جا رہی ہے۔ تم اپنے فون کے قریب ہی بیٹھے رہو۔ میں ابھی کچھ دیر بعد دوبارہ رابطہ کروں گا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ زیبی کی کار تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ مزید چند علاقوں سے گزرنے کے بعد زیبی نے اپنی کار ایک کلینک کے سامنے روک دی۔ سجاد کا شک یقین میں بدل رہا تھا۔ وہ دونوں کار سے اتر کر کلینک کے اندر چلی گئیں۔

سجاد نے فوراً ہی موبائل پر رابطہ کر کے کہا۔ "ہیلو .... ہاں میں ہوں سجاد۔ یہ دونوں شمسہ کلینک پہنچی ہوئی ہیں۔ فوراً چلے آؤ .... یہاں کا ایڈریس نوٹ کرو۔"

وہ اُسے شمسہ کلینک کا ایڈریس سمجھانے لگا۔ کبریٰ اور زیبی ڈاکٹر شمسہ کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس نے کبریٰ سے پوچھا۔ "کیا آپ کو پہلی لیڈی ڈاکٹر کی رپورٹ پر یقین نہیں ہے؟"

وہ ذرا ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "ہے بھی اور نہیں بھی۔ آپ ذرا معائنہ کریں گی تو میں مطمئن ہو جاؤں گی۔ اگر بیٹی سے غلطی ہوئی ہو گی تو اسے مٹانے کے لئے میں آپ کو منہ مانگی رقم دوں گی۔"

زیبی نے کہا۔ "ممی! ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا۔ وہ لیڈی ڈاکٹر جھوٹ بول کر گئی ہے۔"

شمسہ نے مسکرا کر کہا۔ "یہ تو ابھی کلیئر ہو جائے گا۔"

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ زیبی کو لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ کبریٰ بے چینی سے کرسی پر پہلو بدل رہی تھی۔ اسے خبر نہ تھی کہ کوئی اس کے منصوبے کو خاک میں ملانے آنے والا ہے۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر شمسہ زیبی کے ساتھ واپس آئی۔ زیبی کا جھکا ہوا سر کبریٰ کو بہت کچھ سمجھا رہا تھا۔ شمسہ نے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "رپورٹ غلط نہیں ہے' یہ واقعی ماں بننے والی

ہیں۔"

کبریٰ نے گھور کر زیبی کو دیکھا۔ شمسہ نے مسکرا کر کہا۔ "یہ ٹھوکریں کھانے کی عمر ہے۔"

کبریٰ نے ہچکچا کر پہلے زیبی کو دیکھا پھر لیڈی ڈاکٹر سے کہا۔ "وہ .... جی میں ان ٹھوکروں کے نشانات مٹوانے آئی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے پرس سے ایک ہزار کے نوٹوں کی گڈی نکال کر ڈاکٹر کی طرف بڑھائی۔ اس نے مسکرا کر وہ گڈی اس کے ہاتھ سے لے لی۔ پھر کہا۔ "آپ بے فکر ہو جائیں۔ زیبی پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

پھر اس نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے زیبی سے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

ایسے ہی وقت بیرونی دروازہ کھلا۔ کھلے ہوئے دروازے میں فراز دکھائی دے رہا تھا۔ زیبی اور کبریٰ نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ڈاکٹر شمسہ نے غصے سے کہا۔ "مسٹر! یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

زیبی نے فراز سے پوچھا۔ "تم .... تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "اور تم یہاں کیوں آئی ہو؟"

وہ حقارت سے بولی۔ "تم پوچھنے والے کون ہوتے ہو؟"

کبریٰ چور نظروں سے لیڈی ڈاکٹر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ زیبی اور فراز کی باتوں کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ فراز نے تیز لہجے میں کہا۔ "کیا اب یہ یاد دلانا ہو گا کہ میں تمہارا مجازی خدا ہوں اور تمہارے ہونے والے بچے کا باپ ہوں۔"

ڈاکٹر شمسہ نے چونک کر کبریٰ اور زیبی کو دیکھا پھر حیرانی سے پوچھا۔ "یہ .... یہ ان کے شوہر ہیں؟"

کبریٰ نے سر جھکا لیا۔ ڈاکٹر شمسہ نے کہا۔ "آپ نے تو کہا تھا' شادی نہیں ہوئی ہے' بچی سے غلطی ہوئی ہے اور آپ اس غلطی کو مٹانے آئی ہیں؟"

زیبی نے جلدی سے کہا۔ "یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ میرا ان سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

فراز نے ہنستے ہوئے ڈاکٹر شمسہ کو دیکھا۔ پھر پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر! اگر میں جھوٹا ہوں تو ابھی پولیس کو فون کریں۔ میں چاہوں گا کہ یہ معاملہ اب وہاں تک پہنچے' جہاں تک یہ پہنچانا نہیں چاہتیں۔"

شمسہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے فراز کو دیکھا۔ پھر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔

کبریٰ نے تیزی سے آگے بڑھ کر کریڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ پلیز رک جائیں۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "او.......... اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نوجوان سچ کہہ رہا ہے۔"

کبریٰ اور زیبی دونوں ہی اس کی اچانک آمد سے پریشان ہو گئی تھیں۔ کبریٰ نے جھنجلا کر کہا۔ "تم کیوں میری بیٹی کے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

اس نے پوچھا۔ "آپ چاہتی ہیں' میں اس کے پیچھے نہ پڑوں؟"

"ہاں.......... تم اس کا پیچھا چھوڑ دو۔"

وہ مسکرا کر زیبی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "تو پھر اس سے کہیں کہ یہ مجھ سے آگے نہ رہے' میرے ساتھ چلے۔ آئندہ میں اس کی نگرانی کروں گا۔ اسے کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جانے دوں گا۔"

زیبی نے بیزار ہو کر کبریٰ کو دیکھا۔ فراز نے زیبی سے پوچھا۔ "اب سمجھ میں آ رہا ہے' تم نے اسی لئے اپنا موبائل فون بند کر رکھا تھا۔ یہاں سے جا کر یقین دلانا چاہتی تھیں کہ کوئی خوشخبری نہیں ہے' کوئی بچہ نہیں ہے؟ تم مجھے میرے بچے سے محروم کرنے یہاں آئی ہو؟"

زیبی نے اس کی طرف سے منہ پھیر کر کبریٰ سے کہا۔ "ممی! گھر چلیں۔"

وہ بولا۔ "ضرور جاؤ مگر اتنا یاد رکھو' میرے ہونے والے بچے کو نقصان پہنچے گا تو میں بھری عدالت میں تمہاری خاندانی شرافت کی دھجیاں اڑا دوں گا۔"

دونوں ماں بیٹی نے بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر دروازہ کھول کر باہر جانے کے لئے آگے بڑھیں۔ کھلے ہوئے دروازے کے باہر سجاد کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔

کبریٰ نے اسے دیکھ کر ناگواری سے کہا۔ "اچھا.......... تو یہ تمہاری حرکت ہے۔"

زیبی کو کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس وقت کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتی تھی۔ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ "پلیز ممی! جلدی یہاں سے چلیں.......... مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"

وہ سجاد سے کترا کر تیزی سے چلتی ہوئی کلینک سے باہر چلی گئی۔ کبریٰ بھی اس کے پیچھے پیچھے تیزی سے چلتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ سجاد نے بڑی ذہانت اور تیزی

سے کام لیتے ہوئے کبریٰ کی ٹھوس منصوبہ بندی کو چکنا چور کر ڈالا تھا۔

☆======☆======☆

ثمینہ' نفاست کی جتنی حمایت کر رہی تھی' اس کے لئے عبادت علی کے دل میں جگہ بنا رہی تھی' اس کے راستے کے کانٹے چن رہی تھی۔ سجاد اسی قدر اس کی کاٹ کر رہا تھا۔ راستے میں ایسے کانٹے بچھا رہا تھا کہ اس کا ہر منصوبہ پایۂ تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی پنکچر ہو رہا تھا۔ مگر فہمی کے معاملے میں اس کی کوئی منصوبہ بندی نہیں تھی۔ وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کی طرف کھنچا چلا جا رہا تھا لیکن مراد اسے سجاد کی کوئی نئی چال سمجھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ فہمی کے پچاس کروڑ حاصل کرنے کے لئے اسے محبت کے جال میں پھانس رہا ہے۔

مراد نے جھنجلا کر نفاست سے کہا۔ "ڈیڈ! ہمارے مسائل کم نہیں ہوں گے' ابھی اور بڑھتے چلے جائیں گے۔"

"اب کیا ہو گیا؟"

"وہ.......... وہ سجاد میرے اور فہمی کے معاملے میں مداخلت کر رہا ہے۔"

اس نے چونک کر بیٹے کو دیکھا پھر کچھ سوچ کر سر جھکا لیا۔ مسائل چاروں طرف سے اسے جکڑ رہے تھے۔ زیبی کے معاملے نے سر ابھار کر اس کی پوزیشن کو کمزور بنا دیا تھا۔ پھر اس پر یہ کہ سجاد انہیں بھڑکا رہا تھا۔

مراد نے کہا۔ "اسے ہماری مخالفت کرنے کے لئے کھلا میدان ملا ہوا ہے۔"

وہ اس کی تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "ہاں.......... وہ ابا جان کو میرے خلاف بھی بھڑکا رہا ہے۔ انہوں نے مجھے یہاں آنے کی اجازت دی ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ وہ مجھے معاف کر دیں گے مگر سجاد یہ نہیں چاہے گا۔"

وہ دانت پیس کر بولا۔ "آپ کے آنے سے یہی امید بندھی تھی۔ دادا جان پھر ہمیں گلے لگانے والے ہیں لیکن وہ ہمارے خلاف زہر اگل رہا ہے۔ دادا جان کو طیش دلا رہا ہے۔"

نفاست اٹھ کر ٹہلنے کے انداز میں اِدھر سے اُدھر گیا۔ پھر ایک جگہ رک کر سوچتے ہوئے بولا۔ "میں سب سمجھ رہا ہوں۔ ایک گونگی بہری سے بھلا اسے کیا دلچسپی ہو گی؟ وہ تمہیں غصہ دلانے کے لئے کوئی گڑبڑ کر رہا ہو گا۔"

مراد نے اپنے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو اتنا غصہ آ رہا ہے کہ بس.........."

بس میں نے سوچ لیا ہے۔"

اس نے پلٹ کر تعجب سے پوچھا۔ "تم نے کیا سوچ لیا ہے؟"

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"بکواس مت کرو .... وہ یہی چاہتا ہے کہ تم غصے میں الٹی سیدھی حرکتیں کرو تاکہ ابا جان ہمیں اس کی جان کا دشمن سمجھ لیں۔"

اس نے پریشان ہو کر باپ کو دیکھا' پھر پوچھا۔ "تو کیا کیا جائے؟ کیا اس سانپ سے خود کو ڈسواتے رہیں؟ میں اس کا سر کچل ڈالنا چاہتا ہوں۔"

"طیش میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بہت مکار ہے' تم اس کے خلاف کچھ نہیں کرو گے۔"

"آپ .... آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں پچاس کروڑ سے محروم ہو جاؤں؟"

"فہمی کہیں بھاگی نہیں جا رہی ہے۔ ہم اس معاملے سے بعد میں نمٹ لیں گے۔"

مراد نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ نفاست نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "فی الحال زیبی کا معاملہ اہم ہے۔ یہ حل ہو جائے باقی مسائل بھی حل ہوتے رہیں گے۔"

وہ بولا۔ "فہمی نارمل پرسن نہیں ہے۔ اس کا ایک اپنا مزاج ہے اگر سجاد نے اسے اپنی طرف مائل کر لیا تو پھر وہ میری طرف نہیں جھکے گی اور وہ ایسا ہی کر رہا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں خاموش تماشائی بن کر خود کو پچاس کروڑ سے محروم ہوتا دیکھتا رہوں؟"

نفاست نے جھنجلا کر پوچھا۔ "آخر تمہاری سمجھ میں میری بات کیوں نہیں آ رہی ہے؟ تم ہمیشہ ذہانت سے کام لیتے آئے ہو پھر اس بار اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو؟ تحمل سے کام لو .... ان پچاس کروڑ کی مجھے بھی اتنی ہی فکر ہے جتنی کہ تمہیں .... مصلحت اندیشی کا تقاضہ ہے کہ فی الحال گھر میں کوئی دوسرا مسئلہ نہ اٹھایا جائے۔"

اس نے جھنجلا کر باپ کو دیکھا۔ پھر پیر پٹختا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ نفاست گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ زیبی کی طرف سے ذرا مطمئن ہو گیا تھا اسے امید تھی کہ کبریٰ جلد ہی اسے اس مسئلے سے نجات دلا دے گی مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ جلد ہی اس کی امیدوں پر پانی پھرنے والا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد کبریٰ اور زیبی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئیں۔ ان کے چہروں پر غم و غصے کے تاثرات نمایاں تھے۔ زیبی کا چہرہ تو شدید غصے سے تمتما رہا تھا۔ نفاست نے ان کی حالت دیکھ کر پوچھا۔ "کیا بات ہے' خیریت تو ہے؟"

کبریٰ نے اپنے ہینڈ بیگ کو بیڈ پر پھینکتے ہوئے کہا۔ "کہاں کی خیریت .... کیسی خیریت .... اب کوئی خیریت نہیں رہی ہے۔ ڈھول کا پول کھلنا ہے اور کھل کر ہی رہے گا۔"

اس نے جھنجلا کر پوچھا۔ "کیوں پہیلیاں بجھوا رہی ہو؟ کھل کر بات کرو۔ کام بنا؟"

"بنتے بنتے بگڑ گیا۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

وہ ناگواری سے بولی۔ "نہ جانے اس کم بخت کو کیسے پتہ چل گیا کہ میں زیبی کو کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جا رہی ہوں۔ وہ نامراد ہمارا پیچھا کرتا ہوا وہاں تک پہنچ گیا تھا۔"

"کون نامراد' کس کی بات کر رہی ہو؟"

"ہمارا ایک ہی دشمن ہے۔ جس نے یہاں آتے ہی ہماری زندگیوں میں زہر گھول دیا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر زیر لب بڑبڑایا۔ "سجاد .... کیا .... سجاد نے کلینک تک تمہارا پیچھا کیا تھا؟ اسے .... اسے کچھ معلوم تو نہیں ہوا؟"

کبریٰ نے چور نظروں سے زیبی کو دیکھا۔ نفاست نے زیبی سے کہا۔ "تم جاؤ۔"

وہ سر جھکا کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی کبریٰ نفاست کو بتانے لگی۔ "وہ فراز کو بھی ساتھ لے آیا تھا۔ پتہ نہیں کیسے وہ دونوں عین وقت پر پہنچ گئے؟ میں تو سوچتی ہی رہ گئی' کیا کہوں کیا نہ کہوں؟"

اس نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ "وہ کچھ کہہ رہا تھا؟"

"اس نے تو کچھ نہیں کہا۔ البتہ فراز چیلنج کر رہا تھا۔"

"چیلنج .... کیسا چیلنج؟"

"کہہ رہا تھا' اس کے ہونے والے بچے کو نقصان پہنچے گا تو وہ ہم سب کو عدالت میں گھسیٹے گا۔"

"وہ عدالت میں نہ جائے تب بھی ہمیں بدنام کر سکتا ہے۔ مجھے سجاد کی فکر ہے۔ یہ .... یہ ابا جان کے پاس ضرور جائے گا' ضرور کچھ کہے گا۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "کچھ نہیں .... بہت کچھ کہے گا۔ ایک کی دس لگائے گا۔ ابا جان کو معلوم ہو گا کہ میں بیٹی کو کلینک لے گئی تھی تو وہ ہمیں کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیں گے۔"

نفاست نے پریشان ہو کر سوچنے کے انداز میں کہا۔ ”اس بات کو ابا جان تک نہیں پہنچنا چاہئے۔“

وہ دونوں سر جھکا کر سوچنے لگے۔ کبریٰ نے چونک کر کہا۔ ”سجاد سدرہ کی بات مانتا ہے۔ وہ اسے ابا جان کے پاس جانے سے روک سکتی ہے۔“

نفاست نے قائل ہونے کے انداز میں اُسے دیکھا۔ واقعی ایک سدرہ ہی ایسی تھی جو اسے ان مسائل سے نکلنے کا راستہ دکھا سکتی تھی اور وہ اس وقت عبادت علی کے پاس تھی۔ ایک چائے کی پیالی ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ”دادا جان! یہ میں نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہے‘ آپ پی کر دیکھیں۔“

انہوں نے چائے کی پیالی لیتے ہوئے کہا۔ ”بن میاں سے کہہ دیتیں۔“

”میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر دوں۔“

وہ ایک چسکی لے کر تعریفی لہجے میں بولے۔ ”بھئی واہ .... چائے تو بہت لاجواب بنی ہے۔ ہماری بیٹی کچن کا بھی کام جانتی ہے؟“

وہ انہیں گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ ”امی کہا کرتی تھیں‘ چائے کی طرح میٹھی بن کر رہا کرو۔ تم دلوں کو جیت لیا کرو گی۔“

وہ قائل ہو کر بولے۔ ”اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے۔ تم نے ہمیں جیت لیا ہے۔“

”میں آپ کو متاثر نہ کرتی‘ تب بھی آپ مجھے دل و جان سے چاہتے۔ میں نے تو اپنے ابو کے مخالف چچا جان کا دل بھی جیت لیا ہے۔“

وہ خوش ہو کر بولے۔ ”بے شک .... بے شک .... جس سے مخالفت کرنی تھی‘ تم نے اسے بالکل اپنا بنا لیا ہے۔“

اس نے انہیں ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر ذرا ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ”وہ .... دادا جان! آپ بھی انہیں اپنا لیں‘ انہیں معاف کر دیں۔“

”تم اس کی وکالت کرتے کرتے اسے گھر کے اندر لے آئی ہو۔ تم نے کہا‘ ہم اسے بند کمرے میں سزا سنائیں‘ اس کا محاسبہ کریں‘ بچوں کے سامنے اس کی توہین نہ کریں۔ ہم یہی کرنے والے تھے مگر دیکھو کہ اس کے نت نئے جھوٹ اور فریب سامنے آ رہے ہیں۔“

وہ سر جھکا کر بولی۔ ”میں جانتی ہوں‘ زیبی نے چھپ کر شادی کی ہے لیکن اس میں چچا جان کا کوئی قصور نہیں ہے۔“

وہ ایک ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کراتے ہوئے بولے۔ ”تم اس کی حمایت میں اور کچھ نہ بولو۔ ابھی ایک گھنٹے بعد لیڈی ڈاکٹر آنے والی ہے‘ دعا کرو اس کی رپورٹ سن کر ہمارا سر نہ جھکے۔ اگر ایسا ہو گا تو ہم باپ اور بیٹی دونوں کو گھر سے نکال دیں گے۔“

ثمینہ نے ایک دم سے چونک کر انہیں دیکھا۔ باپ دوبارہ دربدر ہونے والا تھا۔ اس کی محنت رائیگاں جانے والی تھی۔ اس نے تڑپ کر پوچھا۔ ”دادا جان! یہ .... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ غلطی زیبی نے کی اور سزا چچا جان کو دی جائے گی اور زیبی نے بھی غلطی نہیں کی ہے۔ شرعی طور پر نکاح قبول کیا ہے۔ وہ آپ کی اور اس اعلیٰ خاندان کی پوتی ہے۔ سر جھکانے والا کوئی کام نہیں کرے گی۔“

”یہ لیڈی ڈاکٹر کی رپورٹ سے واضح ہو جائے گا کہ کس نے کس وقت اور کیسے ہمارا سر جھکایا ہے؟ تم نفاست کی حمایت میں نہ بولو۔ یہاں سب چھپے رستم ہیں۔“

وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ثمینہ ہونٹوں کو دانتوں تلے دبا کر پریشانی سے سوچنے لگی۔ ایک نئی مصیبت سامنے آنے والی تھی اور ایسی اٹل تھی کہ اسے جھٹلانے کے لاکھ بہانے بھی ڈھونڈے جاتے تو فرار کا کوئی راستہ نہ ملتا۔

☆======☆======☆

سجاد کی پھرتی نے فراز کے اس دنیا میں آنے والے نئے اور خوبصورت رشتے کو بچا لیا تھا جس کے بارے میں سن کر ہی وہ ہواؤں میں اڑ رہا تھا مگر زیبی کا رویہ اسے مایوسیوں میں مبتلا کر رہا تھا۔ دکھ پہنچا رہا تھا۔ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ ایسے وقت وہ اسے سینے سے لگا کر بے تحاشا پیار کرنا چاہتا تھا‘ اسے چومنا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ مستقبل کے خوابوں کو نئے انداز سے دیکھنا چاہتا تھا۔ اس طرف ایک باپ کا جذبہ مچل رہا تھا مگر دوسری طرف وہ ممتا کے جذبے سے عاری دکھائی دے رہی تھی۔

سجاد کوٹھی میں واپس آ چکا تھا۔ وہ حسرت کے کمرے میں تھا۔ حسرت سر جھکائے شرمندہ سا اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ ماں بہن کی اس حرکت نے اس کا سر جھکا دیا تھا۔ سجاد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”شکر کرو‘ بات بگڑنے سے پہلے ہی سنبھل گئی۔“

”مجھے تو یہ سن کر شرم آ رہی ہے کہ ممی اسے ہسپتال لے گئی تھیں۔“

”میں تو یہی دیکھتا آیا ہوں کہ ہم جیسے نوجوان غلطیاں کرتے ہیں اور بزرگ ہمیں

سمجھاتے ہیں' سنبھالتے ہیں۔ اچھے برے کی تمیز سکھاتے ہیں مگر یہاں کا تو نظام ہی الٹا ہے۔ ہم بزرگوں کو کیسے سمجھائیں؟"

"ہم انہیں کیا سمجھائیں گے' کیا وہ نادان ہیں؟"

"نادان ہیں۔ تب ہی تو غلطیاں کر رہے ہیں۔ بغیر سوچے سمجھے منصوبے بنا رہے ہیں۔"

حسرت نے کہا۔ "وہ ایک فائدہ حاصل کرنے کے لئے ایک غلطی کر رہے ہیں اور اس ایک غلطی سے دس غلطیاں جنم لے رہی ہیں۔"

سجاد نے قائل ہونے کے انداز میں اسے دیکھا پھر کہا۔ "میں انہیں ایک غلطی سے روکنے کے لئے فراز کو وہاں لے گیا تھا۔ پھر بھی انہیں اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوا۔ وہ مجھے دشمن سمجھ رہے ہیں۔"

حسرت نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر کہا۔ "وہ تمہیں برا سمجھتے ہیں کیونکہ تم جائیداد میں سے اپنا حصہ لینے آ پہنچے ہو۔ مگر میں تو ان کی اپنی اولاد ہوں۔ میں کسی بھی ہیرا پھیری یا سازش میں ان کا ساتھ نہ دوں تو وہ مجھے بھی دشمن سمجھنے لگتے ہیں۔"

سجاد نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "وہ ہمیں کچھ بھی سمجھتے رہیں لیکن آئندہ ان پر کڑی نظر رکھنی ہو گی۔ فراز پہلی بار باپ بننے والا ہے۔ ہم اسے اولاد سے محروم نہیں ہونے دیں گے۔"

وہ اس کی تائید میں بولا۔ "ہاں .... ہمیں ایسی ہی کوئی ٹھوس پلاننگ کرنی ہو گی۔ زیبی کو فراز سے اچھا کوئی لائف پارٹنر نہیں ملے گا۔ ممی اور ڈیڈی خواہ مخواہ اسے مغرور اور ضدی بنا رہے ہیں۔ ہم ان کی یہ ضد پوری نہیں ہونے دیں گے۔"

سجاد نے اسے بتایا۔ "دادا جان نے کسی لیڈی ڈاکٹر کو بلایا ہے۔ جب وہ صحیح رپورٹ دے گی تو پھر زیبی اس بچے کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔"

حسرت قائل ہو کر سوچنے لگا۔ مگر یہ بھول گیا کہ نفاست ایک شاطر ذہنیت رکھنے والا باپ ہے۔ اس کا دماغ نیا منصوبہ بنانے میں بڑی پھرتی دکھاتا ہے۔ اب بھی اس نے ایک منصوبہ بنا ڈالا تھا۔ مہرہ اب بھی ثمینہ ہی تھی۔ وہ اپنے اس نئے منصوبے کی بساط بچھانے اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی بولی۔ "میں ابھی آپ ہی کے پاس آنے والی تھی۔ اچھا ہوا' آپ خود ہی آ گئے۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

اس نے پوچھا۔ "پھر کوئی نئی الجھن ہے؟"

"میں ابھی دادا جان کے پاس تھی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ کوئی ان کی واقف لیڈی ڈاکٹر آنے والی ہے۔ اگر اس کی رپورٹ سن کر ان کا سر جھکے گا تو وہ زیبی کے ساتھ آپ کو بھی گھر سے نکال دیں گے۔"

اس نے چونک کر ثمینہ کو دیکھا پھر اس کے قریب آ کر کہا۔ "میری اپنی اولاد بھی وہ نہ کر سکی جو تم نے میرے لئے کیا ہے۔ تم نے میرے لئے اس گھر کے دروازے کھلوا دیئے ہیں لیکن افسوس میری اولاد کی غلطی یہ دروازے پھر سے بند کروا رہی ہے۔"

وہ ہاتھوں کو مسلتے ہوئے بولی۔ "یہی سوچ سوچ کر تو میں پریشان ہو رہی ہوں۔ آپ بتائیں' مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔ پریشانی ظاہر کرنے لگا۔ وہ بڑے صدمے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ دیر بعد بولا۔ "سدرہ! فی الحال تو میں یہ کہنے آیا تھا کہ سجاد کو سمجھاؤ۔ وہ بات بات پر ابا جان کو ہمارے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ تمہاری بات مانتا ہے۔ اس وقت اس کی مخالفت ہمارے لئے مسائل کھڑے کر رہی ہے۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی' یہ جانتی تھی کہ سجاد کبھی نفاست کی مخالفت سے باز نہیں آئے گا۔ اس نے کہا۔ "اگر ڈاکٹر کی رپورٹ دادا جان کو مطمئن کر دے گی تو بھائی جان کی ہزار مخالفت کے باوجود آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولا۔ "ڈاکٹر کی رپورٹ زیبی کے خلاف ہو گی۔"

ثمینہ نے چونک کر پریشانی سے اسے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا آپ کو یقین ہے' کیا پہلی لیڈی ڈاکٹر نے درست رپورٹ دی تھی؟"

نفاست کا سر جھک گیا۔ ثمینہ کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ صاف سمجھ میں آ رہا تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ نفاست نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "مجھے اپنا برا وقت صاف نظر آ رہا ہے۔ اس بار ابا جان مجھے معاف نہیں کریں گے۔"

ثمینہ نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ نفاست نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں' اس بار بھی تم مجھے ان کے قہر سے بچا سکتی ہو۔"

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "اگر بچاؤ کا کوئی راستہ ہے تو مجھے بتائیں۔ میں آپ کے لئے کچھ بھی کر گزروں گی۔"

نفاست نے چور نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر اٹکتے ہوئے کہا۔ "وہ .... بات ایسی ہے کہ .... میں اپنی زبان سے نہیں کہہ سکوں گا۔"

ثمینہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ نظریں چرا رہا تھا۔ کچھ کہنے سے ہچکچا رہا تھا۔ ثمینہ نے کہا۔ "آپ نہیں کہیں گے تو مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ کیا کرنا ہے؟"

وہ پلٹ کر چلتا ہوا دروازے کے قریب آیا۔ پھر اسے کھولتے ہوئے بولا۔ "جو میں نہ کہہ سکا' وہ یہ کہیں گی۔"

کھلے ہوئے دروازے پر کبریٰ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی اندر آئی۔ ثمینہ کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ نفاست نے کہا۔ "مجھے یقین ہے سدرہ! تم اس بُرے وقت میں پھر میرے کام آؤ گی۔"

وہ یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔ کبریٰ نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر ثمینہ کو دونوں شانوں سے تھام کر ایک صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولی۔ "بیٹی! بات ایسی ہے کہ میں بھی ہچکچا رہی ہوں لیکن تمہارے چچا جان کے بچاؤ کا اس سے بہتر اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ مگر تمہارا تعاون شرط ہے۔"

وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ "آپ مطمئن رہیں۔ میں ایک بزرگ کو توہین سے بچانے کے لئے ہر مرحلے سے گزر جاؤں گی۔"

کبریٰ نے مطمئن ہو کر اسے دیکھا۔ پھر خوش ہو کر اپنے تیار کردہ منصوبے کے بارے میں بتانے لگی۔

☆=====☆=====☆

فراز پریشان تھا۔ وہ زیبی کو ایک بار حماقت کرنے سے تو روک سکا تھا مگر پریشانی یہ تھی کہ وہ دوبارہ بھی کوئی غلط قدم اٹھا سکتی تھی۔ یہی خوف فراز کو ہولا رہا تھا۔ بے اعتمادی اندر ہی اندر اسے کچوکے لگا رہی تھی۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے سامنے سینٹر ٹیبل پر چائے سے بھری ہوئی پیالی رکھی ہوئی تھی۔

ارمانہ نے وہاں آ کر پوچھا۔ "تم نے دوپہر سے کچھ نہیں کھایا ہے کم از کم چائے تو پی لو۔ کیا بھوکے پیاسے رہ کر مسائل حل کرنا چاہتے ہو؟"

اس نے چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر خلا میں تکتے ہوئے بولا۔ "زیبی ایسی نہیں ہے۔"

ارمانہ کو یوں لگا جیسے اس کی آواز بہت دور سے آ رہی ہے۔ وہ بول رہا تھا۔ "اس کی ماں اسے میرے خلاف بھڑکا رہی ہے۔"

ارمانہ نے الجھ کر کہا۔ "اب وہ ایسی بھی نادان بچی نہیں ہے۔ شادی ہو چکی ہے' ماں

بننے والی ہے۔ اس کے دل میں اپنے پہلے بچے کے لئے کچھ تو ممتا ہونی چاہئے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "میں سجاد بھائی کا احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ اگر وہ مجھے ہسپتال نہ پہنچاتے تو زیبی بہت بڑی غلطی کر چکی ہوتی۔"

"فکر نہ کرو' وہاں حسرت اور سجاد بھائی ہیں۔ وہ زیبی کو کوئی غلط قدم اٹھانے نہیں دیں گے۔"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "میری شادی میں عالیہ اور اسد بھی شریک تھے۔ وہ دونوں اسے سمجھا سکتے تھے۔ وہ نہ سمجھتی تب بھی اسے غلطیوں سے باز رکھ سکتے ہیں۔"

ارمانہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ فراز نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے ان سے رابطہ کرنا چاہئے۔"

"اگر تم اس طرح مطمئن ہونا چاہتے ہو تو اچھی بات ہے۔ سجاد بھائی اور حسرت کے ساتھ ساتھ اسد بھی زیبی پر نظر رکھے گا۔"

اس نے ریسیور کان سے لگا کر اسد کے موبائل نمبر پنچ کئے۔ پھر رابطہ ہونے پر کہا۔

"ہیلو .... اسد! میں فراز بول رہا ہوں۔"

اسد نے خوش ہو کر کہا۔ "ہاں .... فراز! کیا ہو رہا ہے؟"

وہ مایوسی سے بولا۔ "ہونا کیا ہے؟ اپنے مقدر کا ماتم کر رہا ہوں۔ تم زیبی کو سمجھا نہیں سکتے تھے؟"

"وہ کسی کی نہیں سنتی۔ کیا اس نے تم سے اب تک بات نہیں کی ہے؟"

"بات اس بات سے بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ وہ کسی کی سنتی ہی نہیں ہے مگر تم چاہو تو اسے غلطیوں سے باز رکھ سکتے ہو۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "آخر مسئلہ کیا ہے؟"

"تمہیں پتہ ہے' وہ ایک بہت بڑی غلطی کرنے جا رہی تھی۔ سجاد بھائی نہ ہوتے تو زیبی کی حماقت مجھے لے ڈوبتی۔"

پھر وہ اسے تفصیل سے تمام حالات بتانے لگا۔ اسد کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ حیران پریشان سا اس کی باتیں سن رہا تھا۔ عالیہ اس کے سامنے بیٹھی ہوئی اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ پھر پریشان ہو کر بولی۔ "کیا بات ہے؟"

اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کو کہا۔ پھر فون پر حیرت سے

بولا۔ "او گاڈ! ممی اسے ہسپتال لے گئی تھیں؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ میں ابھی ان سے بات کرتا ہوں۔"

فراز نے اس کی تائید میں کہا۔ "میں یہی چاہتا ہوں کہ بزرگوں کا بھی محاسبہ کیا جائے۔ کیا تم مجھ سے ایک تعاون کرو گے؟"

"میں تمہارا ہر طرح سے ساتھ دیتا آ رہا ہوں۔ اب بھی دوں گا۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں، تم زیبی پر کڑی نظر رکھو۔ آئندہ اسے کوئی غلطی نہ کرنے دو۔"

"تم اطمینان رکھو.......... میں یہی کروں گا۔ اب وہ ایسی حماقت نہیں کر سکے گی۔"

وہ فون پر باتیں کر رہا تھا۔ عالیہ پریشان ہو کر سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ یہ سمجھ گئی تھی کہ زیبی کے متعلق باتیں ہو رہی ہیں مگر اصل بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت زیبی دروازہ کھول کر اندر آئی۔ اسد نے اسے دیکھ کر فون پر کہا۔ "اچھا ٹھیک ہے، میں پھر تم سے بات کروں گا۔"

اس نے موبائل آف کر کے رابطہ منقطع کر دیا۔ زیبی نڈھال سی ایک صوفے پر نیم دراز ہو گئی تھی۔ چہرے پر غصہ اور پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ عالیہ نے اس سے پوچھا۔ "خیریت تو ہے، کچھ پریشان لگ رہی ہو؟"

اسد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "پریشانی خود نہیں آتی۔ یہ پریشانیوں کو دعوت دیتی ہے۔"

پھر اس نے زیبی سے پوچھا۔ "بائی دا وے، تم کہاں سے آ رہی ہو؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "یونہی ممی کے ساتھ باہر گئی تھی۔"

اس نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہسپتال؟"

زیبی نے چونک کر حیرانی سے اُسے دیکھا۔ وہ بولا۔ "کیا تمہاری سمجھ میں آ رہا ہے کہ تم کتنی بڑی غلطی کرنے جا رہی تھیں؟"

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "او.......... تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ وہ مجھے بدنام کر رہا ہے۔"

اسد نے تیز لہجے میں کہا۔ "نہیں کر رہا ہے، تم بدنامی کے راستے پر چل رہی ہو۔ جو تمہیں جی جان سے چاہتا ہے تم اسے دھوکا دے رہی ہو، اس کے ہونے والے بچے کو نقصان پہنچا رہی ہو۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر تیز لہجے میں بولی۔ "میں یہاں ہنسنے بولنے آئی ہوں اور تم ہو کہ بکواس کرنے لگے ہو۔"

عالیہ حیرانی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اسد نے زیبی سے کہا۔ "جسے تم بکواس کہہ رہی ہو وہ تمہاری زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ ماں بننا ایک بہت بڑے اعزاز کی بات ہے مگر تم خدا کی اس دین سے انکار کر رہی ہو۔"

زیبی نے ایک ہاتھ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ "بس.......... کہہ چکے؟"

پھر اس نے عالیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسد سے کہا۔ "اب باقی نصیحتیں اسے کرو۔ یہ تمہاری سنتی ہے۔ میں کسی کی نہیں سنتی۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اسد نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "جانے سے پہلے سن لو۔ میں آئندہ تمہیں ایسی حماقت نہیں کرنے دوں گا۔ تم میری بہن ہو، میری غیرت ہو، میں ایک بے غیرت بھائی کہلانا نہیں چاہوں گا۔"

زیبی نے غصے سے پلٹ کر اسے گھور کر دیکھا پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ اسد سر جھکا کر سوچنے لگا۔ عالیہ نے تسلی دینے کے انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک گیا۔ پھر بولا۔ "مجھے ممی ڈیڈی سے بات کرنی چاہئے۔"

اس نے پوچھا۔ "کیا وہ تمہاری بات مان لیں گے؟"

"انہیں ماننا ہو گا۔ میں بے غیرت بھائی کہلانا گوارا نہیں کروں گا۔ ہرگز نہیں کروں گا۔"

وہ کمرے سے نکل کر تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہاں عبادت علی، حسرت، سجاد، نفاست اور کبریٰ موجود تھے۔ وہ کبریٰ کو مخاطب کرنا چاہتا تھا۔ ایسے وقت بیرونی دروازے سے بین کے ساتھ ایک لیڈی ڈاکٹر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ عبادت علی اسے دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولے۔ "آیئے.......... آپ بہت ذمہ دار ہیں۔ مقررہ وقت پر آئی ہیں۔"

پھر انہوں نے کبریٰ کو مخاطب کیا۔ "بہو بیگم! انہیں زیبی کے کمرے میں لے جاؤ.........."

حسرت اور سجاد کبریٰ کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ذرا ہچکچائے گی۔ ڈاکٹر کو زیبی کے کمرے میں لے جانے سے کترائے گی۔ مگر وہ ان کی سوچ کے برعکس مسکرا کر بولی۔ "آیئے۔"

ان دونوں نے چونک کر حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ بڑے اطمینان سے لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ زیبی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ چال میں واضح اعتماد تھا۔ نفاست کے چہرے پر بھی سکون چھپا ہوا تھا۔ حسرت نے سجاد کے کان میں سرگوشی کی۔ ''دیکھ رہے ہیں آپ؟ ممی اور ڈیڈی ایک ذرا پریشان نہیں ہیں۔ جیسے ان کے خلاف کوئی بات ہونے والی نہیں ہے۔''

سجاد نے مسکرا کر کہا۔ ''ابھی لیڈی ڈاکٹر دھماکہ کرے گی۔ ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔''

حسرت نے ذرا سوچنے کے بعد کہا۔ ''آپ ممی ڈیڈی کو نہیں جانتے۔ یہ بعض اوقات ناممکن کو ممکن بنا دیتے ہیں۔''

سجاد نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ درست کہہ رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کے چالاک ذہن کو جانتا تھا۔ اس کے چہرے کا اطمینان سمجھا رہا تھا کہ وہ کوئی نئی گیم کھیل رہا ہے۔ وہ ایسا ہی کر رہا تھا اور جیت بھی اسی کی ہونے والی تھی۔

کبریٰ لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ دروازے پر آئی۔ پھر دستک دیتے ہوئے بولی۔ ''زیبی! دروازہ کھولو' ڈاکٹر آئی ہیں۔''

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ کھلے ہوئے دروازے سے زیبی کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ ایک طرف ہٹتے ہوئے بولی۔ ''آیئے' تشریف لایئے۔''

وہ دونوں اندر چلی گئیں۔ ڈرائنگ روم میں نفاست نے عبادت علی سے شکایتی لہجے میں کہا۔ ''ابا جان! میں آپ کے حکم سے مجبور ہوں' ورنہ کسی ڈاکٹر کو اپنی بیٹی کے کمرے میں نہ جانے دیتا' یہ سراسر الزام ہے۔''

سجاد نے مداخلت کی۔ ''الزام جھوٹا بھی ہو سکتا ہے اور سچا بھی۔''

نفاست نے گھور کر اسے دیکھا پھر کہا۔ ''یہ الزام جھوٹا ہے' جھوٹا ہی رہے گا۔ میری بیٹی بے گناہ ہے۔''

عبادت علی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''ہمارے تمہارے بولنے سے کچھ واضح نہیں ہو گا۔ بحث کرنے سے بہتر ہے' ڈاکٹر کی رپورٹ کا انتظار کرو۔''

کچھ دیر بعد ہی زیبی کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ عبادت علی تیزی سے چلتے ہوئے اس طرف بڑھ گئے۔ نفاست' حسرت' سجاد اور اسد بھی اٹھ کر ان کے پیچھے پیچھے زیبی کے کمرے کے پاس آ گئے۔ لیڈی ڈاکٹر باہر آئی۔ سب ہی متجسس سے ہو کر اسے دیکھ رہے

تھے۔ سب کے چہرے پر ایک ہی سوال تھا۔

لیڈی ڈاکٹر نے عبادت علی سے پوچھا۔ ''وہ ڈاکٹر کون تھی جو آپ پر کیچڑ اچھال کر گئی ہے؟''

سب نے چونک کر حیرانی سے اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ ''یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کے باعث آپ کی بدنامی ہو۔''

عبادت علی نے خوش ہو کر نفاست کو دیکھا۔ کبریٰ دروازے پر کھڑی معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔ سجاد اور حسرت بے یقینی سے لیڈی ڈاکٹر کو دیکھ رہے تھے۔ عبادت علی ڈاکٹر کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف چلے گئے۔

نفاست نے کبریٰ کو معنی خیز انداز میں مسکرا کر دیکھا پھر طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''افسوس! وہ نہیں ہوا جس کی توقع تھی۔ تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔''

کبریٰ نے سجاد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے منہ پر کالک ملنے والے کے ہاتھ کالے ہوئے' ہمارا کچھ نہیں بگڑا۔ ہم تو بے داغ ہیں' بے داغ ہی رہیں گے۔''

حسرت نے سجاد سے پوچھا۔ ''سجاد بھائی! آپ کہہ رہے تھے' ممی زیبی کو لے کر ہسپتال گئی تھیں؟''

کبریٰ بولی۔ ''ارے اس سے کیا پوچھتے ہو؟ اپنی ماں سے پوچھو اور ذرا عقل سے سوچو' جب تمہاری بہن نے غلطی کی ہی نہیں تو میں اسے ہسپتال کیوں لے کر جاؤں گی؟''

عبادت علی لیڈی ڈاکٹر کو رخصت کر کے وہاں آتے ہوئے بولے۔ ''ہمیں فخر ہے' ہماری پوتی نے کوئی غلطی نہیں کی' ہمارا سر نہیں جھکایا۔''

سجاد نے کہا۔ ''دادا جان! یہ .... یہ نہیں ہو سکتا۔''

عبادت علی نے تعجب سے پوچھا۔ ''کیا نہیں ہو سکتا؟''

وہ بولا۔ ''ڈاکٹر نے غلط رپورٹ دی ہے۔''

وہ چونک کر بولے۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہم اس ڈاکٹر کو پچھلے پچیس برسوں سے جانتے ہیں۔ وہ نہ کبھی جھوٹ بولتی ہے اور نہ کبھی غلط میڈیکل رپورٹ دیتی ہے۔''

نفاست نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''ابا جان پہلے ایک ڈاکٹر نے غلط رپورٹ دی تھی۔ آپ کو شبہ ہوا۔ آپ نے دوسری لیڈی ڈاکٹر کو بلایا۔ اب سجاد کو شبہ ہو رہا ہے۔ اب کسی تیسری لیڈی ڈاکٹر کو بلایا جائے گا۔ اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہے گا اور آپ کی پوتی تماشہ بنتی رہے گی۔''

عبادت علی نے پریشان ہو کر سجاد کو دیکھا وہ بولا۔ "آپ یقین کریں دادا جان! چچی جان زیبی کو لے کر شمسہ کلینک گئی تھیں۔ وہاں فراز بھی تھا۔ خدا گواہ ہے کہ زیبی ماں بننے والی ہے۔"

کبریٰ تلملا کر ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔ "ہاں ہاں' اب شمسہ کلینک جائیں۔ وہاں انکوائری کرائیں۔ گھر میں اتنا کچھ ہوا' کافی نہیں ہے' باہر جا کر کیچڑ اچھالیں۔"

سجاد گہری سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ وہ صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ کبریٰ بول رہی تھی۔ "شہر میں ہزاروں کلینک اور ہسپتال ہیں۔ ہماری بیٹی کو وہاں لے جاتے رہیں۔ ہمارا مذاق اڑاتے رہیں۔"

عبادت علی جھنجلا کر بولے۔ "بہو بیگم! خاموش رہو' ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ ہم اپنی پوتی سے مطمئن ہیں۔"

پھر انہوں نے سجاد کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بیٹے! اپنے دل سے میل نکالو' آپس میں رنجش ہو تو مل بیٹھ کر اسے دور کرنا چاہئے۔ تمہاری غلط فہمی دور ہو جائے گی۔"

اس نے جیسے چونک کر کہا۔ "دادا جان! آپ .... آپ زیبی کو بلائیں۔ میں اسے دیکھنا چاہوں گا۔"

عبادت علی نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ کبریٰ فوراً ہی بولی۔ "کیوں .... اسے کیوں دیکھنا چاہتے ہو؟ پہلے کبھی نہیں دیکھا ہے؟"

عبادت علی نے کہا۔ "بحث نہ کرو......... جاؤ' اسے بلاؤ۔"

کمرے کے اندر زیبی بند دروازے سے لگی کھڑی تھی۔ باہر ہونے والی باتیں سن رہی تھی۔ اپنے بلاوے کا سن کر پریشان ہو گئی۔ تیزی سے چلتی ہوئی بیڈ پر بیٹھی ثمینہ کے قریب آئی پھر بولی۔ "مجھے بلایا جا رہا ہے۔"

وہ جلدی سے بیڈ پر سے اترتے ہوئے بولی۔ "وہ اندر بھی آ سکتے ہیں مجھے یہاں سے جانا چاہئے۔"

زیبی نے اسے احسان مندی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "سدرہ! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "یہ احسان نہیں ہے' ایک بہن کی محبت ہے' ہو سکے تو مجھے بھی محبت دو۔"

ثمینہ سب ہی سے محبت کر رہی تھی۔ نفاست کی منصوبہ بندی کے مطابق زیبی کی

جگہ وہ لیڈی ڈاکٹر کے سامنے آئی تھی۔ اس طرح اس کی رپورٹ کے مطابق زیبی کی ذات پر کوئی دھبہ نہیں تھا۔ اس نے عبادت علی کا سر نہیں جھکنے دیا تھا۔ ہمشکل ہونے کا فائدہ اٹھایا گیا تھا۔

باہر سے کبریٰ کی آواز سنائی دی۔ "زیبی! باہر آؤ۔ تمہارے دادا جان بلا رہے ہیں۔"

زیبی نے پریشان ہو کر ثمینہ کو دیکھا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی پچھلے دروازے سے باہر چلی گئی۔ زیبی نے مطمئن ہو کر کمرے کا دروازہ کھولا۔

کبریٰ نے ذرا ناگواری سے کہا۔ "باہر آؤ۔"

وہ ماں کو دیکھتے ہوئے باہر آ گئی۔ سجاد بڑی توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ سجاد دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ پھر اس کے چاروں طرف گھوم کر غور سے اسے دیکھنے لگا۔ نفاست نے الجھ کر پوچھا۔ "تم میری بیٹی کو اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟"

سجاد نے زیبی کے پیچھے آ کر دھیمی آواز میں اسے مخاطب کیا۔ "سدرہ!؟"

وہ خاموش کھڑی رہی۔ کبریٰ نے ناگواری سے پوچھا۔ "تم میری بیٹی کو سدرہ کیوں کہہ رہے ہو؟"

عبادت علی نے کہا۔ "سجاد! کیا تم اسے زیبی نہیں سمجھ رہے ہو؟"

سجاد نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ سدرہ ہو سکتی ہے اور ادھر سدرہ کے کمرے میں زیبی ہو سکتی ہے۔"

نفاست اور کبریٰ نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ سجاد نے بات ہی ایسی کہی تھی کہ سب ہی ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا ثمینہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ عبادت علی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر آیا۔ ثمینہ لباس تبدیل کر چکی تھی۔ اسے دیکھ کر چونک گئی۔ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی بولی۔ "آپ .... آپ!؟"

وہ اسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر پوچھا۔ "آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

"تم ابھی کہاں تھیں؟"

وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "یہیں اپنے .... کمرے میں........."

وہ تیز لہجے میں بولا۔ "جھوٹ مت بولو۔"

"آپ اسے جھوٹ کیوں سمجھ رہے ہیں؟ بات کیا ہے؟"

"ابھی زیبی کے کمرے میں لیڈی ڈاکٹر آئی تھی' کیا تم وہاں نہیں تھیں؟"

ثمینہ نے چونک کر پریشانی سے اسے دیکھا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "میں بھلا .... وہاں کیا کروں گی؟"

سجاد نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا مگر کہہ نہ سکا۔ اس نے پوچھا۔ "آپ کچھ پریشان ہیں' مجھے بتائیں پریشانی کیا ہے؟ لیڈی ڈاکٹر کیا کہہ رہی ہے؟"

وہ غصے سے بولا۔ "وہ .... وہ بکواس کر کے گئی ہے۔ وہ .... وہ.........."

وہ پھر کچھ کہنے سے ہچکچانے لگا۔ ثمینہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک نظر ثمینہ پر ڈالی پھر بے بسی سے پلٹ کر وہاں سے جانے لگا۔ اس نے دروازے کے ہینڈل پر زور ڈال کر گھمایا۔ کھٹ کی آواز کے ساتھ لاک کھل گیا۔ وہ دروازے کو کھولنا چاہتا تھا مگر ٹھٹک گیا۔ کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے ایک دم سے چونک کر پلٹ کر ثمینہ کو دیکھا۔ وہ اسے جاتے' رکتے پھر پلٹتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

وہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا پھر اس کے بالوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہ تو زیبی کا ہیئر اسٹائل ہے۔ تم کب سے اس کے رنگ میں رنگنے لگیں؟"

وہ پریشان ہو کر نظریں چرانے لگی۔ زیبی بننے کے لئے بالوں کا اسٹائل بدلا گیا تھا۔ یہی چور پہلو سجاد کی نظروں میں آ گیا۔ وہ بات بناتے ہوئے بولی۔ "میں اس کی نقل نہیں کر رہی ہوں۔ اس کا مزاج' اس کے خیالات مجھ سے الگ ہیں۔ وہ کبھی میرے جیسی نہیں بن سکتی اور میں کبھی اس جیسی بننا نہیں چاہوں گی۔"

سجاد نے اس کے بالوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "پھر یہ کیا ہے؟"

وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "یہ ہیئر اسٹائل مجھے پسند تھا۔ جو چیز اچھی ہو' اسے اپنانے میں برائی کیا ہے؟"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مزاج میں کچھ تبدیلی آتی ہے' تب ہی فیشن بدلتے ہیں۔ بعض اوقات ایک ذرا سی تبدیلی سے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ بنایا جا سکتا ہے۔"

ثمینہ نے چونک کر اسے دیکھا' جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ وہ بولی۔ "میں کبھی اپنے عمل سے آپ کی ذات کو نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "تم میرے ابو کی بربادیوں کو بھول کر اپنے ابو کی عزت کی خاطر کوئی سا بھی کھیل کھیل سکتی ہو۔"

اتنا کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ ثمینہ پریشان ہو کر اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ ناراض ہو کر گیا تھا۔ کبریٰ اور نفاست کی چال کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ دکھ اس بات کا تھا کہ ثمینہ نے ایک بار پھر اس کے دشمنوں کا ساتھ دیا تھا۔

اب دشمن مطمئن تھے۔ ان کے سر سے بلا ٹل چکی تھی۔ کبریٰ نے خوش ہو کر نفاست سے کہا۔ "خدا کا شکر ہے' لیڈی ڈاکٹر کی مصیبت ٹل گئی۔ آئندہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہے۔"

نفاست نے اس کی تائید میں سر ہلایا پھر ایک ذرا پریشان ہو کر کہا۔ "ایک ہی بات سمجھنے کی ہے' سجاد گدھ کی طرح ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ تم اپنی عقل سے کام کرو گی تو سارے کام بگڑ جائیں گے۔"

اس نے منہ بسور کر نفاست کو دیکھا۔ وہ بولا۔ "ابھی ابا جان کو مطمئن کرنا ہے کہ زیبی نے چھپ کر شادی نہیں کی ہے۔ مجھے ان کا اعتماد پھر سے حاصل کرنا ہے۔ گھر کے اور کاروبار کے معاملات میں پھر سے ان کا دستِ راست بن کر رہنا ہے۔ ورنہ یہ سجاد مجھے اوورٹیک کرنے والا ہے۔"

وہ قائل ہونے کے انداز میں سر ہلانے لگی۔ پھر سر جھکا کر کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

نفاست نے پوچھا۔ "تم کہاں پہنچ گئیں؟"

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر گہری سنجیدگی سے کہا۔ "آپ میری بیٹی کے معاملے میں سدرہ پر زیادہ بھروسہ کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہے کہ وہ ہمارا ساتھ دے رہی ہے لیکن ساتھ دینے کی جو باتیں ہم سے منوا رہی ہے وہ مجھے منظور نہیں ہیں۔"

نفاست نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "تم اپنی بات منوانے کے لئے سدرہ کے پاس گئی تھیں۔ اس وقت تم نے اس کی باتیں مان لی تھیں اور اب کہہ رہی ہو' منظور نہیں ہے؟"

وہ پہلو بدلتے ہوئے بولی۔ "وہ .... وہ تو میں نے لیڈی ڈاکٹر کی مصیبت ٹالنے کے لئے اس کی باتیں مان لی تھیں۔ اب اس سے صاف کہہ دوں گی کہ ہم سے یہ نہیں ہو گا۔"

نفاست ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر تیز لہجے میں بولا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی

ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ وہ جو چاہتی ہے' نہیں ہو گا۔"

وہ غصے سے گرجا۔ "ہو گا' وہی ہو ہے گا جو سدرہ چاہتی ہے۔ ذرا عقل سے سوچو' وہ ہمارے فائدے کی باتیں کر رہی ہے۔ یہ وعدہ کر رہی ہے کہ بچہ فراز کو دے دیا جائے گا تو وہ زیبی کو طلاق دے دے گا۔ ابا جان کو خبر بھی نہیں ہو گی۔ سارے معاملات رازداری سے ختم ہو جائیں گے۔"

کبریٰ نے ناگواری سے منہ بنا کر نفاست کو دیکھا۔ اس نے ثمینہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ فراز کے بچے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ زیبی ماں بننے کے بعد بچہ فراز کے حوالے کر کے اس سے طلاق لے لے گی اور ثمینہ نے انہیں یہ یقین دلایا تھا کہ وہ فراز کو راضی کر لے گی مگر اس کے بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے۔

یہ سب معاملات لیڈی ڈاکٹر کے آنے سے پہلے ہی طے ہو گئے تھے۔ اب کبریٰ انکار کر رہی تھی۔ مگر نفاست زبان سے پھرنا نہیں چاہتا تھا۔

☆======☆======☆

ثمینہ' سجاد کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ وہ کوٹھی سے نکل کر ارمانہ اور فراز کے پاس پہنچی۔ وہاں حسرت بھی موجود تھا۔ جو معاملات ثمینہ نے کبریٰ' نفاست اور زیبی کے ساتھ طے کیا تھا اس کے بارے میں فراز کو آگاہ کرنا تھا۔

ارمانہ' فراز اور حسرت بھی کچھ خفا خفا سے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ فراز شکایتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سر جھکا کر بولی۔ "آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اپنے ابو کے لئے کچھ بھی کر گزروں گی۔ دادا جان کی نظروں میں ان کا بہت اونچا مقام تھا۔ میں انہیں پھر اسی مقام پر پہنچانا چاہتی ہوں۔"

حسرت نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہارے جذبے کی قدر کرتے ہیں۔ مگر جو غلطیاں کرتے ہیں' انہیں سزا تو ملنی چاہئے۔ یا پھر ڈیڈی کو دل سے یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ انہوں نے بڑے ابو کے خلاف سازشیں کی تھیں۔"

وہ بولی۔ "دادا جان نے وعدہ کیا ہے کہ وہ بند کمرے میں ابو کا محاسبہ کریں گے اور ابو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ پھر کبھی دادا جان کے اعتماد کو دھوکہ نہیں دیں گے۔"

فراز نے مداخلت کی۔ "دھوکہ تو وہ انہیں دے رہے ہیں۔ میری اور زیبی کی شادی سے انکار کر رہے ہیں اور یہ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ میرے ہونے والے بچے کے ساتھ

کیا سلوک کر رہے ہیں؟"

ثمینہ نے فراز سے کہا۔ "تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو گی۔ میں ابھی یہی کہنے آئی ہوں۔"

فراز کا چہرہ ایک دم سے کھل گیا۔ وہ سمجھا شاید زیبی کو عقل آ گئی ہے؟ وہ طلاق لینے سے باز آ گئی ہے مگر یہ اس کی خوش فہمی تھی۔ ثمینہ نے کہا۔ "چچی جان نے مجھ سے وعدہ کیا ہے' وہ تمہارے بچے کو نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ تمہارا بچہ تمہیں ضرور ملے گا۔"

ان تینوں نے شدید حیرت سے اُسے دیکھا۔ حسرت نے بے یقینی سے کہا۔ "تمہاری بات ناقابلِ یقین ہے۔ کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ دادا جان اس بچے کی ولادت برداشت کر لیں گے؟"

ثمینہ نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "دادا جان تو ہم میں سے کسی کو برداشت نہیں کریں گے۔ جب انہیں معلوم ہو گا کہ میں ابو کی دوسری بیٹی ہوں تو کیا وہ مجھے برداشت کر لیں گے؟ کیا فراز کو داماد تسلیم کر لیں گے؟"

سب ہی اسے قائل ہو کر دیکھ رہے تھے۔ پھر اس نے ارمانہ کو دیکھتے ہوئے حسرت سے کہا۔ "آپ ارمانہ کو چاہتے ہیں' کیا وہ اسے بہو تسلیم کر لیں گے؟ انہوں نے پھوپھی جان کو اپنے گھر سے' اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔ وہ میری امی کی وفات کے بعد بھی انہیں بہو تسلیم نہیں کر رہے ہیں اور نہ ہی مجھے پوتی کی حیثیت سے کبھی قبول کریں گے۔ وہ ہم میں سے کسی کو برداشت نہیں کریں گے۔"

ارمانہ نے پریشان ہو کر حسرت کو دیکھا پھر کہا۔ "دادا جان بہت ہی انتہا پسند ہیں۔ ان کے خلاف سب ہی کو بغاوت کرنی چاہئے۔"

ثمینہ نے اس کی تائید میں کہا۔ "ہاں .... بغاوت کی جا سکتی ہے مگر ہمارا ضمیر کہتا ہے کہ دادا جان کو اس بڑھاپے میں صدمہ نہیں پہنچنا چاہئے۔ میرا خیال ہے' وہ اپنے نظریات کے مطابق اپنی زندگی گزارتے رہیں اور ہم اپنے نظریات کے مطابق اپنا مستقبل سنوارتے رہیں۔"

حسرت اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا پھر بولا۔ "ایسا کرنے کے لئے دادا جان سے بہت کچھ چھپایا جا رہا ہے اور آئندہ بھی بہت کچھ چھپانا ہو گا۔"

وہ بولی۔ "ابو بھی دادا جان سے بہت کچھ چھپا رہے ہیں تو یہ ان کی غلطی نہیں ہے۔ مصلحت اندیشی ہے۔"

فراز نے کہا۔ ”اگر میرا ہونے والا بچہ سلامت رہے تو مجھے یہ مصلحت اندیشی منظور ہے۔“

حسرت نے ایک نظر ارمانہ پر ڈالی۔ پھر آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ”مجھے بھی یہ مصلحت اندیشی منظور ہے۔“

ثمینہ نے جھجکتے ہوئے فراز کو دیکھا پھر کہا۔ ”زیبی اس شرط پر ماں بننے کے لئے راضی ہوئی ہے کہ .... تم .... تم بچہ حاصل کرنے کے بعد اسے .... طلاق .... دے دو گے۔“

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر بڑے صدمے سے کہا۔ ”اوہ .... وہ اب تک اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہے۔“

حسرت اور ارمانہ بھی زیبی کی نادانی پر افسوس کر رہے تھے۔ ثمینہ نے فراز سے کہا۔ ”تمہارے پاس نو ماہ کا وقت ہے۔ بچے کی ولادت تک تم اسے اپنی طرف مائل کر سکتے ہو‘ اسے جیت لینے کی کوشش کرو۔“

فراز سوچ میں پڑ گیا۔ ثمینہ صحیح کہہ رہی تھی‘ اس کے پاس نو ماہ کا وقت تھا۔ وہ زیبی کو اپنی طرف مائل کر سکتا تھا مگر وہ بہت ضدی تھی‘ آسانی سے ہار ماننے والی نہیں تھی۔ پھر بھی فراز نے فیصلہ کیا کہ اسے جیت کر ہی رہے گا۔

☆======☆======☆

عبادت علی لیڈی ڈاکٹر کی رپورٹ سے مطمئن ہو گئے تھے اور فخر کر رہے تھے کہ پوتی نے ان کا سر نہیں جھکایا ہے۔ مگر دل میں کوئی پھانس تھی جس کی چبھن کو وہ محسوس کر رہے تھے لیکن سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑے اپنے عکس کو دیکھ رہے تھے اور اندر کی بے چینی کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر زیرِ لب بڑبڑائے۔ ”آئینہ دیکھو تو اپنی عمر دکھائی دیتی ہے۔ تمام عمر کا حساب سامنے آ جاتا ہے کہ کیا پایا‘ کیا کھویا؟ ہم نے جو چاہا وہ حاصل کیا لیکن ایک چیز حاصل نہ کر سکے۔“

پھر وہ ایک ذرا چونک کر بولے۔ جیسے اپنے اندر کی بے چینی کو سمجھ گئے ہوں۔ ”ہاں .... ہم ایک چیز حاصل نہ کر سکے اور وہ ہے .... اعتماد .... نہ بیٹا نہ پوتے‘ نہ پوتی‘ کسی کا بھرپور اعتماد حاصل نہ ہو سکا۔“

وہ ٹہلنے کے انداز میں اِدھر سے اُدھر جاتے ہوئے بڑبڑائے۔ ”ہم سے سب ہی

محبت کرتے ہیں لیکن اس محبت میں تھوڑا جھوٹ ہوتا ہے‘ تھوڑا فریب ہوتا ہے‘ خالص محبت شاید کبھی نہیں ملے گی۔“

وہ ایک گہری سانس لے کر صوفے پر بیٹھ گئے۔ اس کی پشت سے ٹیک لگا کر بڑے صدمے سے سوچنے لگے۔ ”ہم رشتوں اور محبتوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے قیدی ہیں‘ میعادِ قید آخری سانس ہے۔“

انہوں نے ایک سرد آہ بھر کے آنکھیں بند کر لیں۔ نفاست علی بڑی آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آیا۔ وہ آنکھیں بند کئے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا ان کے قریب آیا اور ان کے سامنے فرش پر بیٹھ گیا۔ ان کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

اس نے ان کے گھٹنوں پر اپنے ہاتھ رکھے تو انہوں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ سر جھکا کر بڑے مؤدبانہ انداز میں بولا۔ ”ابا جان! میں آپ کے قدموں میں سزا پانے آیا ہوں۔ مگر سزا پانے سے پہلے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

عبادت علی اسے خاموشی سے اور ذرا ناگواری سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سر جھکا کر بول رہا تھا۔ ”میں نے جو غلطیاں کیں‘ آپ کے فائدے کے لئے کیں۔ اگر میں نقلی سدرہ اور سجاد کو نہ لاتا تو ہمارے ساٹھ کروڑ روپے ڈوب جاتے۔ آپ باہر سے آنے والے سدرہ اور سجاد کو کبھی قبول نہ کرتے۔ اس لئے میں نے آپ سے ان کی اصلیت چھپائی تھی۔“

انہوں نے ایک ذرا ناگواری سے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نفاست سے کہا۔ ”بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھو۔“

”یہی میری جگہ ہے۔“

انہوں نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔ ”یہ ہمارا حکم ہے‘ اٹھو۔“

نفاست نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ان کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”آپ نے ہیڈ آفس میں تمام حسابات چیک کئے ہیں‘ منافع کا گراف بھی دیکھا ہے۔ وہ اوپر ہی اوپر جا رہا ہے۔ یہ میں نے آپ ہی سے سیکھا ہے کہ اہم راز اپنوں سے بھی چھپائے جاتے ہیں۔“

وہ بڑی سنجیدگی سے اور توجہ سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ ایک ذرا توقف کے بعد بولا۔ ”اور یہ اہم راز اس وقت تک چھپائے جاتے ہیں جب تک کہ بات نہ بن جائے اور کام نہ نکل جائے۔ پھر یہ راز اپنوں کو بتایا جاتا ہے۔ ہم باپ بیٹا ہوتے ہوئے بھی ایسا

کرتے رہے۔ اسے ہماری حکمت عملی کہنا چاہئے۔"

انہوں نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔ "تم نے پاس ورڈز کے ذریعہ خفیہ کھاتے کو چھپا رکھا ہے۔"

اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ پھر ذرا سوچ کر کہا۔ "وہ .... میں نے اُسے انکم ٹیکس والوں سے چھپایا ہے' آپ جب چاہیں اسے دیکھ سکتے ہیں۔"

عبادت علی نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اپنے طور پر صفائی پیش کر رہے ہو۔ ہم اس سلسلے میں بحث نہیں کریں گے۔ ہمارے سامنے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "کون سا چیلنج ہے؟"

انہوں نے ذرا پریشانی سے کہا۔ "سجاد .... اس کے اندر غصہ اور جنون ہے۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کو نہیں بھولے گا' ہماری نصیحتوں کے باوجود تم سے عداوت رکھے گا اور یہ عداوت ہمارے لئے نئے نئے مسائل کھڑے کرتی رہے گی۔"

نفاست ان کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ وہ نرم رویہ اختیار کر رہے تھے۔ نفاست مطمئن ہو گیا تھا مگر سجاد کی طرف سے تشویش سر ابھار رہی تھی۔ وہ اپنے باپ سے کی گئی ایک ایک ناانصافی کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور اسے یہ امید تھی کہ عبادت علی اس کا بھرپور ساتھ دیں گے۔ اُس کی اس آس کو عبادت علی اچھی طرح جان چکے تھے اور یہی آس ان کے لئے عذاب بننے والی تھی۔

نفاست نے ذرا سوچنے کے بعد کہا۔ "ابا جان! آپ سجاد کی فکر نہ کریں' میں سدرہ کی طرح اس کا بھی دل جیت لوں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولے۔ "تم اسے جیت کر ہمیں جیت لو گے' آئندہ ہمیں بہت بڑے عذاب سے بچا لو گے۔"

لوہا گرم ہو چکا تھا اور اب اسے اپنے طور پر ڈھالنا مشکل نہ تھا۔ نفاست فوراً ہی مطلب پر آ گیا۔ وہ بولا۔ "اگر آپ میری ایک بات مان جائیں تو میں جلد ہی اس کے دل سے عداوت کم کر دوں گا۔ وہ سدرہ کی طرح مجھے چاہنے لگے گا۔"

وہ خوش تھے' جلدی سے بولے۔ "ایسا ہو جائے تو ہم تمہاری ہر بات مانیں گے۔ بولو' کیا چاہتے ہو؟"

نفاست نے سر گھما کر محتاط نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا پھر ان کی طرف

جھک کر بولنے لگا۔ انہیں اپنے انداز میں ڈھالنے لگا۔

☆======☆======☆

کبریٰ کوریڈور سے گزر کر اپنے بیڈ روم کی طرف جا رہی تھی مگر عالیہ کے کمرے کے دروازے پر آ کر ٹھٹک گئی۔ اندر سے دبی دبی باتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ دروازے کے قریب آ کر کان لگا کر سننے لگی۔ عالیہ دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔ "چھوڑو میرا ہاتھ' یہ کیا حرکت ہے؟"

کبریٰ نے تعجب سے اس کی آواز سنی پھر اسے اسد کی آواز سنائی دی۔ "حرکت میں برکت ہے۔"

عالیہ کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "دیکھو .... کوئی آ جائے گا۔"

اسد بولا۔ "آنے دو' میں ڈنکے کی چوٹ پر کہوں گا کہ ہم پیار کرتے ہیں' کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔"

کبریٰ نے گھور کر دروازے کو دیکھا۔ پھر غصے سے ٹھنٹناتی ہوئی ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر کمرے میں آئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے بیڈ کے سرے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر ایک دم سے چونک گئے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ چھوڑ کر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ عالیہ کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں ابھر آئی تھیں۔ اس نے فوراً ہی اپنا ہاتھ چھڑایا۔ کبریٰ نے انہیں ناگواری سے دیکھ کر پوچھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

اسد نے مسکرا کر شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ "کچھ نہیں .... بس یونہی مَیں اس کے ہاتھ کی لکیریں پڑھ رہا تھا۔"

کبریٰ نے اسے گھور کر دیکھا پھر کہا۔ "تم دن رات اس کے کمرے میں کیوں گھسے رہتے ہو؟"

عالیہ نے پریشان ہو کر اسد کو دیکھا۔ وہ بولا۔ "ممی! دن رات نہیں' دن کو تو میں آفس اٹینڈ کرتا ہوں۔ پھر وقت گزارنے کے لئے عالیہ کے پاس آ جاتا ہوں۔ میں آپ سے یہ کہنے ہی والا تھا کہ مجھے اس کے ساتھ صرف وقت ہی نہیں گزارنا ہے' پوری زندگی گزارنی ہے۔"

کبریٰ نے چونک کر اسے دیکھا۔ عالیہ کی تو جیسے جان ہی نکل گئی تھی۔ اسد نے اچانک ہی یہ دھماکہ کر ڈالا تھا۔ کبریٰ نے ناگواری سے اور غصے سے پوچھا۔ "یہ کیا بکواس ہے؟"

اسد نے مسکرا کر کہا۔ ”آپ شاید سمجھیں نہیں؟ میں عالیہ کو آپ کی بہو بنانا چاہتا ہوں۔“

کبریٰ نے چونک کر اسے دیکھا پھر عالیہ کو دیکھ کر وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے ہی اسد نے کہا۔ ”آپ کہیں گی' بکواس مت کرو۔ میں کہوں گا' شادی سے پہلے سب ہی یہ بکواس کرتے ہیں۔“

کبریٰ اسے گھور رہی تھی۔ وہ بڑی ڈھٹائی سے اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولا۔ ”آپ تو میری بہت اچھی ممی ہیں۔ کیا آپ اپنی بہن کی بیٹی کو اپنی بہو نہیں بنائیں گی؟ ویسے بھی آپ تو اسے جان سے زیادہ چاہتی ہیں۔“

کبریٰ نے عالیہ کو دیکھا۔ وہ سر جھکائے خاموشی سے کھڑی ہوئی تھی۔ ایسے وقت کبریٰ کی نگاہوں میں مرحومہ بہن کا چہرہ گھوم گیا۔ وہ ذرا نرم پڑتے ہوئے بولی۔ ”میرے چاہنے سے کیا ہو گا؟ تمہارے ڈیڈی اور دادا جان کبھی نہیں چاہیں گے۔ ہمارے آگے پیچھے پہلے ہی مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے ہیں۔ تم نئی مصیبت پیدا نہ کرو تو بہتر ہے۔“

اسد منہ بسور کر بولا۔ ”اس گھر میں سب ہی اپنے اپنے طور سے زندگی گزار رہے ہیں۔ مراد بھائی کو اپنی من مانی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ زیبی نے تو آزادی کی حد ہی پار کر دی ہے۔ حسرت بھائی بھی یہی کچھ کرنے والے ہیں۔ اگر بزرگ ہمیں' ہماری مرضی کی زندگی گزارنے دیں گے تو اس گھر کے آدھے مسائل حل ہو جائیں گے۔“

کبریٰ نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ ”ابھی تو میں ایک ہی بات جانتی ہوں کہ حالات تمہارے موافق نہیں ہیں۔ اپنا کوئی مسئلہ فی الحال نہ اٹھاؤ۔ بات بگڑے گی تو میں تمہاری حمایت نہیں کروں گی۔“

وہ شکایتی انداز میں بولا۔ ”بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ آپ سب کا ساتھ دیتی ہیں' میرا نہیں دیں گی؟“

”میں نے کہا نا .... ابھی گھر میں بہت سے مسئلے الجھے ہوئے ہیں۔ ایک سے جان چھٹتی نہیں کہ دوسرا مسئلہ سر پر آن کھڑا ہوتا ہے۔ اتنی الجھنوں میں تمہاری کون سنے گا؟ میں تو ابھی زیبی کے معاملے میں پھنسی ہوئی ہوں' مجھ سے کوئی امید نہ رکھنا۔“

وہ اتنا کہہ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ عالیہ اور اسد مایوسی سے اُسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ وہ کوریڈور سے گزر رہی تھی اور زیرِ لب بڑبڑا رہی تھی۔ ”جوان بچوں کو آزادی سے ملنے دو تو یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ اب یہ دونوں نیا گل کھلانے والے ہیں۔ خدا نہ

کرے' کوئی نیا ہنگامہ کھڑا ہو۔“

وہ زیبی کے بیڈ روم کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ زیبی کی آواز سن کر چونک گئی۔ ادھ کھلے دروازے سے وہ تو دکھائی نہیں دے رہی تھی لیکن آواز صاف طور سے سنائی دے رہی تھی۔ وہ فون پر کہہ رہی تھی۔ ”تمہیں پتہ ہے' میرے لئے ایک لمبا پروگرام بنایا جا رہا ہے۔ کم از کم آٹھ یا دس مہینے تک میں ملک سے باہر رہوں گی۔“

کبریٰ نے چونک کر اس کی آواز سنی۔ وہ بول رہی تھی۔ ”یہ ٹور میرے لئے باعثِ رحمت بھی ہے اور باعثِ زحمت بھی .... ہاں ہاں .... یہ نہ پوچھو کہ زحمت کیا ہے؟ میری کوشش ہو گی کہ ایسی زحمت نہ اٹھاؤں۔“

کبریٰ اس کی باتیں سن کر آگ بگولہ ہو گئی۔ وہ گھر کی بدنامی کو ہوا دے رہی تھی۔ کسی کو فون پر گھریلو حالات اور مسائل بتا رہی تھی۔ نفاست اور کبریٰ زیبی کو خاموشی سے کہیں بھیجنا چاہتے تھے تاکہ وہ گھر سے دور رہ کر زچگی سے فارغ ہو جائے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو مگر وہ فون پر سارا بھید کھول رہی تھی۔

کبریٰ غصے سے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئی۔ زیبی نے چونک کر اسے دیکھا پھر فون پر کہا۔ ”اچھا روبی! میں پھر کسی وقت فون کروں گی۔“

وہ ریسیور رکھ کر ناگواری سے بولی۔ ”ممی! آپ سے کتنی بار کہا ہے' آنے سے پہلے دستک دیا کریں۔“

وہ جل کر بولی۔ ”جہنم میں گئی دستک .... پہلے یہ بتاؤ کہ آٹھ دس مہینے کے لئے تم باہر جاؤ گی' یہ بات کسی سہیلی کو کیوں بتا رہی تھیں؟ کیا ہمارا نام روشن کرنا چاہتی ہو؟“

وہ ناگواری سے بولی۔ ”میں نادان نہیں ہوں۔ آپ فکر نہ کریں' کوئی بدنامی نہیں ہو گی۔ میں تو ایک ہی ماہ میں یورپ امریکہ سے گھوم کر واپس آ جاؤں گی۔“

کبریٰ نے چونک کر پوچھا۔ ”کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے؟ بچے کا کیا ہو گا؟ کیا اسے یہاں آ کر پیدا کرو گی؟“

وہ لاپرواہی سے بولی۔ ”نہیں .... یہاں آ کر کہہ دوں گی' مجھے ایک حادثہ پیش آیا تھا اس لئے.........“

کبریٰ نے تیز لہجے میں کہا۔ ”بکواس نہ کرو۔ تمہاری یہ بات فراز نہیں مانے گا۔ ہنگامہ کھڑا کر دے گا۔ تمہیں طلاق نہیں دے گا۔“

وہ جھنجلا کر بولی۔ ”شٹ .... میں کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں؟“

کبریٰ نے اسے سمجھایا۔ "اگر کوئی نادانی کرو گی تو پھوپھی سعیدہ کی طرح تمہیں بھی یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ پھر اسی کے پاس جانا ہو گا' جس سے تم طلاق مانگ رہی ہو۔"

زیبی نے سوچتی ہوئی نظروں سے ماں کو دیکھا۔ پھر ناگواری سے کہا۔ "یہ بچہ تو میرے لئے مصیبت بن گیا ہے۔ اس عذاب سے چھٹکارہ بھی ممکن نہیں ہے۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ یہ بچہ زیبی کے گلے کی ہڈی بن گیا تھا۔ جسے نہ وہ اگل پا رہی تھی' نہ نگل پا رہی تھی۔

☆=====☆=====☆

حسرت' ارمانہ اور فراز زرینہ خاتون کی کوٹھی میں تھے۔ ثمینہ انہیں کبریٰ اور نفاست سے ہونے والے نئے معاہدے سے آگاہ کرنے آئی تھی۔ فراز کو یہ سن کر صدمہ ہوا تھا کہ زیبی زچگی سے فارغ ہو کر طلاق کا مطالبہ کرے گی اور ثمینہ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ فراز ایسا ہی کرے گا' جیسا وہ لوگ چاہیں گے۔ اسی شرط پر زیبی ماں بن رہی تھی۔ ثمینہ نے فراز کو سمجھایا تھا کہ اس کے پاس نو ماہ کا وقت ہے۔ اس دوران میں وہ زیبی کو اپنی طرف مائل کر لے گا تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔

وہ چاروں کھانے کی میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ ارمانہ نے ایک ڈش فراز کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "فراز! یہ تمہارے حق میں بہتر ہو رہا ہے' زیبی کم از کم نو ماہ تک تم سے طلاق کا مطالبہ نہیں کرے گی۔"

اس نے ارمانہ کی تائید میں سر ہلایا۔ حسرت نے کہا۔ "اس عرصے میں تم اسے سمجھا منا سکتے ہو۔ اُسے رفتہ رفتہ ہم مزاج بنا سکتے ہو۔"

وہ ذرا سوچ کر بولا۔ "مجھے اس کے قریب رہنے کا موقع ملے گا تو میں ضرور اس کا دل جیت لوں گا لیکن میرے حالات ایسے نہیں ہیں کہ میں اس کے پیچھے ملک سے باہر جا سکوں۔"

حسرت نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اس کی تم فکر نہ کرو۔ وہ دنیا کے جس حصے میں جائے گی' ہم تمہیں وہاں پہنچا دیں گے۔"

ثمینہ نے کہا۔ "میں نے ابو سے کہا ہے کہ زیبی کو ملک سے باہر نہ جانے دیں۔ زچگی کے سلسلے میں کچھ مسائل ہو سکتے ہیں۔ ایسے وقت اُسے اپنوں کے قریب اسی شہر میں رہنا چاہئے۔"

فراز نے احسان مندی سے ثمینہ کو دیکھا۔ وہ محبت کی ماری ہر ایک کے لئے راستے ہموار کر رہی تھی۔ فراز کو سجاد کا خیال آیا تو اس نے ثمینہ سے پوچھا۔ "کیا اس معاملے میں سجاد بھائی کو رازدار نہیں بنایا جائے گا؟"

سجاد کا ذکر آتے ہی ثمینہ نے گہری سنجیدگی سے فراز کو دیکھا پھر کوئی جواب دیئے بغیر سر جھکا لیا۔ اس کا جھکا ہوا سر دیکھ کر حسرت سمجھ گیا کہ سجاد کو رازدار نہیں بنایا جا رہا ہے۔

اس نے فراز سے کہا۔ "سجاد بھائی کے اندر ڈیڈی کے لئے انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے۔ وہ ان کی کمزوریاں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے' اس معاملے میں انہیں رازدار بنانا مناسب نہیں رہے گا۔"

ثمینہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "ایک طرف ابو ہیں اور دوسری طرف بھائی جان .... میں دونوں کو دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہوں۔ دونوں کے لئے اپنی جان دے سکتی ہوں۔"

سب اسے محبت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ بڑی افسردگی سے بول رہی تھی۔ اس نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہاں آ کر بھائی جان سے جھوٹ بولنا پڑے گا۔ میں نے ایک بار زیبی بن کر انہیں دھوکا دیا۔ آئندہ بھی زیبی بن کر یہاں رہنا ہے۔ دادا جان سے یہی کہا جائے گا کہ میں یعنی سدرہ عالیہ اور اسد کے ساتھ سیر و تفریح کے لئے یا کسی بھی غرض سے کچھ عرصے کے لئے ملک سے باہر جا رہی ہے۔ جبکہ میں یہیں رہوں گی۔ میری جگہ زیبی جائے گی اور میں زیبی بن کر دادا جان اور بھائی جان کے سامنے رہوں گی۔ وہ مجھے ایک جہنم سے نکال کر یہاں لائے ہیں اور میں ایسے فرشتے کو دھوکا دیتی رہوں گی۔"

وہ سر جھکا کر رونے لگی۔ ارمانہ اپنے آنچل سے اس کے آنسو پونچھنے لگی۔ اُسے تسلیاں دینے لگی۔ فراز بڑی محبت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ حسرت بھی سر جھکا کر نہ جانے کیا سوچ رہا تھا' شاید یہی کہ زیبی کاش ثمینہ کی ہمشکل ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی ہم مزاج بھی ہوتی۔

ارمانہ نے ثمینہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تم اپنے بھائی جان سے دشمنی نہیں کر رہی ہو۔ تم چاہتی ہو' تمہارے ابو اور بھائی جان کے بیچ دشمنی نہ رہے۔ تمہارے ارادے نیک ہیں۔ تمہیں رونا نہیں چاہئے۔"

حسرت نے کہا۔ "ہم بھی سجاد بھائی کو سمجھائیں گے۔ ڈیڈی ان کے بھی بزرگ ہیں۔ وہ کسی حد تک سزا پا چکے ہیں۔ تمہاری طرح سجاد بھائی کو بھی ان کی بزرگی کا احترام کرنا چاہئے۔"

فراز بڑی اپنائیت سے اور خاموشی سے ثمینہ کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ "تم کون

ہو .... کہاں سے آئی ہو .... اتنا ڈھیر سارا پیار تمہارے دل میں کہاں سے سما گیا ہے؟ تم بھی تو زیبی جیسی ہو' کیا اس کے دل میں اتنی محبتیں ہیں؟ تم کون ہو؟"

یہی سوچتے سوچتے وہ خیالی پرواز کے ذریعے زیبی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ پھولوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر ناگواری سے منہ پھیر لیا۔

فراز نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "آخر تم کب تک ناراض رہو گی؟"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسری طرف منہ پھیر کر خاموشی سے بیٹھی رہی۔ وہ افسردگی سے بولا۔ "تم جو کہہ رہی ہو' جو کر رہی ہو' اسے درست سمجھ رہی ہو۔ کیونکہ غلطی کرتے وقت وہ غلطی سمجھ میں نہیں آتی۔"

پھر وہ زبردستی اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ "میں تمہیں ناراض نہیں رہنے دوں گا۔ تمہیں منا لوں گا۔"

اس نے ہاتھ بڑھا کر پھولوں میں سے ایک سرخ گلاب توڑا پھر اسے زیبی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آج ویلنٹائن ڈے ہے' میں نے سنا ہے اور دیکھا بھی ہے کہ گلاب پیش کیا جائے تو روٹھی ہوئی محبوبہ مان جاتی ہے۔"

زیبی نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ پھر گلاب کو دیکھ کر بے اختیار مسکرانے لگی۔ فراز کو جیسے نئی زندگی مل گئی۔ اس نے زیبی کا ایک ہاتھ تھام رکھا تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے وہ گلاب قبول کر لیا۔ اس کے ہاتھ پر فراز کی گرفت مزید سخت ہو گئی۔ وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے خراماں خراماں چلتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

نگاہوں کے سامنے صرف کھلے ہوئے پھول رہ گئے۔ ایسے ہی وقت فراز کے کانوں میں ایک نوزائیدہ بچے کے رونے کی آواز ابھری۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ زیبی ایک ننھے منے سے بچے کو سینے سے لگائے اس کے قریب آئی۔ فراز تعجب سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس بچے کو فراز کی طرف بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "تم نے مجھے پھول پیش کیا تھا۔"

وہ خوش ہو کر بچے کو چومنے لگا۔ زیبی نے کہا۔ "یہ ہماری تمہاری محبت کا پھول ہے۔ پہلے میں ایک نادان عورت تھی۔ اب ماں بن کر ایک خوبصورت تحفہ پیش کر رہی ہوں۔"

فراز نے سر اٹھا کر زیبی کو دیکھا۔ اس کے دیکھنے کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔ زیبی نے گھبرا کر پوچھا۔ "ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

وہ اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔ "مغرور عورت! تُو مجھ سے طلاق لینا چاہتی تھی۔ مجھے اسی دن کا انتظار تھا۔"

وہ گھبرا کر بولی۔ "ہاں .... میں ایسا چاہتی تھی مگر اب نہیں، مجھے طلاق نہیں چاہئے۔ میں تمہارے ساتھ اور اپنے بچے کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ خدا کے لئے، طلاق کا نام نہ لو۔"

وہ کسی دشمن کی طرح قہقہہ لگا کر بولا۔ "مجھے میرا بچہ مل گیا ہے۔ اب میں تجھے طلاق دے دوں گا۔"

وہ اس کا بازو تھام کر روتے ہوئے بولی۔ "پلیز فراز! مجھے معاف کر دو۔ میں نادان تھی، جو طلاق کا تقاضہ کر رہی تھی۔ پلیز .... مجھے خود سے جدا نہ کرو۔ میں تمہارے اور بچے کے بغیر مر جاؤں گی۔"

وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔ "تمہیں طلاق چاہئے تھی، میں دے رہا ہوں۔"

اس نے گھبرا کر کہا۔ "نہیں .... نہیں فراز! نہیں........"

وہ بولا۔ "میں نے تمہیں طلاق دی........"

وہ چلائی۔ "نہیں........"

"میں نے تمہیں طلاق دی........"

وہ روتے ہوئے اس کا بازو تھام کر اسے جھنجھوڑنے لگی۔ "نہیں فراز! نہیں........"

وہ جیسے ایک دم سے چونک گیا۔ ثمینہ اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "نہیں .... میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔ مجھ سے بھول ہو گئی۔ پلیز........ آنسو نہ بہاؤ۔ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔"

ارمانہ اور حسرت پریشان ہو کر اسے دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ بھی گھبرائی ہوئی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اس سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہتی تھی مگر گرفت بہت مضبوط تھی۔ لاکھ کوشش کے باوجود وہ ناکام ہو رہی تھی۔

فراز کو اردگرد کی کچھ خبر نہ تھی۔ وہ اپنی ہی دھن میں بولتا جا رہا تھا۔ "میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔ زیبی! میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔"

حسرت اور ارمانہ نے زیبی کے نام پر مسکرا کر فراز کو دیکھا۔ پھر حسرت نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "جناب! یہ زیبی نہیں، ثمینہ ہے۔"

اس نے ایک دم سے چونک کر حسرت کو دیکھا، پھر خالی خالی نظروں سے ثمینہ کو دیکھنے لگا۔ وہ کچھ گم صم سا تھا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ ثمینہ نے آہستگی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فراز نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

ثمینہ بڑی محبت سے اسے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ ایک یہ ہے جو خیالوں میں بھی زیبی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ پایا۔ اُسے طلاق نہیں دینا چاہتا اور ایک زیبی ہے جو ایسے محبت کرنے والے شخص کو دھتکار رہی ہے، اس سے تعلق توڑ لینا چاہتی ہے۔

نفاست علی نے کبریٰ سے کہہ دیا تھا کہ زیبی کو ملک سے باہر نہیں بھیجا جائے گا۔ بلکہ اسی شہر میں کہیں چھپا کر رکھا جائے گا تاکہ ڈلیوری کے وقت وہ اپنوں سے قریب رہے۔

یہی بات کبریٰ نے زیبی سے کہی تو وہ غصے سے ٹھنٹھنا کر بولی۔ "او نو ممی! میں اسی شہر میں نو ماہ تک چھپ کر نہیں رہوں گی۔"

وہ ڈائننگ ہال میں رات کا کھانا کھا رہی تھیں۔ عالیہ اور اسد بھی وہاں موجود تھے۔ کبریٰ نے کہا۔ "یہ تمہارے ڈیڈی کا حکم ہے، اس میں تمہاری ہی بھلائی ہے۔ ہم چھپ کر تمہارے پاس آتے رہیں گے، تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔"

عالیہ نے کہا۔ "میں اس کے ساتھ رہا کروں گی۔"

اسد نے کہا۔ "دادا جان سے کہا جائے گا کہ میں اور عالیہ سدرہ کے ساتھ لاہور جا رہے ہیں۔ جبکہ سدرہ یہاں زیبی بن کر رہے گی اور تم سدرہ بن کر ہمارے ساتھ جاؤ گی۔"

کبریٰ لاہور کا سن کر سوچ میں پڑ گئی۔ اسد نے پوچھا۔ "آپ کہاں گم ہو گئیں؟"

وہ چونک کر بولی۔ "آں .... میرا خیال ہے، زیبی کو لاہور بھیجنا ہی مناسب ہو گا۔ یہاں سجاد ہماری ٹوہ میں لگا رہتا ہے۔ اس سے محتاط رہنا ہی بہتر ہے۔ میں تمہارے ڈیڈی سے بات کروں گی۔"

زیبی ناگواری سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ بولی۔ "ممی! پلیز .... میں لندن، پیرس اور سوئٹزرلینڈ جانے کا پروگرام بنا چکی ہوں۔"

کبریٰ نے گھور کر اسے دیکھا پھر ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ''خاموش رہو' یہاں ہماری عزت پر بنی ہے اور تمہیں سیر و تفریح کی سوجھ رہی ہے۔ تمہیں ذرا سا بھی احساس ہے کہ تمہارے ڈیڈی سر جھکا کر رہتے ہیں؟ تمہارا سامنا نہیں کرتے۔''

زیبی نے سر جھکا لیا۔ ماں ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس وقت بھی باپ سب کے ساتھ ڈائننگ ہال میں کھانا کھانے کے بجائے اپنے بیڈ روم میں تھا۔ وہیں کھا رہا تھا۔ عبادت علی عشائیے میں گئے ہوئے تھے ورنہ وہ مجبوراً یہاں آ کر کھانا کھاتے۔

کبریٰ نے کہا۔ ''وہ تمہیں دور سے دیکھ کر ہی کترا جاتے ہیں۔ تم سے منہ چھپانے لگتے ہیں۔ تمہیں تو اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلنا چاہئے۔''

زیبی کو اپنی بے عزتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ایک نظر عالیہ اور اسد پر ڈالی پھر چمچ اور فورک کو پلیٹ میں پٹخ کر کرسی سے اٹھ گئی۔ عالیہ نے کہا۔ ''کہاں جا رہی ہو؟ کھانا تو کھالو۔''

وہ بولی۔ ''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

پھر اس نے کبریٰ سے کہا۔ ''جب ڈیڈی مجھ سے کترا رہے ہیں تو مجھے اپنی نظروں سے دور کسی دوسرے ملک جانے سے کیوں روک رہے ہیں؟ جب میں نظروں کے سامنے رہنے کے قابل نہیں ہوں تو مجھے اس ملک سے ہی نکال دیں۔ نہ ان کے قریب رہوں گی اور نہ وہ سر جھکا کر رہیں گے۔''

کبریٰ نے ناگواری سے اسے گھورا پھر کہا۔ ''فضول باتیں نہ کرو۔ تم نے جو کیا ہے' اُسے بھگتنا ہو گا۔ مگر تمہاری غلطی کی زیادہ سزا تمہارے ڈیڈی پا رہے ہیں۔ انہوں نے کہہ دیا ہے کہ تم اس ملک سے باہر نہیں جاؤ گی تو بحث نہ کرو۔ ہو گا وہی جو وہ چاہیں گے۔ تمہارے کھانا چھوڑ دینے سے یا غصہ دکھانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ سمجھیں!''

وہ غصے سے پلٹ کر پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ کبریٰ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ نفاست بھی کھانے سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر بولا۔ ''کیا بات ہے' کچھ غصے میں دکھائی دے رہی ہو؟''

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی جیولری اتار رہی تھی۔ ناگواری سے بولی۔ ''زیبی کو تو اپنی غلطی کا ایک ذرا احساس نہیں ہے۔''

زیبی کا ذکر سنتے ہی نفاست کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرنے لگے۔ اس نے پوچھا۔ ''کیوں' اب کیا ہو گیا ہے؟''

اس نے پلٹ کر کہا۔ ''وہ سیر سپاٹے کے لئے ملک سے باہر جانا چاہتی ہے۔ ضد کر رہی تھی تو میں نے سختی سے کہہ دیا کہ آپ اُسے کہیں دور جانے نہیں دیں گے۔''

نفاست نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''آج یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ بیٹیوں کو زیادہ سر پر نہیں چڑھانا چاہئے۔''

کبریٰ بولی۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہماری بیٹی آزاد خیال ہے مگر کردار کی غلط نہیں ہے۔ اس نے اتنی آزادی ملنے کے باوجود خود کو بہکنے نہیں دیا ہے۔ اس لئے فراز کے ساتھ بھٹکنے کے بجائے شادی کی ہے۔ آج جس بچے کو چھپایا جا رہا ہے۔ وہ جائز بچہ ہے' ناجائز نہیں ہے۔ اسے صرف آپ کے ابا جان کی وجہ سے چھپایا جا رہا ہے۔ کیونکہ زیبی نے ایک غریب شخص سے نکاح کیا ہے اور یہ بات ابا جان کبھی نہیں سمجھیں گے کہ غریب شخص بھی انسان ہوتا ہے۔ میری بیٹی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ محبت کے بعد شادی کی ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ وہ غریب ہے اور اب زیبی اس سے تنگ آ کر طلاق لینا چاہتی ہے۔''

''لیکن پھر بھی .... زیبی کی تربیت میں کمی ہے۔ وہ سوچ سمجھ کر قدم نہیں اٹھاتی۔ سدرہ کو دیکھ رہی ہو؟ بھائی جان اور بھابی نے اسے کتنی اچھی تربیت دی ہے؟ آج وہ ہمارے لئے مسیحا بنی ہوئی ہے۔''

کبریٰ نے سوچتی ہوئی نظروں سے نفاست کو دیکھا۔ وہ ہر وقت سدرہ کے ہی گن گاتا رہتا تھا اور ہر معاملے میں اس کی سنتا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولی۔ ''میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپ سدرہ پر کچھ زیادہ ہی بھروسہ کر رہے ہیں۔ مجھے تو ڈر سا لگ رہا ہے۔''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''کیوں .... تمہیں ڈر کیوں لگ رہا ہے؟''

وہ تشویش بھرے لہجے میں بولی۔ ''ہماری بیٹی یہاں سے سدرہ بن کر جائے گی اور سدرہ یہاں ہماری بیٹی بن کر رہے گی' ابا جان اور سجاد اسے زیبی سمجھتے رہیں گے۔ مگر آپ دوسرے پہلو پر غور نہیں کر رہے ہیں' آپ ہمارے نقصان کو نہیں سمجھ رہے ہیں۔''

نفاست اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

''وہ بیٹی بن کر ہمارے بہت قریب آ جائے گی۔ ہمارے اہم راز معلوم کرتی رہے گی۔''

نفاست نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''ہوں .... پھر وہ تمام راز ابا جان تک پہنچا دے

گی۔"

وہ اس کا طنز نہ سمجھتے ہوئے بولی۔ "ہاں .... یہی میں سمجھانا چاہتی ہوں۔"

"ہوں .... پھر ابا جان ہمیں گھر سے نکال دیں گے۔"

"ہاں .... یہی اس کی چال ہے۔"

نفاست نے تیز لہجے میں اُسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "تمہاری الٹی کھوپڑی میں یہ عقل کی بات نہیں آتی کہ اس نے میرے لئے اس گھر کے دروازے کھلوائے ہیں' اس نے ہماری بیٹی کو ابا جان کی نظروں سے گرنے نہیں دیا' فراز ہماری بیٹی کا پیچھا نہیں چھوڑنا چاہتا' صرف سدرہ ہی اس سے پیچھا چھڑوا سکتی ہے اور تمہاری الٹی کھوپڑی اسے دشمن سمجھ رہی ہے۔"

کبریٰ ہاتھ نچا کر بولی۔ "وہ نہ سہی' اس کا بھائی تو ہے' وہ اپنی بہن کو بہلا پھسلا کر ہماری کمزوریاں معلوم کر سکتا ہے۔"

نفاست نے ذرا سوچتے ہوئے سجاد کا نام لیا۔ "سجاد.........."

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ کبریٰ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹہلنے کے دوران میں بولا۔ "میں نے ابا جان سے وعدہ کیا ہے کہ مجھے سدرہ کی طرح اس لڑکے کا بھی دل جیتنا ہے۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا .... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ سجاد کو اپنی طرف جھکانے کی بات کر رہے ہیں۔"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولا۔ "جانی دشمن بھی جھک جاتے ہیں' جھکانے والی ذہانت چاہئے۔ کل صبح میں اپنی ذہانت آزماؤں گا' میرا خیال ہے اسے جھکنا ہی پڑے گا۔"

کبریٰ حیرت سے منہ پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ بولی۔ "آپ ایسا کیا کرنے والے ہیں؟"

وہ بولا۔ "یہ تمہیں وقت آنے پر ہی معلوم ہو گا۔"

"سسپنس پیدا نہ کریں۔ پلیز' بتائیں ناں!"

وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گیا اور اسے اپنی نئی منصوبہ بندی کے بارے میں بتانے لگا جس میں اسے کامیابی کی امید تھی۔

☆======☆======☆

سنا ہے "محبت اندھی ہوتی ہے" لیکن فہمی اور سجاد کے معاملے میں اگر اس کہاوت

کو یوں بدل دیا جائے کہ "محبت گونگی ہوتی ہے" تو مناسب ہو گا۔ کیونکہ فہمی تو اپنے جذبات کا اظہار کر ہی نہیں سکتی تھی اور اگر سجاد اپنے جذبات کا اظہار کرتا تو وہ سمجھ نہ پاتی۔ یوں یہ گونگی محبت خاموشی سے اپنی منزلیں طے کر رہی تھی۔

کبھی کبھی سجاد کو افسوس ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ کہتا ہے' ان باتوں کو سمجھانے کا فن نہیں جانتا۔ جب وہ بولتا ہے تو وہ نادان خالی خالی نظروں سے اس کے چہرے کو تکتی رہتی ہے۔ جب وہ ہنستا ہے تو وہ بنا سوچے سمجھے اس کی تقلید میں ہنسنے لگتی ہے۔ مگر ایک بات جو سجاد کا حوصلہ بڑھا رہی تھی وہ تھی فہمی کی آنکھوں سے جھلکتی ہوئی محبت .... اسے دیکھتے ہی فہمی کے اندر کی لڑکی جاگ اٹھتی تھی۔ وہ دنیا کو نہیں جانتی تھی مگر اسے شرمانا آتا تھا۔ اُس کی گونگی ادائیں سجاد کو بہت کچھ سمجھا رہی تھیں۔

سجاد کے ساتھ ساتھ مراد بھی بہت کچھ سمجھ رہا تھا۔ وہ ان دونوں کی ٹوہ میں رہتا تھا۔ آج بھی یہی کر رہا تھا۔ فہمی کے کمرے کی کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکا ہوا تھا۔ اس نے کچھ دیر پہلے سجاد کو اس کے کمرے میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اسی وقت سے فکرمند تھا۔ اس نے باغیچے میں کھلنے والی کھڑکی سے اندر جھانکا تو جل بھن کر رہ گیا۔

وہ دونوں بیڈ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ فہمی کا بایاں ہاتھ سجاد کے ہاتھ میں تھا اور وہ شاید ہاتھ کی لکیریں پڑھ رہا تھا۔ یہ منظر مراد کو سخت ناگوار گزرا۔ کچھ دیر بعد فہمی نے اٹھ کر الماری سے ایک ٹیپ ریکارڈر نکالا اور اسے سجاد کو دکھانے لگی۔ مراد انہیں اس طرح کھلتے ملتے دیکھ کر حسد میں مبتلا ہو رہا تھا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر' وہاں سے پلٹ کر باغیچے میں آ گیا اور اپنا موبائل فون نکال کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ ایسے وقت وہ محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر بھی دیکھ رہا تھا۔

رابطہ ہونے پر آواز بدل کر بولا۔ "ہیلو بڑے میاں!"

دوسری طرف عبادت علی نے چونک کر اپنے ریسیور کو دیکھا پھر اسے کان سے لگا کر بولے۔ "کون ہو تم؟"

وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔ "یہ مت پوچھو کہ میں کون ہوں' یہ معلوم کرو کہ تمہارے گھر میں کیا ہو رہا ہے؟"

انہوں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا ہو رہا ہے' تم کون ہو؟ اور کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں جو کہہ رہا ہوں اسے سنو اور فوراً اپنی گونگی نواسی کے کمرے میں جا کر دیکھو' تمہارا ایک پوتا اس کی عزت سے کھیل رہا ہے۔"

وہ غصے سے لرزتے ہوئے اٹھ کر کھڑے ہو گئے پھر گرج کر بولے۔ "کون ہو تم اور یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ بتاتے کیوں نہیں ہو؟"

دوسری طرف مراد نے قہقہہ لگاتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔ وہ ریسیور پر "ہیلو ہیلو........" کرتے رہ گئے۔ انہوں نے سی ایل آئی پر نمبر پڑھا پھر اسے ری ڈائل کر کے رابطے کا انتظار کرنے لگے۔ رابطہ ہوا مگر کسی نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔ وہ زیرِ لب بڑبڑائے۔ "نہ جانے یہ کون تھا اور کیا بکواس کر رہا تھا؟ ہمیں فہمی کے کمرے میں جانا چاہئے۔"

وہ ریسیور پٹخ کر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آئے۔ ببن کچن سے نکل کر لاؤنج کی طرف جا رہا تھا۔ انہوں نے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔ "ببن' فہمی کہاں ہے؟"

وہ بولا۔ "اپنے کمرے میں ہوں گی' میں تو ابھی کچن سے آ رہا ہوں۔"

وہ پلٹ کر تیزی سے چلتے ہوئے فہمی کے کمرے کے پاس آئے۔ پھر دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئے تو چونک گئے۔ فہمی بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی اور سجاد اس پر جھکا ہوا تھا۔ عبادت علی کی طرف اس کی پشت تھی۔ صورت حال کچھ ایسی تھی کہ عبادت علی غصے سے لرز کر گرجے۔ "سجاد!"

اس نے چونک کر پلٹ کر دیکھا۔ وہ اسے گھورتے ہوئے بولے۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے بیڈ کے قریب آئے تو فہمی کو دیکھ کر ایک دم سے نرم پڑ گئے۔ چہرے کا تناؤ ختم ہو گیا۔ ماتھے پر ابھرنے والی غصے کی شکنیں دور ہو گئیں۔

فہمی گہری نیند میں تھی۔ اس کے سینے پر ایک چھوٹا ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے مسکرا کر کچھ سوچا پھر پلٹ کر سجاد کو دیکھا۔ وہ کچھ حیران سا تھا' بولا۔ "دادا جان! آج میں نے عجیب سی بات دیکھی ہے۔ یہ سن نہیں سکتی مگر اپنے ابو کی لوری سن کر سو جاتی ہے' ابھی یہ کیسٹ ختم ہوئی ہے۔"

عبادت علی نے بڑی شفقت سے فہمی کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر کیسٹ ریکارڈر کو اٹھا کر سجاد سے کہا۔ "یہ دنیا کی کوئی آواز نہیں سنتی' صرف باپ کی آواز سنتی ہے۔"

سجاد نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ پھر وہ ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "وہ........ دادا جان! میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں بولو........"

وہ فہمی کو دیکھ کر بولا۔ "وہ........ دادا جان! یہ........ تنہا تنہا سی رہتی ہے۔ میں........ میں اس کی تنہائی کا ساتھ بننا چاہتا ہوں۔"

انہوں نے ایک دم سے خوش ہو کر اسے دیکھا پھر اس کے دونوں بازوؤں کو تھام کر کہا۔ "خوش رہو بیٹے! تم نے تو ہمارے دل کی بات کہہ دی ہے اور ہمارا دل کہہ رہا ہے کہ فہمی تمہاری ہی شریکِ حیات بن کر رہ سکتی ہے۔"

عبادت علی نے خوش ہو کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ مراد کھڑکی سے کمرے کا اندرونی منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کا منصوبہ تھا کہ وہ سجاد کو رنگے ہاتھوں پکڑوائے گا۔ بالکل اسی طرح جیسے فلموں کے ولن' ہیرو ہیروئن سے دشمنی کرتے ہیں اور دنیا والوں کے سامنے انہیں ہر طرح سے ذلیل و خوار کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں لیکن یہاں تو ہیروئن ہی سو چکی تھی۔ بازی پلٹ گئی تھی۔ جنہیں ہیرو کی گردن پکڑنے کے لئے بھیجا تھا وہ اس کے گلے لگ گئے تھے' غصہ خوشی میں بدل چکا تھا۔

مراد کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ پچاس کروڑ ہاتھوں سے نکل رہے تھے۔ وہ غصے سے تلملاتا ہوا اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ صبح اس سے بھی زیادہ ناقابلِ برداشت بات سامنے آنے والی ہے۔ وہ بات صرف عبادت علی اور نفاست ہی جانتے تھے۔ نفاست نے کبریٰ کو رازدار بنایا تھا مگر اسے تاکید کر دی تھی کہ وہ یہ راز صرف اپنی ذات تک ہی محدود رکھے۔ مراد کو بھی نہ بتائے اور کبریٰ نے ایسا ہی کیا تھا۔

☆======☆======☆

صبح ہو چکی تھی' عبادت علی نے ببن کے ذریعہ گھر کے تمام افراد کو ڈرائنگ روم میں اکٹھے ہونے کا پیغام دیا تھا۔ اسد' مراد اور حسرت تینوں ہی سوچ رہے تھے کہ دادا جان نے یہاں اکٹھے ہونے کو کیوں کہا ہے؟

کبریٰ اور نفاست جانتے تھے مگر یہ ظاہر کر رہے تھے' جیسے انہیں کچھ علم نہیں ہے۔ کبریٰ نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھ کر بیزاری سے کہا۔ "ابا جان نے پتہ نہیں کیوں بلایا ہے؟ میری تو بائیں آنکھ پھڑک رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے' وہ آپ کے خلاف کوئی فیصلہ سنانے والے ہیں۔"

مراد نے اس کے کمرے کی طرف دیکھ کر ناگواری سے کہا۔ "سدرہ اور سجاد ان کے کمرے میں گھسے ہوئے ہیں' میں جانتا ہوں' وہاں کیا باتیں ہو رہی ہوں گی۔"

نفاست نے چونک کر اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "تم کیا جانتے ہو؟"

اس نے کبریٰ اور نفاست کو دیکھ کر کہا۔ "دادا جان ابھی یہاں آ کر فہمی اور سجاد کی شادی کا اعلان کریں گے۔"

حسرت نے اس کی بات سن کر ہنستے ہوئے کہا۔ "پچاس کروڑ روپے آپ کو بری طرح چبھ رہے ہیں۔ آپ انہیں اپنے دماغ سے نکال نہیں پا رہے ہیں۔"

مراد نے گھور کر حسرت کو دیکھا۔ نفاست نے مراد سے کہا۔ "ابا جان نے ہیڈ آفس میں تمہاری انٹری بند کر دی ہے۔ تمہیں اس کی فکر نہیں ہے۔ تم نے فہمی کو ایک پرابلم بنا لیا ہے۔"

مراد نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا مگر پھر خاموش ہو گیا۔ عبادت علی' سدرہ اور سجاد کے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف آ رہے تھے۔ عبادت علی کے ہاتھ میں ایک بڑا سا لفافہ تھا۔ انہوں نے ایک صوفے پر بیٹھ کر نفاست سے کہا۔ "ہم تم سے سخت ناراض تھے۔ شاید ہم تمہیں کبھی معاف نہ کرتے۔"

انہوں نے سر گھما کر ثمینہ کو دیکھا پھر نفاست سے کہا۔ "لیکن ہم فیصلہ بدل رہے ہیں۔ یہ دانشمندی نہیں ہو گی کہ رشتے ٹوٹ جائیں اور بکھر جائیں' ہم تمہیں بھی سمجھا رہے ہیں اور سجاد کو بھی کہ آپس کی نفرتیں ختم نہیں ہوں گی تو یہ گھر کبھی شاد و آباد نہیں ہو گا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولے۔ "ہم اپنی زندگی کی آخری سانسیں پوری کر رہے ہیں' ہماری آخری خواہش ہے کہ تم سب ماضی کی تلخیاں بھلا دو۔ آپس میں سمجھوتہ کرو' پیار محبت سے رہو' ہماری آنکھیں بند ہونے سے پہلے اس گھر سے تمام نفرتیں مٹا دو۔"

عبادت علی نے ہاتھ میں تھامے ہوئے لفافے کو نفاست کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "یہ پاور آف اٹارنی ہے۔ ہمارے تمام کاروبار کو سنبھالنے کا مختار نامہ ہے۔ اس پر ہم نے دستخط کر دیئے ہیں۔"

مراد حسرت اور اسد نے چونک کر انہیں دیکھا۔ مختار نامہ جس کے نام کیا گیا تھا عبادت علی نے اس کا نام نہیں بتایا تھا۔ وہ بے چینی سے انتظار کر رہے تھے کہ وہ نام بتائیں۔ وہ بولے۔ "ہم نے اس مختارنامے پر ابھی اس کا نام نہیں لکھا ہے جسے یہ تمام اختیارات دیئے جائیں گے۔"

ان تینوں کی بے چینی مزید بڑھ گئی۔ وہ ذرا توقف کے بعد بولے۔ "ہمارے سامنے تین نام ہیں۔ نفاست .... مراد .... سجاد .... ان تینوں میں سے کسی ایک کا نام

یہاں لکھا جائے گا۔ ان تینوں میں سے کسی ایک کو تمام کاروباری اختیارات دیئے جائیں گے۔"

عبادت علی نے اس لفافے کو سینٹر ٹیبل پر رکھ کر کہا۔ "کاروباری معاملات میں یہاں نفاست سے زیادہ تجربہ کار کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا تمام اختیارات نفاست کو ملنے چاہئیں۔"

مراد نے خوش ہو کر کبریٰ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی خوش ہو کر نفاست کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر عبادت علی کے قریب آ کر بولا۔ "ابا جان! ضروری نہیں کہ یہ مختارنامہ میرے نام ہو' میں اپنے تجربات سے اپنے بچوں کو بہت کچھ سکھانا چاہتا ہوں۔ میں آپ کی اجازت سے اس پر ایک بیٹے کا نام لکھ رہا ہوں۔"

اس نے سینٹر ٹیبل سے لفافہ اٹھایا۔ پھر وہ ایک صوفے پر بیٹھ کر اس میں سے ایک کاغذ نکال کر نام لکھنے لگا۔ سب ہی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے سر اٹھا کر ایک ایک کے چہرے کو دیکھا پھر کہا۔ "آج میں اپنے ایک جرم کا اعتراف کرتا ہوں' میں نے بھائی جان کے خلاف سازشیں کی تھیں اور آج میں ان کی تلافی کر رہا ہوں۔ تمام کاروباری اختیارات سجاد کو سونپ رہا ہوں۔"

کبریٰ اور عبادت علی کے علاوہ سب ہی نے چونک کر بے یقینی سے اُسے دیکھا۔ نفاست اپنی جگہ سے اٹھ کر دھیرے دھیرے چلتا ہوا سجاد کے قریب آیا اور اس کاغذ کو سجاد کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولا۔ "اس پر تمہارا نام لکھا ہے۔"

سجاد حیرانی اور بے یقینی سے کبھی نفاست کو اور کبھی اس کاغذ کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔ "آ .... آپ .... یہ تمام کاروباری اختیارات مجھے دے رہے ہیں!"

وہ بولا۔ "ابا جان نے یہ تمام اختیارات مجھے دیئے ہیں۔ میں اپنی خوشی سے یہ اختیارات تمہیں دے رہا ہوں۔"

ثمینہ بڑی محبت سے نفاست کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دلوں کی دوریوں اور عداوتوں کو مٹا رہا تھا اور بہت بڑی قربانی دے رہا تھا۔ سجاد نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ "مگر آپ یہ احسان کیوں کر رہے ہیں؟"

ثمینہ نے شکایتی نظروں سے سجاد کو دیکھا۔ نفاست نے سر جھکا کر ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "ہم انسان ہیں' ہمیں آج نہیں تو کل اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا ہے۔ مجھے بھی ہو رہا ہے اور میں اپنی غلطیوں کی تلافی کر رہا ہوں۔ تم اس کے حقدار ہو' میں نے

تمہارا حق تمہیں دیا ہے' کوئی احسان نہیں کیا ہے۔"

مراد غصے سے باپ کو گھور رہا تھا۔ سجاد نے انکار کرنے کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "مگر مجھے یہ.........."

ثمینہ نے ایک دم سے مداخلت کی۔ "بھائی جان!"

اس نے چونک کر ثمینہ کو دیکھا۔ اس نے اس کے قریب آ کر اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "آپ میرے بہت اچھے بھائی جان ہیں۔ جب محبت سے بات بن رہی ہو تو نفرت کو بھول جانا چاہئے۔"

حسرت نے سجاد کے قریب آ کر کہا۔ "ہم نے آپ کے ابو کو نہیں دیکھا مگر دادا جان سے سنا ہے۔ وہ بہت صلح پسند تھے۔ اپنوں کی غلطیاں معاف کر دیا کرتے تھے۔ آپ ان کے بیٹے ہیں۔ کیا آپ ان کی روایات کو قائم نہیں رکھیں گے؟"

سجاد نے سوچتی ہوئی نظروں سے ان تینوں کو دیکھا۔ عبادت علی نے اس سے کہا۔ "بیٹے! تم غصے میں انتقامی کارروائیاں کر سکتے ہو' جبراً اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہو۔ اس طرح تمہیں حقوق تو مل جائیں گے مگر محبتیں نہیں ملیں گی۔"

سجاد نے انہیں ذرا قائل ہونے کے انداز میں دیکھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آئے۔ مراد شدید غصے سے ان سب کو گھور رہا تھا۔ عبادت علی نے سجاد کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم لہو کے رشتوں کو دشمن بھی بنا سکتے ہو اور دوست بھی۔ مگر یاد رکھو' جو کام حکمتِ عملی سے نکلتا ہے' وہ حکومت سے نہیں نکل سکتا۔ جب بھی دور تک پھیلنا چاہو تو دھواں بن کر نہیں' خوشبو بن کر پھیلو۔"

یہ کہہ کر انہوں نے سجاد کو نفاست کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ اس نے ایک نظر ثمینہ پر ڈالی۔ پھر دونوں بازو پھیلا کر نفاست کی طرف بڑھ گیا۔ سب ہی خوش تھے ایک سوائے مراد کے۔ نفاست نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

مراد غصے سے تلملا کر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کبریٰ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بولنے سے روک دیا۔ اس نے شکایت بھری نظروں سے ماں کو دیکھا۔ اس نے نظروں ہی نظروں میں اسے سمجھایا کہ وہ نہ بولے' وہ خود ہی عبادت علی سے بات کرے گی۔

پھر وہ عبادت علی کی طرف متوجہ ہو کر مسکرا کر بولی۔ "آج کا دن بہت مبارک ہے' ہم اسی طرح گلے مل کر نفرتیں ختم کر سکتے ہیں۔ جس طرح سجاد کے ساتھ انصاف کیا گیا ہے' اسی طرح مراد کے ساتھ انصاف ہو گا تو محبتیں بڑھیں گی۔"

عبادت علی نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہوں......... مراد پہلے کی طرح کاروبار سنبھالتا رہے گا۔ اس کی حیثیت کم نہیں ہو گی۔"

مراد سے چپ نہ رہا گیا وہ تلملا کر بولا۔ "میری حیثیت تو گر چکی ہے' میں کیا ہوں؟ آپ کے پاؤں کی جوتی؟"

کبریٰ اور نفاست اسے خاموش کرانے لگے۔ وہ اب چپ رہنے والا نہیں تھا۔ اس نے کبریٰ کے ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے عبادت علی سے کہا۔ "دادا جان! اب میں چپ نہیں رہوں گا۔ سجاد کے آتے ہی آپ مجھے پرانی جوتی کی طرح اتار کر پھینک رہے ہیں۔"

نفاست نے کہا۔ "مراد! دماغ ٹھنڈا رکھو۔ ابا جان تم سے ناانصافی نہیں کریں گے۔"

اس نے غرا کر باپ کو دیکھا۔ عبادت علی بولے۔ "ہمیں غلط نہ سمجھو' ہم سرپرست ہیں۔ سایہ دار درخت ہیں' درخت دھوپ میں کھڑا رہتا ہے' مگر چھاؤں دیتا ہے۔ اسے پتھر مارو تو پھل دیتا ہے۔ اچھی عادتیں درخت سے سیکھو۔"

مراد نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ "یعنی ہم پھل کھانے کے لئے پتھر ماریں؟"

وہ بولے۔ "ضرور مارو......... لیکن درخت کو سمجھ کر مارو۔ بعض درخت زہریلے پھل بھی دیتے ہیں۔"

مراد نے ناگواری سے کہا۔ "میں برسوں سے کاروبار سنبھال رہا ہوں۔ مجھے تو زہریلا پھل ہی مل رہا ہے۔ لگتا ہے' پتھر مارنے سے ہی میٹھا پھل ملے گا۔"

یہ کہہ کر وہ غصے سے سجاد کو گھورتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ عبادت علی بڑے دکھ سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ نفاست نے سجاد کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اختلافات ہوتے رہتے ہیں۔ میں اسے سمجھا لوں گا۔ وہ دل کا برا نہیں ہے۔"

نفاست نے کبریٰ کو اشارہ کیا کہ وہ مراد کے پاس جائے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر مراد کے کمرے میں آ گئی۔ وہ غصے سے بھرا ہوا اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔

کبریٰ کو دیکھتے ہی بپھر کر بولا۔ "میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ دادا جان اب وہ نہیں رہے' سجاد کے آتے ہی بدل گئے ہیں۔ وہ تمام اختیارات سجاد کے حوالے کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ہماری حیثیت گر چکی ہے۔ وہ ہمیں سجاد کا محتاج بنا کر رہیں گے۔"

وہ دروازہ بند کر کے اس کے قریب آ کر بولی۔ "بات سمجھا کرو۔ سجاد کو تمام اختیارات دادا جان نے نہیں تمہارے ڈیڈی نے دیئے ہیں۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "یہی تو میری بدنصیبی ہے' پہلے سدرہ نے ڈیڈی کو ٹریپ کیا' اب پتہ

نہیں سجاد نے انہیں کیا گھول کر پلا دیا ہے؟ میں کبھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ وہ میرے حقوق اسے دے دیں گے۔ کیا آپ اس بات پر حیران نہیں ہیں؟"

کبریٰ نے چور نظروں سے اسے دیکھا پھر ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "وہ .... ہاں .... پہلے تو میں حیران ہوئی تھی لیکن پھر سمجھ گئی' تمہارے ڈیڈی کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کرتے۔"

وہ ذرا سوچنے کے بعد بولا۔ "یہ سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ انہوں نے مختارنامے پر سجاد کا نام لکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے ہیں۔ اب ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔"

"میں تم سے زیادہ تمہارے ڈیڈی کو سمجھتی ہوں۔ انہوں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ وہ کہیں گرتے بھی ہیں، تو کچھ اٹھانے کے لئے گرتے ہیں۔ کسی کو ایک دیتے ہیں تو اس سے دس وصول کرتے ہیں۔ انہیں آنے دو۔ وہ خود بتائیں گے کہ ان کی اصل پلاننگ کیا ہے؟"

مراد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کوئی پلاننگ وغیرہ نہیں ہے' وہ ہتھیار ڈال چکے ہیں۔ میں نے ان سے کہا تھا' وہ فہمی کے پچاس کروڑ پر ہاتھ صاف کر رہا ہے۔ انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی اور آج تو حد ہی کر دی .... پورا کاروبار ایک دشمن کے حوالے کر دیا۔"

کبریٰ نے کہا۔ "پہلے یہ تو معلوم کر لو کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ وہ تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ ابھی وہ ابا جان اور سجاد کے ساتھ بزنس کے اہم معاملات پر گفتگو کر رہے ہیں۔ انہیں فارغ ہونے دو' پھر بات کریں گے اور اپنے غصے پر قابو پانے کی عادت ڈالو۔ ہر بات پر انگاروں پر مت لوٹا کرو۔"

"یہ بات معمولی نہیں ہے' بہت اہم ہے اور دل کو جلا دینے والی ہے کہ کاروبار کے اختیارات ایک دشمن کے حوالے کر دیئے گئے ہیں اور میں جو اتنے عرصے سے اس کاروبار کو سنبھالتا رہا' مجھے کیا ملا؟"

"تمہارے دادا جان نے اور تمہارے ڈیڈی نے یقین دلایا تو ہے کہ تمہارے ساتھ ناانصافی نہیں ہو گی۔ پھر کیوں خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو؟"

اس نے عجیب سی نظروں سے کبریٰ کو دیکھا تو وہ نظریں چرانے لگی۔ وہ جھنجلا کر بولا۔ "پتہ نہیں' اس گھر میں کون سی نئی گیم کھیلی جا رہی ہے؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا مگر جلد ہی بہت کچھ سمجھ جاؤں گا۔"

وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ کبریٰ پریشان ہو کر اس

کے بارے میں سوچنے لگی۔

نفاست ہر صورت میں سجاد کو اپنا گرویدہ بنا لینا چاہتا تھا۔ اس کے لئے ایک اور چال چلنی ضروری تھی۔ وہ اپنے کمرے میں اس نئی چال پر غور و فکر کر رہا تھا۔ سجاد اور ثمینہ' عبادت علی کے کمرے میں تھے۔ وہ ان کے سامنے ایک صوفے پر سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔

وہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولے۔ "بیٹے! بزرگوں سے بھی غلطیاں ہوتی ہیں' ان کا بڑا پن یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لیتے ہیں اور ان کی تلافی کرتے ہیں۔"

وہ قائل ہونے کے انداز میں سر ہلا رہا تھا۔ وہ بول رہے تھے۔ "یہ تمہارا بھی بڑا پن ہو گا کہ تم گزری ہوئی تمام باتوں کو بھول جاؤ گے۔ اپنے چچا جان سے محبت کرو گے اور انہیں باپ کی جگہ سمجھو گے۔"

ثمینہ ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بولا۔ "میں آپ کو خوش رکھنے کے لئے ان کی پچھلی باتوں اور زیادتیوں کو بھول رہا ہوں' ان پر بھروسہ کر رہا ہوں مگر........."

وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ عبادت علی اور ثمینہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ "مگر مجھے ان پر مکمل اعتماد اتنی جلدی نہیں ہو گا۔ میرے لئے ان کی شخصیت رفتہ رفتہ معتبر بنے گی۔"

وہ اس کی تائید میں بولے۔ "بے شک .... اعتماد رفتہ رفتہ ہی قائم ہوتا ہے۔"

ثمینہ خوش ہو کر سجاد کے بازو سے لپٹ کر بولی۔ "بھائی جان! میرا دل کہتا ہے' آپ دل سے اعتماد کریں گے تو چچا جان آپ کو ابو ہی ابو دکھائی دیں گے۔"

عبادت علی نے ثمینہ کو بڑی محبت سے دیکھ کر کہا۔ "یہ تو ہم دیکھ رہے ہیں۔ ہماری پوتی نے نفاست کے اندر اپنے ابو کو پا لیا ہے۔ اس نے ثابت کیا ہے کہ اپنے مخالفین کو محبت سے جیتا جا سکتا ہے۔"

وہ بولی۔ "محبت میں کسی سے کچھ لینے کی توقع نہ کی جائے بلکہ اپنا سب کچھ دینے کا جذبہ رکھا جائے تو جیت ہی جیت ملتی ہے۔ میں نے چچا جان سے کچھ پانے کی توقع نہیں کی' یہاں آتے ہی انہیں بھرپور محبتیں دیں اور میرا دل کہتا ہے' میں نے انہیں جیت لیا ہے۔"

عبادت علی بڑی شفقت سے اپنی پوتی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اتنی

خوشیاں بانٹنے والی ایک پیار رشتے سے اس خاندان میں داخل ہوئی ہے اور ان کے لئے ناقابل قبول ہے۔

وہ تینوں باتیں کر رہے تھے۔ ایسے ہی وقت نفاست علی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک رجسٹر اور ایک فائل تھامی ہوئی تھی۔ عبادت علی نے اسے دیکھ کر کہا۔ "آؤ بیٹے! ابھی تمہارا ہی ذکر ہو رہا ہے۔"

وہ چلتا ہوا آ کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔ عبادت علی نے رجسٹر اور فائل کو دیکھ کر اس سے پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

وہ بولا۔ "یہ رجسٹر میں نے آپ سے اور مراد سے بھی چھپا کر رکھا تھا۔ اس میں ہماری تمام جائیداد کا اور اوورسیز کے تمام بینکوں کا صحیح اور مکمل حساب درج ہے۔ اب مجھ پر بھی یہ الزام نہیں آئے گا کہ میں نے آپ کے اعتماد کو دھوکا دیا ہے۔"

وہ تینوں ہی بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ نفاست سجاد کا دل جیتنے کے لئے یہ سارے جتن کر رہا تھا مگر یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ وہ یہ سب کچھ کر کے دلی سکون حاصل کر رہا ہے اور اندر سے خود کو مطمئن سا محسوس کر رہا ہے۔ اس نے وہ رجسٹر عبادت علی کی طرف بڑھا دیا۔

وہ اسے ایک طرف رکھتے ہوئے بولے۔ "اسے ہم بعد میں دیکھیں گے۔ تم نے سجاد کو کاروباری اختیارات دے کر ہمیں جیت لیا ہے۔ ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ تم آئندہ بھی ہمارا اعتماد قائم رکھو گے۔"

اسے دوبارہ سے صاف مرتبہ مل رہا تھا۔ اس سے زیادہ اس بات کی ثمینہ کو خوشی تھی۔ وہ جو چاہتی تھی وہی ہو رہا تھا۔ نفاست اپنی جگہ سے اٹھ کر سجاد کے برابر بیٹھ گیا۔ پھر فائل کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "تم یہ فائل پڑھو۔ ایک نئی لوکل پارٹی سے ہماری ڈیلنگ ہونے والی ہے۔ اسے پڑھ کر تم کئی سوالات کرو گے اور میں جوابات دوں گا۔ اس طرح تمہیں معلوم ہو گا کہ کاروبار میں نیا لین دین کیسے ہوتا ہے؟"

سجاد نے وہ فائل لے کر اسے کھولتے ہوئے کہا۔ "آپ نے میرے کاندھوں پر بہت بوجھ ڈال دیا ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں یہ بوجھ اٹھا سکوں گا؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "ہاں .... مجھے امید ہے' یوں بھی میں رہنمائی کے لئے ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔ جس فیلڈ میں تم قدم رکھ رہے ہو' وہاں مسائل کو نمٹانے کے لئے حاضر دماغی بہت ضروری ہوتی ہے۔ اس کے لئے دو خصوصیات لازمی ہیں۔ ایک تو تم

میں ضبط نفس ہونا ضروری ہے اور دوسرا یہ کہ تمہیں نئے چیلنج کا سامنا کرتے وقت گھبرانا یا کترانا نہیں چاہئے۔"

عبادت علی اور ثمینہ ان دونوں کو خوش ہو کر دیکھ رہے تھے۔ اس وقت اس خوشی میں مزید اضافہ ہو گیا جب سجاد نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے نفاست کی طرف بڑھایا۔ ثمینہ کو اتنی خوشیاں مل رہی تھیں کہ وہ نہال ہو رہی تھی۔ سجاد نے نفاست کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کے معیار پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔"

نفاست نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے' تم میری اور اپنے دادا جان کی تمام توقعات پر پورے اترو گے۔"

عبادت علی ان دونوں کی اپنائیت اور محبت دیکھ کر نہال ہو رہے تھے۔ دل خوشی سے دھڑک رہا تھا اور آنکھیں خوشی سے چھلک گئی تھیں۔ دشمنیاں اور کدورتیں' محبتوں اور قربتوں میں بدل رہی تھیں۔ کوٹھی کا ماحول یکسر بدل گیا تھا۔

☆======☆======☆

عالیہ اور اسد کو کبریٰ نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ فی الحال اپنا مسئلہ نہ اٹھائیں' اگر اٹھائیں گے تو وہ ان کا ساتھ نہیں دے گی۔ یہ سن کر وہ دونوں پریشان ہو گئے تھے۔ اسد عالیہ کے ساتھ ایک اوپن ریسٹورنٹ میں بیٹھا ہوا تھا۔ کوٹھی میں امن قائم ہو چکا تھا۔

عالیہ ذرا پریشانی سے بولی۔ "اسد! خالہ امی ہمارا ساتھ نہیں دیں گی تو ہماری دال نہیں گلے گی۔"

وہ اس کی تائید میں بولا۔ "ہاں تم ٹھیک کہتی ہو مگر اس پہلو سے بھی سوچو کہ وہ بچپن سے تمہیں جان سے زیادہ عزیز رکھتی آئی ہیں۔ بالکل اپنی اولاد کی طرح سمجھتی ہیں۔ میرا خیال ہے' وہ تمہیں اپنی بہو ضرور بنائیں گی اور اس سلسلے میں دادا جان سے ضرور بات کریں گی۔"

"اور وہ راضی نہیں ہوں گے۔"

اسد سوچ میں پڑ گیا۔ عالیہ کے چہرے پر مایوسی اور افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ وہ اس کا موڈ بدلنے کے لئے بولا۔ "ممی کو کوشش تو کرنے دو۔ ابھی سے مایوس ہو رہی ہو۔"

"مجھے جھوٹی تسلیاں نہ دو۔ کوئی ایک مثال ایسی بتاؤ کہ دادا جان نے کوئی رشتہ خاندان سے باہر جوڑا ہو۔ میرے ڈیڈی شیخ تھے' ایک معمولی بزنس مین تھے اور دادا جان یہ ہسٹری جانتے ہیں۔ وہ تمہارے لئے کروڑ پتی' ارب پتی خاندان سے لڑکی لائیں گے اور

تمہیں سر جھکا کر کہنا ہو گا.......... قبول ہے۔"

وہ بے خیالی میں بولا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو۔"

وہ چونک کر بولی۔ "کیا.......... تم دوسری کو قبول کرو گے؟"

وہ ایک دم سے چونک کر بولا۔ "آں.......... نہیں.......... میرا یہ مطلب نہیں ہے۔"

وہ اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ وہ بولا۔ "میں کہہ رہا تھا کہ تمہاری یہ بات ٹھیک ہے کہ دادا جان مجھے کیش کریں گے، کاروباری شادی سے کروڑوں کا منافع حاصل کریں گے۔"

اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "اور تم کیش ہونے کا انتظار کر رہے ہو؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ گھر میں ابھی کچھ مسائل رہ گئے جن کے سامنے ہمارے مسئلے کو اہمیت نہیں دی جائے گی۔ نقار خانے میں ہماری آواز کسی کو سنائی نہیں دے گی۔"

عالیہ نے بڑے صدمے سے پوچھا۔ "کیا ہم اتنے غیر اہم ہیں؟ کوئی ہماری نہیں سنے گا، ہم کیا ہیں؟ کیا ہم اپنی حیثیت نہیں منوا سکتے؟"

وہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولا۔ "اپنی اہمیت منوانے کی ایک ہی صورت ہے، ہم کورٹ میرج کر لیں۔"

عالیہ نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ ایسے ہی وقت انہیں تالیوں کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے سر گھما کر دیکھا تو ارمانہ اور فراز کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ فراز ان کے قریب آتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ "یہی ہوتا آیا ہے۔ بزرگ جب ہماری بات نہیں مانتے تو ان سے منوانے کا یہی ایک راستہ رہ جاتا ہے۔"

وہ دونوں ان کے برابر والی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ارمانہ نے کہا۔ "فلموں میں بھی یہی ہوتا ہے۔ ہیرو ہیروئن گھر سے بھاگ کر شادی کر لیتے ہیں۔ پہلے تو ماں باپ ناراض رہتے ہیں مگر بیٹا پھر بیٹا ہوتا ہے، آخر اس کے ساتھ بہو کو بھی گلے لگا لیتے ہیں۔"

وہ چاروں ہنسنے لگے۔ اسد نے ان دونوں سے پوچھا۔ "اچھا تو آپ ہمارا مذاق اڑانے آئے ہیں؟"

عالیہ نے پوچھا۔ "آپ دونوں اچانک یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

فراز کندھے اچکا کر بولا۔ "اتفاقات ہیں۔ زمانے کے۔"

ارمانہ نے کہا۔ "تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ ابھی ہم تم دونوں کا ہی ذکر کرتے آ

رہے تھے۔"

اسد نے پوچھا۔ "ہمارا ذکر کس سلسلے میں ہو رہا تھا؟"

ارمانہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ہم سب کا ایک ہی مسئلہ ہے کہ بزرگوں سے اپنی محبت کیسے منوائیں؟"

فراز نے کہا۔ "حسرت بھائی الجھے ہوئے ہیں۔ اس گھر میں ارمانہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہی عالیہ کے ساتھ ہونے والا ہے۔ تم سب شادی کے خواب دیکھ رہے ہو۔ میری شادی تو ہو چکی ہے، وہ مجھے داماد کی حیثیت سے قبول نہیں کر رہے ہیں۔ جبکہ فلموں میں قبول کر لیا جاتا ہے۔ یہ سبق حاصل کرو کہ اصل زندگی، قصے کہانیوں سے مختلف ہوتی ہے۔"

ارمانہ نے مایوسی سے کہا۔ "شادی کے بعد جو تمہارے ساتھ ہو رہا ہے، وہی میرے ساتھ ہو گا۔"

عالیہ نے بھی افسردگی سے کہا۔ "اور یہی میرے ساتھ ہو گا۔"

اسد نے فراز سے کہا۔ "انجام جو بھی ہو، ہم تمہاری طرح چھپ کر شادی کریں گے۔"

فراز نے پوچھا۔ "پکی بات؟"

"ہاں.......... پکی بات.......... حالات ہمیں بھی مجبور کر رہے ہیں۔"

پھر وہ عالیہ کا ہاتھ تھام کر ارمانہ اور فراز سے بولا۔ "مجھے امید ہے، تم سب ہمارا ساتھ دو گے۔"

ارمانہ نے ان دونوں کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ہاں ضرور۔"

پھر فراز نے ان تینوں کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں نے جب اپنے لئے یہ نیکی کی ہے تو تمہارے لئے بھی ضرور کروں گا۔"

بزرگ اگر بچوں کی ضرورتوں کو اور ان کی سوچ کو سمجھ لیں اور حکمت عملی سے کام لیں تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ بچے بغاوت سے باز آ جاتے ہیں۔ مگر بزرگوں کو یہ عقل تب آتی ہے جب بچے باغی ہو چکے ہوتے ہیں۔

☆======☆======☆

حسرت مراد کا آفس سنبھال رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ آفس میں موجود تھا اور ریسیور کان سے لگائے کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے، مراد بھائی کو آفس سے

ہٹایا نہیں گیا ہے۔ وہ چھٹی پر گئے تھے' آج کسی وقت ان کے آنے کی توقع ہے۔"

ایسے ہی وقت ارمانہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو وہ اسے دیکھ کر بے اختیار بولا۔ "تھا جس کا انتظار .... وہ شاہکار آ گیا۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "جی .... کیا فرمایا؟"

وہ فون پر بولا۔ "آپ سے نہیں فرمایا۔ میں پھر کسی وقت کال بیک کروں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھی گئی تھی۔ وہ بولا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا' تم یہاں چلی آؤ گی۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "ہاں .... میں نے سدرہ بن کر دادا جان سے فراڈ کیا ہے اور تمہارے ڈیڈی کا بھی سامنا کرنے کے لئے مجھے یہاں نہیں آنا چاہئے مگر کیا کروں' تم صبح سے غائب ہو' ایک فون کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "ابھی تو آدھا ہی دن گزرا ہے۔ تم ایسے کہہ رہی ہو' جیسے میں کئی دنوں سے غائب ہوں۔ محترمہ! میں نے آدھے گھنٹے پہلے کئی بار تمہارا نمبر ڈائل کیا تھا مگر کوئی اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ تم دونوں کہاں تھے؟"

"ہم ذرا آؤٹنگ کے لئے نکلے تھے۔ فراز تو واپس چلے گئے اور میں تمہاری خیریت معلوم کرنے یہاں چلی آئی۔"

وہ بڑی گہری پیار بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک دم سے شرما گئی۔ پھر بات بدلتے ہوئے بولی۔ "اچھا .... یہ بتاؤ' اگر دادا جان نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو کیا ہو گا؟"

وہ اس کی ادا سمجھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "ہمارے بزرگ کا مزاج بدل رہا ہے' ماحول بدل رہا ہے۔ دادا جان نے ڈیڈی کو معاف کر دیا ہے اور ڈیڈی نے سجاد بھائی کو گلے لگا لیا ہے۔ ہمارے یہ بزرگ تمہیں اور فراز کو نظرانداز کر چکے ہیں۔"

ارمانہ یہ سن کر سوچ میں پڑ گئی۔ حسرت نے پوچھا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "حسرت! کیا وہ ہماری محبت کو نظرانداز کریں گے؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "ہائے .... یہ بڑا ظالم سوال ہے۔ ان کی طرف سے تو ہمیشہ انکار میں ہی جواب ملے گا۔"

"وہ کورٹ میرج کے لئے ہم سے تعاون چاہتے ہیں۔"

حسرت نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کسی دن ہمیں بھی ان کے تعاون کی ضرورت پڑے

گی۔"

اس نے پوچھا۔ "کسی دن کیوں؟ جس دن ان کی میرج ہو گی' اسی دن ہماری بھی میرج ہو سکتی ہے۔"

وہ قائل ہو کر بولا۔ "ہوں .... گھر کے معاملات درست ہو رہے ہیں۔ اب میرا اور اسد کا مسئلہ رہ گیا ہے۔ میں اپنا مسئلہ دادا جان کے سامنے اٹھاؤں گا۔ ہمارا فرض ہے کہ پہلے بزرگوں کی رضامندی حاصل کریں۔"

ارمانہ نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ بزرگوں سے بات کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مسئلہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔

وہ بولا۔ "میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بعد میں ہم یہ تو کہہ سکیں کہ انہوں نے ہماری بے جا مخالفت کی تھی۔"

وہ قائل ہونے کے انداز میں سر ہلانے لگی۔ پھر مسکرا کر بولی۔ "اس کا مطلب ہے' تمہارا گھر پھر سے میدانِ جنگ بننے والا ہے۔"

ایسے ہی وقت مراد دروازہ کھول کر اندر آیا۔ حسرت اور ارمانہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ ارمانہ کو حقارت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا حسرت کے قریب آ کر ناگواری سے بولا۔ "یہ میرا آفس ہے' یہ میری کرسی ہے' تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟"

حسرت کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ کے لہجے میں اتنی گرمی ہے' جیسے جہنم سے چلے آ رہے ہیں۔"

اس نے گھور کر حسرت کو دیکھا۔ وہ میز کے دوسری طرف جا کر بولا۔ "میں نے دادا جان سے صبح کہہ دیا تھا کہ آپ کی کرسی واپس کر دوں گا۔ اس لئے جا رہا ہوں' ورنہ کرسی کون چھوڑتا ہے؟"

پھر اس نے ارمانہ سے کہا۔ "کم آن ارمانہ! مراد بھائی ہمیں ریلیف دے رہے ہیں۔"

وہ ارمانہ کا ہاتھ تھام کر آفس روم سے نکلتا چلا گیا۔ مراد انہیں گھور کر جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ اینگری ینگ مین بن چکا تھا۔ ہر ایک سے تلخ کلامی کر رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے گھر کے تمام افراد اس کے دشمن ہیں اور اسے ہر معاملے میں نظرانداز کر رہے ہیں۔ ان کا یہ رویہ اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ سجاد نے آ کر اس کا سکون برباد کر دیا تھا۔ مراد کے دل میں اس کے لئے حسد کی آگ بھڑک رہی تھی اور یہ آگ نہ جانے کس

کس کو جلانے والی تھی؟

☆======☆======☆

کبریٰ نے زیبی کو سختی سے کہہ دیا تھا کہ وہ ملک سے باہر نہیں جائے گی بلکہ اسی شہر میں کہیں چھپ کر رہے گی یا زیادہ سے زیادہ اسے عالیہ اور اسد کے ساتھ لاہور بھیج دیا جائے گا جبکہ وہ بضد تھی کہ ملک سے باہر رہ کر زچگی کے دن گزارے گی اور پھر اس سے فارغ ہو کر ہی پاکستان واپس آئے گی۔ نفاست نے ثمینہ کے کہنے پر کبریٰ کو سمجھا دیا تھا کہ ایسے وقت بہت سی مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔ اس لئے اسے اپنوں سے قریب رہنا چاہئے۔ مگر زیبی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی۔ وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔

اس نے ایک بار پھر ماں سے کہا۔ "اگر آپ ڈیڈی کو راضی نہیں کر سکتیں تو میں خود ان سے بات کروں گی۔ وہ میری بات رد نہیں کریں گے۔"

کبریٰ نے کہا۔ "یہ مت بھولو کہ تم نے اپنی حرکتوں سے اپنی حیثیت اور اہمیت کھو دی ہے۔ اب تم لاڈ پیار دکھا کر اپنے ڈیڈی سے کوئی ضد نہیں منوا سکو گی۔"

"ڈیڈی سے ایک بار سامنا ہو جائے تو میں انہیں منا لوں گی۔"

"بھول جاؤ کہ وہ تمہاری بات ماننے والے ڈیڈی ہیں۔"

"ایسی بات نہیں ہے' وہ وقتی طور پر ناراض ہیں' مان جائیں گے۔ بیٹی کی محبت سے کتنے روز تک منہ پھیریں گے؟"

وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "ارے .... اپنی یہ خوش فہمی دور کر لو۔ اب تو ان پر سدرہ کا جادو چل رہا ہے۔ وہ تمہیں ملک سے باہر جانے کی اجازت کبھی نہیں دیں گے۔"

زیبی الجھی ہوئی نظروں سے کبریٰ کو دیکھنے لگی۔ یوں لگ رہا تھا' جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو مگر کہہ نہ پا رہی ہو۔ کبریٰ نے اسے گہری نظروں سے گھورا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر' اس قریب ہو کر بڑی رازداری سے بولی۔ "کیا تم اس بچے سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہو؟ ماں نہیں بننا چاہتیں؟"

اس نے چونک کر ماں کو دیکھا۔ پھر نظریں جھکا کر بولی۔ "نہیں ممی' ایسی بات نہیں ہے۔ وہ .... میں.........."

کبریٰ تیز لہجے میں اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "یہی بات ہے تم پھر کوئی الٹی سیدھی حرکت کرنے والی ہو۔"

"آپ یقین کریں' میں فراز کی وجہ سے یہ ملک چھوڑنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں .... وہ تمہارا کیا بگاڑ رہا ہے؟"

وہ جھنجلا کر بولی۔ "میں اس ملک میں کہیں بھی رہوں گی وہ میرے پیچھے آئے گا۔ میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔"

وہ سچ بولنے سے ہچکچا رہی تھی' یہ جانتی تھی کہ وہ سامنے آئے گا تو یہ پگھل جائے گی۔ جس محبت کو زبردستی سلا رہی ہے' وہ دوبارہ سے بیدار ہو جائے گی۔

کبریٰ نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔ "جب اتنی ہی نفرت تھی تو شادی کیوں کی تھی؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "بات نفرت کی نہیں ہے' وہ.........."

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ ماں نے پوچھا۔ "پھر.......... پھر کیا بات ہے؟"

وہ اس سے نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "بس .... میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔"

وہ بولی۔ "تعجب ہے' نفرت بھی نہیں ہے اور اس سے بیزار بھی ہو' بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔"

زیبی اس سے کترا رہی تھی' نظریں چرا رہی تھی۔ دوسری طرف منہ پھیر کر بولی۔ "آپ نہیں سمجھیں گی۔"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ کر بولی۔ "میں نے پیدا کیا ہے اور میں نہیں سمجھوں گی۔ کیا ارادہ بدل رہی ہو؟"

کبریٰ اس کے احساسات کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ خاموش تھی' ماں کو اپنی بات سمجھا نہیں پا رہی تھی۔ کبریٰ اسے خاموش دیکھ کر بولی۔ "دیکھو زیبی! سدرہ سے معاملات طے ہو چکے ہیں۔ وہ فراز کو راضی کر رہی ہے۔ بچہ اسے دیا جائے گا تو وہ تمہیں طلاق دے دے گا۔"

زیبی نے پلٹ کر ماں کو دیکھا۔ ایسے وقت کبریٰ نے اس کی آنکھوں میں ممتا کی تڑپ دیکھی تھی۔ کبریٰ ذرا چونک گئی تھی۔ پریشان ہو گئی تھی کیونکہ زیبی کے ارادے بدل گئے اور اس کی قیاس آرائی درست ثابت ہوئی تو بہت سے مسائل کھڑے ہو جائیں گے۔

وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "تمہاری شادی کو تمہارے ہونے والے بچے کو اور تمہاری ہونے والی طلاق کو ہر حال میں دادا جان سے چھپانا ہے۔"

زیبی نے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا' جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ کبریٰ اس کی کیفیت سمجھ رہی تھی۔ وہ اس کے اندر کی بات باہر نکالنا چاہتی تھی۔ مگر زیبی کترا رہی تھی۔ کبریٰ نے پوچھا۔ "کیا بات ہے تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ پھر مضطرب سی ہو کر اپنے دونوں ہاتھوں کو مسلنے لگی' کچھ کہنے سے جھجکنے لگی' پھر ذرا توقف کے بعد بولی۔ "وہ .... ممی! .... میں یہ..........."

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔ پھر کبریٰ سے نظریں چرا کر بولی۔ "یہ .... میرا بچہ ہے۔"

کبریٰ نے ناگواری سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "ہاں .... تو پھر؟"

وہ دوسری طرف منہ پھیر کر بولی۔ "میں اپنا بچہ کسی کو نہیں دوں گی۔"

کبریٰ نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی قیاس آرائی درست ثابت ہوئی تھی۔ زیبی کے اندر ممتا جاگ چکی تھی اور یہ بات کبریٰ اور نفاست کے حق میں نقصان دہ تھی۔ وہ پریشان ہو کر بیٹی کو دیکھ رہی تھی۔ زیبی تیزی سے پلٹ کر کمرے سے باہر چلی گی۔ اس کے رویے نے کبریٰ کو اندیشوں میں مبتلا کر دیا تھا۔

نفاست آج سجاد کو عبادت علی کے ہیڈ آفس لے کر گیا تھا۔ سجاد کے لئے یہ یادگار اور اہم دن تھا۔ وہ جو چاہتا تھا اس سے بڑھ کر مل رہا تھا۔ بلکہ چھپر پھاڑ کے مل رہا تھا۔ کہا جائے تو مناسب ہو گا کہ نفاست نے تمام کاروبار کے اختیارات اس کے حوالے کر کے اس پر بھاری ذمہ داری ڈال دی تھی۔ اوورسیز تک پھیلے ہوئے کاروبار کو سنبھالنا آسان کام نہ تھا مگر نفاست نے ہمیشہ رہنمائی کرتے رہنے کا وعدہ کیا تھا۔

وہ دونوں آفس کے مختلف حصوں سے گزر کر ایک آفس روم میں پہنچے۔ وہاں ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ عہدیدار موجود تھے انہیں دیکھتے ہی ادب سے کھڑے ہو گئے۔

نفاست نے سجاد کا تعارف کرواتے ہوئے ان سے کہا۔ "یہ ہیں سید سجاد علی شاہ .... آج سے یہ آپ کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ ہیں۔ اب یہ میری جگہ تمام ذمہ داریاں سنبھالیں گے اور آپ ان کے احکامات کی تعمیل کریں گے۔"

نفاست نے سجاد سے ایک ایک عہدیدار کا تعارف کرایا۔ پھر اس کے ساتھ اپنے آفس روم میں آ گیا۔ میز کے پیچھے آرام دہ ریوالونگ چیئر کی پشت پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "کل تک یہ میری کرسی تھی' آج سے تم اس پر بیٹھو گے۔"

پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "کبھی اس پر ابا جان بیٹھتے تھے۔ تمہارے ابو بھی بیٹھا کرتے تھے۔ یہ یاد رکھو' اس کرسی پر بیٹھنے والے بدل جاتے ہیں لیکن منافع پہنچانے والی پالیسیاں کبھی نہیں بدلتیں۔ آؤ .... یہاں بیٹھو۔"

اس نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سجاد سے کہا۔ سجاد کو یہ سب کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آ کر بولا۔ "چچا جان! آپ نے مختار نامے پر میرا نام لکھا۔ جبکہ میں اوورسیز تک پھیلے ہوئے کاروبار کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا۔ میں تو یہاں آپ کی انگلی پکڑ کر چلنے آیا ہوں۔ اس کرسی پر آپ کو بیٹھنا چاہئے۔"

وہ بڑی شفقت سے اُسے دیکھ رہا تھا پھر مسکرا کر بولا۔ "نہیں بیٹے! تم اس کے حقدار ہو' تمہیں ہی بیٹھنا ہے۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ "دادا جان نے آپ سے یہ کرسی چھین لی تھی۔ آج میں یہ کرسی آپ کو واپس کر رہا ہوں۔"

نفاست نے کہا۔ "میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔ ابا جان نے میرا مان مرتبہ واپس کیا ہے' میرے لئے یہی بہت ہے اور یہ میرے لئے بڑی بات ہے کہ میں یہاں تمہارا سرپرست ہوں۔ اس کرسی سے زیادہ سرپرستی اہم ہے۔ میں کسی بھی کرسی پر بیٹھ کر تمہاری رہنمائی کرتا رہوں گا۔"

ایسے ہی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ نفاست نے کہا۔ "یس' کم اِن۔"

لیڈی سیکرٹری دروازہ کھول کر اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی۔ وہ نفاست سے بولی۔ "سر! ان ڈاکومنٹس پر مسٹر مراد یا مسٹر حسرت کے دستخط ضروری ہیں۔ مگر وہاں ان دونوں میں سے کوئی بھی سیٹ پر موجود نہیں ہے۔"

نفاست نے پوچھا۔ "مسٹر مراد تو چارج سنبھال چکے ہیں۔ کیا وہ آج آفس نہیں آئے؟"

وہ بولی۔ "سر! چپڑاسی نے بتایا ہے کہ وہ آفس آئے تھے لیکن پھر چلے گئے۔ ان ڈاکومنٹس پر ان کے دستخط بہت ضروری ہیں۔ ان کی وجہ سے پرچیزنگ کا تمام کام رکا ہوا ہے۔"

"ٹھیک ہے .... آپ ذرا انتظار کریں۔ میں مراد سے رابطہ کرتا ہوں۔"

وہ پلٹ کر چلی گئی۔ نفاست نے ریسیور اٹھا کر مراد کے موبائل نمبرز پنچ کئے۔ مگر اس نے موبائل آف کر رکھا تھا۔ رابطہ نہ ہو سکا۔ نفاست نے ریسیور پٹخ دیا۔ سجاد نے پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

"غیر ذمہ داری اور کیا؟ موبائل فون بہت بڑی سہولت ہے لیکن برخودار نے اسے آف کر رکھا ہے۔"

"آپ گھر کے نمبر پر ٹرائی کریں۔ ہو سکتا ہے وہ وہاں موجود ہو؟"

"ہوں .... کوشش کرتا ہوں۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کئے پھر رابطہ ہونے پر بولا۔ "ہیلو' میں بول رہا ہوں۔" دوسری طرف بن نے فون ریسیو کیا تھا۔ نفاست نے اس سے کہا۔ "مراد سے بات کراؤ۔"

وہ بولا۔ "وہ تو آفس گئے ہوئے ہیں۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے وہ یہاں سے نکلا ہے۔ کیا گھر نہیں پہنچا؟"

"نہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔"

اس نے ریسیور پٹخ دیا۔ سجاد نے پوچھا۔ "کیا وہ گھر میں بھی نہیں ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں۔"

پھر اس نے انٹرکام کے ذریعے باہر کاؤنٹر پر رابطہ کر کے کہا۔ "میں مراد سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس دوران میں اگر حسرت آ جائے تو آپ اس کے دستخط لے کر پرچیزنگ کا کام جاری کروالیں۔"

وہ مراد کی وجہ سے کچھ الجھ گیا تھا۔ پھر سر جھٹک کر سجاد سے بولا۔ "تم کھڑے کیوں ہو' آؤ اور اپنی کرسی سنبھالو .... آؤ۔"

وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "پلیز چچا جان! ضد نہ کریں' میرے احساسات اور جذبات کو سمجھیں۔ یہ کرسی آپ سے چھینی گئی تھی۔ آج یہ آپ کو واپس ملے گی۔ آپ میری ضد پوری کریں گے اور اس پر بیٹھیں گے۔"

"بیٹے! ضد نہ کرو۔ میں چاہتا ہوں آج یہاں آنے والے تمہیں اس کرسی پر دیکھتے رہیں۔"

نفاست بہت بدل گیا تھا۔ وہ واقعی دل سے چاہتا تھا کہ شفاعت علی سے چھینی گئی کرسی پر ان کے بیٹے کو بٹھا کر اپنی غلطیوں کی تلافی کرلے۔ ثمینہ نے اسے محبت کرنا سکھا دیا تھا۔

سجاد نے کہا۔ "میں دنیا والوں کو نہیں دکھانا چاہتا کہ یہ کرسی میرے ابو سے بھی چھینی گئی تھی۔ آج سے آپ میرے چچا جان نہیں' میرے ابو ہیں۔ میں اپنے ابو کو یہ کرسی لوٹا رہا ہوں۔"

نفاست نے تڑپ کر بے اختیار اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔ ایسے وقت ان دونوں کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

☆======☆======☆

کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں عبادت علی اور کبریٰ' سید احسان علی شاہ اور اس کی بیگم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ سید احسان علی' نفاست کے بچپن کا دوست تھا۔ جو بائیس برس پہلے یو کے میں جا بسا تھا۔ وہ جوہری تھا اور وہاں بہت بڑے پیمانے پر کاروبار کر رہا تھا۔ اب پاکستان آیا تو نفاست سے ملنے چلا آیا۔

بیگم احسان نے چائے کی پیالی رکھتے ہوئے کبریٰ سے کہا۔ "بائیس برس پہلے ملاقاتیں رہا کرتی تھیں۔ اتنے برسوں میں چہرے بدل گئے ہیں۔ آپ تو بہت ہی چینج ہو گئی ہیں۔"

وہ بولی۔ "لیں میں نے تو آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ آپ یو کے گئیں تو وہیں کی ہو کر رہ گئیں۔"

احسان علی نے اس سے کہا۔ "وہاں کاروبار ایسا جم گیا ہے کہ چھوڑ کر آنا ناممکن ہو چکا ہے۔"

پھر وہ عبادت علی کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "آپ یہاں روپے میں دولت کما رہے ہیں۔ میں وہاں پونڈز کما رہا ہوں۔"

وہ اس کی تائید میں سر ہلا کر بولے۔ "ہوں' ہمیں معلوم ہے' پچھلے برس نفاست نے لندن میں تم سے ملاقات کی تھی۔ وہ بتا رہا تھا' تمہاری جیولری کا کاروبار بہت عروج پر ہے' پونڈز کی صورت میں سونا کما رہے ہو۔"

کبریٰ نے ٹوہ لینے کے انداز میں بیگم احسان سے پوچھا۔ "مجھے یاد ہے' آپ کی دو بیٹیاں تھیں۔ بعد میں بیٹا بھی ہوا ہو گا؟"

بیگم احسان نے افسردگی سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ اس نے کبریٰ سے کہا۔ "بس بھابی' یہی ایک ہماری بدنصیبی ہے۔ پھر کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی' نہ بیٹا نہ بیٹی۔"

بیگم احسان نے کہا۔ "دو بیٹیاں ہیں مگر بیٹوں جیسی ہیں۔ ان ہی کے رشتوں کے لئے

ہم پاکستان آئے ہیں۔ یہاں کوٹھی خرید لی ہے۔ یہیں سیٹل ہو رہے ہیں۔"

عبادت علی اور کبریٰ نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ کبریٰ نے بیگم احسان سے پوچھا۔ "بیٹیاں کہاں ہیں؟ انہیں لانا چاہئے تھا۔"

ایسے ہی وقت مراد ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ کبریٰ نے اسے دیکھ کر احسان علی سے کہا۔ "یہ میرا بڑا بیٹا سید مراد علی شاہ ہے۔"

مراد نے آگے بڑھ کر احسان علی سے مصافحہ کیا۔ احسان علی نے کہا۔ "ماشاء اللہ' بہت خوبرو اور اسمارٹ ہو گئے ہو۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "تھینک یو!"

وہ ان کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ احسان علی اس سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "تمہارے ڈیڈی میرے بچپن کے دوست ہیں' عبادت انکل جانتے ہیں۔ ہم ایک ہی خاندان کی طرح رہا کرتے تھے۔"

پھر اس نے عبادت علی سے پوچھا۔ "یہ نفاست ہے کہاں؟"

وہ بولے۔ "یہ اس کا آفس ٹائم ہے۔ اس سے تو شام کو ملاقات ہو سکتی ہے۔"

پھر وہ ذرا توقف کے بعد بولے۔ "ہم چاہیں گے' ہمارے پوتوں سے تمہاری بیٹیوں کی ملاقات ہو جائے۔"

احسان علی نے مراد کو مسکرا کر دیکھا پھر عبادت علی سے کہا۔ "وہ تو ہو گی۔ مگر اس سے پہلے میں ایک بات واضح کر دوں۔ میری دو بیٹیوں میں ایک بہت لاڈلی ہے۔ اس کی شادی جس سے ہو گی میں اسے گھر داماد بناؤں گا۔"

کبریٰ اور عبادت علی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بول رہا تھا۔ "میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ میں اپنا کروڑوں کا بزنس داماد کے حوالے کر دوں گا۔"

مراد کے کان کھڑے ہوئے۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کبریٰ نے احسان علی سے پوچھا۔ "اور دوسری بیٹی؟"

"وہ ہم سے اتنی مانوس نہیں ہے۔ صاف کہتی ہے کہ وہ تو اپنے میاں کے ساتھ رہے گی۔ اسے بھی جائیداد میں سے آدھا حصہ ملے گا۔"

عبادت علی' گھر داماد بنانے والی بات سن کر ناگواری ظاہر کر رہے تھے۔ وہ بولے۔ "یہ گھر داماد بنانے والی شرط شاید کوئی نہ مانے اور ہمارے تمام پوتے تو رئیس ابن رئیس ابن رئیس ہیں۔ یہاں چاندی کی پلیٹ میں سونے کا لقمہ کھاتے ہیں۔"

مراد ان کی بات سن کر ناگواری سے بولا۔ "چاندی کی پلیٹ میں کھانے والے بھی محرومی کا شکار ہوتے ہیں۔ میں اپنا مقدر اس گھر سے باہر بناؤں گا۔"

عبادت علی گھور کر اسے دیکھ رہے تھے۔ گرج کر بولے۔ "مراد! تم ہوش میں تو ہو؟"

کبریٰ پریشان ہو کر ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ مراد نے عبادت علی کو نظرانداز کرتے ہوئے احسان علی سے پوچھا۔ "انکل آپ کا فون نمبر؟"

عبادت علی غصے سے لرز رہے تھے۔ پوتا مہمانوں کے سامنے انہیں اور ان کی بات کو نظرانداز کر رہا تھا۔ ان کی تذلیل کر رہا تھا۔ احسان علی نے مراد کو دو فون نمبرز بتائے۔ اس نے ان فون نمبرز کو اپنے موبائل فون میں فیڈ کر لیا۔ پھر اس نے عبادت علی سے کہا۔ "آپ اپنوں میں رشتہ کرتے ہیں۔ انکل بھی ہماری طرح سید ہیں' شاہ ہیں۔ آپ کو اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔"

عبادت علی غصے سے گرجتے ہوئے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ "گستاخ' بدتمیز' آدابِ محفل نہیں جانتے؟ بزرگوں کی بات کاٹ رہے ہو۔ ہمارے سامنے اپنا فیصلہ سنا رہے ہو۔"

مراد نے ایک بار پھر انہیں نظرانداز کرتے ہوئے احسان علی سے کہا۔ "آپ کے نمبرز میرے پاس ہیں۔ میں کسی وقت آپ سے رابطہ کروں گا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور عبادت علی کو طنز بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا ڈرائنگ روم سے چلا گیا۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر اسے گھور رہے تھے۔

احسان علی نے ان سے کہا۔ "آپ جنریشن گیپ کو سمجھیں' بچوں کو اپنی انگلیوں پر نچانے کا زمانہ گزر چکا ہے۔ آپ تشریف رکھیں' میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

عبادت علی غصے سے طنطناتے ہوئے ڈرائنگ روم سے چلے گئے۔ کبریٰ ناگواری سے انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے احسان علی سے کہا۔ "یہ تو بس یونہی ہیں۔ آپ مجھ سے بات کریں۔"

کبریٰ ان دونوں سے باتیں کرنے لگی۔ مراد وہاں سے چلتا ہوا کوٹھی کے پورچ میں آ گیا تھا۔ وہاں زیبی ایک کار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوئی تھی۔ ڈرائیور کار کا بونٹ اٹھا کر اس کی کوئی خرابی دور کر رہا تھا۔ مراد سیٹی بجاتا ہوا وہاں آیا۔

زیبی نے پوچھا۔ "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

وہ قہقہہ لگا کر بولا۔ "فی الحال تو میں ہواؤں میں اڑ رہا ہوں۔"

”کیا بات ہے؟ بہت خوش ہیں؟“

وہ مسکرا کر بولا۔ ”ہاں .... میں بہت موڈ میں ہوں۔ آج پہلی بار میں نے دادا جان سے ٹکر لی ہے۔“

اس نے تعجب سے پوچھا۔ ”کیا.......... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”تمہیں پتہ ہے' اندر احسان انکل آئے ہوئے ہیں؟“

”میں نے دیکھا ہے۔ اسی لئے دوسرے دروازے سے باہر آئی ہوں۔ دادا جان ان کے پاس تھے کیا آپ نے مہمانوں کی موجودگی میں ان سے کچھ کہا ہے؟“

وہ فخریہ انداز میں بولا۔ ”جی ہاں .... ان کے منہ پر کہا ہے کہ میں احسان انکل کا گھر داماد بن کر رہوں گا۔ تم جانتی ہو؟ وہ اپنا کروڑوں کا بزنس ہونے والے گھر داماد کو سونپنا چاہتے ہیں۔“

زیبی نے دیدے پھیلا کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ ”یہاں تو آپ کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال دیا گیا ہے۔ آپ اپنا مقام بنانے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ دادا جان کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔“

وہ حقارت بھرے لہجے میں بولا۔ ”وہ تو ایسے موقعوں پر فرعون بن جاتے ہیں۔ مگر میرے سامنے ان کی فرعونیت نہیں چلے گی۔ میں تو کہتا ہوں' تم بھی ان کی دھونس میں نہ رہو۔“

اس نے چونک کر اُسے دیکھا۔ وہ سمجھانے کے انداز میں بولا۔ ”تم نے شریعت کے مطابق نکاح پڑھوایا ہے۔ وہ تمہارا کیا بگاڑ لیں گے؟ کیا ہم سب کو پھانسی پر چڑھا دیں گے؟“

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر بولی۔ ”بھائی جان! ہم بغاوت کر سکتے ہیں۔ مگر اس کا قہر ڈیڈی پر نازل ہو گا۔ دادا جان پھر انہیں نظروں سے گرا دیں گے۔ یہاں ہماری کوئی اہمیت نہیں رہے گی۔ سدرہ اور سجاد کی حکومت قائم ہو جائے گی۔“

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”تم ڈیڈی کی فکر نہ کرو' وہ سجاد کو گلے لگا کر دادا جان کی آنکھوں کا تارا بن گئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں ٹوٹا ہوا تارا بنا دیا ہے۔“

زیبی اس کی بات پر ہنسنے لگی۔ وہ ذرا سوچنے کے بعد بولا۔ ”زیبی! اگر تم فراز اور بچے کو ہار جاؤ گی اور میں اگر گھر داماد بن کر کسی دوسرے گھاٹ نہ اترا' تو مستقبل قریب میں نہ ہم گھر کے رہیں گے اور نہ گھاٹ کے۔“

زیبی نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔ وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ وہ سوچوں میں ڈوب کر خلا میں تکنے لگی۔ اس کے کانوں میں مراد کے کہے ہوئے الفاظ گونج رہے تھے۔ ”اگر تم فراز اور بچے کو ہار جاؤ گی تو گھر کی رہو گی نہ گھاٹ کی۔“

مراد اس کے سامنے ہاتھ لہرا کر بولا۔ ”کہاں پہنچ گئیں؟“

ایسے ہی وقت ڈرائیور نے زیبی سے کہا۔ ”خرابی دور ہو گئی ہے' چلیں۔“

زیبی نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ”نہیں .... مجھے کہیں نہیں جانا۔“

یہ کہہ کر وہ کوٹھی کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ مراد نے اسے پکارا۔ ”زیبی! کہاں جا رہی ہو؟ تمہیں تو..........“

وہ بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔ اس کے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگا کر کہا۔ ”ہیلو۔“

دوسری طرف سے نفاست کی آواز سنائی دی۔ ”تم کہاں ہو؟ کتنی دیر سے ٹرائی کر رہا ہوں۔ مگر تمہارا موبائل آف تھا۔“

اس نے لاپرواہی سے پوچھا۔ ”بات کیا ہے؟“

”فوراً آفس پہنچو۔ یہاں ایک فائل پر تمہارے دستخط چاہئیں۔“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ”اوہ .... دوبارہ چارج سنبھالتے ہی میں آپ کی ضرورت بن گیا ہوں۔“

”زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ فوراً یہاں پہنچو۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ یہاں تمہاری غیر موجودگی کے باعث پرچیزنگ کا کام رکا ہوا ہے۔ تمام مصروفیات چھوڑ کر یہاں آ جاؤ۔“

”او کے .... پہنچ رہا ہوں۔“

اس نے موبائل آف کر دیا۔ نفاست سجاد کو آفس کے اہم معاملات سمجھا کر وہاں سے زرینہ خاتون کی کوٹھی میں آ گیا۔ ثمینہ نے اسے کہا تھا کہ وہ فراز کو قائل کر لے گی۔ وہ بچہ لینے کے بعد زیبی کو آزاد کر دے گا۔

نفاست فراز سے یہی معلوم کرنے آیا تھا کہ وہ اس بات پر راضی ہے یا نہیں۔ اس نے کال بیل کا بٹن دبایا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ کھلے ہوئے دروازے سے ارمانہ کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ نفاست کو دیکھ کر چونک گئی۔ وہ اسے ناگواری سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک طرف ہٹ گئی۔

وہ اندر آتے ہوئے حقارت سے بولا۔ "اس کوٹھی سے نکل کر یہاں آئی ہو۔ یہاں سے نکل کر کہاں جاؤ گی؟"

وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے بولی۔ "مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ جس کا چاہنے والا ہوتا ہے وہ کبھی کسی فکر میں مبتلا نہیں رہتی۔"

وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر بولا۔ "میرے بیٹے نے تمہیں یہاں لا کر نادانی کی ہے۔"

وہ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولی۔ "پہلی نادانی باپ نے کی .... مجھے کوٹھی میں لے جا کر......... دوسری نادانی بیٹے نے کی تو اس میں برائی کیا ہے؟"

وہ غصے سے تلملا کر بولا۔ "اگر ذرا بھی شرم و حیا ہے تو جواب دو' کس رشتے سے یہاں رہتی ہو؟"

نفاست کو مردانہ آواز سنائی دی۔ "بہن کے رشتے سے........."

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ دروازے پر فراز کھڑا ہوا تھا۔ وہ اندر آتے ہوئے بولا۔ "آپ شاید بھول رہے ہیں؟ آپ نے ہی ہمیں بھائی اور بہن بنایا تھا۔ یہ یہاں اپنے بھائی کے ساتھ رہتی ہے۔"

نفاست اسے ناگواری سے گھور رہا تھا۔ پھر بولا۔ "تمہیں یہاں رہنے کی اجازت کس نے دی؟"

فراز نے ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیوں .... کیا داماد کو سسرال میں رہنے کے لئے اجازت لینی ہو گی؟"

نفاست نے حقارت سے منہ پھیر لیا۔ فراز نے پوچھا۔ "کیا آپ داماد کے رشتے سے انکار کریں گے؟"

اس سوال پر اس کا چہرہ اتر گیا۔ ایسے وقت اُسے زیبی پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ اس نے اپنے اندر کی شکست خوردگی کو چھپاتے ہوئے فراز سے کہا۔ "سدرہ کہہ رہی تھی' تم بچہ حاصل کرنے کے بعد میری بیٹی کو طلاق دے دو گے۔"

وہ شانے اچکا کر لاپرواہی سے بولا۔ "جب ایسا وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ ابھی تو میں داماد ہوں۔ میری بیوی اور ہونے والا بچہ امانت کے طور پر آپ کے پاس ہیں۔ جب تک میری امانت مجھے نہیں ملے گی تب تک میں اپنی بہن کے ساتھ یہاں رہوں گا۔"

نفاست نے پلٹ کر انہیں گھورا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر مصلحتاً خاموش رہا اور غصے کو

اپنے اندر دبا کر کوٹھی سے باہر آ گیا۔ وہاں حسرت اپنی کار سے اتر رہا تھا۔ اس نے نفاست کے قریب آ کر پوچھا۔ "ڈیڈ! آپ یہاں؟"

نفاست نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "کیوں .... مجھے اپنے گھر میں نہیں آنا چاہئے؟ تم نے اس گھر کو غیروں کے لئے سرائے خانہ بنا دیا ہے۔"

"یہاں کوئی غیر نہیں ہے۔ سب اپنے ہیں۔ ارمانہ اور فراز آپ ہی کی دریافت ہیں۔ آپ ہی انہیں لائے تھے۔"

وہ الجھ کر بولا۔ "اگر مجھ سے غلطی ہو گئی تو کیا تم بھی وہی غلطی دہراؤ گے؟"

"میں غلطی نہیں دہرا رہا ہوں' بلکہ اسے درست کر رہا ہوں۔ آپ نے جو کیا' اس کے نتیجے میں فراز آپ کا داماد اور میرا بہنوئی بن چکا ہے اور وہ خوددار ہے۔ اس کی شریکِ حیات اسے مل جائے گی تو وہ یہاں سے چلا جائے گا۔"

اس نے ناگواری سے کہا۔ "کوئی شریک حیات نہیں ملے گی۔ سدرہ اسے راضی کر رہی ہے۔ تم بھی اُسے سمجھاؤ کہ وہ بچہ حاصل کرتے ہی زیبی کو طلاق دے دے۔"

حسرت نے بڑے دکھ سے باپ کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "آپ کتنی آسانی سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔ باپ اپنی بیٹیوں کے سروں پر آنچل رکھتے ہیں۔ انہیں ان کے مجازی خدا سے جوڑتے ہیں اور آپ توڑ رہے ہیں۔ کیسے باپ ہیں آپ؟"

وہ تلملا کر بولا۔ "تم .... تم اپنے دادا جان کو اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ اسے قبول نہیں کریں گے۔"

نفاست بات بدلنا چاہتا تھا۔ حسرت نے فوراً ہی کہا۔ "آپ اپنی بات کریں۔ وہ آپ کی بیٹی ہے۔ یہ آپ کا داماد ہے۔ آپ قبول کریں گے تو ان کی زندگی سنور جائے گی۔"

نفاست نے اسے الجھ کر دیکھا۔ پھر کہا۔ "ابا جان نے سعیدہ کو اسی بات پر گھر سے نکال دیا تھا۔ وہ معمولی گھرانے سے تعلقات پسند نہیں کرتے۔"

"دادا جان نے جو غلطی کی' کیا وہی غلطی آپ بھی کریں گے؟ کیا آپ بزرگ نئی جنریشن کو غلطیاں کرنا سکھا رہے ہیں؟"

وہ اس کے سوالات سے پریشان ہو گیا تھا۔ جھنجلا کر بولا۔ "تم یہ بحث اپنے دادا جان سے کرو۔ وہ ہمارے سرپرست ہیں' جو کہتے ہیں' ہم وہی کرتے ہیں۔"

وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ پھر باپ کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ 'سرپرست کے خوف سے ثمینہ جیسی بیٹی کو اغوا ہونے اور بے موت مرنے کے لئے چھوڑ

دیا جاتا ہے؟"

اس نے گھور کر حسرت کو دیکھا۔ وہ سچ بول رہا تھا اور وہ اس کی کڑواہٹ برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ مارنے والے کا ہاتھ پکڑا جا سکتا ہے مگر بولنے والے کی زبان نہیں پکڑی جا سکتی۔

وہ پھر طنز بھرے لہجے میں بولا۔ "زرینہ خاتون جیسی وفا شعار بیوی اپنی بیٹی کے غم میں مر گئی اور آپ کے دل سے ایک آہ بھی نہ نکلی؟ پھوپھی جان بھی صدمہ سے مر گئی تھیں۔ دادا جان کا ایک ہی داماد تھا' پروفیسر جمال ہمدانی' انہوں نے اس کی بے بسی سے فائدہ اٹھایا۔ اسے اپنے گھر میں نوکر بنا کر رکھا۔ اب آپ بھی اپنے داماد کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکنا چاہتے ہیں۔ یہ ہے ہمارے اعلیٰ خاندان کا اخلاق' تہذیب اور اپنی شان و شوکت قائم رکھنے والے سڑے گلے اصول جن سے بدبو آ رہی ہے۔"

نفاست کوئی جواب نہ دے سکا۔ حسرت کی باتیں اسے پتھر کی طرح لگ رہی تھیں۔ وہ ان پتھروں سے بچنے کے لئے اپنی کار میں آ کر بیٹھ گیا اور اسے اسٹارٹ کر کے آگے بڑھانے لگا۔

حسرت نے چیخ کر کہا۔ "ڈیڈ! ہمیں آپ کی زندگیوں کے ان گندے اصولوں سے نفرت ہے' سنا آپ نے .... ہمیں ان سے نفرت ہے' نفرت.........."

وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا مگر نفاست تیزی سے کار کو آگے بڑھاتا ہوا کوٹھی سے نکل کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

☆======☆======☆

کبریٰ پوری کوٹھی میں ثمینہ کو تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں بھی نہیں تھی۔ کبریٰ نے بنن سے پوچھا۔ "سدرہ بی بی کہاں ہیں؟"

"وہ بڑے صاحب کے کمرے میں ہیں۔"

"جاؤ .... انہیں کہو کہ میں نے بلایا ہے۔ وہ میرے کمرے میں آ جائیں۔"

وہ "جی بہتر ہے" کہہ کر عبادت علی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کبریٰ اپنے کمرے میں آ کر ثمینہ کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد ثمینہ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ کبریٰ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔ اس نے پوچھا۔ "چچی جان! آپ نے مجھے بلایا ہے؟"

"ہاں .... وہ دراصل میں تم سے ایک ضروری بات کہنا بھول گئی تھی۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "جی .... کہئے۔"

وہ اس کے برابر بیٹھ کر بولی۔ "فراز سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی؟"

اس نے ہچکچا کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "ہاں۔"

وہ بولی۔ "ایک بات یاد رکھو .... فراز کو معلوم نہ ہو کہ زیبی ڈلیوری کے لئے کہاں جانے والی ہے؟ ورنہ وہ اس کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچ جائے گا۔"

وہ اس کی تائید میں بولی۔ "اُسے نہیں بتایا جائے گا۔"

کبریٰ نے ٹوہ لینے والے انداز میں پوچھا۔ "اس نے پوچھا تو ہو گا؟"

"جی ہاں .... لیکن میں نے کہہ دیا کہ تمہیں آم کھانے سے مطلب ہونا چاہئے۔ بچہ تمہیں مل جائے گا۔ زیبی کے بارے میں کوئی سوال نہ کرو۔"

کبریٰ خوش ہو کر' اس کی پیشانی چوم کر بولی۔ "ویسے تم ہو بہت سمجھدار۔ یہاں آتے ہی اپنے چچا کے کام آ رہی ہو' زیبی کے کام آ رہی ہو' ہمارا دل جیت رہی ہو۔ مگر یہ عقل تمہارے بھائی میں نہیں ہے۔ وہ تو ہمیں کچا چبا جانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔"

وہ سجاد کا ذکر بڑی ناگواری سے کر رہی تھی۔ ثمینہ کو دکھ ہو رہا تھا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "بھائی جان دل کے بہت اچھے ہیں۔ چچا جان سے محبت ملتے ہی وہ نفرت اور عداوت بھول رہے ہیں۔"

کبریٰ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ارے رہنے دو' انہوں نے تمام کاروبار اس کے حوالے کر دیا ہے۔ اسی لئے وہ تمہارے چچا سے اوپری محبت کر رہا ہے۔ پکا خود غرض ہے۔"

کبریٰ کی یہ بات ثمینہ کو بہت بری لگی۔ وہ سجاد کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ اس کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتی تھی لیکن اس وقت مجبور تھی۔ ایک بزرگ کو ٹوک نہیں سکتی تھی۔ چچی سے جھگڑ کر اس کی توہین نہیں کر سکتی تھی۔

کبریٰ نے کہا۔ "سجاد تمہاری طرح دل والا نہیں ہے۔ ویسے سچ پوچھو تو تم دونوں بہن بھائی نہیں لگتے۔"

ثمینہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ چور کی داڑھی میں تنکا والی بات تھی۔ کبریٰ نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔ "تمہارے چچا جان نے تمہیں بتایا ہو گا؟"

اس نے پریشانی کو چھپاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا .... کیا بتایا ہو گا؟"

"یہی کہ تم ان کی بیٹی ثمینہ کی ہمشکل ہو۔"

ثمینہ کے نام پر وہ بری طرح بوکھلا گئی۔ اس سے نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "میں تو

زیبی کی بھی ہمشکل ہوں۔"

"وہ تو ہو، مگر.......... تمہارا ناک نقشہ اور قد و قامت دیکھ کر دماغ کہتا ہے، تم اُن کی دوسری بیٹی ثمینہ ہو۔ کہیں چھپی ہوئی تھیں اچانک سامنے آ گئی ہو۔"

ثمینہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر پریشان ہو کر جھجکتے ہوئے پوچھا۔ "یہ.......... یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ وہ بے چاری تو.......... اللہ کو پیاری ہو چکی ہے۔"

کبریٰ نے ناگواری سے ناک چڑھا کر کہا۔ "وہ کبھی بندوں کو پیاری نہیں لگی۔ اسے اور اس کی ماں کو کبھی کسی نے نہیں پوچھا۔ وہ دونوں یہاں قدم بھی نہیں رکھ سکتی تھیں۔"

کبریٰ کی ناگواری اس کے دل کو ٹھیس پہنچا رہی تھی۔ وہ الجھ کر بولی۔ "پلیز.......... چچی جان! ان کی باتیں رہنے دیں، کوئی دوسری بات کریں۔"

"یہ اہم باتیں ہیں۔ تمہیں اپنے خاندان کی ڈھکی چھپی باتوں کو سمجھنا چاہئے۔ تمہارے چچا جان نے اس کی ماں سے چھپ کر شادی کی تھی اور پتہ نہیں، کی بھی تھی یا نہیں؟"

ثمینہ اپنے غصے کو اندر ہی اندر دبا رہی تھی۔ مگر ماں کی بے حرمتی اس سے برداشت نہ ہوئی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ وہ بولی۔ "پلیز.......... آپ ان کا ذکر رہنے دیں۔ دنیا سے جانے والوں کی برائی نہیں کرتے۔ ان کی اچھائیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی اچھائیاں نہیں جانتیں تو برائی بھی نہ کریں۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "کیوں نہ کروں؟ وہ مجھ پر سوکن بن کر آئی تھی، یہ تو اچھا ہوا کہ میرے میاں نے اسے داشتہ بنا کر مٹی میں ملا دیا۔"

کبریٰ کی باتیں ثمینہ کی برداشت سے باہر ہو رہی تھیں۔ وہ اس کی ماں پر بہتان لگا رہی تھی۔ اسے داشتہ کہہ رہی تھی۔ ثمینہ کی آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر خاموشی سے منہ پھیر کر جانے لگی۔

کبریٰ نے تعجب سے پوچھا۔ "کہاں جا رہی ہو؟"

وہ اس سے نظریں نہیں ملانا چاہتی تھی۔ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "وہ.......... میں دادا جان کے پاس جا رہی ہوں۔"

وہ دروازہ کھول کر تیزی سے باہر آ گئی اور تقریباً دوڑتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ آج اس کی ماں کے کردار پر انگلی اٹھائی گئی تھی اور وہ بولنے والی کا منہ بھی

نہیں توڑ سکتی تھی۔ جس ماں کو داشتہ کہا گیا تھا یہ اسی کی تربیت تھی کہ وہ یہاں آ کر دلوں کو ملا رہی تھی۔ محبتیں بانٹ رہی تھی اور یہ اسی ماں کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ اس نے کبریٰ کی توہین نہیں کی تھی، کوئی نازیبا بات نہیں کہی تھی۔ بلکہ اپنے غصے کو ضبط کر کے خاموشی سے اٹھ کر چلی آئی تھی اور اپنے کمرے میں جا کر اپنی بے بسی پر آنسو بہا رہی تھی۔

نفاست زرینہ خاتون کی کوٹھی سے واپس آیا تو عبادت علی نے اسے اپنے کمرے میں بلا لیا۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ عبادت علی اِدھر سے اُدھر ٹہل رہے تھے اور بول رہے تھے۔ "آج تمہارے بچپن کا دوست احسان علی شاہ اپنی بیگم کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ اب وہ پاکستان میں ہی سیٹل ہو رہا ہے۔"

نفاست خوش ہو کر بولا۔ "یہ تو اچھی بات ہے۔"

وہ اس کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ نفاست محسوس کر رہا تھا کہ ان کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ہیں۔ جیسے ان کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو گئی ہو اور ایسا ہی ہوا تھا۔

انہوں نے کہا۔ "احسان علی اپنی بیٹیوں کے لئے داماد تلاش کر رہا ہے۔ تمہارے بچپن کا دوست ہے، اسی لئے یہاں آیا تھا۔ وہ اپنی بیٹیوں کو سونے میں تول کر دے گا۔"

"ہاں.......... یہ تو آپ درست کہہ رہے ہیں۔ وہ ایک کامیاب جیولر ہے۔ پھر رشتے کی بات ہوئی؟"

وہ ناگواری سے بولے۔ "ہم رشتے کی بات کرنے ہی والے تھے مگر تمہارے بیٹے مراد نے تو ہمارے منہ سے بات نکلنے ہی نہیں دی۔ فوراً ہی گھر داماد بننے پر راضی ہو گیا۔"

نفاست نے چونک کر پوچھا۔ "کیا.......... گھر داماد؟"

"ہاں.......... وہ ایک بیٹی کے لئے گھر داماد ڈھونڈ رہا ہے اور مراد میاں نے رضامندی ظاہر کر دی ہے۔"

"اس کا دماغ چل گیا ہے؟"

"وہ ہم سے ناراض ہے۔ سمجھتا ہے تم نے تمام اختیارات سجاد کو دے کر اس سے ناانصافی کی ہے۔"

اس سے پہلے کہ نفاست کچھ کہتا کبریٰ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "بے شک.......... کی ہے، کھلی ناانصافی کی ہے۔ وہ برسوں سے اتنا پھیلا ہوا کاروبار سنبھالتا رہا۔ آپ اسے اپنا دایاں بازو کہتے رہے۔ کیا اپنا بازو کاٹ کر آپ کو ذرا بھی تکلیف نہیں

ہوئی؟"

نفاست نے تیز لہجے میں کہا۔ "تم ایسی باتیں کرو گی تو وہ ہم سے بدظن ہو جائے گا۔"

"وہ بدظن ہو چکا ہے۔ یہاں سے مایوس ہونے کے بعد وہ کہیں بھی اپنا مستقبل بنا سکتا ہے۔ میں خود اس کا رشتہ طے کرنے جاؤں گی۔"

نفاست نے گھور کر اسے دیکھا پھر سخت لہجے میں کہا۔ "بکواس مت کرو۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔"

عبادت علی نے مداخلت کی۔ انہوں نے کبریٰ سے پوچھا۔ "تم چاہتی ہو کہ وہ یہاں سے نکل کر کسی کا گھر داماد بنے اور ہمارا سر جھک جائے؟"

وہ ذرا ناگواری سے بولی۔ "یہاں سے ٹھوکریں کھانے کے بعد وہ باہر اوندھے منہ گرے گا تو آپ باہر والوں کے سامنے جواب دہ ہوں گے کہ اسے اوندھے منہ کون گرا رہا ہے؟"

نفاست غصے سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "تم نے ایسی ہی بھڑکانے والی باتیں مراد سے کی ہوں گی اور وہ نالائق بھڑک رہا ہے۔ تم اس کی ماں ہو یا دشمن؟"

وہ فخر سے گردن تان کر بولی۔ "میں اس کی ماں ہوں اور احسان علی کے گھر جا کر اپنے بیٹے کا مقدر بناؤں گی۔"

عبادت علی نے چونک کر اسے دیکھا۔ نفاست نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "تو پھر واپسی کا راستہ بھول جانا کیونکہ تمہارے لئے اس گھر کے دروازے بند ہو جائیں گے۔"

کبریٰ نے بے یقینی سے نفاست کو دیکھا۔ اس نے حقارت سے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ معاملہ گمبھیر ہوتا جا رہا تھا۔

عبادت علی نے نفاست سے کہا۔ "بیٹے! بات نہ بڑھاؤ۔"

پھر انہوں نے کبریٰ کو مخاطب کر کے کہا۔ "بہو بیگم! ذرا عقل سے سوچو' سجاد کو صرف کاروباری اختیارات دیئے گئے ہیں۔ کاروبار اس کے نام نہیں کیا ہے۔ ہم جو وصیت لکھیں گے' اس میں تمام پوتوں کا حصہ برابر ہو گا' نہ کسی کو کم دیا جائے گا' نہ کسی کو زیادہ .... لیکن جو ہم سے بغاوت کرے گا اُسے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملے گی۔"

کبریٰ نے پریشان ہو کر انہیں دیکھا۔ وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر بولے۔ "سوچ لو' کیا اپنے بیٹے کو باغی بناؤ گی؟"

وہ شکست خوردہ سی ہو کر سوچنے لگی۔ عبادت علی نے نفاست کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "جاؤ .... بہو بیگم کو تنہائی میں سمجھاؤ۔ ہمیں امید ہے' یہ درست فیصلہ کریں گی۔"

نفاست کبریٰ کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گیا۔ وہ دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔ "آج ابا جان نے پہلی بار وصیت لکھنے کی بات کی ہے۔"

"ہاں .... اور یہ صاف طور سے کہا ہے کہ تمام کاروبار میں اور دولت و جائیداد میں ہم سب کو برابر کا حصہ ملے گا۔ انہوں نے تمہیں چیلنج کیا ہے' تم سے پوچھا ہے' کیا تم مراد کو باغی بناؤ گی؟ اب مجھے بتاؤ کیا تم اپنے بیٹے کو تمام کاروبار اور جائیداد سے محروم کرنا چاہتی ہو؟"

وہ بیڈ کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "نہیں .... ایسی بات نہیں ہے' میں مراد سے بات کروں گی' وہ اپنا بھلا برا خوب سمجھتا ہے۔"

نفاست نے پوچھا۔ "یعنی وہ گھر داماد بننا چاہے گا تو تم اس کی حمایت کرو گی' اسے شہ دو گی؟"

"اوہو .... آپ سمجھتے کیوں نہیں؟ یہاں سے کاروبار میں صرف حصہ ملے گا اور وہاں پورا کاروبار اس کے ہاتھوں میں ہو گا۔ وہ تنہا مالک و مختار بن کر رہے گا۔"

نفاست اسے غصے سے گھور کر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "وہ میرا بیٹا ہے .... کسی کا گھر داماد' کسی کا غلام نہیں بنے گا۔"

کبریٰ اس کے تیور دیکھ کر سہم گئی۔ گھبرا کر بولی۔ "ہاں .... ہاں نہیں بنے گا۔ دیکھئے آپ .... آپ آگے نہ بڑھیں۔"

نفاست رک کر' شہادت کی انگلی اٹھا کر تاکید کرنے کے انداز میں بولا۔ "کان کھول کر سن لو۔ تم اسے سمجھاؤ گی' دوسرے کے دسترخوان سے ہمیشہ جوٹھا کھانا ملتا ہے۔ احسان علی میرا دوست ہے اور میں سمجھ گیا ہوں کہ وہ پاکستان آ کر بیٹیوں کے رشتے کیوں طے کر رہا ہے؟ میں نے لندن میں ہی اس کی بیٹیوں کے ڈھنگ دیکھ لئے تھے۔"

کبریٰ قائل ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر بولی۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ لڑکیاں ایسی ویسی ہیں۔ میں تو کبھی گلچھرے اڑانے والی کو اپنی بہو نہیں بناؤں گی۔"

وہ بولا۔ "چار پیسے کی ہانڈی بھی ٹھونک بجا کر خریدی جاتی ہے۔ پہلے ٹھونک بجا کر دیکھو .... اور بیٹے کو سمجھاؤ۔"

وہ کبریٰ کے سمجھانے سے سمجھنے والا نہیں تھا۔ وہ اپنی سوچ کے مطابق گھر والوں کا ڈسا ہوا تھا اور باہر والوں میں اپنا روشن مستقبل تلاش کرنے والا تھا۔

☆======☆======☆

ارمانہ افسردہ سی ہو گئی تھی۔ نفاست کی نفرت اُسے مایوس کر رہی تھی۔ حسرت اسے تسلی دے رہا تھا۔ وہ اسے کھلی فضا میں سمندر کے کنارے لے آیا تھا۔ وہ لہروں پر چل رہے تھے۔ ان کے پیروں تلے سے ریت پھسل پھسل کر لہروں کے ساتھ سمندر کی طرف جا رہی تھی۔

ارمانہ نے حسرت سے کہا۔ ”ان لہروں کو دیکھ رہے ہو؟“

”ہاں .... دیکھ رہا ہوں۔ ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتی ہوئی اچھی لگ رہی ہیں۔“

ارمانہ نے بڑی مایوسی سے اسے دیکھا۔ پھر ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ ”ایک لہر دوسری لہر کے پیچھے آتی ہے۔ پھر ناکام واپس جاتی ہے۔ میں بھی تمہارے پیچھے چلتی جا رہی ہوں اور نہ جانے کب تک پیچھے ہی رہوں گی؟“

”میں اور تم ایسی لہریں ہیں جو ایک دوسرے سے مل چکی ہیں۔ نہ کوئی آگے ہے‘ نہ کوئی پیچھے ہے۔ تم میرے ساتھ رہتی ہو‘ ساتھ چلتی ہو‘ تم ہمیشہ میرا ہاتھ تھام کر آگے بڑھتی رہو گی۔ میں تمہیں پیچھے نہیں ہٹنے دوں گا۔“

اس نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ جذبوں سے نہال ہو کر بولی۔ ”میں جانتی ہوں تم میری خاطر بزرگوں سے بغاوت کرو گے .... لیکن کب؟“

”تم ہمارے گھر کے حالات جانتی ہو‘ سب ہی اپنے اپنے معاملات کو اہمیت دے کر پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔“

وہ بولی۔ ”ثمینہ نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ دادا جان اور تمہارے ڈیڈی میں صلح کرا دی‘ تمہارے ڈیڈی نے سجاد بھائی کو کاروبار کے تمام اختیارات دے دیئے ہیں۔ کیا تم کسی حکمت عملی سے مجھے اپنے گھر نہیں لے جا سکتے؟“

وہ ذرا سوچ کر بولا۔ ”ڈیڈی تو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں کہ میں تمہیں شریکِ حیات بنا کر ہی رہوں گا۔ صرف دادا جان کو قائل کرنا ہو گا۔“

”تمہارے سوچتے رہنے سے وہ قائل نہیں ہوں گے۔“

وہ مسکرا کر بولا۔ ”اب حالات کچھ سازگار ہیں۔ میں ان سے بات کروں گا۔“

”کل سدرہ اور سجاد بھائی ہمارے ساتھ ڈنر کریں گے۔ کیا خیال ہے اُن سے مشورہ کیا جائے؟“

وہ بولا۔ ”ٹھیک ہے۔“

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر ساحل پر چلتے رہے۔ ایسے وقت حسرت تمام پریشانیوں اور الجھنوں کو بھول گیا تھا۔ وہ ارمانہ کے ساتھ عجیب سی سرشاری محسوس کر رہا تھا۔

☆======☆======☆

ثمینہ اپنی ماں پر لگائے گئے الزام پر آنسو بہا رہی تھی۔ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ وہ نفاست سے باتیں کرنا چاہتی تھی۔ دل کا غبار نکالنا چاہتی تھی۔ مگر اس نے دیکھا تھا کہ وہ کبریٰ کے ساتھ اپنے کمرے میں گیا تھا۔ وہ فی الحال کبریٰ کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔ سوچتی ہوئی نظروں سے فون سیٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر سر جھٹک کر ٹہلنے لگی۔ ایسے وقت اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ جیسے وہ اندر ہی اندر کسی فیصلے پر پہنچنا چاہتی ہو۔ اس نے ایک بار پھر ٹھٹک کر ٹیلی فون کی طرف دیکھا۔ کچھ سوچتی ہوئی اس کی طرف بڑھی اور ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔ رابطہ ہونے پر جھجکتے ہوئے بولی۔ ”ہیلو!“

دوسری طرف سے نفاست کی آواز سنائی دی۔ ”ہیلو .... کون؟“

وہ ذرا کھنکار کر بولی۔ ”میں .... میں سدرہ بول رہی ہوں۔“

نفاست نے چونک کر پوچھا۔ ”سدرہ! کہاں ہو تم؟“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ”یہیں .... اسی کوٹھی میں ہوں۔ آپ کو ابھی چچی جان کے ساتھ کمرے میں جاتے دیکھا تھا‘ سوچا فون پر بات کر لوں۔“

اس نے تعجب سے پوچھا۔ ”ایک ہی چھت کے نیچے ہو اور فون پر بول رہی ہو؟“

کبریٰ ناگواری سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اسے ثمینہ کا زرینہ خاتون کی طرف داری کرنا ناگوار گزرا تھا۔ اُس وقت ثمینہ کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی سخت ہو گیا تھا اور یہ بات کبریٰ کو کھٹک رہی تھی۔

نفاست نے فون پر کہا۔ ”ایسا کرو‘ میرے کمرے میں چلی آؤ‘ میں بھی تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ”وہ .... دراصل‘ میں چچی جان کے سامنے نہیں آؤں

گی۔ وہ بہت غلط باتیں کر رہی تھیں۔ میں نے بہت برداشت کیا ہے۔ بزرگ ہونے کے ناطے میں ان کی توہین نہیں کرنا چاہتی۔"

نفاست نے ناگواری سے کبریٰ کو دیکھا۔ وہ اسے اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ بنے بنائے منصوبے کو ناکامی میں بدل دینے کی ماہر ہے۔ اس نے ضرور سدرہ کو بدظن کر دینے والی کوئی بات کہی ہو گی۔

اس نے فون پر پوچھا۔ "انہوں نے کیا کہا ہے؟"

کبریٰ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ دوسری طرف سے ثمینہ کہہ رہی تھی۔ "چچا جان! آپ جانتے ہیں' میں بزرگوں کے خلاف کوئی بات نہیں سنتی۔ آپ کی وائف مرحومہ کیا میری بزرگ نہیں ہیں؟"

ماں کا ذکر کرتے وقت اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "مم .... میری وائف؟"

کبریٰ اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا تجسّس بڑھتا جا رہا تھا کہ آخر سدرہ نفاست سے کیا باتیں کر رہی ہے۔

نفاست نے کھنکارتے ہوئے کہا۔ "ہاں .... بے شک وہ بھی تمہاری بزرگ ہیں۔ آخر بات کیا ہو گئی؟ کھل کر بولو۔"

نفاست دوسری طرف کی باتیں سننے لگا۔ ایسے وقت وہ کبریٰ کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر ناگواری اور غصے کی شکنیں گہری ہوتی جا رہی تھیں۔ کبریٰ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔ کیا وہ میرے خلاف کچھ کہہ رہی ہے؟"

اس نے حقارت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "میں سمجھ گئی' وہ ضرور آپ کو میرے خلاف بھڑکا رہی ہے۔"

نفاست نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ پھر اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "جب تمہاری سوکن اس دنیا میں نہیں رہی تو پھر کیوں اس کے خلاف بولتی ہو؟"

"اگر بولتی ہوں تو سدرہ کو کیوں اتنا ناگوار لگ رہا ہے؟ وہ کیوں انگاروں پر لوٹ رہی ہے؟ میں پوچھتی ہوں' آپ کی اس مرحومہ سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ ان ماں بیٹی کے خلاف میرا بولنا اسے زہر کیوں لگ رہا ہے؟ آج مجھے حقیقت بتا ہی دیں .... بولیں!"

وہ دانت پیس کر بولا۔ "دھیمی آواز رکھ یہ کون سی حقیقت کی بات کر رہی ہو؟

کیا تم سدرہ کو نہیں جانتیں؟ وہ چھوٹے بڑے سب کی عزت کرتی ہے۔ کسی بزرگ سے رشتہ ہو یا نہ ہو' وہ اس کی توہین برداشت نہیں کرتی۔"

نفاست کی یہ بات درست تھی کہ ثمینہ کسی بھی بزرگ کی توہین برداشت نہیں کرتی تھی۔ کبریٰ نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ "آپ جانتے بھی ہیں کہ آج اس نے مجھ سے کس لہجے میں بات کی تھی اور کیا کہا تھا؟"

نفاست نے بیزار ہو کر پوچھا۔ "کیا لہجہ تھا اس کا اور کیا کہا تھا اس نے؟"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ لڑکی غصے کی اتنی تیز ہے؟ میں نے یونہی کہہ دیا کہ پتہ نہیں آپ نے مرحومہ سے شادی کی بھی تھی یا نہیں؟ یہ سنتے ہی وہ ایک دم سے بھڑک گئی۔ بڑے ہی سخت لہجے میں بولی کہ آپ مرنے والوں کی برائی نہ کریں۔"

وہ بولا۔ "ہاں تو اس نے ٹھیک ہی کہا۔"

"ارے آگے تو سنیں .... اس نے کہا تھا کہ خبردار میری ماں کو داشتہ نہ کہیں۔"

نفاست نے ایک دم سے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "یہ کتنے افسوس کی بات ہے جو بیچاری مر چکی ہے' اسے تم نے داشتہ کہا ہے۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "آپ میری بات پکڑ رہے ہیں۔ اس بات پر غور نہیں کر رہے ہیں کہ وہ مرنے والی کو ماں کہہ رہی تھی۔"

نفاست تعجب سے بڑبڑایا۔ "ماں.........!"

کبریٰ اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مار کر بولی۔ "میں دعویٰ سے کہتی ہوں' یہ میری سوکن کی بیٹی ہے۔ آپ مانیں یا نہ مانیں۔"

نفاست نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر کہا۔ "تم بھی مجھے کیسی بے تکی باتوں میں الجھا رہی ہو؟ ان ماں اور بیٹی کی تدفین میری آنکھوں کے سامنے ہوئی تھی اور تم اسے سوکن کی بیٹی کہہ رہی ہو؟ کیا یہ قبر سے اٹھ کر یہاں آ گئی ہے؟"

اس نے گہری سنجیدگی سے نفاست کو دیکھا۔ پھر وہ الجھ کر بولی۔ "یہ میں نہیں جانتی۔ س نے میری سوکن کو ماں کیوں کہا؟ اسے ماں کے خلاف میری باتیں اتنی بری لگی ہیں کہ ہ اب تک تلملا رہی ہے' میرا سامنا کرنے سے کترا رہی ہے۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر پلٹ کر بولی۔ "آپ چاہے نہ مانیں مگر میں یہ بھید معلوم کر کے ہی رہوں گی کہ یہ سدرہ نہیں' ثمینہ ہے

"........ ثمینہ۔"

نفاست اُسے گہری سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ غصے سے پاؤں پٹختی ہوئی پلٹ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس کی باتیں نفاست کو الجھا رہی تھیں۔ اسے یہ معلوم تھا کہ کبریٰ ایک ذرا سی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتی ہے۔ مگر سدرہ کی ناراضگی اسے تشویش میں مبتلا کر رہی تھی' بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے پر مجبور کر رہی تھی۔

ثمینہ نے نفاست سے بات کر کے دل کا غبار دھو ڈالا تھا لیکن اب اسے یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ کبریٰ اس سے ناراض ہو گی۔ وہ کسی کو اپنی ذات سے خفا کرنا یا نقصان پہنچانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ پریشانی سے ٹہل رہی تھی۔ ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا' اسے کان سے لگا کر کہا۔

"ہیلو .... میں سدرہ بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے ارمانہ کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو .... میں ارمانہ بول رہی ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "او.......... ارمانہ! کیسی ہو؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "آہ .... بس جی رہی ہوں .... امیدوں کے سہارے .... جس سے امیدیں وابستہ ہیں' اس کا نام حسرت ہے اور میرا نام ارمانہ ہے' سوچتی ہوں کہیں ارمان پورے ہونے کی حسرت دل میں ہی نہ رہ جائے۔"

وہ اس کی بات سن کر ہنستے ہوئے بولی۔ "ایسا نہیں ہو گا۔ تم اس قدر مایوس نہ ہو' حسرت بھائی بڑے ذہین ہیں۔ وہ کسی نہ کسی طرح تمہیں ضرور اس گھر میں دلہن بنا کر لائیں گے۔"

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔ کل تم نے ڈنر پر آنے کا وعدہ کیا ہے۔ سجاد بھائی کے ساتھ آ رہی ہو نا؟"

"ہاں بھئی! مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ کل شام تک پہنچ جاؤں گی۔ بھائی جان تو اب دن رات آفس کے معاملات میں مصروف رہا کریں گے۔ ابھی کاروبار سنبھالنے کا نیا نیا تجربہ ہے۔ ویسے وہ بھی وعدے کی پابندی کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے' وہ ضرور آئیں گے۔"

دروازے پر دستک ہوئی اس نے چونک کر ادھر دیکھا تو نفاست دروازہ کھول کر اندر آیا۔ وہ بولی۔ "آ.......... آپ .... آئیے۔"

پھر فون پر بولی۔ "ٹھیک ہے' میں وقت پر آ جاؤں گی۔"

اس نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ نفاست نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "میں نے ڈسٹرب کیا ہے؟"

وہ مسکرا کر انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "بالکل نہیں .... میری کوئی مصروفیت آپ سے زیادہ اہم نہیں ہو سکتی۔"

وہ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ "خدا تمہیں خوش رکھے۔"

پھر اس نے ایک صوفے پر بیٹھ کر اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے پوچھا۔ "یہ .... تمہاری چچی جان کیا کہہ رہی ہیں؟"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا؟"

اس نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم میری وائف مرحومہ کو ماں کہہ رہی تھیں؟"

ثمینہ نے چونک کر نفاست کو دیکھا۔ پھر ذرا ہچکچا کر کہا۔ "نن .... نہیں تو .... چچی جان غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں نے کسی بات پر ایسا کہا ہو گا۔"

"انہوں نے حسد جلن سے اپنی سوکن کو داشتہ کہا تھا۔ تمہیں غصہ آ گیا۔ تم نے کہا۔ "میری ماں کو داشتہ نہ کہیں.........."

ثمینہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہاں .... یاد آیا۔ وہ غلط سمجھ رہی ہیں۔ یا جان بوجھ کر غلط کہہ رہی ہیں۔ میں نے کہا تھا' ایک ماں کو گالی نہ دی جائے۔ میں نے' میری ماں' نہیں کہا تھا۔"

نفاست سوچتے ہوئے بولا۔ "سمجھ گیا' تمہاری چچی جان کو نمک مرچ لگا کر کہنے کی عادت ہے۔"

وہ سر جھٹک کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "عجیب عورت ہے' اُس نے مجھے بھی الجھا دیا تھا۔"

ثمینہ نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔ "کیا آپ مجھے دوسری بیٹی سمجھ کر آئے تھے؟"

اس نے ثمینہ کو گہری نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "نن .... نہیں .... بس یونہی۔"

"کیا میں آپ کی ثمینہ نہیں بن سکتی؟"

نفاست نے ایک دم سے چونک کر اُسے دیکھا۔ وہ گہری نظروں سے اس کے چہر۔

کی گھبراہٹ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جبراً مسکرا کر بولا۔ "آں .... ہاں .... تم میرے لئے ثمینہ سے بھی بڑھ کر ہو لیکن خدا نہ کرے کہ تم ثمینہ بنو۔"

اس نے تعجب سے اور ذرا دکھ سے پوچھا۔ "وہ کیوں؟"

وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ "اس لئے کہ تمہارے دادا جان لکیر کے فقیر ہیں۔ وہ یہاں ثمینہ کا نام بھی برداشت نہیں کریں گے۔"

ثمینہ نے شدید مایوسی سے نفاست کو دیکھا۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "اپنی چچی جان کی باتوں کا برا نہ منایا کرو۔ وہ ہمیشہ ہی کڑوا بولتی ہیں۔ خود تو پریشان رہتی ہیں' دوسروں کو بھی سکون سے نہیں رہنے دیتیں۔ میں انہیں سمجھاؤں گا۔"

وہ چلا گیا' ثمینہ نے افسردگی سے سر جھکا لیا۔ یہ بات اسے صدمہ پہنچا رہی تھی کہ عبادت علی کبھی اسے ثمینہ کے روپ میں قبول نہیں کریں گے۔ اس نے ایک گہری سانس لی پھر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

☆======☆======☆

فہمی سجاد سے بہت زیادہ مانوس ہو چکی تھی۔ وہ دونوں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ سجاد آفس سے فارغ ہو کر فہمی کے ساتھ ایک فن فیئر گارڈن میں آ گیا تھا۔ اسے ارمانہ' فراز اور ثمینہ کے ساتھ ڈنر کرنا تھا۔ حسرت بھی وہاں پہنچنے والا تھا۔ سجاد فہمی کو اپنے ساتھ وہاں لے جانا چاہتا تھا۔

وہ کچھ دیر فن فیئر میں وقت گزارتے رہے۔ پھر سجاد نے فہمی کو اشاروں میں سمجھایا کہ دیر ہو رہی ہے' انہیں چلنا چاہئے۔

وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی' انجوائے کر رہی تھی۔ وہ دونوں کار میں بیٹھ کر زرینہ خاتون کی کوٹھی کی طرف جانے لگے۔ سجاد کو ہنستی مسکراتی' معصومیت سے بھری فہمی پر بڑا پیار آ رہا تھا۔ اس نے اچانک ہی کار کو سڑک کے کنارے روک دیا۔ فہمی نے گھبرا کر اشاروں میں پوچھا کہ گاڑی کیوں روک دی؟

وہ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم بول نہیں سکتیں' مگر تمہاری ادائیں بولنے لگی ہیں۔"

وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ شرما کر نظریں چرانے لگی۔ اس نے کہا۔ "تم جذبوں کو سمجھنے لگی ہو۔ اسی لئے میرے قریب آ کر خاموش جذبوں سے بولنے لگی ہو۔"

فہمی اس کی نگاہوں کی تپش سے پگھلی جا رہی تھی۔ اس نے الجھ کر اشاروں میں پوچھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟

سجاد نے ڈیش بورڈ کے خانے میں سے ایک لیٹر پیڈ نکالا اور جیب سے قلم نکال کر کچھ لکھنے لگا۔ فہمی متجسس سی ہو کر کاغذ کو دیکھ رہی تھی۔ سجاد نے وہ تحریر اس کی طرف بڑھا دی۔ وہ کاغذ پر "I love you" لکھا دیکھ کر ایک دم سے جھینپ گئی۔ پھر اسے سینے سے لگا کر چور نظروں سے سجاد کو دیکھنے لگی۔

ایسے ہی وقت ایک کار ان کے قریب آ کر رکی۔ فہمی ایک دم سے سہم گئی۔ سجاد نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے پھر سر گھما کر کھڑکی کے باہر دیکھا۔ مراد ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا انہیں گھور رہا تھا۔ اس کے برابر والی سیٹ پر ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے لباس اور انداز سے مغربیت جھلک رہی تھی بلکہ وہ ہر طرح سے مغربی رنگ میں رنگی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ مراد نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔ "خاندانی لڑکی سے سڑکوں پر رومانس نہیں کرنا چاہئے۔"

سجاد اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتا تھا۔ وہ بولا۔ "کیا تم بازاری لڑکی سے رومانس کر رہے ہو؟"

اس کی بات پر اس لڑکی نے تلملا کر سجاد کو دیکھا۔ مراد نے سخت لہجے میں کہا۔ "تمیز سے بات کرو' یہ انکل احسان کی صاحبزادی روزی ہے۔"

وہ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "اچھا .... تو اللہ تمہیں روزی دے رہا ہے؟"

وہ شانے اچکا کر فخر سے بولا۔ "یہی سمجھ لو۔ تمہارے پہلو میں پچاس کروڑ ہیں اور میں اپنے ساتھ پانچ سو کروڑ لے کر گھوم رہا ہوں۔"

اس بات پر روزی نے حقارت سے سجاد اور فہمی کو دیکھا۔ پھر ان کی طرف سے منہ پھیر کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔ سجاد نے مراد سے کہا۔ "میرے پہلو میں میری اور میرے گھر کی عزت ہے۔ تمہارے پہلو میں بینک آف کیش پے منٹ ہے' میرا خیال ہے' اس بینک میں کوئی بھی آ کر چیک کیش کرا سکتا ہے۔"

مراد نے شدید غصے سے اسے گھورا۔ سجاد ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ روزی نے مراد سے کہا۔ "تم اس نان سنس کا منہ نہیں توڑ سکتے تھے؟"

"میں ابھی جھگڑا بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ تم اگر میرے ساتھ نہ ہوتیں تو میں اس کی ایسی کی تیسی کر دیتا۔"

روزی نے ناگواری سے منہ پھیر لیا۔ مراد نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔
اس نے پانچ سو کروڑ حاصل کرنے کے لئے گھر داماد بننا قبول کر لیا تھا۔ مگر اس بات کی خبر نہ کبریٰ کو تھی اور نہ ہی نفاست کو۔

☆======☆======☆

زیبی الجھی ہوئی تھی۔ مراد کی باتیں اُسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ یہ سوچیں اور پریشانیاں اسے الجھن میں مبتلا کر رہی تھیں۔ وہ گھر سے باہر کھلی فضا میں آ گئی۔ وہ شاپنگ کرنے کے ارادے سے نکلی تھی مگر یہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا خریدے؟ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی فراز کے بارے میں سوچنے لگتی تھی۔ وہ بے سبب شاپنگ سینٹر میں ٹہل رہی تھی۔ پھر ایک دکان کے سامنے رک گئی۔ وہاں بچوں کے خوبصورت اور مہنگے کھلونے سجے ہوئے تھے۔ بہت سے بچے اور ان کے والدین ان کھلونوں کو پسند کر رہے تھے' خرید رہے تھے۔ وہ محو ہو کر ان سب کو دیکھ رہی تھی۔ اسے بچوں کا ضد کرنا اور ماں باپ کا ان کی ضد پوری کرنا اچھا لگ رہا تھا۔ ایسے ہی وقت ایک نیا شادی شدہ جوڑا اس دکان میں داخل ہوا۔ ان کے ساتھ کوئی بچہ نہیں تھا۔ وہ شیر خوار بچوں کی ضرورت کی اشیاء خریدنے لگے۔ زیبی انہیں دیکھ رہی تھی اور نہ جانے کن خیالات میں بھٹک رہی تھی۔ کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم سے چونک گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو پہلے حیران ہوئی پھر اس نے ناگواری سے منہ پھیر لیا۔

فراز گھوم کر اس کے سامنے آیا پھر اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔ ”ہم ایسے اجنبی تو نہیں ہیں؟“

زیبی نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ پھر اس سے کترا کر آگے بڑھ گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ اس سے چھٹکارا پانے کے لئے ایک اسٹور میں داخل ہو گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے وہاں پہنچ گیا۔ زیبی کو بیزاری ہو رہی تھی مگر وہ غصے کو دبا رہی تھی اور خاموش تھی۔ کاؤنٹر پر آ کر دکاندار سے بولی۔ ”ایک کافی دیجئے اور کافی کے لئے کوئی اچھا سا وائٹنر بھی۔“

فراز اس کے برابر آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ذرا دور ہٹ گئی۔ وہ بھی ڈھٹائی دکھا رہا تھا۔ ایک قدم بڑھا کر پھر سے اس کے قریب آ گیا۔ دکاندار نے ایک کافی کا جار زیبی کو دیا پھر ایک ملک پیک دکھاتے ہوئے بولا۔ ”یہ دودھ بہت بہترین ہے۔“

فراز نے جلدی سے کہا۔ "دودھ کے ساتھ فیڈر بھی دیں۔"

زیبی نے چونک کر اسے گھورا۔ فراز نے مسکرا کر کہا۔ "بھئی ہمارا پہلا بچہ فیڈر سے دودھ پیئے گا۔"

زیبی نے شرما کر چور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دکاندار نے خوش ہو کر کہا۔ "اچھا آپ ماں بننے والی ہیں؟"

زیبی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ دکاندار نے پلٹ کر جاتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی فیڈر لاتا ہوں۔"

اس کے جاتے ہی زیبی نے پلٹ کر غصے سے کہا۔ "تم دوسروں کے سامنے ایسی بکواس کیوں کر رہے ہو؟"

"ماں بننا بکواس نہیں ہے' بڑے فخر کی بات ہے۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "میں تمہیں نہیں جانتی' جاؤ یہاں سے۔"

اس کا لہجہ فراز کو مایوس کر رہا تھا۔ مگر وہ ڈھٹائی پر اترا ہوا تھا۔ کیونکہ سب ہی نے اسے مشورہ دیا تھا کہ نو ماہ کے اندر اندر زیبی کو اپنی طرف مائل کر سکتے ہو تو کر لو اور آج اتفاق سے اس سے سامنا ہو گیا تھا اور وہ اس کے دل میں اپنی سوئی ہوئی محبت جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بولا۔ "اتفاق سے میں نکاح نامے کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں کرانے آیا تھا اور یہ تمام کاپیاں میرے بیگ میں ہیں۔"

اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے نکاح نامے کی ایک کاپی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے پڑھو' یاد آ جائے گا کہ میں تمہارا مجازی خدا ہوں۔"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر دکاندار کو وہاں آتا دیکھ کر جبراً خاموش ہو گئی۔ اس نے بہت سا سامان لا کر کاؤنٹر پر رکھا۔ زیبی حیرت سے تمام چیزوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک ایک چیز انہیں دکھانے لگا۔ "یہ فیڈر ہے' بچے کے لئے بے بی لوشن ہے' بے بی پاؤڈر اور یہ کئی طرح کے نیپکن ہیں۔ یہاں بچے کے لئے پورا بیڈ اور جھولا بھی مل سکتا ہے۔ میوزیکل جھولا ہے' بچہ میوزک سنتے سنتے ہی سو جائے گا۔"

زیبی پریشان ہو کر اس کی باتیں سن رہی تھی۔ فراز نے خوش ہو کر کہا۔ "ایسے میوزیکل جھولے میں تو بچے کے ماں باپ کو بھی نیند آ جائے گی۔"

یہ سب باتیں زیبی کی برداشت سے باہر ہو رہی تھیں۔ وہ کافی کا جار کاؤنٹر پر پٹخ کر غصے سے پلٹ کر دکان سے باہر جانے لگی۔ دکاندار نے اسے پکارا۔ "میڈم! کیا ہوا.........

بنئے تو سہی؟"

پھر اس نے فراز سے پوچھا۔ "انہیں کیا ہوا؟"

فراز نے مسکرا کر کہا۔ "یہ پہلی بار ماں بننے والی ہیں۔ آپ نے ایک ساتھ اتنی چیزیں دکھا دیں۔ وہ گھبرا گئی ہیں۔ میں انہیں ٹھنڈا پلا کر لاتا ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا دکان سے باہر آیا۔ زیبی شاپنگ سینٹر سے باہر نکل رہی تھی۔ وہ تقریباً دوڑتا ہوا اس کے پیچھے آ کر بولا۔ "زیبی! اتنی ضد' اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا۔ پلیز ....انسان بن جاؤ۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی پارکنگ ایریے کی طرف جا رہی تھی۔ اس کی بات پر ٹھٹک کر بولی۔ "کیا مطلب؟ کیا میں انسان نہیں ہوں؟"

"غرور انسان کو شیطان بنا دیتا ہے۔ غرور سے باز آ جاؤ' انسان کہلاؤ گی۔"

وہ اپنی کار کے قریب آئی۔ پھر اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر ڈرائیور سے بولی۔ "ڈرائیور! گاڑی چلاؤ۔"

ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کرنے کے لئے چابی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ فراز نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر اس سے چابی چھین لی۔ پھر اس نے زیبی کی کھڑکی پر جھک کر کہا۔ "تمہاری زندگی کی گاڑی میری مرضی سے چلے گی۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "کیوں تماشہ بنا رہے ہو؟ میں تمہاری دھونس میں نہیں آؤں گی۔ ابھی پولیس کو بلا لوں گی۔"

وہ لاپرواہی سے بولا۔ "ٹھیک ہے' میں بھی دادا جان کے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

زیبی نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟ سدرہ نے کہا تھا' تم مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھو گے۔"

فراز نے بڑے دکھ سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "تعلق ٹوٹے گا یا اور مضبوط ہو گا یہ تو بچے کی پیدائش کے بعد دیکھا جائے گا۔ نو ماہ تک انتظار کرو۔ میرا دل کہتا ہے' یہ بچہ اپنی ماں کو بھٹکنے نہیں دے گا۔ اپنے باپ کے پاس لے آئے گا۔"

اس نے کار کی چابی زیبی کی طرف اچھال دی۔ وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ پلٹ کر چلا گیا۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں آج اس کا دل فراز کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھی مگر پھر اس نے ڈرائیور کی طرف چابی پھینکتے ہوئے کہا۔ "گاڑی چلاؤ۔"

وہ عبادت علی شاہ کی پوتی تھی۔ ہار کر بھی ہارنا نہیں جانتی تھی۔ چاہے وہ انا پرستی اُسے تباہی کی طرف ہی کیوں نہ لے جا رہی ہو۔

☆======☆======☆

ثمینہ، زرینہ خاتون کی کوٹھی میں پہنچ چکی تھی۔ حسرت، ارمانہ اور فراز تینوں ہی کچن میں مصروف تھے۔ وہ ڈائننگ ہال میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے تیز آواز میں کہا۔ "مجھے یہاں مہمان کی طرح بٹھا دیا ہے اور تم سب کام میں لگے ہو۔"

حسرت نے کچن سے ایک ڈش لا کر ثمینہ کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "آرام سے بیٹھی رہو۔ ہم کوئی پہاڑ نہیں کھود رہے ہیں۔"

وہ بولی۔ "مرد حضرات کچن میں کام کرتے اچھے نہیں لگتے۔"

ارمانہ دوسری ڈش لا کر میز پر رکھتے ہوئے بولی۔ "حسرت! میں نے تم سے کہا تھا یہاں بیٹھو۔ ثمینہ سے باتیں کرو۔ میں اکیلی کھانا لگا سکتی ہوں۔"

وہ منہ بسور کر بولا۔ "میں کام میں ہاتھ بٹا رہا ہوں، کیا برا کر رہا ہوں؟ ایک تو کام کرو اوپر سے باتیں سنو۔"

فراز نے کچن سے ایک ساتھ دو ڈشیں لا کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "آں ہاں ...... جھگڑا نہ کرو........... سارا کام ہو گیا ہے۔ اب سجاد بھائی کا انتظار ہے۔ وہ آ جائیں تو کھانا شروع کریں۔"

وہ سب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ فراز نے کہا۔ "پتہ ہے، آج میرا زیبی سے سامنا ہو گیا۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ ثمینہ نے تجسّس بھرے انداز میں پوچھا۔ "اچھا .... کہاں؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "محترمہ شاپنگ کر رہی تھیں۔ ایک دکان میں تو بڑا مزہ آیا۔"

ارمانہ نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے، اس کا موڈ ٹھیک ہو گیا ہے، اس نے تمہیں ویلکم کیا ہو گا؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "اس کا موڈ اور ٹھیک ہو گا؟ اس کے دماغ کو فریزر میں رکھا جائے گا، تب بھی گرم ہی رہے گا۔ بات کچھ اور ہے۔ وہ کافی اور دودھ لے رہی تھی۔ میں نے دودھ کے ساتھ فیڈر بھی مانگ لیا۔"

اس کی بات سن کر وہ تینوں ہنسنے لگے۔ وہ بولا۔ "دکاندار فیڈر کے ساتھ بے بی

لوشن، بے بی پاؤڈر، نیپکن اور جھولا وغیرہ بھی دکھانے لگا۔"

ارمانہ نے ہنسی کو روکتے ہوئے پوچھا۔ "زیبی کا ردعمل کیا تھا؟"

فراز ایک دم سے سنجیدہ ہو گیا۔ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "افسوسناک۔"

سب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ ایک ایک کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ دیکھ کر مجھے تکلیف پہنچی کہ وہ ماں بننے میں اپنی توہین محسوس کر رہی ہے۔"

ثمینہ نے بڑی ہمدردی سے اسے دیکھا۔ پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اُسے سمجھنے دو........... مگر وہ ماں بننے سے انکار نہیں کر سکتی۔"

حسرت نے کہا۔ "ثمینہ درست کہہ رہی ہے۔ وہ طلاق حاصل کرنے کے لئے ماں بننے سے انکار نہیں کرے گی۔"

کال بیل کی آواز سنائی دی۔ سب نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ثمینہ نے کہا۔ "لگتا ہے، بھائی جان آ گئے؟"

وہ ڈائننگ ہال سے چلتی ہوئی دروازے کے قریب آئی۔ پھر اس نے ہینڈل گھما کر اسے کھولا۔ کھلے ہوئے دروازے کے باہر سجاد اور فہمی کھڑے ہوئے تھے۔ وہ فہمی کو دیکھ کر چونک گئی۔ سجاد نے کہا۔ "اندر آنے کو نہیں کہو گی؟"

اس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "آیئے سب ڈائننگ ہال میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ فہمی کے ساتھ اندر آیا۔ پھر کوریڈور سے گزرتا ہوا ڈائننگ ہال میں پہنچا۔ حسرت نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ "ہمارے مہمانِ خصوصی آ گئے۔"

فہمی کو دیکھ کر سب ہی حیران ہو رہے تھے۔ مگر فہمی ارمانہ اور فراز کو دیکھ کر ایک دم سے چونک گئی تھی۔ حسرت اور سجاد سے اشاروں میں پوچھ رہی تھی کہ یہ یہاں ہیں؟

حسرت نے اُسے اشاروں میں سمجھایا۔ "یہ ہمارے دوست ہیں اور دادا جان کو مت بتانا کہ یہ دونوں یہاں رہتے ہیں۔"

ارمانہ نے حسرت سے کہا۔ "یہ باتیں بعد میں سمجھا دینا پہلے مہمانوں کو بیٹھنے کے لئے تو کہو۔"

سجاد نے فہمی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر وہ بھی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "بھئی، ہمیں مہمان نہ کہو۔"

فراز نے شکایتی لہجے میں کہا۔ "مہمان نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟ کوٹھی میں جانے کے

بعد آج تشریف لائے ہیں۔"

سجاد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم نے غلط کہا۔ میں کوٹھی میں نہیں' میدانِ جنگ میں گیا تھا۔ کسی حد تک میدان جیت کر آ رہا ہوں۔"

فراز نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ تو درست ہے' میری طرف سے مبارکباد قبول کریں۔ یہاں سے اوورسیز تک پھیلے ہوئے کاروبار کی ذمہ داریاں آپ کے حوالے کر دی گئی ہیں۔"

حسرت نے کہا۔ "جہاں تک میں سمجھ رہا ہوں' ڈیڈی آپ سے تعاون کر رہے ہیں۔ صحیح طرح رہنمائی کر رہے ہیں۔"

وہ اس کی تائید میں سرہلا کر بولا۔ "ہاں .... میں اس بات سے انکار نہیں کروں گا۔ چچا جان میری توقع کے خلاف مجھے توجہ اور محبتیں دے رہے ہیں۔ مجھے کاروبار کا ایک ایک گر سکھا رہے ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں میری سرپرستی کر رہے ہیں۔"

فراز نے مسکرا کر ثمینہ کو دیکھتے ہوئے سجاد سے کہا۔ "اس کا کریڈٹ ثمینہ کو ملنا چاہئے۔ پہلے اس نے اپنے ابو کو محبت سے جیتا ہے۔"

سجاد نے مسکرا کر ثمینہ کو دیکھا۔ حسرت نے کہا۔ "بے شک .... ثمینہ نے کمال کیا ہے۔ ڈیڈی کی شخصیت کو بالکل ہی بدل دیا ہے مگر ابھی ان کے ذہن سے خاندانی اونچ نیچ کے فرق کے جراثیم مکمل طور پر ختم نہیں ہوئے ہیں۔"

اس بات پر ارمانہ نے مایوسی سے حسرت کو دیکھا۔ سجاد نے کہا۔ "پھر بھی چچا جان کی اس تبدیلی سے ثابت ہوتا ہے کہ دشمن کو محبت سے اسیر کیا جائے تو وہ پوری سچائی اور ایمان سے سرپرست بن جاتا ہے۔"

حسرت محسوس کر رہا تھا کہ فہمی بڑی اپنائیت اور محبت سے سجاد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ خاموش تھی مگر اس کی ادائیں بہت کچھ سمجھا رہی تھیں۔ حسرت نے سجاد سے کہا۔ "آپ نے فہمی کے دل میں پیار جگا دیا ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا' یہ ہمیشہ پیار کے جذبوں سے ناآشنا رہے گی۔"

ثمینہ نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ تو میری بھابی بنے گی۔ آپ ارمانہ کی بات کریں۔ آپ کا مسئلہ کیسے حل ہو گا؟"

سجاد نے کہا۔ "دادا جان اپنے اصولوں پر سختی سے عمل کرتے وہ خاندان سے باہر نہ کسی داماد کو قبول کریں گے اور نہ کسی بہو کو۔"

حسرت نے کہا۔ "میں اُن سے صاف صاف بات کرنا چاہتا ہوں۔"

سجاد نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ابھی گھر کا ماحول بدل رہا ہے۔ مخالفتیں کم ہو رہی ہیں اور محبتیں بڑھ رہی ہیں۔ تم وہاں اپنا مسئلہ پیدا کرو گے تو دادا جان ہنگامے برپا کر دیں گے۔"

ارمانہ نے پریشان ہو کر حسرت کو دیکھا۔ وہ گہری سنجیدگی سے سجاد کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ بول رہا تھا۔ "ہم دادا جان کو نہ تو دلائل سے قائل کر سکتے ہیں اور نہ محبت سے .... بس ایک ہی راستہ ہے۔"

سب نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ "تم بھی فراز کی طرح چپ چاپ شادی کر لو۔"

حسرت اور ارمانہ نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ فراز نے کہا۔ "یہی مناسب ہے۔ جب حالات سازگار ہو جائیں گے تو دادا جان کو قائل کیا جائے گا۔"

ثمینہ نے تائید میں سر ہلایا۔ ارمانہ کی طرف مسکرا کر دیکھا پھر کہا۔ "یہ بے چاری ایک ایک دن' ایک ایک رات گن رہی ہے اور حسرت ہے کہ اسے حسرت ناک بنایا جا رہا ہے۔"

اس بات پر سب نے قہقہہ لگایا۔ وہ بولی۔ "میں بھائی جان کے مشورے کی تائید کرتی ہوں۔ اگرچہ نکاح چوری چھپے پڑھا جائے گا لیکن یہ کوئی چوری یا جرم نہیں ہو گا۔ ان کا نکاح اور ان کی ازدواجی زندگی جائز کہلائے گی۔"

فراز نے کہا۔ "میں بھی سجاد بھائی کے مشورے کی تائید کرتا ہوں۔ چوری چھپے ہی سہی نکاح ہو جانا چاہئے۔"

حسرت کچھ بوکھلایا ہوا سا ایک ایک کا منہ تک رہا تھا۔ سجاد نے پوچھا۔ "تمہیں کیا ہوا ہے؟ نکاح کے نام پر ایسے بدحواس کیوں دکھائی دے رہے ہو؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے لیکن .... یہ چوری چھپے شادی کرنا تو ہماری خاندانی روایت بنتی جا رہی ہے۔ پہلے پھوپھی جان نے چھپ کر شادی کی پھر ہمارے ڈیڈی نے اسی طرح شادی کی پھر فراز اور زیبی نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ ان کے بعد عالیہ اور اسد بھی پَر تول رہے ہیں اور اب ہماری باری ہے۔"

ثمینہ نے کہا۔ "واقعی یہ تو جیسے خاندانی روایت بن گئی ہے۔ شروع سے یہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔"

سجاد نے کہا۔ "جب خاندان کا سرپرست لکیر کا فقیر ہو اور اپنے اصولوں کو بدلنا نہ چاہتا ہو تو پھر ایسی ہی بغاوتیں سر اٹھاتی ہیں۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ "دادا جان .... ہم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ ہم بھی دادا جان کو دل و جان سے چاہتے ہیں لیکن ہم محبت سے جس قدر انہیں سمجھائیں گے وہ اسی قدر طیش میں آتے رہیں گے۔ وہ کبھی فراز کو داماد تسلیم نہیں کریں گے اور عالیہ ارمانہ کو بہو بنا کر اپنے خاندان میں لانا کبھی پسند نہیں کریں گے۔"

ثمینہ نے کہا۔ "تو پھر اور کیا کیا جائے؟ اُن سے محبت بھی کی جائے اور ان سے تھوڑا جھوٹ بھی بولا جائے۔ ان کے اصولوں کے سامنے سر بھی جھکایا جائے اور انہیں ایک ذرا دھوکہ بھی دیا جائے تب ہی بات بنے گی۔"

کال بیل کی آواز سنائی دی۔ حسرت نے کہا۔ "اب کون آیا ہے؟"

ارمانہ نے پریشان ہو کر کہا۔ "کہیں تمہارے ڈیڈی تو نہیں ہیں؟"

حسرت نے کہا۔ "ہونے دو، ہم یہاں کوئی جرم نہیں کر رہے ہیں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر وہاں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم کے دروازے پر آیا۔ پھر اسے کھول کر دیکھا تو وہاں عالیہ اور اسد کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ لو......... یہ دونوں بھی آ ٹپکے ہیں۔ ابھی ان کا ہی ذکر ہو رہا تھا۔"

وہ اندر آ گئے۔ عالیہ نے کہا۔ "بھئی! تم نے ہمیں دعوت دی تھی لیکن ہم اتنے مصروف رہے کہ آتے آتے دیر ہو گئی۔"

"کوئی بات نہیں دیر آید درست آید۔ آؤ بیٹھو کھانا چل رہا ہے۔ شریک ہو جاؤ۔"

وہ دونوں ثمینہ کے قریب بیٹھ گئے۔ اسد نے کہا۔ "ہم تم سب کو کھانے کی دعوت دینے آئے ہیں۔"

فراز نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ آج ہمیں کم کھانا چاہئے۔ بائی دا وے یہ دعوت کس سلسلے میں دی جا رہی ہے؟"

"اس لئے کہ کل تم سب ہمارے ایک معاملے میں ذرا زحمت اٹھاؤ گے۔ کل صبح دس بجے ہمارے ساتھ رجسٹرار آفس چلو گے۔ وہاں میرا اور عالیہ کا نکاح ہو گا۔ ہماری درخواست منظور ہو چکی ہے۔"

فراز نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ہپ......... ہپ......... ہرے......... کل پھر اسی خاندانی روایت پر عمل ہو گا۔"

وہ سب اسد اور عالیہ کو پیشگی مبارک باد دینے لگے اور یقین دلانے لگے کہ کل صبح دس بجے رجسٹرار کے آفس پہنچ جائیں گے۔

اسد نے کہا۔ "تم سب مبارک باد دے رہے ہو اور خوش ہو رہے ہو لیکن کل قیامت بھی آ سکتی ہے۔"

سب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ سجاد نے پوچھا۔ "وہ کیسے؟"

اسد نے کہا۔ "اگرچہ ہم چھپ کر شادی کر رہے ہیں لیکن کل نکاح نامہ حاصل کرتے ہی میں دادا جان کو بتا دوں گا کہ ہم نے شادی کی ہے۔"

حسرت نے پوچھا۔ "یہ کیا حماقت ہے؟ جب بتانا ہی ہے تو پہلے سے بتا دو۔"

"نہیں .... پہلے میں عالیہ کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بہت سہمی ہوئی ہے۔ میں اسے یقین دلانا چاہتا ہوں کہ دادا جان کا عتاب نازل ہوتا رہے۔ تب بھی میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ پھر جب پہلے سے نکاح ہو جائے گا تو اسے چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو گا۔ اس لئے پہلے رجسٹرار آفس میں ہماری شادی ہو گی۔ اس کے بعد اعلانِ جنگ ہو گا۔"

وہ سب ہنسنے بولنے والے اچانک سنجیدہ ہو گئے تھے اور اپنے اپنے طور پر سوچ رہے تھے۔ ہر ایک کی سوچ اسی ایک بات پر آ کر رک رہی تھی کہ کل واقعی قیامت آنے والی ہے۔

☆======☆======☆

وصال کی شب ہو تو بڑی مختصر سی لگتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے صبح ہو جاتی ہے اور جدائی کی گھڑیاں گزارنی ہوں تو یہی رات شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہو جاتی ہے۔ گزارے نہیں گزرتی۔ آدھی رات گزر چکی تھی اور زیبی بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ نیند تھی کہ آنکھوں تک آنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ بار بار آنکھیں بند کر رہی تھی۔

آنکھیں بند ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ موت آ گئی ہے۔ یا نیند آ گئی ہے۔ ان بند آنکھوں کے پیچھے رت جگا مچلتا رہتا ہے۔ یادیں ستاتی رہتی ہیں جو کیا ہے وہ اگر غلط ہے تو پھر نیند اڑ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ نیند کیوں نہیں آ رہی ہے؟ کئی بار اس کا ہاتھ بے خیالی میں اپنے پیٹ پر گیا اور وہ عالم بے خودی میں اپنے پیٹ کو سہلاتی رہی۔ پتہ نہیں کیا سوچتی رہی؟ اسے خود یاد نہیں رہا کہ سوچتے سوچتے اتنا وقت کیسے گزر گیا؟

شاپنگ سینٹر میں بچے دکھائی دیتے رہے جو اپنی ماؤں سے کھلونوں کی ضد کر رہے تھے۔ اسے فراز دکھائی دیا جو بچے کے لئے فیڈر اور نیپکن وغیرہ خرید رہا تھا۔ بہت سے کھلونے اور غبارے لے کر آ رہا تھا اور اسے گلے لگا کر چومتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "تم نے محبت کا ایک خوبصورت سا تحفہ دیا ہے' دیکھو ہمارا بچہ کتنا خوبصورت ہے۔"

وہ مسکراتا ہوا بچہ دکھائی دے رہا تھا۔ بادلوں کے درمیان سے دونوں ننھی ننھی بانہیں پھیلائے اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ اس سے کترانا چاہتی تھی مگر ممتا کے جذبات مچلتے تھے۔ وہ بے اختیار اپنی بانہیں اس کی طرف پھیلا دیتی تھی لیکن وہ بچہ اس کی بانہوں میں آتے آتے گم ہو جاتا تھا۔

وہ بانہیں محروم رہ جاتی تھیں۔ گود خالی ہو جاتی تھی۔ ایک بیاہتا عورت جب تک ماں نہ بنے اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی۔ نہ اس کی ازدواجی زندگی مکمل ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا گھر آباد رہتا ہے۔

اس کے اندر سوال پیدا ہوتا تھا کہ وہ کیوں کترا رہی ہے؟ وہ کیوں اتنا غرور دکھا رہی ہے؟ اسی فراز کو چاہا تھا۔ اسی کی بانہوں میں دن رات گزارے تھے۔ اس وقت اس کا غرور کہاں تھا؟ کیا اس رات وہ اس کے خاندان سے باہر نہیں تھا؟ اس کا خاندان کم تر نہیں تھا؟ اور اگر وہ کم تر تھا تو پھر اس نے اُسے قبول کیوں کیا تھا؟

اس کے پاس ایسے سوالوں کے جواب نہیں تھے۔ عالیہ اس کی کزن بھی تھی اور رازدار سہیلی بھی اس نے کہا تھا۔ "تم چاہے جتنا بھی غرور کرو سینہ تان کر اور سر اٹھا کر چلو' اپنی ٹھوکروں میں دنیا کو اڑاتی رہو لیکن تمہاری زندگی میں آنے والا ایک شخص ایسا ہوتا ہے جس کے سامنے غرور کا سر نیچا کرنا پڑتا ہے اور وہ ہوتا ہے مجازی خدا۔ یہ قدرتی اصول ازل سے رہا ہے کہ مرد زبر ہوتا ہے اور عورت زیر رہتی ہے۔

ایک دن تمہیں بھی زیر ہونا ہے۔ اگر فراز کی محبت سے نہیں جھکو گی تو اس کے بعد کوئی نہ کوئی مرد تمہاری زندگی میں ضرور آئے گا۔ وہ فرعون ضرور ہو گا تمہیں جبراً جھکائے گا۔ تب تمہارے ہوش اڑیں گے اور فراز کی محبت یاد آئے گی۔ تمہیں تڑپائے گی۔"

وہ ایک دم سے اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ دل گھبرا رہا تھا۔ نیند تھی کہ آنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اگر آ جاتی تو صبح تک سکون حاصل ہوتا رہتا۔ وہ بیڈ سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ پھر بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ کمرہ ائرکنڈیشنڈ تھا پھر بھی حبس محسوس ہو رہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

باہر آ کر نیچے ڈرائنگ روم میں دیکھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ سناٹا تھا۔ کوئی فرد بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سب گہری نیند سو رہے تھے۔ اس لئے کہ سب نے اپنے اپنے کام اچھی طرح انجام دیئے تھے۔ کسی نے کسی کا دل نہیں توڑا تھا۔ اگر توڑا تھا تو پھر جوڑا بھی ہو گا۔ ان سب کو سکون سے نیند آ رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ممی ڈیڈی کے کمرے کے سامنے آئی۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ ماں سے باتیں کرے لیکن رات کے دو بج رہے تھے۔ دروازے پر دستک دینا مناسب نہیں تھا۔ وہ پریشان ہو کر واپس اپنے کمرے میں آئی۔ موبائل فون اٹھا کر باہر بالکونی میں آ گئی۔ فون پر نمبر پنچ کئے پھر اسے کان سے لگا کر سننے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اسے کبریٰ کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو .... کون ہے؟ کیا اتنی رات کو فون کرنا ضروری تھا؟"

وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "ہاں ممی! .... میں بول رہی ہوں۔"

کبریٰ نے نرم آواز میں پوچھا۔ "ہائے میری بیٹی! کیا بات ہے؟ فون کیوں کیا ہے؟"

"پتہ نہیں ممی! دل کیوں گھبرا رہا ہے؟ میں یہاں بالکونی میں ہوں بہت تنہائی محسوس کر رہی ہوں' پلیز .... آپ باہر آ جائیں۔"

"ابھی آ رہی ہوں میری جان! بس آئی ہی سمجھو۔"

ایک منٹ کے اندر ہی کبریٰ دروازہ کھول کر باہر آئی۔ پھر اس کے قریب آ کر سر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔ "کیا ہوا ہے میری جان!"

وہ ماں کو دیکھ کر جذبات سے بھر گئی۔ اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ کبریٰ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "آخر بات کیا ہے؟ کسی نے تم سے کچھ کہا ہے؟ مجھے بتاؤ میں اس سے نمٹ لوں گی۔ بتاؤ کس نے کیا کہا ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ "نہیں ممی! کسی نے کچھ نہیں کہا ہے۔ بس دل گھبرا رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے میرے اندر گرم ہوائیں چل رہی ہوں۔"

وہ اس کا شانہ تھپک کر بولی۔ "میرے ساتھ نیچے چلو۔ میں تمہیں ٹھنڈا جوس پینے کے لئے دیتی ہوں۔ آرام آئے گا۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ چلتی ہوئی زینے سے اتر کر نیچے ڈرائنگ روم میں آئی۔ اسے سمجھاتی رہی۔ "تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ اگر کوئی بات ذہن میں اٹکی ہوئی ہے

تو اسے اندر سے نکالو کم از کم اپنی ماں کو تو بتاؤ کہ پریشانی کیا ہے؟"

وہ ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ کبریٰ فریج سے اورنج جوس نکال کر ایک گلاس میں لے آئی۔ پھر اسے دیتے ہوئے بولی۔ "تمہارے دماغ میں جیسے بھی خیالات آ رہے ہیں انہیں اس وقت نکالو۔ کچھ نہ سوچو۔ ذہن کو بالکل خالی کر دو اور یہ جوس پیتی رہو۔"

اس نے گلاس کو ہونٹوں سے لگا کر ایک چسکی لی۔ پھر ایک ایک گھونٹ پیتی رہی اور سر جھکائے بیٹھی رہی۔ ماں اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ آدھا گلاس پی لینے کے بعد اس نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا پھر پوچھا۔ "ممی! جب آپ پہلی بار ماں بنی تھیں اور بھائی جان پیدا ہوئے تھے تو آپ کو کیسا لگا تھا؟"

اس کے سوال نے ماں کو چونکا دیا۔ اس نے پوچھا۔ "تم یہ سوال کیوں کر رہی ہو؟"

"بس .... یوں ہی پوچھ رہی ہوں' جب عورت ماں بننے لگتی ہے تو اسے کیا ہو جاتا ہے؟"

"تم عورت نہیں ہو ایک کنواری لڑکی ہو' ایسی باتیں نہ کرو۔"

"نہیں ممی! یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی بات ہے۔ جب میری شادی ہو چکی ہے' میں ازدواجی زندگی گزار چکی ہوں اور اب ماں بننے والی ہوں تو عورت ہی کہلاؤں گی نا؟ آپ کے انکار کرنے سے حقیقت تو نہیں بدل جائے گی۔"

کبریٰ اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بولی۔ "بچہ تمہارے لئے پرابلم بن گیا ہے۔ اسی کی وجہ سے تمہارا دل گھبرا رہا ہے۔ تم کشمکش میں مبتلا ہو۔ میں جانتی ہوں' تم بچہ نہیں چاہتیں۔ فراز سے بھی نفرت کرنے لگی ہو۔ اب تو جو ہونا تھا' وہ ہو چکا۔ بس ایک زچگی کے مرحلے سے گزرنا ہے۔ یہ مرحلہ گزر جائے تو سمجھو ساری مصیبتیں دور ہو گئیں۔"

"نہیں .... مصیبتیں اتنی آسانی سے دور نہیں ہوں گی۔ میں بہت الجھ رہی ہوں۔"

"آخر بتاؤ تو .... الجھن کیا ہے؟"

اس نے ماں کو دیکھا پھر نظریں جھکا کر جھجکتے ہوئے کہا۔ "میں .... اپنا بچہ فراز کو نہیں دوں گی۔"

کبریٰ نے پریشان ہو کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "ایسا تم پہلے بھی کہہ چکی ہو۔ پہلے بھی

تمہارے دماغ میں خناس بھر گیا تھا۔ تمہارے اندر ممتا کیوں پیدا ہوتی جا رہی ہے؟"

"آپ ماں ہو کر یہ سوال کر رہی ہیں؟ جب آپ پہلی بار ماں بن رہی تھیں اس وقت کوئی آپ سے یہ کہتا کہ اُس بچے کو یعنی بھائی جان کو کسی دوسرے کے حوالے کر دیں تو آپ کر دیتیں؟"

کبریٰ ایک ذرا پیچھے ہٹ گئی۔ پھر بولی۔ "تم میری بات کیوں بیچ میں لا رہی ہو؟ میرا جھگڑا تمہارے باپ سے نہیں ہوا تھا۔ ہماری شادی خاندانی رسم و رواج کے مطابق ہوئی تھی۔ بزرگوں نے ہماری شادی طے کی تھی۔ ہمارا نکاح پڑھایا تھا۔"

"میرے ساتھ بھی یہی ہوا ہے ممی! .... ڈیڈی فراز کو لے کر آئے تھے۔ انہوں نے اسے داماد بنانا قبول کیا تھا اور جب میں نے فراز کو دل سے پسند کر لیا' ان کا داماد بنا دیا تو پھر کیوں اعتراض کیا گیا؟"

"اپنے باپ کو الزام نہ دو۔ فراز کو تم نے پسند کیا تھا۔ تم ہی اسے لے کر آئی تھیں۔"

"سوری ممی! میں فراز کو دفتر میں لے کر گئی تھی۔ ڈیڈی اسے گھر میں لے کر آئے ہیں۔ میں اسے ملازمت دلانا چاہتی تھی' ڈیڈی نے اسے داماد بنانا چاہا۔ یہ الزام نہ دیں کہ میں نے آپ لوگوں کو دھوکہ دیا ہے۔ مجھ سے بڑا دھوکہ ڈیڈی نے دادا جان کو دیا ہے۔ آپ جھوٹ اور فریب کی باتیں نہ کریں تو بہتر ہے۔ اس خاندان میں جسے موقع ملتا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔ جسے موقع ملتا ہے دھوکہ دیتا ہے۔"

کبریٰ نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "سچ بتاؤ .... کیا تم فراز کی طرف پھر سے مائل ہو رہی ہو؟"

اس نے چونک کر ماں کو دیکھا۔ پھر نظریں چراتے ہوئے اور جھجکتے ہوئے کہا۔ "نہیں.........."

"جھوٹ مت بولو' مجھ سے نظریں ملاؤ۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں .... میں صرف بچے کی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ آپ فراز کی بات نہ کریں۔ آپ لوگوں نے اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا ہے لیکن میرا ہونے والا بچہ مکھی نہیں ہے۔"

اس نے زیبی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بیٹی! ہم نے فراز کو چھوڑنے کے لئے کہا' تم نے چھوڑ دیا۔ ہمارا سینہ فخر سے تن گیا کہ ہماری اولاد فرمانبردار ہے۔ ہمارے نقش

قدم پر چل رہی ہے۔ بچے کے سلسلے میں بھی ہماری بات مان لو۔ یہ اُس کا ہے' اُسے لوٹا دینا بہتر ہے۔ ورنہ وہ تمہیں طلاق نہیں دے گا اور ہم اس بچے کو کب تک اور کہاں تک ابا جان سے چھپائیں گے؟"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر بولی۔ "ممی! آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ آپ جانتی ہیں کہ یہ میرا کوئی گناہ نہیں ہے' اسے فراز کے حوالے کرنے کی بات آتی ہے تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرے سینے سے دل کو نوچا جا رہا ہے۔"

کبریٰ نے کھڑے ہو کر کہا۔ "یا میرے خدا! میری بچی کو کیا ہو رہا ہے .... تمہاری ممتا ہمارے لئے بڑے مسائل پیدا کرے گی۔"

زیبی وہاں سے جانا چاہتی تھی۔ پھر باہر گاڑی کی آواز سن کر رک گئی۔ کبریٰ نے ناگواری سے کہا۔ "یہ حسرت ہو گا' رات کے ڈھائی بج رہے ہیں اور یہ آوارہ گردی کر کے آ رہا ہے۔"

ثمینہ کی ہنسی سنائی دی' کبریٰ نے کہا۔ "اوہ .... تو یہ محترمہ بھی ہیں۔ کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے کہ جوان لڑکی اتنی رات تک باہر کہاں رہتی ہے؟"

دروازہ کھلا' وہ سب ہنستے بولتے ہوئے اندر آنے لگے وہ صرف ثمینہ اور حسرت نہیں تھے۔ ان کے ساتھ سجاد بھی تھا' فہمی بھی تھی' عالیہ اور اسد بھی تھے۔ وہ سب ہنستے بولتے آ رہے تھے۔ ڈرائنگ روم میں کبریٰ کو دیکھ کر ایک دم سے چپ ہو گئے۔ کبریٰ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے ہی حسرت نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "ممی! آپ پوچھیں گی کہ ہم اتنی رات تک باہر کہاں رہے؟ اب آپ کو کیا بتایا جائے کہ ہم کہاں کہاں لائف انجوائے کرتے رہے ہیں؟ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے۔ آپ نے بھی اس عمر میں خوب تفریح کی ہو گی۔"

کبریٰ نے ناگواری سے سجاد کو دیکھا۔ پھر حسرت سے کہا۔ "خوب تفریح کرو اور دفتری معاملات سے غافل رہا کرو۔ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ نقصان ہو رہا ہے یا نفع ہو رہا ہے؟ نئی ذمہ داریاں سنبھالنے والے کیا گل کھلا رہے ہیں؟ تمہیں تو اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہے۔"

حسرت نے مسکرا کر سجاد کو دیکھا پھر پوچھا۔ "کیوں سجاد بھائی! آپ کوئی گل کھلا رہے ہیں؟"

سجاد ہنستے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ کبریٰ منہ بنا کر وہاں سے جانے لگی

عالیہ نے زیبی کے پاس آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم اتنی رات تک جاگ رہی ہو' کیا بات ہے؟"

وہ بڑی محبت سے بولی۔ "تم کہاں چلی گئی تھیں؟ مجھ سے کوئی بات کرنے والا نہیں تھا۔ میں ممی کو نیند سے اٹھا کر یہاں لے آئی تھی۔"

عالیہ نے اس کے قریب جھک کر کہا۔ "ان حالات میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ دل گھبراتا ہے اور نیند نہیں آتی۔ آؤ میں تمہیں بڑے پیار سے سلاؤں گی۔"

وہ دونوں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئیں۔ زیبی کے کمرے کے دوسری طرف والا دروازہ ایک چھوٹی بالکونی کی طرف کھلتا تھا۔ وہ بالکونی باغیچے کی طرف تھی۔ وہ وہاں آ کر بیٹھ گئیں۔ عالیہ نے پوچھا۔ "ممی سے کیا باتیں ہو رہی تھیں؟"

"باتیں کیا ہوں گی۔ ہمارے بزرگ اپنی غلطیاں کبھی نہیں مانتے۔ وہی غلطیاں ہم سے ہو جائیں تو آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ طرح طرح کی پابندیاں عائد کرتے ہیں۔ سزائیں دیتے ہیں لیکن میں یہ سزا کبھی برداشت نہیں کروں گی۔"

عالیہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "وہ کیسی سزا دے رہی ہیں؟"

"یہی کہ میں اپنا بچہ فراز کو دے دوں۔ ہرگز نہیں یہ میرے اندر ہے۔ مجھے عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے وہ میرے اندر چل پھر رہا ہے۔ مجھے پکار رہا ہے۔ مجھ سے الگ نہیں ہونا چاہتا ہے۔ میرے عجیب سے احساسات ہیں۔"

عالیہ نے خوش ہو کر اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا۔ پھر کہا۔ "اللہ کرے تمہارے اندر ایسی ہی ممتا بیدار ہوتی رہے۔"

"تم خوش ہو رہی ہو اور میری جان پر بنی ہوئی ہے۔"

"تمہاری جان پر کیوں بنی ہے؟ ہوا کیا ہے؟"

"تم سمجھتی کیوں نہیں؟ میں اپنا بچہ فراز کو نہیں دوں گی۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ نہ دو۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو؟ وہ ہنگامہ برپا کر دے گا۔"

"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں' وہ کوئی ہنگامہ برپا نہیں کرے گا۔ وہ تمہاری ایک بات مان لے گا اور تم اس کی ایک بات مان لو گی تو پھر کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔"

"میں اس کی کون سی بات مان لوں اور وہ میری کون سی بات مان لے گا؟"

"تم اسے بچہ نہیں دو گی تو وہ مان لے گا۔ بچے کو تمہارے ہی پاس رہنے دے گا۔

اس کے بدلے تم اس کی بات مانو گی اور اس سے طلاق نہیں لو گی۔"

اس بات پر وہ منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ عالیہ نے کہا۔ "دیکھو زیبی! تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ کچھ لینے کے لئے کچھ دینا پڑتا ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں' ڈیڈی اور ممی نے فراز کے خلاف تمہارے اندر زہر بھر دیا ہے۔ پھر تمہارے غرور اور اونچی شان و شوکت نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ورنہ تم اندر ہی اندر اپنے فراز کو چاہتی ہو۔"

وہ اس کی طرف منہ کئے بغیر نظریں ملائے بغیر بولی۔ "بکواس مت کرو۔"

"محبت ایسی بھی ہوتی ہے جو اوپر سے بکواس کہلاتی ہے اور اندر ہی اندر پھول کھلاتی ہے۔"

"تم تو ایسے عالم فاضل کی طرح بول رہی ہو جیسے عشق کی یونیورسٹی میں محبت کا کورس پڑھا ہے اور وہاں سے ڈگری حاصل کی ہو۔ زیادہ بولو گی تو میں اٹھ کر چلی جاؤں گی' بستر پر جا کر سو جاؤں گی۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "تمہیں یہی کرنا چاہئے۔ آؤ میرے ساتھ چلو' بستر پر لیٹ جاؤ' رات بھی زیادہ ہو گئی ہے ہمیں سو جانا چاہئے۔"

وہ دونوں کمرے میں آ گئیں۔ زیبی نے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا۔ "تم بھی آ جاؤ۔ آج میرے ہی ساتھ سو جاؤ۔ میں بہت تنہائی محسوس کر رہی ہوں۔"

عالیہ اس کے ساتھ ہی لیٹ گئی۔ لیٹتے ہی زیبی ایک دم سے لپٹ گئی۔ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ عالیہ خاموش رہی۔ سمجھتی رہی کہ ایک غبار ہے' ایک غرور ہے جو آنسوؤں کے ذریعے ڈھل رہا ہے۔ اسے ڈھل جانا چاہئے۔

☆======☆======☆

مراد کار ڈرائیو کرتا رہا اور روزی اس کے پاس بیٹھی حکم دیتی رہی کہ اِدھر چلو اُدھر چلو' مجھے ایسی جگہ دکھاؤ' مجھے ویسی جگہ دکھاؤ' دیکھنا چاہتی ہوں جہاں ڈیڈی نے مستقل رہنے کا فیصلہ کیا ہے' وہ جگہ کیسی ہے؟

مراد نے پوچھا۔ "تمہیں کیسی لگ رہی ہے؟"

"اب تک تو کراچی کا کچھ حصہ دیکھا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ کوئی صدیوں پرانا شہر ہے۔ کھنڈر ہے گندگی ہے۔ جگہ جگہ کچرا پڑا ہوا ہے۔ سڑکیں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ عمارتیں صدیوں پرانی لگ رہی ہیں۔ پتہ نہیں میں یہاں کیسے رہ پاؤں گی؟ تم کبھی نیویارک آؤ تو تمہاری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ پتہ چلے گا کہ دنیا کتنی آگے بڑھ چکی ہے۔ تم تو

یہاں کنوئیں کے مینڈک بن کر رہ گئے ہو۔"

مراد جھینپ کر بولا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے پوری دنیا کی سیر کی ہے۔ یورپ اور امریکہ ہر جگہ جا چکا ہوں۔ بڑے بڑے شہروں کی سیر کر چکا ہوں۔"

روزی نے منہ بنا کر کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ تمہارے دادا جان بہت رئیس ہیں۔ مگر وہ کتنے امیر کبیر ہوں گے؟ تمہارے دادا کی دولت کا حساب روپے میں کیا جا سکتا ہے لیکن ہماری دولت کا حساب تو پاؤنڈز میں ہے۔ یوں سمجھو کہ اس معاملے میں تم لوگ رائی ہو اور ہم پربت ہیں۔"

یہ سامنے والے کو سراسر کمتر بنانے اور انسلٹ کرنے والی بات تھی۔ اگر روزی کی جگہ کوئی دوسرا ایسی بات کرتا تو مراد منہ توڑ جواب دیتا۔ اپنے آپ کو امیر کبیر ثابت کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتا لیکن وہ روزی کی بات پر مسکرانے لگا۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "بے شک تم لوگ پاؤنڈز میں دولت کماتے ہو۔ جب تم سے شادی ہو جائے گی تو میں بھی دولت کمانا سیکھ لوں گا۔"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "مجھ سے شادی کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"کیا تم مجھ سے شادی نہیں کرو گی؟"

"ممی ڈیڈی نے تمہیں پسند کیا ہے۔ ابھی میری پسند نہیں پوچھی گئی ہے۔"

"اگر پوچھی جائے گی تو کیا کہو گی؟"

"یہی کہ ابھی تو تم سے جان پہچان ہوئی ہے۔ تمہیں سمجھنا رہ گیا ہے کہ میرے معیار کے ہو یا نہیں؟ میری پسند تمہاری پسند ہو سکتی ہے یا نہیں؟"

"کیوں نہیں ہو سکتی؟ تم جو پسند کرو گی وہی میں پسند کروں گا۔ آزما کر دیکھ لو۔"

"تم لوگ بہت بیک ورڈ ہو۔ ممی کہہ رہی تھیں' جب تمہارے گھر گئے تھے تو تمہاری ممی اور تمہارے دادا نے چائے اور مشروب کے لئے پوچھا تھا۔ انہیں کسی ڈرنک کے لئے نہیں پوچھا۔"

"وہی تو ڈرنک تھی۔ چائے بھی پینے کی چیز ہے اور جوس وغیرہ بھی۔"

"اوہ نو' یہ ساری بچوں کی چیزیں ہیں۔ وائن ہے' وہسکی ہے' واڈکا ہے۔ ایسی کوئی ڈرنک تمہارے گھر میں نہیں ہوتی۔ پھر تو تمہارے جیسے پسماندہ لوگ میں نے کہیں نہیں دیکھے۔"

مراد ان لمحات میں خود کو بُری طرح کمتر سمجھ رہا تھا۔ اپنے اعلیٰ خاندان پر فخر کرنے

والا اس وقت اپنے خاندان کو سب سے چھوٹا محسوس کر رہا تھا۔ روزی اپنے ماحول اور اپنے مزاج کے مطابق درست کہہ رہی تھی۔ اس کی ہر پسند کو اپنی پسند بنانا' بہت لازمی ہو گیا تھا۔ وہ بات بناتے ہوئے بولا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو لیکن تمہیں میری ممی سے میرے دادا سے کیا لینا ہے؟ تم میرے گھر میں بہو بن کر نہیں آؤ گی بلکہ میں داماد بن کر تمہارے گھر آؤں گا۔ تمہارے ماحول اور تمہاری سوسائٹی تبدیل نہیں ہو گی بلکہ میں تمہاری خاطر تبدیل ہو جاؤں گا۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہتی ہو؟"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "تمہارا یہ انداز بہت اچھا لگتا ہے۔ میری ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہو۔ میری ہر پسند کو اپنی پسند بنا رہے ہو۔ آئی لَو یو۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "آئی لَو یو ٹو .... لنچ کا وقت ہو گیا ہے کیا خیال ہے کسی ہوٹل میں لنچ کیا جائے؟"

وہ ناگواری سے منہ بنا کر بولی۔ "یہاں تو فائیو اسٹار سے زیادہ کوئی ہوٹل ہے ہی نہیں۔ میں تو سیون اسٹار ہوٹل میں اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ لنچ اور ڈنر کرتی ہوں۔ تمہاری بھی گرل فرینڈز ہوں گی؟"

اس سوال پر اسے حمیرا یاد آ گئی۔ حمیرا نے کس قدر ٹوٹ کر اُس سے محبت کی تھی۔ سچی محبت کا ثبوت دیا تھا۔ اس کے بچے کی ماں بن گئی تھی لیکن اس نے اتنی باوفا محبت کرنے والی کو ٹھکرا دیا تھا۔ روزی نے پوچھا۔ "کہاں گم ہو گئے؟ کیا کسی گرل فرینڈ کو مجھ سے چھپا رہے ہو؟"

وہ جلدی سے بولا۔ "نہیں نہیں .... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تم لوگ اس معاملے میں بھی بہت بیک ورڈ ہو۔ گرل فرینڈ بناتے ہو' بوائے فرینڈ بناتے ہو اور دنیا والوں سے چھپ کر ایسے انجوائے کرتے ہو جیسے گناہ کر رہے ہو؟ بھئی! ہماری لائف ہے۔ کسی کو بھی اپنا بوائے فرینڈ بنائیں۔ تم کسی کو بھی گرل فرینڈ بناؤ۔ ہماری مرضی ہے۔ تمہاری مرضی ہے۔ کوئی تیسرا بولنے والا کون ہوتا ہے؟ تمہاری یہ مشرقی تہذیب تو محبت کرنے والوں کے لئے بھی مصیبت بن جاتی ہے۔"

مشرقی تہذیب ان محبت کرنے والوں کے لئے مصیبت بن جاتی ہے جو غلط راستہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ غلط منزل پر پہنچتے ہیں۔ مراد نے چھپ کر حمیرہ سے تعلقات قائم کئے تھے۔ پھر چھپ کر اس سے شادی کی تھی اور چھپ کر بچے کا باپ بنا' اس کا نتیجہ کیا ہوا تھا۔ نہ بچہ رہا تھا نہ محبوبہ رہی تھی۔ نہ وہ بیوی بننے والی حمیرا رہی تھی۔ انجام بہت بُرا

ہوا تھا لیکن اس کا اثر مردوں پر کم پڑتا ہے۔ مراد پر بھی اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اب حمیرا کو چھوڑ کر روزی کی طرف لڑھک گیا تھا۔

وہ روزی کی قربت میں یہ حساب نہیں کرنا چاہتا تھا کہ مشرقی تہذیب سیدھے راستے سے سیدھی محبت کرنا اور سیدھی خوشیاں حاصل کرنا سکھاتی ہے۔ روزی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھو مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔ ہم دونوں لائف پارٹنر بننے والے ہیں اس لئے ایک دوسرے کے ماضی کے بارے میں اور ایک دوسرے کی مصروفیات کے بارے میں سب کچھ معلوم ہونا چاہئے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ لنچ کہاں کرو گی؟"

"میرے گھر چلو۔ ڈیڈی نے کہا تھا' تم ہمارے ساتھ لنچ کرو گے اور وہیں تم سے مستقبل کے بارے میں ضروری باتیں طے ہوں گی۔"

اس نے کار کو ٹرن دیتے ہوئے کہا۔ "تو پھر چلو دیر کس بات کی ہے؟"

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "ہاں .... ایک لڑکی سے میں نے محبت کی تھی۔"

وہ اس کے بازو میں چٹکی لیتے ہوئے بولی۔ "صرف محبت کی تھی؟"

وہ جھینپ کر بولا۔ "نہیں .... اور بہت کچھ ہو گیا تھا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "تم تو لڑکیوں کی طرح شرما رہے ہو۔ بھئی یہ تو ہوتا ہی ہے۔ میں نے بھی محبت کی میرے ساتھ بھی بہت کچھ ہو گیا ہے۔ اس میں شرمانے کی کیا بات ہے؟"

مراد کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ تعلقات کی بات ایسے کر رہی تھی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ بوائے فرینڈ تو جیسے ملبوسات کی طرح ہوتے ہیں۔ انہیں جب تک چاہا پہنا پھر اتار کر پھینک دیا۔ پھر کوئی نیا لباس پہن لیا۔

مراد کو یوں لگا جیسے وہ بھی ایک لباس تھا جسے پتہ نہیں وہ کب تک پہنے گی پھر اتار کر پھینک دے گی۔

اس نے نفی کے انداز میں اپنا سر ہلایا پھر سر جھٹک کر بولا۔ "نہیں میرے ساتھ ایسا نہیں ہو گا۔ یہ مجھے صرف بوائے فرینڈ نہیں بنائے گی۔ میرے ساتھ تو باقاعدہ اس کی شادی ہو گی۔"

بے انتہا دولت نے روزی کو ایک اجلے دودھ کی طرح بنا رکھا تھا۔ اس دودھ میں نہ جانے بوائے فرینڈ کی کتنی مکھیاں پڑ گئی تھیں۔ مراد کے سامنے یہی ایک راستہ رہ گیا تھا کہ وہ آنکھ بند کر کے اس دودھ کو پی لے۔ اس میں پڑی ہوئی مکھیوں کا حساب نہ کرے۔

وہ روزی کے گھر پہنچ گیا تھا۔ اس کے ماں باپ نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ بیگم احسان نے کہا۔ "ہم کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ لنچ کا وقت ہو گیا ہے۔"

پھر اس کی ممی نے ملازموں کو حکم دیا کہ وہ ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگائیں۔ وہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ اس کی ماں بڑی چاہت اور امیدوں کے ساتھ مراد کو دیکھ رہی تھی۔ باپ اپنی بیٹی کو ایسی سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کی رضامندی معلوم کرنا چاہتا ہو۔ اس نے کہا۔ "کیوں بیٹی! تم نے مراد کے ساتھ خواب انجوائے کیا؟"

"اوہ یس پاپا! مراد از ویری فنٹاسٹک۔ آئی لائک ہم' آئی لو ہم۔"

ماں باپ خوش ہو گئے۔ پھر باپ نے مراد کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "مبارک ہو' تم تو بہت بڑے امتحان میں پاس ہو گئے۔ میری روزی تو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی۔ اس نے تمہیں پسند کیا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔"

روزی کی ممی نے ناگواری سے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "بھئی مراد! تم تو ہمیں بہت پسند ہو لیکن تمہارا خاندان ہمیں ذرا پسند نہیں ہے۔ تمہارے دادا تو ایسے لگتے ہیں جیسے صدیوں پرانے کسی کھنڈر سے اٹھا کر لائے گئے ہوں۔"

مراد ہزار اختلافات کے باوجود اپنے دادا کو بہت چاہتا تھا۔ ان کی حمایت میں اپنے ماں باپ سے لڑ جاتا تھا لیکن اس وقت اُن کی حمایت میں اتنی سی بات نہ کہہ سکا کہ اس کے دادا کے خلاف ایسی کوئی بات نہ کی جائے۔ ان کی انسلٹ نہ کی جائے وہ خاندان کے بزرگ ہیں۔ سرپرست ہیں۔ ان کی بے عزتی پورے خاندان کی بے عزتی ہے۔

اسے روزی کی ماں کی یہ بات بُری تو لگی لیکن وہ چپ رہا۔ وہ زندگی کا بہت بڑا جوا کھیلنے آیا تھا۔ اسے کروڑوں پاؤنڈز کی بازی جیتنی تھی اور وہ بازی جیت کر اپنے دادا جان کے سامنے فخر سے کہنا چاہتا تھا کہ انہوں نے برسوں میں کروڑوں روپے کمائے ہیں لیکن اس نے ایک ہی بازی میں کروڑوں پاؤنڈز جیت لئے ہیں۔

وہ سب کھانے کی میز پر آ گئے۔ روزی اس کے پاس بیٹھ گئی۔ مراد نے خوشامدانہ انداز میں پوچھا۔ "تمہیں کیا پسند ہے؟"

روزی نے ایک ڈش کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے وہ ڈش اٹھا کر اس کے سامنے پیش کی۔ ماں باپ دیکھ رہے تھے۔ مراد ان کے اور ان کی بیٹی کے معیار پر پورا اتر رہا تھا۔ اس کے باپ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بیٹے! تم تو روزی کو کھلاتے ہی رہ جاؤ گے۔ کچھ تم بھی تو کھاؤ۔"

وہ بھی روزی کے ساتھ کھانے لگا۔ اس کی ماں نے پوچھا۔ "تمہارے دادا جان کی جائیداد میں تمہارا حصہ کتنا ہے؟"

"دادا جان نے ابھی وصیت نہیں لکھی ہے اور شاید لکھی ہو تو ہم سب سے چھپا کر رکھتے ہوں گے۔"

اس کے باپ نے کہا۔ "تعجب ہے تم اُن کا پورا کاروبار سنبھال رہے ہو۔ وہ کاروبار تمہارے باپ نفاست علی کے ہاتھ میں ہے اور تم اپنے باپ کے رائٹ ہینڈ ہو۔ اس کے باوجود تمہیں اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ دادا جان نے وصیت لکھی ہے یا نہیں؟ اگر تمہیں جائیداد میں سے اپنا حصہ لے کر الگ ہونا پڑا تو کیا کرو گے؟"

مراد نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "وہ .... میں اپنے دادا کی جائیداد میں سے حصہ لے کر کیوں الگ ہوں گا؟"

"اس لئے کہ جب تم یہاں گھر داماد بن کر آؤ گے تو تمہارے خاندان والوں سے برائے نام تمہارا تعلق رہ جائے گا۔ تمہارا جو کچھ بھی ہو گا وہ یہاں ہو گا۔ روزی کے مقدر سے ہو گا اور تم جائیداد میں سے حصہ لے کر اس رقم سے اپنا مقدر یہاں بناؤ گے۔"

مراد نے کہا۔ "لیکن انکل! جب میں یہاں گھر داماد بن کر آؤں گا تو دادا مجھے عاق کر دیں گے۔ گھر سے نکال دیں گے۔ اپنی جائیداد میں سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیں گے۔"

"تم ایسی غلطی نہ کرو۔ پہلے ہمارے داماد نہ بنو۔ پہلے اپنے دادا کی جائیداد میں سے اپنا حصہ وصول کرو' پھر اُس حصے کی رقم لے کر یہاں آ جاؤ۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ کس طرح ہیرے جواہرات خریدے جاتے ہیں۔ کس طرح فروخت کئے جاتے ہیں اور کس طرح منافع کمایا جاتا ہے۔"

مراد بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ روزی کے باپ نے پوچھا۔ "کیا بات ہے' کیا پریشانی ہے؟"

"آپ دادا جان کو نہیں جانتے' وہ اپنے جیتے جی یہ کبھی نہیں بتائیں گے کہ انہوں

نے وصیت کیا لکھی ہے؟ اور ہم میں سے کوئی بھی اپنا حصہ مانگنا چاہے گا تو وہ اُسے حصہ دے کر کبھی الگ نہیں کریں گے۔ وہ سب کو یکجا کر کے رکھنا چاہتے ہیں۔ سب کو سمیٹ کر اپنے گھر میں اپنے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی الگ ہونا چاہے گا تو اُسے پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیں گے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم دولت مند خاندان میں پیدا ہونے کے باوجود ننگے بھوکے ہو۔ محتاج ہو۔ وہ اگر گھر سے نکال دیں تو تمہاری جیب میں ایک نیا پیسہ بھی نہ ہو اور تم فٹ پاتھ پر ہاتھ پھیلائے کھڑے رہو گے؟"

وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "آپ یہی سمجھیں کہ دادا جان نے بڑی حکمت عملی سے ہم سب کی لگام اپنے ہاتھوں میں رکھی ہوئی ہے۔ جو بھی بے لگام ہو گا تو وہ نہ گھر کا رہے گا نہ گھاٹ گا۔"

روزی کے باپ نے کہا۔ "مراد! ایسے مفلس اور بے روزگار نوجوان بہت ملتے ہیں جو بہت زیادہ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنا مستقبل بنانا چاہتے ہیں۔ میں ایسے نوجوانوں میں سے کسی کو بھی روزی کے لئے خرید سکتا ہوں لیکن مجھے تو ایک اعلیٰ خاندان کا اور دولت مند خاندان کا لڑکا چاہئے جو میرے پاس خالی ہاتھ نہ آئے۔"

روزی کی ماں نے کہا۔ "تم خود ہی سوچو خالی ہاتھ آنے والے کی عزت کیا ہوتی ہے؟ تمہاری اپنی ایک اہمیت ہونی چاہئے۔ حیثیت ہونی چاہئے کہ تم ننگے بھوکے نہیں ہو اور تم اپنے بل پر یہاں زندگی گزارنے آئے ہو۔"

"لیکن آپ لوگوں نے تو کہا تھا کہ روزی کو اپنی جائیداد میں سے آدھا حصہ دیں گے؟ اور وہ پاکستانی کرنسی کے حساب سے پانچ سو کروڑ روپے کی مالکہ ہو گی۔"

"بے شک .... یہ پانچ سو کروڑ کی مالکہ ہے۔ تم اس سے شادی کرو گے تو تمہاری دولت اور جائیداد اسی کے نام ہو گی اور جب بچے ہوں گے تو وہ دولت اور جائیداد ان بچوں کے نام ہو گی۔ تمہارے نام تو وہی کاروبار اور جائیداد ہو گی جسے تم اپنی رقم سے شروع کرو گے۔"

مراد سر جھکا کر سوچنے لگا۔ روزی کے باپ نے کہا۔ "تم اسے ہماری خودغرضی نہ سمجھو بلکہ کاروباری طور طریقے کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس طرح تمہاری ایک الگ حیثیت ایک الگ اہمیت ہو گی۔ یہاں گھر داماد بن کر بھی تمہارا سر اونچا رہے گا۔ تم روزی کے محتاج نہیں ہو گے۔"

اس نے ایک ڈش مراد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میرے بہترین مشورے کو اس پہلو سے بھی سمجھو کہ ابھی تم باپ کے ساتھ دادا جان کا کاروبار سنبھال رہے ہو۔ اگر تم اپنا حصہ لے کر الگ ہو جاؤ گے اور اپنی رقم سے کاروبار شروع کرو گے تو اپنی حیثیت ایک الگ بزنس مین کی طرح ہو گی۔ یہ جواہرات کا کاروبار کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے لیکن میں یہ کھیل تمہیں سکھاؤں گا۔ تم دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر اونچا مقام حاصل کر لو گے کہ تمہارے دادا جان تمہیں سر اٹھا کر دیکھیں گے تو ان کی گردن دکھنے لگے گی۔"

مراد نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "میں آپ کی نیک نیتی کو سمجھ رہا ہوں۔ آپ مجھے باوقار انداز میں داماد بنانے کی بات کر رہے ہیں۔ یہ آپ کے نظریے سے تو نیک نیتی ہے لیکن میرے نظریے سے سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ جب میں اپنے گھر والوں سے اپنا حصہ لے کر الگ ہو جاؤں گا تو اس رقم سے کوئی سا بھی کاروبار کر سکوں گا۔ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ میں ہیرے جواہرات کا کاروبار کرنے کے لئے آپ کے پاس ایک شاگرد کی طرح آؤں اور آپ استاد کی طرح مجھے کاروبار سکھائیں۔"

روزی کے باپ نے کہا۔ "کوئی بہت بڑا کام کرنے کے لئے بہت بڑا منافع حاصل کرنے کے لئے رسک لینا پڑتا ہے۔ تمہیں ہیرے جواہرات کا کاروبار کرنے کے لئے اور میری بیٹی سے شادی کرنے کے لئے اپنی ہی رقم لگانے کا رسک لینا ہو گا۔"

"آپ رسک کیوں نہیں لیں گے۔ جب شادی ہو جائے گی' میں آپ کی بیٹی کے جسم و جان کا مالک بن جاؤں گا تو آپ اپنے کاروبار میں مجھے شریک کیوں نہیں کریں گے؟ جب کہ آپ جانتے ہیں' میں بچپن سے کاروبار میں رہا ہوں۔ بزنس میں کیسی ہیرا پھیری ہوتی ہے اور کیسی حاضر دماغی سے فوراً فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ کس طرح نفع و نقصان کا خیال رکھنا پڑتا ہے؟ شاید میری عمر کا کوئی جوان اتنا زیادہ تجربہ نہیں رکھتا ہو گا۔"

"میں مانتا ہوں کہ تم سب خاندانی بزنس مین ہو۔ اچھا خاصا تجربہ رکھتے ہو لیکن کاروبار اپنی رقم سے شروع کرنا چاہئے۔"

مراد نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "اور جب اپنی رقم سے کاروبار شروع کرنا چاہئے تو پھر پسند بھی اپنی ہی ہونی چاہئے۔ جب میں بچپن سے ٹیکسٹائل کے کاروبار میں منسلک ہوں تو پھر میں جواہرات کا کاروبار کیوں کروں؟ کیوں نہ پہلے میں اپنے طور پر کاروبار شروع کروں اور ترقی کروں؟ پھر ایک بڑا بزنس مین بننے کے بعد آپ کی بیٹی سے شادی کرنے آؤں تو اس وقت آپ مجھے گھر داماد بنانے کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔"

"بیٹے! تم میری بات نہیں سمجھ رہے ہو۔"

"میں بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ آپ یہ تو کہتے ہیں کہ آپ کی کروڑوں روپے کی مالکہ یہ بیٹی ہے لیکن یہ نہیں کہتے کہ اس کی جائیداد میں میرا کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکوں گا۔ اس سے رقم لے کر کوئی کاروبار شروع نہیں کروں گا۔ آپ صاف طور پر یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ میں اپنے دادا سے اپنا جو حصہ لوں گا وہ کم از کم دس بیس کروڑ روپے تو ضرور ہوں گے اور اتنی بڑی رقم میں آپ کے پاس لے آؤں اور آپ وہ رقم اپنے ہیرے جواہرات کے کاروبار میں لگائیں۔ نام ہو گا کہ میں اپنا کاروبار کر رہا ہوں لیکن اس میں آپ کی حصہ داری بھی ہو گی۔ اگر نہ ہوئی تو آپ اپنا کمیشن ضرور وصول کریں گے؟"

"ظاہر ہے جب میں تمہارے کاروبار میں حصہ لوں گا۔ محنت کروں گا یا اپنا وقت تمہیں دوں گا۔ اپنا ذہن لگاؤں گا تو اپنا حصہ بھی لوں گا۔"

"تو پھر صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ نیا کاروبار شروع کرنے کے لئے مجھ جیسے سر پھرے باغی جوان سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں؟ جو اپنے گھر والوں سے بغاوت کرے اپنا حصہ لے کر اور کروڑوں روپے لے کر آپ کے پاس آ جائے آپ اپنی بیٹی کا چارہ اس کے سامنے ڈالیں اور وہ اپنا تمام سرمایہ آپ کے کاروبار میں لگا دے۔"

وہ سخت لہجے میں بولا۔ "مراد! تم ہماری انسلٹ کر رہے ہو۔ ایسا کہنے کا مطلب کیا ہے؟ کیا ہم بیٹی کو چارہ بناتے ہیں؟ کیا ہم دلالی کرتے ہیں؟ اپنی لینگویج درست کرو۔"

"یہ دلالی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ لندن میں جتنا کمایا وہیں کے بینکوں میں محفوظ کر دیا۔ پاکستان میں کاروبار کرنے کے لئے ہم جیسے پاکستانیوں سے سرمایہ حاصل کرنے آئے ہو اور حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ بیٹی کو پیش کر رہے ہو اور پبلسٹی کیا کر رہے ہو کہ بیٹی پانچ سو کروڑ کی مالک ہے۔ اسے جو حاصل کرنا چاہے تو پہلے اپنے باپ دادا کا سرمایہ لے کر آئے۔ بے وقوف تو سب ہی قوموں میں ہوتے ہیں۔ آپ نے پاکستانیوں کو کچھ زیادہ ہی بے وقوف سمجھ لیا ہے؟"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر روزی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ ایک کھوٹا سکہ لے کر آئے ہیں۔ یہ ہمارے ملک میں نہیں چلے گا۔"

وہ کرسی کو اپنے پیچھے گراتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔ صبح کے بھولے کو معلوم ہو گیا کہ شام کو گھر جانا ہے جو باپ دادا کے سمجھانے سے نہیں سمجھتے انہیں وقت اچھی طرح سمجھا

دیتا ہے۔

☆======☆======☆

عالیہ اور اسد رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ سجاد، ثمینہ، ارمانہ، حسرت اور فراز سب ہی رجسٹرار آفس پہنچے ہوئے تھے۔ شادی کے بعد وہ سب ہوٹل میں پہنچے۔ پھر وہاں وہ ہنستے بولتے اور کھاتے پیتے رہے۔

فراز نے حسرت کے شانے کو تھپک کر ارمانہ سے کہا۔ "تم فکر نہ کرو، اب یہ بھی حوصلہ کرے گا۔ تمہاری زندگی میں اب حسرت نہیں رہے گی۔ حسرت رہے گا۔"

اس بات پر سب ہی قہقہے لگانے لگے۔ حسرت نے کہا۔ "میں رجسٹرار آفس میں شادی نہیں کروں گا۔ اپنے بنگلے میں باقاعدہ قاضی صاحب کو بلوایا جائے گا اور شریعت کے مطابق نکاح پڑھایا جائے گا۔"

سجاد نے کہا۔ "شادی کہیں بھی کرو مگر دیر نہ کرو جو کام کل کرنا ہے وہ آج ہی کیوں نہ ہو جائے؟"

سب نے حیرانی سے پوچھا۔ "آج یعنی ابھی، اس ہوٹل میں؟"

سجاد نے کہا۔ "میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے، آج کا مطلب آج ہی نہیں ہے۔ کیوں نہ اگلے جمعے کو شادی کی تاریخ مقرر کر دی جائے؟"

اسد نے کہا۔ "اگلا جمعہ یعنی ابھی تین دن ہیں۔"

فراز نے پوچھا۔ "تمہیں کیا بے چینی ہے؟ تمہاری تو شادی ہو چکی ہے؟"

پھر سب کے سب ہنسنے لگے۔ ثمینہ نے کہا۔ "خوب ہنس رہے ہیں۔ ابھی یہ میاں بیوی گھر جائیں گے تو کیا ہو گا؟ وہاں دادا جان اور انکل کا سامنا کرنا ہے؟"

اسد نے کہا۔ "لوگ سر پر سہرا باندھ کر نکاح پڑھاتے ہیں۔ میں نے سر پر کفن باندھ کر نکاح پڑھا ہے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

ارمانہ نے کہا۔ "کیا ہونے والا ہے۔ یہ میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔ اس لئے یہاں ایک کمرے کو دلہن کی طرح سجا دیا ہے۔ یہ تم دونوں کے لئے مخصوص رہے گا۔ بڑے بے آبرو ہو کر اُس کوچے سے نکلو گے تو اس کوچے میں چلے آنا۔"

یہ ایسی بات تھی کہ اس پر سب ہی ہنسنے لگے۔ سجاد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب مجھے دفتر جانا ہو گا۔ تین گھنٹے سے غیر حاضر ہوں۔ وہاں انکل انتظار کر رہے ہوں گے۔"

وہ ہوٹل سے نکل کر اپنی کار ڈرائیو کرتا ہوا اپنے آفس کے سامنے پہنچا۔ ٹھیک اسی

وقت مراد کار ڈرائیو کرتا ہوا وہاں پہنچا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ سجاد کا خیال تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اکڑ دکھائے گا لیکن نظریں ملتے ہی مراد نے سر جھکا لیا۔ پھر وہاں سے چلتا ہوا آفس کی عمارت میں داخل ہو گیا۔

سجاد نے زیر لب کہا۔ "تعجب ہے گرم لوہا ٹھنڈا کیسے پڑ گیا ہے؟"

وہ اس کے پیچھے پیچھے عمارت میں داخل ہوا۔ مراد آگے آگے چل رہا تھا۔ آفس کے اندر پہنچ کر اس نے سر گھما کر سجاد کو دیکھا پھر آگے بڑھ کر اپنے آفس کے اندر چلا گیا۔

سجاد تیزی سے چلتا ہوا نفاست کے پاس آیا۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر بولا۔ "ہاں بیٹے! کہاں چلے گئے تھے؟"

حسرت اور اسد نے مجھے لنچ کی دعوت دی تھی۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ دفتر میں کام بہت ہے۔ میں لنچ کے لئے نہیں آ سکتا لیکن وہ دونوں بضد تھے۔ میں انہیں مایوس بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"کوئی بات نہیں آؤ بیٹھو۔ ابھی فیصل آباد کے مینجر سے فون پر باتیں ہو رہی تھیں۔ وہاں ہم دونوں میں سے کسی ایک کو جانا ہو گا۔ بہت ضروری ہے۔"

"تو پھر آپ چلے جائیں۔"

"تم جانتے ہو یہاں میں کتنا مصروف رہتا ہوں۔ اگر میں وہاں گیا تو یہاں کے بہت سے کام رک جائیں گے۔"

"اور میں یہاں کے معاملات ابھی سمجھ رہا ہوں اور ہینڈل کر رہا ہوں۔ دوسرے تمام شہروں سے جتنے کلائنٹس اور ڈسٹری بیوٹرز آتے ہیں وہ مجھ سے ہی اپنے معاملات کو گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

نفاست نے پریشان ہو کر کہا۔ "بڑی مشکل ہے۔ یہ مراد کاروبار میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے۔ احسان علی کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ اسے دو چار گھنٹے کے لئے تو آفس آنا چاہئے۔"

سجاد نے کہا۔ "وہ ابھی دفتر آیا ہوا ہے۔"

نفاست نے اُسے دیکھا' سوچا پھر کہا۔ "آنے سے کیا ہوتا ہے اس کے مزاج میں آج کل بہت گرمی ہے۔ وہ یہاں کے معاملات اچھی طرح ہینڈل نہیں کرے گا۔"

"انکل! میرا خیال ہے اس میں کچھ تبدیلی آ رہی ہے۔ میں نے اسے دیکھا ہے۔ ذرا دھیما دھیما سا بجھا بجھا سا دکھائی دے رہا تھا۔"

نفاست نے حیرانی سے پوچھا۔ "اچھا تعجب ہے' وہ اور بجھا بجھا سا؟ میں دیکھتا ہوں اس کا موڈ کیسا ہے؟"

اس نے انٹرکام کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا' سجاد نے کہا۔ "انکل! میں جا رہا ہوں۔"

"کہاں جا رہے ہو؟ بیٹھو۔"

"نہیں .... آپ اُسے میرے سامنے بلا کر بات نہ کریں۔ اُسے کوئی بات کہنی ہو گی تو وہ میرے سامنے کبھی نہیں کرے گا۔"

نفاست نے سوچتی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھا پھر کہا۔ "ٹھیک ہے .... تم یہاں بیٹھو میں اسے مل کر آتا ہوں۔"

وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر وہاں سے چلتا ہوا مراد کے دفتری کمرے میں آیا۔ دروازے پر دستک دی۔ اندر سے اس کی آواز آئی۔ "آ جاؤ۔"

وہ دروازہ کھول کر اندر آیا۔ مراد اسے دیکھتے ہی فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "ڈیڈی! آپ .... آپ مجھے بلوا لیتے' میں چلا آتا۔"

نفاست ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "پورے تین دنوں کے بعد دفتر آئے ہو۔ میں نے سوچا پتہ نہیں میرے کمرے میں آنا پسند کرو گے یا نہیں؟ اس لئے میں آ گیا ہوں۔"

"پلیز ڈیڈی! مجھے طعنہ نہ دیں۔ میں بہت اپ سیٹ ہوں۔"

نفاست اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔ "آپ مجھے اس طرح نہ دیکھیں۔"

"نظریں کیوں چُرا رہے ہو؟"

"میں نظریں کیوں چراؤں گا؟ کیا میں نے چوری کی ہے؟ کوئی جرم کیا ہے؟"

"نہ چوری کی ہے۔ نہ کوئی جرم کیا ہے۔ ہاں غلطی کر رہے ہو۔"

"ابھی میری کوئی غلطی آپ کے سامنے نہیں آئی ہے اور نہ ہی میں آپ کو کچھ کہنے کا موقع دوں گا۔ فی الحال میں ماحول کی یکسانیت سے اکتا گیا ہوں۔ کہیں باہر جانا چاہتا ہوں۔"

"میں یہی کہنے آیا تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے خود ہی یہ بات کہہ دی۔ فیصل آباد کی مل کے حساب میں کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔ تمہیں وہاں جا کر سارے حسابات چیک کرنے ہیں۔ تم یہاں کے ماحول سے دور رہنا چاہتے ہو تو فیصل آباد چلے جاؤ۔ شرط یہ ہے کہ تم

کاروباری معاملات میں دلچسپی لو گے۔ ورنہ تم نے تو اپنی تمام ذمہ داریوں کو بھلا دیا ہے۔"

"میں غیر ذمہ دار نہیں ہوں۔ کل کی فلائٹ میں سیٹ او کے کروا رہا ہوں' وہاں جا کر تمام معاملات سنبھال لوں گا۔"

نفاست نے بے یقینی سے اور حیرانی سے اُسے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "تعجب ہے احسان علی تمہیں چھوڑ دے گا؟"

"میں کیا اس کے باپ کا کھاتا ہوں؟ یا اس کا غلام ہوں؟ میں اُس کی آفر پر تھوک کر چلا آیا ہوں۔"

نفاست خوش ہو کر ایک دم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بیٹے کے پاس آ کر اس کے دونوں شانوں کو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔ "او مائی سن! آئی ایم پراوڈ آف یُو۔ تم پھسل تو جاتے ہو مگر پھر سنبھل کر کھڑے بھی ہو جاتے ہو۔ اب میں ابا جان سے نظریں ملا سکوں گا اور وہ بھی تم پر فخر کریں گے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا۔ "ڈیڈ! اگر بزرگ اپنی اولاد سے انصاف کریں تو اولاد کبھی باغی نہ ہو۔ آپ یہ کیوں نہیں سمجھ رہے ہیں کہ میرے ساتھ سراسر ناانصافی ہو رہی ہے اور پھر آپ باپ ہو کر مجھ سے ناانصافی کر رہے ہیں۔"

اس نے بیٹے کے شانے کو تھپک کر کہا۔ "تم مجھے سمجھا رہے ہو لیکن خود یہ نہیں سمجھ رہے ہو کہ میں باپ ہوں' دشمن نہیں ہوں۔ اپنی اولاد سے ناانصافی نہیں کروں گا۔ میں اس طرح انصاف کر رہا ہوں کہ تمہیں بچپن سے لے کر اب تک کاروبار کے گُر سکھاتا آ رہا ہوں۔ سجاد ایسے کاروباری ماحول سے دور رہا ہے۔ جوان ہونے کے بعد یہاں آیا ہے۔ اب میرا فرض ہے کہ میں اسے بھی اپنی انگلی پکڑاؤں اور اسے یہاں کے تمام گُر سکھاؤں۔"

وہ ٹہلنے کے انداز میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہوئے بولا۔ "بیٹے! انسان کا ضمیر کبھی نہ کبھی جاگ جاتا ہے۔ میرا ضمیر کہتا ہے کہ میں نے بھائی جان سے بڑی ناانصافی کی' بہت ظلم کیا۔ اب اُن کی اولاد سے تو ایسا نہ کروں۔"

"ڈیڈی! میں حیران ہوں کہ آپ کے مزاج میں اتنی بڑی تبدیلی کیسے آ گئی ہے؟"

اس نے بیٹے کو دیکھا۔ پھر ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ سر جھکا کر سوچنے لگا۔ کرسی پر یوں پہلو بدلنے لگا جیسے اندر سے پریشان ہو۔ مراد نے پوچھا۔ "کیا بات ہے ڈیڈی!"

وہ پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سر جھکا کر بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا جب سے سدرہ

آئی ہے' تب سے میرے اندر ایسی ہی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ بہت دھیرے دھیرے بڑی محبت سے بڑی سچائی سے وہ میرا دل جیت رہی ہے اور میرے اندر یہ احساس پیدا کر رہی ہے کہ میں بھی محبت سے اور سچائی سے دوسروں کے دل جیت سکتا ہوں۔"

پھر وہ سر اٹھا کر بولا۔ "اور تم دیکھ رہے ہو کہ کس طرح میں نے سجاد کا دل جیت لیا ہے۔"

"آپ نے محبت سے نہیں جیتا ہے۔ اس ہیڈ کوارٹر کے تمام کاروباری معاملات اسے سونپنے کے بعد اسے جیت رہے ہیں۔ وہ خود غرض ہے۔ آپ سے بہت کچھ لینے کے بعد آپ کے آگے جھک رہا ہے۔"

"نہیں بیٹے! میں نے اس کا حق اُسے دیا ہے۔ اگر بھائی جان زندہ ہوتے تو اس وقت میری کرسی پر ہوتے اور میں ان کا ماتحت ہوتا۔ اسی طرح سجاد تم سے عمر میں بڑا ہے۔ لہٰذا تم سے اونچی کرسی پر ہے اور تمہیں اس کا ماتحت بن کر رہنا چاہئے۔ اس میں کوئی انسلٹ کی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ سجاد میرا ماتحت بن کر رہتا ہے۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "لیکن مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔ جو کرسی آپ نے سجاد کو دی ہے وہ مجھے ملنی چاہئے۔ میں اس سے زیادہ تجربہ کار ہوں۔"

"بیٹے! وہ اتنا ذہین ہے کہ چار چھ ماہ کے بعد وہ بھی تمہاری طرح کاروبار سنبھالنے لگے گا۔ میری بات مانو حق دار کو اس کا حق دینا سیکھو۔ دیکھو' ابا جان کے بعد اس خاندان کا سرپرست میں ہوں۔ میرے بعد اس خاندان میں کون سب سے بڑا ہے؟"

مراد نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ نفاست نے کہا۔ "میرے بعد سجاد سب سے بڑا ہے۔ اگر خدا نخواستہ مجھے کچھ ہو گیا تو وہ اس خاندان کا سرپرست ہو گا۔ سارا کاروبار اس کے ہاتھوں میں ہو گا۔ جس طرح آج میرے ہاتھوں میں ہے وہ انصاف کرے گا۔ اگر ناانصافی کرے گا تو دادا جان نادان نہیں ہیں۔ وہ ایسی وصیت لکھ کر جائیں گے کہ اس کے مطابق تم لوگوں کو برابر انصاف ملتا رہے گا۔"

اس نے باپ کو دیکھا۔ پھر سر جھکا کر کہا۔ "میں ہمیشہ آپ کی بات مانتا آ رہا ہوں۔ اسی لئے بزنس فیلڈ میں کامیاب رہا ہوں۔ دادا جان بھی میری صلاحیتوں کو مانتے ہیں اور مجھے ماننے کے باوجود انہوں نے بھی سجاد کی حمایت کی ہے۔ وہ میرے مقابلے میں نااہل ہے۔ مگر کاروبار کی ذمہ داریاں اسے سونپی گئی ہیں۔ جب آپ دونوں ہی بزرگ ایسا کر رہے ہیں تو میں کوشش کروں گا کہ یہ کڑوی گولی نگلنے کی کوشش کروں۔"

"بیٹے! بعض امراض ایسے ہوتے ہیں کہ کڑوی گولی نگلنے سے ہی شفا حاصل ہوتی ہے۔"

وہ بیٹے کے قریب آ کر بولا۔ "تم ہمیشہ میرے مشوروں پر عمل کرتے رہتے ہو۔ آج ایک مشورے پر عمل کرو' تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

مراد نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اس نے کہا۔ "سجاد کو اپنا سمجھو' وہ تمہارا بڑا بھائی ہے۔ دشمن نہیں ہے۔ اگر دشمن سمجھتے ہو تو اپنی ذہانت سے دوست بناؤ۔ تم ایک قدم اس کی طرف بڑھاؤ وہ دس قدم تمہاری طرف بڑھے گا۔ آزما کر دیکھ لو۔"

اس نے بیٹے کے شانے تھپتھپایا پھر کہا۔ "آؤ میرے ساتھ چلو' وہ میرے ہی آفس میں بیٹھا ہوا ہے۔"

وہ سر جھکا کر باپ کے ساتھ چلتا ہوا اپنے دفتر سے باہر آیا۔ سجاد میز پر جھکا ہوا ایک فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر پلٹ کر دیکھا تو باپ بیٹا اندر آ رہے تھے۔

نفاست نے سجاد سے کہا۔ "تم نے حسرت اور اسد سے مصافحہ کیا۔ ان سے دوستی کی' میرا یہ ایک بیٹا ایسا ہے جس سے تم نے ہاتھ نہیں ملایا ہے اور نہ ہی اس نے ہاتھ بڑھایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں مصافحہ کرو اور اپنے دلوں کے میل دھو ڈالو۔"

سجاد نے کہا۔ "چچا جان! آپ نے اپنے عمل سے اپنی محبت سے میرے دل کے اندر جو بھی غبار تھا اسے ختم کر دیا ہے۔ میرے دل میں کوئی میل نہیں ہے۔ میں مراد کے سامنے ہاتھ بڑھاتا ہوں۔"

سجاد نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مراد نے دونوں ہاتھوں سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اسے کھینچ کر اس کے گلے لگ گیا۔ سجاد نے کہا۔ "میں نے باہر ہی تمہیں دیکھ کر سمجھ لیا تھا کہ تمہارے اندر کوئی تبدیلی سی آئی ہے اور واقعی تم بہت بدل گئے ہو۔"

وہ دونوں الگ ہو کر ایک ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ نفاست نے اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ایک اور بڑی خوشخبری ہے کہ مراد نے احسان علی کی آفر ٹھکرا دی ہے۔ میرا دل کہتا تھا کہ میرا بیٹا کسی کا گھر داماد نہیں بنے گا۔"

سجاد نے کہا۔ "بے شک .... مرد کو مرد کی شان سے جینا چاہئے۔ مراد نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ وہ یورپ کی سوسائٹی میں پرورش پانے والے لوگ ہمارے معیار کے نہیں ہیں۔"

مراد نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی گھر جانا چاہتا ہوں۔ سیدھا دادا جان کے پاس جا کر اُن سے معافی مانگوں گا اور انہیں جب اپنا فیصلہ سناؤں گا تو وہ بھی خوش ہو کر مجھے معاف کر دیں گے۔ پھر گھر کے راستے میں پی آئی اے کا آفس ہے' میں وہاں جاؤں گا اور فیصل آباد کے لئے پہلی فلائٹ سے سیٹ او کے کروا لوں گا۔"

سجاد نے خوش ہو کر کہا۔ "یعنی تم میرے اور چچا جان کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار رہے ہو۔ وہاں کے معاملات سنبھالنے جا رہے ہو؟"

"جی ہاں .... ابھی ڈیڈی نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ مجھے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہئے۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر سجاد سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ "میں واپس آ کر وہاں کی تمام رپورٹس آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ آپ میرے بڑے ہیں' میں آپ سے تعاون کرتا رہوں گا۔"

دونوں نے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ پھر وہ وہاں سے چلا گیا۔ نفاست بہت خوش تھا۔ بڑے فخر سے کہہ رہا تھا۔ "دیکھا سجاد! میرا بیٹا کتنا سمجھدار ہے؟ جب اس نے کہا ہے کہ تم سے تعاون کرے گا تو دیکھ لینا یہ ہمیشہ چھوٹا بھائی بن کر تمہارے ساتھ رہا کرے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ میں بھی اسے بڑے بھائی کا بھرپور تعاون دوں گا اور اسے کبھی شکایت کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔"

نفاست بہت خوش تھا۔ بڑی ترنگ میں تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ پھر منہ کھول کر ایسی آہ نکالی جیسے سانس چھوڑ رہا ہو۔ جیسے اندر کا بخار باہر نکال رہا ہو۔ دل کو ٹھنڈک پہنچا رہا ہو۔ اس نے پھر کہا۔ "آج سب کچھ کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ ہم اسی طرح میل محبت سے رہیں۔ ایک دوسرے کا حق نہ چھینیں بلکہ فراخ دلی سے انہیں ان کا حق دیں تو خاندان میں کبھی جھگڑے فساد نہ ہوں۔ رشتے کبھی نہ ٹوٹیں۔ ایک ایک کڑی ایک دوسرے سے منسلک رہے۔ جڑی رہے تو زنجیر مضبوط رہتی ہے۔ پھر احسان علی جیسے باہر کے لوگ اس زنجیر کو توڑ نہیں پاتے۔"

"چچا جان! آپ اس طرح فراخ دلی سے دوسروں کے حقوق دیتے رہیں گے' انہیں گلے لگاتے رہیں گے تو آپ کو زیادہ سے زیادہ خوشیاں ملتی رہیں گی۔"

"ہاں .... یہ تو میں ابھی محسوس کر رہا ہوں۔ خدا جانتا ہے کہ میں بہت خوش

ہوں اور یہ خوشی اس لئے ہے کہ میں اپنے تمام فرائض ادا کر چکا ہوں۔ سب کے حقوق انہیں دے رہا ہوں۔"

"چچا جان! آپ اگر خیال نہ کریں تو میں کچھ کہوں؟"

"ہاں بیٹے! بولو میں تمہاری کسی بات کا بُرا نہیں مانوں گا۔"

اس نے نفاست کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ "آپ نے ابھی تمام حقداروں کے حق ادا نہیں کئے ہیں۔"

نفاست نے چونک کر اُسے دیکھا پھر پوچھا۔ "ہمارے خاندان میں ایسا کون ہے جس کی میں حق تلفی کر رہا ہوں؟ مجھے بتاؤ تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "آپ کچھ ہستیوں کو فراموش کر چکے ہیں' آپ نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا تھا۔"

نفاست کی پیشانی پر بل آ گئے۔ وہ گہری سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ پھر اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں .... ماضی میں مجھ سے ایک بہت بڑی غلطی ہوئی۔ میں نے زرینہ بیگم سے ناانصافی کی۔ وہ بے چاری میری ناانصافی کا عذاب سہتے سہتے اس دنیا سے چلی گئی اور اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی۔"

سجاد نے نفاست کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ وہ اس چہرے کو پڑھ رہا تھا اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ماضی کی غلطی پر کس حد تک پچھتا رہا ہے۔ پھر اس نے کہا۔ "چچا جان! اگر آپ کی وہ بیٹی ثمینہ زندہ ہوتی تو کیا آپ اس سے اسی طرح انصاف کرتے جس طرح آج مجھ سے کر رہے ہیں؟"

نفاست نے اسے دیکھا۔ وہ فوراً جواب نہ دے سکا۔ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "تمہارا سوال ایسا ہے کہ آسانی سے کہہ سکتا ہوں۔ ہاں .... میں اُسے انصاف ضرور دیتا۔ اس لئے آسانی سے کہوں گا کہ وہ زندہ نہیں ہے۔ مجھے کون سا انصاف کرنا ہے۔

"لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں پچھتا رہا ہوں۔ جب بھی میں سدرہ کو دیکھتا ہوں تو وہ یاد آنے لگتی ہے۔ میرے دل میں ایک گھونسہ سا لگتا ہے۔ وہ میری اپنی اولاد تھی' میرا خون تھا' میں زیبی کو دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں۔ پھر ثمینہ بھی تو ویسی ہی تھی۔ اس کی ہم شکل تھی۔ میری بیٹی زیبی کی طرح تھی۔ پھر میں نے اسے محبت کیوں نہیں دی' کیوں مجرم بنا رہا؟

"میں زرینہ بیگم اور ثمینہ کی ہر ضرورت پوری کرتا رہا لیکن ایک ضرورت کبھی

پوری نہیں کی' بیٹی کو بیٹی نہیں کہا۔"

"اگر آپ کو دل کی گہرائیوں سے یہ صدمہ ہے تو ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں بیٹے! پوچھو۔"

"اگر ثمینہ آپ کی زندگی میں آ جائے تو آپ اسے بیٹی کا بھرپور پیار دیں گے؟ آج تک زیبی کو جتنا پیار دیتے رہے ہیں' اتنا پیار اسے دے سکیں گے؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "بیٹے! کیسی باتیں کرتے ہو؟ وہ مر چکی ہے' اب میری زندگی میں نہیں آئے گی اور نہ ہی میں اُسے پیار دے سکوں گا۔"

"آپ فرض کریں کہ وہ پھر سے زندہ ہو کر چلی آتی ہے۔ تب آپ کیا کریں گے؟"

نفاست نے اُسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ "مجھے اس سوال سے نہ الجھاؤ' میں مشکل میں پڑ جاؤں گا۔"

"ہاں چچا جان! میں سمجھتا ہوں' مشکل یہ ہے کہ آپ دادا جان کے سامنے اُسے بیٹی نہیں کہہ سکیں گے۔ آپ اپنے طور پر مجبور ہیں لیکن یہ تو سوچیں کہ آپ کو اپنی غلطیوں کی تلافی کرنے کا موقع ملے' تو کیا آپ تلافی نہیں کریں گے؟"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "بیٹے! تم کہاں کی باتیں کر رہے ہو؟ نہ وہ زندہ ہے' نہ ایسا ہو سکتا ہے۔"

"چچا جان! ہو سکتا ہے کہ .... وہ زندہ ہو۔"

نفاست نے ایک دم چونک کر اُسے دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ اسے بیٹی کہہ کر گلے نہیں لگائیں گے اور نہ ہی اعلانیہ اُسے بیٹی کہیں گے' دادا جان کے زیرِ اثر رہیں گے۔ ان کے رعب و دبدبے کے آگے سچ کو سچ نہیں کہیں گے' بیٹی کو اس کا حق نہیں دیں گے اس کے باوجود میں کہہ رہا ہوں کہ ثمینہ زندہ ہے۔ جسے آپ سدرہ سمجھ رہے ہیں وہ ثمینہ ہے۔"

وہ ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ بے یقینی سے سجاد کو دیکھنے لگا۔ انکار میں سر ہلانے لگا۔ "نہیں .... تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ مجھے خواہ مخواہ الجھا رہے ہو۔ میرا امتحان لے رہے ہو کہ میں اپنی غلطیوں کی تلافی کر سکتا ہوں۔"

"چچا جان! میں اپنی مرحوم بہن سدرہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں' ثمینہ زندہ ہے اور وہ میری بہن سدرہ کے روپ میں آپ کے سامنے آتی رہتی ہے اور آپ اسے پہچان نہیں پاتے۔"

نفاست نے پوچھا۔ "ابھی تم نے کیا کہا؟ مرحوم بہن سدرہ‘ کیا سدرہ کا انتقال ہو چکا ہے؟"

"جی ہاں .... لاہور میں اس کا انتقال ہوا تھا اور وہیں ثمینہ سے میری ملاقات ہوئی۔ میں اسے بہن بنا کر یہاں لے آیا ہوں اور آج یہ راز آپ کو بتا رہا ہوں۔ ویسے عالیہ اسد اور حسرت یہ راز جانتے ہیں۔ اسے ثمینہ کی حیثیت سے پہچانتے ہیں۔"

نفاست دھپ سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سجاد کو دیکھنے لگا۔ یقین کرنے لگا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے سچ ہے۔ اس کی بیٹی ثمینہ زندہ ہے۔ جسے اس نے منوں مٹی تلے دبایا تھا وہ اس کی اپنی بیٹی ثمینہ نہیں تھی۔

وہ سوچنے لگا‘ یاد کرنے لگا کہ ثمینہ کا چہرہ بری طرح بگڑا ہوا تھا۔ اس کی لاش کے پاس سے جو پرس پایا گیا تھا اس کے اندر سے جو سامان نکلا تھا اور جو شناختی کارڈ تھا اور جو تصویر تھی اُن سب کے پیش نظر یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ وہی ثمینہ ہے اور غنڈوں نے اس کے ساتھ زیادتی کرنے کے بعد اُسے قتل کر دیا تھا۔

اور یہ اب ایک طرح کی خوشخبری تھی کہ اس کی بیٹی کے ساتھ زیادتی نہیں کی گئی تھی۔ اسے قتل نہیں کیا گیا تھا۔ وہ زندہ تھی۔ وہ بولا۔ "میں ابھی گھر جاؤں گا اور اس سے ملوں گا۔"

سجاد نے کہا۔ "چچا جان! بیٹھ جائیں پہلے یہ طے کر لیں کہ وہاں جا کر کس حیثیت سے ملیں گے؟ باپ بن کر یا چچا بن کر؟ اگر اسے بیٹی کہہ کر گلے لگائیں گے تو دادا جان سے کیا کہیں گے؟

"اگر آپ جرأت کا مظاہرہ کریں گے اور دادا جان کے سامنے اسے بیٹی کہیں گے تو کیا دادا جان اسے تسلیم کر لیں گے؟ اسے اپنے خاندان میں رہنے دیں گے یا اُسی وقت گھر سے نکل جانے کا حکم دیں گے؟"

نفاست سر جھکا کر سوچنے لگا۔ سجاد نے کہا۔ "زرینہ خاتون ایک معمولی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ہمارے خاندان کی برابری نہیں کر سکتی تھیں لیکن شریف خاتون تھیں۔ کیا دادا جان ان کی شرافت کو تسلیم کر لیں گے؟ آپ کی صاحب زادی زیبی کی طرح ثمینہ کو بھی اپنی پوتی تسلیم کر لیں گے؟"

نفاست بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "ابا جان تناآور درخت ہیں۔ وہ ٹوٹ تو سکتے ہیں مگر جھک نہیں سکتے۔ انہیں جھکانا اور اپنے نظریے

کے مطابق قائل کرنا‘ ممکن نہیں ہے۔ تمہاری پھوپھی نے خاندان سے باہر شادی کی تھی۔ انہوں نے اسے عاق کر دیا تھا اور گھر سے نکال دیا تھا۔

"میں نے چھپ کر شادی کی یہ راز کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔ آخر کار جب زرینہ بیگم کا انتقال ہو گیا تب ابا جان کو معلوم ہوا تھا۔ اس وقت انہوں نے مجھے اس لئے معاف کر دیا کہ بہو مر چکی تھی۔ اسے گھر لانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے انہوں نے میری یہ غلطی معاف کر دی۔"

وہ ٹہلتا ہوا یہاں سے وہاں گیا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر بولا۔ "ایسی غلطی زیبی نے کی ہے۔ وہ اسے کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ اس لئے میں اس سلسلے میں بھی ابا جان سے جھوٹ بول رہا ہوں‘ انہیں دھوکہ دیتا آ رہا ہوں۔"

وہ ٹہلنے کے انداز میں اُدھر سے اِدھر آیا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "آہ .... میں کتنا خوش تھا۔ اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ سب ہی کے حقوق ادا کر رہا ہوں۔ تم نے مجھے دوراہے پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اب میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا رہے گا کہ میں اپنی بیٹی کے حقوق ادا نہیں کر سکوں گا۔ ابا جان کے دباؤ میں رہوں گا۔ انہیں ناراض نہیں کر سکوں گا۔ تم ہی بتاؤ بیٹے کیا اس عمر میں انہیں غصہ دلانا اور ذہنی مریض بنا دینا مناسب ہو گا؟"

سجاد نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مناسب تو نہیں ہو گا لیکن ایک سرپرست کی ذمہ داریاں بہت ہوتی ہیں۔ اسے ہر پہلو سے دیکھنا‘ سمجھنا‘ پرکھنا ہوتا ہے اور ہر ایک کے حقوق ادا کرنے ہوتے ہیں۔

"دادا جان اس سلسلے میں ناکام رہے ہیں۔ ایک سرپرست کی حیثیت سے پہلے اپنی بیٹی سے ناانصافی کی۔ پھر زرینہ جیسی بہو سے‘ ثمینہ جیسی پوتی سے اور اب زیبی کے شوہر فراز سے بھی ناانصافی کر سکتے ہیں۔ ابھی انہیں پتہ نہیں ہے کہ زیبی کی شادی ہو چکی ہے۔ آپ بتائیں کہ ان سے کیا چھپایا جائے۔ کب تک جھوٹ کہا جائے؟ انہیں کب تک دھوکے میں رکھا جائے؟

"جو ہمارے بزرگ ہوتے ہیں‘ سرپرست ہوتے ہیں وہ دھوکہ کھا کر خوش رہتے ہیں لیکن ہمیں دھوکہ دیتے ہوئے شرم آتی ہے۔ مشکل تو یہ ہے کہ شرم آنے کے باوجود ہم دھوکہ دے رہے ہیں۔"

پھر وہ نفاست کی طرف پلٹ کر بولا۔ "چچا جان! سچ تو پھر سچ ہے‘ اس سچ کو کبھی تو

ظاہر ہونا ہی ہے۔ ہمارے خاندان میں ایک سچ کو چھپانا ہوتا تو کوئی بات نہ تھی۔ مگر یہاں تو کئی سچائیاں ہیں' جنہیں چھپایا جا رہا ہے۔ یہ آخر کب تک ہو گا؟ جھوٹ کب تک جاری رہے گا؟ ناانصافیاں ہوتی رہیں گی۔ اولاد باغی بنتی رہے گی۔"

"بیٹے! اس بحث کو کسی اور وقت کے لئے چھوڑ دو۔ جب سے تم نے کہا ہے کہ سدرہ ہی میری ثمینہ ہے' میرا دل اس سے ملنے کے لئے تڑپ رہا ہے۔ میں ابھی وہاں جاؤں گا' ابا جان کو حقیقت نہیں بتاؤں گا لیکن اپنی بیٹی کو بیٹی کہہ کر گلے ضرور لگاؤں گا۔"

وہ اپنا کوٹ اٹھا کر پہننے لگا۔ پھر سجاد کے ساتھ دفتر سے باہر نکل گیا۔

☆======☆======☆

عالیہ اور اسد دلہا دلہن کے بن کر حسرت کے بنگلے میں آ گئے تھے' وہاں اُن کے لئے ایک کمرہ دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ وہ دونوں اس کمرے میں جا کر وقت گزارنے لگے۔

عالیہ اور فراز اُسی بنگلے میں تھے۔ ثمینہ حسرت کے ساتھ کوٹھی میں آ گئی۔ اسد نے کہا تھا کہ وہ شام چھ بجے تک عالیہ کے ساتھ کوٹھی میں آئے گا اور اپنی شادی کا اعلان کرے گا۔

ثمینہ کوٹھی میں آ کر سیدھی دادا جان کے کمرے میں گئی۔ اس وقت وہ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ باہر آ کر لان میں ٹہلنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر کا شخص عبادت علی سے ملاقات کرنے آیا۔ اس نے اپنا نام ملک حیات مرزا بتایا تھا۔ عبادت علی کو یاد نہیں آیا کہ اس نام کے کسی شخص کو وہ جانتے ہیں۔

وہ کمرے سے باہر اس سے ملنے کے لئے آئے۔ جب اس کا چہرہ دیکھا تو پہچان کر کہا۔ "لعنت ہے اس بڑھاپے پر ہم تو بھول ہی گئے کہ حیات مرزا نام کا ہمارا کوئی پرانا دوست بھی تھا۔ اتنے دنوں تک کہاں رہے؟"

وہ بولا۔ "جوانی میں دولت کماتا رہا' عیش کرتا رہا' آج بھی اوپر والے کا کرم ہے' خوب موج کر رہا ہوں۔ ایک مدت کے بعد کراچی آیا تو سوچا' تم سے بھی ملاقات کرتا چلوں۔"

عبادت علی نے کہا۔ "ہاں ہاں .... ضرور .... اندر آؤ۔"

وہ اندر جانے لگے۔ اسی وقت ملک حیات مرزا لان کی طرف دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ عبادت نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

اس نے ثمینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ .... یہ لڑکی .... اچھا تو

تم بھی رنگ رلیاں منا رہے ہو؟"

عبادت علی نے ماتھے پر بل ڈال کر اُسے دیکھا' پھر پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"یار! مجھ سے کیوں چھپاتے ہو؟ اُس لڑکی کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ لاہور کی ہیرا منڈی میں تھی اور تم نے اُسے یہاں لا کر رکھا ہے۔"

عبادت علی نے حلق کے بل دھاڑتے ہوئے کہا۔ "بکواس مت کرو۔ کتے کے بچے! تم ہمارے دوست نہ ہوتے تو ہم تمہارا منہ توڑ دیتے۔ ملازموں سے تمہاری پٹائی کرواتے' تم ہسپتال جانے کے بھی قابل نہ رہتے۔ چلے جاؤ یہاں سے' نکل جاؤ یہاں سے۔"

وہ بولا۔ "ارے اتنا گرم کیوں ہوتے ہو؟ سچائی سے کیوں انکار کر رہے ہو؟ اگر بات چھپانی ہے تو دنیا والوں سے چھپاؤ۔ مجھ سے کیوں چھپاتے ہو؟ تم تو جانتے ہو کہ مجھے مجرا سننے کا بہت شوق ہے۔ میں ہیرا منڈی جاتا رہتا ہوں۔"

ثمینہ ہلکے ہلکے چلتی ہوئی قریب آ رہی تھی۔ پھر اپنے دادا جان کو غصے میں دیکھ کر بولی۔ "کیا بات ہے دادا جان!"

"کچھ نہیں بیٹی! تم جاؤ' گھر کے اندر جاؤ۔"

اسی وقت زیبی کوٹھی سے باہر آ رہی تھی۔ ملک حیات مرزا اسے دیکھ کر بوکھلا گیا۔ کبھی زیبی کو اور کبھی ثمینہ کو دیکھنے لگا۔ دونوں ہم شکل تھیں۔ عبادت علی نے غصے سے کہا۔ "ہاں ہاں .... بولو اسے بھی تم نے ہیرا منڈی میں دیکھا ہو گا۔ ذلیل کتے تم ہمارے خاندان پر کیچڑ اچھالنے آئے ہو؟ چلے جاؤ یہاں سے۔"

اپنے مالک کو غصے میں دیکھ کر دو مسلح گارڈز تیزی سے چلتے ہوئے آ گئے تھے۔ ملک حیات مرزا نے ان گارڈز کو دیکھ کر اسی میں عافیت سمجھی کہ چپ چاپ وہاں سے چلا جائے۔ لہٰذا وہ منہ پھیر کر تیزی سے چلتا ہوا کوٹھی کے احاطے سے باہر چلا گیا۔ اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے جانے لگا۔

زیبی نے چبھتی ہوئی نظروں سے ثمینہ کو دیکھا پھر عبادت علی سے کہا۔ "دادا جان! وہ شخص کیا کہہ رہا تھا؟ ہیرا منڈی کی باتیں کر رہا تھا۔"

عبادت علی نے ڈانٹ کر کہا۔ "بکواس مت کرو' جاؤ یہاں سے۔"

ثمینہ کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ ماضی ایک دم سے اچھل کر سامنے آ گیا تھا' اب اس پر کیچڑ اچھلنے والی تھی۔

وہ ملک حیات مرزا کو نہیں جانتی تھی۔ وہ تو کوٹھے پر ایک تماشہ بن کر بیٹھتی تھی۔

نظریں زیادہ تر جھکی رہتی تھیں۔ مجرا کرنے والیاں مجرا کرتی تھیں' نائکہ اسے نمائش کے طور پر بٹھائے رکھتی تھی تاکہ کوئی لکھ پتی یا کروڑ پتی گاہک پھنس جائے تو وارے نیارے ہو جائیں۔

ہر رات درجنوں مجرا سننے والے گاہک آتے جاتے رہتے تھے وہ ہر ایک کا چہرہ نہ جان سکتی تھی' نہ پہچان سکتی تھی۔ اسی لئے وہ ملک حیات مرزا کو پہچان نہ سکی۔ اپنی بدنصیبی کو پہچان لیا جو اس کے ساتھ چلی آئی تھی اور اب اس بدنامی کو پَر لگنے والے تھے۔

زیبی بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی تھی۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ عبادت نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بیٹی! ایسے کتنے ہی کتے دروازوں پر آکر بھونکتے رہتے ہیں۔ ان کا برا نہیں ماننا چاہئے۔ آؤ کمرے میں چلو۔"

وہ بولی۔ "دادا جان! میں اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہوں' تھوڑی دیر تنہا رہوں گی پھر آپ کے پاس آجاؤں گی۔"

وہ کوئی جواب سنے بغیر تیزی سے چلتی ہوئی' کوٹھی کے اندر آئی۔ پھر اپنے کمرے میں آکر بستر پر اوندھے منہ گر پڑی۔ ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تقدیر نے جتنی اچھی زندگی دی تھی' عزت دی تھی' خاندان دیا تھا' محبت کرنے والے لوگ دیئے تھے۔ اب وہ سب اس سے دور ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔

سب کے ہاتھوں میں پتھر تھے اور وہ پتھر مار رہے تھے۔ اس کے دل سے آہیں نکل رہی تھیں۔ "آہ .... ابو! آپ کی نفرتوں نے آپ کی بے حسی اور لاپرواہی نے ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ امی کو تو مار ڈالا اور میں اب جیتے جی مرتی رہوں گی۔"

اسے دنیا والوں کی پرواہ نہیں تھی۔ اپنے والوں کی فکر تھی۔ یہ جتنے اپنے تھے' انہوں نے بڑی عزت سے اسے اپنے درمیان رکھا تھا۔ اس نے بڑی محنت و محبت سے ہر ایک کے دل میں جگہ بنائی تھی۔ اب وہ جگہ اس سے چھن جانے والی تھی۔ کوئی یہ برداشت کرنے والا نہیں تھا کہ وہ بدترین اور بدنام محلے سے آئی ہے۔ سب ہی اس سے گھن کریں گے۔ اس سے دور ہٹیں گے۔ اسے طعنے دیں گے۔ باپ تو پہلے ہی بے حس تھا۔ وہ آج تک محبت کو بھول کر ماضی کی نفرتوں میں چلا جائے گا۔

دادا جان تو اُسے کسی قیمت پر برداشت نہیں کریں گے۔ فوراً ہی اس کوٹھی سے نکال دیں گے۔ وہ گھر کی رہے گی نہ گھاٹ کی۔

اسے یہ فکر نہیں تھی کہ آئندہ اس کا ٹھکانہ کہاں ہو گا اور تقدیر اس کے ساتھ کیا

سلوک کرے گی؟ اسے تو اپنی بے عزتی کا احساس مارے ڈال رہا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے حاصل کی ہوئی عزت اور نیک نامی سے محروم ہو کر زندہ نہیں رہے گی۔

ایک سجاد ہی تھا' اس کی حقیقت جانتا تھا۔ وہ اسے گلے لگا کر رکھ سکتا تھا لیکن یہ سوال مارے ڈال رہا تھا کہ وہ کب تک باپ کی نظروں سے گرتی رہے گی؟

اسے جیتنے کے باوجود ہارنے والی ہے۔ اس ہار کے بعد پھر جیتنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے۔ تو پھر جینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

عبادت علی اپنے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ غصے سے لال پیلے ہو رہے تھے۔ کبھی جوانی میں ملک حیات مرزا سے دوستی رہی تھی لیکن وہ زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہی۔ وہ اُسے بھول چکے تھے۔ آج اچانک وہ سامنے آیا تو اسے پہچان لیا لیکن وہ کم بخت اس طرح آتے ہی کیچڑ اچھالے گا' یہ کبھی سوچا بھی نہیں۔ اس نے ایسا کیوں کہا' اس کی جرأت کیسے ہوئی؟

وہ پاؤں پٹختے ہوئے ٹہل رہے تھے اور سوچ رہے تھے۔ ذہن میں یہ بات پیدا ہو رہی تھی کہ ملک حیات مرزا پاگل نہیں تھا۔ نارمل دکھائی دے رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح زندہ دلی سے بول رہا تھا۔ ایک نارمل دکھائی دینے والا شخص سدرہ کے بارے میں ایسی باتیں کر رہا تھا؟

ملک حیات مرزا ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ ان کی خاندانی عظمت اور برتری کے گن گایا کرتا تھا۔ اُس نے ان کی شان میں کبھی گستاخی نہیں کی تھی۔ کبھی ایسے الفاظ استعمال نہیں کئے جن سے توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ پھر اس نے آج اتنی بڑی بات منہ پر کیسے کہہ دی۔

اور منہ پر کہنے والے سچے ہوتے ہیں۔ جرأت مند ہوتے ہیں۔ مگر نہیں .... نہیں .... وہ چاہے جتنا بھی سچا ہو' جرأت مند ہو' اس نے یہ سب جھوٹ کہا ہے۔ ان کی پوتی پر کیچڑ اچھالی ہے۔ اگر اس وقت اُن کے پاس گن ہوتی تو وہ اسے گولی مار دیتے۔

وہ غصے سے تلملا رہے تھے اور اپنے آپ کو سمجھا بھی رہے تھے کہ انہیں شانت رہنا چاہئے۔ خواہ مخواہ غصے میں نہیں آنا چاہئے۔ ایک کتا تھا جو دروازے پر آیا تھا اور بھونکنے کے بعد چلا گیا ہے۔ اس پر مٹی ڈال دینی چاہئے۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے تھک گئے۔ ایک صوفے پر بیٹھ کر ہانپنے لگے۔ اس عمر میں یہی ہوتا

ہے۔ غصے میں پاؤں پٹخ پٹخ کر ٹہلنا چاہو تو بڑھاپا ہانپنے لگتا ہے۔ تھک ہار کر صوفے پر یا بستر پر گر پڑتا ہے۔

زیبی جوان تھی۔ ثمینہ کے بارے میں ایک تازہ خبر سنتے ہی تازہ دم ہو گئی تھی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم سے گزر کر سیڑھیاں چڑھتی ہوئی' کبریٰ کے کمرے میں آئی۔ پھر آتے ہی بولی۔ "ممی! ایک زبردست خبر ہے۔ آپ سنیں گی تو اچھل پڑیں گی۔"

کبریٰ نے کہا۔ "ہمارا گھر تو بی بی سی لندن ہو گیا ہے۔ ایک خبر پرانی ہو نہیں پاتی کہ دوسری تازہ خبر پیدا ہو جاتی ہے۔ بولو کیا بات ہے؟"

"ممی! باہر ایک آدمی دادا جان سے ملنے آیا تھا۔ ان کا کوئی پرانا شناسا تھا۔ اس نے سدرہ کو دیکھا تو منہ پر کہہ دیا کہ یہ تو لاہور کی ہیرا منڈی میں رہا کرتی تھی۔"

کبریٰ ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہو گئی جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔ خوشی سے چیخ کر بولی۔ "کیا کہہ رہی ہو؟ سچ کہہ رہی ہو؟ میری قسم کھاؤ۔ ارے وہ آدمی کون تھا' اُسے بلاؤ میں اس کا منہ میٹھا کروں گی۔ کہاں ہے وہ؟ تم نے اچھی طرح سنا ہے ناں؟ اس نے یہی کہا تھا ناں کہ سدرہ ہیرا منڈی کی رہنے والی ہے۔ مجھے یقین نہیں ہو رہا ہے کہ اس نے تمہارے دادا جان کے منہ پر ایسی بات کہی ہے۔ کہاں ہے وہ شخص میں اس سے ضرور ملوں گی؟"

زیبی نے بے زار ہو کر کہا۔ "ممی! آپ اپنی کہے جا رہی ہیں' میری بھی تو سنئے۔"

"سناؤ گی تو سنوں گی۔ ایک شوشہ چھوڑ کر چپ ہو گئی ہو۔ میرے اندر آگ بھڑکا دی ہے۔ اب میری بے چینی کا تماشہ دیکھ رہی ہو۔ میں کچھ نہیں جانتی' پہلے میں اُس آدمی سے ملنا چاہتی ہوں۔ میں اس کا منہ موتیوں سے بھر دوں گی۔"

زیبی نے جھنجلا کر کہا۔ "آپ منہ بھرنے کے لئے موتی چن کر لائیں' میں جا رہی ہوں۔"

وہ اٹھ کر جانے لگی۔ کبریٰ نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر اپنی طرف کھینچ کر بولی۔ "اچھا میں کچھ نہیں بولوں گی۔ تم بتاؤ بات کیا ہے؟ یہ تو بالکل سچ ہے ناں کہ سدرہ ہیرا منڈی میں رہا کرتی تھی؟"

"ہاں .... میں نے بس اتنا ہی سنا ہے۔ آگے دادا جان سے پوچھنا چاہا تو انہوں نے مجھے ڈانٹ کر اندر جانے کا کہہ دیا۔ مجھے مجبوراً یہاں آنا پڑا۔ ویسے انہوں نے اس آدمی کو بے عزت کر کے یہاں سے نکال دیا ہے۔"

"ارے .... تمہارے دادا جان اس کی بے عزتی کیا کریں گے جو بے عزتی اب اس خاندان کی ہونے والی ہے۔ یہاں شریف گھرانے میں ایک ہیرا منڈی کی لڑکی آ کر رہنے لگی ہے۔ دیکھو! اُسے کچن کی طرف جانے نہ دینا۔ سارا کھانا ناپاک ہو جائے گا۔ میں تمہارے ڈیڈی کو ابھی فون کرتی ہوں۔"

"ممی! ہوش میں رہ کر بات کریں۔ ابھی اس بات کو نہ اچھالیں کیونکہ دادا جان نے اس آدمی کی بات تسلیم نہیں کی ہے۔ اگر آپ بھی کیچڑ اچھالیں گی تو دادا جان آپ سے اور ہم سے بُری طرح پیش آئیں گے۔"

کبریٰ نے سوچتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں وہ کون تھا جو آ کر چلا گیا؟ اس کا پتا ٹھکانہ معلوم ہو گا تو اس سے جا کر ملنا ہو گا۔ وہ سدرہ کا پورا کچا چٹھا سنائے گا۔ اس کے پاس اس کے خلاف اچھے خاصے ثبوت بھی ہوں گے۔ میں نے وہ ثبوت حاصل کرنے کے بعد سجاد اور سدرہ کو یہاں سے بے عزت کر کے نہ نکالا تو میرا نام کبریٰ بیگم نہیں۔"

"واقعی ممی! وہ شخص بہت اہم ہے۔ اس کے پاس سدرہ کے خلاف بہت اہم ثبوت ہوں گے مگر وہ تو جا چکا ہے۔ ہم اسے کہاں تلاش کریں گے؟"

"اگر وہ یہاں نہ ملا تو کوئی بات نہیں۔ میں مراد کو سدرہ کی تصویر دوں گی۔ وہ تصویر لے کر لاہور کی ہیرا منڈی میں جائے گا۔ وہاں سب سے پوچھے گا۔ پتہ چل جائے گا کہ اس صورت شکل کی لڑکی اُس منڈی میں رہا کرتی تھی یا نہیں؟"

"اگر رہتی تھی تو کہاں رہتی تھی؟ کس کے پاس رہتی تھی؟ کیا کرتی تھی؟ یااللہ! یہ سب کچھ معلوم ہو جائے گا تو میں پچاس دیگیں پکوا کر نیاز کرواؤں گی۔ مجھے ٹھنڈا پلاؤ میرے اندر آگ بھڑک رہی ہے۔ میں کچھ کرنا چاہتی ہوں' سمجھ میں نہیں آتا کیا کر گزروں؟"

"ممی! آپ تو گئیں' جب تک آگ نہیں بجھائیں گی تب تک آپ کو سکون نہیں آئے گا۔ آپ ایک جگہ چین سے نہیں رہیں گی۔

"اگر آپ آرام سے بیٹھ سکتی ہیں تو یہاں بیٹھ جائیں' میں آپ کے لئے ٹھنڈا لے کر آتی ہوں۔"

وہ کمرے سے باہر آئی۔ پھر سیڑھیاں اتر کر ڈرائنگ روم میں پہنچی' کچن کی طرف جاتے وقت اس نے نفاست اور سجاد کو دیکھا۔ وہ باہر سے اندر آ رہے تھے۔ سجاد اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ نفاست ثمینہ کے دروازے پر آیا۔ اس نے دستک دی ثمینہ بستر

پر اوندھے منہ پڑی رو رہی تھی۔ دستک کی آواز پر فوراً ہی اٹھ بیٹھی۔ آنچل سے اپنے چہرے اور آنکھوں کو اچھی طرح صاف کرنے لگی۔ پھر بولی۔ ”کون ہے؟“

”بیٹی! میں ہوں۔“

نفاست کی آواز پر وہ چونک گئی۔ دروازے کو دیکھ کر سوچنے لگی‘ وہ پہلے ہی پریشان تھی۔ اب دل گھبرانے لگا۔ سوال پیدا ہوا اپنے باپ کا سامنا کیسے کرے؟ اب تو وہ بے حیا‘ بدچلن اور قابل نفرت ہو چکی تھی۔

دستک دوبارہ سنائی دی‘ نفاست نے پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟ بیٹی! دروازہ کھولو۔“

”ابھی کھول رہی ہوں۔“

وہ چہرے اور آنکھوں کو آنچل سے صاف کرتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ بال درست کئے‘ پھر دروازہ کھول دیا۔ نفاست نے اندر آتے ہوئے اُسے دیکھا‘ پھر کہا۔ ”تمہاری آنکھیں سوجی ہوئی ہیں‘ کیا بات ہے‘ کیا تم رو رہی تھیں؟“

وہ منہ پھیر کر ایک طرف جاتے ہوئے بولی۔ ”نہیں .... میں بھلا کیوں روؤں گی؟ مجھے تو یہاں خوشیاں ہی خوشیاں مل رہی ہیں۔ آپ سے اور دادا جان سے اتنی محبتیں مل رہی ہیں جس کی میں توقع نہیں کر سکتی تھی۔“

نفاست نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”بیٹی! تم بہت گہری ہو۔ اپنے اندر ایسے راز چھپا کر رکھتی ہو کہ کبھی تمہارا باپ بھی اس راز تک نہیں پہنچ سکا۔“

اس نے گھوم کر سوالیہ نظروں سے نفاست کو دیکھا پھر کہا۔ ”آپ .... آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“

”وہی جو تم چھپا رہی ہو۔ اپنی اصلیت تک کسی کو پہنچنے نہیں دے رہی ہو۔“

وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ نفاست کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ کچھ اور سمجھ رہی تھی۔ وہ سر جھکا کر بولا۔ ”بیٹی! میں نے تمہارے ساتھ اور تمہاری ماں کے ساتھ بہت ناانصافی کی ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں‘ آج سجاد نے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ تم میری ثمینہ ہو۔“

یہ کہہ کر نفاست نے دونوں بازو پھیلائے۔ ثمینہ ایک دم سے تڑپ گئی۔ دوڑتی ہوئی آکر اس کے گلے لگ گئی۔ پھر ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ایک تو باپ نے ایک طویل عرصے کے بعد اسے بیٹی تسلیم کیا تھا۔ اسے باپ کی محبت مل رہی تھی۔ یہ اتنی بڑی خوشی تھی کہ وہ تمام دکھ اور سکھ بھول گئی تھی۔

تھوڑی دیر کے لئے بھول گئی کہ وہ بدنامیوں کی دلدل میں دھنسنے والی ہے۔ ایک شیطانی ہوا چلی ہے جو اسے اپنوں سے دور اڑا کر لے جانے والی ہے۔

نفاست نے کہا۔ ”ثمینہ! .... میری جان! میں نے تمہاری ماں کے ساتھ بہت ناانصافیاں کی ہیں۔ تمہیں بہت دکھ دیئے ہیں۔“

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ”نہیں ابو! آپ ایسا نہ کہیں جو ہو چکا ہے اُسے بھول جائیں۔ یہاں آ کر مجھے آپ سے بے انتہا محبتیں ملی ہیں اور اب اور زیادہ محبتیں ملنے والی ہیں۔ آپ نے جانے انجانے میں جو بھی ناانصافیاں کی ہیں ان سب کی تلافی بھی خود بخود ہو جائے گی۔“

وہ دونوں ایک صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔ نفاست نے کہا۔ ”بیٹی! جب سجاد نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تو یقین نہیں آیا کہ تم زندہ ہو۔ دیکھو کیسی عجیب و غریب بات ہے کہ میرے سامنے تمہاری اور تمہاری ماں کی تدفین ہوئی اور میں تمہیں پہچان نہ سکا۔

”پتہ ہے اس لاش کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ اس کے پاس سے تمہارا پرس برآمد ہوا تھا۔ اس پرس سے برآمد ہونے والی چیزوں سے شناخت ہوئی تھی کہ وہ تم ہی ہو اور میں نے بھی یقین کر لیا تھا کہ تم اللہ کو پیاری ہو گئی ہو۔“

”اللہ مجھ پر مہربان ہے۔ وہ مجھے آپ کی محبت سے محروم رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے یہ زندگی دی ہے۔ میں اُس معبود کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔“

”تم کتنی مصیبتوں سے گزرتی رہی ہو۔ یہ میں نہیں جانتا لیکن اندازہ کر سکتا ہوں کہ میری وجہ سے تم نے عذاب جھیلے ہیں۔“

”ابو! آپ پھر وہی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے کہا ناں کہ ماضی میں جو ہو چکا ہے وہ بھول جائیں۔“

”بیٹی! میں حیران ہوں کہ تم سجاد سے کیسے جا ملیں۔ تم تو یہاں کراچی میں تھیں اور وہ لاہور میں تھا؟“

اس نے باپ کو دیکھا‘ پھر نظریں جھکا لیں۔ اس سوال کے پیچھے ایسی شرمناک کہانی چھپی ہوئی تھی جسے وہ باپ کے سامنے بیان نہیں کر سکتی تھی۔ باپ نے پوچھا۔ ”تم خاموش کیوں ہو؟ تم بتاؤ کہ کن حالات سے گزر کر آ رہی ہو؟ سجاد سے ملاقات کیسے ہوئی تھی؟“

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ”ابو! یہ سوال مجھ سے نہ کریں تو بہتر ہے۔ یہ آپ بھائی

جان سے پوچھ لیں‘ وہ آپ کو بتادیں گے۔“

وہ سر ہلا کر بولا۔ ”میں سمجھ رہا ہوں‘ تمہاری روداد اتنی دل گداز ہے اور ایسی مصائب سے بھرپور ہے کہ سناؤ گی تو تمہارے آنسو بہہ جائیں گے۔ اس لئے میں تمہیں نہیں رلاؤں گا۔ جو بات ہے وہ سجاد سے پوچھ لوں گا۔“

نفاست نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”یہ تم نے کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ واش روم میں جاؤ‘ منہ دھو کر لباس تبدیل کرو اور ڈرائنگ روم میں آؤ۔ شام کی چائے ساتھ پئیں گے۔“

وہ اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔ نفاست اس کمرے سے باہر چلا گیا۔ ادھر زیبی نے ماں کو ٹھنڈا پلا کر کہا۔ ”ڈیڈی آ گئے ہیں۔“

کبریٰ نے ایک گھونٹ پی کر کہا۔ ”کہاں ہیں؟“

”وہ آتے ہی ثمینہ کے کمرے میں گئے ہیں۔“

وہ ناگواری سے منہ بنا کر بولی۔ ”اس لڑکی نے ضرور کوئی جادو ٹونا کیا ہے۔ مردوں کو بس میں کرنے کے ہتھکنڈے خوب جانتی ہے‘ آخر بازار میں رہ کر آئی ہے۔“

”ممی! آپ میری ایک بات مانیں گی؟“

”اچھی بات ہو‘ فائدے کی بات ہو تو مانوں گی۔“

”آپ ابھی جوش میں آ کر بھول رہی ہیں کہ سدرہ کا جادو ڈیڈی پر چل رہا ہے۔ آپ اس کے خلاف اتنی بڑی بات بولیں گی تو وہ کبھی یقین نہیں کریں گے۔“

”یقین نہیں کریں گے تو ابا جان سے پوچھیں گے‘ وہ بتائیں گے کہ کوئی شخص آ کر سدرہ کے بارے میں سچ کہہ رہا تھا۔“

”یہی تو آپ نہیں سمجھ رہی ہیں۔ دادا جان اسے سچ نہیں مان رہے ہیں۔ پھر ڈیڈی کیسے مان لیں گے؟“

کبریٰ سوچ میں پڑ گئی۔ زیبی نے کہا۔ ”وہ یہی کہیں گے کہ آپ سدرہ سے جلتی کڑھتی ہیں‘ اس لئے اس پر کیچڑ اچھال رہی ہیں۔“

”پھر میں کروں کیا چپ بیٹھی رہوں؟ مجھ سے یہ نہیں ہو گا۔“

”ہاں‘ آپ بھائی جان کو سدرہ کی تصویر دے کر آج ہی لاہور بھیجیں۔ وہ وہاں کی ہیرا منڈی میں جا کر اس کی پوری ہسٹری معلوم کر کے ثبوت اور گواہوں کے ساتھ یہاں آئیں گے تو ڈیڈی اور دادا جان پھر اس سدرہ کی اصلیت سے انکار نہیں کر سکیں گے۔“

کبریٰ نے قائل ہو کر سر ہلایا پھر مایوس ہو کر بڑبڑائی۔ ”مراد کے واپس آنے تک میں چپ کیسے رہوں گی؟“

”آپ منہ پر ٹیپ چپکا لیں۔ آپ بھی حد کرتی ہیں۔ کیا آپ کامیاب حملہ کرنے کے لئے دو دنوں تک چپ نہیں رہ سکتیں؟“

اس نے مجبوری میں ہاں کہتے ہوئے سر ہلایا۔ پھر سوچتی ہوئی بے خیالی میں سر ہلاتی چلی گئی۔

☆======☆======☆

ثمینہ بہت خوش تھی‘ وہ گمشدہ باپ جو نگاہوں کے سامنے رہتے ہوئے بھی گم رہتا تھا‘ وہ اُسے ہمیشہ کے لئے مل گیا تھا۔ بیٹی تو برسوں سے باپ کو پہچانتی آئی تھی۔ آج باپ نے بھی بیٹی کو پہچان لیا تھا۔ ثمینہ کے لئے اس سے بڑی خوشی کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔

باپ کی خودغرضی اور بے رخی نے ماں کو مار ڈالا تھا۔ بیٹی کو در بدر کر دیا تھا۔ جانے کتنے شرمناک حالات سے گزرتی رہی تھی۔ طرح طرح کے مصائب اسے جلاتے کڑھاتے رہے۔ اس کے دل و دماغ کو زخمی کرتے رہے۔ زندگی کے اتنے عذابوں سے گزرنے کے بعد جب اُسی ظالم باپ نے قبول کر لیا تو وہ سارے غم سارے مصائب سارے گلے شکوے بھول گئی۔

بیٹیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ میکہ ہو یا سسرال‘ موم بتی کی طرح چپ رہتی ہیں۔ اُن کے سروں پر آگ رکھو تو وہ جلتی پگھلتی رہتی ہیں لیکن گھر کو روشن رکھتی ہیں۔ وہ بڑی خاموشی سے چھپ کر باپ اور دادا کی کوٹھی میں آئی تھی۔ وہاں نفرتوں کو محبتوں میں اور عداوتوں کو پیار میں بدلتی جا رہی تھی اور ساتھ ساتھ اپنے زخموں کو بھی چھپاتی جا رہی تھی۔

نیک نیتی کا اور سچی محبت کا انعام ضرور ملتا ہے اور اُسے انعام کے طور پر اپنا باپ مل گیا تھا۔ ایک دادا جان رہ گئے تھے۔ اُن سے کبھی توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اُسے ثمینہ کی حیثیت سے قبول کر لیں گے۔ وہ بہت ہی تناآور درخت تھے۔ آندھیوں کی زد میں آ کر گر سکتے تھے‘ ٹوٹ سکتے تھے لیکن جھک نہیں سکتے تھے۔

وہ اپنے سے کم تر لوگوں کو کبھی قبول نہیں کرتے تھے۔ کبریٰ بیگم نے اپنی بہن کی بیٹی عالیہ کی پرورش اپنے سائے میں کی تھی۔ عبادت علی نے اُسے برداشت کر لیا تھا لیکن اُسے دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ کیوں کہ کبریٰ کی بہن نے ایک معمولی شخص سے شادی

کی تھی۔ عالیہ اُسی معمولی خاندان سے تعلق رکھنے والے کی بیٹی تھی۔

آج کی شام قیامت برپا ہونے والی تھی۔ وہی عالیہ اس گھر کی بہو بن کر آنے والی تھی۔ نفاست علی اور اس کے دوسرے بیٹوں نے عبادت علی کی مرضی اور اصولوں کے خلاف کوئی کام نہیں کیا تھا۔ آج اُن کے چھوٹے بیٹے اسد نے دادا جان کے اصولوں کے خلاف بغاوت کی تھی۔ پتہ نہیں یہ بغاوت کیا رنگ لانے والی تھی؟

ثمینہ اپنے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئی تو وہاں عبادت علی' نفاست علی اور کبریٰ بیٹھی ہوئی تھی۔ سجاد اور مراد بھی موجود تھے۔ وہ سب ہنس بول رہے تھے۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس ہنسی کے بعد ایک طوفان آنے والا ہے۔ یہ بات صرف سجاد جانتا تھا۔

اس وقت عبادت علی بہت خوش تھے۔ اپنے پوتے مراد کے پاس بیٹھے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر فخر سے کہہ رہے تھے۔ "دیکھو یہ ہمارا پوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے بھٹک گیا تھا۔ اس کم بخت احسان علی نے میرے پوتے کو پھانسنے کے لئے جال بچھایا تھا لیکن ہمارا پوتا اس جال کو توڑ کر چلا آیا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں

کند ہم جنس بہ ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر' باز با باز

باز ہمیشہ باز کے ساتھ اڑتا ہے۔ اگر کبوتر اڑنا چاہے تو وہ باز کی بلند پروازی کو چھو بھی نہیں سکتا۔ احسان علی کبوتر ہے وہ ہمارے پوتے کی بلند پروازی کو چھو نہ سکا۔ ہمارا مراد اس پر تھوک کر چلا آیا ہے۔ اسے کہتے ہیں اعلیٰ خون' اعلیٰ خاندان' اعلیٰ تعلیم و تربیت اور اعلیٰ ظرفی کہ ظرف دیکھ کر بات کی جائے اور ظرف دیکھ کر شادی کی جائے۔ ابھی ہم نے ایک فیصلہ کیا ہے' جانتے ہو نفاست! وہ فیصلہ کیا ہے؟"

نفاست' کبریٰ اور سجاد انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ فخر سے مسکرا کر بولے۔ "ہم اپنے مراد کی شادی سدرہ بیٹی سے کریں گے۔"

نفاست علی کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ سجاد اور ثمینہ نے بھی پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کے دادا جان یہ نہیں جانتے تھے کہ ثمینہ اور مراد ایک ہی باپ کا خون ہیں۔ سوتیلے ہیں مگر ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔

عبادت علی نے تعجب سے نفاست اور سجاد وغیرہ کو دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ تم لوگ ایک دم سے چپ کیوں ہو گئے؟ کیا ہم نے خوشخبری نہیں سنائی ہے؟ کیا یہ خوشی کی بات نہیں

ہے؟"

کبریٰ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے خوش ہونا چاہئے یا نہیں؟ خوشی کی بات تو یہ تھی کہ سدرہ کے حصے کی دولت و جائیداد اس کے بیٹے مراد کو مل سکتی تھی۔ وہ اُسے بہو بنانے پر اعتراض نہ کرتی لیکن پتہ نہیں کیوں ثمینہ اُسے کانٹے کی طرح چبھتی تھی۔

نفاست نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "ابا جان! .... وہ بات یہ ہے کہ ان دونوں کی شادی نہیں ہو سکتی۔"

انہوں نے گھور کر نفاست کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "شادی کیوں نہیں ہو سکتی؟ کیا ہمارا فیصلہ غلط ہے؟"

"آپ کا فیصلہ غلط نہیں ہے لیکن ذرا غور فرمائیں۔ زیبی اور سدرہ دونوں ہی ہم شکل ہیں اور زیبی مراد کی سگی بہن ہے۔ اس کی ہم شکل سدرہ دلہن بن کر آئے گی تو مراد کو وہ اپنی بہن دکھائی دے گی۔"

عبادت علی نے سوچتی ہوئی نظروں سے ثمینہ کو دیکھا پھر مراد سے پوچھا۔ "کیوں بیٹے! تم کیا کہتے ہو؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "دادا جان! یہ حقیقت تو آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ بالکل زیبی کی طرح ہے۔ سر سے پاؤں تک زیبی ہی زیبی ہے۔ جب زیبی میرے سامنے نہیں ہوتی ہے اور یہ سامنے آ جاتی ہے تو میں اسے اپنی بہن سمجھنے لگتا ہوں۔ یہ دھوکہ تو ہمیشہ ہوتا رہے گا اور یہ دھوکہ بہت ہی بُرا لگے گا۔"

عبادت علی نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں' تم درست کہہ رہے ہو۔ ہم نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔"

پھر انہوں نے مراد کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں بیٹا! ہم بہت ہی اونچے گھرانے میں تمہاری شادی کریں گے۔ بہت ہی دولت مند گھرانے کی لڑکی کو بہو بنا کر لائیں گے۔"

اُن کی بات ختم ہوتے ہی ڈرائنگ روم کا بیرونی دروازہ کھلا۔ اُس دروازے سے اسد اور عالیہ داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ حسرت بھی تھا۔ عالیہ دلہن کے سرخ جوڑے میں تھی۔ عبادت علی نے انہیں غور سے دیکھا۔ پھر کبریٰ سے کہا۔ "بہو! یہ تمہاری بھانجی عالیہ تو بالکل دلہن کی طرح لگ رہی ہے۔"

اسد عالیہ کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "دادا جان! یہ سچ مچ کی دلہن ہے۔"

میری دلہن ہے۔"

عبادت علی اور نفاست علی کے تیور بدل گئے۔ کبریٰ بھی پریشان ہو گئی۔ انہوں نے اسد کی زبان سے جو سنا اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ وضاحت چاہ رہے تھے اس لئے خاموشی سے اُسے تک رہے تھے۔ اس نے کہا۔ "دادا جان! گستاخی معاف کیجئے گا۔ میں نے عالیہ سے کورٹ میرج کی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے جیون ساتھی بن چکے ہیں۔"

عبادت علی ایک دم سے اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ پھر گرج کر بولے۔ "کیا بکواس کر رہے ہو؟ یہ شریفوں کا گھر ہے اور تم دلہا دلہن بن کر یہاں نوٹنکی کرنے آئے ہو؟ اگر یہ کوئی تماشہ کر رہے ہو تو پھر یہ تماشہ نہیں گستاخی ہے۔ اسے ختم کرو۔"

"یہ تماشہ نہیں ہے دادا جان! اور یہ گستاخی بھی نہیں ہے۔ ہم نے قانون کے مطابق رجسٹرار کے دفتر میں شادی کی ہے۔"

نفاست علی غصے سے پاؤں پٹختا ہوا بیٹے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "بدتمیز.......... گستاخ.......... تم نے دادا جان کی اجازت کے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھانے کی جرأت کیسے کی؟ کیا تمہیں اپنے بزرگوں کا خیال نہیں آیا؟ کیا تمہارے بزرگ تمہارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے؟ تم نے ہمیں اتنا غیر اہم سمجھا کہ ہم سے اجازت لئے بغیر ہمیں اطلاع دیئے بغیر کہیں جا کر شادی کر لی اور اب اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر آئے ہو کہ ہم اس شادی کو قبول کر لیں گے اور تمہیں گلے لگالیں گے؟"

اسد نے باپ کو جواب نہیں دیا۔ اپنے دادا کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "دادا جان! آپ بہت غصے میں ہیں اور میں جانتا ہوں کہ مجھے سخت سے سخت سزا دیں گے۔ اس گھر سے بھی نکال سکتے ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ آپ کے نقطۂ نظر سے میں نے گستاخی کی ہے۔ اس وقت میں آپ کی نظروں میں بے ادب اور گستاخ ہوں لیکن میں اپنے نقطۂ نظر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

"جب سے اس گھر میں ہوش سنبھالا ہے تب سے یہی دیکھا ہے کہ آپ کی اجازت کے بغیر اس گھر میں ایک پتا بھی نہیں ہلتا ہے۔ پھوپھی جان نے آپ کی مرضی اور مزاج کے خلاف شادی کی تو آپ نے انہیں گھر سے نکال دیا۔"

اُس نے نفاست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے ڈیڈی ہیں' آپ مجھ سے سوال کرنے سے پہلے میرے ڈیڈی سے سوال کریں کہ انہوں نے آپ کی اجازت کے بغیر چھپ کر شادی کیوں کی؟ صرف اس لئے کہ اگر یہ آپ سے اجازت مانگتے تو آپ

کبھی اجازت نہ دیتے۔ جب آپ نے میرے باپ کو خاندان سے باہر شادی کرنے کی اجازت نہیں دی تو پھر مجھے کیسے اجازت دے سکتے تھے؟"

نفاست علی اپنا حوالہ سن کر ذرا سٹپٹا گیا پھر ڈھٹائی سے بولا۔ "تم گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہے ہو؟ میری بات کیوں کر رہے ہو؟ تم نے جو غلطی کی ہے اس کا جواب دو۔"

"میں نے اگر غلطی کی ہے تو کیا آپ نے بھی غلطی کی تھی؟"

"ہاں.......... میں نے بھی غلطی کی تھی۔"

یہ کہتے ہی اسے غلطی کا احساس ہوا۔ اُس نے چونک کر ثمینہ کو دیکھا۔ ثمینہ بڑے دُکھ سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ابھی اُسے اور اس کی ماں کو ایک بہت بڑی غلطی کہہ رہا تھا۔

اسد نے پوچھا۔ "اگر آپ کی وہ شریک حیات زندہ ہوتیں اور اگر آپ کی وہ بیٹی ثمینہ اس گھر میں آ جائے تو کیا آپ اس کے سامنے بھی یہی کہیں گے کہ آپ نے غلطی کی تھی؟ اور وہ غلطی جوان ہو کر آپ کے گھر آئی ہوئی ہے۔"

وہ کہہ رہا تھا اور نفاست گھبرا کر پریشان ہو کر کبھی اُسے اور کبھی ثمینہ کو دیکھ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بھید کھل رہا ہو۔ ثمینہ نے جلدی سے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "اسد! تم نے جو کیا ہے تم اس کا حساب دو۔ اپنے بزرگوں کی غلطی کا حساب نہ کرو۔ تمہیں یہ حق نہیں کہ اپنے بزرگوں کا محاسبہ کرو۔"

"کیا بزرگوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی جوان اولاد کی پسند اور خواہشات کو اُن کے جذبات کو بالکل نہ سمجھیں۔ اپنے پرانے اور فرسودہ اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کریں؟ کیا ہماری اپنی کوئی زندگی نہیں ہے؟ کیا ہم اپنے مستقبل اور زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے؟ کیا اس کے لئے ہمیں بزرگوں کا محتاج رہنا پڑے گا؟"

عبادت علی نے گرج کر کہا۔ "بے شک محتاج رہنا پڑے گا۔ اس خاندان کی عظمت' شان و شوکت اور برتری کے لئے جو اصول بنائے گئے ہیں ان اصولوں کے مطابق ہی زندگی گزارنا ہو گی۔ اگر ان اصولوں سے انحراف کیا گیا تو اس چھت کے نیچے ایک سانس لینے کی بھی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

اسد نے کہا۔ "میں جانتا تھا' آپ یہی فیصلہ سنائیں گے' ہمیں یہاں رہنے نہیں دیں گے۔ یہاں سے نکل جانے کا حکم دیں گے اور ہم اس کے لئے تیار ہو کر آئے ہیں۔"

"تو پھر جاؤ.......... نکل جاؤ یہاں سے.......... آج سے تم ہمارے لئے مر چکے ہو'

پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرنا۔"

اسد عالیہ کا ہاتھ تھام کر پلٹ گیا۔ وہاں سے جانے لگا۔ حسرت نے اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ "جسٹ آمنٹ۔"

وہ دونوں رک گئے۔ اس نے عبادت علی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "دادا جان! آپ کب تک حقیقت سے نظریں چراتے رہیں گے؟ کیا بزرگوں سے غلطیاں نہیں ہوتیں؟ کیا آپ نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی غلطی نہیں کی؟ کیا آپ نے پھوپھی جان کو گھر سے نکال کر انصاف کیا تھا؟"

"بکواس مت کرو۔ ہم سے کوئی سوال نہ کرو۔"

"کیا اس لئے سوال نہ کریں کہ آپ ہمارے سرپرست ہیں؟ ہمارے اَن داتا ہیں لیکن جب ہم ہی نہیں رہیں گے تو آپ کس کے سرپرست کہلائیں گے؟ کس کے اَن داتا بن کر رہیں گے؟ آج اسد یہاں سے جا رہا ہے۔ ایک ہفتے کے بعد میں اپنی پسند سے شادی کرنے والا ہوں۔ آپ مجھے بھی گھر سے نکال دیں گے۔ اس گھر میں ایک اور شادی آپ کی مرضی کے خلاف ہو چکی ہے۔ آپ اس اولاد کو بھی گھر سے نکال دیں گے؟ مراد اور سجاد بھائی سے بھی کسی نہ کسی اصولوں پر بحث ہو گی تو پھر یہ بھی نوجوان ہیں' نئے دور اور نئے تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ جب یہ اصول مرتب کریں گے تب آپ انہیں بھی گھر سے باہر نکال دیں گے۔ پھر یہاں کون رہے گا؟ صرف آپ رہیں گے اور اُلّو بولتے رہیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اسد اور عالیہ کے ساتھ باہر چلا گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ وہ تینوں باہر آ کر اپنی کار میں بیٹھنا چاہتے تھے۔ اس وقت زیبی اپنی کار میں وہاں آئی۔ کار سے اترتے ہوئے عالیہ کو دیکھ کر حیرانی و خوشی سے بولی۔ "ہائے .... تم تو بالکل دلہن بنی ہوئی ہو۔"

عالیہ نے مسکرا کر اسد کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "ہم نے کورٹ میرج کی ہے۔"

زیبی نے شدید حیرانی سے کہا۔ "اوہ نو .... مجھے یقین نہیں ہو رہا ہے۔"

حسرت نے کہا۔ "میں ان کی شادی کا گواہ ہوں اور اندر جاؤ گی تو بہت سے گواہ مل جائیں گے۔"

عالیہ نے کہا۔ "ہم یہاں ڈیڈی اور دادا جان سے دعائیں لینے آئے تھے۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ ہمیں یہاں سے کیا ملا ہو گا؟"

حسرت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نئے دلہا دلہن نکالے گئے ہیں۔ ایسے ہی وقت کہا

جاتا ہے کہ بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔"

عالیہ اور اسد ہنسنے لگے' زیبی نے کہا۔ "بڑا حوصلہ ہے۔ دادا جان کی مخالفت مول لے کر ہنس رہے ہو۔ اس کا نتیجہ تو معلوم ہی ہو گا؟"

اسد نے کہا۔ "ایک نتیجہ تو دیکھ لیا کہ گھر سے نکالے گئے۔ دوسرا یہ ہو گا کہ مجھے دولت اور جائیداد کے حقوق سے خارج کر دیا جائے گا۔ ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دی جائے گی۔ جو سلوک پھوپھی جان کے ساتھ کیا گیا تھا وہی میرے ساتھ بھی ہو گا۔"

حسرت نے کہا۔ "ہمارے ڈیڈی بہت چالاک ہیں۔ انہوں نے دادا جان کی مرضی کے خلاف شادی کی اور بیس برس تک اُس شادی کو چھپاتے رہے۔ دادا جان نے انہیں اس لئے معاف کر دیا کہ اُن کی وہ بیوی مر چکی تھیں اور بیٹی کہیں گم ہو گئی تھی۔"

زیبی نے کہا۔ "پلیز .... ڈیڈی کے خلاف کچھ نہ بولو۔ گڑے مردے نہ اکھاڑو۔"

"گڑے مردے ہم کیا اکھاڑیں گے؟ اب تو زندوں کو اکھاڑا جائے گا۔ ابھی اسد اور عالیہ اکھڑ گئے ہیں۔ ایک ہفتے بعد میں اکھڑ جاؤں گا۔ کیونکہ میں بھی اپنی پسند سے شادی کر رہا ہوں۔ اس کے بعد تمہاری باری آئے گی۔ یہ نہ سمجھو کہ تمہاری خفیہ شادی چھپی رہے گی۔"

"پلیز حسرت! میرے بارے میں کوئی رائے قائم نہ کرو۔ میں جانتی ہوں کہ مجھے کس طرح دادا جان سے نمٹنا ہے۔"

عالیہ نے کہا۔ "زیبی! میں تمہاری بچپن کی سہیلی ہوں۔ ہم ایک دوسرے کی رازدار بھی ہیں۔ میں پہلے بھی تمہیں سمجھاتی آئی ہوں' اب بھی سمجھاتی ہوں کہ حالات کا مقابلہ کرو۔ حقیقت کو نہ چھپاؤ۔ اب تم ایک غیر ذمے دار لڑکی نہیں ہو بلکہ ماں بننے والی ہو۔ بیوی تو بن چکی ہو' بیوی کے فرائض ادا کرو یا نہ کرو ماں کے فرائض تو تم ضرور ادا کرو گی۔ ایسے وقت حقائق کو کیسے چھپاؤ گی؟"

زیبی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کا منہ تکنے لگی۔ اُس کے اندر ایک ماں آنکھیں کھول رہی تھی۔ ممتا بیدار ہو رہی تھی۔ ایسے میں بے جا بحث کرنے کے لئے کوئی ٹھوس دلیل نہیں تھی۔ اس لئے وہ چپ رہی پھر وہاں سے سے چلتی ہوئی دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ اندر اچھی خاصی بحث چل رہی تھی۔ عبادت علی زور و شور سے گرج رہے تھے۔ نفاست علی کو باتیں سنا رہے تھے۔

"تم .... تم نے یہ اولادیں پیدا کی ہیں یا سانپ پیدا کئے ہیں۔ یہ ہمیں بڑھاپے میں ڈس رہے ہیں۔ ہماری بزرگی کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ خاندانی شرافت کی دھجیاں اڑا رہے ہیں۔ تمہارا وہ حسرت بیٹا کہہ کر گیا ہے کہ ایک ہفتے بعد وہ بھی اپنی پسند کی شادی کرنے والا ہے۔ پتہ نہیں وہ کس فٹ پاتھ کس بازار سے کسے اٹھا کر لے آئے گا؟ یہ بے وقوف کے بچے سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں قبول کر لیں گے لیکن ہم اُن پر تھوکنا بھی پسند نہیں کریں گے۔"

سجاد اور مراد اُن کے دائیں بائیں آ گئے تھے۔ انہیں تھپک رہے تھے۔ سجاد کہہ رہا تھا۔ "دادا جان! پلیز .... خاموش ہو جائیں۔ غصہ کرنے سے کچھ نہیں ہو گا۔ آپ نے انہیں اُن کی غلطی کی سزا دی ہے۔ گھر سے نکال دیا ہے۔ اب آپ کو خاموش رہ کر اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈا رکھنا چاہئے۔ غصہ آپ کی صحت کے لئے نقصان دہ ہو گا۔"

مراد نے کہا۔ "آپ تھوڑی دیر پہلے خوش ہو رہے تھے کہ میں نے آپ کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے احسان علی کی آفر پر تھوک دیا ہے۔ آپ کو وہ خوشی بھولنا نہیں چاہئے جو آپ کو دکھ پہنچا رہے ہیں انہیں آپ بھول جائیں۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ ہم تو آپ کی تابعداری کے لئے آپ کے اصولوں کے لئے آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کے قدموں میں رہیں گے۔"

کبریٰ ایک گلاس میں جوس لے آئی تھی۔ نفاست علی نے وہ گلاس لے کر اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "پلیز ابا جان! آپ غصہ نہ کریں۔ آرام سے بیٹھ جائیں اور یہ جوس پئیں۔ ہم سہولت سے باتیں کریں گے اور اسد کو اس کی غلطی سے باز رکھنے کی کوشش کریں گے۔ حسرت کو بھی کوئی غلطی نہیں کرنے دیں گے۔ آپ ذرا سکون سے رہیں۔"

وہ پھر گرج کر بولے۔ "ہم کیا خاک سکون سے رہیں گے وہ حسرت کیا بول کر گیا ہے تم نے سنا نہیں؟ وہ کہہ رہا تھا کہ اس گھر میں کسی اور نے بھی ہماری مرضی کے خلاف شادی کی ہے۔ کون ہے وہ؟"

نفاست اور کبریٰ نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ مراد بھی سمجھ رہا تھا اور پھر زیبی بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔ ثمینہ اور سجاد زیبی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اُن سے کترا کر زینے کی طرف جا رہی تھی۔ عبادت علی نے کہا۔ "رُک جاؤ .... ادھر آؤ۔"

زیبی نے گھبرا کر ماں کو دیکھا۔ پھر باپ پر نظر ڈالی۔ باپ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"آؤ بیٹی! آ جاؤ .... دادا جان بلا رہے ہیں۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی عبادت علی سے کچھ فاصلے پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ سر کو جھکا لیا۔ عبادت علی نے پوچھا۔ "تم باہر سے آ رہی ہو کیا اسد اور عالیہ کو دیکھا ہے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "جی ہاں۔"

"کیا تم دیکھ رہی ہو کہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "جی .... جی ہاں .... وہ آپ ابھی فرما رہے تھے کہ حسرت بھی آپ کی مرضی اور اجازت کے بغیر شادی کرنے والا ہے۔"

وہ گرج کر بولے۔ "سب ہی اپنی مرضی کے مالک ہو رہے ہیں۔ بزرگوں کا کوئی ادب نہیں ہے' کوئی احترام نہیں ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اس گھر میں اور کون ہے جس نے ہماری مرضی کے خلاف شادی کی ہے اور ہم سے یہ حقیقت چھپائی جا رہی ہے؟"

نفاست نے جلدی سے کہا۔ "ابا جان! آپ خواہ مخواہ حسرت کی باتوں کو سچ سمجھ رہے ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس گھر میں بھلا اور کون ہے جو خواہ مخواہ چھپ کر شادی کرے گا اور آپ کے قہر و غضب کو للکارے گا؟ حسرت بکواس کر رہا تھا' اُسے بھول جائیں۔"

وہ غصے سے بولے۔ "تم بھی اوّل درجے کے جھوٹے اور دغا باز ہو۔ تم نے بھی بیس برس تک اپنی شادی چھپا کر رکھی تھی۔ ہمیں دھوکہ دیتے رہے پتہ نہیں ہم نے تمہیں کیسے معاف کر دیا تھا؟ اس کا نتیجہ دیکھ رہے ہو کہ تمہاری اولاد بھی تمہارے نقشِ قدم پر چلنے لگی ہے۔ اسد کے بعد حسرت بھی شادی کرنے والا ہے۔ اس گھر کے بچے تمہاری وجہ سے باغی ہو رہے ہیں۔"

پھر انہوں نے سجاد اور مراد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "سجاد' مراد! .... ہم تم دونوں سے پوچھتے ہیں کہ سچ کیا ہے' ہمارے سامنے آنا چاہئے۔ اگر ہم سے چھپایا گیا۔ جھوٹ بولا گیا دھوکہ دیا گیا تو تم دونوں بھی نفاست کی طرح جھوٹے اور دغا باز کہلاؤ گے اور ہماری نظروں سے گر جاؤ گے۔"

یہ کہہ کر وہ پاؤں پٹختے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ ثمینہ اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔ زیبی' کبریٰ اور نفاست علی زینے کی طرف بڑھ گئے۔ وہ سب اپنے کمروں میں جا رہے تھے۔ ڈرائنگ روم میں مراد اور سجاد رہ گئے تھے۔ مراد نے کہا۔ "اسد نے یہ اچھا نہیں کیا۔ اسے اجازت کے بغیر شادی نہیں کرنی چاہئے تھی اور اگر کر ہی لی تھی

تو دادا جان کے سامنے باغیانہ انداز میں عالیہ کے ساتھ یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔"

"مراد! اگر تم کوئی چیز حاصل کرنا چاہو اور وہ چیز تمہیں بہت زیادہ پسند ہو' تم اُسے شدت سے چاہتے ہو اور تمہیں اُس کے حصول سے روکا جائے تو تم بھی ایسے ہی باغیانہ اقدامات پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

"میں باغی ہو گیا تھا' بھٹک گیا تھا لیکن جلد ہی سنبھل گیا ہوں۔"

"اس لئے سنبھل گئے کہ وہ لوگ غلط تھے لیکن عالیہ تو غلط نہیں ہے۔ تم بھی بچپن سے جانتے ہو کہ کتنی سیدھی سادی اور وفاشعار لڑکی ہے؟ حسرت جسے چاہتا ہے وہ بھی گئی گزری نہیں ہے۔ اچھے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارے خاندان کے برابر نہیں ہے۔ زیبی نے فراز سے شادی کی وہ بہت سلجھے ہوئے ذہن کا نوجوان ہے۔ تم اُسے اچھی طرح جانتے ہو' یہ بات جب دادا جان کو معلوم ہو گی کہ ہم دونوں یہ راز جانتے ہیں تو وہ ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور ہمیں بھی جھوٹا اور فریبی سمجھنے لگیں گے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرنا چاہئے؟"

"میں سمجھتا ہوں' دادا جان کو سب کچھ بتا دینا چاہئے۔"

"ہم حقیقت نہ بھی بتائیں تب بھی یہ ایک دن سامنے آ ہی جائے گی۔ اس سلسلے میں اہم سوال یہ ہے کہ ہمیں اسد' حسرت' زیبی اور فراز کی حمایت میں بولنا چاہئے یا دادا جان کی حمایت میں بول کر اپنے بھائیوں اور بہنوں کا دل توڑنا چاہئے۔ وہ جو انصاف چاہتے ہیں یا اپنی مرضی سے زندگی گزارنا چاہتے ہیں' تو کیا ہم اُن کی مخالفت کریں؟"

"زیبی تو فراز سے بے زار ہو گئی ہے۔ وہ اُس کے ساتھ زندگی نہیں گزارے گی۔ اگر چپ چاپ طلاق ہو جائے تو دادا جان کو کبھی پتہ نہیں چلے گا۔"

"مراد! یہ تمہارا ذاتی خیال ہے۔ ورنہ زیبی اپنے ہونے والے بچے کے باپ سے بے زار نہیں ہو گی۔ وہ ذرا بہک گئی ہے' راستے سے بھٹک گئی ہے۔ اگر آنٹی اور انکل اُسے سمجھائیں اور تم بھی ایک بھائی کی حیثیت سے اسے سمجھاؤ کہ شریف زادیاں طلاق نہیں لیتیں۔ اُسے اپنے بچے کے باپ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ تو یہ بات اس کی سمجھ میں آ جائے گی۔ یہ خیال دماغ سے نکال دو کہ خاموشی سے طلاق ہو جائے گی۔ یہ بات اتنی آسان نہیں ہے بات بہت آگے تک بڑھے گی اور بگڑ جائے گی۔ پھر اسے سنبھالنا بہت مشکل ہو گا۔"

مراد اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ یہ بات

اُس کے دل کو لگ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ زیبی نے فراز سے پہلے محبت کی ہے' اُسے پسند کیا ہے۔ پھر شادی کی ہے۔ اگر ممی اور ڈیڈی اُسے سمجھائیں گے تو وہ کبھی طلاق کا مطالبہ نہیں کرے گی۔ پھر اپنے شوہر کی طرف رجوع کرے گی۔

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "ٹھیک ہے .... میں ممی اور ڈیڈی سے بات کروں گا۔"

سجاد نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ہم سب متحد ہو جائیں' ہم خیال ہو جائیں اور بڑی محبت سے ایک دوسرے کی حمایت کریں تو دادا جان ہماری محبتوں کے سامنے ضرور جھکیں گے۔ وہ تسلیم کریں گے کہ زمانے کے ساتھ ساتھ انہیں اپنے اصولوں میں بھی لچک پیدا کرنا چاہئے۔ اپنے مزاج اور خیالات میں بھی کچھ تبدیلیاں کرنی چاہئیں۔"

مراد نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ممی اور ڈیڈی صرف دادا جان کے خوف سے یہ چاہتے ہیں کہ زیبی فراز سے علیحدگی اختیار کر لے اور شادی کی وہ بات چھپی رہے جس کے نتیجے میں وہ ماں بننے والی ہے اور اتنی بڑی بات چھپانے کے لئے ایک بچے کے ساتھ بھی ناانصافی کرنا ہو گی۔ یقیناً اسے اس دنیا میں آنے سے روکا جائے گا اور یہ بہت ہی غلط ہو گا۔"

اس نے زینے کی بلندی کی طرف دیکھا جہاں اس کے ممی اور ڈیڈی اپنے کمرے میں گئے تھے۔ پھر وہ اس طرف جانے لگا۔

کبریٰ اپنے کمرے میں زیبی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اور اُن کے سامنے نفاست علی غصے میں ٹہل رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "اس گھر میں آرام و سکون کسی کو پسند نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی ہنگامہ برپا کیا جاتا ہے۔ تمہارے لاڈلے کو کیا سوجھی تھی کہ چھپ کر شادی کرتا اور پھر دلہن کو دکھانے کے لئے یہاں اپنے دادا جان کے سامنے چلا آتا؟"

کبریٰ چپ چاپ سن رہی تھی اور پریشان ہو رہی تھی' وہ کہہ رہا تھا۔ "پوتے نے اپنے دادا کو کھلا چیلنج کیا ہے۔ اُن کی اجازت اور مرضی کے بغیر شادی کی اور یہ دکھانے آیا کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اس گھر میں دادا جان کی اور سرپرست کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

کبریٰ نے کہا۔ "ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے بچے اپنے دادا جان کی کتنی عزت کرتے ہیں۔ ہمیشہ اُن کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔"

"اس نے سراسر بغاوت کی ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ وہ سر جھکاتے ہیں؟"

"اسد اور عالیہ نے اپنے نقطۂ نظر سے کوئی بغاوت نہیں کی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ بچپن سے ساتھ پلے بڑھے ہیں۔ ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں، میں نے انہیں سمجھایا تھا کہ وہ شادی کا خیال دل میں نہ لائیں۔ ان کے دادا جان کبھی پسند نہیں کریں گے۔ وہ لکیر کے فقیر ہیں، کبھی کسی کی غلطی معاف نہیں کرتے ہیں۔ پتہ نہیں انہوں نے تمہارے ڈیڈی کی غلطی کیسے معاف کر دی تھی اور اُن کی دوسری شادی پر خاموش رہ گئے تھے۔"

نفاست علی نے طیش میں آ کر ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ جب دیکھو میری دوسری شادی کا طعنہ دیتی رہتی ہو۔ تمہیں تو بس موقع ملنا چاہئے۔ میں نے جو بھی کیا جیسا بھی کیا لیکن بات کو بگڑنے نہیں دیا۔ انہوں نے سعیدہ کو گھر سے نکال دیا تھا لیکن مجھے نہ نکال سکے۔ میں جانتا ہوں کہ ابا جان کو کس طرح قابو میں رکھنا چاہئے۔"

"تو پھر قابو میں کریں ناں .... آپ کے بیٹے نے بھی وہی کیا ہے جو آپ نے کیا تھا۔ جب آپ سنبھل سکتے ہیں تو کیا بیٹے کو سنبھال نہیں سکتے؟ کیا آپ یہ چاہیں گے کہ اُسے واقعی گھر سے نکال دیا جائے؟ وہ ابھی گیا ہے تو پھر کبھی واپس نہ آئے؟"

"وہ گیا ہے تو اپنی حماقت سے .... وہ خود کو ہم سے زیادہ عقلمند سمجھتا ہے۔ کیا وہ چھپ کر شادی کرنے والا تھا تو مجھ سے مشورہ نہیں لے سکتا تھا؟ مجھے اپنا رازدار نہیں بنا سکتا تھا؟"

"آپ اُسے کبھی اجازت نہ دیتے۔ اس کی مخالفت کرنے لگتے۔ اس لئے کہ آپ دودھ کے جلے ہیں۔ اُسے جلنے نہ دیتے۔"

"تو اور کیا اولاد کو جلنے دیتا؟"

"اس عمر میں سارے بچے ضدی ہوتے ہیں۔ آگ سے کھیلتے ہیں جل جاتے ہیں مگر اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔"

زیبی نے کہا۔ "ڈیڈی! جس طرح آپ نے اپنی غلطی پر پردہ ڈالا تھا اور بعد میں دادا جان کو منا لیا تھا کچھ اسی طرح کریں۔ ورنہ ہمارا اسد گھر سے بے گھر ہو جائے گا۔ کیا آپ کو اچھا لگے گا کہ وہ اِدھر اُدھر مارا مارا پھرے اور دوسروں کا محتاج رہے؟"

وہ بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم تو مت بولو۔ تم جو گل کھلا رہی ہو اُس کے برے نتائج سامنے آنے والے ہیں۔ وہ کم بخت حسرت یہاں سے جاتے جاتے یہ بول کر گیا

ہے کہ اس گھر میں کسی اور نے بھی چھپ کر شادی کی ہے۔ تمام بچے یہی کریں گے اور دادا جان اپنے اصولوں کی لکیروں پر چلتے رہیں گے، ڈگمگاتے رہیں گے اور گرتے رہیں گے۔"

"حسرت کی عادت تو آپ جانتے ہی ہیں۔ وہ بچپن سے باغیانہ انداز میں اسی طرح بولتا آیا ہے۔ ابھی مسئلہ اسد کا ہے حسرت کا نہیں۔ اپنے بیٹے کو کس طرح گھر واپس لانا چاہئے، ابا جان کو کس طرح منانا چاہئے، اب یہ آپ کی ذہانت اور حکمت عملی پر ہے۔"

"نہیں ہے میرے پاس ذہانت .... تمہاری بکواس اولاد نے میری ذہانت کو کھا لیا ہے۔ وہ ایک نیا شوشہ چھوڑ کر گیا ہے۔ اب ابا جان اس بات کے پیچھے پڑ گئے ہیں کہ اس خاندان میں اور کس نے چھپ کر شادی کی ہے؟ اُن سے سچ بولا جائے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ زیبی کی شادی کو اور اس کے ماں بننے کی بات کو کس طرح چھپایا جائے۔ حسرت تو گھر کا بھیدی بنا ہوا ہے۔ ہم اتنے عرصے سے یہ بات چھپاتے آ رہے ہیں اور وہ اُسے اچھال کر ابا جان کے سامنے لانا چاہتا ہے۔ جب ایک اولاد دشمنی پر اتر آئے تو میں دوسری اولاد کے ساتھ بہتری کس طرح کروں؟"

مراد نے دروازے پر آ کر کہا۔ "ڈیڈ! یہ پرانی کہاوت ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ آپ اور ممی زیبی کی شادی کو چھپانے کے لئے جھوٹ بولتے آ رہے تھے۔ جب اس کے ماں بننے کے آثار پیدا ہوئے تو خود سوچیں کہ کتنے مسائل کا سامنا ہوا۔ ایک کے بعد دوسری لیڈی ڈاکٹر آتی گئی۔ ایک کو رشوت دے کر جھوٹ بولنے پر مجبور کیا گیا۔ دوسری کو پتہ نہیں کس حکمت عملی سے ٹال دیا گیا تھا۔ اس کی رپورٹ بھی جھوٹی ہو گئی۔ آپ خود سوچیں کہ زیبی اور فراز کی شادی جائز ہے۔ شریعت کے مطابق ہے اور یہ جائز طور پر ماں بن رہی ہے لیکن آپ اس کی اولاد کو، اپنے نواسے یا نواسی کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کے لئے کیسے کیسے جھوٹ بول رہے ہیں اور اب یہاں بیٹھے مزید جھوٹ بولنے کے راستے ڈھونڈ رہے ہیں۔"

نفاست علی نے کہا۔ "تو پھر اور کیا کیا جائے؟ تمہارے دادا جان سے اتنی بڑی بات چھپائی گئی کہ اُن کی پوتی نے چھپ کر اپنی پسند سے شادی کی ہے۔ ایک تو ابا جان اس کی یہی غلطی معاف نہیں کرتے۔ اوپر سے یہ ماں بننے والی ہے۔ اگر ابا جان کو یہ بات معلوم ہو گی تو اتنا بڑا دھماکہ ہو گا کہ اس کوٹھی کے در و دیوار ہل جائیں گے اور ہم سب اپنے آپ کو فٹ پاتھ پر پائیں گے۔"

"ڈیڈی! آپ سمجھتے ہیں سچ بولنے سے وہ ہم سب کو گھر سے نکال دیں گے؟ اگر نکال دیں گے تو اس گھر میں کون رہے گا؟ وہ کس کے سرپرست اور اَن داتا بن کر رہیں گے؟ کس پر اپنی بزرگی کی دھونس جمائیں گے؟"

"یہ مت سمجھو کہ وہ ہم سب سے رشتہ توڑ کر اکیلے نہیں رہ سکیں گے۔ وہ رہ جائیں گے۔ وہ پتھر ہیں' انہوں نے اپنی ضد اور اَنا کی خاطر تمہاری دادی جان سے علیحدگی اختیار کی تھی' اپنی ضد اور انا کی خاطر تمہاری پھوپھی جان کو گھر سے نکال دیا تھا۔ وہ مجھے بھی نکال سکتے تھے لیکن میری قسمت اچھی تھی کہ وہ جس بہو کے خلاف بولتے وہ اس سے پہلے ہی مر چکی تھی۔ اب اس کے گھر آنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس دوسری شادی سے ہونے والی .... بیٹی .... بھی .... نہیں رہی ہے۔"

بولتے بولتے آخر میں زبان لڑکھڑانے لگی۔ وہ بیٹی تو موجود تھی۔ آج ہی تو دو گھنٹے پہلے اُس نے اُسے اپنی ثمینہ کہہ کر گلے سے لگایا تھا۔ جن مسرتوں کو اُس نے کچرا سمجھ کر پھینک دیا تھا آج وہی مسرتیں اُسے نہال کر رہی تھیں۔

کبریٰ' زیبی اور مراد سب ہی نے اُس کی زبان کو لڑکھڑاتے ہوئے محسوس کیا۔ سب ہی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ سنبھل کر بولا۔ "وہ .... وہ میں کہہ رہا تھا کہ .... وہ ماں بیٹی نہیں رہی تھیں۔ دنیا اور خاندان والوں کو اور کاروباری دوست احباب کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ کوئی دوسرے گھرانے کی عورت میرے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتی رہی تھی۔ چونکہ اس حقیقت پر پردہ پڑا رہا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا اس لئے انہوں نے مجھے معاف کر دیا تھا۔"

مراد نے کہا۔ "آپ کا ایک جھوٹ چھپ گیا تھا مگر پھر بھی آپ اپنی بیٹی کا ایک جھوٹ چھپا رہے تھے۔"

نفاست نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر بے اختیار کہا۔ "نہیں .... میں ثمینہ کی کوئی بات نہیں چھپا رہا ہوں۔ ثمینہ تو........"

مراد نے حیرانی سے کہا۔ "آپ ثمینہ کو ہمارے درمیان کیوں لا رہے ہیں؟ جب کہ کہہ رہے ہیں وہ مر چکی ہے۔ میں آپ کی اِس' بیٹی کی نہیں .... اس بیٹی زیبی کی بات کر رہا ہوں۔ آپ اس کی غلطیاں چھپا رہے ہیں اور جھوٹ پر جھوٹ بول رہے ہیں۔"

کبریٰ نے اپنے بیٹے مراد کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ کیا اُن سے جھوٹ نہ بولا جائے؟ کیا انہیں سچ بتا دیا جائے؟"

"ممی! یہی ہونا چاہئے' بہت ہو چکا۔ ہم بہت جھوٹ بول چکے۔ ایک دوسرے کو بہت دھوکے دے چکے۔ ہم زیبی کی حقیقت چھپا رہے ہیں۔ نہ جانے ابھی آگے چل کر اور کس کی حقیقت کھلنے والی ہے؟"

نفاست علی نے پھر چونک کر اپنے بیٹے کو دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے مراد اس کے اندر کی بات سمجھ رہا ہو اور اسے اندر ہی اندر سے چٹکیاں لے رہا ہو۔ وہ بولا۔ "ڈیڈی! ابھی میں بہک گیا تھا۔ احسان علی کے گھر داماد بننے کے لئے گیا تھا۔ بہت بڑی غلطی کر رہا تھا لیکن مجھے عقل آ گئی۔ میں غلط فیصلے سے لوٹ آیا۔ آپ ایک عرصے تک سجاد بھائی کے ابو یعنی اپنے بڑے بھائی سے عداوت رکھتے رہے۔ یہ عداوت سجاد کے دل میں بھی تھی۔ آپ کے خلاف نفرت تھی وہ آپ سے انتقام لے سکتا تھا لیکن آپ نے اس پتھر کو موم بنا دیا۔ اپنی محبت سے جیت لیا تو کیا آپ سچ بول کر دادا جان کو نہیں جیت سکتے؟"

"بیٹے! تم ایسی باتیں کر رہے ہو جو ناممکن ہیں تمہارے دادا جان کبھی اتنی زہریلی سچائی کو قبول نہیں کریں گے۔ بڑی قیامت آ جائے گی۔"

"اس قیامت کے خوف سے آپ اپنی بیٹی کا سہاگ اجاڑ رہے ہیں۔ ممی! آپ جس زبان سے بیٹی کو طلاق لینے کا سبق پڑھاتی رہتی ہیں اسی زبان سے گھر بنانے کا سبق سکھاتی رہیں گی تو اس کا گھر بس جائے گا۔ یہ ماں بننے والی ہے۔ اس کی زندگی میں پہلی بار یہ خوشی آ رہی ہے۔ آپ کو تو ایک نانی کی حیثیت سے خوش ہونا چاہئے۔"

پھر اس نے بہن سے کہا۔ "زیبی! تم نادان بچی نہیں ہو' تمہیں اپنا اچھا برا خود سمجھنا چاہئے۔ کیا تم نے فراز کو دل سے پسند نہیں کیا تھا؟ کیا محبت سے شادی نہیں کی تھی؟ پھر یہ اچانک کیا ہوا؟ میں فراز کو قریب سے نہیں جانتا پھر بھی اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک محنتی نوجوان ہے۔ ڈیڈی اُسے سہارا دیں گے اُسے کسی کام سے لگائیں گے تو وہ تیر کی طرح آگے بڑھے گا۔ ترقی کرے گا۔ تمہیں تو اس کی قدر کرنی چاہئے۔"

زیبی سر جھکائے سن رہی تھی۔ پھر وہاں سے اٹھ کر جانے لگی۔ مراد نے کہا۔ "تم حقیقت سے کب تک کتراتی رہو گی؟"

وہ دروازے کے پاس رک کر بولی۔ "میں حقیقت سے کہیں بھاگ نہیں سکتی' کشمکش میں مبتلا رہتی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"میں بڑے بھائی کی حیثیت سے سمجھاتا ہوں کہ تم کسی کی بات نہ مانو بس اپنے دل کی بات مانو۔ تنہائی میں غور کرو' تمہارا دل و دماغ جو کہے اُسے قبول کرو۔ ممی اور ڈیڈی

کے مشوروں پر عمل نہ کرو۔"

کبریٰ نے ایک دم سے اٹھ کر کہا۔ "یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ ہماری بیٹی کو ہمارے خلاف بھڑکا رہے ہو؟ تم بھائی سے دشمن بن رہے ہو؟ یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ تم اچانک کیسے بدل گئے ہو؟ پہلے جیسے مراد دکھائی نہیں دے رہے ہو؟"

"میں ڈیڈی کو ہارتے ہوئے دیکھ کر ہارنا سیکھ رہا ہوں۔"

نفاست نے چونک کر بیٹے کو دیکھا۔ وہ بولا۔ "ڈیڈی! میں نے بچپن سے جو سیکھا ہے وہ آپ سے ہی سیکھا ہے۔ چاہے وہ جھوٹ فریب ہو یا سچائی ہو اور سچائی اب یہ سامنے آئی ہے کہ آپ ایک طویل عرصے سے اپنے بڑے بھائی کے خلاف لڑتے رہے' آپ نے انہیں گھر سے نکال دیا' انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے باوجود اُن کی اولاد یہاں آ کر اپنا سکہ جما رہی ہے۔ دادا جان کے دل و دماغ پر چھا گئی ہے۔"

وہ ٹہلنے کے انداز میں ایک طرف سے دوسری طرف گیا۔ پھر بولا۔ "دادا جان سب کے سرپرست ہیں۔ ان کے بعد ان کا بڑا بیٹا یعنی آپ کا بڑا بھائی سرپرست ہوتا جسے آپ نے گھر سے نکلوا دیا تھا۔ اب تو آپ ہی تنہا کاروبار کے مالک ہیں۔ کیونکہ آپ ہی بڑے ہیں۔ دادا جان کے بعد آپ ہی سرپرست کہلائیں گے لیکن آپ کے بعد اس خاندان میں سجاد بڑا ہو گا۔ وہ میرا بڑا بھائی ہے۔ میں اُس سے لڑتا جھگڑتا رہوں گا لیکن اس کے حقوق نہیں چھین سکوں گا اور نہ ہی آپ سرپرست بن کر اس کے حقوق چھین سکیں گے۔ اس لئے آپ نے اُس سے سمجھوتہ کیا ہے۔ دوستی کی ہے۔ اسے محبتیں دے رہے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ محبتیں رنگ لا رہی ہیں۔ وہ جو بدترین دشمن تھا وہ آپ کے سامنے جھک گیا ہے۔ آپ کو وہ اپنے باپ کی جگہ دے رہا ہے۔"

کبریٰ اور نفاست علی خاموشی سے اس کی بات سن رہے تھے۔ زیبی بھی جاتے جاتے دروازے کے پاس رک گئی تھی۔ وہ بول رہا تھا۔ "آپ کے' سدرہ اور سجاد کے درمیان محبتیں اتنی مستحکم ہو رہی ہیں کہ اب ساری بگڑی ہوئی باتیں بن رہی ہیں۔ خون کے رشتوں کے درمیان جو جھگڑے فسادات' عداوتیں تھیں وہ ختم ہو چکی ہیں۔ جب محبت سے یہ سب کچھ ہوتا ہے تو مجھے بھی آپ سے محبت کا یہ درس حاصل کرنا چاہئے اور آپ کے نقشِ قدم پر چلنا چاہئے۔ اسی لئے میں سجاد اور سدرہ کی حمایت میں بولنے لگا ہوں اور یہاں جو جھوٹ اور فریب چل رہا ہے اس کے خلاف بولنا بھی میرا فرض ہے۔"

پھر اُس نے زیبی کی طرف پلٹ کر کہا۔ "زیبی! دیکھو میں کیا تھا اور اب کیا ہو گیا

ہوں۔ اگر میں بدل سکتا ہوں اور محبت کی طرف آ سکتا ہوں تو کیا تم فراز کی محبت کی طرف نہیں جا سکتیں؟"

زیبی نے سر جھکایا پھر چپ چاپ دروازے سے باہر چلی گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔

☆======☆======☆

مراد فیصل آباد جانے کے لئے سفر کی تیاری کر رہا تھا۔ ایک سوٹ کیس میں ضروری سامان رکھ رہا تھا۔ ایسے وقت کبریٰ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ پھر اُسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا تم کہیں جا رہے ہو؟"

"یس ممی! فیصل آباد جا کر دیکھنا ہے کہ وہاں ہماری مل میں کیا ہو رہا ہے؟"

"جب تمہارے ڈیڈی نے سجاد کو تمام ذمہ داریاں سونپ دی ہیں تو اُسے فیصل آباد جانا چاہئے۔ تم کیوں جا رہے ہو؟"

"ممی! سجاد یہاں کا کاروبار سنبھال رہا ہے۔ تو مجھے وہاں کی ذمہ داریاں سنبھالنی چاہئیں۔"

"کیا تم اپنے ڈیڈی کا یہ فیصلہ تسلیم کر رہے ہو کہ سجاد یہاں ہیڈ کوارٹر کی ذمے داریاں سنبھالے گا۔ اتنا بڑا کام اُسے دیا گیا ہے اور جو تم تجربہ کار ہو تمہیں چھوٹا کام دیا جا رہا ہے۔"

"ممی! چھوٹے بڑے کی بات نہیں ہے' کاروبار کو سنبھالنے کے لئے ہر پہلو' ہر محاذ سے دوسری ٹیکسٹائل والوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ کاروبار میں چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ فیصل آباد تو پاکستان کی ٹیکسٹائل ملوں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اسے پاکستان کا مانچسٹر کہا جاتا ہے۔ آپ یہ کاروباری باتیں نہیں سمجھیں گی۔"

"میں سمجھنا بھی نہیں چاہتی جو کہنے آئی ہوں وہ کہوں گی۔"

"فرمائیے.......... کوئی ضروری بات ہے؟"

"ہاں .... یہ اچھا ہوا کہ تم فیصل آباد جا رہے ہو۔ وہیں سے لاہور بھی جا سکتے ہو۔"

"کیا لاہور میں کوئی ضروری کام ہے؟"

"ہاں بیٹے! اتنا ضروری ہے کہ تم سنو گے تو چونک جاؤ گے۔"

اُس نے تعجب سے پوچھا۔ "ایسی کیا بات ہے ممی!"

"یہاں بیٹھو.......... میں بتاتی ہوں۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی ایک کرسی پر بیٹھی' پھر اس کی طرف جھک کر سرگوشی میں بولی۔ "تمہیں سدرہ کے بارے میں اصلیت معلوم ہے؟"

"اس کی اصلیت کیا معلوم کرنی ہے؟ وہ ہمارے بڑے ابو کی بیٹی ہے۔ سجاد کی بہن ہے۔"

"یہی تو بات ہے کہ وہ سجاد کی بہن ہے یا نہیں ہے لیکن وہ ہیرا منڈی میں رہتی تھی۔"

وہ ایک دم سے چونک کر بولا۔ "یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ ٹھیک ہے کہ آپ اُسے پسند نہیں کرتی ہیں لیکن اُس پر اس بُری طرح تو کیچڑ نہ اچھالیں۔"

"اے لڑکے! تُو میرا بیٹا ہو کر مجھے ہی غصہ دکھا رہا ہے۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "سنائیں .... میں جانتا ہوں آپ جب بھی کہیں گی بے تکی کہیں گی' جس کا کوئی سر پیر نہیں ہو گا۔"

"ہاں .... ہاں .... میں تو بے تکی ہانکتی رہتی ہوں لیکن جب میں سچ کہوں گی اور وہ سچ ثابت بھی ہو جائے گا تو سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ پھر معلوم ہو گا کہ کس طرح باہر کی گندگی کو چھپا کر لایا گیا ہے۔"

"پلیز ممی! آپ بتائیں آپ کیا جانتی ہیں اور کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

کبریٰ نے ثمینہ کی ایک تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے اپنے پاس رکھو۔ لاہور کی ہیرا منڈی میں لے جاؤ۔ وہاں ایک ایک سے پوچھتے پھرو گے تو یہ حقیقت تمہارے سامنے آئے گی کہ یہ وہاں رہ چکی ہے۔ وہاں سب اسے جانتے ہیں۔"

اس نے ناگواری سے پوچھا۔ "ممی! یہ کیا ڈرامہ ہے؟ کیا میں وہاں جا کر اپنی بے عزتی کراؤں؟ یہ ہمارے خاندان کی لڑکی ہے۔ تایا ابو کی بیٹی ہے۔ یہ ہمارے خاندان کی عزت ہے۔ ہماری بہن ہے اور میں اس کی تصویر لے جا کر ہیرا منڈی میں اس کی پبلسٹی کروں۔ اس کے بارے میں غلط باتیں پوچھوں؟"

"تم کوئی غلط بات نہیں پوچھو گے۔ جو پوچھو گے وہ سچ ہو گا۔ آج ہی چند گھنٹے پہلے ایک شخص یہاں آیا تھا۔ تمہارے دادا سے ملنے کے لئے۔ اس نے ثمینہ کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو ہیرا منڈی میں رہتی تھی اور وہ اس کا مجرا بھی سن چکا ہے۔"

مراد نے بے یقینی سے پوچھا۔ "کیا اس شخص نے دادا جان سے اتنی بڑی بات کہہ

دی؟"

"بیٹے! سچ ہے اس لئے کہہ دی اور سانچ کو کیا آنچ؟ اسے کس بات کا ڈر تھا؟ حالانکہ بڑے میاں نے اسے بے عزت کر کے یہاں سے نکال دیا ہے لیکن اس کی بے عزتی سے کیا ہوتا ہے؟ ہماری عزت تو اچھلنے ہی والی ہے۔ اس سے پہلے کہ بات بہت زیادہ بڑھ جائے۔ تم حقیقت معلوم کرو۔ پتہ نہیں جو شخص یہاں آیا تھا وہ کہاں گیا ہو گا؟ کہاں رہتا ہو گا؟ اس کا پتہ ٹھکانہ نہیں معلوم ہے لیکن یہ تصویر دیکھ کر ہیرا منڈی والے ضرور کہیں گے کہ یہ لڑکی وہاں رہتی تھی۔ اگر غلط ہو گا تو کوئی اسے نہیں پہچانے گا۔ لہٰذا سچ معلوم کرنے کے لئے کچھ تو تحقیقات کرنی چاہئیں۔"

مراد نے ثمینہ کی تصویر کو دیکھا پھر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا مصیبت ہے؟ آپ کچھ تو سوچیں کہ یہ میری بہن زیبی لگ رہی ہے۔ سر سے پاؤں تک وہی ہے۔ ایک ایک ناک نقشہ وہی ہے۔ کیا میں اپنی بہن کی تصویر ہیرا منڈی لے کر جاؤں؟"

"تم اسے زیبی کیوں سمجھ رہے ہو؟ یہ زیبی نہیں ہے۔"

"یہ زیبی ہو یا نہ ہو لیکن میری بہن ہے۔ اسی لئے دادا جان نے جب اس سے میری شادی کی بات کی تو میں نے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ بچپن سے اس کی صورت میرے ذہن میں رچی بسی ہے اور یہ بہن کی طرح میرے اندر نقش ہے۔"

کبریٰ نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہ تصویر وہاں لے جاؤ۔ تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ اس شریف خاندان میں گندگی کہاں سے آ گئی ہے؟ اگر یہ ثمینہ ہے تو سجاد کی بہن سدرہ کہاں گئی؟ کیا وہ اپنے ماں باپ کی طرح مر چکی ہے یا وہ اپنے کسی عاشق کے ساتھ فرار ہو گئی ہے۔ تو سجاد اسے اپنی بہن بنا کر یہاں لے آیا ہے؟ کوئی تو بات ایسی ہے جو ابھی ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے لیکن بہت گہرے راز اس کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں۔ ہمیں معلوم کرنے چاہئیں۔"

وہ سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ ماں کی بات دل کو لگ رہی تھی۔ یہ حقیقت معلوم کرنا ضروری تھی کہ کوئی شخص ثمینہ کو دیکھ کر اسے ہیرا منڈی والی کہہ کر کیوں گیا۔ دادا جان کے سامنے اتنی بڑی بات کہنے کی ہمت نہیں ہونی چاہئے۔ اس شخص میں اتنی جرأت کیسے پیدا ہو گئی؟ کیا اس لئے کہ یہ بات سچ ہے؟ اسی لئے وہ شخص بڑی بے باکی سے سچ بول کر چلا گیا ہے۔

کبریٰ نے تنبیہہ کے انداز میں انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ایک بات اچھی طرح سمجھ لو ابھی تم نے جانے سے انکار کیا تو میں کل صبح کی فلائٹ سے لاہور جاؤں گی اور یہ تصویر لے کر پوری ہیرا منڈی میں گھومتی پھروں گی۔ کیا میرا وہاں جانا تمہیں اچھا لگے گا؟"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "فضول باتیں نہ کریں۔ آپ وہاں نہیں جائیں گی۔"

"تو پھر تم وہاں جاؤ گے۔ بولو جاؤ گے اور کل ہی جاؤ گے۔ میں کل رات تمہارے فون کا انتظار کروں گی۔"

"ممی! آپ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتی ہیں۔ اتنی جلدی یہ ممکن نہیں ہے۔ اگر فیصل آباد میں کام بہت الجھا ہوا ہو گا تو میں لاہور کیسے جا سکوں گا؟ ایک دو دن تو ضرور وہاں لگ جائیں گے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ بھاڑ میں گیا تمہارا کاروبار۔ پہلے میں یہ حقیقت معلوم کروں گی۔ میں چلتی ہوں تو کانٹے چبھتے ہیں۔ بیٹھتی لیٹتی ہوں تو کانٹے چبھتے ہیں۔ میں سکون سے نہیں رہ سکوں گی۔ اس لئے چاہے جتنی بھی رات ہو جائے میں ساری رات جاگ کر تمہارے فون کا انتظار کروں گی۔ تم مجھے بتاؤ گے کہ لاہور جا کر کیا کرتے رہے ہو اور کیا معلومات حاصل کرتے رہے ہو؟"

"ٹھیک ہے .... میں جاؤں گا اور آپ جو کہہ رہی ہیں وہی کروں گا۔"

"یاد رکھو .... اگر تم نے مجھے دھوکہ دیا اور معلومات حاصل نہ کیں اور یہ کہہ دیا کہ یہ جھوٹ ہے تو میں نہیں مانوں گی۔ میں خود اس کی دوسری تصویر لے کر ہیرا منڈی پہنچوں گی اور اپنے طور پر تحقیقات کروں گی۔ میں یہ بھی معلوم کر کے رہوں گی کہ یہ ثمینہ ہے یا سدرہ۔ اگر ثمینہ ہے تو سدرہ کہاں گئی؟ اور سدرہ کی جگہ ثمینہ کہاں سے آ گئی؟ کیا تمہیں تجسّس نہیں ہوتا؟ تمہارے اندر کھلبلی پیدا نہیں ہو رہی ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے خاندان میں کیوں ہو رہا ہے؟ کیا ہمیں درپردہ بے وقوف نہیں بنایا جا رہا ہے؟ کیا تم بے وقوف بنتے رہنا پسند کرو گے؟ اگر کرو گے تو بے وقوف بنتے رہو۔ میں تو نہیں بنوں گی؟"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر تیزی سے چلتے ہوئے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ مراد نے بڑی بے بسی سے تشویش میں مبتلا ہو کر بند دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر سر جھکا کر ثمینہ کی تصویر کو دیکھنے لگا۔

☆======☆======☆

سجاد ڈرائنگ روم میں تنہا رہ گیا تھا۔ مراد اپنے ممی ڈیڈی کے کمرے میں گیا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے بھی اس سلسلے میں کچھ کرنا چاہئے۔ دادا جان کو سمجھانا چاہئے۔

ایک خیال آیا کہ دادا جان سے پہلے چچا جان سے باتیں کرنی چاہئیں۔ ان سے جتنی ذہنی دوری تھی اب اتنی ہی قربت پیدا ہو گئی تھی۔ دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی آ گئی تھی۔ بہتر یہ ہوتا کہ وہ پہلے نفاست کو سمجھاتا کہ وہ اپنے باپ یعنی اس کے دادا جان سے جھوٹ نہ بولے۔ انہیں دھوکہ نہ دے جو سچ ہے اُسے اُن کے سامنے بیان کر دیں۔ جو غلطیاں ہو چکی ہیں ان کی معافی مانگ لی جائے۔ اس سلسلے میں تمام جوان بچے ان کی حمایت کریں گے تو دادا جان کو سب کے فیصلوں کے سامنے جھکنا پڑے گا۔

اس وقت مراد اوپر گیا ہوا تھا۔ نفاست باتیں کر رہا تھا۔ سجاد نے سوچا کہ دیکھیں مراد کے سمجھانے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس کے بعد وہ دفتر میں نفاست سے اس سلسلے میں باتیں کرے گا۔

فی الحال وہ اپنے دادا جان سے باتیں کر سکتا تھا۔ اس سلسلے میں اگر کچھ نہ بولتا تو درپردہ باتوں ہی باتوں میں کسی دوسرے حوالے سے انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کرتا کہ انہیں اب اپنے اصولوں میں لچک پیدا کرنی چاہئے۔ آئندہ نسلوں کے مزاج اور ان کے عزائم کو سمجھنا چاہئے نہ سمجھنے کے نتیجے میں ایسی ہی بغاوتیں جنم لیتی رہیں گی۔

وہ عبادت علی کے کمرے میں جانے لگا۔ کوریڈور سے گزرتے ہوئے رُک گیا۔ کوریڈور کے آخری سرے پر فہمی کھڑی ہوئی تھی۔ نظریں ملتے ہی وہ شرمانے لگی۔ سر جھکا کر مسکرانے لگی۔ وہ شام کو دفتر سے آنے کے بعد پہلے اس کے کمرے میں آتا تھا۔ اس سے ملتا تھا۔ اس کی خیریت معلوم کرتا تھا۔ اس کی دلجوئی کیا کرتا تھا۔ آج وہ اسد کی وجہ سے خاندانی معاملات میں الجھ گیا تھا۔ وہ بے زبان اس کا انتظار کرتی رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔ پھر اشاروں کی زبان میں کہنے لگا۔ ”میں دادا جان اور چچا جان سے باتیں کرنے میں مصروف رہا تھا۔ سوری مجھے دیر ہو گئی۔ آؤ کمرے میں چلیں۔“

وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا کمرے میں آیا۔ وہ اس کے انتظار میں اپنے کمرے کو صاف ستھرا رکھتی تھی۔ ہر شام گلدان میں تازہ پھول سجایا کرتی تھی۔ وہ دونوں ایک صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔ سجاد نے اشاروں سے کہا۔ ”تمہیں پتہ ہے اسد اور عالیہ نے شادی کر لی ہے۔ وہ دونوں دولہا دلہن بن چکے ہیں۔“

اس نے یہ بات حیرانی سے سنی۔ پھر اشاروں کی زبان میں پوچھا۔ ”مگر ہمیں تو کچھ پتہ نہیں‘ دادا جان نے مجھے ان کی شادی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔“

اس نے کہا۔ ”دادا جان تو خود اس کی شادی سے بے خبر تھے۔ اسی بات پر گھر میں جھگڑے ہو رہے ہیں۔ اُن دونوں نے دادا جان کی اجازت کے بغیر شادی کی ہے۔ وہ بہت غصے میں ہیں۔“

فہمی نے پوچھا۔ ”انہوں نے دادا جان کی اجازت کے بغیر شادی کیوں کی؟ یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔“

اس نے فہمی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”جیسے ہم ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ محبت کرتے ہیں۔ ویسے ہی اسد اور عالیہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ دادا جان اُن کی شادی پر کبھی راضی نہ ہوتے۔ اس لئے انہوں نے چھپ کر شادی کی اور اب ظاہر کر رہے ہیں۔ تم سمجھو کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا ہے؟“

وہ اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ اُسے سمجھانے لگا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ جیسے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔ ”کیا تم میرے بغیر رہ سکتی ہو؟“

اُس نے انکار میں سر ہلایا۔

”اسی طرح عالیہ بھی اسد کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ محبت کرنے والے اپنے دل کی دھڑکنوں سے دوسرے کے دل کی باتیں سمجھ لیتے ہیں۔ ان کے دکھ درد کو ان کی مسرتوں کو پہچان لیتے ہیں۔“

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ سجاد نے پوچھا۔ ”تم ان کے جذبات کو سمجھ رہی ہو؟ دادا جان بہت سخت ہیں۔ وہ کبھی اس شادی کے لئے راضی نہیں ہوتے۔ اس لئے انہوں نے چھپ کر ایسا کیا ہے پھر بھی وہ اُن کی دعائیں لینے آئے تھے لیکن دادا جان نے انہیں گھر سے نکال دیا ہے۔“

فہمی بڑے دکھ سے یہ باتیں سن رہی تھی۔ پھر اُس نے اشاروں کی زبان سے کہا۔ ”کیا اُن کا شادی کرنا ضروری تھا؟ دادا جان کو کیوں ناراض کیا؟ وہ شادی نہ کرتے بس محبت کرتے رہتے جیسے ہم کر رہے ہیں۔“

”مگر ہم بھی تو کسی دن شادی کریں گے۔“

”کیوں کریں گے؟ میری شادی تو ایک بار ہو چکی ہے۔“

اس بار سجاد نے اُسے بڑے دکھ سے دیکھا۔ کتنی معصوم اور بھولی بھالی سی تھی۔ نانا جان کی لاڈلی تھی لیکن ان ہی نانا جان نے صرف دولت کی خاطر جھوٹی شادی کا ڈرامہ رچایا تھا اور اسے حسرت کی دلہن بنا دیا تھا۔ ایک رات کی دلہن اور اُسی رات حسرت نے اُسے طلاق دے دی تھی۔

یہ ساری باتیں حسرت نے خود سجاد کو بتائی تھیں۔ یہ باتیں غصہ دلانے والی تھیں کہ دادا جان گھر کے سرپرست ہیں۔ اپنے خاندان کے تمام افراد کو تہذیب اور طور طریقے سکھانے والی باتیں کرتے ہیں لیکن خود جھوٹ اور فراڈ سے کام لیتے ہیں۔ فہمی سے ملنے والی ایک بڑی رقم کی خاطر انہوں نے اس کی جھوٹی شادی کرائی تھی۔ اس کی پھوپھی جان اور نفاست نے زیبی اور فراز نے عالیہ اور اسد نے سبھی نے دین اور دنیا کے قانون کے مطابق شادیاں کیں لیکن دادا جان نے پھوپھی اور نفاست چچا کی شادی کو تسلیم نہیں کیا۔ اسی طرح وہ زیبی اور فراز کی اور عالیہ اسد کی شادی کو بھی تسلیم نہیں کریں گے۔

کیوں کہ ان شادیوں کے ذریعے بہت بڑی دولت ملنے والی نہیں ہے۔ ایسے وقت وہ اپنی خاندانی برتری کا حساب کر کے دوسروں کو کم تر بنا دیا کرتے ہیں اور آئندہ بھی وہ یہی کرنے والے ہیں۔

فہمی نے اس کا بازو پکڑ کر ہلایا تو وہ چونک گیا۔ اس نے پوچھا۔ ”خاموش کیوں ہو؟ کیا سوچ رہے ہو؟“

وہ سنجیدگی سے مسکراتے ہوئے بولا۔ ”ایک بات پوچھوں؟“

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ بولا۔ ”مجھ سے شادی کرو گی؟“

وہ اشاروں سے اُسے سمجھانے لگا کہ وہ دلہن بنے گی۔ اس نے انکار میں سر ہلایا۔ پھر جواب دیا۔ ”میری شادی حسرت سے ہو چکی ہے۔“

سجاد نے بڑے دکھ سے سوچا کہ حسرت نے دادا جان کے مشورے کے مطابق اُسے طلاق تو دے دی لیکن یہ سمجھ نہیں پا رہی ہے کہ شادی کے بعد طلاق بھی ہو جاتی ہے۔ میاں بیوی میں علیحدگی بھی ہو جاتی ہے۔ پھر وہ دلہن، دلہن نہیں رہتی۔ مطلقہ عورت کہلانے لگتی ہے۔ ایک کنواری دلہن اور مطلقہ عورت .... اس کے نانا جان نے اس پر بڑا ظلم کیا تھا۔

سجاد نے فہمی میں جب سے دلچسپی لینی شروع کی تھی تب سے ہی وہ اشاروں کی زبان سیکھنے لگا تھا اور بڑی حد تک وہ اپنے دل کی باتوں کو اس کے سامنے بیان کر دیا کرتا تھا۔ پھر

بھی بعض باتیں ایسی ہوتی تھیں جنہیں وہ وضاحت سے اسے سمجھا نہیں پاتا تھا۔

اب وہ اس کشمکش میں رہتا تھا کہ اسے کیسے سمجھایا جائے کہ شادی ہو چکی تھی لیکن وہ شادی ختم ہو چکی ہے۔ اب وہ کسی کی دلہن نہیں ہے اور اُسے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ دلہن بننے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ اس کی اپنی سمجھ بُوجھ کے مطابق دلہن بنا کر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ ڈھولک پر گیت گائے جاتے ہیں۔ ناچ گانے ہوتے ہیں۔ رنگ برنگے لباس پہنے جاتے ہیں۔ اچھے اچھے کھانے کھائے جاتے ہیں۔ پھر دلہن بنا کر اُسے کسی کے ساتھ رخصت کر دیا جاتا ہے۔

وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ اُسے حسرت کے ساتھ رخصت کر دیا گیا ہے۔ وہ کھیل تماشہ ختم ہو چکا ہے۔ اب وہ ساری زندگی حسرت کی دلہن بنی رہے گی۔ کیوں بنی رہے گی؟ دلہن کے فرائض کیا ہوتے ہیں اور دولہا، دلہن کے درمیان کس طرح تعلق قائم ہوتے ہیں؟ پھر وہ ایک دن کس طرح ماں بنتی ہے۔ یہ ساری باتیں وہ نہیں جانتی تھی۔ بس اسی خیال سے مطمئن تھی، آسودہ تھی کہ اُس کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ ایک بار دلہن بن چکی ہے۔

سجاد اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر آہستہ آہستہ محبت سے سہلانے لگا۔ ایسے وقت اُسے اندر سے عجیب سا محسوس ہوتا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پاتی تھی کہ سجاد جب چھوتا ہے تو اندر ہی اندر کیا ہونے لگتا ہے؟ کیوں انگڑائیاں سی آنے لگتی ہیں۔

اب سجاد کی سمجھ میں یہی بات آ رہی تھی کہ اس گونگی بے زبان بھولی بھالی لڑکی کو عملی طور پر سمجھایا جائے کہ دلہن کیا ہوتی ہے اور اس سے کس طرح رشتہ قائم کیا جاتا ہے؟ تب ہی اس کی سمجھ میں یہ بات آئے گی کہ اب وہ حسرت کی دلہن نہیں رہی ہے۔ اُسے سجاد کی دلہن بن جانا چاہئے۔

اس نے اس کی ہتھیلی کو اپنی ہتھیلیوں میں لیا تھا۔ آہستہ آہستہ سہلا رہا تھا اور آہستہ آہستہ کلائی تک پہنچ رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اُسے کیوں یہ سب کچھ اچھا لگ رہا ہے۔ وہ خوش ہو کر اُسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ”کیا تمہیں یہ سب اچھا لگ رہا ہے؟“

وہ مسکراتے ہوئے خوش ہو کر ہاں .... ہاں کے انداز میں سر ہلانے لگی۔

سجاد نے جھک کر اس کی ہتھیلی کی پشت پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے تو اسے ایک دم سے گرمی کا احساس ہوا۔ جھرجھری سی پیدا ہوئی وہ اور زیادہ دلچسپی سے اُسے دیکھنے لگی۔

دھیمی دھیمی سی آواز میں ہنسنے لگی۔

ایسے وقت زبان والے بھی بے زبان ہو جاتے ہیں کچھ بول نہیں پاتے۔ پھر وہ تو پیدائشی گونگی تھی۔ وہ بھلا کیا سمجھتی' کیا بولتی؟ بس اُسے جو اچھا لگ رہا تھا وہ اس کا اظہار سر ہلا کر رہی تھی۔ اگر اچھا نہ لگتا تو ناں کے انداز میں سر ہلا دیتی لیکن سجاد جب سے اس کی زندگی میں آیا تھا تب سے اُس کی کوئی بات کوئی حرکت اُسے ناگوار نہیں گزرتی تھی اور وہ ناں کے انداز میں کبھی سر نہیں ہلاتی تھی۔

وہ اپنی انگلیوں سے اُس کے چہرے کو چھونے لگا۔ انگلیاں رخساروں پر پھسلنے لگیں۔ پھر وہ انگلیاں گلابی ہونٹوں کو چھونے لگیں۔ وہ سحرزدہ ہو رہی تھی اور سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ ایسی کیفیت کیوں ہو رہی ہے؟ کیوں اس کے ذہن پر دھند چھا رہی ہے اور وہ موجود ہوتے ہوئے بھی جیسے موجود نہیں ہے۔ کہیں گم ہو گئی ہے۔

بچپن سے چاہے جانے کی خواہش دل ہی دل میں چھپی رہتی ہے۔ پہلے صاف طور سے سمجھ میں نہیں آتی۔ جب کوئی چاہنے لگتا ہے۔ میٹھی نظروں سے دیکھتا ہے' محبت سے ہاتھ پکڑتا ہے تو یقین ہوتا ہے کہ وہ چاہی جا رہی ہے۔ وہ اس کی مطلوب ہے۔ محبوب ہے۔ وہ صرف اُسے چاہتا ہے۔ وہ اس کی محبتوں کا خواہشوں کا اور تمام تر جذبوں کا مرکز بن چکی ہے۔ اب تو رہتی سانسوں تک وہی اس کی دنیا ہے اس کی کائنات ہے۔

فہمی کے اندر یہ سارے جذبے تھے لیکن اس کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ وہ انہیں محسوس تو کر رہی تھی مگر سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ اس کے چہرے پر جھک گیا۔ اس کی پیشانی کو چوم کر بولا۔ "یہ سب تمہیں اچھا لگ رہا ہے؟"

وہ پھر خوش ہو کر ہاں ہاں کے انداز میں سر ہلانے لگی۔ اشاروں سے کہنے لگی۔ نانا جان بھی اُسے اسی طرح چومتے ہیں۔

وہ کیا چاہتا تھا اور وہ کیا سمجھ رہی تھی؟ اس کا اظہار اس کا یہ انداز اُسے مایوس کر رہا تھا۔ وہ اس کے جذبات کو بوڑھے نانا جان کی طرف لے جا رہی تھی۔ اس نے آہستگی سے دونوں ہاتھوں سے اسے تھام کر اپنی طرف کھینچا۔ پھر اُسے اپنی دھڑکنوں سے لگا لیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ دونوں طرف دل تیزی سے دھڑکتے رہے۔ یہ تو اپنی دھڑکنوں کو سمجھ رہا تھا' وہ نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ اچانک دھڑکنیں کیوں تیز ہو گئی ہیں؟ اس کا دل کیوں عجب طرح سے دھڑک رہا ہے؟ اور کیا کہہ رہا ہے؟ اس کی سمجھ میں کیوں نہیں وہ اس کے بازوؤں میں اس طرح سما گئی تھی کہ اس کی صرف پشت نظر آ رہی تھی۔

سیاہ بالوں میں جھانکتی ہوئی اجلی گردن یوں لگ رہی تھی جیسے رات کے اندھیرے سے صبح طلوع ہو رہی ہو۔ اس نے زلفوں کو ہٹاتے ہوئے صبح نو پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ وہ کسمسانے لگی۔ بدن ہولے ہولے لرزنے لگا۔ اسے کہتے ہیں سازِ خاموشاں کو چھیڑنا اور تاروں میں لرزش پیدا کر دینا۔

اب سجاد کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ گونگی کو گونگی اداؤں سے سمجھایا جائے تب ہی وہ گونگے جذبوں کو سمجھ پائے گی۔ وہ ایک دم سے الگ ہو گئی۔ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ اُس نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

وہ کیا بتاتی کہ کیا ہوا؟ وہ ہاتھ بڑھا کر اُسے چھونے لگی سمجھنے کی کوشش کرنے لگی کہ یہ کیسا ساحر ہے کہ چھوتے ہی کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔ اندر کیا ہوتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟ مگر بہت اچھا لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے بس اس سے لگ کر رہوں اور یہ مجھے قید کر لے۔

وہ بے اختیار جھکتی ہوئی اس کی آغوش میں گر پڑی۔ اس نے اُسے دونوں بازوؤں میں بھر لیا۔ ایک بھری ہوئی ندیا یہ نہیں جانتی کہ وہ بازوؤں میں قید رہ کر دو کناروں کے درمیان لہر لہر بہتی رہنے والی تھی ایک کوزے سے دریا بنتی جا رہی تھی۔

☆======☆======☆

ارمانہ نے کال بیل کی آواز پر دروازہ کھولا تو سامنے ثمینہ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ خوش ہو کر بولی۔ "تم زبان کی بھی پابند ہو اور وقت کی بھی پابند ہو۔ دس بجے آنے کو کہا تھا اور اس وقت ٹھیک دس بج رہے ہیں۔"

وہ اندر آتے ہوئے بولی۔ "بھئی .... آج تو خاص طور پر میں نے وقت کی پابندی کی ہے۔ آخر ایک دلہن کے ساتھ شاپنگ کے لئے جانا ہے۔ ہائے کتنے ارمان دل میں ہوں گے؟ کتنی شدت سے میرا انتظار کر رہی ہو گی؟ یہ میں اچھی طرح جانتی تھی۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "ابھی مجھے بول رہی ہو۔ تمہارا بھی وقت آئے گا۔ تم بھی میرا انتظار کرو گی۔ پھر میں تمہارے ہونے والے کے ساتھ تمہیں بھی لے جاؤں گی۔"

"ہمارا نہ کوئی ہونے والا ہے اور نہ کبھی ہو گا۔ اب تم فوراً یہ لباس تبدیل کرو اور وہ تمہارے میاں صاحب کہاں ہیں؟ انہیں بھی کہو تیار ہو جائیں۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔"

حسرت ایک کمرے سے باہر آتے ہوئے بولا۔ "میں بالکل تیار ہوں۔ ارمانہ! تم جاؤ

چینج کرو۔"

ارمانہ اس کمرے میں چلی گئی۔ حسرت نے کہا۔ "ہاں .... تو میں سن رہا تھا کہ آپ کا نہ کوئی ہونے والا ہے' نہ کوئی ہو گا۔ کیوں نہیں ہو گا بھئی! کیا تم سنیاس لینے والی ہو؟ دنیا ترک کرنے والی ہو؟ یا یادِ الٰہی میں کسی گوشے میں جا کر بیٹھنے والی ہو؟"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دنیا کے جھمیلے اتنے ہیں کہ ان سے نمٹتے نمٹتے زندگی گزر جائے گی۔"

"ہاں .... وہ تو میں دیکھ رہا ہوں۔ سب سے پہلے تو تم ڈیڈی کے جھمیلوں سے نمٹتی آ رہی ہو۔ تم نے اُن کے کتنے ہی مسائل حل کئے۔ دادا جان کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ تم نہ ہوتیں تو وہ کب کے گھر سے نکالے جا چکے ہوتے۔"

وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔ "تم تو دادی اماں بنتی جا رہی ہو۔ اسد کی شادی کرا چکی ہو۔ اب ہماری شادی کرانے والی ہو۔ اس کے بعد سجاد بھائی کے لئے دلہن لاؤ گی۔ سب کے سروں پر ہاتھ رکھ کر آشیرواد دیتی رہو گی کہ دودھوں نہاؤ' پوتوں پھلو۔"

یہ بات ہنسنے کی تھی' وہ ہنسنے لگا لیکن ثمینہ گہری سنجیدگی سے سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ حسرت نے اُسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا بات ہے۔ تم اچانک سنجیدہ ہو گئی ہو؟"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا' پھر انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "کچھ نہیں۔"

"کیسے کچھ نہیں؟ دیکھو ہم صرف بھائی بہن نہیں گہرے دوست بھی ہیں۔ ایک دوسرے کے رازدار بھی ہیں۔ کیا مجھ سے کچھ چھپاؤ گی؟"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ اُسی وقت ارمانہ کمرے سے باہر آئی۔ اس کی بھیگی ہوئی آنکھیں دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ جلدی سے آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ "کیا بات ہے ثمینہ .... حسرت! تم نے کچھ کہا ہے؟"

"کیسی بات کرتی ہو؟ میں بھلا کیا کہوں گا؟ یہ تو اچانک سنجیدہ ہو گئی ہے اور پتہ نہیں اس کی آنکھوں میں آنسو کیوں آ رہے ہیں؟ یہ ہم سے شاید کچھ چھپا رہی ہے۔"

ارمانہ نے کہا۔ "اگر تم ہم سے کچھ چھپاؤ گی تو ہم بھی شاپنگ کے لئے نہیں جائیں گے۔"

وہ اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔ "پاگل ہوئی ہو' شاپنگ ضروری ہے۔ کیا شادی نہیں کرنی ہے؟"

"پہلے ان آنسوؤں کے بارے میں بتاؤ جو تمہارے دل سے نکلے ہیں۔"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ یہ فیصلہ تو میں نے بہت پہلے سے کیا ہوا ہے کہ کبھی شادی نہیں کروں گی۔"

"کیوں نہیں کرو گی؟ جب تم نے اپنے حالات بتائے تھے تب میں نے حسرت نے فراز نے سب ہی نے تمہیں حوصلہ دیا تھا کہ ماضی کو بالکل بھول جاؤ۔ اس ثمینہ کے ساتھ تمہارا ماضی بھی مر چکا ہے تم سدرہ کی حیثیت سے زندہ رہو گی۔"

"یہی تو مشکل ہے کہ تمام عمر سدرہ کی حیثیت سے نہیں گزار سکوں گی۔ میرا ماضی میرا پیچھا کر رہا ہے۔ کل ایک شخص دادا جان سے ملنے آیا تھا۔ وہ ان کے بچپن کا دوست تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ وہ مجھے ہیرا منڈی کے ایک کوٹھے پر دیکھ چکا ہے۔"

حسرت نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔ "کیا .... کوئی تمہارا جاننے والا وہاں پہنچ گیا تھا؟ دادا جان کا کیا ری ایکشن رہا؟"

وہ تو غصے سے آگ بگولہ ہو گئے انہوں نے اس شخص کو گالیاں دے کر مارنے کی دھمکی دے کر وہاں سے بھگا دیا۔ دادا جان نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا لیکن وہ کتنی زبانوں کو جھٹلائیں گے؟ میں جس گٹر سے نکل کر آئی ہوں اس کی بدبو آہستہ آہستہ ادھر آ رہی ہے اور نہ جانے کہاں تک پھیلنے والی ہے؟"

ارمانہ نے غصے سے صوفے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ تم خواہ مخواہ اتنی دور تک سوچ رہی ہو۔ پتہ نہیں وہ کہاں سے مرنے آ گیا تھا۔ بار بار ایسا تو نہیں ہو گا۔"

"ہو گا .... سچائی کبھی چھپتی نہیں ہے۔ آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی سرنگ بناتی ہوئی ہمارے درمیان آ کر یکبارگی اچھل پڑتی ہے۔ حیران کر دیتی ہے۔ پریشان کر دیتی ہے۔ منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑتی ہے۔"

ارمانہ اور حسرت کے سر جھکے ہوئے تھے۔ پھر حسرت نے پوچھا۔ "تم نے یہ بات سجاد بھائی کو بتائی ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں .... میں انہیں اور پریشان کرنا نہیں چاہتی۔ اُن کا احسان تو میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ انہوں نے مجھے بہن بنا کر اپنے کلیجے سے لگا کر رکھا ہے۔ اب وہ اور میرے لئے کیا کر سکتے ہیں؟ تم بھی کیا کر سکتے ہو؟ کس کس کا منہ بند کر سکتے ہو؟ پتہ نہیں وہاں سے یہاں تک کتنوں نے مجھے اُس ماحول میں دیکھا ہو گا۔

دادا جان اور تم سب اپنی خاندانی شرافت کی قسمیں کھا سکتے ہو لیکن میرے آ جانے سے تم لوگوں کی قسمیں جھوٹی پڑ جائیں گی۔"

حسرت نے تڑپ کر کہا۔ "ثمینہ! ایسی باتیں مت کرو۔ ہمیں شرم آتی ہے کہ ہم تمہارے دامن سے بدنامی کا داغ نہیں دھو سکیں گے۔ ہم بھائی ہیں' تمہارے لئے جان بھی دے سکتے ہیں۔ اگر تمہیں بدنامی سے نہ بچا سکے تو دنیا والوں سے لڑتے لڑتے جان تو دے سکتے ہیں۔"

ارمانہ نے اُس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "ثمینہ! تم خود کو تنہا سمجھ رہی ہو تو یہ بہت بڑی غلطی کر رہی ہو۔ تم کبھی تنہا نہیں رہو گی۔ ہم ہر لمحہ ہر پل تمہارے ساتھ ہیں۔ اچھے وقتوں میں بھی اور برے وقتوں میں بھی تم ہمیں اپنے ساتھ ہی دیکھو گی۔ تم دکھ جھیلنا چاہو گی تو ہم ہنسنا بولنا چھوڑ دیں گے۔ ساری مسرتوں سے باز آ کر تمہارے ساتھ رونا دھونا شروع کر دیں گے۔ اگر تم یہ چاہو گی' اگر نہیں چاہو گی تو ہمارے ساتھ تمہیں ہنسنا بولنا ہو گا اور حالات کا مقابلہ کرنا ہو گا۔"

ثمینہ یکبارگی اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی اس کے آنسو پونچھ نہیں سکتی تھی۔ پتہ نہیں آگے مقدر میں کیا لکھا ہوا تھا؟ وہ آہستہ آہستہ اسے تھپکنے لگی۔ زبانِ بے زبانی سے خاموش ہاتھوں کی تھپکی سے اُسے تسلیاں دینے لگی۔

کال بیل کی آواز سنائی دی۔ ثمینہ فوراً ہی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی' اپنے آنچل سے آنسو پونچھنے لگی۔ ارمانہ نے کہا۔ "جاؤ .... واش روم میں جاؤ' منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔ میں دروازہ کھولتی ہوں۔"

وہ واش روم کی طرف گئی۔ حسرت نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو فراز کھڑا ہوا تھا۔ تھکے ہوئے انداز میں آ کر کمرے میں بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ "یہ ملازمت بھی گئی۔"

حسرت نے پوچھا۔ "کیوں .... کیا بات ہو گئی؟ تم تو بڑی اچھی طرح فرائض ادا کر رہے تھے۔"

"ہاں .... یہ بات تو کمپنی والے بھی مانتے ہیں لیکن وہ مسلسل ایک برس تک ملازم نہیں رکھنا چاہتے۔ کیونکہ اس طرح ایک برس پورا ہونے کے بعد لیبر یونین کے قوانین کے مطابق میری نوکری پکی کرنی ہو گی اور وہ اپنے کاروباری اصولوں کے مطابق نئے ملازمین کی نوکری پکی نہیں کرتے ہیں۔ انہیں دو ماہ کے لئے ملازمت سے برخاست کر دیتے ہیں۔ پھر انہیں نئے سرے سے ملازم رکھتے ہیں۔ تاکہ وہ پکی ملازمت کا کبھی مطالبہ

نہ کر سکیں۔"

حسرت نے کہا۔ "بے روزگاری اتنی ہو گئی ہے کہ اچھے خاصے تعلیم یافتہ نوجوان بیلچہ اور کدال اٹھا کر مزدوری کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسد کو گھر سے نکال دیا گیا ہے۔ اسے بھی ملازمت نہ ملی تو وہ کیا کرے گا؟ اب میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہونے والا ہے۔ ادھر ہماری شادی ہو گی ادھر مجھے بھی گھر سے نکال دیا جائے گا۔"

ثمینہ واش روم سے باہر آئی۔ ان کی باتیں سننے لگی۔ ارمانہ کہہ رہی تھی۔ "تم تو کہہ رہے تھے کہ تم نے اب تک تیس لاکھ روپے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کئے ہیں؟"

"ہاں .... میں نے بچت کی ہے اور میرا خیال ہے کہ اسد نے بھی کچھ رقم بچائی ہو گی۔"

ثمینہ نے کہا۔ "تو پھر پریشانی کی کیا بات ہے؟ تم سب بھائی مل کر اس رقم سے ایک نیا کاروبار شروع کرو۔ فراز کو بھی اپنے ساتھ شریک رکھو۔ پھر دیکھو تم لوگوں کے اتحاد سے ایک نیا کاروبار شروع ہو گا اور اپنی مدد آپ کے طور پر تم لوگ دادا جان کے سامنے فخر سے سر اٹھا کر کہہ سکو گے کہ گھر سے نکلنے کے بعد تم لوگوں نے کوئی غلط راستہ اختیار نہیں کیا ہے بلکہ خاندان کا نام روشن کرنے کے لئے کاروبار کر رہے ہیں اور کسی کے محتاج نہیں ہیں۔ اپنے باپ دادا کی عزت اور شان و شوکت پر حرف نہیں آنے دے رہے ہیں۔"

فون کی گھنٹی سنائی دی۔ حسرت نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر دوسری طرف کی آواز سن کر کہا۔ "ہیلو .... سجاد بھائی! ہم سب یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ثمینہ بھی ہے' فراز بھی ہے' میں اور ارمانہ ثمینہ کے ساتھ شاپنگ کے لئے جانے والے ہیں۔"

سجاد نے پوچھا۔ "کیا ہوا فراز اپنی ڈیوٹی پر نہیں گیا؟"

حسرت نے کہا۔ "وہ ملازمت ختم ہو چکی ہے۔ وہ کمپنی والے اپنے اصولوں کے مطابق گیارہ ماہ کے بعد ہی اُسے ملازمت سے خارج کر چکے ہیں۔ اب دو ماہ بعد پھر نئے سرے سے ملازم رکھیں گے۔ یعنی یہ آئندہ دو ماہ تک بے روزگار رہے گا۔"

سجاد نے کہا۔ "ریسیور فراز کو دو۔"

حسرت نے وہ ریسیور فراز کو دیا۔ فراز نے اُسے کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو' سجاد بھائی! آپ کیسے ہیں؟"

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں' تم کب تک ملازمت کے چکر میں رہو گے؟ بھئی تم نے ایک بہت بڑے کاروباری خاندان میں شادی کی ہے' ارب پتی دادا جان کے داماد ہو۔

تمہیں کاروبار کی طرف آنا چاہئے۔"

"کاروبار کرنے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"اگر میں کہوں کہ مجھ سے رقم قرض لو تو کیا تم مان لو گے؟"

"ماننے میں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن رقم ڈوب گئی تو آپ محبت سے کچھ نہیں کہیں گے لیکن میں شرمندگی سے مر جاؤں گا۔"

"اگر رقم میری ہو اور محنت تمہاری ہو تو پھر تم میرے ورکنگ پارٹنر کہلاؤ گے۔ نفع و نقصان کے دونوں ہی ذمہ دار ہوں گے پھر تمہیں شرمندگی نہیں ہو گی۔ بولو منظور ہے؟"

"یہ آپ کو بیٹھے بیٹھے کیا سوجھی؟ آپ مجھ پر بھروسہ کر رہے ہیں؟"

"میں جانتا ہوں کہ تم بہت ذہین اور قابل ہو اور تمہیں کچھ کرنے کا موقع ملا تو تم تیر کی طرح آگے بڑھو گے۔"

"آپ میرے بارے میں اتنی اچھی رائے رکھتے ہیں' آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"یہاں ہمارے ہیڈ آفس میں ایک ٹینڈر مطلوب ہے۔ اس ٹینڈر کے مطابق کچھ ضروری سامان سپلائی کرنا ہے۔ اگر یہ ٹینڈر تمہیں ملے گا تو کم از کم چار پانچ لاکھ روپے کا منافع ضرور حاصل کر سکو گے۔ منظور ہے تو ابھی آفس چلے آؤ اور ٹینڈر فارم کو پُر کرو۔ باقی سارے کام میں نمٹا لوں گا۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ کر کہا۔ "سجاد بھائی مجھے کاروبار کے لئے رقم دے رہے ہیں۔ آج ایک ٹینڈر پاس کرا رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس ٹینڈر کے مطابق مال سپلائی کروں گا۔ کم از کم چار پانچ لاکھ روپے کا منافع ہے۔"

حسرت نے کہا۔ "ہپ .... ہپ .... ہرے .... آخر تمہارے بزنس کرنے کے لئے ایک راستہ کھل ہی گیا۔ فوراً جاؤ اور سجاد بھائی سے ملاقات کرو۔"

وہ حسرت سے مصافحہ کر کے وہاں سے چلا گیا۔ ثمینہ نے کہا۔ "اب ہمیں بھی چلنا چاہئے۔"

وہ ارمانہ کے ساتھ باہر آئی۔ حسرت نے کھڑکیوں کو بند کیا۔ پھر باہر سے دروازے کو لاک کر دیا۔

☆======☆======☆

نفاست علی اپنے دفتری کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ دروازے پر دستک سن کر بولا۔ "آ جاؤ۔"

سجاد دروازہ کھول کر اندر آیا' پھر بولا۔ "آپ نے مجھے یاد کیا ہے؟"

"ہاں' آؤ بیٹھو۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ نفاست اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "حسرت سے تمہاری بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے اور وہ تمہاری بہت عزت بھی کرتا ہے۔"

"جی ہاں .... آپ کے سب ہی بچے اب مجھے سمجھنے لگے ہیں۔ محبتیں کرنے لگے ہیں۔ مراد سے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی سمجھوتہ کر لے گا اور مجھے بڑا بھائی مان کر مجھ سے تعاون کرنے لگے گا۔"

"مراد بچپن سے ہی ایسا ہے۔ وہ ذرا سر پھرا ہے۔ ضدی ہے لیکن ہمیشہ سے میرا فرمانبردار رہا ہے اور ذہین بھی ہے۔ کاروبار کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور الجھے ہوئے معاملات کو بھی دیر سے سہی مگر سمجھ لیتا ہے۔ اس نے تمہیں دیر سے سمجھا مگر سمجھ تو لیا۔"

"وہ فیصل آباد پہنچ چکا ہو گا۔ آج شام تک فون کرے گا کہ وہاں کے معاملات کیسے ہیں؟ میں تو دعا کر رہا ہوں کہ کوئی بہت بڑی پرابلم نہ ہوئی ہو۔"

"فکر نہ کرو ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ اگر ہو گی تو ہم سنبھالنا جانتے ہیں۔ میں نے ابھی حسرت کے سلسلے میں بات کرنے کے لئے تمہیں یہاں بلایا ہے۔"

"جی فرمائیں .... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"وہ بچپن سے ہی باغیانہ فطرت کا مالک ہے۔ اب تو وہ بہت ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔ تم نے دیکھا تھا' کل وہ اپنے دادا جان کے سامنے کیسی باتیں کر رہا تھا۔ یہ چیلنج کر رہا تھا کہ تمام نوجوان بچے ان سے باغی ہو جائیں گے اور سب ہی اپنی اپنی پسند سے شادی کر کے وہ گھر چھوڑ دیں گے۔ کیا اُسے ایسی بات کہنی چاہئے تھی؟"

"وہ دادا جان کے سامنے باغیانہ انداز میں نہ بولتا تو بہتر ہوتا۔ بولنے اور اپنی بات سمجھانے کے اور بہت سے راستے ہوتے ہیں۔"

"یہی باتیں تم اُسے سمجھا سکتے ہو۔ وہ تمہاری بات مان لے گا' کیا تم اُسے شادی کرنے سے باز نہیں رکھ سکتے؟"

"یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے' میں اُس کے معاملے میں مداخلت کروں گا تو شاید وہ اسے پسند نہیں کرے گا۔"

"تم اسے یہ تو سمجھا سکتے ہو کہ وہ کچھ دنوں کے لئے شادی ملتوی کر دے؟ ابھی دادا جان بہت غصے میں ہیں۔ اگر وہ اپنے دادا جان کے پاس جا کر اُن سے معافی مانگے گا اور یہ کہہ دے گا کہ وہ فی الحال شادی نہیں کر رہا ہے تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور وہ اُسے گلے سے لگا لیں گے۔"

"آپ اس کی شادی عارضی طور پر روکنا چاہتے ہیں' فائدہ کیا ہو گا؟ پھر کچھ عرصے بعد وہ شادی کر لے گا۔ پھر وہی اختلاف والا ماحول پیدا ہو گا۔ دادا جان کو پھر غصہ آئے گا۔ بات تو وہی ہو گی جو آج ہو رہی ہے۔ آج نہیں ہو گی تو مہینے دو مہینے بعد ضرور ہو گی۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "کیا یہ ضروری ہے کہ وہ ایک معمولی لڑکی سے شادی کرے؟"

"میں ایک بات کہتا ہوں' مائنڈ نہ کریں۔ اس معمولی لڑکی کو آپ ہی بہو بنانے کے لئے اس کوٹھی میں لائے تھے۔ اب وہ اس سے متاثر ہو گیا ہے۔ اُسے چاہنے لگا ہے۔ اُسے شریک حیات بنانا چاہتا ہے تو اس میں آپ کیوں اعتراض کر رہے ہیں؟"

نفاست علی منہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ سجاد نے کہا۔ "پہلے اس کے ذریعے کروڑوں روپے ہاتھ آنے والے تھے۔ اب یہ رقم ہاتھ نہیں آئے گی۔ وہ سدرہ بن کر آئی تھی۔ اب سدرہ نہیں رہی۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ثمینہ سدرہ بن کر آئی ہے۔ میں ثمینہ کے حصے کی تمام رقم ارمانہ کو دے سکتا ہوں۔ کیا پھر آپ قبول کر لیں گے؟"

"پلیز سجاد! اب مجھے پہلے جیسا مکار اور لالچی نہ سمجھو۔ میں اب بھی دولت کی خاطر نہ لین دین کروں گا' نہ سمجھوتا کروں گا۔ بات یہ نہیں ہے کہ ارمانہ دولت مند ہے یا نہیں ہے؟ وہ غریب سے غریب تر بھی ہو پھر بھی میں اُسے بہو بنا لوں گا لیکن تم جانتے ہو کہ میں ابا جان کی وجہ سے صحیح راستے پر نہیں چلتا' پیچھے ہٹ جاتا ہوں۔ کوئی غلط راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔"

"یہ تو سوچیں کہ آپ کی مجبوریاں نوجوان اولاد کو گمراہ کر رہی ہیں۔"

"میں مانتا ہوں کہ ابا جان کو خوش رکھنے کی خاطر اپنی اولاد سے مخالفتیں مول لیتا ہوں۔ ابا جان ماضی ہیں' میں انہیں چھوڑ نہیں سکتا۔ میری اولاد میرا مستقبل ہیں۔ اُن

سے بھی منہ پھیر نہیں سکتا۔ ان اولادوں میں تم اور ثمینہ بھی شامل ہو۔ اس طرح ایک طرف ماضی ہے' دوسری طرف مستقبل ہے اور میں ان دونوں کے درمیان پستا جا رہا ہوں۔"

"آپ بتائیں کہ یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا؟"

"یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ فی الحال تم میرے ساتھ ایک تعاون کرو' میرا ایک بیٹا شادی کر کے بغاوت کر چکا ہے۔ مجھے ابا جان کے سامنے اور زیادہ سر جھکانے سے بچا لو۔ حسرت کو شادی کرنے سے باز رکھو۔"

اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "میں اسے شادی کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا لیکن آپ کی تسلی کے لئے آپ کے ذہنی سکون کے لئے اسے سمجھاؤں گا کہ کچھ عرصے تک شادی کو ملتوی کر دے۔"

"تم نے یہ کیا تو میرے لئے بہت بڑا کام کرو گے۔"

"میں بھی آپ سے تعاون چاہتا ہوں۔"

"ہاں بولو.......... جو میرے اختیار میں ہے' وہ میں تمہارے لئے کروں گا؟"

"زیبی میری بہن ہے' میں اس کی زندگی برباد ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ وہ ماں بننے والی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس سے اس کی اولاد چھین لی جائے۔ فراز میں کوئی عیب نہیں ہے۔ وہ تعلیم یافتہ اور بہت ذہین ہے۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ وہ ہماری طرح بڑے سے بڑے کاروبار کو سنبھالنے کی اہلیت رکھتا ہے۔"

نفاست علی نے پوچھا۔ "کیسے ثابت کر سکو گے؟"

"آپ مجھے ایک موقع دیں۔ یہاں جو سامان سپلائی کرنے کے سلسلے میں ٹینڈر مطلوب ہے' وہ ٹینڈر آپ فراز کو دیں گے۔ میں اس سلسلے میں اس کے ساتھ رہوں گا اور یہ ثابت کر دوں گا کہ وہ ہماری طرح کاروباری سوجھ بوجھ رکھتا ہے اور ہمارے خاندان میں رہنے کے قابل ہے۔"

نفاست نے پھر اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور کہا۔ "یعنی تم چاہتے ہو کہ زیبی اس سے طلاق نہ لے؟"

"آپ خود ہی فیصلہ کریں' کیا طلاق کا کوئی جواز ہے؟"

نفاست نے سر جھکا کر کہا۔ "کل مراد بھی یہی کہہ رہا تھا۔ اچانک اس میں تبدیلی آئی ہے۔ وہ بھی نہیں چاہتا کہ ابا جان سے اس کی شادی کی بات چھپائی جائے۔"

"وہ ٹھیک کہتا ہے۔"

"لیکن مجھ میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ میں ابا جان کے سامنے اس کی خفیہ شادی کا راز ظاہر کروں۔"

"بے شک .... آپ ظاہر نہ کریں۔ فی الحال اس بات کو چھپائے رکھیں لیکن آپ درپردہ فراز کے لئے تو کچھ کر سکتے ہیں؟ دیکھئے اگر وہ قابل ہے تو پھر گلے لگایا جا سکتا ہے۔ اگر ناقابل اور نااہل ہوا تو پھر میں اُس کی حمایت میں کچھ نہیں بولوں گا۔"

نفاست سر جھکا کر سوچنے لگا۔ پھر کرسی سے اٹھ کر ٹہلنے کے انداز میں اپنی ریوالونگ چیئر کے پاس گیا۔ اسے تھام کر بولا۔ "تم فراز کی سفارش کر رہے ہو تو میں اس کے لئے اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ وہ ٹینڈر اس کے نام سے پاس کر دوں گا لیکن مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ میں اسے داماد تسلیم کروں گا۔ کیوں کہ مجھ میں جرأت نہیں ہے۔ میں بزدل ہوں۔ میں ابا جان کے سامنے اس کی حمایت میں کبھی کچھ نہیں بول سکوں گا۔"

"جب وہ وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ فی الحال آپ نے میری ایک بات مان کر دل خوش کر دیا ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں نے فراز کو بلایا تھا۔ وہ میرے دفتری کمرے میں بیٹھا ہوا ہے۔ کیا میں جا سکتا ہوں؟"

"ہاں .... جاؤ میں مانتا ہوں کہ تمہارے ارادے نیک ہیں۔ تم زیبی اور فراز کی بہتری چاہتے ہو۔ خدا کرے تمہیں اپنے ارادوں میں کامیابی ہو۔ میں دعا کر سکتا ہوں۔ ابا جان کے سامنے کوئی دوا نہیں کر سکوں گا۔"

"کوئی بات نہیں میں سب سنبھال لوں گا۔ میں ابھی جا کر ٹینڈر فارم فراز سے پُر کراتا ہوں۔ پھر فارم آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ آپ اُس پر سائن کر دیں۔ اُسے پاس کر دیں۔"

وہ وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد نفاست علی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ سوچ یہی تھی کہ اپنے ابا جان کی حمایت کر رہا ہے۔ ان کا دل جیت رہا ہے لیکن اپنی اولادوں کو ہارتا جا رہا ہے۔

☆======☆======☆

ثمینہ' ارمانہ اور حسرت شاپنگ سینٹر میں تھے۔ مختلف دکانوں میں جا رہے تھے اور اپنی ضرورت کی چیزیں پسند کر رہے تھے۔ ارمانہ تو ایک جیولری شاپ سے چپک کر رہ گئی

تھی۔ وہاں سونے کے زیوارات کے ایسے ایسے ڈیزائن تھے کہ ہر ڈیزائن کو دیکھ کر جی چاہ رہا تھا اسے خرید لے۔

لیکن وہ حسرت کے موجودہ حالات کو سمجھ رہی تھی۔ آئندہ یہی آثار تھے کہ اسے بھی گھر سے نکال دیا جائے گا۔ پھر انہیں زندگی گزارنے کے سلسلے میں روزگار کی فکر ہو گی۔ جو رقم بینک میں جمع کی گئی ہے فی الحال تو وہی آسرا بنی رہے گی۔ اس لئے وہ مہنگے زیورات خریدنا نہیں چاہتی تھی۔

ثمینہ نے کہا۔ "میں حسرت کو زیور اپنی رقم سے خریدنے نہیں دوں گی۔ آج کی شاپنگ میری طرف سے ہو گی۔"

حسرت نے کہا۔ "نہیں .... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم تو ہمیں شرمندہ کر رہی ہو۔"

"میں یہاں سب کے سامنے تمہارے کان پکڑوں گی' میں تمہاری بڑی بہن ہوں۔ تمہاری شادی کے لئے اپنی طرف سے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔"

وہ دونوں چپ ہو گئے۔ ثمینہ نے زبردستی ارمانہ سے سونے کے زیورات پسند کروائے پھر اپنے کریڈٹ کارڈ کے ذریعے زیورات کے چھ سیٹ خرید لئے۔ حسرت نے کہا۔ "بس بہت ہو چکی شاپنگ اب واپس چلنا چاہئے۔"

ثمینہ نے کہا۔ "ابھی نہیں .... اب ہم بوتیک میں چلیں گے اور ارمانہ کے لئے سوٹ خریدیں گے۔"

وہ جیولری شاپ سے نکل کر بوتیک کی طرف جانے لگے۔ ایسے ہی وقت ثمینہ چلتے چلتے ٹھٹک گئی۔ ایک دم سے ایک شخص کا سامنا ہوا تھا۔ وہ پرانا شناسا تھا۔ ماضی کی تاریکیوں سے نکل کر اچانک سامنے آ گیا تھا اور اس کا نام جمشید رانا تھا۔

وہ ایک بہت بڑے زمیندار کا بیٹا تھا۔ باپ مر چکا تھا۔ کروڑوں کی دولت اور جائیداد کا مالک تھا۔ اس نے اب تک شادی نہیں کی تھی اور اس لئے نہیں کی تھی کہ وہ ثمینہ کا دیوانہ تھا۔

ارمانہ اور حسرت بھی چلتے چلتے رک گئے تھے۔ حسرت نے جمشید رانا کی طرف دیکھا۔ پھر ثمینہ سے پوچھا۔ "یہ حضرت کون ہیں؟"

"کوئی نہیں .... کوئی خاص بات نہیں ہے۔ وہ .... ان کا نام جمشید رانا ہے۔ تم دونوں بوتیک میں چلو۔ ارمانہ! تم اپنے لئے جوڑے پسند کرو' میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ دونوں قریب ہی ایک بوتیک میں چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی جمشید رانا نے پوچھا۔ "تم کہاں گم ہو گئی تھیں؟ میں دیوانوں کی طرح تمہیں تلاش کرتا رہا ہوں؟"
وہ ذرا خشک لہجے میں بولی۔ "میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میرا خیال دل سے نکال دو۔ میں کسی بھی قیمت پر بکنے والی نہیں ہوں۔"
"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔ میں نے بلقیس بائی سے تمہیں رہائی دلانے کے لئے تمہاری قیمت لگائی تھی اور تم سمجھ رہی تھیں کہ میں تمہیں خریدنا چاہتا ہوں۔ خدا وہ دن نہ لائے جب میں تمہارا خریدار بن کر تمہارے سامنے آؤں۔ میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں۔ ایک بار میری محبت کو آزما کر دیکھ لو۔ بس مجھ سے ایک ملاقات کرو' کہیں تنہائی میں بیٹھ کر مجھ سے باتیں کر لو۔"
"جمشید! تم نہیں جانتے' میں جس قدر بدنام محلے میں تھی اس کے برعکس ایک بہت ہی شریف خاندان میں پہنچی ہوئی ہوں۔"
"کیا تم نے کسی رئیس اعظم سے شادی کر لی ہے؟"
"نہیں .... میں وہاں بہن' بیٹی اور پوتی بن کر رہتی ہوں۔ وہ میرا اپنا خاندان ہے۔ میرے خون کے رشتے ہیں لیکن وہ میرا ماضی نہیں جانتے کہ میں کس قدر بدنامی کی زندگی گزار چکی ہوں۔"
"اور کسی کو جاننا بھی نہیں چاہئے۔ میں شروع سے جانتا ہوں کہ تمہارا تعلق کسی شریف خاندان سے ہے۔ بلقیس بائی کہہ رہی تھی کہ تم اس ماحول میں نہیں رہ سکو گی۔ اس لئے وہ تمہارے دام جلد سے جلد کھرے کر لینا چاہتی تھی۔ ایسے ہی وقت میں نے تمہاری قیمت دینی چاہی تھی اور تم نے مجھے غلط سمجھا۔"
اس نے بڑی رغبت سے جمشید کو دیکھا پھر کہا۔ "تم بہت اچھے ہو۔ میں اچھی نہیں ہوں۔ مجھ سے شادی کرو گے' مجھے گھر والی بنا کر لے جاؤ گے تو بدنامی ہمیشہ تمہارا پیچھا کرتی رہے گی۔"
"دولت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ وہ بڑی سے بڑی بدنامی کو کھا جاتی ہے۔"
"ضروری نہیں ہے کہ یہی ہو۔ میں تو بہت ہی شریف گھرانے میں ہوں۔ مجھے اپنے دادا کی جائیداد میں کروڑوں روپے ملنے والے ہیں۔ اس کے باوجود بدنامی میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی ہے۔ کل ہی ایک شخص ایسا آیا تھا جس نے مجھے وہاں کوٹھے میں دیکھ لیا تھا۔"
جمشید نے غصے سے پوچھا۔ "کون تھا وہ؟ اس ذلیل کمینے کا نام بتاؤ' میں اسے ہمیشہ

کے لئے ٹھنڈا کر دوں گا۔"
"تم کتنے لوگوں کو ٹھنڈا کرو گے؟ کتنوں کی زبانیں بند کرو گے؟"
"ایک بات جانتا ہوں کہ جب تم میری شریک حیات بن جاؤ گی۔ میرے گھر کی عزت بن جاؤ گی تو دنیا کی کوئی آنکھ تمہیں میلی نظر سے نہیں دیکھ سکے گی۔ تم نہیں جانتیں کہ میں تمہیں کس قدر تحفظ دے سکتا ہوں۔"
وہ ہچکچاتے ہوئے بوتیک کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میرے بھائی اور ہونے والی بھابی انتظار کر رہے ہیں۔ میں ابھی کوئی بات نہیں کر سکوں گی۔"
اس نے اپنے بیگ میں سے ایک ڈائری اور قلم نکال کر اپنا نام پتہ فون نمبر لکھا پھر اس کا کاغذ کو پھاڑ کر اُسے دیتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا یہاں کا پتہ ہے اور فون نمبر ہے۔ میں آج تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔ مجھ سے ایک بار ملو پھر دیکھو میں تمہارا دل صاف کر دوں گا۔ اس طرح حوصلہ دوں گا کہ تم اس دنیا میں سر اٹھا کر زندگی گزارو گی۔"
وہ اس سے کاغذ لیتے ہوئے بولی۔ "ٹھیک ہے میں فون کروں گی۔ ابھی اجازت چاہتی ہوں' خدا حافظ۔"
وہ کوئی جواب سنے بغیر تیزی سے چلتے ہوئے بوتیک شاپ کے اندر چلی گئی۔ اندر آ کر ارمانہ سے بولی۔ "کیا کوئی سوٹ پسند آیا؟"
ارمانہ نے پوچھا۔ "وہ کون تھا؟"
"ایک شناسا تھا۔ میں پھر کسی وقت اس کے بارے میں بتاؤں گی۔"
حسرت نے کہا۔ "ہم یہ سوچ کر پریشان ہو رہے ہیں کہ وہ شخص تمہارے لئے پریشانی کا باعث تو نہیں بن رہا ہے؟"
"نہیں .... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"
ارمانہ نے کہا۔ "لنچ کا وقت ہو چکا ہے' ہم کسی ریسٹورنٹ میں جا کر بیٹھیں گے۔ وہاں کھاتے وقت اطمینان سے باتیں ہوں گی۔ تم ہم سے کچھ نہ چھپاؤ' چھپاؤ گی تو میں تمہارے ساتھ شاپنگ نہیں کروں گی۔"
وہ تینوں وہاں سے آ کر ایک ریسٹورنٹ کے فیملی کیبن میں بیٹھ گئے۔ وہاں انہوں نے کھانے کا آرڈر دیا۔ پھر ارمانہ نے کہا۔ "ہاں .... بتاؤ وہ حضرت کون تھے؟"
وہ جمشید رانا کے بارے میں انہیں بتانے لگی۔ "میں اس کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتی۔ وہ کوٹھے پر مجرا سننے کے لئے آیا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ

کروڑ پتی زمیندار ہے۔ کتنی ہی طوائفیں اسے پھانسنا چاہتی تھیں لیکن وہ صرف میرے پاس ہی آیا کرتا تھا۔ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے بڑے بڑے رئیسوں کے قصے سنے تھے کہ وہ کوٹھے پر مجرا کرنے والیوں کو بیاہ کرلے جاتے ہیں۔ پھر جب دل بھر جاتا ہے تو پھر انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسی عورتوں کو پھر ان ہی کوٹھوں پر واپس آنا پڑتا ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتی رہتی تھی کہ کسی طرح اُس ماحول سے نجات مل جائے۔ وہاں سے کوئی خریدار نہ لے جائے۔ کوئی عزت آبرو سے اپنے گھر میں مجھے تین وقت کی روٹیاں کھلائے۔ مگر مجھے عزت کی زندگی دے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے میری دعا سن لی۔ سجاد بھائی وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے دیکھتے ہی مجھے بہن بنا لیا۔"

ثمینہ کی آنکھیں بھیگ رہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک چپ رہی۔ آنسوؤں کو اپنے اندر روکتی رہی پھر بولی۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس گندے ماحول میں سجاد بھائی جیسے فرشتہ صفت لوگ بھی آتے ہیں۔ بلقیس بائی کہہ رہی تھی کہ وہ ایسے بازاروں میں پچاس برس کا تجربہ رکھتی ہے۔ اس نے آج تک کوئی ایسا گاہک نہیں دیکھا جو وہاں آکر کسی کو بہن بنا کرلے گیا ہو۔"

وہ بڑی آسودگی سے ایک گہری سانس بھر کر بولی۔ "وہ میری زندگی کی سب سے مبارک گھڑی تھی۔ جب سجاد بھائی مجھے وہاں سے بہن بنا کرلے آئے۔ یہ ان کی ہی مہربانی ہے کہ میں آج تم لوگوں کے درمیان بیٹھی ہوئی ہوں۔"

حسرت نے کہا۔ "ہم سجاد بھائی کی جتنی بھی تعریف کریں وہ کم ہے۔ تم جمشید کے بارے میں بتاؤ؟"

"میں نے کہا ناں .... میں اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتی' وہ ایک تماش بین تھا۔ مجرا سننے آیا کرتا تھا۔ مجھے دیکھنے کے بعد اس نے مجرا سننا بھی بند کردیا۔ پھر کبھی کسی کوٹھے پر نہیں گیا۔"

ارمانہ نے کہا۔ "پھر تو وہ سچ مچ تمہیں دل و جان سے چاہتا ہے' کیا وہ کہا کرتا تھا کہ وہ تمہیں اپنی شریکِ حیات بنائے گا؟"

"ہاں .... اور وہ آج بھی یہی کہتا ہے۔"

حسرت نے کہا۔ "تو پھر تمہیں اسے آزمانا چاہئے۔ اگر وہ دھوکہ دے گا تو کوئی فرق

نہیں پڑے گا۔ تم کوئی گئی گزری غریب محتاج لڑکی نہیں ہو۔ کروڑوں کی جائیداد کی مالک ہو۔ دولت' دولت کو کھینچتی ہے۔ وہ ایک تو پہلے ہی تمہیں چاہتا تھا۔ اب تمہارے اندر دولت کی بھی کشش پیدا ہو گئی ہے۔ وہ تم سے کبھی بے وفائی نہیں کرے گا۔ تمہیں اپنے گھر اور خاندان کی عزت بنا کر رکھے گا۔"

ثمینہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔ ویٹر کھانے کی ڈشیں لا کر رکھ رہا تھا۔ جب وہ تمام ڈشیں رکھ کر چلا گیا تو ارمانہ نے پوچھا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟ کوئی بات جو پریشان کر رہی ہے تو ہمیں بتاؤ؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میں سوچ رہی ہوں' اس سے پہلے کہ بدنامی دادا جان کی دہلیز تک پہنچے' مجھے اس دہلیز سے نکل جانا چاہئے۔ چاہے دلہن بن کر چاہے منہ چھپا کر۔ میں اپنے ابو کو بھی بدنام نہیں ہونے دوں گی۔"

ارمانہ کھانے کی ڈشیں اُن دونوں کی طرف بڑھانے لگی۔ کہنے لگی۔ "ہم باتیں بھی کرتے رہیں گے اور کھاتے بھی رہیں گے۔"

"میں جمشید کے سلسلے میں بھائی جان (سجاد) سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ جمشید صاحب آج میرے فون کا انتظار کریں گے۔ اگر بھائی جان راضی ہو جائیں گے تو.........."

وہ حسرت کو دیکھ کر بولی۔ "تو میں جمشید صاحب کو تمہاری کوٹھی میں بلاؤں گی' وہیں ہم سب اُن سے باتیں کریں گے۔"

حسرت نے کہا۔ "یہ بات آگے بڑھانے کا نہایت ہی معقول طریقہ ہے۔ ہمیں یہی کرنا چاہئے۔ میں ابھی فون پر سجاد بھائی سے بات کرتا ہوں۔"

"بے شک .... تم ان سے بات کرو۔ انہیں یہ بھی بتادو کہ میں جمشید صاحب کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی ہوں۔"

حسرت اپنے موبائل پر سجاد کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ ثمینہ سوچ رہی تھی۔ "ہم لڑکیوں کو کہیں تو اپنا مقدر آزمانا پڑتا ہے۔ کسی بھی اجنبی پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ میں جس ماحول سے آئی ہوں اس کے پیش نظر جمشید رانا جیسے چاہنے والے ہی مجھے ملیں گے۔ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کیچڑ میں کنول کھلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جمشید میرے لئے کنول ثابت ہو جائے۔"

☆======☆======☆

عالیہ نے فون پر زیبی سے کہا تھا۔ "میں تمہاری بچپن کی سہیلی ہوں اور ہم ایک

دوسرے کی رازدار بھی ہیں۔ اس کے باوجود تم میرے گھر نہیں آئیں؟ میری شادی کی مبارکباد دینے کے لئے ہی آنا چاہئے تھا۔"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟ تم نے بتایا ہی نہیں' ابھی بتاؤ میں ابھی آ جاؤں گی۔"

"تمہارے ڈیڈی کی جو کوٹھی حسرت کے استعمال میں رہتی ہے' میں بھی اُسی کوٹھی میں ہوں۔"

"اوہ .... وہاں تو ارمانہ اور حسرت بھی رہتے ہیں۔"

"ہاں .... تمہارے ڈیڈی اور دادا جان کا عتاب جس پر بھی نازل ہوتا ہے وہ اس گھر سے نکلنے کے بعد یہیں آ کر پناہ لیتا ہے۔ تم نے فراز کو اپنی زندگی سے نکالنا چاہا۔ ارمانہ کو تمہارے ڈیڈی اور دادا جان نے نکالا۔ مجھے اور اسد کو بھی اسی طرح نکالا گیا۔ آخر ہم جائیں تو جائیں کہاں؟ کہیں تو ٹھکانہ بنانا تھا۔ سو ہم عارضی طور پر یہاں رہائش اختیار کئے ہوئے ہیں۔"

"سوری عالیہ! میں وہاں نہیں آؤں گی۔"

"کیا فراز سے ڈرتی ہو؟"

وہ تنک کر بولی۔ "میں کیوں ڈروں گی؟ کیا میں نے اس سے کوئی ادھار لیا ہوا ہے؟"

"تو پھر مجھ سے ملنے آؤ۔ میں تمہاری سہیلی ہوں۔ ویسے بھی فراز تمہارے ڈیڈی سے ملنے ان کے دفتر میں گیا ہوا ہے۔"

وہ چونک کر بولی۔ "فراز میرے ڈیڈی سے ملنے کیوں گیا ہے؟"

"تمہارے ڈیڈی اور فراز کے درمیان کوئی بہت بڑی ڈیلنگ ہو رہی ہے۔ تم یہاں آؤ گی تو میں تمہیں بتاؤں گی۔"

"نہیں .... ٹیلی فون پر ہی بتاؤ۔"

"نہیں .... یہاں آؤ گی تو میں بتاؤں گی۔ ضد نہ کرو' میں تمہاری سہیلی ہوں۔ تمہیں جبراً یہاں بلانے کا حق رکھتی ہوں۔ نہیں آؤ گی تو میں ناراض ہو جاؤں گی۔"

زیبی سوچ میں پڑ گئی۔ اس کے اندر یہ تجسس پیدا ہو گیا تھا کہ اس کے ڈیڈی اور فراز کے درمیان کس طرح کی ڈیلنگ ہو رہی ہے؟

جب تک اسے یہ معلوم نہ ہوتا اس وقت تک اسے سکون نہ ملتا۔ اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے' میں ابھی آ رہی ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھا' پھر لباس تبدیل کیا' دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس نے

کہا۔ "کم اِن۔"

کبریٰ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ پھر اُسے دیکھ کر بولی۔ "کیا کہیں باہر جا رہی ہو؟"

"ہاں .... ممی! میں عالیہ سے ملنے جا رہی ہوں۔"

کبریٰ نے ایک گہری سانس لے کر بڑے افسوس کے ساتھ کہا۔ "میں نے اسے اپنی سگی بہن کی بیٹی سمجھ کر پالا پوسا جوان کیا' تعلیم دلوائی اور وہ میرے ہی بیٹے کو لے کر بھاگ گئی۔"

"پلیز ممی! آپ ایسے الفاظ استعمال نہ کریں۔ عالیہ اسد کو لے کر کیوں بھاگے گی؟ کیا آپ کا بیٹا دودھ پیتا بچہ ہے؟ وہ دونوں بچپن سے ایک دوسرے کو چاہتے رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی پسند اور مرضی سے ہوش و حواس میں رہ کر شادی کی ہے۔"

"تو تم اُن سے ملنے کیوں جا رہی ہو؟"

"میں آپ کے بیٹے اسد کے پاس جا کر کہوں گی کہ آپ اپنے بیٹے کے لئے بہت تڑپ رہی ہیں۔ آپ اسے دیکھنے کے لئے ترس رہی ہیں۔"

وہ ایک دم سے ممتا بھرے لہجے میں بولی۔ "ہاں بیٹی! اسد کو ضرور لے آنا۔ عالیہ کو وہیں چھوڑ دینا۔"

زیبی ہنستے ہوئے بولی۔ "ماؤں کو یہ بڑی خوش فہمی ہوتی ہے کہ بیٹے شادی ہونے کے بعد بیوی کو چھوڑ کر ماں کے پاس چلے آئیں گے۔"

"تم اسے سمجھاؤ تو سہی' اس سے کہنا۔ اگر وہ عالیہ کو چھوڑ کر ابھی آئے گا تو دادا جان ابھی اسے معاف کر دیں گے۔"

"ممی! یہ بات کیوں آپ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اسد اور عالیہ نے کوئی جرم نہیں کیا ہے کہ جس کی معافی مانگی جائے۔ آپ یہ بتائیں کیا ڈیڈی فراز سے کسی طرح کا رابطہ رکھتے ہیں؟"

وہ چونک کر بولی۔ "فراز سے بھلا کیوں رابطہ رکھیں گے؟ تمہارے ڈیڈی تو اس کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتے ہیں۔"

"پھر تو آپ کچھ بھی نہیں جانتی ہیں جو باتیں آپ کو بتانے کی نہیں ہوتیں وہ ڈیڈی آپ کو نہیں بتاتے ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ کیا تمہارے ڈیڈی فراز سے کوئی سمجھوتہ کر رہے ہیں؟ اتنی بڑی بات ہو رہی ہے اور وہ مجھ سے چھپا رہے ہیں؟"

"ممی! ایسا ہی کچھ ہے۔ میں یہی معلوم کرنے کے لئے عالیہ کے پاس جا رہی ہوں۔"

وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔ "تمہارا باپ تو سمجھ میں نہیں آتا کیسی الٹی سیدھی حرکتیں کر رہا ہے؟ دشمن کی بیٹی کو اپنی بیٹی بنا رہا ہے۔ کیونکہ وہ تمہاری ہم شکل ہے۔ یہ بات تو میرے دل میں بیٹھ گئی ہے کہ ہو نہ ہو یہ میری سوکن کی بیٹی ہے لیکن تمہارا باپ بہت گہرا ہے۔ مجھ سے یہ راز چھپاتا آ رہا ہے اور پھر اپنے بیٹے کو نیچے گرا کر دشمن کے بیٹے کو سر پر چڑھا رہا ہے۔ سارا کاروبار اس کے حوالے کر چکا ہے۔ تمہارا باپ تو سٹھیا گیا ہے۔ بہت جلد پاگل ہونے والا ہے۔"

"پلیز ممی! آپ ڈیڈی کے بارے میں ایسی باتیں نہ کریں۔ اگر وہ فراز سے کوئی سمجھوتہ کر رہے ہوں گے تو وہ میرے ہی حق میں ہو گا۔ یہی معلوم کرنے جا رہی ہوں۔"

وہ آگے بڑھتے ہوئے دروازے کے پاس گئی' کبریٰ نے پوچھا۔ "کب تک واپس آؤ گی؟"

"کوشش کروں گی دو تین گھنٹوں میں واپس آ جاؤں۔"

"ذرا جلدی آنا۔ پتہ ہے ناں مراد سدرہ کی اصلیت معلوم کرنے گیا ہے۔ لاہور سے اس کا فون ضرور آئے گا اور اس لڑکی کا کچا چٹھا کھل جائے گا اس لئے تم جلدی آنا۔"

وہ جلدی آنے کا وعدہ کر کے کمرے سے باہر چلی گئی۔ کبریٰ دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگی کہ ثمینہ طوائف زادی ثابت ہو۔ اگر یہ ثابت ہو جائے گا تو وہ سو دیگیں پکوا کر لنگر تقسیم کرے گی۔

زیبی نے اس کوٹھی کے دروازے پر پہنچ کر کال بیل کا بٹن دبایا تو تھوڑی دیر میں دروازہ کھلا اور عالیہ دکھائی دی۔ اسے دیکھتے ہی مسکرائی پھر آگے بڑھ کر بولی۔ "زیبی! میری جان اندر آؤ۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ تم یہاں آؤ گی۔"

وہ اندر آ کر چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی۔ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کہیں فراز تو نہیں ہے۔ عالیہ نے مسکرا کر کہا۔ "تمہاری نظریں اُسے ڈھونڈ رہی ہیں۔"

وہ ایک دم سے چونک کر بولی۔ "فضول باتیں نہ کرو۔ میری نظریں بھلا اُسے کیوں ڈھونڈیں گی؟ میں تو یہ دیکھ رہی تھی کہ اسد یہاں موجود ہے کہ نہیں؟"

"اسد روزگار کی تلاش میں گئے ہیں۔"

زیبی نے تعجب سے پوچھا۔ "روزگار کی تلاش؟"

"ہاں .... گھر سے نکالے گئے ہیں۔ اب تو مل اور ہیڈ کوارٹر میں قدم رکھنے کی

ابھی اجازت نہیں ہو گی۔ وہ اپنے ہی باپ دادا کی جائیداد سے بے دخل ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اپنے طور پر تو کچھ کرنا ہو گا۔"

"کچھ کرنے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے؟"

"میرے اور اسد کے مشترکہ اکاؤنٹ میں دس لاکھ روپے ہیں۔ ہم اسی رقم سے کچھ نہ کچھ کریں گے۔"

وہ حقارت سے بولی۔ "دس لاکھ روپے کیا ہوتے ہیں؟ ہم تو یورپ اور امریکہ جا کر اتنی رقم خرچ کر دیا کرتے ہیں۔"

"ہاں .... تب کی بات اور تھی۔ اب کی بات اور ہے۔ ہم اتنی ہی رقم سے کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔ تم ٹھنڈا پیو گی یا گرم؟"

"اگر گرم کرنے والی کوئی بات کرو گی تو ٹھنڈا لے آؤ اور اگر ٹھنڈا کرنے والی کوئی بات ہے تو پھر چائے چلے گی۔"

"تمہارے مزاج کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ پتہ نہیں کون سی بات تمہیں گرم کر دے اور کون سی بات تمہیں ٹھنڈا کر دے۔"

"تم کچھ کھلانے پلانے سے پہلے بتا دو کہ میرے ڈیڈی اور فراز کے درمیان کیا سمجھوتہ ہو رہا ہے؟"

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ دوستی اور محبت کے لئے راستے ہموار ہو رہے ہیں۔ میں نے تمہیں سمجھانے کے لئے بلایا ہے کہ اگر راستے ہموار ہو رہے ہوں اور قدرت بھی یہی چاہتی ہو اور شرافت کا بھی یہی تقاضہ ہو کہ بچہ ماں کی گود میں رہے اور بچے کا باپ بھی ساتھ رہے تو ایسے موقع پر اپنے دل و دماغ سے غرور اور ضد کو نکال پھینکنا چاہئے۔ یہی تمہاری دانش مندی ہو گی۔"

زیبی صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ پھر بولی۔ "کوئی دوسرا میرے مزاج کے خلاف کچھ بولے تو میں لڑ پڑتی ہوں۔ ایک تم ہی ہو کہ جس کی باتیں سن کر چپ ہو جایا کرتی ہوں۔"

"تم چپ نہیں ہوتی ہو۔ میری بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتی ہو۔"

زیبی ہنسنے لگی۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ "تم مجھے نہیں بتاؤ گی کہ ڈیڈی اور فراز میں کیا سمجھوتہ ہو رہا ہے؟ مجھے خواہ مخواہ کی باتوں سے ٹال رہی ہو۔"

"میرا چائے پینے کا موڈ ہو رہا ہے۔ وہاں چلو چائے بنتی رہے گی اور ہم باتیں کرتے رہیں۔"

وہ کچن کی طرف جانے لگی۔ وہ اس کے پیچھے جاتے ہوئے بولی۔ "تم بہت ہی مکار ہو' جانتی ہو کہ میرے اندر تجسس پیدا ہو گیا ہے اور تم اس تجسس کو بھڑکا رہی ہو۔ خواہ مخواہ مجھے پریشان کر رہی ہو۔"

وہ چولہے پر چائے کا پانی چڑھاتے ہوئے بولی۔ "ایک طرف تمہارا دعویٰ ہے کہ فراز سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دوسری طرف اُس کی بارے میں سن کر یہاں تک کھنچی چلی آئی ہو۔"

"تم تو جب سمجھو گی' غلط ہی سمجھو گی۔ میں فراز کی نہیں اپنے ڈیڈی کی بات سن کر یہاں آئی ہوں کہ آخر وہ فراز سے کیا چاہتے ہیں؟ اس سے کیوں مل رہے ہیں۔ اس سے کیا باتیں کر رہے ہیں؟"

عالیہ نے کہا۔ "تم نے ڈیڈی اور ممی کی حمایت میں فراز سے اختلافات مول لئے پھر اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اب وہی ڈیڈی جب تم سے کہیں گے کہ فراز کی مخالفت نہ کرو تو تم فوراً ان کی بات مان جاؤ گی۔"

"میں بچپن سے ہی ڈیڈی کی بات مانتی آئی ہوں۔"

"زیبی! یہ کیسی ازدواجی زندگی گزار رہی ہو؟ شادی کے بعد شوہر کی بات ماننا چاہئے اور تم اب تک باپ کی تابعداری کر رہی ہو اور شوہر کی زندگی برباد کر رہی ہو۔ ہونے والے بچے سے بھی دشمنی کر رہی ہو۔"

"تم نے پھر وہی قصہ چھیڑ دیا۔ میں تنگ آ گئی ہوں۔ ایسی باتوں سے۔"

"جب ڈیڈی اسے اپنا داماد تسلیم کر لیں گے تو کیا تم اس وقت بھی ایسی باتوں سے بے زار ہو جایا کرو گی؟"

وہ چپ ہو کر اُس کا منہ تکنے لگی۔ پھر بولی۔ "تم کیوں خواہ مخواہ مجھے الجھا رہی ہو؟ سیدھی طرح بتاتی کیوں نہیں کہ ڈیڈی اس سے کیا باتیں کر رہے ہیں؟"

"ابھی تو ان کے درمیان باتیں ہو رہی ہوں گی یا ختم ہو چکی ہوں گی۔ جب فراز یہاں آئے گا اور مجھے بتائے گا تب ہی معلوم ہو گا کہ ان کے درمیان کیا باتیں ہو رہی تھیں؟"

"فراز نے تمہیں اتنا تو بتایا ہو گا کہ ڈیڈی سے کس موضوع پر گفتگو ہونے والی

ہے؟"

"وہ صرف یہ کہہ گیا ہے کہ صلح صفائی ہونے والی ہے۔"

زیبی نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ عالیہ اس سے نظریں چرانے لگی۔ زیبی نے کہا۔ "میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم بہت مکار ہو۔ تم مجھ سے جھوٹ بول رہی ہو۔ میرے ڈیڈی کبھی اس سے صلح صفائی کی........."

اس کی بات پوری نہ ہوئی کہ کال بیل کی آواز سنائی دی۔ زیبی کا دل یکبارگی دھڑکنے لگا۔ وہ دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ عالیہ نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر دروازے کے پاس جا کر اسے کھول دیا۔ کھلے ہوئے دروازے پر فراز کھڑا ہوا تھا۔ اندر آتے ہوئے بولا۔ "عالیہ! اتنی خوشی کی بات ہے کہ تم سنو گی تو یقین نہیں کرو گی۔"

پھر وہ اندر آتے ہی زیبی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس سے نظر ملتے ہی زیبی کی آنکھیں جھک گئیں۔ عالیہ نے پوچھا۔ "کیا نفاست انکل سے باتیں ہو گئیں؟"

"ہاں.......... بڑے اچھے ماحول میں باتیں ہوئی ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ مجھے اپنی قابلیت کا بھرپور مظاہرہ کرنا ہو گا اور یہ ثابت کرنا ہو گا کہ کیا میں بزنس فیلڈ میں بھی ایک کامیاب زندگی گزار سکتا ہوں؟"

زیبی نے کہا۔ "میں نہیں مانتی کہ ڈیڈی نے ایسی بات تم سے کہی ہو گی۔"

فراز نے سینٹر ٹیبل پر ایک فائل پھینکتے ہوئے کہا۔ "میں نے چھ لاکھ روپے کا ٹینڈر پُر کیا تھا۔ تمہارے ڈیڈی نے اسے منظور کیا ہے۔ اس پر تمہارے ڈیڈی کے دستخط ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں مال سپلائی کرنے کے سلسلے میں کامیاب رہا تو وہ آئندہ بھی لاکھوں روپے کے ٹینڈر پاس کرتے رہیں گے اور مجھے آگے بڑھنے کا موقع دیتے رہیں گے۔"

زیبی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی اور اس فائل کو کھول کر پڑھنے لگی۔ واقعی چھ لاکھ روپے کا ٹینڈر پاس کیا گیا تھا اور آخری صفحے پر اس کے ڈیڈی کے سائن موجود تھے۔

وہ سائن بول رہے تھے کہ انہوں نے فراز کو قبول کیا ہے۔ کس حیثیت سے قبول کیا ہے؟ اس کی وضاحت نہیں تھی لیکن جس کے مخالف تھے' جسے بیٹی سے الگ کرنا چاہتے تھے' اب اسی کی حمایت میں انہوں نے ٹینڈر پاس کیا تھا۔ اسے آگے بڑھنے کا موقع دے رہے تھے۔

تو اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اُسے پسند کر رہے ہیں۔ داماد کی حیثیت سے قبول کر

رہے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے اسے اپنے دفتر میں بلایا تھا اور بزنس فیلڈ میں اس کی ترقی کے لئے دروازہ کھول رہے تھے۔

وہ بڑی دیر تک اپنے باپ کے سائن پر نظریں جمائے سوچتی رہی۔ پھر نظریں اٹھا کر عالیہ کو دیکھا تو وہ موجود نہیں تھی۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے آواز دی۔ ”عالیہ! تم کہاں ہو؟“

فراز نے کہا۔ ”وہ جا چکی ہے۔ اسد سے ملنے گئی ہے۔ شاید دو چار گھنٹے کے بعد آئے گی۔“

”اسے مجھ سے کہہ کر تو جانا چاہئے تھا۔“

”وہ تمہیں جنگل میں چھوڑ کر نہیں گئی ہے۔ ڈرتی کیوں ہو؟“

وہ اپنے مزاج کے مطابق کہنا چاہتی تھی کہ میں کسی سے نہیں ڈرتی لیکن فائل کی طرف دیکھ کر چپ ہو گئی۔ وہ فائل اب تک کھلی ہوئی تھی۔ باپ کے سائن ابھی تک دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سائن گویا دل پر کئے گئے تھے کہ جاؤ بیٹی اجازت ہے' دوستی کر لو۔

وہ بولا۔ ”تم نے شادی تو مجھ سے کی ہے لیکن ازدواجی زندگی اپنے والدین کی مرضی سے گزارنا چاہتی ہو اور گزار بھی رہی ہو۔“

وہ فائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”اب کیا ارادہ ہے' تمہارے ڈیڈی تو راستہ کھول رہے ہیں؟“

وہ بولی۔ ”مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ تم نے اپنی ضد اور انا پرستی کے باعث راستہ بند کیا تھا۔ تعلقات توڑے تھے۔“

”میں نے ضد نہیں کی تھی۔ تم ضد کر رہی تھیں کہ تمہارے ڈیڈی کی ناجائز باتیں مان لوں۔“

وہ اس کے پاس آ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”یاد ہے شادی سے پہلے بھی تم نے کہا تھا کہ ہم جعلی نکاح پڑھائیں گے اور دادا جان کو دھوکہ دیں گے۔ اس وقت تمہارے ڈیڈی کروڑوں روپے کا ایک دوسرا گیم کھیل رہے تھے۔ میں نے اس وقت بھی انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ نکاح جعلی نہیں ہو گا۔ شریعت محمدی کے مطابق ہو گا۔ تم ناراض ہو گئی تھیں پھر بعد میں تم نے میری بات مان لی تھی۔“

”ہاں .... میں نے اس وقت تمہاری بات مان لی تھی اور بعد میں جب یہی بات

میں نے تم سے کہی کہ ڈیڈی کی سہولت کے لئے ان کی ناجائز بات مان لو تو تم نے انکار کر دیا تھا۔ اگر تم مان لیتے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا؟“

”تم میرے مزاج کو اچھی طرح جانتی ہو' مجھے جھوٹ و فریب سے نفرت ہے۔ نہ جھوٹ بولتا ہوں' نہ جھوٹوں کو برداشت کرتا ہوں۔“

”ہاں ہاں........... میں جھوٹی ہوں' مکار ہوں۔ مجھے کیوں برداشت کرتے ہو؟“

”اس لئے کہ میری جان ہو۔ میری زندگی ہو۔ میری شریک حیات ہو۔“

اس نے ایک دم سے سر اٹھا کر دیکھا پھر جلدی سے سر جھکا لیا۔ سچ کے سامنے صرف نظر ہی نہیں سر بھی جھکتا ہے۔ وہ ابتدا سے دیکھتی آئی تھی کہ وہ ہر بات میں سچا اور کھرا ہے۔ جھوٹ اور فریب کو بالکل برداشت نہیں کرتا ہے۔ وہ دل ہی دل میں اس بات کو مانتی تھی لیکن اس کا اقرار نہیں کرتی تھی۔ اقرار کرنے سے وہ جھوٹی کہلاتی اس لئے اُس سے کم تر ہو جاتی اور وہ اس سے کم تر نہ ہونے کے لئے خواہ مخواہ ضد کرتی تھی۔ اس سے اختلافات مول لیتی تھی۔

اس نے نرمی سے سمجھایا۔ ”زیبی! والدین کی اطاعت اور فرماں برداری اچھی بات ہے لیکن اس کے لئے بھی دانشمندی کی ضرورت ہے۔ اگر ماں باپ کوئی غلط بات کہتے ہیں اور ایسی بات جس سے شوہر بچھڑتا ہے' گھر اجڑتا ہے تو ایسی کوئی بات تمہیں تسلیم نہیں کرنا چاہئے۔ اپنی عقل سے سوچنا سمجھنا چاہئے اور اپنے والدین کو بھی سمجھانا چاہئے کہ جب تم نے شادی کی ہے' گھر بسایا ہے تو اس گھر کو بسائے رکھنا چاہئے۔“

وہ سر جھکائے ہوئے بولی۔ ”میں اس سلسلے میں ڈیڈی سے بات کروں گی۔“

”کیا تمہارے پاس اپنی عقل' اپنی ذہانت اور اپنے فیصلے کی قوت نہیں ہے؟ شادی کے بعد شوہر کا ہاتھ تھامنا چاہئے۔ تم اب بھی باپ کی انگلی پکڑ کر چل رہی ہو' ماں بننے کے بعد بچہ تمہاری انگلی تھام کر چلے گا' کیا تب بھی تم اپنے باپ کی انگلی پکڑ کر چلنا پسند کرو گی؟ کیا وہ بچہ نہیں پوچھے گا کہ جب آپ اپنے باپ کی انگلی پکڑ کر چل رہی ہیں تو مجھے بھی میرے باپ کی انگلی دیجئے۔ کہاں ہے میرا باپ؟ اور اگر میں نے اسے چھین لیا تو وہ مجھ سے پوچھے گا کہ کہاں ہے میری ماں؟ دونوں صورتوں میں ہم اپنے بچے کو ذہنی طور پر ابنارمل بنا دیں گے۔ کیا تم ایک ابنارمل بچہ چاہو گی؟“

اس نے فراز کو دیکھا پھر پوچھا۔ ”کیا تم میری ایک بات مانو گے؟“

”محبت سے منواؤ گی تو ضرور مانوں گا۔“

"بچے کو مجھ سے نہ لو' اسے میرے پاس رہنے دو۔"

"ہم دونوں ٹوٹی ہوئی زنجیر ہیں اور وہ بچہ ایک کڑی ہے۔ جو ہماری ٹوٹی ہوئی زنجیر کو جوڑے گا۔ وہ جتنا تمہارے لئے اہم ہے' اتنا ہی میرے لئے بھی اہم ہے۔"

"میں محبت سے اپنا بچہ مانگ رہی ہوں۔"

"میں محبت سے تمہیں مانگ رہا ہوں' میں تمہاری محبت کا مطالبہ پورا کرتا ہوں' تم میرا مطالبہ پورا کرو۔"

وہ پہلو بدل کر منہ پھیر کر بیٹھ گئی' فراز نے کہا۔ "تم چاہے کتنا ہی منہ پھیر لو' تمہارے ڈیڈی جب کہیں گے کہ تمہیں میرے ساتھ زندگی گزارنی ہے تو تم میرے پاس چلی آؤ گی۔ یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

وہ خاموش رہی' اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فراز نے کہا۔ "میں تمہیں ایک عقل کی بات سمجھاتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ تمہارے ڈیڈی تمہیں میرے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کی اجازت دیں' تم میرے پاس چلی آؤ۔ صلح کر لو اور اپنے ڈیڈی کو بتاؤ کہ تم کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہو۔ بیاہتا عورت ہو' ماں بن رہی ہو۔ اس لئے ایک بیوی اور ایک ہونے والی ماں کی حیثیت سے خود فیصلہ کر رہی ہو اور میرے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہو۔"

وہ خاموش رہی' اس کی باتوں پر غور کرتی رہی۔ وہ بولا۔ "تم اپنے دل سے میری طرف مائل ہو کر آؤ گی تو ہمیشہ ایک شوہر کا اعتماد حاصل کرتی رہو گی۔ باپ کے حکم سے آؤ گی تو تمہیں شوہر ملے گا مگر اس کا اعتماد کبھی نہیں ملے گا۔"

زیبی اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ ایک طرف چلتی ہوئی گئی پھر دوسری طرف جانے لگی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے ٹہل رہی ہو اور سوچ رہی ہو۔ پھر اس نے اپنے موبائل پر نفاست علی کے نمبرز پنچ کئے۔ رابطہ ہونے پر بولی۔ "ڈیڈ! میں بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے نفاست علی نے کہا۔ "ہاں بیٹی! بولو .... کیا بات ہے؟"

"آپ نے ٹیکسٹائل ملز میں مال سپلائی کرنے کے لئے ٹینڈر طلب کیا تھا' میں نے وہ ٹینڈر فراز کے پاس دیکھا ہے۔ آپ نے اس کا ٹینڈر پاس کیا ہے' اس پر آپ کے دستخط ہیں۔"

"ہاں .... کیا تم اس وقت فراز کے ساتھ ہو؟"

"کیا مجھے اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہئے؟"

نفاست علی تھوڑی دیر تک چپ رہا' وہ فوراً ہی جواب نہ دے سکا۔ اس کے سامنے تمام جوان بچے باغی ہو رہے تھے۔ سجاد بھی دبی زبان میں سمجھاتا رہا تھا کہ اسد اور حسرت وغیرہ کیوں باغی ہو رہے ہیں؟ پھر وہ فراز کی بھی حمایت کر رہا تھا۔ ایسے وقت نفاست علی فراز کے خلاف کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا۔

دوسری طرف سے زیبی نے پوچھا۔ "ڈیڈ! آپ خاموش کیوں ہیں؟"

وہ خیالات سے چونک کر بولا۔ "نہیں .... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر تم فراز کے پاس موجود ہو تو یہ تمہاری اپنی مرضی ہے' اپنا فیصلہ ہے۔"

"پہلے تو آپ نے فیصلہ سنایا تھا کہ مجھے فراز سے تعلقات توڑ لینے چاہئیں۔ اس سے طلاق لینی چاہئے؟"

"یہ ضروری نہیں ہے کہ میں نے پہلے جو کچھ کہا تھا اب بھی اسی فیصلے پر قائم رہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں' حالات بدل رہے ہیں۔ میرے تمام بچے باغی ہو رہے ہیں۔ میں اپنے بچوں کی مخالفت مول لینا نہیں چاہتا۔ دوسری طرف ابا جان کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے تم اپنے حالات کے مطابق' اپنی ذہانت سے فیصلہ کرو کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے؟ میں تمہارے معاملے میں مداخلت نہیں کروں گا۔"

وہ اپنے باپ کی باتیں سن رہی تھی اور فراز کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ "تھینک یو ڈیڈی!"

اس نے فون بند کر دیا۔ اسے اپنے بیگ میں رکھ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی فراز کے سامنے آئی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔ "تمہارے ڈیڈی نے کیا کہا ہے؟"

زیبی نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔ ذرا اور اس کے قریب ہو گئی۔ فراز نے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھے تو وہ ایک دم سے تڑپ کر اس سے لپٹ گئی۔ بے اختیار آنسو امڈ آئے۔ نہ جانے وہ آنسو کب سے اس کے اندر جمع ہو رہے تھے' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆======☆======☆

مراد فیصل آباد کا ضروری کام نمٹا کر دوپہر کو وہاں سے روانہ ہوا' پھر کار ڈرائیو کرتا ہوا ڈیڑھ گھنٹے میں لاہور پہنچ گیا۔ اس کے سفری بیگ میں ثمینہ کی ایک تصویر رکھی ہوئی تھی۔ تصویر ثمینہ کی تھی لیکن اسے زیبی بھی کہہ سکتے تھے۔ کیونکہ دونوں ہم شکل

تھیں۔ وہ ثمینہ کو دیکھتا تھا تو یوں لگتا تھا جیسے اپنی سگی بہن زیبی کو دیکھ رہا ہو۔

اس کی ممی کبریٰ نے ضد کی تھی کہ اسے لاہور جا کر وہاں کی ہیرا منڈی میں سدرہ (ثمینہ) کے متعلق معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔ اس کی اصلیت وہیں سے معلوم ہو سکے گی۔

مراد نہیں چاہتا تھا کہ بات بڑھائی جائے لیکن کبریٰ نے وارننگ دی تھی کہ اگر وہ وہاں جا کر تحقیقات نہیں کرے گا اور صحیح معلومات حاصل نہیں کرے گا تو وہ خود لاہور جائے گی اور اس کی اصلیت معلوم کرے گی۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ ماں ضد میں آ کر سدرہ (ثمینہ) اور سجاد پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دے۔ یہ مراد کے لئے بھی حیرانی کی بات تھی کہ سدرہ (ثمینہ) کا تعلق ہیرا منڈی سے رہا ہے۔ وہ اس پر کیچڑ اچھالے یا نہ اچھالے لیکن وہ اس کی اصلیت معلوم کرنا چاہتا تھا۔

مگر اسے یہ بات گوارہ نہیں تھی کہ وہ سدرہ (ثمینہ) کی تصویر ہاتھ میں لے کر ہیرا منڈی میں اس کے بارے میں معلوم کرتا پھرے۔ یا کسی دلال سے رابطہ کرے۔ اسے بڑی رقم دے کر اس کے ذریعے معلومات حاصل کرے۔ وہ سدرہ (ثمینہ) کی تصویر جب بھی کسی دلال یا نائکہ کو دکھاتا تو اسے ایسا ہی لگتا جیسے وہ اپنی بہن زیبی کی تصویر انہیں دکھا رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے اس پر کیچڑ اچھال رہا ہے۔

اس نے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ وہ اس طرح تصویر لے کر کبھی اس بازار میں نہیں جائے گا اور نہ ہی کسی دلال یا کسی نائکہ سے بات کرے گا۔ جب سجاد دادا جان سے ملنے کے لئے سدرہ (ثمینہ) کے ساتھ اس کوٹھی میں آیا تھا تو اس نے اپنے بارے میں تمام ثبوت مہیا کئے تھے کہ وہی اصل سجاد ہے اور عبادت علی کا پوتا ہے۔ اس نے کئی دستاویزات پیش کی تھیں اور لاہور میں جہاں رہا کرتا تھا وہاں کا پتہ ٹھکانہ بھی بتایا تھا۔

مراد لاہور کا وہ ایڈریس اپنی ڈائری میں نوٹ کر کے اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا لاہور پہنچا تو سیدھا اس محلے میں آیا جہاں سجاد اپنی بہن سدرہ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔

اس نے اس محلے میں آ کر ایک گوالے سے پوچھا۔ ”بھائی! یہاں سجاد نامی ایک نوجوان رہتا تھا۔ کیا وہ اب بھی یہاں رہتا ہے؟“

مراد نے سجاد کے باپ دادا کا نام بتایا اور یہ بھی بتایا کہ اس کی بہن کا نام سدرہ تھا۔

گوالے نے کہا۔ ”ہاں .... سجاد نامی ایک جوان یہاں رہتا تھا لیکن وہ اپنی بہن

کے ساتھ کراچی چلا گیا ہے۔“

”میں اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

”اس کا ایک بہت ہی جگری دوست شیدے ہے۔ وہ اس کے بارے میں بہت کچھ بتا سکے گا۔“

اس گوالے نے اسے شیدے کے پاس پہنچا دیا۔ شیدے نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ سجاد کے بارے میں کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں اور آپ کون ہیں؟“

”میرا نام مراد علی ہے۔ میں فیصل آباد سے آیا ہوں۔ وہ میرے دور کے رشتے کا بھائی ہے۔ ہم بیس برس سے بچھڑے ہوئے ہیں۔ اچانک مجھے پتہ چلا کہ وہ لاہور میں یہاں رہتا ہے۔ میں اُسے تلاش کرتا ہوا یہاں آیا ہوں۔“

شیدے نے ایک چارپائی بچھا کر کہا۔ ”آؤ بیٹھو .... ٹھنڈا پیو گے یا گرم؟“

”مجھے کچھ بھی پلا دو لیکن میرے بھائی کے بارے میں کچھ بتاؤ۔“

شیدے نے ایک لڑکے کو بلا کر کہا۔ ”چھوٹے! جا ایک لسی کا گلاس لے آ۔“

وہ لڑکا وہاں سے چلا گیا۔ شیدے اس کے سامنے دوسری چارپائی بچھاتے ہوئے اس پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”سجاد تو یاروں کا یار تھا۔ میرا بہت ہی جگری دوست تھا۔“

وہ سجاد کی ہسٹری بیان کرنے لگا۔ اس نے سدرہ کے بارے میں بھی بتایا' پھر کہا۔ ”وہ اپنے دادا کی دولت اور جائیداد میں سے حصہ لینے کے لئے اپنی بہن کے ساتھ کراچی گیا ہوا ہے۔“

مراد نے پوچھا۔ ”کیا تمہارے پاس سدرہ اور سجاد کی کوئی تصویر ہو گی؟“

”ہاں ہاں .... کیوں نہیں؟ وہ تو میرا جگری دوست تھا۔ اس کے پورے خاندان کی تصویریں میرے پاس ہیں۔ میں ابھی البم لے کر آتا ہوں۔“

وہ گھر کے اندر جا کر ایک بڑی سی البم لے آیا۔ مراد اُسے کھول کر دیکھنے لگا۔ شیدے اس کے پاس بیٹھ کر بتانے لگا کہ یہ سجاد ہے اور یہ اس کی بہن سدرہ ہے اور یہ ان کے ماں باپ ہیں۔ یہ ان کے والدین کی تصویر کوئی سترہ اٹھارہ برس پہلے کی ہے۔“

مراد نے سدرہ کی تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا یہی سجاد کی بہن سدرہ ہے؟“

”ہاں .... یہی سدرہ ہے۔“

مراد نے اپنی جیب سے ثمینہ کی تصویر نکال کر اسے دکھا کر کہا۔ ”تو پھر یہ کون

ہے؟"

شیدے تصویر دیکھتے ہی ایک دم سے گڑبڑا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ سدرہ کی جگہ سجاد ثمینہ کو بہن بنا کر لے گیا ہے۔ اس نے بوکھلا کر مراد کو دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ تصویر آپ کے پاس کہاں سے آ گئی؟"

"سجاد اسے اپنی بہن سدرہ بنا کر دادا جان کے پاس کراچی لے گیا ہے۔ سجاد کا اور اس لڑکی کا میں دشمن نہیں ہوں لیکن بات کچھ ایسی ہے کہ خاندان کی بہت بدنامی ہونے والی ہے۔ اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو گے تو سجاد اور اس کا سارا خاندان بدنامی سے بچ سکتا ہے؟"

وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اپنے دوست کے لئے تو جان بھی حاضر ہے۔ آپ بولو' کیا تعاون چاہتے ہو؟"

"میں سجاد کا چچازاد بھائی ہوں۔ وہاں کراچی میں ہمارے دادا جان کے پاس ایک شخص آیا تھا اور وہ اس سدرہ کو دیکھ کر کہہ رہا تھا کہ یہ ہیرا منڈی کی رہنے والی ہے۔ تب سے ہم بہت پریشان ہیں۔ اس شخص کو گالیاں دے کر اور جھڑک کر وہاں سے بھگا دیا گیا ہے۔ ہم نے اس کی زبان تو بند کر دی ہے لیکن دنیا والوں کی زبانیں کیسے بند کریں گے؟ ہم اس حقیقت کو چھپانا چاہتے ہیں۔ اپنے دادا جان سے بھی چھپانا چاہتے ہیں۔ ہمیں حقیقت معلوم ہونی چاہئے۔ جب تمہاری البم میں سدرہ کی یہ تصویر ہے تو پھر یہ میری تصویر والی لڑکی سجاد کے ساتھ سدرہ بن کر کیوں گئی؟ اور کیا اس کا تعلق واقعی ہیرا منڈی سے تھا؟"

شیدے نے کہا۔ "بھائی! آپ نے تو مجھے بری طرح پھنسا دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کہوں' کیا نہ کہوں؟"

وہ شیدے کے شانے پر دوستانہ انداز میں ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "میں سجاد اور سدرہ کا دشمن نہیں ہوں' مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ اپنا بھائی سمجھ کر مجھے سب کچھ بتا دو کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ تاکہ بات بگڑنے سے پہلے میں اسے بنا سکوں۔"

شیدے نے بے بسی سے کہا۔ "تم کہتے ہو تو پھر اللہ کا نام لے کر سچ بولتا ہوں۔ سجاد کی بہن سدرہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ اپنے دادا جان کے پاس جا کر اپنی بہن کی جائیداد بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔"

اس نے ثمینہ کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس لئے اس نے اس

لڑکی کو اپنی بہن سدرہ بنا لیا۔"

"یہ لڑکی سجاد بھائی کو کہاں ملی تھی؟"

"یہ ہیرا منڈی میں تھی لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بہت ہی شریف لڑکی ہے۔ شاید کسی شریف گھرانے سے اس کا تعلق تھا۔ یہ کوٹھے والیوں کی طرح ناچ گانا سیکھ نہیں سکتی تھی۔ اس لئے نائکہ اسے کسی بھی قیمت پر بیچ دینا چاہتی تھی۔ تب میں نے اس کی قیمت ادا کر کے اسے سجاد کے حوالے کر دیا اور سجاد کی شرافت دیکھو کہ جس بازار میں آبرو لٹ جاتی ہے وہاں سے وہ اسے بہن بنا کر لے آیا۔"

مراد نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "سجاد بھائی واقعی قابل تعریف ہیں لیکن میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ثمینہ ایک شریف زادی ہے تو پھر وہ اس کوٹھے پر کیسے پہنچ گئی تھی؟"

وہ لڑکا لسی سے بھرا ہوا گلاس لے آیا تھا۔ شیدے نے وہ گلاس مراد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لو جی پیو .... اور میری بات کا یقین کرو۔ جب میں اتنا سچ بول گیا ہوں تو آگے بھی سچ بول سکتا ہوں لیکن میں اس لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ شاید اس نے اپنے بارے میں کچھ سجاد کو بتایا ہو لیکن سجاد نے مجھے بھی کچھ نہیں بتایا ہے۔ اس لئے میں اس کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکوں گا۔"

مراد ایک ایک گھونٹ کر کے لسی پینے لگا اور سوچنے لگا۔ شیدے نے کہا۔ "بھائی جی! سیدھی سی بات ہے کہ لڑکیاں یا تو گھر سے بھاگ جاتی ہیں یا انہیں اغوا کر کے اس بازار میں لایا جاتا ہے۔ اس لڑکی کے ساتھ ضرور ظلم ہوا ہے۔ اسے زبردستی اس بازار میں پہنچایا گیا ہو گا۔ یہ تو اپنی باتوں اور صورت سے ہی شریف گھرانے کی لگتی تھی۔"

مراد کے خیالات اب زرینہ بیگم اور اس کی بیٹی ثمینہ کی طرف بھٹکنے لگے۔ اس کے دل و دماغ کہہ رہے تھے کہ یہ ثمینہ ہے۔ یہ یقیناً غلط لوگوں کے ہتھے چڑھ گئی ہو گی اور انہوں نے اُسے اس بازار میں پہنچا دیا ہو گا۔ ڈیڈی ثمینہ اور اس کی ماں سے کتراتے رہتے تھے۔ بے زار رہا کرتے تھے۔ دونوں ماں بیٹی کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتے تھے۔ ان کی غفلت اور لاپرواہی کے سبب ہی ثمینہ اس بازار میں پہنچ گئی ہو گی۔

اس نے لسی پینے کے بعد چارپائی سے اٹھ کر شیدے سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا بہت بہت شکریہ' اب میں جانا چاہوں گا۔"

وہ اس سے رخصت ہو کر اپنی کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے ڈرائیو کرتا ہوا کچھ

فاصلے پر جا کر کار روک کر اس نے موبائل کے ذریعے نفاست علی سے رابطہ کیا۔ دوسری طرف سے باپ کی آواز سننے کے بعد بولا۔ "ڈیڈی! میں مراد بول رہا ہوں۔"

"ہاں بیٹے!.......... بولو۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ فیصل آباد پہنچ گئے' وہاں کام ہو رہا ہے؟"

"میں نے وہاں کے ضروری کام نمٹائے ہیں۔ کل پھر فیصل آباد جا کر وہاں کی ذمہ داریاں سنبھالوں گا۔"

نفاست نے تعجب سے پوچھا۔ "تم اس وقت کہاں ہو؟"

"میں لاہور آیا ہوا ہوں۔"

"تعجب ہے تم لاہور میں کیا کر رہے ہو؟"

"میں یہ بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے آپ میرے کچھ سوالوں کے جواب دیں۔"

"تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"کیا آپ کی بیٹی ثمینہ واقعی مر چکی ہے؟ دیکھئے ڈیڈی! آپ اپنے بیٹے سے جھوٹ نہیں بولیں گے۔ ہم بہت سے معاملات میں ایک دوسرے کے رازدار رہ چکے ہیں۔ یہ راز بھی مجھے بتا دیں۔"

"تم یہ سوال کیوں کر رہے ہو اور یہ سب کچھ معلوم کرنا کیوں چاہتے ہو؟"

"ڈیڈی! یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے' پلیز جواب دیں۔"

اس نے تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد کہا۔ "ہاں ثمینہ زندہ ہے۔"

"پھر کسی دوسری لڑکی کو ثمینہ کیوں سمجھ لیا گیا تھا؟ آپ نے ثمینہ کی حیثیت سے اس کی تدفین کیوں کروائی تھی؟"

"اس وقت میں بھی دھوکہ کھا گیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ثمینہ زندہ ہے۔"

"یہ سب کچھ کیسے ہو گیا ڈیڈی!"

"دراصل ثمینہ کو چند بدمعاشوں نے اغوا کیا تھا۔ اس کی ماں پریشان تھی۔ میں بھی چھپ کر اُسے تلاش کر رہا تھا لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ پھر ایک دن پتہ چلا کہ اُس کی لاش پولیس اسٹیشن پہنچی ہوئی ہے۔ اس لاش کے ساتھ ثمینہ کا پرس تھا۔ پرس میں شناختی کارڈ کے علاوہ کچھ ایسے کاغذات تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مرنے والی ثمینہ ہے۔ اس کا چہرہ بری طرح بگڑا ہوا تھا۔ اس لئے میں اسے چہرے سے نہ پہچان سکا۔ پرس سے برآمد ہونے والی چیزوں سے یہ سمجھ لیا کہ ثمینہ مر چکی ہے۔"

"کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ آپ کی بیٹی ثمینہ جو میری بہن بھی ہے' وہ کن حالات سے گزرتے ہوئے کہاں کہاں پہنچتی رہی ہے؟"

"بیٹے! ایسی باتیں نہ کرو۔ میں نے سجاد سے پوچھا تھا کہ اس نے ثمینہ سے کہاں ملاقات کی تھی؟ اسے کس طرح بہن بنا کر لے آیا ہے۔ سجاد نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس سے یہ سوال نہیں کروں۔ کیونکہ جواب بہت ہی شرم ناک ہے۔ میرا سر جھک جائے گا۔"

"ڈیڈی! سجاد نے آپ سے درست کہا تھا۔ میں یہاں لاہور یہی سب کچھ معلوم کرنے آیا ہوں اور میرا سر شرم سے جھک گیا ہے۔"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ ادھر نفاست علی کا سر بھی جھکا ہوا تھا۔ وہ کچھ نہیں بول رہا تھا۔ مراد نے کہا۔ "دادا جان نے آپ کو بتایا ہو گا کہ وہاں کوئی شخص آیا تھا۔ اس نے وہاں ثمینہ کو دیکھ کر کہا تھا کہ اس کو لاہور کی ہیرا منڈی میں دیکھا گیا ہے لیکن دادا جان نے یقین نہیں کیا تھا۔ اس شخص کو ذلیل کر کے گھر سے بھگا دیا تھا۔"

نفاست علی نے کہا۔ "ہاں .... ابا جان سے اس سلسلے میں بات ہوئی تھی۔ انہیں اس بات کا یقین نہیں آ رہا تھا کہ ثمینہ کا تعلق کسی بازار سے رہا ہو گا۔ بیٹے! اس موضوع پر مت بولو۔ اپنی بیٹی کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہوئے میری زبان لڑکھڑاتی ہے۔ میرا سر شرم سے جھکا ہوا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جا کر منہ چھپالوں۔"

"ڈیڈ! وہ آپ کی بیٹی اور میری بہن ہے۔ ہمارے منہ چھپانے سے بات نہیں بنے گی۔ اس بدنامی کو مٹانا ہو گا۔ ہمیں سوچنا چاہئے۔ فی الحال آپ ممی کی زبان بند رکھیں۔ وہ ثمینہ پر کیچڑ اچھالنے کے لئے بے چین ہو رہی ہیں۔ انہوں نے ہی مجھے یہاں اس کی صلیت معلوم کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اب جو کچھ معلوم ہو چکا ہے اس کو چھپانے کے لئے یہ بہت ضروری ہو گیا ہے کہ آپ پہلے ممی کا منہ بند کریں۔ میں پھر کسی وقت رابطہ کروں گا۔ خدا حافظ!"

اس نے فون بند کر دیا۔ پھر کار ڈرائیو کرتا ہوا پرل ہوٹل کے احاطے میں پہنچ گیا۔ ار سے اتر کر کاؤنٹر کی طرف جانے لگا تو ایک جگہ حمیرا کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ تین دمیوں کے درمیان چلتے ہوئے ریسٹورنٹ کی طرف جا رہی تھی۔ وہ بھی اسے دیکھ کر ب دم سے ٹھٹک گئی۔ چند لمحوں تک اُن کی نظریں ملتی رہیں۔ وہ بہت اداس دکھائی ے رہی تھی۔ کچھ پریشان سی تھی۔ مراد کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے رک گئی تھی۔ پھر

جلدی سے منہ پھیر کران آدمیوں کے ساتھ جانے لگی۔

مراد گم صم کھڑا رہا۔ ایک پل میں ماضی کی یادیں روشن ہو گئی تھیں لیکن اس کے باپ سے کاروباری دشمنی تھی۔ مراد نے محبت کی آڑ میں اس کے باپ سے انتقام لیا تھا۔ اس کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ اسے اپنے بچے کی ماں بنایا تھا پھر اُسے چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بعد پھر اُس نے پلٹ کر نہیں پوچھا کہ حمیرا کن حالات سے گزرتی رہی تھی۔ کیا وہ اس کے بچے کی ماں بن گئی تھی؟ اگر ماں بن گئی تھی تو پھر وہ بچہ کہاں ہے؟ اسے نہ تو حمیرا سے دلچسپی تھی اور نہ اُس سے ہونے والے بچے سے کوئی لگاؤ تھا۔

وہ اسے بھلا چکا تھا لیکن اس وقت اچانک اسے دیکھ کر چونک گیا اور اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ پہلے سے زیادہ پُرکشش اور خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی توجہ کو پکار رہی تھی۔ جیسے اس کے اندر پہنچ گئی تھی اور اس کے دل کو ٹٹول رہی تھی۔ پوچھ رہی تھی کہ کیا اب بھی میرے لئے یہاں تھوڑی سی جگہ ہے؟

وہ پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ اس کی سوچ اور مزاج میں بڑی تبدیلیاں آئی تھیں۔ اس وقت وہ ہمدردی سے سوچ رہا تھا کہ حمیرا کے باپ سے کاروباری دشمنی تھی تو پھر حمیرا نے کیا بگاڑا تھا؟ وہ تو دل و جان سے اُسے چاہتی تھی۔ اس پر اعتماد کرتی تھی اور اس پر بھروسہ کر کے ہی اپنے باپ' بھائی بھاوج سے چھپ کر اس سے شادی کی تھی لیکن اس محبت کرنے والی کے اعتماد کو اس نے ٹھیس پہنچائی تھی' بُری طرح دھوکہ دیا تھا۔ نہ اسے گھر کا رہنے دیا تھا' نہ گھاٹ کا۔ پتہ نہیں اب وہ کہاں بھٹک رہی تھی؟

وہ خیالات سے چونک گیا۔ ایک ذرا سا بوکھلا گیا۔ حمیرا اچانک اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ بڑی دکھ بھری اور شکایت بھری نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ نظریں چراتے ہوئے اس کے شانے کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیسی ہو؟"

"مجھے اچھی طرح نوچنے کھسوٹنے اور تباہ و برباد کرنے کے کتنے عرصے بعد پوچھ رہے ہو کہ میں کیسی ہوں؟ تعجب ہو رہا ہو گا کہ میں زندہ کیسے رہ گئی؟"

اُس نے ذرا عاجزی اور محبت سے کہا۔ "پلیز......... اس طرح طعنے نہ دو۔ میں مانتا ہوں کہ میں نے تمہارے ساتھ بڑی زیادتیاں کی ہیں۔ جب ظالم ظلم کرتا ہے تو اُسے احساس نہیں ہوتا کہ وہ کیسا غیر انسانی کردار ادا کر رہا ہے۔ پھر بعد میں کبھی نہ کبھی اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے۔ اگر کوئی ضمیر کی آواز نہ سنے تو وقت اسے ٹھوکروں سے سمجھا دیتا ہے کہ جو کچھ اس نے دوسروں کے ساتھ کیا وہی اس کے ساتھ بھی ہو رہا ہے۔"

ایسا کہتے وقت اس کے ذہن میں ثمینہ تھی۔ اس کی سوتیلی بہن تھی لیکن ایک ہی باپ کی اولاد تھی اور وہ ہاتھ سے بے ہاتھ ہو کر تباہ و برباد رسوا و بدنام ہونے کے لئے بازارِ حُسن میں پہنچ گئی تھی۔ وہ مراد حمیرا کو کیا ذلت دیتا اس سے زیادہ ذلتیں تو وقت اسے اور اس کے خاندان کو دے رہا تھا۔

حمیرا اُسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر بولی۔ "تم پہلے جیسے مغرور دکھائی نہیں دے رہے ہو۔ شکست کھائے ہوئے لہجے میں بول رہے ہو اور مجھ سے بار بار نظریں چُرا رہے ہو۔"

"میں تنہائی میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ابھی تو میں پروڈیوسر اور ڈائریکٹر کے ساتھ ہوں' ایک فلم سائن کرنے والی ہوں۔ دیکھو کہ تم نے مجھے کہاں پہنچا دیا ہے؟ تمہاری وجہ سے ہی ہمارا کاروبار تباہ ہو گیا ہے۔ ڈیڈی مر چکے ہیں اور بھائی نے دوسری شادی کر لی ہے۔ میرا کوئی سہارا نہیں تھا۔ پھر میں نے کراچی میں ماڈلنگ کی۔ فلم ساز رجب علی نے ایک اشتہاری فلم میں مجھے دیکھا تھا۔ پھر مجھے یہاں ایک فلم سائن کرنے کے لئے بلایا ہے۔ میں سمجھ رہی ہوں کہ ان لوگوں کی نیت ٹھیک نہیں ہے' یہ مجھے فلم میں چانس دینے سے پہلے میری عزت کو کھلونا بنائیں گے۔"

مراد نے تڑپ کر اُسے دیکھا' وہ بولی۔ "کھلونا تو تم بنا ہی چکے ہو۔ ابتدا تم نے کی تھی۔ اب انتہا پتہ نہیں کتنے لوگ کریں گے؟ میں کسی نہ کسی طرح زندگی گزارنے کے لئے خود کو داؤ پر لگانے آئی ہوں۔"

اس نے ایک دم سے اس کے بازو کو پکڑ لیا بلکہ جکڑ لیا پھر سخت لہجے میں بولا۔ "تم ماڈلنگ نہیں کرو گی' فلموں میں بھی کام نہیں کرو گی۔"

"پھر کیا کروں گی؟ کیا بھیک مانگوں گی؟ جس کے سامنے بھی بھیک مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلاؤں گی وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچے گا۔"

"تم بھیک بھی نہیں مانگو گی۔ کسی کی محتاج نہیں رہو گی۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

یکبارگی حمیرا کے چہرے پر امید کی کرن روشن ہوئی۔ پھر بجھ گئی۔ اس نے کہا۔ "مجھے اپنے ساتھ لے جانے والے بہت ہیں۔ وہاں پروڈیوسر اور ڈائریکٹر بھی موجود ہیں۔ تمہاری طرح وہ بھی مجھے اپنی داشتہ بنا کر رکھنا چاہیں گے۔"

"بکواس مت کرو۔ میں نے تمہیں داشتہ بنا کر نہیں رکھا تھا۔ تم سے باقاعدہ نکاح پڑھایا تھا اور وہ نکاح آج بھی قائم ہے۔ میں نے تمہیں طلاق نہیں دی ہے۔ تم آج بھی میری شریک حیات ہو اور آئندہ بھی رہو گی۔"

حمیرا کی آنکھیں ایک دم سے بھیگ گئیں۔ وہ آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ پھر بے یقینی سے بولی۔ "تم مجھے پھر سے سبز باغ دکھا رہے ہو؟"

اس کا بازو اب تک مراد کی گرفت میں تھا۔ اس نے بازو کو چھوڑ دیا۔ اس کی کلائی پکڑ لی۔ پھر اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے باہر آیا۔ وہ بولی۔ "مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ وہاں وہ لوگ انتظار کر رہے ہیں۔"

"تم سے ملنے والا، تم سے بچھڑنے والا، تمہارا انتظار کرنے والا صرف میں ہوں۔ آج سے تمہارے نام کے ساتھ صرف میرا نام آیا کرے گا۔"

وہ اسے تقریباً کھینچ کر تیزی سے چلتا ہوا اپنی کار کے قریب آیا۔ اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اسے بٹھایا۔ پھر دروازہ بند کر کے دوسری طرف سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ وہ حیرانی سے بولی۔ "مراد! مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم اتنے بدل گئے ہو؟ میرے مالک و مختار بن کر مجھے اپنے ساتھ لے جا رہے ہو۔"

"جب تم میرے ساتھ چلو گی اور میرے ساتھ ازدواجی زندگی گزارو گی تو خود بخود یقین آ جائے گا۔"

"نہیں .... میں اتنی آسانی سے تمہارے ساتھ ازدواجی زندگی شروع نہیں کروں گی۔ پہلے تم سے شکایتیں کروں گی، تم سے خوب لڑائی جھگڑے کروں گی، تم نے مجھے بری طرح تباہ کیا ہے۔ میرا بچہ تمہاری وجہ سے مارا گیا ہے۔"

وہ آہستہ آہستہ اسے مارنے لگی۔ پھر ایک دم سے آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کہنے لگی۔ "تم کتنے ظالم ہو؟ مجھے شکایت کرنے اور لڑنے کا موقع نہیں دے رہے ہو۔ کیسے آقا ہو، زر خرید لونڈی کی طرح مجھے لے جا رہے ہو۔ میں کیا کروں، تمہارے بغیر رہ بھی تو نہیں سکتی۔ مگر میں تم سے لڑائی کروں گی.........."

وہ بولتی جا رہی تھی اور اسے ایک ہاتھ سے مارتی جا رہی تھی اور روتی جا رہی تھی۔ وہ چپ تھا، کچھ نہیں بول رہا تھا۔ اسے فریاد کرنے کا، لڑنے جھگڑنے کا، رونے دھونے کا موقع دے رہا تھا۔

☆======☆======☆

سجاد، حسرت، اسد، فراز، ارمانہ اور ثمینہ سب ہی اس کوٹھی میں موجود تھے۔ ثمینہ کے مستقبل کے بارے گرماگرم بحث ہو رہی تھی اور اس بات کا عزم کیا جا رہا تھا کہ بدنامی کو کبھی ثمینہ کے قریب پھٹکنے نہیں دیں گے۔ اپنی ذہانت اور حکمت عملی سے ثمینہ کے ماضی پر مٹی ڈال دیں گے۔ کبھی وہاں سے بدنامی کی ہوا چلنے نہیں دیں گے۔

کال بیل کی آواز سنائی دی۔ ثمینہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس سے پہلے حسرت نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ کھلے ہوئے دروازے پر جمشید رانا کھڑا ہوا تھا۔ حسرت نے اسے ایک بار شاپنگ سینٹر میں دیکھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔ پھر کہا۔ "آیئے جمشید صاحب!"

ثمینہ شرما کر ایک طرف چلی گئی۔ حسرت نے اس سے مصافحہ کیا، اسے اندر لے کر آیا۔ پھر سب ہی اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرنے لگے۔ حسرت ان سب کا تعارف کرانے لگا۔ اس نے آخر میں سجاد کے متعلق کہا۔ "یہ ہمارے سجاد بھائی خاندان میں سب سے بڑے ہیں۔ اگرچہ یہ ثمینہ کے بھائی ہیں لیکن ثمینہ کو باپ کی محبت اور شفقت دیتے ہیں۔"

جمشید ہر ایک سے مل کر خوش ہو رہا تھا۔ پھر اس نے سجاد سے کہا۔ "مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ ثمینہ صاحبہ بالکل تنہا، لاوارث اور بے یار و مددگار نہیں ہیں۔ ان کے اتنے سارے بھائی ہیں اور ایک پھیلا ہوا اعلیٰ خاندان ہے۔"

ثمینہ اور ارمانہ ناشتے کا انتظام کرنے کے لئے کچن کی طرف چلی گئی تھیں۔ سجاد نے پوچھا۔ "مسٹر جمشید! آپ تو ثمینہ کے حالات کسی حد تک جانتے ہیں؟"

"جی ہاں .... جس حد تک بھی جانتا ہوں اس سے زیادہ نہیں جاننا چاہوں گا۔ کیونکہ میں انہیں اپنے گھر کی عزت بنانا چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی عزت دی ہے کہ کوئی میری گھر والی کی طرف انگلی اٹھانے کی جرأت بھی نہیں کرے گا۔"

"سنا ہے آپ زمیندار ہیں؟"

"جی ہاں .... دس کلو میٹر کے رقبے پر میری زمینیں پھیلی ہوئی ہیں۔ میری زمینوں پر اتنی معیاری گندم کاشت ہوتی ہے کہ انہیں ایکسپورٹ کیا جاتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے ایک بینک میں بھی میرا اکاؤنٹ ہے۔"

حسرت نے کہا۔ "اللہ تعالیٰ کے کرم سے یورپ کے کئی ملکوں کے بینکوں میں ہمارے اکاؤنٹس ہیں۔ ہماری ٹیکسٹائل مل میں ایکسپورٹ کوالٹی کی پروڈکشن تیار ہوتی ہے۔

ہماری ثمینہ کروڑوں روپے کی جائیداد کی مالک ہے۔"

اسد نے کہا۔ "ہماری بہن باپ بھائیوں اور اپنے شوہر کی بھی محتاج نہیں رہے گی۔ ہم اس کے ہونے والے مجازی خدا سے صرف اس کی عزت اور تحفظ کی توقع کریں گے۔"

"آپ مجھ سے کسی پکے کاغذ پر لکھوا سکتے ہیں۔ میں اسے عزت اور نیک نامی دوں گا اور اپنی آخری سانس تک دیتا رہوں گا۔ میرے بعد بھی وہ دس کلو میٹر پر حکومت کرتی رہیں گی۔"

"جہاں تک آپ سے کچھ لکھوانے کی بات ہے تو اس سلسلے میں ہمارے بزرگ آپ سے بات چیت کریں گے۔ ہم چاہیں گے کہ آپ ہمارے دادا جان سے ملاقات کریں اور ان سے ثمینہ کا ہاتھ مانگیں۔"

"جی بہتر ہے' آپ جب کہیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ویسے میں چاہتا ہوں کہ آپ سب میری زمینوں پر تشریف لائیں اور میرے بارے میں مکمل معلومات حاصل کریں۔"

"بزرگوں کی رضامندی حاصل ہو جائے پھر اس کے بعد تو آنا جانا لگا ہی رہے گا۔"

ثمینہ اور ارمانہ ناشتے کی ٹرالی لے آئیں۔ پھر جمشید کی طرف ڈشیں بڑھانے لگیں۔ وہ سب ایک دوسرے کی طرف ڈشیں بڑھاتے کھانے پینے اور باتیں کرنے لگے۔ آخر میں یہ طے پایا کہ جمشید رانا دوسرے دن شام کو بڑی کوٹھی میں آئے گا اور نفاست علی اور عبادت علی سے ملاقات کرے گا۔

وہ چائے پینے کے بعد جانے کے لئے اٹھ گیا۔ پھر ایک ایک سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا تو ثمینہ اس کے ساتھ باہر کار تک آئی۔ تنہائی میں مسکرا کر بولی۔ "آپ تو بڑے تیز نکلے' میں نے ادھر فون کیا کہ آ جائیں اور آپ فوراً ہی پہنچ گئے۔"

"ہاں .... میں نیک کام میں دیر نہیں کرتا۔"

"اچھا.......... تو آپ میرے ساتھ نیکی فرما رہے ہیں؟"

"نہیں .... نیکی تو میں اپنے آپ سے کر رہا ہوں۔ تم سے تو محبت ہو رہی ہے اور اس پیار کی بنیاد کی پہلی اینٹ رکھنے کے لئے کل شام کو تمہارے دادا جان اور انکل سے ملنے آؤں گا۔"

وہ چپ ہو کر سوچنے لگی۔ جمشید نے اسے سنجیدہ دیکھ کر پوچھا۔ "کوئی بات ہے؟"

"نہیں .... آپ میرے بارے میں بہت کچھ نہیں جانتے ہیں اور آپ کے لئے جاننا بہت ضروری ہے۔"

"کوئی بات نہیں .... اپنے بارے میں ابھی بتا سکتی ہو تو بتا دو؟"

"کیا بتاؤں؟ بہت لمبی داستان ہے۔ ویسے مختصراً یہ ہے کہ جنہیں آپ میرے انکل کہہ رہے ہیں وہ دراصل میرے اپنے ڈیڈی ہیں۔"

اس نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ تمہارے سر پر ماں باپ کا بھی سایہ ہے۔"

"ماں کا نہیں ہے' ماں سوتیلی ہے۔ ہاں باپ کا سایہ ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ سے کہیں تنہا ملوں اور آپ کو اپنی تمام روداد سناؤں تاکہ بعد میں یہ شکایت نہ رہے کہ میں نے آپ سے کوئی بات چھپائی تھی۔"

"تم کوئی بات چھپاؤ گی' تب بھی کوئی شکایت نہیں کروں گا۔ آزما کر دیکھ لینا۔ ویسے یہ میرے لئے بہت ہی خوشی کی بات ہے کہ تم مجھ سے تنہائی میں کہیں ملنا چاہتی ہو' بولو کب ملاقات ہو گی؟"

"کل گیارہ بجے سی ویو ہوٹل کی وزیٹر لابی میں انتظار کروں گی۔"

"تم سے پہلے میں وہاں پہنچ کر تمہارا انتظار کروں گا۔ تم یقین کرو۔ کل کے انتظار میں آج کی رات گزارنی مشکل ہو جائے گی۔"

وہ سر جھکا کر شرمانے مسکرانے لگی۔ زندگی میں پہلی بار کوئی اتنی محبت کا شدت سے اظہار کر رہا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ محبت کے یہ لمحات یہیں تھم جائیں اور وہ یہیں اس کے سامنے کھڑی رہے۔ اس نے پوچھا۔ "میں چلوں؟"

وہ چونک کر بولی۔ "ہاں .... ٹھیک ہے کل ملاقات ہو گی۔"

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اُسے اسٹارٹ کرنے کے بعد بولا۔ "کیا میں رات کو فون کر سکتا ہوں؟"

اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ "آپ نہ کریں۔ میں دس بجے کے بعد کسی وقت بھی آپ کو فون کروں گی۔"

"شکریہ .... بہت بہت شکریہ۔ تو میں رات دس بجے سے موبائل فون اپنے ہاتھ میں لئے بیٹھا رہوں گا۔ او کے .... سو فار۔"

وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ وہ اُسے دور تک جاتے ہوئے دیکھتی رہی اور

اس کے بارے میں دیر تک سوچتی رہی۔

☆======☆======☆

کبریٰ کا پیٹ پھول رہا تھا۔ یہ بات اس کے پیٹ میں ایک فولادی گولے کی طرح گھوم رہی تھی کہ ثمینہ بازارِ حُسن میں رہ کر آئی ہے۔ مراد نے اُسے سختی سے منع کیا تھا کہ جب تک وہ لاہور سے پورے ثبوت اور گواہ لے کر نہیں آئے گا اس وقت تک کوئی بات ثمینہ کے خلاف زبان سے نہ نکالی جائے۔

کبریٰ راضی ہو گئی تھی اور اس سے کہا تھا کہ وہ شام یا رات تک ضرور فون کر کے بتائے کہ ثمینہ کی اصلیت اچھی طرح معلوم ہوئی کہ نہیں۔

اب شام ہو چکی تھی۔ وہ شدت سے ٹیلی فون کا انتظار کر رہی تھی اور فون نہیں آ رہا تھا۔ بات تھی کہ پیٹ کے اندر پھٹنے ہی والی تھی۔ عجیب طرح کی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ دماغ کہہ رہا تھا کہ جب تک وہ کسی سے یہ بات نہیں بولے گی اس وقت تک اسے سکون نہیں آئے گا اور وہ بیمار ہو جائے گی۔ پیٹ پھٹ پڑے گا یا پھر اس کا دم نکل جائے گا۔

بار بار اس کے دل میں یہی بات آ رہی تھی کہ اپنے شوہر سے کہنا چاہئے۔ شام کے چھ بج رہے تھے اور نفاست علی بھی اب تک گھر نہیں لوٹا تھا۔ ویسے مراد نے یہ بھی سختی سے کہا تھا کہ ڈیڈی سے بھی اس سلسلے میں بات نہ کی جائے۔ پہلے بات کہنے کی ٹھوس وجوہات پیدا کر لی جائیں۔

وہ غصے سے سوچ رہی تھی کہ مراد نے خواہ مخواہ باپ سے بات کرنے کو منع کیا ہے۔ آخر وہ اس کا باپ ہے' میرا مجازی خدا ہے۔ ہم آپس میں ایک دوسرے سے رازداری کی باتیں کرتے ہیں۔ اگر یہ بات بھی ہو جائے گی تو کیا قیامت آ جائے گی؟

وہ ٹیلی فون کی طرف دیکھنے لگی۔ دل کہہ رہا تھا کہ ریسیور اٹھائے اور نمبر ڈائل کر کے نفاست علی سے باتیں کرے اور خوب نمک مرچ لگا کر سدرہ کے بارے میں انکشاف کرے کہ وہ کس بازار سے اس شریف گھرانے میں آئی ہے اور یہ بات ان سب سے چھپائی جا رہی ہے۔

یہ بہت بڑا دھماکہ ہونے والا تھا اور کبریٰ دھماکہ کئے بغیر سکون سے رہ نہیں سکتی تھی۔ وہ ٹیلی فون کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ریسیور کو ایک ہاتھ سے اٹھا کر نمبر ڈائل کرنا چاہتی تھی پھر رک گئی۔ سوچنے لگی۔ "سدرہ کا جادو تو نفاست کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ ایسے

[illegible] وہ اپنی بیوی کی بات کا یقین کرے گا؟ جب کہ یہ بات کوئی معمولی نہیں تھی۔ ناقابل یقین تھی اور یقین دلانے کے لئے ٹھوس ثبوت ضروری تھے اور اس کا انتظار کرنا بھی ضروری ہو گیا تھا۔

اس نے جھنجلا کر ریسیور رکھ دیا تھا۔ پھر اٹھ کر اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگی۔ غصے سے پاؤں پٹخنے لگی۔ اس بات کی نکاسی کا کوئی راستہ نہیں نکل رہا تھا اور پیٹ تھا کہ پھولا جا رہا تھا۔ پھر ایک بات دماغ میں آئی کہ عبادت علی کے کانوں تک سدرہ کی اصلیت پہنچ چکی ہے۔ کوئی شخص آ کر عبادت علی سے یہ بات کہہ چکا ہے۔ اگرچہ دادا نے اپنی پوتی کے خلاف اس بات کو تسلیم نہیں کیا اور اس شخص کو ذلیل کر کے وہاں سے نکال دیا لیکن یہ بات تو دادا کے کانوں میں پڑ چکی ہے۔ اس بات کو کچھ اور پکایا جا سکتا ہے۔ گھما پھرا کر کوئی ایسی بات کی جا سکتی ہے کہ جس کے نتیجے میں عبادت علی اپنے طور پر تحقیقات کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

جب ثمینہ کے بارے میں ہر طرف سے چھان بین ہو گی تو پھر کہیں نہ کہیں سے اس کی اصلیت سامنے آ ہی جائے گی۔

وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ اس سلسلے میں عبادت علی کو چھان بین پر اکسا سکتی تھی۔ اسی وقت اسے اپنے بیڈ روم سے فون کی گھنٹی سنائی دی۔ وہ چلتے چلتے رک گئی۔ پھر پلٹ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئی۔ فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو دوسری طرف سے نفاست علی کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو کبریٰ!"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "آپ کی عمر بہت لمبی ہے۔ میں ابھی آپ کو ہی یاد کر رہی تھی۔ آپ سے بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔ آپ کتنی دیر میں آ رہے ہیں؟"

"مجھے آنے میں دیر ہو گی۔ میں ایک جگہ بہت مصروف ہوں۔"

"پلیز .... جلدی آئیں' اس گھر میں کیا ہو رہا ہے' آپ نہیں جانتے۔ میں آپ سے بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

نفاست نے سخت لہجے میں کہا۔ "کبریٰ! میں جانتا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ اس سے پہلے میں تمہیں سختی سے منع کر رہا ہوں کہ ثمینہ کے سلسلے میں کوئی بات ابا جان یا کسی اور سے نہ کہنا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ثمینہ لاہور کی ہیرا منڈی..........."

دوسری طرف سے وہ گرج کر بولا۔ "شٹ اپ .... خبردار .... اس سے آگے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ ورنہ میں گھر آکر تمہاری زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔"

وہ پہلے تو سہم گئی' پھر بولی۔ "یہ تو وہی بات ہوئی کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ آپ نے اسے بیٹی بنایا ہے اور یہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ وہ بیٹی یہاں کتنی گندگی اچھالنے آئی ہے؟"

نفاست علی نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "میں تم سے آخری بار پوچھ رہا ہوں کہ تم اپنی زبان بند رکھو گی یا نہیں؟"

وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "ٹھیک ہے .... میں آپ کے آنے تک زبان بند رکھوں گی۔ آپ آئیں اور مجھ سے بات کریں' آج میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کروں گی۔"

اس نے یہ کہہ کر ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ ابھی وہ عبادت علی کو اس سلسلے میں بھڑکانے جا رہی تھی لیکن نفاست علی نے اس کا راستہ روک دیا تھا۔ اب پھر پیٹ پھولنے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' کیا کرے؟ کس طرح پیٹ ہلکا کرے؟

وہ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر چلی آئی۔ نیچے جھانک کر دیکھا' ڈرائنگ روم میں ملازم ببن ایک پلیٹ اٹھائے جا رہا تھا۔ کبریٰ کے دل نے کہا۔ "ملازم کے سامنے تھوڑا بہت بول لینا چاہئے۔ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ گھر کا ملازم ہے' گھر کا بھیدی ہے' لنکا نہیں ڈھائے گا۔ بلکہ اپنی نوکری کے خیال سے ڈرا سہا رہے گا۔ کسی سے کچھ نہیں بولے گا۔ اتنا تو ہو گا کہ اس سے کچھ کہنے کے بعد پیٹ ذرا ہلکا ہو جائے گا۔"

وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی پھر وہاں سے چلتی ہوئی کچن کے پاس پہنچی تو ببن وہاں نہیں تھا۔ اس نے کوٹھی کے دوسرے حصوں میں اسے تلاش کیا لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ بڑبڑانے لگی۔ "پتہ نہیں یہ کم بخت کہاں مر گیا ہے؟ ابھی تو زندہ دکھائی دے رہا تھا۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی ایک کوریڈور سے گزرنے لگی۔ پھر فہمی کے کمرے کے سامنے رک گئی۔ خوش ہو کر سوچنے لگی۔ "اس گونگی کے سامنے بولوں گی تو یہ چپ چاپ سنتی رہے گی۔ اس طرح میرا پیٹ ہلکا ہو جائے گا۔"

وہ دروازہ کھول کر اندر آئی تو کمرہ خالی تھا۔ اس نے ناگواری سے منہ بسور کر زیر لب کہا۔ "میری تو قسمت ہی خراب ہے۔ اب نہ جانے یہ گونگی بھی کہاں مر گئی ہے؟"

دوسری طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اس دروازے سے باہر آئی۔ دور باغیچے میں فہمی نظر آئی۔ وہ خوش ہو کر تیزی سے چلتی ہوئی اس کے قریب جانے لگی۔ فہمی نے اسے دیکھا تو وہ اس سے کترا کر دوسری طرف جانے لگی۔ وہ اسے پسند نہیں کرتی تھی اور اس سے دور دور رہنے کی کوشش کرتی تھی۔

کبریٰ نے آواز دی۔ "اے بیٹی! کہاں جا رہی ہو؟ میں پوری کوٹھی میں تمہیں تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔ تمہاری محبت میں بھٹک رہی ہوں۔ میری بات تو سنو۔"

نہ وہ بول سکتی تھی' نہ سن سکتی تھی۔ کبریٰ ہی دوڑتی ہوئی آ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ تب فہمی نے رک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بڑے رازدارانہ انداز میں بولی۔ "تم نے سدرہ کے بارے میں کچھ سنا ہے؟"

پھر وہ ذرا ٹھٹک کر بولی۔ "اے لو .... تم کیسے سنو گی؟ تم تو نہ بول سکتی ہو' نہ سن سکتی ہو۔ مگر سمجھ تو سکتی ہو۔ اس لئے میں تمہیں سمجھانے آئی ہوں۔"

فہمی برسوں سے اس کوٹھی میں اس کے ساتھ رہتی آئی تھی لیکن کبریٰ نے کبھی اشاروں کی زبان نہیں سیکھی تھی کیونکہ وہ اس سے بولنا نہیں چاہتی تھی۔ فہمی اسے زہر لگتی تھی لیکن آج اسے بہت سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اسے کسی بھی طرح اشاروں کی زبان آ جائے اور وہ اسے اپنی بات سمجھا دے۔ لہٰذا وہ الٹے سیدھے ہاتھ ہلا کر اشاروں کے ذریعہ فہمی سے کہنے لگی۔ "وہ جو سدرہ ہے نا .... وہی جو تمہارے نانا جان کی پوتی ہے' سجاد کے ساتھ آئی ہے۔ وہ دراصل لاہور کی ہیرا منڈی میں رہتی تھی۔"

فہمی کچھ نہیں سمجھ رہی تھی۔ دیدے پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بولی۔ "یہ لو' تم کیا سمجھو گی کہ ہیرا منڈی کیا ہوتی ہے؟ تم تو یہی سمجھو گی کہ وہاں ہیروں کا کاروبار ہوتا ہے۔ ارے پگلی! ہیروں کا نہیں وہاں ہیروں جیسی لڑکیوں کا کاروبار ہوتا ہے۔ بڑی چٹک مٹک والی عورتیں ہوتی ہیں۔"

وہ بولتے وقت خود چٹکنے مٹکنے لگی۔ فہمی نے ایک تتلی کو اڑتے دیکھا تو وہ اس کے پیچھے جانے لگی۔ کبریٰ بھی اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہنے لگی۔ "وہاں مردوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ عورتوں کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ جیسے تم تتلی کے پیچھے بھاگ رہی ہو ناں' وہ بھی اسی طرح ان حسین تتلیوں کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ سدرہ وہیں سے آئی ہے۔"

فہمی تتلی کے پیچھے بھاگ رہی تھی اور وہ فہمی کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ پھر ایک

جگہ رک کر ہانپتے ہوئے بولی۔ "ایک جگہ رک تو جاؤ۔ سدرہ کے بارے میں سن تو لو۔ میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ میرے حال پر رحم کرو۔"

وہ نہ سن رہی تھی، نہ سمجھ رہی تھی اور نہ اسے کبریٰ کی کسی بات سے دلچسپی تھی۔ وہ تتلی کے پیچھے بھاگتی ہوئی دور چلی گئی۔ کبریٰ ناگواری سے زیرِ لب بڑبڑانے لگی۔ اسے برا بھلا کہنے لگی۔ پھر تھکے ہوئے انداز میں کوٹھی کے اندر جانے لگی۔

وہ دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ اچانک ہی ایک دیوار کے پاس رک گئی۔ دنیا والوں کی یہ بات یاد آئی کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ وہ سوچنے لگی۔ "جب دیواروں کے کان ہوتے ہیں تو یہ میری باتیں بھی سن سکتی ہیں۔"

اس نے کچھ سوچ کر اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر رکھ دیئے۔ پھر دیوار کو دونوں ہتھیلیوں سے سہلاتے ہوئے کہنے لگی۔ "میری سہیلیو! تم میرے گھر کی چاردیواری ہو۔ ہمارا ہر راز تمہارے اندر چھپا رہتا ہے۔ ہم بولتے ہیں تو تم ہماری آواز باہر نہیں جانے دیتیں۔ اسے اپنی ہی حد تک چھپائے رکھتی ہو۔ ابھی میں تمہیں ایک راز کی بات بتاتی ہوں۔ یہ راز تم اس گھر کے مالک و مختار سے بھی نہ کہنا۔ وہ جو اس گھر کے مالک ہیں ان سے تو سب ہی یہاں کے بچے بوڑھے جھوٹ بولتے رہتے ہیں اور انہیں دھوکا دیتے رہتے ہیں اور وہ ہیں کہ سرپرست اور اَن داتا بننے کے غرور میں دھوکا کھاتے رہتے ہیں۔"

عبادت علی چلتے چلتے ٹھٹک گئے، رک کر دیوار کی طرف دیکھنے لگے۔ دوسری طرف سے کبریٰ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ دیوار کے قریب آ کر غور سے سننے لگے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "وہ جو سدرہ ہے، وہ دراصل سدرہ نہیں ہے۔ وہ دراصل میری سوکن کی بیٹی ثمینہ ہے۔ سجاد اور ثمینہ یہاں آ کر سازشیں کر رہے ہیں۔ سجاد نے اسے سدرہ بنا کر ابا جان کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ وہ اس کے حصے کی بھی دولت اور جائیداد حاصل کر سکے۔"

عبادت علی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔ وہ غصے سے یہ باتیں سن رہے تھے۔ ادھر وہ کہہ رہی تھی۔ "مجھے تو یہ شبہ ہے کہ میرے میاں بھی سدرہ اور سجاد کی سازشوں میں شریک ہیں۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو سدرہ بنا کر سجاد کے حوالے کیا اور وہ اسے لے کر یہاں چلا آیا ہے۔"

اس کی آواز عبادت علی کے کانوں میں پہنچ رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "یہ دھوکا تو دیا ہی جا رہا ہے لیکن ابا جان کو ایک اس سے بھی بڑا دھوکا دیا جا رہا ہے۔"

عبادت علی چونک کر توجہ سے سننے لگے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میرے میاں نے میری سوکن کی بیٹی کی پرورش صحیح ماحول میں نہیں کی تھی۔ وہ ثمینہ گھر سے بھاگ گئی تھی اور ہاتھ سے بے ہاتھ ہو گئی تھی۔ لاہور کی ہیرا منڈی میں رہتی تھی۔"

عبادت علی غصے سے لرز رہے تھے۔ ان کے کانوں تک کبریٰ کی آواز پہنچ رہی تھی۔ "توبہ توبہ .... اتنے بڑے اعلیٰ اور شریف خاندان کا سرپرست اور اس سے ایسا دھوکا۔ فراڈ کرنے والوں کو معلوم تھا کہ اگر اسے ثمینہ کے نام سے لایا جائے گا تو ابا جان کبھی اسے قبول نہیں کریں گے۔ اس لئے اُسے ان کی سگی پوتی سدرہ بنا کر لایا گیا۔ گویا ایک بازاری عورت کو سید عبادت علی شاہ کی پوتی بنا کر انہیں مسلسل دھوکا دیا جا رہا ہے۔ جس دن یہ بھید کھلے گا، اسی دن عبادت علی شاہ کی عزت، وقار اور شان و شوکت کی دھجیاں اڑ جائیں گی۔"

عبادت علی نے حلق پھاڑ کر گرجتے ہوئے کہا۔ "بہو بیگم!"

دیوار کے دوسری طرف کبریٰ ایک دم سے چونک کر اچھل پڑی۔ ایسا لگا جیسے عبادت علی شاہ اس کے سر پر سوار ہو گئے ہیں۔ اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا تو وہ دیوار کی دوسری طرف سے آ رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھتے ہی پلٹ کر بھاگنے لگی۔ وہ گرج کر بولے۔ "رک جاؤ۔"

وہ دوڑتے دوڑتے لڑکھڑائی لیکن گرتے گرتے سنبھل گئی۔ دیوار کا سہارا لے کر ہانپنے لگی۔ اس میں اتنی جرأت نہیں ہو رہی تھی کہ سر گھما کر آنے والے سسر صاحب کو دیکھتی۔ انہوں نے قریب آ کر پوچھا۔ "تم ابھی کیا بول رہی تھی؟"

وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی۔ انہوں نے تیز آواز میں ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "ہم کچھ پوچھ رہے ہیں .... جواب دو۔"

وہ خوف کے مارے جلدی جلدی بولنے لگی۔ "میں .... میں کچھ نہیں جانتی۔ ہاں .... ہاں میں جانتی ہوں مگر وہ جانتی ہوں جو آپ نہیں جانتے اور جو آپ نہیں جانتے وہ میں جانتی ہوں۔ مگر میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میں نے اور اپنے بیٹے مراد کو لاہور بھیجا ہے۔ وہ وہاں پہنچ کر تحقیقات کرے گا۔ معلوم کرے گا کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ ہے؟ اس کے بعد وہ آ کر جو کچھ بتائے گا اسے سن کر آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی، میری بھی آنکھیں کھل جائیں گی، ہم سب کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ آنکھیں بند رکھنے سے باہر والوں سے زیادہ گھر والے دھوکا دیتے ہیں اور جب گھر والے دھوکا دیتے

ہیں تو گھر والوں کو پتہ نہیں چلتا کہ کون دھوکا دے رہا ہے؟ میں بھی دھوکا کھا رہی ہوں' آپ بھی دھوکا کھا رہے ہیں۔ ہم سب دھوکا کھا رہے ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں سے آئی ہے؟ مگر آپ سے جو ملنے آیا تھا' وہ کہہ رہا تھا کہ بازار سے آئی ہے۔ اب مراد حقیقت معلوم کرنے گیا ہے' اگر وہ اس کے خلاف ثبوت نہ لا سکا' یہ ثابت نہ کر سکا کہ وہ بازاری ہے تو میرا کیا حشر ہو گا؟ میرا کیا انجام ہو گا؟ مجھے تو آپ کھڑے کھڑے اس گھر سے نکال دیں گے۔"

وہ یہ کہتے ہی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اس کا پیٹ ہلکا ہو چکا تھا لیکن اب سر گھوم رہا تھا۔

☆======☆======☆

نفاست اپنی میز پر جھکا ایک فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ فون کی گھنٹی کی آواز سن کر اس نے ریسیور اٹھایا۔ اسے کان سے لگایا تو دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ "میں سجاد بول رہا ہوں۔"

"ہاں .... بیٹے! بول' کیا بات ہے؟"

"میں ثمینہ کے سلسلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

نفاست نے ذرا توقف کے بعد کہا۔ "میں بھی اس سلسلے میں تم سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اچھا ہی ہے کہ پہلے تم کہہ دو۔"

اس نے کہا۔ "آپ کو ایک باپ کی حیثیت سے اس کی زندگی کا ایک بہت بڑا فیصلہ کرنا ہے۔"

"کیسا فیصلہ؟ کھل کر بولو۔"

"چچا جان! ایک بہت بڑے زمیندار ہیں' ان کا نام جمشید رانا ہے۔ وہ ہم سے ثمینہ کا ہاتھ مانگنے کے لئے کل شام کو دادا جان کے پاس آنا چاہتے ہیں۔ میں جمشید رانا سے مل چکا ہوں۔ وہ ایک اچھے سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ آپ بھی ان سے مل کر خوش ہوں گے۔"

"بیٹے! تم تو جانتے ہو' ہمارے خوش ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ سارا دار و مدار ابا جان پر ہے۔ پتہ نہیں' وہ اسے پسند کریں گے یا نہیں؟"

"یہ کوشش آپ کو کرنا ہو گی۔ آپ انہیں کسی طرح بھی راضی کریں تاکہ ہم جلد سے جلد ثمینہ کو دلہن بنا کر رخصت کر سکیں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "ہاں .... یہ تو میں بھی چاہتا ہوں کہ ثمینہ کو ہمارے گھر سے رخصت ہو جانا چاہئے۔ تم نے اس کا ماضی مجھے تفصیل سے نہیں بتایا تھا لیکن اب مجھے معلوم ہو گیا اور میں بہت خوفزدہ ہوں کہ آئندہ نہ جانے کیا ہونے والا ہے۔"

"جب آپ کو معلوم ہو چکا ہے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ میں آپ سے یہ باتیں کیوں

چھپا رہا تھا؟ ایسی باتیں بزرگوں کے سامنے نہیں کہی جاتیں۔"

"میں تمہاری مجبوریاں سمجھتا ہوں۔ تم واقعی ایک بڑے بھائی کا فرض ادا کر رہے ہو۔ سگی بہن کی طرح اسے تحفظ دیتے آ رہے ہو۔ یہاں اسے عزت اور نیک نامی کے ساتھ لائے اور اب عزت سے اسے رخصت کرنا چاہتے ہو۔ میں ابا جان کو اس رشتے کے لئے راضی کرنے کی کوشش کروں گا۔ ابھی گھر جا رہا ہوں۔ وہاں جا کر ان سے اس سلسلے میں بات کروں گا۔ اچھا.......... اب فون بند کر رہا ہوں' پھر بات ہو گی۔"

اس نے ریسیور رکھ کر رابطہ ختم کر دیا۔ پھر فائل بند کر کے اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بریف کیس اٹھا کر جانا چاہتا تھا لیکن فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔ اس نے سی ایل آئی پر نمبر پڑھا پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو۔"

دوسری طرف سے کبریٰ کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ جیسے رو رہی تھی۔

"غضب ہو گیا ہے' یہاں ابا جان کو سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا معلوم ہو گیا ہے؟"

"وہی .... جو آپ کہہ رہے تھے کہ انہیں معلوم نہیں ہونا چاہئے۔ میں قسم کھاتی ہوں' میں نے ان سے کچھ نہیں کہا ہے۔ میں تو دیوار سے باتیں کر رہی تھی۔"

"یہ کیا بکواس کر رہی ہو؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ صاف صاف بولو' کیا بات ہے؟"

"میں کیا بتاؤں؟ میری تو خود سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے کہ میں دیوار سے لگ کر کیا کیا بولتی رہی اور آپ کے ابا جان کیا کیا سنتے رہے؟ مگر وہ بہت غصے میں ہیں۔ میں تو بھاگ کر چلی آئی ہوں لیکن وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"میں جانتا تھا' تم ضرور میرے لئے کوئی مصیبت کھڑی کرو گی۔ کتنی سختی سے سمجھایا تھا کہ اپنا منہ بند رکھنا لیکن تم تو پیدائشی بھانڈ ہو' بولتی چلی جاتی ہو' سامنے کوئی سننے والا نہیں ہو تو دیواروں سے بولنے لگتی ہو .... نان سنس۔"

اس نے جھنجلا کر ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ پھر بریف کیس اٹھا کر اپنے دفتر کمرے سے باہر آیا۔ تیزی سے چلتا ہوا عمارت سے باہر آ کر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ وہ بڑی سہولت سے ثمینہ کے رشتے کی بات کرنا چاہتا تھا اور جلد سے جلد اسے رخصت کر کے اس گھر سے دور کر دینا چاہتا تھا تاکہ بدنامی یہاں تک نہ پہنچ سکے لیکن کبریٰ کام بگاڑ رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ عبادت علی کو سہولت سے سمجھاتا وہ طیش میں آ چکے تھے۔ اب نہ جان کیا ہونے والا تھا؟

وہ تیزی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا' پھر اس کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ مراد تو اپنا ہمراز ہے۔ وہ لاہور سے ملنے والی معلومات کے سلسلے میں یہاں آ کر کچھ نہیں بتائے گا۔ ثمینہ کی عزت رکھے گا۔ لہٰذا اگر ابا جان نے کبریٰ کی زبان سے کچھ سنا ہے تو وہ غلط ثابت ہو گا۔ مجھے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔

اس نے کوٹھی کے احاطے میں پہنچ کر کار روک دی۔ پھر کار سے اتر کر چلتا ہوا کوٹھی کے بیرونی دروازے سے اندر آیا تو عبادت علی غصے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہے تھے۔ اسے دیکھ کر رک گئے۔ تھوڑی دیر تک اسے گھورتے رہے وہ ذرا ہچکچاتا ہوا آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "ابا جان! ابھی کبریٰ نے مجھے فون پر بتایا ہے کہ اس نے کچھ الٹی سیدھی باتیں کی ہیں جن کی وجہ سے آپ ناراض ہو رہے ہیں۔"

وہ غصے سے بولے۔ "باتیں الٹی سیدھی نہیں ہوتیں۔ یا تو الٹی ہوتی ہیں' یا پھر سیدھی ہوتی ہیں۔ اگر اس نے الٹی باتیں کی ہیں تو کیا اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ اپنی بیوی کو پاگل خانے کیوں نہیں بھیج دیتے؟ اور اگر اس نے سیدھی باتیں کی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم باپ' بیٹے' بیٹیاں سب مل کر ہمیں اب تک دھوکا دیتے آ رہے ہو۔ جھوٹ بولتے رہے ہو' فریب دیتے رہے ہو اور ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتے آ رہے ہو۔"

"پلیز ابا جان! آپ غصہ نہ کریں۔ آرام سے بیٹھ جائیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ بھی سنا ہے' وہ غلط ہے۔"

"کیا سجاد کے ساتھ جو یہاں ہماری پوتی بن کر آئی ہے' وہ سدرہ ہے؟ دیکھو سچ بولنا .... جھوٹ نہ بولنا ورنہ ہم سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

"میں آپ سے سچ بول رہا ہوں۔ وہ سدرہ ہی ہے' آپ کو شبہ کیوں ہو رہا ہے؟"

"وہ تمہاری دوسری بیوی کی بیٹی ثمینہ ہے۔"

"ابا جان! آپ خود سوچیں کہ ثمینہ مر چکی تھی۔ میں اس کی لاش لینے کے لئے تھانے گیا تھا۔ پھر پوسٹ مارٹم ہوا تھا۔ ہسپتال سے لا کر اس کی تدفین کی گئی تھی۔ یہ ساری باتیں آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"ہم اس لئے جانتے ہیں کہ تم نے ہمیں جیسے بتایا' ہم نے ویسے ہی سنا اور یقین کر

لیا۔ ہم خود اس کی لاش کو دیکھنے کے لئے وہاں نہیں گئے تھے۔ تم اب سے پہلے بھی ہمیں دھوکا دے چکے ہو۔ اس بار بھی تم نے ہمیں دھوکا دیا ہو گا۔ اپنی بیٹی ثمینہ کو کہیں چھپا دیا ہو گا۔ بعد میں سجاد اسے اپنی بہن سدرہ بنا کر یہاں لے آیا ہے۔ تم سب نہ جانے کیسی کیسی ہیرا پھیری کر رہے ہو؟ ہمیں بے وقوف بنا رہے ہو اور ہم ہیں کہ تم لوگوں پر اندھا اعتماد کر کے بے وقوف بنتے جا رہے ہیں۔"

"ابا جان! کبریٰ کے دماغ میں تو خناس بھرا ہوا ہے۔ آپ خواہ مخواہ اس کی باتوں کا یقین کر رہے ہیں۔ کیا ثبوت ہے کہ میں نے ایسا کیا ہے؟"

"کبریٰ اتنی بڑی بات کہہ رہی ہے' ہمارے سامنے کوئی ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ وہ ہمارا ایک بچپن کا دوست یہاں آیا تھا۔ پہلے اس نے تہمت لگائی کہ اس نے سدرہ کو کوٹھے میں مجرا کرنے والیوں کے ساتھ دیکھا ہے۔ یہ اتنی بڑی شرمناک بات تھی کہ ہم نے اسے جھوٹا اور فریبی کہہ کر بھگا دیا لیکن اب اپنی بہو کو ہم کیسے جھوٹی کہیں؟ کیا وہ ہمیں خواہ مخواہ الجھا رہی ہے؟ یا تم دھوکا کر رہے ہو؟"

"میں دھوکا نہیں دے رہا ہوں۔ وہ محض حسد جلن کے باعث ایسی باتیں کر رہی ہے۔ نہ جانے اس کے دماغ میں یہ بات کیسے سما گئی ہے کہ سدرہ میری بیٹی ثمینہ ہے۔ اس کی سوکن کی بیٹی ہے۔ اس لئے وہ اسے برداشت نہیں کر رہی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ عورت جب حسد کی آگ میں جلتی ہے تو پھر پورے گھر کو جلا دیتی ہے اور کبریٰ یہی کر رہی ہے۔"

انہوں نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔ پھر ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ وہ حسد جلن کے باعث ایسا کہہ رہی ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس کا منہ بند کرو۔ اگر اس نے آئندہ ایسی باتیں کیں تو ہم اسے اس گھر میں نہیں رہنے دیں گے۔ اس سے تمام رشتے توڑ لیں گے۔ جاؤ .... اور جا کر اسے سمجھاؤ۔"

"آپ اطمینان رکھیں' میں یقین دلاتا ہوں آئندہ کبریٰ کی زبان سے ایسی کوئی بات نہیں نکلے گی۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ کبریٰ کمرے کے اندر سہمی ہوئی سی بیٹھی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ کھلے ہوئے دروازے پر نفاست کھڑا ہوا تھا اور اسے گھور کر دیکھ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھنے لگا تو یہ ایک

طرف پیچھے جاتے ہوئے بولی۔ "دیکھیں .... میری طرف نہ بڑھیں۔ آپ مجھے غصہ دکھانے سے پہلے میری بات سن لیں۔ اگر آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔ اپنے بچوں کو لے کر اس گھر سے چلی جاؤں گی۔"

"جاؤ .... ابھی یہاں سے چلی جاؤ اور اس خوش فہمی کو دل سے نکال دو کہ تمہارا کوئی بچہ تمہارے ساتھ جائے گا۔ کوئی تم پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گا۔"

"میں نے ایسا بھی کیا کیا ہے؟ جو آپ تھوکنے کی باتیں کر رہے ہیں۔"

"میں نے تمہیں سختی سے منع کیا تھا کہ تم ابا جان سے کچھ نہیں کہو گی۔"

"میں اپنے بچوں کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے جان بوجھ کر یہ تمام باتیں ابا جان کے سامنے نہیں کی ہیں۔ وہ دیوار کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"تم نے جان بوجھ کر' دیوار سے لگ کر بلند آواز میں یہ تمام باتیں کی ہیں تاکہ ابا جان سن لیں۔"

"میں پھر قسم کھانے کو تیار ہوں کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہے؟ بس .... اتفاق سے ایسا ہو گیا۔"

وہ بے بسی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "کبریٰ! تمہارا کوئی علاج نہیں ہے۔ میں اس عمر میں تمہیں طلاق بھی نہیں دے سکتا۔ جوان بچے اسے برداشت نہیں کریں گے کہ تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکالا جائے۔ تم مجھے ایک بات کا جواب دو۔"

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا تم یہ چاہتی ہو کہ ابا جان زیبی کو اس گھر سے نکال دیں؟"

"یہ کیسا سوال ہے؟ میں کیوں چاہوں گی کہ میری بیٹی کو گھر سے نکالا جائے۔"

"جب تم سدرہ کو ذلیل کر کے یہاں سے نکالو گی تو کیا وہ پلٹ کر تم پر پتھر نہیں پھینکے گی؟ تمہاری زیبی کے بارے میں ابا جان کو یہ نہیں بتائے گی کہ اس نے چھپ کر شادی کی ہے اور اب ماں بننے والی ہے؟"

"ہم صاف کہہ دیں گے کہ سدرہ اور سجاد جھوٹ بول رہے ہیں' الزام لگا رہے ہیں۔ ہماری زیبی نے کچھ نہیں کیا ہے۔"

"کیا گھاس کھا گئی ہو؟ کیا وہ لوگ پھر سے زیبی کا میڈیکل چیک اپ نہیں کرائیں گے؟ فراز کو یہاں لا کر نکاح نامہ پیش نہیں کریں گے؟ پہلے تو اس نے خفیہ شادی کر کے

اپنے دادا جان کو دھوکا دیا اور اب ماں بن رہی ہے تو اس دوران بھی اس نے بار بار لیڈی ڈاکٹرز کے ذریعہ انہیں دھوکے دیئے ہیں۔ کیا یہ تمام باتیں‘ تمام حقائق تم ان سے چھپا سکو گی؟“

وہ بے بسی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ میں آپ کی اس بیٹی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اچھی طرح جانتی ہوں وہ سدرہ نہیں ہے‘ ثمینہ ہے۔ آپ مجھ سے چھپا رہے ہیں۔ مجھے دھوکا دے رہے ہیں۔ میں یہ دھوکا برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے میں نے آگے پیچھے کچھ نہیں سوچا۔ پھر بھی یہ میری شرافت ہے کہ میں نے ابا جان کو براہِ راست کچھ نہیں کہا۔ انہوں نے دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر سن لیا تھا۔ میں اب سدرہ اور سجاد کے خلاف کچھ نہیں بولوں گی۔“

”اگر تم اپنی زیبی کی بہتری چاہتی ہو تو اب خاموش رہو۔ اپنی زبان بند رکھو ورنہ تم اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے پیروں پر کلہاڑی مار لو گی۔“

اس نے خاموشی سے سر کو جھکا لیا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے اپنا کمزور پہلو نہیں دیکھا تھا اور دوسرے کو پتھر مار رہی تھی۔ اب اپنی بیٹی کی خاطر اسے زبان بند رکھنی تھی‘ اب وہ مجبور ہو گئی تھی۔

☆======☆======☆

جمشید رانا صبح دس بجے ہی اس ہوٹل کی وزیٹرز لابی میں پہنچ گیا تھا اور ثمینہ کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک صوفے پر بیٹھا تصور میں کھویا ہوا تھا۔ اسے دیکھ رہا تھا کہ اسے مجرا کرنے والیوں کے ساتھ دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

وہ دوسروں سے اور اس ماحول سے بالکل الگ دکھائی دے رہی تھی۔ کچھ گھبرائی ہوئی تھی‘ شرمائی ہوئی تھی۔ بلقیس بائی نے بتایا کہ یہ نئی آئی ہے۔ نہ ناچنا جانتی ہے‘ نہ گانا جانتی ہے۔ اس لئے اسے صرف نمائش کے لئے بٹھایا گیا ہے۔

جمشید رانا نے جب اس سے باتیں کیں تو وہ گفتگو کے دوران میں بڑی محتاط رہی اور اس سے کتراتی رہی۔ بلقیس بائی نے موقع دیا تھا کہ جمشید رانا اس کا گرویدہ ہو جائے اور اچھے دام دے کر اسے یہاں سے لے جائے لیکن وہ اس سے کتراتی رہی تھی۔ اس کے بدترین حالات نے اسے اس قدر زخمی کر دیا تھا کہ وہ کسی مرد پر بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے وہ اس سے دور دور رہی۔

جب وہ ایک دن بلقیس بائی کے کوٹھے پر گیا تو وہ نظر نہیں آئی اسے بتایا گیا کہ کوئی

سر پھرا آیا تھا اور اسے اپنی بہن بنا کر لے گیا ہے۔ یہ بڑی حیرانی کی بات تھی کہ اس دنیا میں ایسے سر پھرے بھی ہوتے ہیں جو بازارِ حُسن سے ہیرے جیسی عورت کو بہن بنا کر لے جاتے ہیں۔

وہ اس فرشتہ صفت سجاد کو بھی دیکھ چکا تھا۔ اس کے خاندان والوں سے مل چکا تھا۔ سب ہی بھلے مانس تھے‘ تعلیم یافتہ تھے۔ اس نے پہلے ہی یہ اندازہ کیا تھا کہ وہ لڑکی جو سہمی ہوئی سی کوٹھے پر بیٹھی تھی کسی شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ کل اس نے وہ شریف گھرانہ بھی دیکھ لیا تھا اور مطمئن ہو گیا تھا کہ اس کا انتخاب غلط نہیں ہے۔ ثمینہ اس کی بہترین شریک حیات ثابت ہو گی۔

اچانک کسی کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس کے سامنے ملک حیات مرزا کھڑا ہوا تھا۔ اس سے کہہ رہا تھا۔ ”رانا صاحب! آپ ادر یہاں .... لاہور سے کب آئے؟“

وہ قریب آ کر بیٹھ گیا۔ جمشید نے اسے ناگواری سے دیکھا۔ وہ اس کا پرانا شناسا تھا لیکن اس وقت وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ ثمینہ آنے والی تھی۔ ایسے وقت کسی کی دوستی اور شناسائی گراں گزر رہی تھی۔

وہ بولا۔ ”میں کل ہی آیا ہوں اور آج رات تک چلا جاؤں گا۔“

”بھئی .... اتنی جلدی چلے جائیں گے؟ کیا یہاں کوئی دل لگانے والی نہیں ملی؟“

یہ کہہ کر وہ خود ہی ہنسنے لگا پھر بولا۔ ”میں یہاں ذرا موج مستی کے لئے آیا تھا مگر جو بات لاہور میں ہے وہ کراچی میں نہیں ہے۔ وہاں کیسے کیسے چمکتے دمکتے چہرے دکھائی دیتے ہیں؟ دیکھ کر دل مچلتا ہے۔“

جمشید رانا نے کہا۔ ”پھر تو تمہیں فوراً ہی یہاں سے چلے جانا چاہئے۔ تم یہاں رہ کر کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو؟“

”کچھ کاروباری مصروفیات ہیں۔ ورنہ میں تو یہاں سے فوراً ہی بھاگ جاتا۔ آپ سنائیں .... یہاں کیا کر رہے ہیں؟ ارے ہاں .... اس ہیرے کا کیا ہوا؟ جس کے پیچھے آپ پڑے ہوئے تھے اور حاصل نہیں کر پا رہے تھے۔“

اس نے پوچھا۔ ”کس کی بات کر رہے ہو؟“

”ارے وہی‘ جو بہت شریف زادی بن رہی تھی۔ مجرا کرنے والیوں کے درمیان سر جھکا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ بات بھی نہیں کر رہی تھی۔ بلقیس بائی کے کوٹھے والی کی بات کر رہا

ہوں۔"

وہ ثمینہ کے موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ "چھوڑو' اس کی باتیں .... کوئی دوسری بات کرو۔"

"اس کی بات تو میں نے بھی چھوڑ دی تھی۔ مایوس ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں کم بخت کدھر چلی گئی تھی لیکن اچانک ہی نظر آ گئی۔ کیا بتاؤں' کیا چیز ہو گئی ہے؟ پہلے سے بھی زیادہ قیامت ہو گئی ہے۔"

وہ پہلو بدل کر جمشید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ عبادت ٹیکسٹائل ملز کے مالک کی پوتی ہو گی۔ وہ لوگ تو ارب پتی ہیں لیکن میں ان کی دولت' شہرت اور نیک نامی کی دھجیاں اڑا دوں گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "تمہیں اس سے کیا دشمنی ہے؟"

"اجی آپ دشمنی کی پوچھ رہے ہیں؟ وہ کم بخت عبادت علی میرا بچپن کا دوست تھا۔ میں اس سے ملنے گیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اس کی پوتی ہے۔ میں نے تو کہہ دیا کہ یہ تو ہیرا منڈی کی رہنے والی ہے۔ بس .... وہ طیش میں آ گیا۔ اس نے مجھے برا بھلا کہہ کر اپنی کوٹھی سے نکال دیا۔ کیا میں گیا گزرا ہوں؟ اگر وہ ارب پتی ہے تو کیا ہوا' میں کروڑ پتی ہوں۔ اس سے کچھ کم ہوں مگر اسے دھکے دے سکتا ہوں اور ایسا دھکا دوں گا کہ کبھی سنبھل نہیں پائے گا۔"

جمشید نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

اس نے کہا۔ "یاد ہے' جب ہم کوٹھے پر جایا کرتے تھے تو وہاں کئی تصویریں اتاری گئی تھیں۔ ان تصویروں میں کئی جگہ اس کی پوتی ان مجرا کرنے والیوں کے درمیان بیٹھی ہوئی دکھائی دے رہی ہے اور مجرا بھی ہو رہا ہے۔ تماشائی بھی موجود ہیں۔ ایسی تصویریں اور ان کے نیگیٹو لاہور والی کوٹھی میں ہیں۔ یہاں ہوتے تو میں آج ہی انہیں پریس میں دے دیتا اور اس کے خلاف ایسی خبریں شائع کراتا کہ عبادت علی کے ہوش اڑ جاتے۔ وہ لڑکی پھر کوٹھے پر آ کر بیٹھنے پر مجبور ہو جاتی۔"

جمشید رانا حیران پریشان سا ہو کر اس کا منہ تک رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "کوئی بات نہیں دیر سویر تو ہوتی ہی ہے' میں لاہور جا کر پہلا کام یہی کروں گا۔"

جمشید نے پوچھا۔ "کیا تم اسی ہوٹل میں قیام کر رہے ہو؟"

"ہاں .... میں روم نمبر چھ سو دو میں ہوں۔"

"ذرا کمرے میں چلو' میں تم سے بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ایسی بھی کیا ضروری باتیں ہیں؟ جو یہاں نہیں کی جا سکتیں؟"

"بات ایسی ہے جو صرف تنہائی میں ہی کی جا سکتی ہے اور وہ ثمینہ کے متعلق ہے۔"

وہ دلچسپی لیتے ہوئے بولا۔ "اچھا .... یہ بات ہے تو آؤ' اوپر کمرے میں چلتے ہیں۔"

وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔ جمشید نے کہا۔ "تم آگے چلو میں ذرا ایک ضروری فون کر لوں۔"

اس نے اپنے موبائل پر ثمینہ کے موبائل کا نمبرز پنچ کئے۔ اتفاق سے ثمینہ اس ہوٹل میں داخل ہو رہی تھی۔ موبائل کا بزر سن کر اس نے اسے آن کیا پھر کان سے لگایا تو جمشید رانا کی آواز سنائی دی۔ وہ مسکرانے لگی کیونکہ بہت دور اسے وزیٹرز لابی میں جمشید رانا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ فون پر اس سے کہہ رہا تھا۔ "ثمینہ! تم کہاں ہو؟ جہاں بھی ہو' وہیں رک جاؤ' ادھر ہوٹل کی طرف نہ آؤ۔"

اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "کیوں نہ آؤں' بات کیا ہے؟"

"وہ .... کچھ ایسی بات ہے جسے میں تم سے مل کر ہی بتاؤں گا۔ ایسا کرو یہاں قریب ہی شیرٹن ہوٹل ہے تم اس کی وزیٹرز لابی میں جا کر بیٹھو' میں کچھ دیر بعد آؤں گا۔ فی الحال طویل گفتگو نہیں کر سکتا۔ تم میرے فون کا انتظار کرو۔ خدا حافظ!"

اس نے فون بند کر دیا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا ملک حیات کے قریب آیا۔ وہ کاؤنٹر کے پاس اپنے کمرے کی چابی لے رہا تھا۔ ثمینہ اسے دیکھتے ہی چونک گئی۔ فش ایکوریئم کی آڑ میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ چھپ کر ان دونوں کو دیکھنے لگی۔ ملک حیات بڑی بے تکلفی سے جمشید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہنستا بولتا اس کے ساتھ لفٹ کی طرف جا رہا تھا۔ جمشید بھی جواباً مسکرا رہا تھا۔ ان کی بے تکلفی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دونوں گہرے دوست ہیں اور اس دوست کی خاطر جمشید نے ثمینہ سے ملاقات کچھ دیر کے لئے ملتوی کر دی ہے۔

ثمینہ کو یاد آیا کہ پہلی بار جمشید رانا ملک حیات کے ساتھ ہی بلقیس کے کوٹھے پر آیا تھا۔ دونوں کی گفتگو سے اور ان کی بے تکلفانہ حرکتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آپس میں گہرے دوست ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ کوٹھوں میں مجرا سنتے رہتے ہیں۔

اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ دور انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ دونوں لفٹ

کے اندر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اس نے اغوا ہونے اور بلقیس بائی کے کوٹھے پر پہنچنے تک بہت تلخ تجربات کئے تھے۔ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پہنچتی رہی تھی' فریب اور مکاریاں دیکھتی رہی تھی۔ اس کے ذہن میں یہ بات نقش ہو گئی تھی کہ مردوں پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ وہ اپنے شریفانہ ماحول میں دیانتدار ہو سکتے ہیں' اپنی بیویوں کے ساتھ وفادار ہو سکتے ہیں لیکن بازار میں کبھی وفاداری نہیں کرتے۔

بازاری عورت خواہ کتنی ہی حسین ہو' کتنی ہی وفادار ہو' اسے رات کی رانی بناتے ہیں اور دن کو بھول جاتے ہیں۔

ابھی جمشید رانا کا انداز بھی یہی بتا رہا تھا کہ وہ کوئی فراڈ کر رہا ہے۔ کوئی چال چل رہا ہے۔ شاید ملک حیات کے ساتھ یہاں آیا ہے' ان دونوں دوستوں نے اسے پھانسنے کے لئے یہ پلاننگ کی ہے' ایک دوست بدنام کر رہا ہے اور دوسرا دوست اس کا رشتہ مانگنے کے لئے اس کے گھر آنا چاہتا ہے۔

بات صاف سمجھ میں آ رہی تھی کہ ثمینہ اب اتنے اونچے خاندان میں پہنچ گئی تھی کہ اسے جبراً حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے شادی کے نام پر اسے دلہن بنا کر لے جانے کا ارادہ تھا۔ پھر اسے اپنی زمینوں پر لے جا کر وہاں کسی حویلی میں رکھ کر اس کے ساتھ جو بھی سلوک کیا جاتا' اس کے خلاف نہ وہ فریاد کر سکتی تھی اور نہ ہی اپنے میکے واپس آ سکتی تھی۔

میکے واپس آنے کا مطلب یہ ہوتا کہ سید عبادت علی شاہ کا اعلیٰ اور شریف خاندان بدنام ہو جاتا اور وہ اپنے باپ دادا کی بدنامی نہیں چاہتی تھی۔

وہ دل برداشتہ ہو کر وہاں سے پلٹ گئی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہوٹل سے باہر آئی۔ سوچنے لگی کہ کیا کرنا چاہئے؟ ذہن نے سمجھایا کہ شیرٹن ہوٹل کی وزیٹرز لابی میں جا کر جمشید رانا کا انتظار کرنا چاہئے۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا کرتا ہے اور آئندہ کیسی چالیں چلنے والا ہے؟

جمشید رانا ملک حیات کے ساتھ چھٹی منزل پر آ گیا۔ پھر اس کے کمرے میں آ کر دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے بولا۔ "دیکھو ملک! تم یہ جانتے ہو کہ میں ثمینہ کو دیوانہ وار چاہتا ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "ہاں .... میں نے آپ کی دیوانگی دیکھی ہے۔ آپ اس کے لئے پاگل ہو رہے تھے اور وہ ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔ میں نے پہلے بھی سمجھایا تھا اور

اب بھی سمجھا رہا ہوں۔ یہ چیزیں ایسے حاصل نہیں ہوتیں۔ دولت سے یا طاقت سے حاصل ہوتی ہیں۔ یہ بازاری عورتیں محبت نہیں جانتیں' پیسہ جانتی ہیں۔"

"مگر تم جانتے ہو کہ اب پیسہ اس کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ اسے باپ دادا کی دولت اور جائیداد سے کروڑوں کا حصہ ملنے والا ہے۔"

"اسی لئے تو میں اسے اب نہ دولت سے حاصل کروں نہ طاقت سے۔ اب میں اسے سیاست سے حاصل کروں گا۔ یہ جتنی اونچائی پر پہنچ رہی ہے اس سے اتنا ہی نیچے لانے کے لئے اس پر کیچڑ اچھالنا بہت ضروری ہے اور جب کیچڑ اچھالی جائے گی تو یہ نہ گھر کی رہے گی' نہ گھاٹ کی۔ سیدھی ہمارے قدموں میں آئے گی۔"

اس نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "ملک! اس لڑکی سے انتقام نہ لو۔ اسے بھول جاؤ۔"

"کیوں بھول جاؤں' کیا اس لئے کہ آپ اس کے دیوانے ہیں' آپ کو اس دیوانگی سے کیا مل رہا ہے؟"

"وہ مجھے ملنے والی ہے۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا........... وہ آپ کو ملنے والی ہے لیکن کیسے؟"

"وہ مجھ سے شادی کرنے کے لئے راضی ہے۔ میں اس کا رشتہ مانگنے کے لئے اس کے باپ اور دادا سے ملاقات کرنے والا ہوں۔"

وہ بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "ثمینہ آپ کو کہاں مل گئی تھی؟ یہ معاملات کب طے ہوئے؟ وہ کیسے راضی ہو گئی؟"

"بس اس نے میری دیوانگی کو سمجھ لیا ہے اور اسے یہ یقین ہے کہ وہ میرے ساتھ ایک اچھی ازدواجی زندگی گزارتی رہے گی۔"

ملک نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا۔ "ازدواجی زندگی .... اور ایک بازاری لڑکی؟ آپ تو واقعی دیوانے ہو گئے ہیں بلکہ پاگل ہو چکے ہیں۔ عقل نام کی کوئی چیز آپ کے پاس نہیں رہی ہے۔"

"تم مجھے پاگل سمجھ کر ہی اسے میرے لئے چھوڑ دو۔ اس سے انتقام نہ لو' اس پر کیچڑ نہ اچھالو۔"

"جب میں کوٹھے پر جایا کرتا تھا تب سے وہ مجھے نظرانداز کر رہی ہے' مجھ سے نفرت کر رہی ہے تو کیا میں اس کی نفرت کو برداشت کروں گا؟ وہ سالی پاؤں کی جوتی کے برابر بھی

نہیں ہے اور میں اسے پہننا چاہتا ہوں۔ وہ کیسے میرے پیروں میں نہیں آئے گی؟ میں اسے پہن کر پیروں میں کچل کر رہوں گا۔"

"کیا یہ سن کر بھی کہ میں اسے اپنے گھر کی عزت بنانا چاہتا ہوں؟"

"آپ اگر پاگل ہو تو میں نہیں ہوں۔ ہاں...... میرے دوست ہو' بہت پرانے شناسا ہو' ہم ایک ہی محفل میں رنگ رلیاں مناتے رہے ہیں اس لئے میں آپ کا کچھ خیال کروں گا لیکن آپ کو بھی میرا کچھ خیال کرنا ہو گا؟"

"تم جو کہو گے میں وہ کروں گا۔ شرط یہ ہے کہ تم ثمینہ پر کبھی کیچڑ نہیں اچھالو گے۔"

"میں آپ کی یہ شرط مان لوں گا۔ اس پر کبھی کیچڑ نہیں اچھالوں گا۔ کیا آپ میری ایک شرط مان لو گے؟"

"ضرور مانوں گا۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

"دیکھیں......... وہ اب تک کتنی راتیں کتنوں کے ساتھ گزار چکی ہے۔"

جمشید کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ بولا۔ "پلیز......... ایسی باتیں نہ کرو۔ ہم بھی نہ جانے کتنوں کے ساتھ منہ کالا کر چکے ہیں۔ ہم جب اپنا حساب نہیں کرتے' پھر اس کا حساب کیوں کریں؟"

"ٹھیک ہے......... ہم اس کا کوئی حساب نہیں کریں گے' اس کے ماضی پر پردہ ڈال دیں گے اور میں اپنے وعدے کے مطابق اس پر کیچڑ نہیں اچھالوں گا لیکن اسے ایک رات کے لئے میرے پاس بھیج دیں۔"

جمشید نے ایک دم تڑپ کر گرجتے ہوئے کہا۔ "کیا بکواس کر رہے ہو؟ تم انسان نہیں کتے ہو اور کتوں کی طرح بھونک رہے ہو۔"

ملک حیات نے غصے سے کہا۔ "اچھا تو میں کتا ہوں۔ تم نے آج تک بھونکنے والے کتوں کو دیکھا ہو گا' کاٹنے والوں کو نہیں دیکھا ہو گا تو اب کاٹ کر ہی دکھاؤں گا۔"

جمشید نے تنبیہہ کے انداز میں انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو! میں تمہیں سمجھا رہا ہوں' میرے منہ نہ لگنا ورنہ بری طرح پچھتاؤ گے۔"

"اور یہ الفاظ میں تمہارے لئے کہتا ہوں کہ مجھے چیلنج نہ کرو ورنہ بری طرح پچھتاؤ گے۔ اگر تم ثمینہ کی بہتری چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ وہ آئندہ عزت سے تمہارے ساتھ رہے تو بس اس کی ایک ہی شرط ہے کہ اسے دلہن بنا کر لاؤ' اس فیملی کو دھوکہ دو' چاہے

پہلے تم ہی ایک رات اس کے ساتھ گزار لو مگر دوسری رات میں گزاروں گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی جمشید نے ایک گھونسہ اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا۔ پھر ایک دم سے پلٹ کر اس سے لپٹ گیا اور اسے مارنے لگا۔ وہ بھی جوابی حملے کرنے لگا۔ دونوں گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ اِدھر سے اُدھر ایک دوسرے کو رگیدتے جا رہے تھے۔ کمرے میں رکھے ہوئے سامان سے ٹکرا رہے تھے۔ ٹیلی فون گلدان ایش ٹرے سب اِدھر سے اُدھر گر رہے تھے۔ سینٹر ٹیبل الٹ گئی تھی۔ صوفے بھی الٹ پلٹ ہو گئے تھے۔ ملک حیات کہتا جا رہا تھا۔ "تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟ میں یہاں سے لاہور جاتے ہی اس کی تصاویر اور نیگیٹو نکالوں گا اور اسے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔"

اور وہ کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں لاہور تک پہنچنے ہی نہیں دوں گا۔"

ملک حیات نے اُسے زور کی لات ماری وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ وہ فرش پر سے اٹھ کر دوڑتا ہوا بیڈ پر آیا۔ وہاں تکیئے کے نیچے اس کا ریوالور رکھا ہوا تھا۔ جمشید پھر اس پر حملہ کرنے کے لئے آیا۔ اس نے پھر اسے ایک زور کی لات ماری وہ پھر لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ ملک حیات نے تکیئے کے نیچے سے ریوالور نکال لیا پھر کہا۔ "سوٴر کے بچے! میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں تو پاگل ہو چکا ہے۔ اس کے لئے میری جان بھی لے سکتا ہے۔ اس سے پہلے ہی میں تجھے دوسری دنیا میں پہنچا دوں گا۔"

جمشید لات کھا کر ایک صوفے کے پیچھے جا کر گرا تھا۔ حیات یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ بھی اپنے لباس کے اندر سے ایک ریوالور نکال چکا ہے۔ ملک حیات کی بات ختم ہوتے ہی جمشید نے ہاتھ اٹھا کر اس کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ گولی ٹھیک ملک حیات کے سینے پر جا کر لگی۔ وہ بیڈ پر سے اچھل کر نیچے آ گرا۔ پھر فرش پر آتے ہی اس نے ایک کروٹ بدلتے ہوئے جوابی فائرنگ کی۔ اس کی گولی بھی جمشید کو جا کر لگی۔ وہ بھی لڑکھڑایا۔ دونوں طرف سے پھر فائرنگ ہوئی۔ پھر دونوں ایک دوسرے کا نشانہ بنے۔ کتنے ہی لوگ آس پاس کے کمروں سے نکل کر جھانکنے لگے۔ سب نے فائرنگ کی آوازیں سنی تھیں۔ وہ فون کے ذریعے ہوٹل کے مینجر اور دوسروں کو اطلاع دے رہے تھے کہ چھٹے فلور پر فائرنگ ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں اس کمرے کے اندر کیا ہو رہا ہے۔

ہوٹل کے سیکورٹی گارڈ اپنی اپنی گن لئے لفٹ میں آئے۔ پھر اوپر جانے لگے۔ پورے ہوٹل میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔ مسلح گارڈ اس کمرے

میں پہنچ گئے تھے اور وہاں سے اطلاع دے رہے تھے کہ یہاں دو شخص ہیں دونوں کے پاس ریوالور ہیں اور وہ دونوں مردہ ہو چکے ہیں۔

اس ہوٹل سے دور شیرٹن ہوٹل کی وزیٹرز لابی میں ثمینہ بیٹھی ہوئی جمشید کا انتظار کر رہی تھی۔ انتظار میں وہ شدت نہیں تھی جو ایک چاہنے والی کے دل میں ہوتی ہے۔ وہ دلبرداشتہ ہو چکی تھی۔ ماضی کے تجربات نے اُسے سمجھایا تھا کہ واقعی کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ ملک حیات بدنام تماش بین تھا' پکا عیاش تھا اور اس سے جمشید کی یاری تھی اور اس یاری کا منظر وہ ابھی دیکھ چکی تھی۔ اس یار کی خاطر اس نے ثمینہ سے ملاقات ملتوی کی تھی اور اسے بعد میں ملنے کے لئے اُسے دوسرے ہوٹل میں انتظار کرنے کو کہا تھا۔

اس نے اس ہوٹل میں آکر فون کے ذریعے سجاد سے رابطہ کیا تھا۔ پھر اسے بتایا تھا کہ اس نے جمشید کو ملک حیات کے ساتھ دیکھا ہے۔ وہی ملک حیات جو دادا جان کے پاس آکر اسے بدنام کر رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہنس بول رہے تھے اور کافی بے تکلف بھی تھے۔ لفٹ کے ذریعے کہیں اوپری منزل میں جا رہے تھے۔

ثمینہ نے اسے بتایا کہ جمشید سے اس کی ملاقات کا وقت مقرر ہوا تھا لیکن جمشید نے ملک حیات سے ملاقات کرنے کے لئے اس کی ملاقات کو ملتوی کر دیا تھا اور اس سے بعد میں ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ اس کے انتظار میں شیرٹن ہوٹل کی وزیٹر لابی میں بیٹھی ہوئی ہے۔

سجاد نے کہا۔ ''تم وہاں بیٹھی رہو' ہم ابھی آ رہے ہیں۔''

آدھے گھنٹے کے اندر سجاد اور حسرت وہاں پہنچ گئے۔ حسرت نے کہا۔ ''سجاد بھائی! آپ یہاں ثمینہ سے باتیں کریں' میں اس ہوٹل میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ جمشید اور ملک حیات کے درمیان کیا کھچڑی پک رہی ہے؟''

وہ انہیں وہاں چھوڑ کر دوسرے ہوٹل میں آ گیا تو پتہ چلا کہ وہاں ایک ہنگامہ برپا ہے۔ ہوٹل کی چھٹی منزل پر گولیاں چلتی رہی ہیں اور دو شخص مارے گئے ہیں۔ وہاں پولیس بھی آ گئی تھی۔ اندر والوں کو باہر نہیں جانے دے رہے تھے اور باہر والوں کو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

حسرت نے واپس آ کر بتایا کہ اس ہوٹل میں تو بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ فائرنگ ہوئی ہے' دو شخص بھی مارے گئے ہیں اور باہر والوں کو اندر جانے کی اجازت نہیں مل رہی ہے۔

سجاد نے کہا۔ ''ہمیں خواہ مخواہ یہاں بیٹھنا نہیں چاہئے۔ جمشید نے کہا ہے کہ وہ آج شام پانچ بجے رشتہ مانگنے ہماری بڑی کوٹھی میں آئے گا۔ جب وہ آئے گا تو ہم اسے پہلے ہی باہر روک کر معلوم کریں گے کہ وہ کیا چاہتا ہے اور ملک حیات سے اس کی دوستی کیا رنگ لانے والی ہے؟''

وہ تینوں اس ہوٹل سے واپس چلے گئے۔ واپسی میں ثمینہ نے جمشید کے موبائل کے نمبر پنچ کئے۔ اس سے رابطہ کرنا چاہا تو پتہ چلا کہ اس کا موبائل بند ہے۔ اس کا دل ڈانواں ڈول ہو رہا تھا۔ کبھی اِدھر کبھی اُدھر کبھی دل کہتا تھا کہ وہ اس کا سچا عاشق ہے اور اسے ضرور عزت کی زندگی دینے کے لئے اپنی دلہن بنا کر لے جائے گا۔

اور کبھی دل کہتا تھا کہ وہ بھی دوسروں کی طرح بہروپیا ہے۔ اسے محبت نہیں ہے۔ صرف ہوس ہے اور وہ ہوس کی خاطر اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے تو ہوٹل میں ملاقات نہیں کی۔ کسی دوسرے ہوٹل میں ملنے کا وعدہ کیا۔ وہاں بھی گھنٹوں انتظار کے بعد نہیں آیا۔ پھر اس سے کیا توقع کی جا سکتی تھی۔ شاید شام کو معلوم ہونے والا تھا کہ وہ کیوں نہیں آیا تھا اور اب رشتہ مانگنے کیوں آیا ہے؟

وہ سب لنچ کے وقت اپنی کوٹھی میں آئے۔ لنچ کے دوران پتہ چلا کہ نفاست اور عبادت علی بھی جمشید رانا کا انتظار کر رہے ہیں۔ عبادت علی کو بتا دیا گیا ہے کہ کوئی شخص ثمینہ کا رشتہ مانگنے کے لئے آنے والا ہے۔

چار بجتے ہی سجاد نے حسرت سے کہا۔ ''تم کوٹھی کے باہر ذرا فاصلے پر کھڑے رہو۔ جیسے ہی جمشید نظر آئے تو اسے وہیں روک لینا پھر موبائل پر مجھے اطلاع دینا میں بہانہ کر کے وہاں آ جاؤں گا۔ ہم اس سے وہیں بات کریں گے۔''

حسرت وہاں سے چلا گیا۔ ثمینہ دل ہی دل میں دعا مانگنے لگی کہ جمشید رانا کے سلسلے میں جو گمراہ کن خیالات آ رہے ہیں اور جو شبہات جنم لے رہے ہیں وہ سب غلط ثابت ہوں وہ سچا اور کھرا انسان ثابت ہو اور مردانہ وار آ کر وہاں اس کا ہاتھ مانگنے والا ہو۔

شام کے پانچ بج گئے۔ پھر چھ بج گئے۔ عبادت علی نے ناگواری سے کہا۔ ''یہ کیا بکواس ہے' یہاں کون رشتہ مانگنے کے لئے آ رہا تھا' کہاں رہ گیا وہ' اس کا کوئی پتہ ٹھکانہ ہے' یا کسی کو یونہی راہ چلتے پکڑ لیا گیا تھا؟''

نفاست علی شرمندہ ہو کر سجاد کو دیکھ رہا تھا۔ سجاد' حسرت کو تک رہا تھا۔ کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا کہ وہ رشتہ مانگنے والا کہاں چلا گیا ہے؟ ابھی تک کیوں نہیں آیا

ہے؟ اس کے موبائل پر بھی رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔

ہو سکتا تھا کہ جمشید اور ملک حیات کے جھگڑے کے دوران وہ موبائل ٹوٹ پھوٹ گیا ہو؟ یا اس کمرے کے کسی کونے میں پڑا ہو اور ہوٹل کا کوئی بیرا اُسے اٹھا کر لے گیا ہو۔ ایسا کچھ ہوا ہو گا کہ فون کے ذریعے بھی جمشید سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔

کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ محبت کا دعویٰ کرنے والا اچانک کہاں گم ہو گیا ہے؟ پیار کے دیوانے ایسے بھی ہوتے ہیں جو قربانی کا دعویٰ کئے بغیر قربان ہو کر ہمیشہ کے لئے گم ہو جاتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ سچا عاشق تھا یا کوئی بہروپیا تھا؟ اب دنیا اُسے بہروپیا سمجھتی رہے۔ ثمینہ اس کے بارے میں کوئی بھی رائے قائم کرے۔ وہ تو کوئی صلہ پائے بغیر محبت کا حق ادا کر چکا تھا۔ اس کے لئے اپنی زندگی ہار چکا تھا۔

ثمینہ اور سجاد وغیرہ کو اپنی خاندانی شرافت بہت عزیز تھی۔ وہ کسی ملک حیات اور جمشید رانا کے بارے میں چھپ کر بھی انکوائری نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے دماغ کے اندر یہ اندیشہ رہتا کہ ثمینہ کی بدنامی پھر ابھر آئے گی۔ بدنام کرنے والے وہ تماش بین اگر کہیں گم ہو گئے تھے تو وہ یہی دعا مانگ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ کے لئے گم کر دے۔

دیکھا جائے تو اُن کی دعا قبول ہو گئی تھی۔ بدنام کرنے والا مُلک حیات ہمیشہ کے لئے نابود ہو گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ اسے بدنامی سے بچانے والا جمشید رانا بھی نابود ہو گیا تھا۔ ان میں سے ایک جہنمی تھا اور دوسرے نے کارزارِ عشق میں شہادت کا درجہ حاصل کیا تھا۔

☆======☆======☆

سید عبادت علی شاہ کی نہ تو کوٹھی میں سکون تھا اور نہ ہی اُن کی زندگی میں سکون برقرار رہتا تھا۔ کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی ہنگامہ برپا کرنے والی بات پیدا ہو جاتی تھی۔ عبادت علی پورے قہر و غضب سے پوری کوٹھی میں گرجتے برستے پھرتے تھے۔ سب سہمے ہوئے رہتے تھے۔ کوئی ان کا سامنا نہیں کرتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ حالات معمول پر آ جاتے تھے۔

ثمینہ کے حوالے سے بدنامی کا جو طوفان اٹھنے والا تھا اس کا رخ بدل چکا تھا۔ پتہ نہیں وہ طوفان کہاں گیا تھا؟ شاید ادھر کا رخ کرنے والا نہیں تھا۔ اطمینان تھا کہ بدنام کرنے والے تو کہیں گم ہو گئے ہیں۔ جب ایسی کوئی مخالفانہ ہوا چلے گی تو دیکھا جائے گا۔

نفاست نے سجاد کو سمجھایا تھا کہ وہ حسرت کو سمجھائے' اسے اسد کی طرح بغاوت کرنے سے باز رکھے۔ ابھی اپنے دادا جان کو کوئی دلی صدمہ نہ پہنچائے۔ عارضی طور پر ہی

سہی ارمانہ سے شادی کا خیال ترک کر دے۔

وہ دونوں شادی سے باز نہیں آ سکتے تھے۔ ایک ہی کوٹھی میں رہتے آ رہے تھے۔ اس لئے یوں بھی نکاح کے بغیر یہاں رہنا مناسب نہیں تھا۔ سارے جوان بچوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ اسد اور عالیہ کی طرح وہ بھی چھپ کر شادی کر لے۔ فرق یہ ہو گا کہ اسد کی طرح حسرت شادی کا اعلان نہیں کرے گا۔ اپنی شادی کو ایک مناسب وقت تک چھپاتا رہے گا۔

وہ دونوں اس بات پر راضی ہو گئے تھے اور اُن کی شادی ہو چکی تھی اور اب وہ اس کوٹھی میں میاں بیوی کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔ وقت گزر رہا تھا اور ان کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا کر رہا تھا کہ شادی کو کب تک چھپا کر رکھا جا سکتا ہے؟ شادی کے بعد بچے بھی ہوتے ہیں۔ ان بچوں کو کیسے چھپایا جائے گا؟

اس سلسلے میں زیبی سب سے پہلے مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ اب دن گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا بدن چغلی کھانے لگا تھا کہ اب وہ کنواری دوشیزہ نہیں ہے' صرف بیاہتا ہی نہیں ماں بھی بننے والی ہے۔ وہ اب دادا جان سے اپنا بھید نہیں چھپا سکتی تھی۔

کبریٰ اور نفاست علی جانتے تھے کہ یہ مسئلہ درپیش ہو گا۔ ایک دن زیبی کو کہیں لے جا کر چھپانا ہو گا۔ جب تک وہ ماں نہیں بنے گی اس وقت تک اسے دادا جان کے سامنے نہیں لایا جائے گا۔

ابتدا میں اس طرح بات بنائی گئی کہ کبریٰ زیبی کو اپنے ساتھ فیصل آباد ایک ماہ کے لئے لے گئی۔ وہاں بھی ان کی کوٹھی' ٹیکسٹائل مل اور ان کی زمینیں تھیں۔ عبادت علی کو شبہ بھی نہیں ہوا کہ ان سے بہت بڑا راز چھپایا جا رہا ہے اور اسی لئے زیبی کو وہاں لے جایا جا رہا ہے۔

وہ ایک ماہ کے لئے کہہ کر گئی تھی' دو ماہ لگ گئے۔ عبادت علی نے پوچھا۔ "زیبی یہاں کیوں نہیں آ رہی ہے؟ کیا اُسے آگے تعلیم جاری نہیں رکھنی؟"

نفاست نے کہا۔ "ابا جان! اسے فیصل آباد کا ماحول بہت پسند آیا ہے اس لئے اس نے وہیں کالج میں داخلہ لے لیا ہے۔"

انہوں نے کہا۔ "ہم سے پوچھنا تو چاہئے تھا کہ اسے یہاں رہ کر پڑھنا چاہئے یا وہاں رہ کر؟"

"ابا جان! اب یہ چھوٹی چھوٹی باتیں آپ کو بتائی جائیں گی۔ آپ کو پریشان کیا جائے

گا۔ ہم نے دیکھا کہ اس کا دھیان پڑھائی کی طرف ہے اور وہ فیصل آباد میں رہنا پسند کرتی ہے تو ہم نے اُسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ پھر یہ کہ ہماری زمینیں ہیں اور ہماری مل ہے۔ وہاں کبریٰ رہے گی پھر اور دوسرے بچے بھی وہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ کاروبار کی دیکھ بھال بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح وہ فیصل آباد کے کاروباری معاملات میں زیادہ سے زیادہ مصروف رہنے لگے ہیں۔"

نفاست نے ایسے ایسے دلائل پیش کئے کہ عبادت علی قائل ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔ "ٹھیک ہے وہ وہاں رہتی ہے تو رہا کرے لیکن اسے کہو کہ دس پندرہ دن میں اتوار کے روز وہ صبح کی فلائٹ سے یہاں آیا کرے پھر دوسرے دن صبح کی فلائٹ سے چلی جایا کرے۔"

گھر کے اور خاندان کے سرپرست نے حکم صادر کر دیا۔ اب تو اُس حکم کی تعمیل لازمی ہو گئی تھی اور وہ پیٹ لے کر اپنے دادا جان کے سامنے نہیں آ سکتی تھی۔ جھوٹ جب بھی بولا جاتا ہے اور چوری چھپائی جاتی ہے تو ایک کے بعد ایک مسئلہ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔

پھر پتہ چلا کہ عالیہ کے پاؤں بھاری ہو گئے ہیں۔ وہ بھی ماں بننے والی ہے۔

ان کی طرف سے اتنی فکر کی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ وہ گھر سے نکالے جا چکے تھے اور دور دور تک یہ آثار نہیں تھے کہ عبادت علی انہیں معاف کر دیں گے اور انہیں گھر میں بلائیں گے۔ اسد نے گھر واپس آنے کے لئے ان سے معافی نہیں مانگی تھی اور نہ ہی عالیہ سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ لہٰذا عبادت علی اتنا تو سمجھتے تھے کہ جب پوتے نے شادی برقرار رکھی ہے تو ایک دن باپ بھی بنے گا۔

زیبی کی زچگی کے لئے ابھی چار ماہ باقی تھے۔ اس نے کسی طرح پانچ ماہ گزار لئے تھے۔ پانچویں ماہ کے آخر میں یہ حکم صادر ہوا تھا کہ زیبی کو ہر دس پندرہ دن میں ایک بار دادا سے ملنے کے لئے آنا چاہئے۔

حکم کی تعمیل لازمی تھی۔ اس بار پھر ثمینہ ہی ان کے کام آئی۔ وہ زیبی بن کر ائرپورٹ سے گھر پہنچی اور دادا جان سے لپٹ گئی۔ دادا جان نے خوش ہو کر کہا۔ "ہماری بچی! تمہیں اتنی دور جا کر تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہم سے پوچھ تو لیا ہوتا۔"

"دادا جان! مجھے وہاں کا ماحول بہت اچھا لگ رہا ہے۔ میں وہاں رہ کر تعلیم حاصل

کرنا چاہتی ہوں۔"

"اب تو تم نے داخلہ لے ہی لیا ہے' کوئی بات نہیں' تعلیم کہیں بھی حاصل کرو مگر اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتی رہو۔"

وہ ثمینہ سے مل کر خوش ہو گئے تھے کہ زیبی سے مل رہے ہیں۔ انہیں ذرا بھی شبہ نہیں ہوا۔ ثمینہ نے بھی ایسی اداکاری کی تھی اور زیبی کے ایسے طور طریقے اپنائے تھے کہ عبادت علی کبھی شبہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ ایک دن ایک رات وہاں رہی پھر دوسری صبح فیصل آباد جانے کے لئے ائرپورٹ کی طرف روانہ ہوئی۔

عبادت علی نے اُسے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ وہ ائرپورٹ سے سیدھی حسرت اور ارمانہ کی کوٹھی میں آئی۔ وہاں اس نے اپنا حلیہ تبدیل کیا۔ پھر زیبی سے ثمینہ بن گئی۔ پھر اس کوٹھی میں گئی۔ جب دادا جان سے سامنا ہوا تو وہ پہچان نہیں سکے کہ کل تک وہ اسے زیبی کے روپ میں دیکھتے رہے تھے۔ اب تو وہ گفتگو اور اپنے ہر انداز سے ثمینہ لگ رہی تھی۔

صرف ایک سرپرست تھا جس کے لئے سب نے مل کر یہ طے کیا تھا کہ انہیں آخری عمر میں نہ غصہ دلائیں گے نہ دلی صدمہ پہنچانے والی کوئی بات کریں گے۔ جو بھی سچ ان کے لئے زہر ہے وہ ایسے سچ کا آئینہ انہیں نہیں دکھائیں گے۔ وہ اسی برس کے ہو چکے تھے اور بہت بیمار رہتے تھے۔ دو بار ان پر دل کا دورہ پڑ چکا تھا۔ ڈاکٹرز نے کہا تھا اور یہ دیکھی بھالی حقیقت تھی کہ تیسرا دورہ خطرناک اور جان لیوا ہوا کرتا ہے۔ اس لئے بھی سب محتاط تھے۔ کوئی انہیں کسی طرح کا صدمہ نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔

اس لئے وہ طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے سچ کو چھپا رہے تھے اور جھوٹ کے ذریعے انہیں خوش کرتے آ رہے تھے۔ کبریٰ ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ ثمینہ سے دشمنی بھول گئی تھی کیونکہ اس بُرے وقت میں وہی کام آ رہی تھی۔ زیبی بن کر ہر پندرہ بیس دن کے بعد دادا جان سے ملنے آتی تھی۔ انہیں مطمئن کر دیتی تھی۔

کبریٰ اپنی بیٹی کو زمینوں پر لے گئی تھی۔ فیصل آباد لے جانے سے یہ بات کھلتی کہ عبادت علی شاہ کی پوتی ماں بننے والی ہے۔ وہاں بھی رشتے دار اور کاروباری حلقے سے تعلق رکھنے والے دوست احباب سب ہی پوچھتے کہ شادی کب ہوئی اور شوہر کہاں ہے؟

ان سوالات سے بچنے کے لئے وہ بیٹی کو ایک چھوٹے سے گاؤں میں لے گئی تھی۔ وہاں اُن د ایک پرانی حویلی تھی۔ اس گاؤں کی آبادی برائے نام تھی۔ وہاں جو لوگ بھی

تھے وہ کبریٰ کے تابعدار تھے۔ ان میں سے کسی کی جرأت نہیں تھی کہ وہ کسی کے سامنے زبان کھولتے۔ پھر یہ کہ عبادت علی کبھی ادھر نہیں جاتے تھے اور حویلی اور کھیتوں میں ملازمت کرنے والے شہر کی طرف شاید ہی کبھی جایا کرتے تھے۔ اس طرح زیبی کی ماں بننے والی بات فی الحال چھپی ہوئی تھی اور یہ بات عبادت علی کی زندگی میں ہی چھپانے والی تھی۔

کبریٰ تو دعائیں مانگتی رہتی تھی کہ بڑے میاں جنت نشین ہو جائیں تو اچھا ہو گا۔

کبریٰ نے فراز کو بھی قبول کر لیا تھا کیونکہ بیٹی اس کی طرف مائل ہو گئی تھی اور اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ جہاں بھی جائے گی فراز اس کے ساتھ رہے گا اور فراز بھی اُسے زچگی ہونے تک تنہا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

ان کے سارے مسئلے کسی نہ کسی طرح حل ہو رہے تھے۔ اب ایک نیا مسئلہ پیدا ہو رہا تھا۔ زیبی شہر کا ماحول چھوڑ کر گاؤں آئی تھی۔ جب کہ گاؤں کی آب و ہوا اور خوراک اچھی ہوتی ہے۔ اُسے صحت مند رہنا چاہئے لیکن وہ بیمار رہنے لگی تھی۔ وہ ساتویں ماہ میں اس قدر زرد پڑ گئی تھی اور دبلی پتلی ہو گئی تھی کہ اسے دیکھ کر حیرانی ہوتی تھی۔ وہاں دور دور تک کوئی ہسپتال نہیں تھا۔ اس گاؤں سے دس میل کے فاصلے پر ایک ناکارہ قسم کا ڈاکٹر رہتا تھا۔ وہی نیم حکیم خطرہ جان تھا لیکن مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق سب اسی سے علاج کرواتے تھے۔

فراز زیبی کو کار میں بٹھا کر ایک چھوٹے سے ٹاؤن میں لے جاتا تھا وہاں ایک لیڈی ڈاکٹر سے اس کا علاج کرواتا تھا لیکن بات نہیں بن رہی تھی۔ اس کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی۔ کبریٰ نے اس ٹاؤن میں جا کر لیڈی ڈاکٹر سے بات کی پھر اس سے پوچھا۔

"آپ کی ماہانہ آمدنی کیا ہے؟"

اس نے پوچھا۔ "آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"میں اس لئے پوچھ رہی ہوں کہ آپ کو جو بھی آمدنی ہے میں آپ کو اس سے زیادہ دوں گی۔ آپ ایک دو ماہ کے لئے میرے ساتھ میرے گاؤں چل کر رہیں۔ میری بیٹی کے علاج کے لئے اور زچگی کے سلسلے میں جتنی دواؤں اور جتنے سامان کی ضرورت ہے وہ سب میں خرید کر دیتی ہوں۔ آپ وہاں رہیں گی تو آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی۔"

لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ چھوٹا سا ٹاؤن ہے۔ میری آمدنی دس ہزار روپے ہے۔"

کبریٰ نے کہا۔ "یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تم وہاں دو ماہ رہو گی تو میں تمہیں دو لاکھ روپے دوں گی اور ابھی پیشگی کے طور پر پچیس ہزار روپے دے رہی ہوں۔"

وہ لیڈی ڈاکٹر خوش ہو گئی' فوراً ہی راضی ہو گئی۔ اس طرح کبریٰ اسے بھاری قیمت دے کر اپنی بیٹی کی سلامتی کے لئے اس گاؤں میں اپنی حویلی کے اندر لے آئی۔

نفاست علی کو اپنی بیٹی کے بارے میں اطلاع ملتی رہتی تھی اور وہ پریشان ہوتا رہتا تھا' کہتا تھا۔ "ابا جان پر یہ بات ظاہر کر دینا چاہئے۔ زیبی کو شہر بلا کر بڑے بڑے ڈاکٹروں سے علاج کرانا چاہئے۔ ہم بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔"

کبریٰ نے فون کے ذریعے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں' آپ سے زیادہ مجھے اپنی بیٹی کی فکر ہے۔ میں اس کی سلامتی کے لئے لاکھوں روپے خرچ کر رہی ہوں۔"

عبادت علی رفتہ رفتہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کی کوٹھی ویران سی ہو رہی ہے۔ کبریٰ زیبی کے ساتھ فیصل آباد چلی گئی ہے اور اسد کو گھر سے نکالا گیا ہے۔ حسرت تو پہلے بھی بہت کم آتا جاتا تھا اور اب مراد بھی بہت کم دکھائی دیتا ہے' صرف سجاد ہی ایک ایسا ہے جو دن رات ان کی نگاہوں کے سامنے رہتا ہے۔ دفتر جاتا ہے یا پھر گھر آ جاتا ہے۔

نفاست نے مراد سے پوچھا۔ "آج کل تم کن ہواؤں میں رہتے ہو۔ گھر کیوں نہیں آتے؟ ہفتے میں کبھی ایک دو دن کے لئے آتے ہو پھر چلے جاتے ہو۔ آخر کہاں ٹھکانہ بنا رکھا ہے؟"

مراد نے کہا۔ "ڈیڈ! آپ کے سب ہی بیٹوں نے الگ الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا لی ہے۔ میں نے بھی ایک الگ ڈیڑھ اینٹ کا گھر بنا لیا ہے۔ وہاں بڑے سکون اور مزے سے رہتا ہوں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ کیا تم نے کوئی الگ گھر بسایا ہے؟"

"ہاں .... حسرت اور اسد کی طرح کچھ میں نے بھی ایسی ہی غلطی کی ہے۔ میں نے آپ کے تمام بچوں سے پہلے شادی کی ہے' وہ میری باقاعدہ منکوحہ ہے۔"

نفاست علی سر تھام کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ "یہ تم لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ سب ہی ابا جان کے خلاف اپنی اپنی مرضی سے گھر بسا رہے ہیں۔ آخر تم سب کتنے مسائل پیدا کرتے رہو گے؟"

"ڈیڈ! یہ تو نہیں ہو سکتا کہ دادا جان کے تمام احکامات کی تعمیل کرنے کے بعد ہم ایسے حکم کی بھی تعمیل کریں جس کا تعلق ہماری ازدواجی زندگی سے اور ہمارے مستقبل

سے اور ہماری آئندہ نسل سے ہے۔"

"یہ بات ابا جان سمجھنا نہیں چاہتے اور تم انہیں سمجھا نہیں سکتے۔"

"اسی لئے تو ہم نے چپ سادھ لی ہے۔ سچ چھپا رہے ہیں اور جھوٹ بول کر انہیں دھوکہ دیتے جا رہے ہیں۔ اگر وہ بیمار نہ ہوتے اور ان پر دو بار دل کا دورہ نہ پڑتا تو میں سب سے پہلے ان کے سامنے اپنی شادی کا اعلان کرتا۔"

"اسد نے اعلان کیا تھا۔ تم نے دیکھا کیسی قیامت آئی تھی۔ بڑی مشکل سے انہوں نے خود کو سنبھالا ہے۔ اس کے بعد ہی انہیں دوسرا دل کا دورہ پڑا تھا۔ اب میں نہیں چاہتا کہ تیسرا دورہ پڑے۔"

مراد نے کہا۔ "میں دادا جان سے بہت محبت کرتا ہوں۔ میں بھی نہیں چاہوں گا کہ انہیں کوئی صدمہ پہنچے لیکن ہم سچ کو جتنا چھپاتے جا رہے ہیں وہ سچ اتنا ہی ہاتھ پیر پھیلاتا جا رہا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اب حسرت بھی باپ بننے والا ہے؟"

نفاست علی نے پریشان ہو کر اُسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "ہاں .... یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ ابا جان اپنی ضد اور اصول پرستی کے باعث بہت ہی بدنصیب ہو گئے ہیں۔ اس کوٹھی میں انہوں نے کبھی کسی پوتے کے سر پر سہرا نہیں دیکھا۔ تم ہو حسرت اور اسد ہے۔ تینوں پوتے شادی شدہ ہیں اور اب انہیں یہ خوشی ملنی چاہئے تھی کہ تمہارے بھی بچے ہو رہے ہیں۔ یعنی پوتوں کے بھی بچے ہو رہے ہیں' یہ کوئی کم خوشخبری نہیں ہے لیکن وہ اس خوشی سے محروم ہیں۔"

وہ دونوں چپ رہے۔ اپنے اپنے طور پر سوچ رہے تھے۔ سب ہی کو سید عبادت علی شاہ کے بڑھاپے کا خیال تھا۔ ان کی بیماری پیش نظر تھی اور ان میں سے کوئی نہیں چاہتا تھا کہ انہیں تیسری بار دل کا دورہ پڑے۔ سب نے یہی عزم کر رکھا تھا کہ چاہے کتنے ہی مسائل کے پہاڑ کھڑے ہوتے رہیں لیکن وہ اس گھر اور خاندان کے سرپرست کو دونوں پیروں پر کھڑا رکھیں گے۔ ان کے غرور کا سر کبھی نیچا نہیں ہونے دیں گے اور نہ ہی انہیں اوندھے منہ گرنے دیں گے۔

سب سے بڑا مسئلہ زیبی کا تھا۔ نفاست علی کو اس کی بیماری کی اطلاع مل رہی تھی اور یہ پریشانی تھی کہ ایک لیڈی ڈاکٹر اس کی دن رات دیکھ بھال کرتی رہتی ہے۔ اس کے باوجود وہ صحت یاب نہیں ہو رہی ہے اور نہ ہی اس کی طبیعت سنبھل رہی ہے۔ وہ دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے۔

پھر زچگی کا دن آ گیا۔ وہ ایک دن ایک رات تک تڑپتی رہی۔ کمزوری کے باعث ایک بار اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ لیڈی ڈاکٹر اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی اور بار بار کہہ رہی تھی۔ "یہ کیس میرے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ زچہ بہت بیمار ہے۔ شاید بچے کو جنم نہیں دے سکے گی۔ اسے شہر کے ہسپتال میں لے جانا چاہئے۔"

کبریٰ اس لیڈی ڈاکٹر کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ اس سے لڑنے لگی۔ "تم نے تو کہا تھا کہ تم یہ زچگی کا کیس آسانی سے سنبھال لو گی اور میری بیٹی کی کمزوری بھی دور کر دو گی؟ مگر تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ مجھ سے بڑی بڑی رقم لے کر کھا رہی ہو' اپنے گھر بھیج رہی ہو لیکن میری بیٹی کے لئے کیا کر رہی ہو؟"

"میں اپنے پورے تجربے کے ساتھ علاج کر رہی ہوں۔ اگر خدا کو منظور نہیں ہے اور یہ کمزور ہوتی جا رہی ہے تو میں کیا کروں؟"

لیڈی ڈاکٹر نے فراز سے کہا۔ "تم ہی اپنی ساس کو سمجھاؤ۔ میں ڈاکٹر ہوں' دن رات محنت کر کے علاج کر سکتی ہوں' اپنی جان تو نہیں دے سکتی۔"

فراز الگ پریشان تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اب تو زیبی کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ اسے گاڑی میں لٹا کر کچے پکے راستوں سے لے جایا نہیں جا سکتا۔ زچگی کا وقت قریب ہے اور سب سے قریبی شہر فیصل آباد یہاں سے پچاس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ اب تو ڈاکٹر ہی دوا کر سکتی ہے اور ہم دعا کر سکتے ہیں۔ اس کے سوا ہمارے سامنے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔"

کبریٰ رونے لگی۔ رونے سے کیا ہوتا ہے' جھوٹ اور فریب کا نتیجہ سامنے آ رہا تھا۔ خاندان کے سرپرست کے اصول خواہ کتنے ہی غلط ہوں لیکن اسے سمجھایا جا سکتا تھا' ان اصولوں کو تبدیل کیا جا سکتا تھا لیکن نہ تو تبدیلیاں لائی گئیں اور نہ ہی عبادت علی تبدیل ہوئے۔ یہ دھوکہ دیتے رہے وہ دھوکہ کھاتے رہے اور اس دوران میں فطری تقاضوں کے مطابق انجام سامنے آتا رہا۔

انجام بہت بُرا ہوا۔ زچگی تو ہو گئی' بچہ بھی زندہ وہ سلامت پیدا ہوا لیکن ماں جانبر نہ ہو سکی۔ بچے کو پیدا کرنے کے چند منٹ بعد ہی اس کی سانس اکھڑ گئی۔ کبریٰ چھاتی پیٹ پیٹ کر رونے لگی۔ فراز صدمے سے نڈھال ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ لیڈی ڈاکٹر نوزائیدہ بچے کو سنبھالتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "اس طرح بیٹھے رہنے سے بات نہیں بنے گی۔ فوراً اپنے رشتے داروں کو خبر کرو۔"

فراز نے موبائل فون کے ذریعے پہلے سجاد اور پھر نفاست علی کو زیبی کی موت کی اطلاع دی۔ پھر یہ خبر دوسرے بھائیوں تک پہنچی۔ سب ہی نے صدمے سے سر جھکا لئے۔ نفاست علی نے فیصل آباد میں ضروری کام کا بہانہ کیا اور باپ سے اجازت لے کر چلا گیا۔

اب بھی سچ چھپایا جا رہا تھا کیونکہ جو جھوٹ بولا گیا تھا اس کی جڑیں اتنی گہرائی تک اندر چلی گئی تھیں کہ فوراً ہی سچ بولا نہیں جا سکتا تھا۔

مختصر یہ کہ زیبی کی تکفین اور تدفین ہو گئی۔ کبریٰ کا رو رو کر بُرا حال تھا۔ نفاست نے کہا۔ ”اب تک جتنا جھوٹ بولا گیا ہے اس کے پیش نظر اب تمہیں اپنے آنسو روکنے ہوں گے۔ اپنے آپ کو بالکل نارمل رکھنا ہو گا۔ ورنہ ابا جان کو یہ بتانا پڑے گا کہ زیبی مر چکی ہے اور یہ بھی بتانا ہو گا کہ اس کی موت کن حالات میں ہوئی ہے۔ اس کے دادا جان کو اطلاع کیوں نہیں دی گئی؟ بات دور تک پہنچے گی اور ایک ایک راز کھلتا چلا جائے گا۔“

کبریٰ روتے ہوئے بولی۔ ”کیا آپ چاہتے ہیں کہ دادا کو پوتی کی موت کی خبر نہ ملے؟“

”اگر تم یہ اطلاع خود اپنی زبان سے دے سکتی ہو تو جاؤ‘ ابا جان کو بتا دو۔ کیا تم میں اتنا حوصلہ ہے؟“

اس کا سر جھک گیا‘ وہ بے بسی سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ بولا۔ ”تم نے جس قدر رونا ہے‘ یہاں رو لو۔ کراچی پہنچ کر تمہاری آنکھوں میں ایک بھی آنسو نہیں آنا چاہئے۔ تمہاری بیٹی مری نہیں زندہ ہے۔“

کبریٰ نے چونک کر نفاست کو دیکھا۔ وہ بولا۔ ”جس طرح ثمینہ اب تک زیبی بن کر رہتی آئی ہے‘ اسی طرح آئندہ بھی وہ زیبی بن کر تمہارے ساتھ رہے گی۔ تم اسے بیٹی بنا کر اپنے کلیجے سے لگائے رکھو گی۔ اگر تم نے اسے سوتیلی سمجھا تو جانتی ہو تم کتنے بڑے نقصان میں رہو گی؟“

کبریٰ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ ”یہ تمہارا نواسہ پیدا ہوا ہے۔ بیٹی نے مرتے مرتے اپنی ایک اولاد نانی کی گود میں دی ہے۔ کیا تم اس کی اس نشانی کو اپنی گود میں نہیں رکھنا چاہو گی؟ اس کی پرورش نہیں کرو گی؟“

کبریٰ نے لپک کر اپنے نواسے کو گود میں اٹھا لیا۔ اسے سینے سے لگا کر چومنے لگی۔ وہ بولا۔ ”اسے خوب پیار کرو‘ کلیجے سے لگا کر رکھو مگر یہ سب کچھ اسی شرط پر ہو گا کہ تم ثمینہ کو زیبی کہو گی اور اسے زیبی بنا کر ساری زندگی محبتیں دیتی رہو گی۔ اب وہ سوتیلی

نہیں ہے‘ تمہاری سگی ہے۔“

نفاست نے فون کے ذریعہ سجاد سے گفتگو کی اور اسے سمجھایا کہ آئندہ ثمینہ کو کوٹھی میں زیبی بن کر رہنا ہے۔ وہ کبھی کبھی سدرہ بن کر ابا جان کے سامنے جیا کرے گی۔ یوں بھی زیبی اور ثمینہ ایک ساتھ ابا جان کے سامنے شاید ہی جایا کرتی تھیں۔ اتفاقاً ہی ان دونوں کا آمنا سامنا ہوتا تھا۔ پھر وہ دونوں اپنی اپنی سمت چلی جایا کرتی تھیں۔ اب بھی یہی ہوا کرے گا۔ ہم دیکھیں گے کہ یہ جھوٹ اور فریب بھی کتنے دنوں تک چل سکے گا؟“

نفاست‘ فراز اور کبریٰ اس نوزائیدہ بچے کو لے کر کراچی پہنچ گئے۔ ائرپورٹ میں بچے کو فراز نے لے لیا۔ نانی کی گود خالی ہو گئی۔ وہ رونے لگی۔ نفاست نے ڈانٹ کر کہا۔ ”خبردار .... آنسو نہ بہانا۔ انہیں پونچھ لو اور گھر چلو۔ تمہارا نواسہ تمہیں ملتا رہے گا۔“

ثمینہ‘ سجاد‘ ارمانہ‘ حسرت‘ عالیہ اور اسد وغیرہ ائرپورٹ آئے تھے۔ ثمینہ نے بچے کو لے کر چومتے ہوئے کہا۔ ”میں اسے ماں کا بھرپور پیار دوں گی۔ ابھی تو مجھے زیبی کی حیثیت سے دادا جان کے پاس جانا ہو گا۔“

فراز نے بچے کو اپنی گود میں لے لیا۔ وہ بہت اداس دکھائی دے رہا تھا۔ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کچھ نہیں بول رہا تھا۔ خاموش تماشائی کی طرح سب کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ارمانہ‘ حسرت‘ عالیہ اور اسد کے ساتھ چلا گیا۔ ثمینہ‘ نفاست‘ سجاد اور کبریٰ کے ساتھ کوٹھی میں آ گئی۔ وہاں عبادت علی نے اسے زیبی سمجھ کر گلے لگا لیا۔ اس سے مختصر سی باتیں کیں۔ ثمینہ نے کہا۔ ”دادا جان! میں بہت تھک گئی ہوں‘ جا کر شاور لینا چاہتی ہوں۔“

”ہاں بیٹے! ضرور جاؤ۔“

وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر زیبی کے کمرے میں چلی گئی۔ کبریٰ بھی اس کمرے میں آ گئی۔ پھر ثمینہ سے لپٹ کر رونے لگی۔ قدِ آدم آئینے میں دیکھ کر کہنے لگی۔ ”دیکھو .... دیکھو .... وہاں میری زیبی ہے۔ یہاں بھی میرے کلیجے سے لگی ہوئی ہے۔ میں نے تمہیں سوتیلی سمجھ کر بہت بُرا کیا ہے‘ مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔“

ثمینہ نے اس کو چوم کر کہا۔ ”آپ میری بزرگ ہیں‘ میری ممی ہیں۔ آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ میں کبھی آپ کو زیبی کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گی۔ آپ کو اتنا پیار دوں گی کہ آپ مجھے دنیا والوں کے سامنے بڑے فخر سے زیبی کہتی رہیں گی۔“

“آج میں اقرار کرتی ہوں‘ تم بہت اچھی ہو‘ اس لئے تم نے آتے ہی اپنے ڈیڈی کو جیت لیا۔ اس کے بعد بُرے وقت میں ہمارے کام آتی رہیں۔ بارہا زیبی کی خالی جگہ پُر کرتی رہیں۔ ہم پر احسانات کرتی رہیں اور اب ساری زندگی میرے نواسے کے ساتھ محبت کرنے والی ہو۔ ممتا دینے والی ہو۔ اس کے بعد بھی میں تمہیں تسلیم نہ کروں تو بڑی زیادتی ہو گی۔”

وہ کہتے کہتے رک گئی پھر بولی۔ “نہ جانے میرا نواسہ کس حال میں ہے؟ میرے لئے روتا ہو گا؟ وہ دوایک دنوں میں میری گود کا عادی ہو گیا ہے۔”

ثمینہ نے کہا۔ “میں ابھی لباس تبدیل کر کے سدرہ بن کر دادا جان کے سامنے حاضری دینے جا رہی ہوں۔ وہاں سے واپس آ کر ہم دونوں کہیں باہر جانے کا بہانہ کریں گے اور سیدھے آپ کے نواسے کے پاس پہنچیں گے۔”

ثمینہ لباس تبدیل کر کے دوسرے دروازے سے باہر چلی گئی۔ کبریٰ کچھ دیر تک کمرے میں ٹہلتی رہی‘ سوچتی رہی۔ اس نے فراز کو ایک موبائل فون دیا تھا تاکہ وہ اس فون کے ذریعہ اس کے رابطے میں رہے۔

اس نے اس موبائل فون کے نمبرز پنچ کئے پھر رابطہ ہونے پر کہا۔ “ہیلو .... فراز! تم ہو؟”

“جی ممی! میں ہوں۔”

“بیٹے! ہم ایک گھنٹے کے اندر تمہارے پاس پہنچ رہے ہیں۔ بچہ میرے لئے بے چین ہو گا۔ تم پریشان نہ ہونا۔ میں آ کر اسے سنبھال لوں گی۔”

فراز نے کہا۔ “ممی! میں ایک گاؤں سے کراچی آیا تھا۔ حق حلال کی روزی کمانا چاہتا تھا لیکن میں یہاں قدم قدم پر جھوٹ اور فراڈ دیکھتا رہا۔ پھر زیبی سے رشتہ ہوا تو آپ کے خاندان کے جھوٹ اور فراڈ سامنے آتے گئے۔ میں سوچ رہا ہوں۔ کیا میرا بیٹا اس خاندان میں رہ کر جھوٹ بولنا اور دھوکا دینا سیکھتا رہے گا؟”

“یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ میں آ رہی ہوں پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔”

“آپ کہیں آنے جانے کی زحمت نہ کریں‘ میں خود چلا آیا ہوں۔”

وہ پریشان ہو کر بولی۔ “کہاں چلے آئے ہو؟”

“اسی کوٹھی کے دروازے پر۔ آپ ڈرائنگ روم میں چلی آئیں۔”

اس نے پریشان ہو کر فون بند کر دیا۔ پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر

آئی۔ اس نے اوپر سے نیچے ڈرائنگ روم میں جھانک کر دیکھا تو فراز دروازہ کھول کر اندر آ رہا تھا۔ وہاں نفاست اور عبادت علی کھڑے ہوئے تھے۔ عبادت علی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے اور نفاست پریشان ہو گیا تھا۔ فراز کے پیچھے اسد اور حسرت بھی کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے دائیں بائیں عالیہ اور ارمانہ بھی موجود تھیں۔

عبادت علی نے غصے سے پوچھا۔ “یہ سب کیا ہے؟ اسد یہاں کیوں آیا ہے؟ ہماری اجازت کے بغیر اس نے یہاں قدم رکھنے کی جرأت کیسے کی؟”

اسد نے کہا۔ “دادا جان! آپ کا غصہ بجا ہے۔ مجھے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ مگر آپ سے التجا ہے کہ آپ خود کو غصے سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ ہماری چند باتیں ٹھنڈے دماغ سے سن لیں۔ پھر ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔”

ثمینہ فہمی کے پاس گئی تھی۔ وہاں سے فہمی اور سجاد کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئی تو فراز کو بچے کے ساتھ دیکھ کر چونک گئی۔ فراز نے عبادت علی سے کہا۔ “میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اپنی ایک مختصر سی روداد سنانا چاہتا ہوں۔ پلیز .... آپ آرام سے بیٹھ کر سنیں۔ اس کے بعد میں چلا جاؤں گا۔”

“ہم تمہارے جیسے دھوکے باز کی کیا بات سنیں گے؟ تم یہاں سجاد بن کر آئے تھے۔ ہمیں دھوکہ دیتے رہے تھے۔”

“میں اس شہر میں کسی کو دھوکا دینے نہیں آیا تھا۔ میں ایک بے روزگار جوان تھا۔ روزی کمانا چاہتا تھا لیکن یہاں جب بھی کوئی کام کرنے گیا تو میرا سامنا جھوٹ اور فریب سے ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ میری بہن کی شادی بھی ایک فراڈ کے ذریعہ ہوئی۔ ایک اسمگلر نے میری بہن کی شادی کے لئے ایک لاکھ روپے دیئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ رقم میری زمین کو فروخت کر کے حاصل نہیں کی گئی تھی بلکہ مجھے دھوکے میں رکھا گیا تھا اور اسمگلنگ سے کمائے ہوئے ایک لاکھ روپے میری بہن کی شادی کے لئے بھیجے گئے تھے۔”

وہ بیزاری سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ انہیں ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ بولا۔ “پھر مجھے آپ کی پوتی زیبی سے محبت ہو گئی۔ وہ بھی مجھے چاہنے لگی۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھیں کہ زیبی کے دشمنوں نے مجھے لاکھوں روپے کا لالچ دیا تاکہ میں زیبی کو محبت کا فریب دوں‘ اسے اور اس کے خاندان کو بدنام کروں لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ زیبی کو حقیقت سے آگاہ کر دیا۔”

اس کی باتیں عبادت علی کے خاندان سے تعلق رکھتی ہوئی نظر آنے لگیں تو وہ توجہ

سے سننے لگے۔ فراز نے کہا۔ "مگر زیبی کی محبت بھی مجھے مہنگی پڑنے لگی۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں جعلی سجاد بن کر آپ کو دھوکا دوں اور اس طرح میں اس خاندان میں آ سکوں گا اور میری شادی سجاد کی حیثیت سے زیبی سے ہو جائے گی لیکن میں راضی نہ ہوا۔ کیونکہ شادی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ میں نے زیبی سے محبت کی تھی' کوئی کھیل نہیں کھیلا تھا۔ میں نے صاف طور سے کہہ دیا کہ میرے اصلی نام سے نکاح پڑھایا جائے گا' تب میں شادی کروں گا۔"

وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ "جناب! آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ بات بہت طویل ہو جائے گی۔ میں مختصراً عرض کر رہا ہوں۔ میں نے اور زیبی نے چھپ کر شادی کی اور شریعت محمدیؐ کے مطابق ہم ایک دوسرے کے شریکِ زندگی بن گئے۔"

عبادت علی نے غصے سے گرج کر کہا۔ "کیا بکواس کر رہے ہو' کیا ہماری پوتی نے تم سے چھپ کر شادی کی ہے؟"

انہوں نے پلٹ کر ثمینہ کو دیکھا' فراز نے کہا۔ "وہ زیبی نہیں' سدرہ ہے۔"

کبریٰ بھی نیچے ڈرائنگ روم میں آ گئی تھی۔ عبادت علی نے اسے گھورتے ہوئے گرج کر پوچھا۔ "زیبی کہاں ہے؟ اسے یہاں بلاؤ۔"

کبریٰ اور نفاست علی گم صم تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دیں؟ فراز نے کہا۔ "میری زیبی .... میری شریک حیات اور آپ کی پوتی اللہ کو پیاری ہو چکی ہے۔"

عبادت علی کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ ایک دم سے لرز گئے۔ بے یقینی سے کبھی فراز کو اور کبھی نفاست اور کبریٰ کو دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے آگے بڑھ کر نفاست کا گریبان پکڑ لیا۔ اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولے۔ "یہ .... یہ کیا بکواس کر رہا ہے؟ تم خاموش کیوں ہو؟ بولتے کیوں نہیں؟"

نفاست کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے' وہ بولا۔ "ابا جان! میں کیا بولوں؟ آپ کی صحت اور سلامتی کی خاطر میں جھوٹ بولتا رہا۔ آپ کو دھوکا دیتا رہا۔ مگر خدا جانتا ہے کہ یہ سب کچھ میں نے آپ کی طویل عمری کے لئے کیا ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو بار بار دل کا دورہ پڑے۔"

عبادت علی اس کا گریبان چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ حیرانی اور غصے سے بیٹے کو دیکھنے لگے۔ نفاست نے کہا۔ "ابا جان! آپ کو اتنی عمر گزارنے کے بعد اب تو پتھر بن جانا چاہئے

اور جو ہو رہا ہے اسے برداشت کرنا چاہئے۔ یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ آپ کی اصول پرستی اور ضد نے تمام بچوں کو باغی بنا دیا ہے۔ پہلے زیبی نے چھپ کر اپنا نکاح پڑھوایا' پھر اسد نے چھپ کر شادی کی۔ اس کے بعد حسرت بھی شادی کر چکا ہے۔ آپ کے دونوں پوتوں کی بیویاں یہاں آپ کے سامنے موجود ہیں۔"

عبادت علی نے ارمانہ اور عالیہ کو گھور کر دیکھا۔ وہ شدید غصے سے یا صدمے کی شدت سے کانپ رہے تھے۔ ان سے شاید یہ برداشت نہیں ہو رہا تھا کہ انہیں اب تک یہ دھوکے ملتے رہے ہیں۔

وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے ڈگمگاتے قدموں سے زینے کی طرف جانے لگے۔ نفاست نے آگے بڑھ کر انہیں تھام کر سہارا دینا چاہا تو انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا پھر کہا۔ "خبردار .... ہمیں کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ ہمیں جتنی بلندی سے گرایا گیا ہے اس کے بعد ہم پستی میں آ کر کسی کو چھونا تو کیا دیکھنا بھی گوارہ نہیں کریں گے۔"

وہ ڈگمگاتے قدموں سے چلتے ہوئے زینے کی طرف آئے۔ پھر اس کے ایک پائدان پر چڑھتے ہوئے پلٹ کر بولے۔ "تم سب دھوکے باز ہو۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کے لئے ہم فخر سے کہہ سکیں کہ یہ ہمارا سچا بیٹا ہے' یا پوتا ہے یا پوتی ہے۔ کوئی ہمارا اپنا نہیں ہے۔ سب رشتے جھوٹے ہیں۔ ہمیں خون کے رشتے دھوکا دیتے رہے ہیں۔ ہمیں ذلیل کرتے رہے ہیں۔ اپنی نظروں سے گرا رہے تھے۔ منہ کے سامنے محبتیں جتاتے رہے ہیں اور پیٹھ پیچھے دشمنی کرتے رہے ہیں اور سوچتے رہے کہ یہ بڈھا کتنا بے وقوف ہے کہ ان کے جھوٹ سے بہل رہا ہے اور دھوکے کھا کھا کر زندگی گزار رہا ہے اور خود کو بہت بڑا سرپرست اور اَن داتا سمجھ رہا ہے۔"

وہ ڈگمگاتے قدموں سے ایک ایک پائدان عبور کرنے لگے۔ کہنے لگے۔ "مگر ہم ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہیں۔ کوئی ہمیں بلندی سے نیچے نہیں گرا سکتا۔ ہم بلندی پر رہنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور بلندی پر رہ کر ہی مریں گے۔"

وہ اوپر چڑھتے جا رہے تھے اور بولتے جا رہے تھے۔ "ارے ہمارے احسان فراموش بچو! دروازے پر آئے ہوئے بھکاری کو ہمدردی سے بھیک دی جاتی ہے۔ تم میں سے کوئی تو ہم سے ہمدردی کرتا اور سچے دل سے ایک بار سچی محبت دے دیتا۔"

انہوں نے زینے کی نصف بلندی سے پلٹ کر بیٹے کو دیکھا۔ نفاست نے کہا۔ "ابا جان! اب بھی آپ کو سچی اور کھری محبت مل سکتی ہے۔ آپ صرف اپنے اصول بدل

دیں۔ دوسروں کو اپنے سے کم تر نہ سمجھیں۔ عالیہ اور ارمانہ کو اپنی بہو تسلیم کر لیں۔ یہ تمام بچے ابھی آ کر آپ کے قدموں میں گر پڑیں گے۔"

انہوں نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے ان تمام بچوں کو دیکھا۔ پھر طنزیہ انداز میں مسکرانے لگے۔ پھر لرزتے ہوئے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بولے۔ "سچی اور کھری محبت ہمیں اس جھت کے نیچے ملے گی؟ نہیں .... کبھی نہیں۔ نفاست! تمہاری ماں نے' ہمارے بچو! تمہاری دادی نے ہمیں کم تر سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ ہم سے طلاق لے کر چلی گئی تھیں۔ ہمیں دودھ کی مکھی کی طرح اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔

"تب سے ہم نے قسم کھائی تھی ہم اپنے آپ کو سب سے برتر بن کر دکھائیں گے اور سب کو خود سے کم تر بنا کر رکھیں گے اور ہم نے اب تک یہی کیا تھا لیکن آج پتہ چلا کہ ہم کامیاب ہوتے ہوئے بھی ناکام ہوتے رہے' شکست کھاتے رہے۔ کس سے کھاتے رہے؟ اپنے بیٹے سے؟ اپنے پوتوں سے؟ اپنی پوتیوں سے؟"

وہ بولتے بولتے زینے کی بلندی پر پہنچ گئے۔ پھر وہاں سے کھڑے ہو کر بولے۔ "ہاں .... اب بھی ہمارا ایک پوتا ہے' ایک پوتا ہے جو ہمیں دل و جان سے چاہتا ہے۔ اس نے ہمیں کبھی دھوکا نہیں دیا۔ وہ ہم سے جھوٹ نہیں بولتا ہے' بولتا بھی ہے تو پھر آ کر سچ بول کر معافی مانگ لیتا ہے۔ گمراہ ہوتا ہے تو پلٹ کر آ جاتا ہے۔ ہمارے قدموں میں گر پڑتا ہے۔ وہ ہے ہمارا پوتا .... مراد .... اب وہی ہمارا جانشین ہے۔ وہی ہمارے بڑھاپے کو سنبھالے گا۔"

ان کی بات ختم ہوتے ہی ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا۔ مراد حمیرا کے ساتھ اندر آیا۔ عبادت علی نے زینے کی بلندی سے اسے اور اس کے ساتھ کھڑی ہوئی لڑکی کو دیکھا۔ مراد نے کہا۔ "دادا جان! مجھے معلوم ہوا تھا کہ سب لوگ یہاں آ گئے ہیں اور آج یومِ حساب ہے۔ سب سچ بول رہے ہیں۔ تو مجھے بھی سچ بولنا چاہئے کہ ان سب سے پہلے میں نے شادی کی تھی۔ یہ آپ کی بڑی بہو ہے۔"

یکبارگی عبادت علی کا دل اس زور سے دھڑکا کہ اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ انہوں نے ایک ہچکی لی۔ قدم لڑکھڑا گئے۔ پھر وہ ایسے گرے کہ زینے کی ڈھلان پر کہیں رک نہ سکے۔ ایک پائدان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پائدان سے لڑھکتے ہوئے نیچے جانے لگے۔

سب ہی چیختے ہوئے ان کی طرف لپکے لیکن وہ زینے کی بلندی پر ہی دم توڑ چکے

تھے۔ اپنی یہ ضد منوا چکے تھے کہ وہ مریں گے تو بلندی پر ہی مریں گے۔

سب کے سب جھک گئے تھے۔ کبریٰ اور ثمینہ رو رہی تھیں۔ وہ سرپرست اچھا تھا یا بُرا تھا' صحیح تھا یا غلط تھا لیکن وہ تمام عمر اپنے اصولوں پر قائم رہا تھا۔ نہ کوئی اس کے اصولوں کو توڑ سکا تھا نہ ہی کوئی اسے جھکا سکا تھا اور نہ کوئی اسے اس کی زندگی میں پستی میں گرا سکا تھا۔ وہ پستی میں آیا بھی تو مرنے کے بعد ہی آیا۔ اس نے زندگی کی آخری سانس بلندی پر ہی پوری کی تھی۔

☆====== ختم شد ======☆